كشف الباري
عما في صحيح البخاري
فضائل الصحابة
شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان مدظلہ
مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی
مکتبہ فاروقیہ
شاہ فیصل کالونی ۴ کراچی

تاثرات

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم
شیخ الحدیث، جامعہ دار العلوم، کراچی

''کشف الباری عما فی صحیح البخاری'' اردو زبان میں صحیح بخاری شریف کی عظیم الشان اردو شرح ہے جو شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہم کی نصف صدی کے تدریسی افادات اور مطالعہ کا نچوڑ وثمرہ ہے، یہ شرح ابھی تدوین کے مرحلے میں ہے۔ ''کشف الباری'' عوام وخواص، علما وطلبہ ہر طبقے میں الحمد للہ یکساں مقبول ہورہی ہے، ملک کی ممتاز دینی درس گاہ دار العلوم کراچی کے شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم اور جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزئی مدظلہم نے ''کشف الباری'' سے والہانہ انداز میں اپنے استفادے کا ذکر کرتے ہوئے کتاب کے متعلق اپنے تاثرات قلمبند فرمائے ہیں، ذیل میں ان دونوں علماء کے یہ تاثرات شائع کیے جارہے ہیں۔

کشف الباری

صحیح بخاری کی اردو میں ایک عظیم الشان شرح

احقر کو بفضلہ تعالیٰ اپنے استاذ معظم شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب (أطال الله بقاء ه بالعافية) سے تلمذ کا شرف پچھلے 43 سال سے حاصل ہے، ان میں سے ابتدائی تین سال تو باقاعدہ اور باضابطہ تلمذ کا موقع ملا، جس میں احقر نے درس نظامی کی متعدد اہم ترین کتابیں حضرت سے پڑھیں، جن میں ہدایہ آخرین، میبذی اور دورۂ حدیث کے سال جامع ترمذی شامل ہیں، پھر اس کے بعد بھی الحمد للہ استفادہ کا سلسلہ کسی نہ کسی جہت سے قائم رہا۔ حضرت کا دلنشین اندازِ تدریس ہم سب ساتھیوں کے درمیان یکساں طور پر مقبول اور محبوب تھا اور اس کی خصوصیت یہ تھی کہ مشکل سے مشکل مباحث حضرت کی سلجھی ہوئی تقریر کے ذریعے پانی ہوجاتے تھے، خاص طور سے جامع ترمذی کے درس میں یہ بات نمایاں طور پر نظر آئی کہ شروحِ حدیث کے وہ مباحث جو مختلف کتابوں میں غیر مرتب انداز میں پھیلے ہوئے ہوتے، وہ حضرت کے درس میں نہایت انضباط کے ساتھ اس طرح مرتب ہوجاتے کہ ان کا سمجھنا اور یاد رکھنا ہم جیسے طالب علموں کے لیے نہایت آسان ہوتا اور اس طرح حضرت نے ایک کتاب اور اس کے موضوعات ہی نہیں پڑھائے، بلکہ اس بات کی تعلیم بھی دی کہ بکھرے ہوئے مباحث کو کس طرح سمیٹا جائے اور انہیں فہم سے قریب کرنے کے لیے کیا انداز اختیار کیا جائے۔ حضرت کے اس اندازِ تدریس کا یہ احسان میرے علاوہ ان تمام طلبہ کے لیے ناقابل فراموش ہے جنہیں حضرت سے پڑھنے کے بعد کسی علمی خدمت کا موقع ملا۔

حضرت نے اپنے علمی مقام اور اپنے وسیع افادات کو ہمیشہ اپنی اس متواضع، سادہ اور بے تکلف زندگی کے پردے میں چھپائے رکھا جس کا مشاہدہ ہر شخص آج بھی ان سے ملاقات کر کے کرسکتا ہے۔

لیکن پچھلے دنوں حضرت کے بعض تلامذہ نے آپ کی تقریر بخاری کوٹیپ ریکارڈر کی مدد سے مرتب کر کے شائع کرنے کا ارادہ کیا اور اب بفضلہٖ تعالیٰ ''کشف الباری'' کے نام سے منظرِ عام پر آچکی ہیں۔

جب پہلی بار ''کشف الباری'' کا ایک نسخہ میرے سامنے آیا تو حضرت سے پڑھنے کے زمانے کی جو خوشگوار یادیں ذہن پر مرتسم تھیں، انہوں نے طبعی طور پر کتاب کی طرف اشتیاق پیدا کیا۔ لیکن آج کل مجھ ناکارہ کو گوناگوں مصروفیات اور اسفار کے جس غیر متناہی سلسلے نے جکڑا ہوا ہے اس میں مجھے اپنے آپ سے یہ امید نہ تھی کہ میں ان ضخیم جلدوں سے پورا پورا استفادہ کر سکوں گا، یوں بھی اردو زبان میں اکابر سے لے کر اصاغر تک بہت سے حضرات اساتذہ کی تقاریر بخاری معروف ومتداول ہیں اور ان سب کو بیک وقت مطالعے میں رکھنا مشکل ہوتا ہے۔

لیکن جب میں نے ''کشف الباری'' کی پہلی جلد سرسری مطالعے کی نیت سے اٹھائی تو اس نے مجھے خود مستقل طور پر اپنا قاری بنالیا۔ اپنے درس بخاری کے دوران جب میں ''فتح الباری، عمدۃ القاری، شرح ابن بطال، فیض الباری، لامع الدراری اور فضل الباری کا مطالعہ کرنے کے بعد ''کشف الباری'' کا مطالعہ کرتا تو ظاہر ہوتا کہ اس کتاب میں مذکورہ تمام کتابوں کے اہم مباحث دلنشین تفہیم کے ساتھ اس طرح یک جا ہوگئے ہیں جیسے ان کتابوں کا لب لباب اس میں سمٹ آیا ہو۔ اور اس کے علاوہ بھی بہت سے مسائل اور مباحث اس پر مستزاد ہیں۔ اس طرح مجھے بفضلہٖ تعالیٰ ''کشف الباری'' کی ابتدائی دو جلدوں کا تقریباً بالاستیعاب مطالعہ کرنے کا شرف حاصل ہوا اور کتاب المغازی والی جلد کے بیشتر حصے سے استفادہ نصیب ہوا اور اگر میں یہ کہوں تو شاید یہ مبالغہ نہیں ہوگا کہ اس وقت صحیح بخاری کی جتنی تقاریر اردو میں دستیاب ہیں ان میں یہ **تقریر اپنی نافعیت اور جامعیت کے لحاظ سے سب پر فائق** ہے۔ اور یہ صرف طلبہ ہی کے لیے نہیں، بلکہ صحیح بخاری کے اساتذہ کے لیے بھی نہایت مفید ہے۔ مباحث کے انتخاب، تطویل اور اختصار میں ہر پڑھانے والے کا مذاق جدا ہو سکتا ہے۔ لیکن اس میں صحیح بخاری کے طالب علم اور استاذ کے لیے تقریباً تمام ضروری مسائل کا احاطہ کرلیا گیا ہے۔ پہلی دو جلدیں تقریباً 14 سو صفحات پر مشتمل ہیں۔ اور ان میں صرف کتاب الایمان مکمل ہوئی ہے۔ جب کہ شروع میں علم حدیث اور صحیح بخاری کے بارے میں نہایت مفید مقدمہ بھی شامل ہے دوسری دو جلدیں کتاب المغازی اور کتاب التفسیر پر مشتمل ہیں۔ اور ان کی ضخامت بھی قریب قریب اتنی ہی ہے۔

اس تقریر کی ترتیب اور تدوین میں مولانا نور البشر اور مولانا ابن الحسن عباسی صاحبان (فاضلین دار العلوم کراچی) نے اپنی صلاحیت اور قابلیت کا بہترین مظاہرہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کو جزائے خیر عطا فرمائیں، وفقهما الله تعالىٰ لأمثال أمثاله، دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس خدمت کو قبول فرمائیں اور تقریر کے باقی ماندہ حصے بھی اسی معیار کے ساتھ مرتب ہو کر شائع ہوں۔ انشاء اللہ یہ کتاب اپنی تکمیل کے بعد اردو میں صحیح بخاری کی جامع ترین شرح ثابت ہوگی۔

اللہ تعالیٰ حضرت صاحبِ تقریر کا سایۂ عاطفت ہمارے سروں پر تادیر بعافیتِ تامہ قائم رکھیں، ہمیں اور پوری امت کو ان کے فیوض سے مستفید ہونے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین۔

احقر اس لائق نہیں تھا کہ حضرتِ والا کی تقریر کے بارے میں کچھ لکھتا، لیکن تعمیل حکم میں یہ چند بے ربط اور بے ساختہ تاثرات قلمبند ہوگئے۔ حضرت صاحبِ تقریر اور اس عظیم الشان کتاب کا مرتبہ یقیناً اس سے کہیں زیادہ بلند ہے۔

☆☆☆☆

تاثرات

حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزی صاحب

شیخ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ، بنوری ٹاؤن کراچی

حدیثِ رسول قرآن کریم کی شرح ہے

لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلو علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کی ذمہ داری قرآن کریم کی آیات صرف پڑھ کر سنانا نہیں تھا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ کتاب اللہ کے احکام کی تعلیم، قولی اور عملی طریقے سے دینا بھی آپ کے فرائض میں داخل تھا اور یہ ان مقاصد میں سے تھا جس کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو مبعوث فرمایا تھا کیونکہ علمائے امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حکمت سے مراد قرآن کریم کے علاوہ شریعت کے وہ احکام ہیں جن پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے وحی خفی کے ذریعہ آپ کو اطلاع دی تھی، چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "الرسالۃ" میں لکھا ہے۔

"سمعت من أرضى من أهل العلم بالقرآن يقول: الحكمة سنة رسول الله ﷺ" (ص:۳۲)

''میں نے قرآن کے ان اہل علم کو جن کو میں پسند کرتا ہوں یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ حکمت سے مراد نبی اکرم ﷺ کی سنت ہے''۔

امام شاطبی نے اپنی کتاب ''الموافقات'' (ج ۴ ص: ۱۰) پر لکھا ہے " فكانت السنة بمنزلة التفسير والشرح لمعاني أحكام الكتاب" "یعنی سنت کتاب اللہ کے احکام کے لئے شرح کا درجہ رکھتی ہے''۔

اور امام محمد بن جریر طبری سورۂ بقرہ کی آیت " ربنا وابعث فيهم رسولا ......" کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں:

"الصواب من القول عندنا فی الحكمة أن العلم بأحكام الله التی لا يدرك علمها إلا ببيان الرسول صلى الله عليه وسلم، والمعرفة بها ومادل عليه فی نظائره، وهو عندی مأخوذ من الحكم الذی بمعنى الفصل بين الباطل والحق.

''ہمارے نزدیک صحیح تر بات یہ ہے کہ حکمت اللہ تعالیٰ کے احکام کے علم کا نام ہے جو صرف نبی کریم ﷺ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے......''

اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ "ألا إنی أوتيت القرآن ومثله معه "یعنی مجھے قرآن کریم دیا گیا ہے اور اس کے مثل مزید، جس سے مراد قرآن کریم کی شرح یعنی نبی اکرم ﷺ کی قولی وفعلی احادیث مبارکہ ہی ہیں اور اسی لئے اللہ تبارک تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو قرآن حکیم میں خطاب کر کے دین کے اس حصے کی حفاظت کا حکم فرمایا تھا ...... ﴿ واذكرن مايتلى فی بيوتكن من آيات الله والحكمة...... ﴾ کہ تمہارے گھروں میں اللہ تعالیٰ کی جو آیتیں اور حکمت کی جو باتیں سنائی جاتی ہیں ان کو یاد رکھو۔

علمائے امت کے ہاں اس پر اجماع ہے کہ قرآن کریم کے مجملات ومشکلات کی تفسیر وتشریح اور اعمالِ دینیہ کی عملی صورت نبی کریم ﷺ کے اقوال واعمال اور آپ کے احوال جانے بغیر نہیں ہو سکتی، کیونکہ آپ مرادِ الٰہی کے بیان وتفسیر کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر تھے، چنانچہ ارشاد ہے: "أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ" (سورۃ النحل) ''آپ پر ہم نے یہ ذکر یعنی یادداشت نازل کی تا کہ جو کچھ ان کی طرف اتارا گیا ہے، آپ اس کو کھول کر لوگوں سے بیان کر دیں''۔ چنانچہ قرآن کریم میں جتنے احکام نازل فرمائے گئے تھے، مثلاً وضو، نماز، روزہ، حج، درود، دعا، جہاد، ذکر الٰہی، نکاح، طلاق، خرید وفروخت، اخلاق ومعاشرت ...... یہ سب احکام قرآن کریم میں مجملاً تھے، ان

احکام کی تفسیر وتشریح نبی اکرم ﷺ نے فرمائی، اس بناء پر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے۔ "ومن یطع الرسول فقداطاع اللہ ......"

اس تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کی احادیث قرآن کریم سے الگ عجمی دین نہیں پیش کرتی ہیں اور نہ ہی یہ عجمی سازش ہے، بلکہ یہ قرآن کریم کے اجمال کی تفصیل ہے اور دینِ اسلام کا حصہ ہے۔

حفاظتِ حدیث، امت مسلمہ کی خصوصیت

اسی اہمیت وخصوصیت کی بناء پر اس کی حفاظت وتدوین اور تشریح کے لئے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں اور کروڑوں انسانوں کی کوششیں صرف ہوئی ہیں، حافظ ابن حزم ظاہریؒ نے اپنی کتاب ''الفصل'' میں لکھا ہے کہ پچھلی امتوں میں کسی کو بھی یہ توفیق نہیں ملی کہ اپنے رسول کے کلمات کو صحیح اور ثبوت کے ساتھ محفوظ کر سکے، یہ صرف اس امت کی خصوصیت ہے کہ اس کو اپنے رسول کے ایک ایک کلمے کی صحت اور اتصال کے ساتھ جمع کرنے کی توفیق ملی، مسلمانوں کے اس عظیم کارنامے کا اعتراف غیر مسلموں کو بھی ہے۔

''خطبات مدراس'' میں مولانا سید سلیمان ندوی نے ڈاکٹر اسپنگر کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ مسلمانوں نے علم حدیث کی حفاظت کے لئے اسمائے رجال کا فن ایجاد کیا، جس کی بدولت آج پانچ لاکھ سے زیادہ انسانوں کے حالات محفوظ ہو گئے، یہ وہ لوگ ہیں جن کا نبی اکرم ﷺ کی احادیث سے جمع ونقل کا تعلق ہے، اس کے علاوہ علم حدیث کے سوفنون ہیں جن کی تفصیل مصطلح الحدیث کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔

تدوینِ حدیث کی ابتداء

حدیث کی جمع وترتیب اور تدوین کی تفصیل ان کتب میں دیکھی جائے جو منکرینِ حدیث اور مستشرقین یورپ کے جواب میں علمائے امت نے لکھی ہیں، یہاں اس کا موقع نہیں البتہ مختصراً اتنی بات سمجھ لینی چاہئے کہ احادیث مبارکہ کے لکھنے کا سلسلہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں بھی تھا اور بعض صحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ کی اجازت سے آپ ﷺ کی احادیث کو محفوظ وقلمبند کیا، اس کے بعد پھر تابعین اور تبع تابعین کے دور میں احادیث کی ترتیب وتدوین کے کام میں مزید ترقی ہوئی اور پہلی صدی ہجری کے اختتام اور دوسری صدی ہجری کے ابتدائی حصے میں خلیفۂ راشد وعادل حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانۂ خلافت میں سرکاری طور پر اس کے لئے اہتمام شروع ہوا اور پھر ان کے انتقال کے بعد اگرچہ اس کام کا سرکاری اہتمام تو باقی نہیں رہا لیکن علمائے امت نے اس کا بیڑا سنبھالا اور الحمدللہ آج احادیث مرتب اور منقح صورت میں جو ہمارے سامنے موجود ہیں، یہ محدثین، فقہاء اور علمائے امت کا وہ عظیم الشان کارنامہ ہے کہ واقعۃً تاریخ عالم اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

صحیح بخاری شریف کا مقام

اس سلسلۂ ترتیب وتدوین کی ایک زریں کڑی امام محمد بن اسماعیل البخاری کی کتاب ''الجامع الصحیح المسند من حدیث رسول ﷺ وسننہ وایامہ'' ہے، اس کتاب میں امام بخاریؒ نے وہ آٹھ اقسام جمع کر دیے ہیں جو کسی کتاب کے جامع ہونے کے لئے ضروری ہیں امام بخاری نے نہ معلوم کس قدر عظیم اخلاص کے ساتھ یہ کتاب لکھی تھی جس کی بناء پر اللہ تبارک تعالیٰ نے اسے وہ عظیم مقبولیت عطا فرمائی کہ مخلوق کی کتابوں میں جس کی نظیر پیش نہیں کی جاسکتی، چنانچہ حافظ ابن صلاح فرماتے ہیں کہ ''اللہ کی کتاب کے بعد صحیح بخاری اور صحیح مسلم سب سے صحیح ترین کتابیں ہیں اور...... ''إن کتاب البخاری أصح الکتابین صحیحا، وأکثرھما فوائد'' اور امام نسائی فرماتے ہیں " أجود ھذہ الکتب کتاب البخاری" اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی کتاب " حجۃ اللہ البالغہ" (ص:۲۹۷) میں ارشاد فرماتے ہیں: ''جو شخص اس کتاب کی عظمت کا

قائل نہ ہو، وہ مبتدع ہے اور مسلمانوں کی راہ سے ہٹا ہوا ہے'' پھر قسم اٹھا کر فرماتے ہیں: ''اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کتاب کو جو شہرت عطا فرمائی، اس سے زیادہ کا تصور نہیں کیا جاسکتا''۔

اس کتاب میں جو خصوصیات اور امتیازات ہیں ان کی تفصیل کو زیرِ نظر کتاب کے مقدمہ میں دیکھا جائے۔

شروح بخاری

ان ہی خصوصیات وامتیازات اور اہمیت ومقبولیت کی بناء پر صحیح بخاری کی تدوین وتصنیف کے بعد ہر دور کے علماء نے اس پر شروح وحواشی لکھے ہیں، شیخ الحدیث حضرت اقدس حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی نور اللہ مرقدہ نے ''لامع الدراری'' کے مقدمہ میں ایک سو سے زیادہ شروح وحواشی کا ذکر کیا ہے۔ ابھی ابھی " ابن بطال" کی شرح بخاری چھپی ہے اس کے مقدمہ میں کتاب کے محقق ابو تمیم یاسر بن ابراہیم فرماتے ہیں:

"فأضحى هذا الكتاب أصح كتاب بعد القرآن، واحتل من بين الكتب الصدارة والاهتمام، فقضى العلماء أمامه الليالي والأيام، فمنهم الشارح لما في ألفاظ متونه من المعاني والأحكام، ومنهم الشارح لمناسبات تراجم أبوابه، ومنهم المترجم لرجال اسانيده، ومنهم الباحث فی شرط البخاری فيه، ومنهم المستدرك عليه أشياء لم يخرجها، ومنهم المتتبع أشياء انتقدها عليه، إلى غير ذلك من أنواع العلوم المتعلقة بالجامع الصحيح (ص:۷ ج۱)''

یعنی ان کتب حدیث میں جب صحیح بخاری نے صدارت کا مقام حاصل کیا تو علماء امت نے اپنی زندگیاں اور دن رات اس کتاب کی خدمت میں صرف کردیے۔ بعض لوگوں نے اس کتاب کے متون حدیث میں جو معانی واحکام ہیں ان پر کتابیں لکھیں، بعض علماء نے ابواب بخاری کی مناسبت یا اس کی اسانید کے رجال کے حالات پر اور بعض نے بخاری کی شرائط پر اور بعض نے کتاب پر استدراک وانتقاد کے سلسلے میں کتابیں لکھیں۔

پھر فرماتے ہیں کہ صحیح بخاری کی سب سے پہلی شرح حافظ ابوسلیمان الخطابی المتوفی ۳۸۶ھ کی ''أعلام الحدیث'' ہے، اس شرح میں صرف غریب الفاظ کی تشریح ہے۔

اس کے بعد پھر حافظ داؤدی المتوفی ۴۰۲ھ کی شرح ہے، ابن التین نے اپنی شرح بخاری میں اس کی عبارتیں نقل کی ہیں، ان کے بعد پھر علامہ ''مہلب بن احمد بن ابی صفرہ'' المتوفی ۴۳۵ھ کی شرح ہے، اسی شرح کی تلخیص شارح کے شاگرد ''ابوعبداللہ محمد بن خلف بن المرابط الاندلسی المصری المتوفی ۴۸۵ھ نے کی ہے، ان کے بعد پھر ابوالحسن علی بن خلف بن بطال القرطبی المتوفی ۴۴۹ھ کی شرح ہے، یہ مہلب کے شاگرد تھے اور انھوں نے ان کی شرح سے استفادہ کیا ہے، ابن بطال کی شرح سے پہلے صرف ''خطابی'' کی شرح مطبوع ہے، اور اب ''ابن بطال'' کی شرح چھوٹے سائز کی دس جلدوں میں چھپ چکی ہے، امام نووی المتوفی ۶۷۶ھ نے بھی صرف کتاب الایمان کی شرح لکھی، اسی طرح امام شمس الدین محمد بن یوسف بن علی الکرمانی المتوفی ۷۸۶ھ کی شرح ''الکواکب الدراری'' شیخ جمال الدین الشافعی المتوفی ۶۷۲ھ کی ' شواہد التوضیح والتصحیح لمشکلات الجامع الصحیح'' حافظ ابن حجر العسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ کی ''فتح الباری'' امام بدرالدین عینی المتوفی ۸۵۵ھ کی ''عمدۃ القاری'' علامہ جلال الدین السیوطی المتوفی ۹۱۱ھ کی ''التوشیح'' امام قسطلانیؒ کی ' ارشاد الساری'' علامہ نورالحق بن مولانا الشیخ عبدالحق محدث دھلوی المتوفی ۱۰۷۳ھ کی 'تیسیر القاری'' شیخ الاسلام بن محب اللہ البخاری کی شرح جو تیسیر القاری کے حاشیہ پر ہے، حافظ دراز پشاوری کا حاشیہ بھی ''تیسیر القاری'' کے حاشیہ پر چھپا ہے، علامہ ابوالحسن نورالدین محمد بن عبدالہادی سندھی کا حاشیہ ...... یہ تمام صحیح بخاری کے مشہور اور مطبوع شروح وحواشی ہیں۔

ہندوستان میں علم حدیث کی خدمات کا مختصر جائزہ

ہندوستان میں جب علم حدیث کا سلسلہ شروع ہوا تو اس کے بعد حدیث کی خدمت کے سلسلے میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور ان کے گھرانے کی گراں قدر خدمات ہیں، حضرت شیخ نے خود مشکوۃ المصابیح پر عربی اور فارسی میں شروح لکھیں اور ان کے صاحبزادے نے صحیح بخاری پر شرح لکھی پھر ان کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کے خاندان کی خدمات بھی آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔

صحیح بخاری کے ابواب وتراجم پر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا رسالہ صحیح بخاری کی ابتداء میں مطبوع اور متداول ہے پھر ان کے بعد حدیث کی تدریس وتشریح کے سلسلے میں علماء دیوبند کا دور آتا ہے جس میں نمایاں خدمت حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری کا حاشیہ بخاری ہے جس کی تکمیل حضرت قاسم العلوم والخیرات حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نے کی، نیز حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری نے صحاح کی اکثر کتب پر حواشی لکھے اور احادیث کی کتب اہتمام صحت کے ساتھ چھپوائیں۔

پھر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نوراللہ مرقدہ کی خدمات تدریس حدیث اور ان کے لائق تلامذہ کی وہ تقاریر بھی خدمت حدیث کی سنہری کڑیاں ہیں جن میں صحیح بخاری پر ''لامع الدراری'' اور سنن ترمذی پر ''الکوکب الدری'' جو حضرت شیخ الحدیث کے قیمتی حواشی کے ساتھ چھپ چکی ہیں، سنن ابن ماجہ پر حضرت شیخ الہند کے استاذ ملا محمودؒ کا حاشیہ اور سنن ابی داؤد پر حضرت شیخ الہند اور حضرت مولانا فخر الحسن گنگوہی کے حواشی، سنن ترمذی اور سنن النسائی پر حضرت مولانا اشفاق الرحمان کاندھلویؒ کے حواشی اور ابوداؤد پر حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری کی بے مثال شرح ''بذل المجهود'' سنن ترمذی اور سنن ابی داؤد پر حضرت شیخ الہند کی تقاریر، صحیح بخاری اور سنن ابی داؤد پر حضرت امام العصر علامہ انور شاہ کاشمیری کی تقاریر، سنن ترمذی پر علامہ انور شاہ کشمیری اور شیخ الاسلام حضرت مدنی کی تقاریر، صحیح مسلم پر حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی لاجواب شرح، اسی طرح سنن ترمذی پر حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کے مختصر نکات، صحیح بخاری پر حضرت عثمانی کی تقریر اور حضرت شیخ الحدیث کی تقریر اور " الابواب والتراجم" "موطا امام مالکؒ پر ان کی شرح" اوجز المسالک" موجودہ زمانے میں حضرت مولانا محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کی ''تکملة فتح الملهم'' اور درس ترمذی، حضرت مولانا فخر الدینؒ کی '' ایضاح البخاری" اور" الابواب والتراجم" پر ان کی کتاب، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی "التعليق الصبيح" اور صحیح بخاری پر " الابواب والتراجم" مولانا عبدالجبار اعظمی کی '' امداد الباری'' شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غور غشتوی کا '' حاشیہ مشکوۃ'' حضرت مولانا عبدالحق (اکوڑہ خٹک) کی تقریر ترمذی، حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب کی ترمذی پر شرح، مولانا نذیر احمد صاحب فیصل آبادی کی مشکوۃ پر تقریر، حضرت مولانا عبدالرحمان کاملپوری کی ''معارف ترمذی'' اور اس طرح کی دیگر لاتعداد کتب، علم حدیث کی وہ گرانقدر خدمات ہیں جن سے زمانہ صرف نظر نہیں کر سکتا اور نہ علوم کی تاریخ لکھنے والا ان خدمات کو نظر انداز کر سکتا ہے۔

کشف الباری
صحیح بخاری کی شروح میں ایک گرانقدر اضافہ

موجودہ دور میں علم حدیث اور خصوصاً صحیح بخاری کی خدمت وتشریح کے سلسلے میں ایک گراں قدر، قیمتی اور بے مثال اضافہ سیدی وسندی، مسند العصر، استاذ العلماء، شیخ الحدیث وصدر وفاق المدارس پاکستان حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم وخوضہ وادام اللہ علینا ظلہ کی صحیح بخاری پر تقریر " كشف الباری عما فی صحيح البخاری" ہے یہ کتاب حضرت کی ان تقاریر پر مشتمل ہے جو صحیح بخاری پڑھاتے وقت حضرت نے فرمائیں۔

جامعہ فاروقیہ میں احقر کے دورۂ حدیث پڑھنے کا پس منظر

بندہ نے خود بھی حضرت دام ظلہ سے صحیح بخاری پڑھی تھی جس کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ بندہ صوبہ سرحد، ضلع سوات، تحصیل مٹہ، گاؤں فاضل بیگ گھڑی، کے دیہات سے رمضان المبارک کے آخر میں جامعہ اشرفیہ لاہور میں داخلے کے ارادے سے روانہ ہوا، راولپنڈی آکر اگلی منزل پر روانگی کے لئے دار العلوم تعلیم القرآن راجہ بازار، راولپنڈی میں ٹھہر گیا، یہ ۱۹۷۳ء کی بات ہے اس زمانے میں جامعہ اشرفیہ میں علم کے آفتاب و ماہتاب حضرت مولانا رسول خان صاحب اور حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ دورۂ حدیث کی کتابیں پڑھاتے تھے، بندہ بھی شیخین سے استفادہ کی خاطر گھر سے نکلا تھا، راولپنڈی میں قیام کے دوران طالب علمی کے دور کے شفیق و بزرگ ساتھی حضرت مولانا محمد اکبر صاحب چکیسری سے ملاقات ہوئی، وہ اس سال جامعہ فاروقیہ میں حضرت دام مجدہ سے دورۂ حدیث پڑھ چکے تھے، انھوں نے بندہ کے ارادے پر مطلع ہونے کے بعد کچھ اس والہانہ اور محبت کے انداز میں حضرت کی طرز تدریس اور قدرت علی التدریس کا تذکرہ کیا کہ بندہ کے لاہور جانے کے ارادے میں کچھ تزلزل پیدا ہوا اور پھر انھوں نے مجھ پر اصرار کیا کہ میں بھی دورۂ حدیث جامعہ فاروقیہ کراچی میں حضرت سے پڑھ لوں، چنانچہ بندہ نے ان کی معیت میں کراچی کا سفر کیا، انھوں نے حضرت سے سفارش کر کے بندہ کا داخلہ دورہ حدیث میں کرایا ''مشکوۃ المصابیح'' میں حضرت نے خود بندہ کا امتحان لیا، مجھے اب تک مقام امتحان کی وہ حدیث یاد ہے۔

اس وقت جامعہ فاروقیہ ایک نوزائیدہ مدرسہ تھا اور اکثر عمارات کچی تھیں، اسباق شروع ہونے سے پہلے بندہ کو کچھ بے چینی اور شکوک وشبہات نے گھیرا، چنانچہ بندہ نے چپکے سے کراچی کے ایک اور بڑے مدرسہ میں داخلہ لیا، وہاں اسباق شروع تھے، صحیح بخاری اور سنن ترمذی کے سبق میں ایک دن شریک ہوا لیکن پھر واپس جامعہ فاروقیہ آیا، دوسرے دن وہاں اسباق شروع ہوئے، حضرت دام مجدہ کے پاس صحیح بخاری کا سبق تھا، پہلے دن کا سبق سن کر اور ابتدائی ابحاث پر حضرت کا خوبصورت اور دل موہ لینے والا مرتب اور واضح انداز تدریس کا مشاہدہ کر کے دل کو اطمینان ہوا اور اپنے رفیق حضرت مولانا محمد اکبر مدظلہ کے لئے دل سے دعا نکلی، بندہ نے خود بھی حضرت کی بخاری شریف کی تقریر لکھی تھی جو بعد میں میری غفلت کی وجہ سے ضائع ہوگئی۔

میں نے مولانا سلیم اللہ خان صاحب جیسا استاذ و مدرس نہیں دیکھا

یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ بندہ نے ایک طویل عرصے تک حضرت کے زیر سایہ جامعہ فاروقیہ میں تدریس کے فرائض انجام دیے اور اب تقریباً دس بارہ سال سے جامعہ العلوم الاسلامیہ میں درس دے رہا ہے، اس وقت حضرت دام ظلہ سے میرا کوئی دنیوی مفاد وابستہ نہیں ہے، یہ تمہید میں نے اس لئے لکھی، کہ آئندہ جو بات میں لکھنا چاہتا ہوں، شاید کچھ حضرات اس کو مبالغہ اور تملق پر محمول کریں گے وہ بات یہ کہ بندہ نے اپنی مختصر سی طالب علمی کی زندگی میں اور اس کے بعد تقریباً ستائیس اٹھائیس سالہ تدریسی زندگی میں حضرت جیسا مدرس اور استاذ نہیں دیکھا جس کی تقریر ایسی مرتب جامع اور واضح ہو کہ اعلیٰ، متوسط اور ادنیٰ درجے کا ہر طالب علم اس سے استفادہ کر سکتا ہو، اللہ تبارک تعالیٰ نے آپ کو جو تحقیقی ذوق عطا فرمایا، اس کے ساتھ مرتب اور جامع طرز تدریس عموماً بہت کم ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات گرامی میں یہ تمام صفات جمع فرمائی ہیں۔

کشف الباری مستغنی کر دینے والی شرح

بندہ تقریباً تین سال سے جامعہ علوم اسلامیہ میں صحیح بخاری پڑھاتا ہے اور الحمد للہ صرف اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے کہتا ہوں کہ مجھے مطالعہ کرنے کا ذوق اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے عطا فرمایا ہے، صحیح بخاری کی مطبوعہ متداول شروح، حواشی اور تقاریر اکابر میں سے شاید کوئی

شرح، حاشیہ، یا تقریر ایسی ہوگی، جو بندہ کی نظر سے نہیں گذری لیکن میں نے ''کشف الباری'' جیسی ہر لحاظ سے جامع، مرتب اور تحقیقی شرح نہیں دیکھی، اگرچہ علماء کا مشہور مقولہ ہے ...... " لایغنی کتاب عن کتاب" لیکن ...... " مامن عام إلا وقد خص عنه البعض " کے قاعدے کے مطابق ''کشف الباری'' اس قاعدے سے مستثنی ہے، بلا مبالغہ حقیقتۃً واقعۃً یہ ایسی شرح ہے کہ انسان کو دوسری شروح سے مستغنی کردیتی ہے۔

میں ان لوگوں کی بات تو نہیں کرتا جو کسی خاص تقریر کا مطالعہ کر کے سبق پڑھاتے ہیں البتہ وہ لوگ جن کو اللہ تعالی نے تحقیقی ذوق دیا ہے، اور متقدمین شارحین جیسے خطابی، ابن بطال، کرمانی، عینی، ابن حجر، قسطلانی، سندھی وغیرھم کی شروح کا مطالعہ کرتے ہیں اور متاخرین میں تیسیر القاری، لامع الدراری، کوثر المعانی، اور فیض الباری کو دیکھتے ہیں، وہ اس بات کی گواہی دیں گے۔

کشف الباری کی خصوصیات

''کشف الباری عما فی صحیح البخاری'' کی خصوصیات اور امتیازات تو بہت ہیں اور ان شاء اللہ بندہ کا ارادہ ہے کہ اس موضوع پر دوسری شروح کے ساتھ ایک تقابلی جائزہ آئندہ پیش کرے گا یہاں ارتجالاً چند خصوصیات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱۔ مشکل الفاظ کے لغوی معانی کا اور یہ کہ یہ لفظ کس باب سے آتا ہے بیان ہوتا ہے۔

۲۔ اگر نحوی ترکیب کی ضرورت ہو تو جملے کی نحوی ترکیب کو ذکر کیا گیا ہے۔

۳۔ حدیث کے الفاظ کا مختلف جملوں کی صورت میں سلیس ترجمہ کیا گیا ہے۔

۴۔ ترجمۃ الباب کے مقصد کا تحقیقی طریقے سے مفصل بیان کیا گیا ہے اور اس سلسلے میں علماء کے مختلف اقوال کا تنقیدی تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

۵۔ باب کا ماقبل سے ربط و تعلق کے سلسلے میں بھی پوری تحقیق و تنقید کے ساتھ تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

۶۔ مختلف فیہا مسائل میں امام ابوحنیفہؒ کے مسلک اور دوسرے مسالک کی تنقیح و تحقیق کے بعد ہر ایک کے مستدلات کا استقصاء اور پھر دلائل پر تحقیقی طریقے سے رد و قدح اور احناف کے دلائل کی وضاحت اور ترجیح بیان کی گئی ہے۔

۷۔ اگر حدیث میں کوئی تاریخی واقعہ مذکور ہو تو اس کی پوری وضاحت کی گئی ہے۔

۸۔ جن احادیث کو تقریر کے ضمن میں بطور استدلال پیش کیا گیا ہے ان کی تخریج کی گئی ہے۔

۹۔ تعلیقات بخاری کی تخریج کی گئی ہے۔

۱۰۔ اور سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ مختلف اقوال کے نقل کرنے میں حضرت صرف ناقل نہیں ہیں بلکہ ہر قول پر محققانہ اور تنقیدی کلام بھی بوقت ضرورت کیا گیا ہے۔ تلک عشرۃ کاملۃ۔

حضرت کو اللہ تبارک و تعالی نے اپنے فضل و کرم سے تدریس کا طویل موقعہ عنایت فرمایا، اس کتاب میں آپ کی پوری زندگی کی تدریس کا نچوڑ موجود ہے، بندہ کی رائے یہ ہے کہ اس دور میں صحیح بخاری پڑھانے والا کوئی بھی استاذ اس کتاب کے مطالعہ سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ حضرت کا سایہ تادیر ہم پر قائم رہے، اس تقریر کے مرتب کرنے والے حضرات کو اللہ تعالی جزائے خیر عطا فرمائے، دینی طبقہ پر عموماً اور حضرت کے طبقۂ تلامذہ پر خصوصاً جن میں بندہ بھی شامل ہے، یہ ان حضرات کا عظیم احسان ہے۔

☆☆☆☆

کتاب فضائل الصّحابة

بسم الله الرحمن الرحيم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

میری انتہائے نگارش یہی ہے
تیرے نام سے ابتداء کر رہا ہوں

بے شمار حمد وستائش ہے اس ذات بے ہمتا کے لئے جس کے بے پایاں کرم اور ہردم دستگیری کی بدولت عالم ہست وبود کا سفرِ زیست لحظۂ موجود تک پہنچا اور جس کی عطائے بے کراں ہی کا ثمر ہے کہ اس ناستودہ واز کار رفتہ بندے کا قلم وقرطاس سے جوں توں ناتا جڑا ہوا ہے فلہ الحمد۔

اور بہ ہمہ آداب وجملہ احترامات لامحدود صلاۃ وسلام ہو اس فخرِ موجودات اور حسنِ جبینِ کائنات (محمد رسول اللہ) پر جن کے مبارک الفاظ وأنفاس رہتی دنیا کے ہر متنفس کے جسم وجاں کے لئے برکات کا خزینہ اور ہر واقع وممکن درد والم کے لئے نسخۂ اکسیر ہیں۔ فلہ المنۃ۔

وہ نفوس قدسیہ یقیناً اس کرۂ ارضیہ کے سعید ترین باسیوں میں سے ہوں گے جو اپنی زندگیاں آقائے کائنات جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات وفرمودات صدور یا سطور میں محفوظ کرنے کی خاطر وقف کئے ہوئے ہیں اور قابلِ صد رشک وپیروی ہیں وہ ذواتِ کریم الخصال جو کلام اللہ یا حدیث الرسول کو کسی بھی درجے اور کسی بھی شکل میں اوڑھنا بچھونا بنائے ہوئے ہیں۔ اور اپنی متاعِ حیات اور ہمہ اسبابِ عشرت اس رہِ الفت میں تیاگنے پر مسرور ومطمئن ہیں۔

راقم سطور کی سعادت وخوش بختی ہے کہ ربّ کریم نے اسی قافلۂ خدامست وباصفا ہی کے ایک شہسوار کے چشمۂ فیض تک رسائی کی توفیق دی اور اس شجرِ مشکبار کے خوشہ چینوں اور عطر بیزوں میں شامل وشمار فرمایا، جن کے زیرِ سایہ آنے کے لئے ایک خلقت قطار اندر قطار محوِ سفر اور ایک دنیا مشتاق وبے کل ہے۔

میرے شیخ ومربی حضرت الإمام المحدث مولانا سلیم اللہ خان صاحب کے درس صحیح البخاری کی ترتیب ومراجعت کا گزشتہ تقریباً ڈیڑھ دہائی سے رواں سلسلہ ابھی جاری ہے اور امت کا ایک قابلِ قدر واعتبار حصہ کشف الباری عمانی صحیح البخاری کے نام سے موسوم اس عظیم شرحِ حدیث کی مطبوعہ جلدوں سے مستفید ہو رہا ہے اور مزید کا

شدت ورغبت سے انتظار کر رہا ہے۔

اس سلسلہ ذہبیہ کی ایک کڑی آپ کے ہاتھوں میں ہے جس کی تیاری اللہ بزرگ وبرتر نے اس نارسا و ناآگاہ بندے کے ہاتھوں فرمائی۔ ایک عرصے تک جہدِ مسلسل اور محنت پیہم کے بعد...... بالآخر وہ لمحہ آپہنچا جب یہ سراپا عجز وقصور بندہ اپنے عزیز ترین مشغلۂ زندگی کی جزوی تکمیل کے خوشگوار مرحلے پر طمانیت کا سانس لے رہا ہے۔ شکر وامتنان کی سعادتیں حصولنے اور سُرور وانبساط کی وسعتیں سمیٹنے سے سرفراز ہو رہا ہے۔ اپنے مرکزِ توقیر وعقیدت استاذ ومعمار حضرت الإمام الحجہ فخرِ مشیختِ حدیث سیدی وسندی مولانا سلیم اللہ خان صاحب زیدت معالیہم (صدر وفاق المدارس العربية ومجدد المناهج التعليمية والتربوية بالديار الهند وباكية) کے زیرِ اِشراف واصلاح آپ کے درسِ صحیح بخاری کی ترتیب وتخریج کا کام مجھ ایسے بے نوا وناتواں طالب علم کے لئے کسی نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں، جو بجزِ فضل واحسان خداوندی اور حضرت الاستاذ دام اقبالہم کی نظرِ عنایت واعتماد کے بغیر ممکن نہ تھا۔ تاہم شرف وسعادت کے ساتھ ہی یہ کام نہایت ذمہ داری اور عرق ریزی کا متقاضی بھی تھا۔

چنانچہ میں اس کی ذمہ داریوں سے بحسن وخوبی عہدہ برآ ہونے کے لئے مسلسل دست بدعا اور تندہی سے مصروف عمل وجستجو رہا اور ایک صبر آزما محنت اور معتد بہ مدت کے بعد کتاب فضائل الصحابہ کے ۲۲ ابواب کی ۱۰۴ احادیث کی شرح ومراجعت کی تبییض اور تکمیل سے بصد سعی وہزار تدبیر فارغ ہوگیا۔ تاہم اب کتاب منصۂ شہود پہ آرہی ہے تو آغاز واتمام کے درمیان کا یہ مرحلۂ شاقہ ہیچ معلوم ہو رہا ہے کہ بقول شاعر

كأنك لم تسبق من الدهر ليلة
إذا كنت أدركت الذي كنت تطلب

اور الحمدللہ کشف الباری کی سابقہ جلدوں ہی کے طرز واسلوب پر اس کام کو انجام دینے کی اپنی سی سعی کی ہے، شرحِ حدیث نبوی کے مبارک عمل کی کماحقہ انجام دہی اور شیخ معظّم کے تفویض کردہ ہدف کے حصول میں تاحدِ کمال کامیابی اور اس کے حقوق وآداب کی حسبِ رتبہ ادائیگی کا دعوی تو نہیں کیا جاسکتا البتہ اس کی بساط بھر کوشش ضرور کی گئی ہے، اس میں کس حد تک کامیابی ملی اس کا درست اندازہ تو بنگاہِ تبصرہ یا استفادہ ملاحظہ فرمانے والوں کو ہوسکتا ہے تاہم اپنی تشفی اور منتہائے نظر کے حصول میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا گیا اور کوئی دانستہ کوتاہی وکم ہمتی نہیں برتی گئی، صاحب تقریر مدّظلہم وعمّ فیوضہم کے ''مسودۂ تقریر'' پر اعتماد وانحصار کے علاوہ ذاتی طور پر آپ کی مسلسل راہنمائی اور نگرانی بھی شاملِ حال اور باعثِ تقویت رہی، میرے بعض نہایت کرم فرما اساتذہ، عزیز احباب اور طالب علم ساتھیوں نے بھی

گراں قدر مشاورت ومعاونت سے نوازا (اللہ رب العزت ان سے باخبر اور انہیں بہترین صلہ دینے پر قادر ہے) اور میں ان تمام حضرات کا ممنون ہوں، میں اپنے بمنزلۂ والد شیخ ومرشد زیدت معالیہم اور حقیقی والدین کے لئے اللہ جل مجدہ سے بعجز ومسکنت دست بدعا اور سراپا التجا ہوں ...... ربّ کریم انہیں دونوں جہاں کی لازوال نعمتوں اور برکتوں سے نوازے کہ ان ہی کی عنایتوں کی بدولت میری ذرۂ بے نشاں ذات اس قابل ہوئی کہ آپ جیسے اَبنائے خیر الاُمم کی خدمت میں حدیث خیر البریّہ کی شرح پر مشتمل یہ فرمودات مشائخ وخادمینِ حدیث پیش کرسکے۔

اور میں اپنے محسن ومشفق حضرت الأستاذ الکریم مولانا عبید اللہ خالد صاحب دامت برکاتہم کے لئے بھی دعاگو اور ملتمسِ دعا ہوں جو جامعہ کے عمومی نظم کی ذمہ داریوں کے علاوہ شعبہ تصنیف وتالیف کے اِشراف کی بھی ذمہ داریاں سنبھال اور بحسن وکمال انجام دے رہے ہیں اور تصنیف وتالیف کے حسّاس ودقیق عمل کے سلسلے میں مقدور بھر سہولیات فراہم کرنے کے لئے اپنی توانائیاں صَرف کررہے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر اور مزید توفیق وتقویت عطاء فرمائے۔

کتاب کی طباعت واشاعت کو ممکن بنانے والے تمام حضرات خصوصاً عرفان انور صاحب کو بھی اللہ تعالیٰ جزا وصلاح عطا فرمائے جنہوں نے کمپوزنگ کے عمل میں کافی ہمت اور معاونت کا مظاہرہ کیا اور حسبِ تقاضا ترمیم واضافات کی سہولت بہم پہنچائی۔

راقم کے ذمے مفوضہ اس حصے میں رسول اللہ علیہ افضل التحیات والتسلیمات کے پاکیزہ ارشادات اور آپ کے قدسی صفت صحبت یافتگان (صحابہ) کے مناقب وفضائل کے حوالے سے اگر حسنِ اسلوب اور معیارِ تحقیق سے ہم آہنگی ملے تو اسے میرے رب کے بعد حضرت الاستاذ زید مجدہم کا کمالِ علم وہنرِ ضبط وارشاد جانیے اور جو نقص وکوتاہی نظر آئے اسے تقریر کو تحریر کا جامہ پہنانے کی بندہ کی ناقص کوشش سمجھئے۔

اللہ تعالیٰ اس خدمت کو شرف قبولیت سے نوازے اور بقیہ کام کو بعافیت آسان فرمائے، حضرت الأستاذ شیخ الحدیث زیدت مکارمہم کی عمر وصحت میں برکتیں عطاء فرمائے اور کشف الباری عمانی صحیح البخاری کی تکمیل ان کے لئے آسان اور آپ کا فیض عام وتام فرمائے۔

۴ محرم الحرام ۱۴۲۳ھ

ابوالفضیل عزیز الرحمٰن عظیمی

رفیق شعبہ تصنیف واستاذِ جامعہ فاروقیہ

اجمالی فہرست

ایک وضاحت

اس تقریر میں ہم نے صحیح بخاری کا جو نسخہ متن کے طور پر استعمال کیا ہے۔ اس پر ڈاکٹر مصطفیٰ دیب البغا نے تحقیقی کام کیا ہے۔ ڈاکٹر مصطفیٰ دیب نے احادیث پر نمبر لگانے کے ساتھ ساتھ احادیث کے مواضع متکررہ کی نشان دہی کا بھی التزام کیا ہے۔ اگر کوئی حدیث بعد میں آنے والی ہے تو حدیث کے آخر میں نمبرات سے اس کی نشان دہی کرتے ہیں کہ اس نمبر پر یہ حدیث آرہی ہے اور اگر حدیث گزری ہے تو نمبر سے پہلے [ر] لگادیتے ہیں۔ یعنی اس نمبر کی طرف رجوع کیا جائے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

صفحہ	عنوانات

صفحہ	عنوانات

عنوانات	صفحہ

صفحہ	عنوانات

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

صفحہ	عنوانات

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

صفحہ	عنوانات

عنوانات	صفحہ

باب مناقب عثمان بن عفان ۴۳۸

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

صفحہ	عنوانات

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

صفحہ	عنوانات

صفحہ	عنوانات

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

صفحہ	عنوانات

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

صفحہ	عنوانات

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

فهرس اسماء الرُواة المترجم لهم

بسم الله الرحمن الرحيم

٦٦ - كتاب فضائل الصحابة

١ - باب : فَضَائِلِ أَصْحَابِ النَّبِيِّ - ﷺ - وَرَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ .

وَمَنْ صَحِبَ النَّبِيَّ ﷺ ، أَوْ رَآهُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ، فَهُوَ مِنْ أَصْحَابِهِ .

فضائل کے معنی

فضائل فَضِیلةٌ کی جمع ہے، جو نَقِیصَةٌ کی ضد ہے، جیسے فضل، نقص کی ضد ہے۔

"فضل" کا لغوی معنی ہے زیادت کے، باب نصر (مضموم العین فی المضارع) سے اس کا استعمال فصیح ہے، اگرچہ (مکسور العین) علِم سے استعمال منقول ہے۔ اور ابن السکیت سے بھی فضِل یفضَل منقول ہے۔

لفظ "اصحاب" کی تحقیق

فضائل سے مراد خصائلِ حمیدہ اور پسندیدہ صفات وعادات ہیں۔ جوہری فرماتے ہیں اصحاب، صَحْبٌ کی جمع ہے، جیسے اَفرَاخ فرْخ کی جمع ہے، الصَّحابة بالفتح أصحاب کی جمع ہے، اصحاب اصل میں مصدر ہے، جس کی جمع أصاحیب ہے۔ جب کہ صَاحِبْ کی جمع صَحْبٌ ہے جیسے راکِبٌ کی جمع رَکبٌ ہے۔ اور صُحبة بھی اس کی جمع آتی ہے۔ جیسے فارِةٌ فُرهةٌ، صِحاب بھی اس کی جمع آتی ہے، جیسے جائع کی جمع جِیاع آتی ہے، صُحبان بھی جمع آتی ہے، جیسے شابٌ کی جمع شُبَّانٌ آتی ہے، صَحِب یصحَب صُحبةً وصَحابةً اس کا اصل ہے(١)۔

---

(١) عمدة القاري شرح صحيح البخاري: ١٦/٢٣٤، دار الكتب العلمية بيروت، نيز الصحاح للجوهري، مادة: صحب وفضل......، ص: ٥٨٠، مطبوعه دار المعرفة بيروت

صحابی کی تعریف

صحابی کسے کہتے ہیں، علماء نے اس کی مختلف تعریفات کی ہیں۔

علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حوالے سے تقریباً تمام اقوال کو جمع فرمایا اور چھ اقوال میں وہ تمام تفسیریں اور تعریفیں جمع فرمائیں، جو متعدد حضرات سے منقول ہیں۔ اور ان سے قبل صاحب "الفية الحديث" زین الدین عراقی نے یہ چھ اقوال ذکر فرمائے اور عینی نے بھی غالباً ان سے لئے ہیں (۱)۔

پہلا قول

پہلا قول یا صحابی کی پہلی تعریف وہ ہے جس کی طرف امام بخاری نے اشارہ کیا ہے، "مَن صَحِب النبي صلى الله عليه وسلم أو راه من المسلمين فهو من أصحابه" جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اختیار کی یا آپ کی زیارت کی بحالتِ اسلام، وہ صحابی ہے، علامہ کرمانی فرماتے ہیں اس کا معنی ہوا: "مسلمٌ صحِبَ النبيَّ صلى الله عليه وسلم أو راه"(۲)، وہ مسلمان جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اختیار کی یا آپ کی زیارت کی۔ اور فرمایا، راہ میں ضمیر مفعول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے جب کہ ضمیرِ فاعل "مسلم" کی طرف لوٹتی ہے، مشہور قول یہ ہے۔ اور دوسرا احتمال اس کے برعکس ہے کہ ضمیر مفعول "مسلم" کی طرف ہو اور ضمیر فاعل نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف، پہلی صورت میں معنی ہوگا جس نے پیغمبر کو دیکھا ہو اور دوسری صورت میں معنی ہے، جس کو پیغمبر نے دیکھا ہو اور عرف میں یہ دونوں باتیں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں کہ جسے پیغمبر دیکھے وہ بھی پیغمبر کو دیکھ رہا ہوگا۔

ہاں! یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ تعریف میں تحقیق اور یقین ہوتا ہے جب کہ یہاں "أو" حرفِ تردید کی وجہ سے شک اور تردد آگیا ہے اور یہ دونوں چیزیں (تحقیق و تردید) باہم متضاد اور منافی ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ "أو" حرف تردید سے صحابی کی دو قسموں کی طرف اشارہ مقصود ہے، یعنی ایک وہ جس نے بحالتِ اسلام پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کی زیارت کی اور دوسرا وہ جس نے کسی عارض یعنی نابینائی وغیرہ

---

(۱) دیکھئے، فتح المغيث شرح الفية الحديث، ص: ۳۳۵-۳۴۰، دار الكتب العلمية بيروت

(۲) شرح الكرماني: ۱۴/۲۹۸، وعمدة القاري، باب في فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم: ۱۶/۲۳۴

کے سبب زیارت تو نہیں کی، مگر آپ علیہ الصلوۃ والسلام کی صحبت ومعیت اختیار کی، اس لئے کہ صحبت کے لئے رؤیت لازم نہیں ہے، عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صحبت النبی تو میسر آئی، مگر وہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کو دیکھ نہ سکے(۱)۔

فَهُوَ مِنْ أَصْحَابِهِ

مَـن اسمِ موصول محل رفع میں واقع ہے اور اپنے صلے سے مل کر یہ مبتداء ہے، جب کہ "فهـو مِـن أصحابه" اس کی خبر ہے، فاء اس پر اس لئے داخل ہے کہ مبتداء معنی شرط کو متضمن ہے اور ظاہر ہے خبر معنی جزاء کو متضمن ہوگا اس لئے اس پر "فاء" داخل ہے۔

"مِـن الـمسلمين" کی قید سے ان لوگوں کو خارج کرنا مقصود ہے، جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو سہی مگر وہ مسلمان نہیں تھے، تو ظاہر ہے وہ پھر صحابہ بھی نہیں ہوئے اور شاید اسی لئے امام بخاری پر بھی یہاں یہ اعتراض ہوا ہے کہ انہوں نے صحابی کی تعریف میں "من المسلمين" کی قید تو لگادی مگر "ثم ماتَ على الإسلام" کی قید نہیں لگائی، حالانکہ مِـن الـمسلمين کی قید لگانا اگر آپ علیہ الصلاۃ والسلام کو دیکھنے والے غیر مسلم کو صحابی کی تعریف سے خارج کرنے کے لئے ضروری ہے تو "ثمَّ مات على الإسلام" کی قید بھی، بعد میں مرتد ہوجانے والے کو صحابی کی تعریف سے خارج کرنے کے لئے ضروری ہے، جیسے ابن خطل، ربیعۃ بن امیہ، مقیس بن ضبابہ وغیرہ، بعض حضرات نے یہاں صحبت ورؤیت کے وقت بالغ ہونے کی بھی قید لگائی ہے، مگر یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ ایسے میں تو حضرت حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسے حضرات بھی صحابی کے مصداق میں نہیں آئیں گے، حالانکہ وہ بالاتفاق صحابی ہیں (۲)۔

دوسرا قول

دوسرا قول یہ ہے کہ صحابی وہ ہے "مَن طالَت صحبته له و كثرت مجالَسته مع طريق التبع له والأخذ عنه" جس کی صحبت رسول اللہ کے ساتھ لمبی ہوئی ہو اور آپ کے ساتھ اٹھنا، بیٹھنا زیادہ ہوا ہو اور ساتھ ساتھ آپ علیہ الصلاۃ والسلام سے اخذ واستفادہ بھی اس نے کیا ہو، امام بدرالدین عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی کو

---

(۱) صحيح البخاري بشرح الكرماني، باب فضائل اصحاب النبي: ١٤/١٩٨، بيروت

(۲) عمدة القاري: ١٦/٢٣٤

ابوالمظفر السمعانی کے حوالے سے نقل کیا ہے اور فرمایا یہی اصولیین کا قول ہے اور کہا صحابی کا اطلاق از راہ لغت بھی اسی پر ہوتا ہے(۱)۔

جب کہ أصحاب الحدیث صحابی یا صحابہ کا اطلاق ان لوگوں پر کرتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث یا ایک کلمہ ہی نقل کر چکے ہوں بلکہ أصحاب الحدیث کے ہاں تو اس میں اتنی وسعت ہے کہ ایک آدمی ایک نظر بھی اگر رسول اللہ کو دیکھے تو وہ صحابی ہے اور اگر خدانخواستہ دیکھنے کے بعد کوئی مرتد ہو جائے اور پھر اسلام میں داخل ہو جائے تو وہی اول مرتبہ دیکھنا اس کی صحابیت کے لئے صحیح قول کے مطابق کافی ہے، چنانچہ محدثین کا اشعث بن قیس کی صحابیت پر اتفاق ہے اور ان جیسے دوسرے وہ لوگ بھی اصحاب میں داخل ہیں جن کو اس طرح کے حالات سے سابقہ پڑا، چنانچہ ان کی احادیث کو انہوں نے مسانید میں شمار کیا ہے (مراسیل میں نہیں) علامہ أسدی نے بھی فرمایا کہ صحابی وہ ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو، بس۔ اسی کو انہوں نے امام أحمد اور اصحاب الشافعی کا قولِ مختار قرار دیا ہے۔

ابن الحاجب نے بھی اسی کو اختیار فرمایا اور اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ صحبت قلیل اور کثیر دونوں کو شامل ہے، ابوزرعہ رازی اور ابوداود فرماتے ہیں صحبت رؤیت سے اخص ہے اور ہر رؤیت صحبت کے لئے مستلزم نہیں ہے، چنانچہ یہ دونوں حضرات فرماتے ہیں کہ طارق بن شہاب کے لئے صحبت ثابت نہیں ہے اور رؤیت ان کے لئے ثابت ہے اس کی تائید طبقات ابن سعد میں مذکور اس واقعے سے بھی ہوتی ہے کہ انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک دفعہ موسیٰ السینانی نے کہا، "أنت اخر من بقي من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم" آپ اصحاب رسول میں سے بچنے والے آخری آدمی ہیں، اس پر انہوں نے کہا أعراب کے کچھ لوگ بچے ہیں مگر اصحاب میں تو میں ہی آخری آدمی بچا ہوں۔

یعنی اعراب کو اگر چہ رؤیت تو نصیب ہوئی ہے، مگر وہ اس (رؤیت) کی وجہ سے أصحاب میں داخل نہیں ہیں (۲)۔

تیسرا قول

تیسرا قول سعید بن المسیب سے منقول ہے، وہ فرماتے ہیں صحابی اسے شمار کیا جائے گا جو اللہ کے رسول

---

(۱) عمدة القاري: ١٦/٢٣٤

(٢) طبقات ابن سعد: ٢/٣٤٥، وعمدة القاري: ١٦/٢٣٤-٢٣٦

کے پاس ایک دوسال قیام کرے، ایک دوغزوات میں آپ کے ساتھ شرکت کرے۔

یہ قول ضیق اور تنگی پر مبنی ہے چنانچہ اس کی رُو سے جریر بن عبداللہ البجلی اور ان جیسے دوسرے وہ حضرات ''صحابہ'' میں شمار نہیں ہوں گے جن میں درج بالا صفات نہیں پائی جاتیں، حالانکہ ان کی صحابیت میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس قول کو رد کیا گیا ہے اور اس کے مردود ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں محمد بن عمر الواقدی راوی ہیں، جو ضعیف فی الحدیث ہیں (۱)۔

چوتھا قول

چوتھا قول یہ ہے کہ طُول صحبت کے ساتھ اُخذ بھی شرط ہے، یہ قول صرف جاحظ سے نقل کیا گیا ہے، جب کہ اس میں غیر ثقہ رواۃ ہیں (۲)۔

پانچواں قول

پانچواں قول یہ ہے کہ صحابی وہ ہیں، ''من راہ مسلماً عاقلاً بالغاً'' جس نے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کو بحالتِ اسلام، عقل اور بلوغت دیکھا ہو، اس میں بالغ ہونے کی شرط شاذ ہے، جیسے کہ ابھی اوپر اس کا ذکر ہوا۔

چھٹا قول

چھٹا قول یہ ہے کہ ''من أدرَك زمنَه، وهو مسلِم وإن لَم يَره'' جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا بحالتِ اسلام، اگرچہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی زیارت اس نے نہ کی ہو، یہ قول یحییٰ بن عثمان المصری سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں ابوتمیم الجیشانی جن کا نام عبداللہ بن مالک ہے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تو پایا، مگر آپ سے ملاقات نہ کرسکا، وہ بہ اتفاقِ اہل سیر خلافت سیدنا عمر میں مدینہ ہجرت کرکے آئے اور اس کے باوجود وہ صحابی ہیں، یہ قول اصولیین میں سے قرافی نے بھی شرح التنقیح میں ذکر کیا ہے۔

---

(۱) الطبقات الكبرى: ۲/۳۴۵، وعمدة القاري: ۱۶/۲۳۵

(۲) الطبقات الكبرى: ۲/۳۴۵، وعمدة القاري: ۱۶/۲۳۵

اس کے ساتھ پھر یہ بھی اضافہ کیا گیا ہے کہ جو کوئی بچہ ہو اور صغر سنی کے سبب اپنے والدین یا أحد الأبوین کی اتباع میں وہ مسلمان قرار پائے وہ بھی صحابی ہے (۱)۔

قسطلانی کی رائے

علامہ قسطلانی شارحِ بخاری نے اس حوالے سے جو تفصیل بیان کی ہے، وہ بعض جگہ عینی صاحب کی ذکر کردہ تفصیلات سے ذرا ہٹ کر ہے، وہ فرماتے ہیں: "مَن صحب النبي (في زمن نبوته ولو ساعةً)" یعنی صحبت کا معنی ہے جو آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے زمانے میں آپ کے ساتھ رہے اگر چہ وہ ایک ہی گھڑی کیوں نہ ہو، "أو راه" کے بعد فرمایا "في حال حیاتِه ولو لحظةً مع زوال المانع من الرؤیة کالعمي حال کونه في وقت الصحبة أو الرؤیة" آپ کی حیات میں آپ کو دیکھنا اگر چہ وہ ایک ہی جھلک کیوں نہ ہو اور اس دیکھنے کے لئے ضروری ہے کہ "مانع من الرؤیة" کوئی نہ ہو، جیسے نابینائی وغیرہ، "من المسلمین" کے بعد فرماتے ہیں، "العقلاء، ولو أنثی أو عبداً أو غیرَ بالغ أو جنیاً أو ملکاً علی القول ببعثته إلی الملائکة" یعنی وہ عاقل مسلمان ہو اگر چہ عورت ہو، غلام ہو، نابالغ ہو، جن ہو، فرشتہ ہو یعنی انسان ہونا، مرد ہونا، بالغ ہونا، آزاد ہونا شرط نہیں ہے۔

پھر فرمایا امام بخاری نے جو صرف رؤیت پر اکتفاء فرمایا اور مجالسہ، مکالمہ، مماشاہ (ساتھ چلنے) وغیرہ کا ذکر نہیں کیا، یہی جمہور محدثین اور اصولیین کا مذہب ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام و مرتبہ بہت بڑا ہے، چنانچہ جس نے ایک لحظہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کو دیکھا یا آپ نے اس کو دیکھا، اس کا دل استقامت کا خوگر بن جائے گا اور اس میں وہ نظر اثر کر جائے گی، کیونکہ اس آدمی نے اسلام قبول کر کے گویا قبولِ حق اور کسبِ فیض کے لئے تیاری کر دی، اب جب اس نے نورِ محمدی کا سامنا کیا تو وہ نُور اس پر اپنے انوار اور کرنیں ڈالے گا اور پھر اس کے دل اور اس کے اعضاء و جوارح پر اس کے اثرات ظاہر ہوں گے اور فرمایا، لغت میں بھی صحبت کا ایک لمحے پر بھی اطلاق ہوتا ہے اور اہل الحدیث نے شرع اور عرف میں بھی اس معنی کا اعتبار کیا ہے، جس کا اہلِ لغت نے کیا ہے، آمدی اور ابن حاجب کا قولِ مختار بھی یہی ہے۔

---

(۱) عمدة القاري شرح صحيح البخاري: ۱۶/۲۲٤، ۲۳٦، دار الكتب العلمية بيروت

اور فرمایا، اسی لئے اگر ایک آدمی نے یہ قسم کھائی کہ "واللہ لا أصحب فلاناً" بخدا میں فلاں کی صحبت میں نہیں رہوں گا، تو وہ ایک لمحے کی صحبت سے بھی حانث ہو جائے گا۔ معلوم ہوا کہ لمحہ بھر کی صحبت بھی تحققِ صُحبت کے لئے کافی ہے (۱)۔

رسول اللہ کی ایک نظر کو صحابیت کے لئے کافی قرار دینے کا قول

"الاصـابة" میں توجۃ الوداع کے موقع پر آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ حاضر ہونے والے مکہ، مدینہ، طائف اور دیگر علاقوں کے وہ تمام اعراب صحابہ میں شمار کئے گئے ہیں، جن کی تعداد چالیس ہزار سے متجاوز تھی، کیونکہ ان سب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رؤیت نصیب ہوگئی تھی، اگر چہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نہیں دیکھا، بلکہ "لیلة الإسراء" یعنی معراج کی رات جو لوگ مؤمن تھے، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان تمام کا کشف کے طور پر دکھائے جانے کا قول ثابت ہو تو وہ سبھی صحابہ شمار ہوں گے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو انہیں دیکھ لیا، اگر چہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھ سکے (۲)۔

لیکن یہ قول صاحبِ مصابیح کے اس قول سے متصادم ہے کہ "راٰہ" میں ضمیر مستتر یعنی ضمیرِ فاعل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہیں لوٹ رہی ہے، کیونکہ ایسی صورت میں پھر ہر وہ آدمی صحابی ہوگا، جس پر آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی نظر پڑی ہو، اگر چہ اس نے آپ علیہ الصلاۃ والسلام کو نہیں دیکھا...... اور اس کا کوئی بھی قائل نہیں (۳)۔

تعریف صحابی کے حوالے سے امام بخاری پر اعتراض

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس مذکورہ تعریفِ صحابی پر حافظ زین الدین العراقی نے اعتراض کیا ہے کہ ایک آدمی اگر مسلمان ہو کر نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس آیا اور وہ نابینا تھا، جس کی بناء پر اس کو رؤیت بھی حاصل نہیں ہوئی اور کسی بھی وجہ سے آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی معیت اور مجالست و گفتگو کا بھی اسے موقع نہیں ملا تو ایسا آدمی امام بخاری کی تعریف کی رُو سے صحابی نہیں ہوگا، حالانکہ وہ صحابی ہے (۴)۔

---

(۱) إرشاد الساري: ۸/۱۳۷

(۲) الإصابة في تمييز الصحابة: ۱/۶-۸، وكذا إرشاد الساري: ۸/۱۳۷

(۳) إرشاد الساري شرح صحيح البخاري: ۸/۱۳۷

(٤) فتح المغيث للزين العراقي، ص: ۳۳۵

قسطلانی کی طرف سے بخاری کا دفاع

علامہ قسطلانی، زین عراقی کے اس اعتراض کے متعلق فرماتے ہیں کہ شاید ان کے پاس صحیح بخاری کا جو نسخہ تھا، اس میں "مَن صَحب النبيَّ وراٰہ" واو کے ساتھ ہوتا ہوگا، "أو" کے ساتھ نہیں، اس لئے ان کو اشکال ہوا۔ قسطلانی نے یہ بات حضرت عمرو بن ام کلثوم کی صحابیت کی ذیل میں کہی ہے اور فرمایا، حضرت ابن اُم کلثوم کی صحابیت یا تو اس لئے ثابت ہے کہ "راٰہ" میں ضمیرِ فاعل کا مرجع جہاں "مسلم" ہوسکتا ہے، وہاں "نبی" بھی ہوسکتا ہے اور دوسری صورت ابن ام کلثوم پر صادق آتی ہے کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے ان کو دیکھا اگرچہ انہوں نے نبی کو نہیں دیکھا اور اگر یہ احتمال (ضمیر فاعل نبی کی طرف لوٹنے کا) درست تسلیم نہ کیا جائے تو بھی وہ صحابی ہیں، اس لئے کہ صحابی کی دو قسمیں ہیں اور قسمِ اول میں وہ داخل ہیں یعنی جس نے نبی کی صحبت پائی (۱)۔

قسطلانی کی رائے کا ضعف اور راجح تعریف

مگر قسطلانی کی یہ تفصیل بے جا ہے اور حافظ عراقی کا اعتراض بجا۔ اس لئے کہ ان کی بات اس آدمی کے متعلق ہے، جس کو صحبت بھی نصیب نہیں ہوئی اور رؤیت بھی نہیں اور ایسے آدمی تو ظاہر ہے صحابی کی قسم اول میں شمار ہیں نہ دوم میں۔ نیز "رأی" کا فاعل نبی کو قرار دینے کی صورت بھی راجح نہیں ہے کہ اس پر یہ اشکال ہے کہ جس آدمی پر بھی پیغمبر کی نگاہ پڑی ہو، وہ صحابی ہوگا، حالانکہ یہ خلافِ مقصود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حافظ عراقی نے خود صحابی کی تعریف کی ہے:

رائي النبيِّ مُسلماً ذو صُحبة — وقيل : إن طالت ولم يُثبَّت
وقيل : من أقام عاماً وغزا — معه وذا لابنِ المسيَّب عَزَا (۲)

نبی کو دیکھنے والا بحالتِ اسلام، جس کی صحبت رہی ہو اور ایک قول یہ ہے کہ اس کی صحبت لمبی ہوئی ہو، اور یہ قول ثابت نہیں کیا جاسکا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ کم از کم ایک سال رہا ہو اور کسی غزوہ میں بھی آپ کے ساتھ شریک رہا ہو، یہ قول سعید بن المسیب کی طرف منسوب ہے۔

---

(۱) إرشاد الساري: ۱۳۸/۸

(۲) فتح المغيث للزين العراقي، ص: ۳۳۵

زین عراقی کی ''تعریف'' پراشکال اوران کا جواب

اس تعریف میں خود حافظ عراقی پر یہی اشکال وارد ہوتا ہے جو امام بخاری پر وارد کیا گیا ہے، کیونکہ انہوں نے بھی رؤیت اور صحبت دونوں کا ذکر کیا ہے، تاہم زین الدین عراقی نے اس کے متعلق اعتراف کیا ہے کہ انہیں رَائي کی بجائے لاقـي کہنا چاہیے تھا اور ''رَائي'' کو انہوں نے محض حافظ ابن الصلاح کی پیروی میں اختیار کیا ہے۔ پھر فرماتے ہیں اعتراض سے سالم تعریفِ صحابی یوں ہوگی:

''الصحابي مَن لِقيَ النبيَ صلى الله عليه وسلم مسلماً ثم مات على الإسلام''.

یعنی: ''جس نے اللہ کے نبی سے بحالتِ اسلام ملاقات کی ہو اور پھر اسی اسلام پر اس کو موت آئی ہو'' (۱)۔

اس تعریف میں ''صحبت'' اور ''رؤیت'' کی بجائے ملاقات کا ذکر ہے اور ظاہر ہے، ملاقات کا شرف اس آدمی کو بھی حاصل ہے جس نے نابینا ہونے کی صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں حاضری دی ہو۔

اسی طرح وہ آدمی جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بحالتِ اسلام ملاقات کی، مگر بعد ازاں وہ مرتد ہوا، صحابی کی یہ تعریف اس پر بھی صادق نہیں آئے گی اور وہ یقیناً صحابی ہے بھی نہیں۔ جیسے ابن خطل، ربیعہ بن امیہ اور مقیس بن ضبابہ وغیرہ (۲)۔

علامہ قسطلانی فرماتے ہیں، تعریف صحابی میں امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے لفظ ''أو'' استعمال کیا ہے، جس سے صحابی کی دو قسموں کی طرف اشارہ مقصود ہے:

۱- جس کو رؤیت حاصل ہو

۲- اور جس کو صحبت حاصل ہو، رؤیت نہیں۔

اور اس بات کی دلیل - کہ یہاں ''أوْ'' ہے نہ کہ ''واؤ'' - یہ ہے کہ امام بخاری نے اس تعریف میں اپنے شیخ علي بن المدیني کی پیروی کی ہے اور ابن مدینی نے لفظ ''أوْ'' ہی استعمال کیا ہے (۳) چنانچہ انہوں نے صحابی

(۱) دیکھئے، فتح المغيث للزين العراقي، ص: ۳۳۵، ۳۳۶

(۲) فتح المغيث للعراقي، ص: ۳۳۶

(۳) إرشاد الساري: ۱۲۸/۸

کی تعریف کی ہے: "مَن صحِب النبيَّ أو رآه ولو ساعةً مِن نَهارٍ" (۱)۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ ابن ام مکتوم جیسے حضرات جنہوں نے عارض نابینائی کے باعث آپ علیہ الصلاۃ والسلام کو دیکھا نہیں، وہ صحابہ کی قسمِ اول میں داخل ہیں اور تعریفِ صحابی ان پر صادق آتی ہے۔

عمرِ تمیز سے قبل رؤیت کا حکم

البتہ یہاں ایک اور طبقہ ہے اور وہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے صغرسنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، مگر اس عمر میں ان میں پہچاننے اور شناخت کرنے کی صلاحیت نہیں تھی اور ان کی عمر وہ نہ تھی جسے عمرِ تمیز یا زمانۂ شعور کہا جاتا ہے۔

جیسے عبداللہ بن الحرث بن نوفل، عبداللہ بن ابی طلحہ الانصاری جن کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحنیک فرمائی یا آپ نے جن کے لئے دعا فرمائی، محمد بن ابی بکر جن کی آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی وفات سے تین ماہ اور کچھ دن قبل ولادت ہوئی، قسطلانی فرماتے ہیں ایسے تمام حضرات صحابہ میں داخل ہیں، اگرچہ ان کی طرف "رؤية النبي" کی نسبت صحیح نہیں مگر چونکہ ان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر پڑی، اس لئے وہ صحابی ہیں اور اکثر ان حضرات نے جنہوں نے صحابہ کے حوالے سے کتب تصنیف کی ہیں، ایسے حضرات کو صحابہ میں شمار کیا ہے، البتہ ان کی احادیث از قبیل مراسیلِ کبارِ تابعین ہوں گی (۲)۔

کیونکہ احادیث لینے کے زمانے میں ظاہر ہے انہوں نے رسول اللہ کو نہیں پایا اور ان کا نبی سے براہِ راست حدیث لینے کا امکان ہی نہیں ہے، اس لئے ان کی روایات مسانید کے قبیل سے نہیں ہوسکتیں، وہ ضرور انہوں نے صحابہ سے لی ہوں گی۔

تعریف صحابی میں "اسلام" کی قید

پھر صحابی کی تعریف میں اسلام کی قید اس لئے لگائی گئی تا کہ یہ ان لوگوں پر صادق نہ آئے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حالتِ کفر میں دیکھا، کیونکہ ایسوں نے اگر بعد میں اسلام بھی قبول کیا ہو پھر بھی وہ

---

(۱) فتح المغيث للسخاوي: ٧٨/٤، مكتبه السنة بالقاهرة

(۲) إرشاد الساري: ١٢٨/٨

صحابی نہیں ہیں، جیسے رسول قیصر، اگر چہ امام احمد نے پھر بھی ان کی روایات کی اپنی مسند میں تخریج فرمائی ہے (۱)۔

اور حافظ ابن حجر نے اپنے شیخ زین الدین عراقی کی طرح "مات علی الاسلام" کی قید کا بھی اضافہ منسوب کیا ہے، کہ اسے موت بھی بہ حالتِ اسلام آئی ہو اور اس کا مقصد بعد میں مرتد ہو جانے والوں کو صحابی کی تعریف سے خارج کرنا ہے (۲)۔

کیا ارتداد کی وجہ سے صحابیت ختم ہو جاتی ہے؟

اب یہاں ایک اور بات ہے کہ جس نے بہ حالتِ ایمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور بعد میں مرتد ہو کر مرا، "ثم مات علی الإسلام" کی شرط نے اسے تو صحابی کی تعریف سے خارج کر دیا، مگر جو آدمی مرتد ہوا اور پھر اس نے اسلام قبول کیا اور اسلام کی حالت میں ہی اس کو موت آئی کیا درمیان میں ارتداد عارض ہونے سے ان کی صحابیت متاثر نہیں ہوتی، جب کہ "مات علی الإسلام" کی قید کے بموجب تو وہ صحابی ہی ہیں؟ کیوں کہ رؤیت یا صحبت بھی بہ حالتِ اسلام ہوئی ہے اور پھر موت بھی اسلام کی حالت میں آئی......؟

قسطلانی فرماتے ہیں، ایسے لوگ صحابی کی تعریف میں داخل ہیں اور وہ صحابہ ہی ہیں، چاہے دوبارہ قبولِ اسلام کے بعد ان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی ہو یا نہیں ہوئی ہو۔ بلکہ قسطلانی تو یہ بھی فرماتے ہیں کہ حافظ ابن حجر اور حافظ عراقی نے جو "موت علی الإسلام" کی شرط لگائی ہے، یہ بھی تسلیم نہیں ہے اور اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ مرتد ہو جانے والے کی صحابیت ارتداد سے ختم ہوگئی، مگر ارتداد سے قبل تو وہ صحابی تھا اور اس وقت ان پر صحابی کی یہ تعریف بغیر قید مذکور (موت علی الإسلام) کے صادق آرہی تھی اور صحتِ تعریف کے لئے بس اتنا ہی کافی ہے کیونکہ تعریفات میں کسی امرِ منافی کے عارض ہو جانے سے تو احتراز نہیں ہوتا، جیسے آدمی کے ایمان کے تحقق کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ اسے موت بھی بہ حالتِ ایمان آئے، تب وہ مؤمن ہوگا ورنہ نہیں (۳)۔

بلکہ مرتد کے ارتداد کو ارتداد کہا ہی اس لئے جاتا ہے کہ اس کا ایمان متحقق ہو گیا تھا اور اب اس نے "عود إلی الکفر" اختیار کیا۔

---

(۱) ارشاد الساري: ۱۳۸/۸

(۲) فتح الباري: ۴/۹

(۳) إرشاد الساري: ۱۳۸/۸

قسطلانی پھر خود ہی فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے "موت علی الإسلام" کی شرط لگائی ہے، ان کا مقصد فقط اتنا ہے کہ عہدِ صحابہ ختم ہونے کے بعد کسے صحابی کہا جائے گا اور کسے غیر صحابی؟ تو فرمایا جس نے ملاقات بہ حالتِ اسلام کی ہو اور موت بھی اسے بحالت اسلام آئی ہو، وہ ہی فقط صحابی شمار ہوگا، یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ملاقات اور رؤیۃ النبی بہ حالت اسلام صحابیت کے تحقق کے لئے کافی نہیں ہے، کیونکہ اس کا معنی تو پھر یہ ہوگا کہ صحابہ اپنی زندگی میں صحابہ نہ تھے اور بعد الوفات وہ صحابہ بن گئے، حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں ہے (۱)۔

اشعری کا قول

بعض حضرات نے (جیسے ابوالحسن اشعری وغیرہ) اس قول سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ جو آدمی مرتد ہوا وہ صحابی اس لئے نہیں تھا کہ اس کے موت علی الکفر سے معلوم ہوا کہ وہ مسلمان ہوا ہی نہیں اور شروع سے ہی وہ کافر چلا آرہا تھا، اس لئے وہ "من رآه مسلماً" کی قید سے ہی نکل گیا اور اس نے بہ حالت اسلام پیغمبر کو دیکھا ہی نہیں، لہٰذا "مات علی الاسلام" کی قید نہ بھی ہو تو بھی صحابی کی تعریف ان پر صادق نہیں آتی۔ علامہ سخاوی فرماتے ہیں، "فيه نظر" اس میں اشکال ہے اور وہ یوں کہ احکامِ شرع کا مدار ظاہر پر ہوتا ہے اور بظاہر یہ آدمی مؤمن ہے، لہٰذا اس کا ایمان قابلِ قبول ہوگا اور اس (کے تحققِ اسلام) کو خاتمہ علی الإیمان کے ساتھ معلّق نہیں کیا جائے گا (۲)۔

رؤیت حیات دنیویہ میں ہونا شرط ہے

پھر رؤیۃ النبی کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں ہو، اگر آپ کی وفات کے بعد اور دفن سے قبل قبر میں یا قبر سے باہر کسی کی آپ علیہ الصلاۃ والسلام پر نظر پڑی تو اگرچہ بعض حضرات نے ایسے آدمی کے لئے بھی صحابیت ثابت کی ہے، مگر صحیح اور مشہور وراجح یہی ہے کہ وہ صحابی نہیں ہے اور یہ دیکھنا کافی نہیں ہے، جو حضرات اس کو کافی سمجھتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی حیات تو مستمر ہے کہ وقتِ وفات اور بعدِ دفن بھی آپ حیات ہیں، مگر اس کا جواب یہ ہے کہ اعتبار حیات دنیویہ کا ہے، کیونکہ احکام دنیویہ کا مدار حیاتِ دنیویہ ہی پر ہے اور صحابیت کا ثبوت اور عدم ثبوت امور دنیویہ میں سے ہی ہے..... چنانچہ شہید بھی حیات ہوتا ہے مگر اس پر احکام مُردوں کے جاری ہوتے ہیں کیونکہ اس کی حیات دنیویہ نہیں اخرویہ ہے۔

---

(۱) إرشاد الساري: ۱۳۸/۸

(۲) فتح المغيث للسخاوي: ۸٤/٤

حیات دنیوی کی قید لگانا اس لئے ضروری ہے کہ اگر یہ قید نہیں لگائی جائے گی تو پھر آپ علیہ الصلوۃ السلام کے جسدِ مکرم کو کسی بھی زمانے میں قبر کے اندر دیکھنے والا یا خواب اور کشف میں دیکھنے والا بھی صحابی ہوگا، حالانکہ وہ بالاتفاق صحابی نہیں ہے اسی لئے ''یقظہ'' (بیداری) کی بھی شرط لگائی گئی ہے (۱)۔

جس کی معاصرت ثابت ہو، رؤیت نہیں

اب رہا وہ آدمی جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معاصَرت تو ملی ہو، مگر رؤیت اس کو حاصل نہیں ہوئی ہو، تو اس کے متعلق اختلاف ہے، ایک قول تو وہی ہے جو قولِ سادس کے عنوان سے پہلے گزر چکا ہے، یعنی ایسے شخص کی صحابیت کا قول۔

اور ظاہر ہے دوسرے محققین اس شخص کے صحابی ہونے کے قائل نہیں ہیں۔

اور اگر اس کی ولادت ہی آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی وفات کے بعد ہوئی ہو تو وہ تو بالاِتفاق غیر صحابی ہے، یعنی اس کے لئے صحابیت کے عدم ثبوت میں کسی کا اختلاف نہیں ہے (۲)۔

کیا رؤیت حالت نبوت میں ہونا شرط ہے؟

اللہ کے نبی کو دیکھنا جو صحابیت کے لئے شرط ہے، کیا آپ کی ذات کو مِن حيث النبي یعنی نبوت ملنے کے بعد دیکھنا ضروری ہے، یا قبل النبوت اگر کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو وہ بھی صحابی ہے، جیسے زید بن عَمرو بن نُفیل جو دینِ حنیفیت پر تھا، یعنی اُس دین کے اعتبار سے مؤمن تھا، اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام کو نبوت ملنے سے قبل ہی اس کی وفات ہوئی تھی اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے ان کے متعلق فرمایا، "إنه يبعث أمة وحدَه" وہ (روزِ قیامت) اکیلے ایک امت کے طور پر اٹھائے جائیں گے، ابوعبداللہ بن مندہ نے انہیں صحابہ میں ذکر کیا ہے۔

اسی طرح وہ آدمی جس نے نبوت ملنے سے قبل آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی زیارت کی، پھر غائب ہوا اور آپ کی بعثت کے بعد تک زندہ رہا اور بعد میں اسلام قبول کیا، مگر بعد میں دوبارہ آپ کی زیارت نہ کرسکا، حافظ زین الدین صاحبِ ''الفیۃ الحدیث'' فرماتے ہیں، مجھے ان دو انواع کے متعلق کسی کی کلام وگفتگو کا علم نہیں ہے، تاہم صحابی کی تعریف میں رؤیت سے رؤيت بعد النبوة ہی مراد ہوگی، کیونکہ اصحاب کے متعلق کتب تالیف

---

(۱) فتح المغيث للسخاوي: ٤/٨٤، مكتبه السنة بالقاهرة

(۲) فتح المغيث للسخاوي: ٤/٨١، وفتح المغيث للعراقي، ص: ٣٣٦

کرنے والے حضرات نے آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی اولاد میں سے اُن کا تو ذکر کیا ہے، جن کی ولادت آپ کی نبوت کے بعد ہوئی، جیسے ابراہیم اور عبداللہ، جب کہ ان کو ذکر نہیں کیا ہے، جن کی پہلے ولادت اور وفات ہوئی، جیسے قاسم۔ اس سے معلوم ہوا کہ صحابیت کے لئے نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی رؤیت بعد النبوت شرط ہے پہلے کی رؤیت کافی نہیں ہے(۱)۔

صُحبت کے مصداق میں اہلِ لغت اور عُرف کا اختلاف اور اُصحاب الحدیث کا رجحان

''قولِ ثانی'' کے عنوان سے ابوالمظفر السمعانی کے حوالے سے اُصولیین کا یہ قول نقل کیا جاچکا ہے کہ صحابی ہونے کے لئے آپ علیہ الصلاۃ والسلام سے طویل صحبت اور کثیر مجالست ضروری ہے اور صحبت ومجالست بھی جو بطریقِ تبع (اتباع) واُخذ ہو۔

جب کہ محدثین کا مذہب یہ بتایا گیا ہے کہ وہ رسول اللہ کو ایک نظر دیکھنے اور آپ سے ایک ہی بات نقل کرنے والے کو بھی صحابی قرار دیتے ہیں، یہی اہلِ لغت کا بھی قول ہے۔ چنانچہ قاضی ابوبکر بن الطیب الباقلانی فرماتے ہیں،"لاخلاف بين أهل اللغة في أن الصحابي مشتق من الصُّحبة"(۲) اہلِ لغت میں اس حوالے سے کوئی اختلاف نہیں ہے، کہ صحابی ''صحبت'' سے مشتق ہے اور صحبت کی کوئی مقدار اس کے لئے شرط نہیں ہے، لہٰذا صحبت قلیل ہو یا کثیر، اس سے صحابیت ثابت ہوجائے گی۔ چنانچہ لغت میں کہا جاتا ہے،"صَحِبتُ فلاناً حولاً، ودهراً، وسنةً، وشهراً، ويوماً، وساعةً"(۳) اور اس کا تقاضا یہی ہے کہ جس نے "ساعةً مِن نهار" یعنی لمحہ بھر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اختیار کی ہو، وہ صحابی ہوگا۔

یہی بات علي بن المدیني اور پھر ان کے شاگرد امام بخاری کے حوالے سے نقل کی جاچکی ہے، امام احمد کی بھی یہی رائے ہے، ان کے الفاظ ہیں:"مَن صَحِبَه سنةً أو شهراً أو يوماً أو ساعةً أو راٰه"(٤) جب کہ علی بن المدینی کے الفاظ ہیں:"مَن صَحبَ النبي أو راٰه ولو ساعةً من نهار" جب کہ امام بخاری کے

(۱) فتح المغيث شرح الفية الحديث للمؤلف: ۳۳٦

(۲) تدريب الراوي: ۲/۲۱۱

(۳) تدريب الراوي: ۲/۲۱۱

(٤) المنهل المروى لابن جماعة، جزء: ۱، ص: ۱۱۱، دارالفكر

الفاظ ہیں: "مَن صَحبَ النبيَ أو راہ من المسلمین"(۱).

اہل لغت اور اہل الحدیث کی اس رائے کی لفظِ صحابی کے مادۂ اشتقاق سے بھی تائید ہوتی ہے، اور اس بات سے بھی کہ نورِ نبوت ایک نظر دیکھنے والے کو بھی مالا مال کر دیتا ہے، لیکن عرفِ ائمہ (۲) میں لفظ "صاحب" یا "صحابی" کا استعمال فقط ایسے شخص کے لئے ہوتا ہے جس کی لمبی صحبت آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ ہوئی ہو اور متصل و مسلسل ملاقات جس کی رہی ہو۔ ایک گھڑی کی ملاقات، چند قدم ساتھ چلنے اور ایک دو باتیں سن لینے سے کوئی صحابی نہیں ہوتا۔ یعنی "صحابی" کا اس پر اطلاق نہیں ہوتا بلکہ اس کے اطلاق کے لئے ضروری ہے کہ وہ آدمی کئی مرتبہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام سے ملاقات کر چکا ہو اور کافی عرصہ آپ کی صحبت میں رہا ہو۔

جب کہ اہلِ الحدیث نے لغت، شَرع اور عُرف سب ہی سے یہ نقل کیا ہے کہ ایک لحظہ رؤیت وصحبت بھی اگر کسی کو نصیب ہوئی ہو تو وہ صحابی ہے (۳)۔

نووی نے قاضی ابوبکر کے قول کو نقل کرنے کے بعد فرمایا، اس سے محدثین کے مذہب کی ترجیح ثابت ہوتی ہے۔ ابن الجوزی فرماتے ہیں، ایک ہے لفظِ "صحابی" کا مطلق اِطلاق وہ تو ایک لحظہ صحبت پانے والے پر بھی ہوتا ہے اور ایک اس کی شہرت ہے تو مشہور لفظ "صحابی" سے وہ آدمی ہوتا ہے، جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طویل مجالست اور مخالطت رہی ہو، یہی وجہ ہے کہ جب لفظ "صحابی" کا ذکر ہوتا ہے تو اس سے متبادر وہ شخص ہوتا ہے جس کی طویل صحبت رہی ہو اور دوسری طرف اگر کوئی قسم کھائے کہ تجھ سے صحبت نہیں رکھوں گا تو وہ ایک لحظہ کی صحبت پر بھی حانث ہوگا تو اطلاقِ صحابیت اور شہرتِ صحابیت میں فرق ہے (۴)۔

صحابیت معلوم ہونے کے طُرق

اب رہی یہ بات کہ صحابی کی صحبت کی پہچان کیا ہے، تو حافظ عراقی "الفیۃ الحدیث" میں فرماتے ہیں:

وتُعرفُ الصُّحبة باشتهار أو تواتُرٍ أو قولِ صاحبٍ ولَو

(۱) المنهل المروى لابن جماعة، جزء: ۱، ص: ۱۱۱، دار الفكر

(۲) بعض حضرات نے "عرف الائمة" کی بجائے "عرف الأمة" کا لفظ استعمال کیا ہے، دیکھئے فتح المغیث للسخاوي، ص: ۷۹

(۳) فتح المغيث للعراقي، ص: ۳۳۷

(۳) دیکھئے، فتح المغيث للعراقي، ص: ۳۳۷، وفتح المغيث للسخاوي: ۷۸/٤، ۷۹

قـدا دَّعـا هـا وهـو عـدلٌ قُبِلا . وهُـم عُـدول ، قيل : لا مَن دخَلا

مؤلف خود ہی اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

۱-صحابی کی صحابیت یا تو شہرت سے معلوم ہوگی اور شہرت میں پھر تواترُ بھی آتا ہے بلکہ بطریقِ اولیٰ آتا ہے اور نقلِ متواتر سے جن حضرات کی صحابیت معلوم ہوئی ہے، اس کی مثال ابوبکر، عمر، باقی عشرہ مبشرہ (رضی اللہ عنہم) اور دیگر حضرات ہیں۔

۲- اور بعض کی صحابیت پھر استفاضہ اور اُس خبرِ مشہور سے معلوم ہوتی ہے جو متواتر سے کم درجے کی ہوتی ہے، جیسے عُکاشہ بن محصن (۱)، ضمام بن ثعلبہ (۲) وغیرہ۔

۳- اور بعض کی صحابیت اس طرح معلوم ہوتی ہے کہ دوسرے کوئی صاحب ان کے متعلق خبر دیتے ہیں، جیسے حُمَمة بن أبي حُمَمة الدوسي جن کا پیٹ کی بیماری کے باعث اصبہان میں انتقال ہوا، اور پھر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گواہی دی کہ وہ صحابی تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو شہید قرار دیئے جانے کا حکم نقل کیا ہے (۳)۔ اگرچہ حافظ عراقی فرماتے ہیں اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو شہید قرار دیا ہو جن کا مرض البطن میں انتقال ہوا ہو، اور ان کے عموم میں حضرت حُممہ بھی آ رہے ہوں اور ان کا نام آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے نہیں لیا ہو (۴)۔ اور آدمی کی صحابیت اس کی اپنی خبر سے ثابت ہوتی ہے، لیکن اس کے لئے یہ شرط ہے کہ اپنی صحابیت کی خبر دینے سے قبل وہ عدالت (صدق ودیانت) کی شہرت رکھتا ہو، یہی بات ابن الصلاح نے فرمائی ہے (۵)۔ اور خطیب بغدادی نے بھی تقریباً یہی بات فرمائی ہے، وہ فرماتے ہیں:

"وقد يُحكم بأنه صحابي إذا كان ثقةً أميناً مقبولَ القول، إذا قال: صحبتُ النبي صلى الله عليه وسلم وكثُر لقائي له فيُحكم بأنه صحابي في

(۱) عُكاشه بن مُحصن بن حُرثان بن قيس الأسدي، سابقین اولین اور بدریین میں سے ہیں، دیکھئے، الإصابة: ۱۹٤/۲

(۲) ضمام بن ثعلبة السعدى ...... الإصابة: ۲/۲۱۰، الاستيعاب: ۲/۲۱٤

(۳) دیکھئے، الإصابة: ۱/۳۵۵، ومعرفة الصحابة لأبي نُعيم الأصبهاني: ۲/۱٦۵، وأسد الغابة: ۱/۵۳

(٤) دیکھئے، فتح المغيث، ص: ۳٤۱

(۵) علوم الحديث، ص: ۲۹۹

الظاهر لموضع عدالته وقبول خبرِه وإن لم يقطع بذلك كما يعمل بروايته"(١).

یعنی: کبھی صحابی ہونے کا حکم یوں لگتا ہے کہ آدمی صاحبِ عدالت، ثقہ اور امین ہوتا ہے اور وہ کہتا ہے میں نے اللہ کے رسول کی صحبت پائی ہے، اور میری آپ سے بکثرت ملاقاتیں رہی ہیں، ایسے شخص کی صحابیت قطعی طور پر اگرچہ ثابت نہ ہو، لیکن عدالت اور مقبول الخبر ہونے کی بناء پر بظاہر وہ صحابی ہوگا اور اس کی بات کا اعتبار کیا جائے گا، جیسے کہ اس کی روایت پر عمل ہوتا ہے۔

حافظ عراقی فرماتے ہیں، اس کے ساتھ ایک اور قید یہ بھی لگائی جائے گی کہ ظاہر بھی اس کی بات کا منافی نہ ہو بلکہ مقتضی ہو، لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے سو سال بعد اگر کوئی اس کا دعویٰ کر رہا ہو، تو اس کا دعویٰ مقبول اور مسموع نہیں ہوگا، کیونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح لفظوں میں فرما دیا ہے:

"أرَأيتم ليلتكم هذه، فإنه على رأس مأة سنة منها لا يبقى أحد مِمن هو على ظهر الأرض"(٢).

آج کی رات کو تم دیکھ رہے ہو......؟ اس کے بعد ٹھیک ایک صدی کے سرے پر آج جو لوگ روئے زمین پر موجود ہیں، ان میں سے کوئی نہ ہوگا، یعنی آئندہ سو سال کے اندر اندر وہ تمام لوگ دنیا سے رخصت ہو گئے ہوں گے، جو آج موجود ہیں۔

اب ظاہر ہے سو سال بعد کسی کی صحابیت کیسے تسلیم کی جا سکتی ہے، جب کہ پیغمبر کے معاصر بھی ختم ہو چکے ہوں۔ یہ بات آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے اس سال فرمائی، جس سال آپ کا وصال ہوا اور اس سے مقصود بھی بظاہر عہدِ صحابہ کا اختتام وانقراض بتلانا تھا۔

---

(١) نكتُ العراقي، ص: ٢٩٩، وفتح المغيث، ص: ٣٤١

(٢) رواه البخاري في كتاب العلم، حديث: ١١٦، وفي كتاب مواقيت الصلاة، حديث: ١٦٤، وفي كتاب الأذان، حديث: ٦٠١، ومسلم في الفتن، باب قوله صلى الله عليه وسلم لا تأتي مائة سنة وعلى الأرض نفس منفوسة اليوم، حديث: ٢٥٣٧، وأبوداود، في الملاحم، باب قيام الساعة، حديث: ٤٣٤٨، والترمذي، باب الفتن: ٢٢٥٢.

علماء اصول نے مقتضائے ظاہر کے خلاف نہ ہونے کی اس شرط کے ساتھ اس بات کا بھی اضافہ کیا ہے کہ اس آدمی کی معاصرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معلوم ومعروف بھی ہو، پھر جب وہ دعویٰ کرے کہ وہ صحابی ہے تو اس کو تسلیم کیا جائے گا کہ اسلام اور عدالت کے ثبوت کے بعد بظاہر وہ سچ ہی کہتا ہوگا جب کہ احتمال یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ وہ جھوٹا ہو، کیونکہ اس کے دعویٰ صحابیت کا مقصد اپنے لئے ایک بلند مرتبہ ثابت کرنا ہوسکتا ہے اور موضع تہمت ہونے کی بناء پر اس پر یہ گمان کیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے مفاد میں خلاف واقعہ بات کہہ رہا ہے(۱)۔

یہاں تین احادیث کا ذکر ہے:

پہلی حدیث

۳۴۴۹ : حدّثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ، عَنْ عَمْرٍو قالَ : سَمِعْتُ جابِرَ بْنَ عَبْدِ ٱللهِ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ : حَدَّثَنَا أَبُو سَعِيدٍ الخُدْرِيُّ قالَ : قالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمانٌ ، فَيَغْزُو فِئَامٌ مِنَ النَّاسِ ، فَيَقُولُونَ : فِيكُمْ مَنْ صَاحَبَ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ ؟ فَيَقُولُونَ : نَعَمْ ، فَيُفْتَحُ لَهُمْ ، ثُمَّ يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمانٌ ، فَيَغْزُو فِئَامٌ مِنَ النَّاسِ ، فَيُقَالُ : هَلْ فِيكُمْ مَنْ صَاحَبَ أَصْحَابَ رَسُولِ ٱللهِ ﷺ ؟ فَيَقُولُونَ : نَعَمْ ، فَيُفْتَحُ لَهُمْ ، ثُمَّ يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمانٌ ، فَيَغْزُو فِئَامٌ مِنَ النَّاسِ ، فَيُقَالُ : هَلْ فِيكُمْ مَنْ صَاحَبَ مَنْ صَاحَبَ أَصْحَابَ رَسُولِ ٱللهِ ﷺ ؟ فَيَقُولُونَ : نَعَمْ ، فَيُفْتَحُ لَهُمْ) . [ر : ۲۷٤٠]

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت بالکل واضح ہے۔

تراجم رجال

عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ

یہ علی بن عبداللہ بن جعفر المعروف علی بن المدینی ہیں۔ان کے احوال "كتاب العلم، باب الفهم

---

(۱) دیکھئے، فتح المغيث، ص: ۳٤١، وعمدة القاري: ٢٣٦/١٦

(٣٤٤٩) الحديث مرّ تخريجه في كتاب الجهاد، باب من استعان بالضعفاء والصالحين في الحرب، رقم: ٧٩٧......، كشف الباري، كتاب الجهاد: ٥٧٧/١

في العلم" میں گزر چکے ہیں(۱)۔

سُفْيَانُ

یہ سفیان بن عیینہ ہیں، مشہور محدّث۔ان کے تفصیلی حالات "كتاب العلم، باب قول المحدّث حدّثنا أو أخبرنا وأنبأنا" کے تحت گزر چکے ہیں(۲)۔

عَمْرو

یہ عمرو بن دینار مکی ہیں۔ان کے حالات "كتاب العلم، باب العلم والعِظة باللّيل" میں گزر چکے ہیں(۳)۔

جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ

معروف صحابیٔ رسول ہیں۔ان کے والد عبداللہ بھی صحابی ہیں۔انصار کے قبیلۂ خزرج سے ان کا تعلق ہے۔ان کا سلسلۂ نسب یوں ہے: جابر بن عبداللہ بن عمرو بن حرام بن ثعلبۃ بن کعب بن غنم بن کعب بن سلمہ بن سعد بن علی بن اسد بن ساردۃ بن تزید بن جشم بن الخزرج الانصاری الخزرجی السّلمی، ابوعبداللہ، ابوعبدالرحمٰن اور ابومحمد المدنی کنیتیں ان کی منقول ہیں۔ان کے احوال گزر چکے ہیں(۵)۔

أَبُو سَعِيدٍ الْخُدْرِيُّ

ابوسعید خدری، مشہور صحابیٔ رسول ہیں سعد بن مالک بن سنان ان کا نام ہے اور مشہور کنیت کے ساتھ ہوئے ہیں۔ان کے حالات كتاب الإيمان، باب "من الدّين الفرار من الفتن" میں گزر چکے ہیں(۵)۔

فَيَغْزُو فِئَامٌ

یہ روایت "كتاب الجهاد، باب من استعان بالضعفاء والصالحين في الحرب" میں گزر چکی ہے۔اور جہاد سے متعلق اس کی تشریح بھی وہیں گزر چکی ہے(٦)۔"فِئَام: أي الجماعة مِن الناس لا واحدَ

(۱) دیکھئے، كشف الباري: ۲۲۷/۳

(۲) دیکھئے، كشف الباري: ۱۰۲/۳

(۳) دیکھئے، كشف الباري: ۳۹۸/۳

(۵) دیکھئے، كشف الباري: ۸۲/۲

(٦) كشف الباري: كتاب الجهاد: ۵۷۱/۱-۵۸۰

لَه مِن لفظِه"، "رهط" کی طرح اسم جمع ہے اور رھط ہی کے معنی میں ہے۔اس لفظ سے اس کا مفرد نہیں آتا۔
بکسر الفاءِ وفتحِ الیاء التحتانیة، بالهمزِ وبدونہ یعنی فِئام بھی پڑھا جاتا ہے اور فِیَام بھی (۱)۔

امام نووی نے فِـئَام بالہمزۃ اور فیَام بالیاء وبکسر الفاء کے ساتھ ایک تیسرا قول بفتح الفاء بھی نقل کیا ہے، تاہم ترجیح (تینوں اقوال میں سے) اول قول کو دی گئی ہے اور مشہور بھی وہی ہے (۲)۔

قرونِ ثلاثہ کے ساتھ ہی صحابہ، تابعین اور اتباعِ تابعین کا وجود ختم ہوا

حدیث کا باب کے ساتھ تعلق واضح ہے۔ صحابہ کی فضیلت وامتیازی شان حدیث میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے۔ ساتھ ہی تابعین یعنی اتباعِ صحابہ اور پھر اتباعِ تابعین کی فضیلت بھی بیان ہوئی ہے، یہ دراصل تین قَرنوں اور تین طبقوں کی بات ہے، جس کی تعبیر عموماً قرونِ ثلاثہ سے بھی ہوتی ہے اور خیرُ القرون سے بھی۔ ان تین عَہدوں کی جب ایک خاص اہمیت وفضیلت ہے، جو کسی اور کو حاصل نہیں ہے، تو پھر بدیہی طور پر ان تینوں طبقوں کی پہچان اور ان کا اوّل وآخر بھی معلوم ہونا چاہیے اور ہے۔

چنانچہ ابھی تعریفِ صحابی کی ذیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ آج یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے ایک ماہ قبل سے پورے سو سال بعد تک صحابہ کا عہد اختتام کو پہنچ جائے گا اور اس کے بعد پھر کسی صحابی کا وجود نہیں رہے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری صحابی حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ اللیثی کا انتقال ۱۰۰ ہجری کو ہوا، دوسرے قول کے مطابق ۱۰۷ ہجری کو ہوا اور تیسرا قول یہ ہے کہ ۱۱۰ ہجری کو ہوا۔

اس آخری قول کو زیادہ راجح قرار دیا گیا ہے اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے ارشادِ مبارک کا تقاضا بھی یہی ہے کہ آپ کے وصال جو دس ہجری کو ہوا، اس کے پورے سو سال یعنی ۱۱۰ ہجری کو ہی آخری صحابی کی وفات ہو......اصحاب الحدیث کا تقریباً اس پر اتفاق ہے کہ حضرت ابوالطفیل ہی آخری صحابیِ رسول ہیں (۳)۔

---

(۱) دیکھئے، عمدة القاري: ۱۶/۲۳۶، وفتح الباري: ۷/۷

(۲) دیکھئے، صحيح مسلم بشرح النووي، باب فضل الصحابه ثم الذين يلونهم ......: ۱۶/۳۰۰

(۳) الكنز المتواري: ۲/۳۶۲

۱۱۰ہجری کے بعد کسی کا دعوائے صحابیت مسموع نہیں

علماء فرماتے ہیں رسول اللہ کے ارشاد "فإنّ رأسَ مائةِ سنةٍ منها لا يبقى ممّن هُو على ظهرِ الأرض أحد" کی بناء پر ۱۱۰ہجری کے بعد اگر کسی نے صحابیت کا دعوی کیا تو وہ کذّاب ہوگا (۱)، البتہ حضرت خضر کے حوالے سے صوفیاء اور محدثین میں تھوڑا سا اختلاف ہے، تاہم اس کا موضوعِ صحابیت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے (۲)۔

صحابیت کا موضوع چونکہ بوجوہ ایک بڑا احساس موضوع ہے اور جماعتِ صحابہ نے ہی براہِ راست اللہ کے رسول سے دین اخذ کیا، جس کی بناء پر ان کی غیر معمولی اہمیت ہے، حتیٰ کہ روایات میں "رجل من الصحابه" اور "أحدٌ من الصَّحابة" کے مبہم الفاظ کے ساتھ بھی اگر کسی صحابی کا ذکر کیا جائے تو اس کا بھی بڑا اعتبار ہوتا ہے، اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر مختلف اسالیب کے ساتھ یہ بات بیان فرمائی ہے کہ جماعت صحابہ کا ایک مقرّر اور متعین زمانہ ہے۔

چنانچہ ایک روایت میں وفات النبي کے سوسال بعد اس جماعت کے ختم ہونے کی خبر دی گئی ہے۔ کہیں یہ کہا گیا کہ اہلِ ایمان جہاد کریں گے اور ان سے پوچھا جائے گا کہ کیا تم میں کوئی ایسا آدمی ہے جس نے اللہ کے رسول کی صحبت پائی ہو، اُن کو جواب ملے گا کہ جی ہے! اور پھر اس جماعت کو فتح مل جائے گی، پھر ایک اور وقت آئے گا جہاد ہوگا اور مجاہدین سے یہ سوال کیا جائے گا کہ تم میں ایسا کوئی ہے جس نے ان آدمیوں کی صحبت پائی ہو، جنہوں نے رسول اللہ کی صحبت پائی (یعنی تابعین میں سے کوئی ہے؟)، جواب ملے گا، کہ جی ہاں! ان کو بھی فتح ملے گی، پھر اُتباعِ تابعین کے متعلق اسی طرح سوال وجواب ہوگا۔ اس سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابیت اور تابعیت اور تبع تابعیت کی برکت سے فتوحات ملیں گی، وہاں یہ اشارہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ ایک وقت آئے گا جب کوئی صحابی نہیں رہے گا، پھر ایک وقت آئے گا جب تابعی یعنی صحابہ کو پانے والا بھی نہ رہے گا، پھر ایک وقت آئے گا کہ اتباع تابعین بھی نہ رہیں گے، لہٰذا ان بعد کے زمانوں میں کسی کا دعوائے صحابیت درخورِ اعتناء نہیں سمجھا جائے گا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہاں ایک اور قرینے سے بھی بعد کے زمانوں میں صحابہ کی عدم

(۱) الكنز المتواري: ۲/۳٦۲

(۲) الكنز المتواري: ۲/۳٦۲

موجودگی کا پتہ چلتا ہے اور وہ یہ کہ یہاں فرمایا، مسلمانوں کے بلادِ کفر کی جانب جہاد کے لئے پیش قدمی ہوگی جب کہ اب تو ایک طویل عرصے سے معاملہ اس کے برعکس ہے کہ کافر بلادِ اسلام پر حملہ آور ہیں، سو ایسے میں اس سوال کا ہی موقع نہیں آئے گا کہ تم میں صحابی ہیں یا تابعی ہیں یا اتباع تابعین ہیں؟(۱)

قرونِ اَربعہ کا ذکر

یہاں بھی اور اکثر روایات میں ہی تین قرون کا ذکر آیا ہے، چنانچہ "قرونِ ثلاثہ مشہودلہا بالخیر" ہی کی اصطلاح مشہور بھی ہے۔ مگر بعض روایات میں چار قرون کا ذکر ہے، جیسے کہ طبرانی اور ابن ابی شیبہ وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ طبرانی کے الفاظ ہیں:

"خير الناس قرني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم ثم الآخرون أرذل"(۲).

اور یہی ابن ابی شیبہ کے الفاظ ہیں:

لیکن مصنَّف ابنِ ابی شیبۃ میں "ثم الآخرون أرذل" کے الفاظ نہیں ہیں (۳)۔

---

(۱) فتح الباري: ۸/۷

(۲) دیکھئے، المعجم الكبير للطبراني: ۲۸۵/۲

(۳) دیکھئے مصنف ابن ابی شیبة: ۳۰۳/۷

شیخ عوامہ روایتِ ابن ابی شیبہ کی ذیل میں فرماتے ہیں:

رواه ابن ابي عاصم في "السنة" (۱٤۷۲) عن المصنف، به. ورواه ابن حبان رقم (۷۲۲۹) والطبراني رقم (۵۸۵) من طريق المصنف به، ورواه أحمد ٤:٤٢٦، والترمذي والطبراني في الكبير كلهم، بمثل إسناد المصنف ورواه الترمذي رقم (۲۲۲۱، ۲۳۰۲)، وابن ابي عاصم في "السنة" (۱٤۷۱) من طريق محمد بن فضيل، عن الاعمش، عن علي بن مدرك عن هلال، ثم نبَّه الترمذي إلى أن ذكر علي بن مدرك انما هو في رواية محمد بن فضيل فقط وأن غير واحد من الحفاظ لم يذكروا هذه الواسطة، ثم ساق رواية وكيع عن الأعمش، عن هلال، كما هنا، ثم قال وهذا أصح عندي من حديث محمد بن فضيل، وقد صرَّح الأعمش في رواية وكيع بالسماع من هلال، فانتفت شبهة التَّدليس عنه، مع أني قدمت برقم (۲۵۸۲٦) أن عنعنته لا تضر. انظر المصنَّف لابن أبي شيبه: ۳۰۳/۱۷، بتحقيق محمد عوَّامه، اداره القرآن بكراتشي

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: "رجالُه ثقات، الا أن جَعدة مختلف في صُحبته" اس حدیث کے دیگر رجال تو ثقہ ہیں مگر جعدۃ بن ہبیرۃ کی صحابیت میں اختلاف ہے، کہ وہ صحابی ہیں یا نہیں(۱)۔

ایک اور روایت جس میں بعوث کا ذکر ہے اور مسلم نے اسے اپنی صحیح میں ذکر فرمایا، اس کے الفاظ ہیں:

"يأتي على الناس زمان يُبعث منهم البَعث فيقولون: انظروا هل تجدون فيكم أحداً من أصحابِ النبي صلى الله عليه وسلم ؟ فيُوجد الرَّجل فيُفتح لهم به، ثم يُبعث البَعث الثاني فيقولون: هل فيهم من رأى اصحابَ النبي صلى الله عليه وسلم فيفتح لهم به، ثم يُبعث البعثُ الثالث فيقال انظروا هل ترون فيهم من رأى مَن رأى اصحابَ النبي صلى الله عليه وسلم ؟ ثم يكون البعث الرابع فيقال انظروا هل ترون فيهم أحداً رأى مَن رأى أحداً رأى اصحابَ النبي صلى الله عليه وسلم فيوجد الرجل فيفتح لهم به"(۲).

یہاں بعثِ رابع میں قرنِ رابع کا ذکر ہے؛ کیونکہ "ترون فيهم أحداً رأى مَن رأى أحداً رأى اصحاب النبي......" میں "رأى" اول سے اَتباع تابعین کو دیکھنے والا مراد ہے۔ "رأى" ثانی سے تابعین کو پانے والا اور "رأى" ثالث سے صحابہ کو دیکھنے والا......

حافظ ابن حجر اس کے متعلق فرماتے ہیں:

"وهذه الرواية شاذة وأكثر الروايات مقتصر على الثلاثة".

یہ روایت شاذ ہے اور اکثر روایات میں تین قرون پر ہی اکتفاء کیا گیا ہے(۳)۔

قرونِ ثلاثہ کب ختم ہوئے؟

آخری صحابی کے حوالے سے تو بتایا گیا کہ وہ تقریباً بالاتفاق حضرت ابوالطفیل ہیں، انقراضِ عہدِ صحابہ

---

(۱) دیکھئے، فتح الباري: ۱۰/۷

(۲) صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب فضل الصحابة ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم: رقم الحديث: ٦٤١٥.

(۳) دیکھئے، فتح الباري: ۸/۷

کی طرح انقراض واختتامِ قرونِ ثلاثہ بھی اہمیت کا حامل امر ہے، چنانچہ آخری صحابی کی طرح آخری تبع تابعی کا بھی اصحاب الحدیث نے ذکر فرمایا ہے۔ تبع تابعی کا شخصی نام تو نہیں بتایا گیا ہے، مگر اس زمانے کی تعیین کی گئی ہے، جس میں قرونِ ثلاثہ اور عہدِ اَتباعِ تابعین کا اختتام ہوا۔

حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، آخری اَتباعِ تابعین وہ شمار ہوں گے جو ۲۲۰ ہجری کی حدود تک زندہ رہے ہوں اور اس کے بعد کسی کا دعویٔ تبع تابعی ایسا ہی ناقابل قبول ہوگا، جیسے کہ سو سال یعنی ۱۱۰ ہجری کے بعد دعویٔ صحابیت غلط اور نامسموع ہے (۱)۔

قرونِ ثلاثہ کے بعد سے فتنوں کی بھرمار ہے

چنانچہ اللہ کے رسول نے قرونِ ثلاثہ کو قرونِ خیر قرار دے دیا ہے اور ان کے بعد ظہورِ شر کی پیشن گوئی فرمائی تو تاریخ اور واقعات بتاتے ہیں کہ ۲۲۰ھ کے بعد فتنوں اور بدعتوں کا ایک طوفان اُمڈ آیا ہے، ایک طرف اعتزال اپنی تمام تر فتنہ سامانیوں کے ساتھ ظہور پذیر ہوا، معتزلہ نے اسلام کے عقائدِ واضحہ اور مسلمانوں میں اتفاقی حیثیت کے کامل احکام کے حوالے سے زبان درازیاں شروع کیں، تو دوسری جانب خود ساختہ فلسفے کے علمبرداروں نے سر اٹھایا، یونان کے زیغ وضلال نے جسدِ اسلام کو شکوک وشبہات کے اتھاہ اندھیروں کی طرف کھینچنا شروع کردیا۔ اور طرح طرح کی آفتوں اور آزمائشوں سے علماء اسلام کو دوچار ہونا پڑا اور امت ایسے بھنور میں پھنس گئی کہ آج تک پھنستی چلی جارہی ہے، اس صورت حال میں "ثم يفشوا الكذب" کا ایسا منظر دکھائی دینے لگا، کہ جو پہلے کبھی نہ رہا تھا، یعنی اقوال میں، افعال میں، اعتقادات میں، معاملات میں، جھوٹ، افتراء اور غلط بیانی کھلم کھلا شروع ہوئی (۲)۔

قَرن کیا ہے؟

قَرن کی تعریف کی گئی ہے:

"أهل زمانٍ واحدٍ متقاربٍ اشتركوا في أمرٍ من الأمور المقصودة"(۳).

---

(۱) دیکھئے، فتح الباري: ۷/۹

(۲) فتح الباري: ۹/٤

(۳) فتح الباري: ۹/٤

ایک زمانے کے لوگ جو کسی خاص مقصود امر میں اشتراک رکھتے ہوں۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ جب ہے کہ وہ لوگ کسی خاص نبی یا رئیس کے زمانے میں پائے جائیں، اس نبی یا رئیس کے مخصوص دین، مذہب یا مخصوص عمل کی وجہ سے وہ پہچانے جائیں اور وہ مذہب یا عمل ان میں قدرِ مشترک اور ان کے لئے جامع ہو۔ چنانچہ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

”ويقال: إن ذلك مخصوص بما إذا اجتمعوا في زمان نبي أو رئيسٍ يجمعُهم على صلة أو مذهب أو عمل“(۱).

اسی طرح قرن کا اطلاق ”مدةٌ من الزمان“ پر بھی ہوتا ہے(۲)۔

بعض حضرات نے اس کی تحدید بھی کی ہے اور ایک متعین مدت پر اس کا اطلاق کیا ہے، [illegible] دس سال سے لے کر ایک سو بیس سال تک کے مختلف اقوال منقول ہیں(۳)۔

عبداللہ بن بسر کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قَرن سو سال کی مدت کو کہا جاتا ہے، یہی مشہور بھی ہے۔ چالیس سال کا قول بھی منقول ہے(۴)۔

بعض حضرات نے ستّر سال کی مدت کو قَرن قرار دیا ہے اور فرمایا، ”قَـرن“ أقـران سے ہے، یا أقـران ”قَـرن“ سے ہے اور تقریباً ہر زمانے میں اُوسط عمر ستّر سال ہی رہتی ہے یعنی اسی عمر میں اَقران اور ہم عمر لوگ اکثر ختم ہو جاتے ہیں، اس لئے ستر سال ہی مدتِ قرن ہے، ابن الأعرابی نے بھی اس کی تصریح کی ہے(۵)۔

جہاں تک قَرن النبي کا تعلق ہے تو اگر اس کا بعثت نبوی کے بعد سے شمار اور اعتبار ہوتا ہے تو پھر وہ لگ بھگ ایک سو بیس سال ہے، اور اگر اس کا اعتبار وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سے ہو تو پھر سو سال یا نوّے یا ستانوے سال کو قرن کہا جائے گا، کیونکہ آخری صحابی یا آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے قرن کے آخری آدمی حضرت ابوالطفیل ہیں اور ان کی تاریخِ وفات میں اختلاف ہے، مگر بعثت کے بعد سے ان کی وفات تک تقریباً ایک سو

---

(۱) فتح الباري: ۶/۹

(۲) فتح الباري: ۶/۹

(۳) فتح الباري: ۶/۹

(٤) فتح الباري: ۶/۹

(٥) فتح الباري: ۶/۹

بیس سال بنتے ہیں، جب کہ وفات النبی سے تقریباً نوّے، ستانوے یا سوسال بنتے ہیں اور رہا قرنِ تابعین تو اگر اس کا سوسال یانی ۱۰۰ھ سے اعتبار ہو تو پھر وہ ستر یا اسّی سال بنتے ہیں اور قرنِ اَتباع التابعین کا اگر ۱۷۰ھ سے شمار ہوتا ہے تو پھر وہ پچاس سال کا بنتا ہے، کیونکہ محدثین نے عہدِ اتباع التابعین کے خاتمے کا وقت ۲۲۰ھ بتایا ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قَرن مختلف اہل زمانہ کے اعتبار سے بدلتا رہتا ہے۔ یعنی بعض کا قَرن طویل ہوتا ہے اور بعض کا مختصر (۱)۔

قرونِ ثلاثہ میں افضلیت کا مسئلہ

حدیث میں "ثمّ الذین یلُونهم ثمّ الذین یلُونهم" کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ تابعین سے اور تابعین اتباع التابعین سے افضل ہوتے ہیں، لیکن اس بات میں بحث کی گنجائش ہے کہ کیا یہ افضلیت من حیث المجموع ہے یا من حیث الأفراد، یعنی کیا ہر ہر صحابی، ہر ہر تابعی سے اور پھر ہر تابعی ہر تبع تابعی سے بہتر ہے یا یہ کہ صحابہ کے مجموعی طبقے کو طبقۂ تابعین پر اور تابعین کو اتباع التابعین پر من حیث الجماعت فضیلت حاصل ہے اور افراد میں یہ ضروری نہیں ہے، بلکہ بعض تابعین بھی بعض صحابہ سے افضل ہو سکتے ہیں۔

جمہور اور ابن عبد البر کا اختلاف

جمہور کی رائے یہ ہے کہ صحابہ تابعین سے اور تابعین اتباعِ تابعین سے من حیث الافراد بھی افضل ہیں، جیسے کہ من حیث المجموع بہتر ہیں۔ جب کہ ابن عبد البر فرماتے ہیں، افضلیت من حیث المجموع ہے من حیث الأفراد ضروری نہیں (۲)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، میری سمجھ میں جو بات آتی ہے، وہ یہ ہے کہ جن حضرات نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جہاد اور قتال میں حصہ لیا، یا آپ کے زمانے میں آپ کے حکم سے جہاد کیا، یا آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی خاطر اپنا مال خرچ کیا، فضیلت و مرتبت میں کوئی ان کی ہم سری نہیں کرسکتا، وہ جو بھی ہو اور جب بھی آئے۔ اور جن کو یہ فضیلت حاصل نہیں، ان کی افضلیت میں بحث کی گنجائش ہوسکتی ہے۔

اول الذکر جماعت (نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ قتال کرنے والے) کی افضلیت اور کسی کے

---

(۱) فتح الباري لابن حجر العسقلاني: ۷/۸، ۹، دار السلام

(۲) التمهيد: ۲۰/۲۵۰، ۲۵۳

لئے ان کی ہمسری ممکن نہ ہونے کی دلیل ہے ارشاد باری تعالیٰ:

﴿لا يستوي منكم مَن أنفق مِن قبلِ الفتح وقاتَل، أولئك أعظمُ درجة مِن الذين أنفقوا مِن بعد، وقاتلوا﴾(١).

کہ یہاں تصریح کی گئی ہے کہ جس نے فتح مکہ سے قبل اِنفاق کیا اور جہاد کیا وہ بعد میں اِنفاق اور قتال کرنے والوں سے درجے میں بڑے ہیں۔

اور ابن عبدالبر رحمہ اللہ کا استدلال اس حدیث سے ہے:

"مثل أمّتي مثل المطر لا يدرى أوّله خير أم اخره"(٢). ''میری امت کی مثال بارش کی سی ہے، جس کے متعلق یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس کا اول زیادہ بہتر اور مفید ہے یا اس کا آخر''۔

طریقِ استدلال یوں ہے کہ حدیث میں اولِ امت کے بہتر ہونے یا آخرِ امت کے بہتر ہونے کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ امر معلوم نہیں ہے، لہٰذا اگر صحابہ (جو امت کا اول ہیں) کے بعد میں آنے والوں سے افضل ہونے کا دعویٰ کیا جائے تو اس سے حدیث کی مخالفت لازم آئے گی، کیونکہ حدیث میں بہتر کے نامعلوم ہونے کا ذکر ہے اور ہم اس کی تعیین اور معلوم ہونے کا دعویٰ کر رہے ہیں (۳)۔

علامہ ابن عبدالبر کے مستدل "مَثل أمتي مثلَ المطر" کے متعلق حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

"حديث حَسن له طُرق قدير تقي بها إلىٰ الصحة"(٤).

یہ حَسن درجے کی حدیث ہے اور بعض طرق میں درجۂ صحیح کو پہنچتی ہے۔ جب کہ نووی رحمہ اللہ نے اپنے فتاویٰ میں اس کی بروایتِ انس مسند ابی یعلی کی طرف نسبت کی ہے (۵)۔ اور فرمایا اس کے اسناد ضعیف ہیں (٦)۔

(١) سورة الحديد: ١٠

(٢) التمهيد: ٢٠/٢٥٤، مؤسسة القرطبة

(٣) فتح الباري شرح صحيح البخاري: ٩/٧

(٤) فتح الباري: ٩/٧

(٥) مسند أبي يعلى، حديث: ٣٧١٧، دار المامون، دمشق

(٦) فتح الباري: ٩/٦

جب کہ ترمذی نے انس ہی کی روایت سے اسے زیادہ قوی سند سے روایت کیا ہے(۱)۔

حافظ صاحب نے اسی لئے نووی کی بات پر تعجب کا اظہار کیا ہے اور اسے غریب قرار دیا ہے(۲)۔

ابن حبان نے بھی اپنی صحیح میں اس کو بروایتِ عمار ذکر کر کے صحیح قرار دیا ہے(۳)۔

علامہ نووی کی توجیہ

علامہ نووی نے بصورتِ صحت اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ یہ روایت ان لوگوں کے متعلق ہے، جو حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا زمانہ پائیں گے اور اس زمانے میں زبردست خیر و برکت دیکھیں گے۔ وہ جب اسلام کی سربلندی اور کفر کی سرکوبی کا کھل کر مشاہدہ کریں گے تو انہیں یہ اشتباہ ہوگا کہ آیا عہدِ اول کے لوگ زیادہ بہتر تھے جن کے ہاتھوں اسلام کو عزت و مرتبہ ملا تھا اور اسلام کی شان و شوکت کا وہ کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے تھے یا پھر اس عہدِ اخیر کے لوگ زیادہ افضل اور خوش قسمت ہیں جو اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا مظاہرہ دیکھ رہے ہیں۔

نووی فرماتے ہیں، لیکن یہ اشتباہ تو ان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "خير القرون قرني" سے رفع ہوتا ہے(۴)۔

ابن عبدالبر کے دلائل

ابن عبدالبر کی رائے کی متعدد دوسری روایات سے بھی تائید ہوتی ہے، مثلاً ابن أبي شيبہ، عبدالرحمٰن بن جبیر بن نفیر تابعی سے باسناد حسن روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ليدركَنَّ المسيح أقواماً إنهم لمثلكم أو خير –ثلاثا– ولن يخزي الله أمة أنا أولُها والمسيح اخرها"(٥).

"حضرت مسیح کے زمانے میں کچھ لوگ ہوں گے جو تم جیسے یا تم سے بہتر ہوں

---

(۱) دیکھئے، جامع الترمذي، أبواب الامثال، باب مثل أمتي مثل المطر، حديث: ۲۸٦۹

(۲) فتح الباري: ۹/۷

(۳) صحيح ابن حبان، باب فضل الأمة: ۲۰۹/۱٦، مؤسسة الرسالة بيروت

(٤) فتح الباري: ۹/۷، دار السلام

(٥) المصنف لابن أبي شيبة: ۱۰/، حديث: ۲۹٦۹۰

گے۔آپ نے تین مرتبہ یہ جملہ ارشاد فرمایا اور پھر کہا اللہ تعالیٰ اس امت کو ہرگز رسوانہیں کریں گے، جس کا اوّل میں ہوں اور جس کا آخر حضرت مسیح علیہ الصلاۃ والسلام ہیں"۔

ابوداود اور ترمذی نے بھی ابوثعلبہ کی ایک مرفوع روایت نقل کی ہے، جس کے الفاظ ہیں:

"تأتي أيام للعامل فيهن أجر خمسين"(١). یعنی: "ایک وقت آئے گا جس میں عمل کرنے والے کو پچاس کا اجر ملے گا"۔

آپ علیہ الصلاۃ والسلام سے پوچھا گیا، "منهم أو منّا يا رسول الله!؟" اُس آخر زمانے کے عامل کو ہم (صحابہ) میں سے پچاس کے برابر اجر ملے گا، یا خود ان میں سے پچاس (افراد) جتنا؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"بل منكم" نہیں، تم میں سے پچاس جتنا اجر اُن کو ملے گا۔

یہ حدیث اس روایت "مثل أمتي مثل المطر" کے لئے شاہد ہے۔

ابن عبدالبر نے حضرت عمر کی ایک اور مرفوع روایت سے بھی استدلال کیا ہے، جس کے الفاظ ہیں:

"أفضل الخلائق إيماناً قوم في أصلاب الرّجال يؤمنون بي ولم يروني"(٢).

ایمان کے اعتبار سے خلائق میں سے بہترین وہ لوگ ہیں جو مَردوں کی پشتوں میں ہیں۔انہوں نے مجھے دیکھے بغیر مجھ پر ایمان لایا ہے۔یعنی وہ اب موجود نہیں ہیں، بلکہ آئندہ زمانے میں مَردوں کی پیٹھ سے عورتوں کے بطن میں بصورت نطفۂ منی منتقل ہوں گے اور پھر وہاں افزائش کے بعد ان کی ولادت ہوگی، جب وہ دنیا میں آئیں گے تو میں (اللہ کا رسول) موجود نہیں ہوں گا، تاہم وہ مجھ پر بن دیکھے ایمان لائیں گے اور مقام ومرتبہ میں وہ تمام خلائق سے بہتر ٹھہریں گے۔

البتہ اس روایت کی اسناد کو ضعیف قرار دیا گیا، جس کی بناء پر یہ قابلِ استدلال نہیں ہے(۳)۔

ایک اور روایت ہے جسے احمد، دارمی اور طبرانی نے از حدیث ابی جمعہ روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ ابوعبیدہ نے کہا:

---

(١) سنن الترمذي، المائدة، حديث: ٣٠٥٨، دار إحياء التراث العربي بيروت، وسنن ابن ماجه، حديث: ٤٠١٤، دارالفكر بيروت

(٢) التمهيد لابن عبدالبر: ٢٤٨/٢٠، مؤسسة القرطبة

(٣) فتح الباري: ٦/٩

"يا رسول الله! أحد خيرٌ منّا؟ أسلَمنا معك، وجاهَدنا معك"(١).

''اللہ کے رسول! کیا ہم سے بھی کوئی بہتر ہو سکتا ہے، جب کہ ہم نے آپ کے ساتھ اسلام قبول کیا اور آپ کے ہمراہ جہاد کیا''۔

آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا:

"قوم يكونون من بعدكم يؤمنون بي ولم يروني"(٢).

''جی ہاں! کچھ لوگ ہوں گے جو تمہارے بعد آئیں گے، وہ مجھ پر ایمان لائیں گے، جب کہ انہوں نے مجھ کو دیکھا نہیں ہوگا''۔

اس کی سند حسن ہے اور حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے۔

ابن عبدالبر اپنی رائے کی تائید میں یہ بھی دلیل دیتے ہیں کہ قرن اول کے خیر القرون ہونے کا سبب یہ ہے کہ وہ کفار کی کثرت کی بناء پر غرباء اور اجنبی تھے اور کفار و مشرکین سے ان کو سخت اذیتیں اور مصیبتیں پہنچتی تھیں اور بڑے صبر آزما اور کٹھن حالات میں وہ اپنے دین سے تعلق جوڑے ہوئے تھے اور ایسے ہی آخری زمانے کے مسلمان ہوں گے، کہ جب ہر طرف فتنوں اور آزمائشوں کا دور دورہ ہوگا اور دین حق پر قائم رہنا مشکل بھی ہوگا اور غربت واجنبیت کا باعث بھی، تب اس پر قائم رہنے والے ظاہر ہے عہدِ اول کے مسلمانوں کی طرح افضل اور بہتر ہونے چاہئیں اور ہوں گے بھی (٣)۔

اس کا ایک اور شاہد ابو ہریرہ کی وہ مرفوع روایت بھی ہے، جسے مسلم نے روایت کیا ہے، اس کے الفاظ ہیں: "بدء الإسلام غريباً وسيعود غريباً كما بدء، فطوبى للغرباء"(٤).

---

(١) سنن الدارمي، باب في فضل آخر هذه الامة: ٤٦٥/٨، حديث: ٢٨٠٠، ومسند أحمد حديث ابي جمعه، حديث: ١٧٤٣٩

(٢) سنن الدارمي، باب في فضل آخر هذه الأمة: ٤٦٥/٨، حديث: ٢٨٠٠، ومسند أحمد حديث أبي جمعة، حديث: ١٧٤٣٩

(٣) التمهيد: ٢٤٨/٢٠، ٢٥٤

(٤) دیکھئے، صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان أن الإسلام بدء غريباً وسيعود غريباً، حديث: ٣٧٢،

اسلام شروع ہوا ہے، اجنبی حالت میں اور دوبارہ اجنبیت کی طرف لوٹ جائے گا، سوخوش خبری ہے اجنبیوں کے لئے۔

ابن عبدالبر کی رائے کا جائزہ

ابن عبدالبر کے اس کلام کا تعاقب کیا گیا ہے(۱)۔اور یہ کہہ کر اسے غلط قرار دیا گیا ہے کہ اس قول سے لازم آتا ہے کہ صحابہ کے بعد کوئی ایسا آدمی آسکتا ہے، جو بعض صحابہ سے بہتر ہو، چنانچہ قرطبی نے بھی اسکی تصریح کی ہے(۲)۔

لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں، ابن عبدالبر کی بات علی الاطلاق تمام صحابہ کے متعلق نہیں ہے کہ ہر صحابی سے بہتر بعد کے زمانوں میں آسکتے ہیں، کیونکہ اہلِ بدر کا انہوں نے خود استثناء کیا ہے اہل حدیبیہ کا بھی استثناء کیا ہے(۳)۔

ہاں! اتنی بات ضرور ہے کہ جمہور کے ہاں فضیلتِ صحابیت کا کوئی بدل نہیں ہوسکتا، لہٰذا بعد کے زمانوں میں جتنے بھی افضل لوگ آئیں، وہ صحابہ سے بہتر کیا ان کے برابر بھی نہیں ہوسکتے اور محض ایک شرف صحبت ہی صحابہ کی ایسی خصوصیت ہے کہ اس کی بدولت وہ سب غیرِ صحابہ سے بہتر ہیں اور رہا ابن عبدالبر کا اہلِ بدر اور اہل حدیبیہ کو قضیۂ تفاضل سے مستثنیٰ کرنا، یا پھر جن کو اسلام اور مسلمانوں کی کمزوری کے زمانے میں رسول اللہ کے دفاع کا موقع ملا، یا ہجرت اور نصرت میں جن کو سابقیت حاصل ہوئی، شریعت کے ضبط وتحمل اور تبلیغ کی جنہوں نے سعادت حاصل کی، یقیناً ان کا بھی کوئی سہیم ومقابل نہیں، کیونکہ ان کی صفات وخصال میں سابق کو لاحق کا اجر بھی ملے گا اور اپنا تو ملے گا ہی۔ مگر یہ تفاضل تو صحابہ میں آپس میں بھی ہوسکتا ہے اور اس پر تو سب کا اتفاق بھی ہے جیسے کہ "لا یستوی منکم من أنفق من قبل الفتح وقاتل" کا تقاضا ہے جب کہ شرف صحبت کی ہم سری ممکن نہ ہونے کی بات دوسری اور اس کے علاوہ ہے، جس میں ابن عبدالبر جمہور کے مقابلے میں اپنا تفرد رکھتے ہیں۔

---

(۱) التمهيد: ۲۰/۲٤۸، ۲٥٤

(۲) المُفهِم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم، فضائل الأنصار، ومن باب قوله صلى الله عليه وسلم "أنا أمنة لأصحابي": ۲۱/۲/٤۲

(۳) فتح الباري: ۹/۷

ثمرۂ اختلاف

اس اختلاف کا ثمرہ اس شخص کے متعلق ظاہر ہوگا جس کو صرف اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی اور دوسرے مناقب وفضائل اسے حاصل نہیں ہوئے۔

ظاہر ہے یہ شخص جمہور کے نزدیک بعد میں آنے والے سب ہی بزرگوں سے اور علماء وصلحاء سے شرف صحبت کی وجہ سے افضل ہوگا، جب کہ ابن عبدالبر کے ہاں بعد کے اہل علم وصلاح میں اس شخص سے افضل لوگ ہوسکتے ہیں۔

بعض حضرات نے تطبیق کی صورت اپنائی ہے اور فرمایا، شرف صحبت میں تو اس کا کوئی ہم سر نہیں ہوسکتا اور یہ امتیاز وبرتری اسے حاصل رہے گی، مگر دوسرے مناقب میں ان سے بہتر بھی ہوسکتے ہیں۔ تاہم یہ درست ہے کہ شرف صحبت میں تو ہمسری ممکن نہیں ہے۔

ہاں! یہ کہا جاسکتا ہے کہ کئی فضیلتوں کا شرف دوسرے اعمال سے بھی حاصل ہوسکتا ہے، جیسے فضیلتِ شہادت کا اجر، فضیلتِ حج کا اجر، فضیلتِ جہاد کا اجر وغیرہ اور صحابیت کا شرف کسی اور عمل سے حاصل نہیں کیا جاسکتا، اس کا بعد کے زمانوں میں کوئی متبادل نہیں رہا۔ حافظ صاحب فرماتے ہیں:

”ومحصل النزاع یتمحض في من لم یحصل له إلا مجرد المشاهدة کما تقدم“(۱).

جمہور کی طرف سے ابن عبدالبر کے دلائل کا جواب

رہا ابن عبدالبر کا مختلف احادیث سے استدلال جیسے ”للعامل منهم أجر خمسین منکم“ وغیرہ ......تو ان کا جواب یہ ہے کہ اجر کی کثرت سے کثرتِ فضیلت تو ثابت نہیں ہوتی اور اگر ثابت ہوتی بھی ہے تو زیادہ سے زیادہ اس عمل میں افضلیت ثابت ہوجائے گی اور ایک خاص عمل میں افضلیت، افضلیتِ مطلقہ کے لئے مستلزم نہیں ہے، خصوصاً شرفِ صحبت تو ایک ایسی چیز ہے کہ جس کا مثل اور بدل نہیں ہے لہٰذا اس کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کو کتنے ہی اجور اور کتنی ہی فضیلتیں حاصل ہوں، وہ اس شرف (صُحبت پانے) والے سے افضل

---

(۱) فتح الباري: ۸/۹

نہیں ہوسکتا۔

باقی رہی روایتِ ابی جمعہ تو اس کے الفاظ پر راویوں کا اتفاق نہیں ہے، چنانچہ بعض روایتوں میں اس میں خیریت کا ذکر ہے، جیسے کہ پہلے گزر چکا ہے اور بعض میں الفاظ یہ ہیں: "قلنا يا رسول الله! هل من قوم أعظم منا أجراً" کیا اللہ کے رسول! ہم سے اجر میں بڑے لوگ بھی ہیں؟ اور یہ ثانی الذکر روایت پہلی روایت سے زیادہ قوی السند ہے، تو اس سے بھی غیر صحابی کی صحابی سے افضلیتِ مطلقہ ثابت نہیں ہوسکتی زیادہ سے زیادہ اجر میں بڑھا ہوا ہونا ثابت ہوسکتا ہے (۱)۔

خیر اور شر دونوں میں غالب اور اکثر کا اعتبار ہے

ایک روایت میں "ثم يفشو الكذب" کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ قرونِ ثلاثہ کو جو خیر القرون قرار دیا گیا اور ان کے بعد ایسے لوگوں کی آمد کی پیشن گوئی کی گئی ہے، جو بغیر مطالبہ کے گواہی دیں گے، خیانت کریں گے وغیرہ وغیرہ، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ قرونِ ثلاثہ خصوصاً عہد تابعین وتبع تابعین میں یہ خرابیاں بالکل نہیں ہوں گی، بلکہ مراد یہ ہے کہ ان تین زمانوں میں خیر غالب ہوگا، اکثریت اچھے لوگوں کی ہوگی اور صحابہ کے بعد والے دو زمانوں میں کم لوگ ایسے ہوں گے جو ان خامیوں سے آلودہ ہوں گے، جب کہ صحابہ میں ان صفات ذمیمہ کے حامل لوگ تقریباً نہیں ہوں گے۔ اور قرون ثلاثہ کے بعد کے زمانوں میں بکثرت ایسے لوگ ہوں گے۔

"یفشو" کا معنی یہی ہے کہ جھوٹ اور خیانت وغیرہ کا رواج عام (اور فاش) ہوگا (۲)۔

دوسری روایت

۳٤٥٠ : حدّثنا إسْحٰقُ : حَدَّثَنَا النَّضْرُ : أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ أَبِي جَمْرَةَ : سَمِعْتُ زَهْدَمَ ابْنَ مُضَرِّبٍ : سَمِعْتُ عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ : قَالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (خَيْرُ أُمَّتِي قَرْنِي ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ – قَالَ عِمْرَانُ : فَلَا أَدْرِي : أَذَكَرَ بَعْدَ قَرْنِهِ

(۱) فتح الباري شرح صحيح البخاري لابن حجر العسقلاني: ۷/۱۰، دار السلام

(۲) فتح الباري: ۷/۱۰

(۳٤٥٠) الحديث مرّ تخريجه في كتاب الشهادات، باب "لا يشهد على شهادة جورٍ إذا أشهد"، رقم: ۲٦٥١......

قَرْنَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا – ثُمَّ إِنَّ بَعْدَكُمْ قَوْمًا يَشْهَدُونَ وَلَا يُسْتَشْهَدُونَ ، وَيَخُونُونَ وَلَا يُؤْتَمَنُونَ ، وَيَنْذِرُونَ وَلَا يُوفُونَ ، وَيَظْهَرُ فِيهِمُ السِّمَنُ) . [ر : ٢٥٠٨]

تراجم رجال

إِسْحَاقُ

یہ معروف امامِ فقہ وحدیث اسحاق بن راہویہ ہیں۔ان کے احوال کتاب العلم، "باب فضل من علِم وعلَّم" کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

اسحاق بن راہویہ مراد ہیں

ابن السکن اور ابونعیم کہتے ہیں اسحاق سے اسحاق بن راہویہ مراد ہیں(۲)جب کہ کرمانی فرماتے ہیں یہ یا تو اسحاق بن ابراہیم ہیں اور یا اسحاق بن منصور(۳)۔

النَّضْرُ

یہ نضر بن شُمیل ہیں۔ان کے احوال کتاب الوضوء، "باب مَن لم یَر الوضوء إلا من المخرجین......" میں گزر چکے ہیں۔

شُعْبَةُ

یہ امیر المؤمنین فی الحدیث شعبۃ ابن الحجاج ہیں۔ان کے احوال کتاب الأیمان میں گزر چکے ہیں(۴)۔

أَبِي جَمْرَةَ

یہ ابوجمرہ نضر بن عمران الضُبعی البصری ہیں۔ان کے احوال کتاب الإیمان، "باب فضل مَن

---

(۱) كشف الباري: ٣/٤٢٨

(٢) عمدة القاري: ١٦/٢٣٦، وفتح الباري: ٩/٦

(٣) شرح الكرماني: ١٤/١٩٩

(٤) كشف الباري: ١/٦٧٨

استبرأ لدينه" میں گزر چکے ہیں(۱)۔

زَهْدَمَ بْنَ مُضَرِّبٍ

یہ زہدم بن مضرّب الجرمی ہیں۔ان کے احوال کتاب الشهادات، "باب: لا يشهد على على شهادة جور......" کے تحت گزر چکے ہیں۔

عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ

یہ صحابی رسول حضرت عمران بن حصین ہیں۔ان کے احوال کتاب التيمم، "باب: الصعيد الطيب وضوء المسلم......" کے تحت گزر چکے ہیں۔

تیسری روایت

۳٤٥١ : حدّثنا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ : أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ ، عَنْ مَنْصُورٍ ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ ، عَنْ عَبِيدَةَ ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ : (خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ، ثُمَّ يَجِيءُ قَوْمٌ تَسْبِقُ شَهَادَةُ أَحَدِهِمْ يَمِينَهُ ، وَيَمِينُهُ شَهَادَتَهُ) .

قَالَ إِبْرَاهِيمُ : وَكَانُوا يَضْرِبُونَنَا عَلَى الشَّهَادَةِ وَالْعَهْدِ وَنَحْنُ صِغَارٌ . [ر : ۲٥۰۹]

تراجم رجال

مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ

یہ محمد بن کثیر عبدی بصری ہیں۔ان کے احوال کتاب العلم، "باب الغضب في الموعظة والتعليم" کے تحت گزر چکے ہیں(۲)۔

سُفْيَانُ

یہ سفیان بن عیینہ ہیں۔ان کے احوال کتاب العلم، "باب قول المحدّث حدثنا أو أخبرنا

---

(۱) كشف الباري: ۷۰۱/۲

(۳٤٥۱) الحديث سبق تخريجه في كتاب الشهادات، باب لا يشهد على شهادة جور إذا أشهد، رقم: ۲٦٥۲......

(۲) كشف الباري: ٥۳٦/۳

وأنبأنا" کے تحت گزر چکے ہیں (۱)۔

مَنْصُورٍ

یہ منصور بن المعتمر ہیں۔ ان کے احوال كتاب العلم، "باب من جعل لأهل العلم أياماً معلومة" کے تحت گزر چکے ہیں (۲)۔

إِبْرَاهِيمَ

یہ کوفہ کے مشہور تابعی ابراہیم النخعی ہیں۔ ان کے احوال كتاب الإيمان، "باب ظلم دون ظلم" کے تحت گزر چکے ہیں (۳)۔

عُبَيْدَةَ

یہ عبیدۃ بن عمرو السلماني الأعور ہیں۔ ان کے احوال كتاب الوضوء، "باب الماء الذي يغسل به شعر الإنسان" کے تحت گزر چکے ہیں۔

عَبْدِ اللّٰهِ

یہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔ مشہور صحابی رسول ہیں۔

دونوں روایتیں کتاب الشہادات میں گزر چکی ہیں۔

اور وہی ان کی تشریح کا مقام ہے۔

حدیثوں کی ترجمۃ الباب سے مطابقت واضح ہے (۴)۔

۲ - باب : مَنَاقِبِ الْمُهَاجِرِينَ وَفَضْلِهِمْ .

مِنْهُمْ أَبُو بَكْرٍ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِي قُحَافَةَ التَّيْمِيُّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ .

---

(۱) كشف الباري: ۱۰۲/۳

(۲) كشف الباري: ۲۷۰/۳

(۳) كشف الباري: ۲۵۳/۲

(٤) عمدة القاري: ۲۳۸/۱٦

مہاجرین وانصار کون ہیں؟

ابوذر کی روایت میں لفظ "بـــاب" نہیں ہے، چنانچہ ان کے ہاں ''مناقب'' مرفوع ہوگا، جب کہ دوسرے نسخوں میں ''باب'' کا لفظ آیا ہے، جس کی بناء پر لفظِ مناقب مجرور ہوگا اور "فـضـلـهـم" کا لفظِ ''باب'' نہ ہونے کی صورت میں مرفوع (یعنی مناقب) پر عطف ہوگا، جب کہ ''باب'' کی صورت میں مجرور پر (۱)۔

مناقب منقبةٌ کی جمع ہے جو مَثْلَبَہ کی جمع مَثَالِب کی ضد ہے (۲)۔

مہاجرین سے مراد وہ حضرات ہیں، جنہوں نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ اللہ کے حکم سے اور اللہ کی رضا کے لئے ہجرت فرمائی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جو انصار نہیں ہیں وہ مہاجرین ہیں، اسی طرح جن لوگوں نے فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا، وہ بھی مہاجرین میں شامل ہیں۔ جب کہ انصار سے مراد اُوس، خزرج اور ان کے حلفاء ہیں اور اسی طرح ان کے مَوالی (غلام) (۳)۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام ونسب اور مقام ومرتبہ

منهم أبوبكر عبدالله بن أبي قحافة: ابوبکر کا تعلق مہاجرین سے ہے بلکہ وہ ان کے سردار اور ان میں اُفضل ترین ہیں، ابوبکر ان کی کنیت ہے اور نام امام بخاری نے بالجزم عبداللہ بتایا، یہی مشہور قول ہے، جب کہ دوسرا قول یہ ہے کہ ان کا نام اسلام سے قبل عبدالکعبہ تھا اور انہیں عتیق بھی کہا جاتا تھا، چنانچہ ان کی والدہ کا یہ قول منقول ہے، "يا ربَّ عبدِالكعبة: استمع يا ربَّه: فهو بصخر أشبَه (٤).

اے عبدالکعبہ کے رب! اس کی طفیل سن، لے اے رب کہ وہ صخر کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے۔

صخر حضرت ابوبکر کی والدہ کے والد یعنی ان کے نانا کا نام ہے، چنانچہ ان (کی والدہ) کا نام اور سلسلہ یوں ہے: سلمی بنت صَخر بن مالک بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تَیم بن مرَّہ بن کعب بن لؤي بن غالب اور کنیت ان کی ''اُم الخیر'' ہے (۵)۔

---

(۱) إرشاد الساري: ۱٤٢/٨

(٢) إرشاد الساري: ١٤٢/٨

(۱) فتح الباري: ١٢/٧، عمدة القاري: ٢٣٨/١٦، إرشاد الساري: ١٤٢/٨

(٤) عمدة القاري: ٢٣٨/١٦

(٥) كتاب السنة لابن ابي عاصم، ص: ٣

والد کے نام ہیں عثمان بن عامر بن عَمرو بن کعب إلی آخرہ۔ دونوں مُرَّۃ بن کعب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا ملتے ہیں۔ ان کے والدین نے اسلام قبول کیا تھا اور یہ ان (ابوبکر) کی خصوصیات اور امتیازات میں سے ہے کہ انہوں نے دونوں والدین اور تمام بچوں کے ساتھ اسلام قبول کیا تھا اور ان میں سے کوئی غیر مسلم نہیں رہا تھا۔

عبدالکعبۃ نام کی طرح ان کی والدہ سے انہیں ''عتیق'' کے نام سے موسوم کرنا بھی منقول ہے، چنانچہ روایت کے مطابق وہ انہیں اچھالتے ہوئے کہا کرتی تھیں، "عتیق ، عتیق: ذوالمنظر الأنيق: رشفت(۱) منه ريق: كالزرنب العتيق" عتیق تو کیا ہی عتیق ہے، نہایت خوش منظر، وہ جس کی رال کو چوسا گیا جیسے زعفران جو پرانا ہو جائے (۲)۔

''عتیق'' نام سے موسوم ہونے کی وجہ

ابوطلحہ سے پوچھا گیا کہ حضرت ابوبکر کے عتیق نام سے موسوم ہونے کی کیا وجہ ہے، تو انہوں نے فرمایا دراصل ان کی والدہ کے بچے زندہ نہیں رہتے تھے، چنانچہ جب ان کا یہ بچہ (ابوبکر) پیدا ہوا تو انہوں نے اس کو بیت اللہ کے سامنے لا کر کہا "اللّٰهم إن هذا عتيقُك من الموت فهبه لي" اے اللہ! یہ تیرا موت سے آزاد کردہ (بندہ) ہے، سو اسے مجھے دے دے (اور مجھ سے لے نہیں) اور یوں ان کا نام عتیق پڑ گیا (۳)، ایک اور قول یہ ہے کہ "سُمي بالعتيق؛ لأنه عتيق من النار" ان کا عتیق نام اس لئے پڑا ہے کہ وہ "عتيق من النّار" یعنی جہنم سے آزادی اور خلاصی پانے والے ہیں اور اس کی خوشخبری انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی، جیسا کہ حدیثِ عائشہ میں ہے (۴)۔

"عتیق" کے نام سے موسوم ہونے کی وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ عتیق اس شخص کو کہا جاتا ہے، جس کے نسب میں کوئی ایسی بات نہ ہو، جس کی بناء پر اسے مَعِیب سمجھا جائے تو عتیق کے نام سے آپ موسوم ہیں، اس لئے کہ آپ اس معیار پر پورے اترتے ہیں، یعنی نہایت عالی نسب ہیں اسی طرح عتیق قدیم اور سابق کے معنی میں

(۱) "رَشَفَ الماءَ ونحوَه" کا معنی ہے پانی وغیرہ کو ہونٹوں سے چوسنا، چسکیاں لینا، کہاوت ہے "الجَرع أروى والرَّشفُ أنقَع" گھونٹ بھرنے سے سیرابی ہوتی ہے اور چسکی سے صرف تری حاصل ہوتی ہے، "رِيق رَشُوف" کا معنی ہے، خوشبودار لعاب۔ (القاموس الوحيد، مادة: رَشف، ص: ٦٢٨)

(٢) عمدة القاري: ١٦/٢٣٨، ٢٣٩

(٣) عمدة القاري: ١٦/٢٣٩، وإرشاد الساري: ٨/١٤٢

(٤) جامع الترمذي، كتاب المناقب، باب تسميته عتيقاً، رقم الحديث: ٣٦٧٩

بھی استعمال ہوتا ہے اور آپ چونکہ قدیم فی الاسلام ہیں اور سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے اور سابق إلی الخیر ہیں، اس لئے بھی آپ کو عتیق کہا گیا ہے، نیز عتیق کا ایک معنی ہے حسین تو آپ اپنے حُسن کی وجہ سے بھی اس لقب کے مستحق قرار پائے (۱)۔

''صدیق'' لقب اور اس کی وجہ

حضرت ابوبکر صدیق کا لقب ''صدّیق'' تھا، آپ اس لقب سے اس واسطے ملقب ہوئے تھے کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کی تصدیق سب سے پہلے کی تھی اور ہر اس موقعہ پر کی تھی جب آپ علیہ الصلاۃ والسلام کو اس کی ضرورت پڑی، چنانچہ معراج کی رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالَمِ بالا کی سیر کرائی گئی اور آپ نے جو عجائب وغرائب دیکھے وہ بظاہر ناقابل یقین تھے، یہی وجہ ہے کہ مکہ کے ظاہر بینوں نے اس کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زبردست طعن اور مذاق کا نشانہ بنایا اور دوڑے دوڑے حضرت ابوبکر کے پاس آئے اور کہا بتایئے، کیا اب بھی آپ اپنے ساتھی کی تصدیق کرو گے؟ جیسے ان کو یقین ہو کہ ہو نہ ہو، اب تو ابوبکر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے خدانخواستہ بیزاری کا اعلان کرہی دیں گے، مگر صدیق واقعی صدیق تھے، انہوں نے فرمایا، اگر محمد نے یہ سب کچھ فرمایا ہے تو پھر یقیناً یہ درست ہے، میں آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی تائید وتصدیق کرتا ہوں۔

ابن سعد کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے جبرئیل سے کہا، "إن قومي لا یصدّقوني" میری قوم میری تصدیق نہیں کرے گی اور مجھے جھوٹا قرار دے گی، جبرئیل نے کہا، "یُصدّقك أبوبکر وهو الصدّیق" آپ کی تصدیق ابوبکر کریں گے اور وہ صدیق ہیں (۲)۔ طبرانی نے علي سے روایت کی ہے، "إنه کان یحلف أن الله أنزل اسم أبي بکر من السماء، الصدیق"(۳). یعنی وہ اللہ کی قسم کھا کر کہتے تھے کہ ابوبکر کا ''صدیق'' نام اللہ نے آسمان سے نازل کیا ہے۔

اس کے علاوہ بھی آپ کے مختلف القاب مذکور ہیں، مثلاً "أوّاہ"، "ذوالخلال"، "امیر الشاکرین"

---

(۱) إرشاد الساري: ۱٤۲/۸

(۲) عمدة القاري: ۲۳۹/۱٦

(۳) المعجم الکبیر للطبراني: ٥٥/۱

"خليفة رسول الله" وغیرہ (۱)۔

رسول اللہ کے خلیفہ بلافصل

حضرت ابوبکر، اللہ کے رسول کے خلیفہ تھے، خلیفہ بلافصل اڑھائی سال تک یا دوسال اور دس دن کم چار ماہ اور یا پانچ دن کم تین ماہ، اور یا تین ماہ سات دن، یا تین ماہ بارہ دن، یا تین ماہ بیس دن، دوسال کے بعد مہینوں اور دنوں کے متعلق اقوال مختلف ہیں، بہرحال جب ان کی عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک تک پہنچی، تو وہ وفات پاگئے اور یوں ان کی خلافت ختم ہوگئی (۲)۔

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى: «لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَيَنْصُرُونَ اللهَ وَرَسُولَهُ أُولٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ» /الحشر: ٨/. وَقَالَ: «إِلَّا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ - إِلَى قَوْلِهِ - إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا» /التوبة: ٤٠/. قَالَتْ عَائِشَةُ وَأَبُو سَعِيدٍ وَابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ: وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْغَارِ. [ر: ٣٦٩٢]

قولِ الله ...... ماقبل پر عطف کی بناء پر مجرور ہے یعنی "مناقب المهاجرين" جو لفظِ باب کا مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور ہے، اِس (قول اللہ) کا اُس پر عطف ہو رہا ہے اور بناء بریں یہ بھی مجرور ہے، جب کہ ابوذر کے بقول "مناقب المهاجرين" مبتداء مقدّر "هذه" کے لئے خبر ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور "قول الله" کا اس مرفوع پر عطف ہو رہا ہے، سو یہ بھی مرفوع ہے (۳)۔

اللہ کے رسول فقیر نہیں تھے

لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ...... زمخشری فرماتے ہیں، یہ سابقہ آیت میں "لِذي القُربى" اور اس کے معطوفات سے بدل ہے، جب کہ "فلِلّٰه وللرسول" سے اس کا علاقہ بدلیت نہیں ہے کیونکہ اللہ کے رسول فقیر نہیں ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف فقر کی نسبت آپ کی توہین ہے (۴)۔

---

(۱) عمدة القاري: ١٦/٢٣٩

(۲) عمدة القاري: ١٦/٢٣٩

(۳) عمدة القاري: ١٦/٢٣٩

(٤) عمدة القاري: ١٦/٢٣٩، وإرشاد الساري: ٨/١٤٢، وتفسير كشاف: ٤/٥٠٣، دار الكتاب العربي بيروت

تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام فقراء مہاجرین میں داخل نہیں ہیں، اگر چہ مہاجر آپ بھی ہیں بلکہ آپ ہی حقیقی اور اصلی مہاجر ہیں اور دوسروں نے آپ کی اتباع میں اور آپ کے حکم سے ہی ہجرت کی۔

مگر آپ فقیر نہیں ہیں کیونکہ فقر في الجملہ مذموم ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿الشيطان يَعِدُ كم الفقرَ﴾(۱) شیطان تم سے فقر کا وعدہ کرتا ہے، یہ فقر کے مذموم ہونے کی دلیل ہے۔

فقر اور غنیٰ کی قسمیں

علامہ قسطلانی فرماتے ہیں، فقر چار چیزیں ہیں:

۱- آخرت میں ''حسنات'' یعنی نیکیوں کا فقر اور ان سے تہی دامنی۔

۲- فقرِ قناعت دنیا میں۔

۳- مالداری اور کمائی کا فقر یعنی مال کا فقدان اور اس سے محرومی۔

۴- قناعت اور مال دونوں سے محرومی۔

اسی طرح پھر غنی کی بھی یہی قسمیں ہیں۔ اب جس شخص کے پاس نہ تو مال ہے اور نہ ہی اسے قناعت کی دولت حاصل ہے، وہ تو ہے فقیرِ مطلق، جو مذموم ہے اور جسے مال تو حاصل ہے مگر قناعت نہیں، وہ مجاز أغنی اور مال دار ہے، مگر حقیقت میں وہ فقیر ہے اور جسے مال تو حاصل نہیں، مگر قناعت سے مالا مال ہے، اسے فقیر بھی کہا جاتا ہے اور غنی بھی، فقیر تو مال سے محرومی کے سبب جب کہ غنی اس لئے کہ "الغنیٰ غِنی النفس"(۲).

آیاتِ مبارکہ سے انصار و مہاجرین کی فضیلت ثابت ہوتی ہے

پہلی آیت ﴿الّذين أخرِجوا مِن ديارِهم......﴾(۳) کو اس لئے لایا گیا ہے کہ اس سے مہاجرین کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، اس لئے کہ ان کو گھروں سے نکالا اور اموال سے محروم کیا گیا، انہوں نے ہجرت کر کے ترکِ مال و وطن کی قربانی دی اور اللہ کے دین اور رسول اللہ کی شریعت کی مدد اور نصرت کی، اور انہیں صفات جمیلہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں گواہی دی کہ وہ سچے ہیں، یعنی اپنے ایمان میں سچے ہیں۔

---

(۱) سورة البقرہ: ۲۷۸

(۲) إرشاد الساري: ۱۴۲/۸

(۳) سورة الحشر: ۸

دوسری آیت یعنی ﴿إلا تنصروه فقد نصره الله......﴾(۱) میں انصار کی فضیلت کا بیان ہے، اس لئے کہ جب کفارِ مکہ نے رسول اللہ کی مدد نہیں کی اور آپ کو مکہ سے نکال دیا تو اللہ تعالیٰ نے انصارِ مدینہ ہی کی صورت میں آپ کی مدد و نصرت فرمائی تھی، انصار کا نام ہی ان کے اس وصف خاص پر شاہد عدل ہے کہ انہوں نے اللہ کے رسول اور اللہ کے دین کی مدد کی تھی، پھر اس آیت میں بطورِ خاص جس شخص کی فضیلت کا بیان ہے، بلکہ جن کی مدح اور تعریف و توصیف کے لئے یہ آیت نازل ہوئی ہے، وہ ہیں حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

ثاني اثنين، میں ''یکے از دو'' کے وہ مصداق ہیں، ان کی صحابیت کی بھی یہاں تصریح ہے اور منصوص ہونے کی بناء پر ان کی صحبت کا انکار کفر بھی ہے، جب کہ دوسرے صحابہ کی صحابیت کا یہ حکم نہیں ہے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ جبریل امین نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نکلنے کا حکم دیا، تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے ان سے پوچھا، "مَن یخرج مَعي؟" میرے ساتھ کون نکلے گا؟ جبریل نے کہا، أبوبکرٍ!(۲)

ابوبکر پر سکینہ نازل ہونے کا قول

آیتِ مبارکہ میں ﴿فأنزلَ اللّٰه سكينتَه عليه﴾(۳) میں بھی ایک قول کے مطابق ابوبکر پر سکینہ نازل ہونا مراد ہے، اگرچہ مشہور قول کے مطابق اس کا مصداق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اور ابوبکر پر سکینہ نازل ہونے کے قول سے رسول اللہ کی کوئی تنقیص بھی معاذ اللہ لازم نہیں آتی کیونکہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ تو ہمیشہ ہی سکینہ رہتا تھا، مگر آپ کی طفیل اس موقع پر آپ کے ساتھی پر بھی نازل ہوا(۴)۔

قَالَتْ عَائِشَةُ، وَأَبُو سَعِيدٍ

حضرت عائشہ کا یہ قول موصولاً "باب هجرة النبي وأصحابه إلى المدينة" میں طویل حدیث کی صورت میں منقول ہے، جس میں یہ الفاظ آئے ہیں، "ثمَّ لَحِق رسولُ اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم وأبوبکر بغارٍ في جبل ثور"(۵). پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر جبل ثور میں ایک غار میں چلے گئے۔

---

(۱) سورة التوبة: ۳۰

(۲) عمدة القاري: ۲٤۰/۱٦

(۳) سورة التوبة: ۳۰

(٤) عمدة القاري: ۲٤۰/۱٦

(۵) دیکھئے صحیح البخاري، کتاب مناقب الانصار، باب هجرة النبي وأصحابه إلى المدينة، رقم الحديث: ۳۹۰۵

اور ابوسعید کے قول کو ابن حبان نے ابوعوانہ کے طریق سے روایت کیا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

"فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم أنت أخي وصاحبي في الغار"(١). رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تم میرے بھائی اور غار کے ساتھی ہو۔

اور ابن عباس کے قول کو احمد نے اور حاکم نے عمرو بن میمون کے طریق سے نقل کیا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

"كان المشركون يرمون علياً وهم يظنون أنه النبي صلى الله عليه وسلم"(٢).

مشرکین علی کو نشانہ بنا رہے تھے اور سمجھ رہے تھے یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

اور آگے چل کر اس میں یہ الفاظ آئے ہیں، "فانطلق أبوبكر فدخل معه الغار"(٣).

٣٤٥٢ : حدَّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ رَجاءٍ : حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ ، عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ ، عَنِ الْبَرَاءِ قالَ : ٱشْتَرَى أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ مِنْ عازِبٍ رَحْلاً بِثَلَاثَةَ عَشَرَ دِرْهَمًا ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ لِعَازِبٍ : مُرِ الْبَرَاءَ فَلْيَحْمِلْ إِلَيَّ رَحْلِي ، فَقَالَ عازِبٌ : لَا ، حَتَّى تُحَدِّثَنَا : كَيْفَ صَنَعْتَ أَنْتَ وَرَسُولُ ٱللهِ ﷺ حِينَ خَرَجْتُما مِنْ مَكَّةَ ، وَالْمُشْرِكُونَ يَطْلُبُونَكُمْ ؟ قالَ : ٱرْتَحَلْنَا مِنْ مَكَّةَ ، فَأَحْيَيْنَا ، أَوْ: سَرَيْنَا لَيْلَتَنَا وَيَوْمَنَا حَتَّى أَظْهَرْنَا وَقامَ قائِمُ الظَّهِيرَةِ ، فَرَمَيْتُ بِبَصَرِي هَلْ أَرَى مِنْ ظِلٍّ فَآوِيَ إِلَيْهِ ، فَإِذَا صَخْرَةٌ ، أَتَيْتُهَا فَنَظَرْتُ بَقِيَّةَ ظِلٍّ لَهَا فَسَوَّيْتُهُ ، ثُمَّ فَرَشْتُ لِلنَّبِيِّ ﷺ فِيهِ ، ثُمَّ قُلْتُ لَهُ : ٱضْطَجِعْ يَا نَبِيَّ ٱللهِ ، فَٱضْطَجَعَ النَّبِيُّ ﷺ ، ثُمَّ ٱنْطَلَقْتُ أَنْظُرُ ما حَوْلِي هَلْ أَرَى مِنَ الطَّلَبِ أَحَدًا ، فَإِذَا أَنَا بِرَاعِي غَنَمٍ يَسُوقُ غَنَمَهُ إِلَى الصَّخْرَةِ ، يُرِيدُ مِنْهَا الَّذِي أَرَدْنَا ، فَسَأَلْتُهُ فَقُلْتُ لَهُ : لِمَنْ أَنْتَ يَا غُلَامُ ، قالَ : لِرَجُلٍ مِنْ قُرَيْشٍ ، سَمَّاهُ فَعَرَفْتُهُ ، فَقُلْتُ : هَلْ فِي غَنَمِكَ مِنْ لَبَنٍ ؟ قالَ : نَعَمْ ، قُلْتُ : فَهَلْ أَنْتَ حالِبٌ لَبَنًا لَنَا ؟ قالَ : نَعَمْ ، فَأَمَرْتُهُ فَٱعْتَقَلَ شَاةً مِنْ غَنَمِهِ ، ثُمَّ أَمَرْتُهُ أَنْ يَنْفُضَ ضَرْعَهَا مِنَ الْغُبَارِ ، ثُمَّ أَمَرْتُهُ أَنْ يَنْفُضَ كَفَّيْهِ ، فَقَالَ : هٰكَذَا ، ضَرَبَ إِحْدَى كَفَّيْهِ بِالْأُخْرَى ، فَحَلَبَ لِي كُثْبَةً مِنْ لَبَنٍ ، وَقَدْ جَعَلْتُ لِرَسُولِ ٱللهِ ﷺ إِدَاوَةً

(١) صحيح ابن حبان، باب أخباره صلى الله عليه وسلم: ١٦/١٥، مؤسسة الرسالة، بيروت

(٢) مستدرك الحاكم: ١٤٣/٣، كتاب الهجرة وشرح مشكل الآثار: ٢٧٣/١٠

(٣) مستدرك الحاكم: ١٤٣/٣، كتاب الهجرة وشرح مشكل الآثار: ٢٧٣/١٠

(٣٤٥٢) الحديث سبق تخريجه في كتاب اللقطة، باب: ١٢، رقم: ٢٤٣٩ ......

عَلَى فَمِهَا خِرْقَةٌ ، فَصَبَبْتُ عَلَى اللَّبَنِ حَتَّى بَرَدَ أَسْفَلُهُ ، فَانْطَلَقْتُ بِهِ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَوَافَقْتُهُ قَدِ اسْتَيْقَظَ ، فَقُلْتُ : اشْرَبْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ، فَشَرِبَ حَتَّى رَضِيتُ ، ثُمَّ قُلْتُ : قَدْ آنَ الرَّحِيلُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ؟ قَالَ : (بَلَى) . فَارْتَحَلْنَا وَالْقَوْمُ يَطْلُبُونَنَا ، فَلَمْ يُدْرِكْنَا أَحَدٌ مِنْهُمْ غَيْرُ سُرَاقَةَ بْنِ مَالِكِ بْنِ جُعْشُمٍ عَلَى فَرَسٍ لَهُ ، فَقُلْتُ : هٰذَا الطَّلَبُ قَدْ لَحِقَنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ ، فَقَالَ : (لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا) . [ر : ٢٣٠٧]

تراجم رجال

عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ رَجَاء الغداني البصري

ان کے حالات "کتاب الصلاۃ، باب وجوب الصلاۃ في الثیاب" میں گزر چکے ہیں۔

إِسْرَائِيلُ

اسرائیل بن یونس بن ابی اسحاق السبیعی مراد ہیں، جن کے تفصیلی حالات "کتاب العلم" میں گذر چکے ہیں(۱)۔

أَبِی إِسْحَاقَ

ابواسحاق عمرو بن عبداللہ السبیعی مراد ہیں، ان کے تفصیلی احوال "کتاب الإیمان" میں گزر چکے ہیں(۲)۔

الْبَرَاء

براء بن عازب الأنصاری صحابی ابن صحابی مراد ہیں، ان کے احوال بھی "کتاب الإیمان" کی محولہ بالا حدیث کے ضمن میں گرر چکے ہیں(۳)۔

---

(۱) دیکھئے، کشف الباري، کتاب العلم، باب مَن ترك بعض الاختيار مخافة أن يقصر ......: ٤/١٢٦، ٥٤٦

(۲) کشف الباري: ٢/٣٧٠

(۳) کشف الباري: ٢/٣٧٥

روایات کا اختلاف

یہاں اس روایت کے الفاظ ہیں: "فقال عازب: لا حتی تحدثنا". یعنی میں اپنے بیٹے براء کو تیرے ساتھ سامان اٹھانے نہیں بھیجوں گا، تا آنکہ آپ ہمیں حدیث سنائیں جب کہ "علامات النبوۃ" میں زہیر عن ابی اسحاق کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں:

"فقال لعازب: ابعث ابنَك يحمله معي قال فحمَلتُه معه وخَرج أبي ينتقد ثمنه فقال له أبي يا أبابكر حدّثني ......"(١).

دونوں روایتوں میں بظاہر اختلاف اور تضاد ہے۔

کیونکہ یہاں اس حدیث میں عازب نے اپنے بیٹے براء کو بھیجنے کو تحدیث یعنی حدیث بیان کرنے کے ساتھ مشروط اور معلق کیا ہے، جب کہ "علامات النبوۃ" میں براء فرماتے ہیں، میں حضرت ابوبکر کے ساتھ چلا اور ان کا سامان اٹھایا، میرے والد نے پیسے گنے اور پھر ابوبکر سے کہا، ذرا اپنی ہجرت کا قصہ تو بیان فرمائیے، ظاہر ہے یہاں عازب نے کوئی شرط نہیں لگائی۔

اس اشکال کا جواب اور رفعِ اختلاف کی صورت یہ ہے کہ عازب نے حضرت ابوبکر سے یہ شرط تو لگائی ہوگی کہ بیٹا جب بھیجوں گا، جب آپ حدیث سناؤ گے، مگر پھر جب براء گئے ہوں گے اور سامان ان کے ساتھ اٹھایا اور عازب نے رقم گن لی ہوگی تب انہوں نے حضرت ابوبکر کو وہ شرط یاد دلائی ہوگی اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث بیان کر کے شرط پوری کی ہوگی، یہ تطبیق ممکن ہے اور اس سے اختلاف رفع ہو جاتا ہے(٢)۔

حدیث پر اُجرت کے جواز کا استدلال

خطابی فرماتے ہیں اس روایت سے وہ لوگ استدلال کرتے ہیں جو حدیث بیان کرنے پر اجرت لینے کو جائز سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ ایک باطل استدلال ہے کیونکہ جو لوگ حدیث پر اجرت لیتے ہیں، ان کے ہاں تو یہ ایک باقاعدہ کاروبار ہے اور اس کی حیثیت ایک پراپرٹی جیسی ہوتی ہے، جس کی لگی بندھی اُجرت ہوتی ہے، جب کہ ابوبکر اور عازب رضی اللہ عنہما کا جو معاملہ ہے، وہ تو تاجروں کے درمیان ایک معروف اور مروج چیز ہے اور وہ

---

(١) صحيح البخاري، كتاب المناقب، باب علامات النبوة، رقم الحديث: ٣٦١٥

(٢) دیکھئے، فتح الباري: ١٣/٧

قیمت اور اجرت کے ضمن میں بالکل نہیں آتا، خرید وفروخت کے بعد سامان اٹھانے اور دور لے جانے میں مدد تاجروں اور کاروباری لوگوں میں معروف اور معتاد ہے، اس کی پھر بعض دفع خریدار اجرت دے دیتے ہیں اور بعض مرتبہ نہیں بھی دیتے۔

استدلال میں ضُعف اور بُعد کی وجہ یہ بھی ہے کہ یہ استدلال صحیح ہوتا اگر حضرت ابوبکر حدیث بیان کرنے سے اس وقت تک گریز کرتے، جب تک عازب اپنا لڑکا نہ بھیجتے حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں ہے، ابوبکر بہر حال حدیث سناتے اگرچہ ان کا سامان نہ بھی اٹھوایا جاتا، یعنی کسی شے کے اجرت ہونے کے لئے یہ بات ضروری ہوتی ہے کہ وہ کام اس اجرت کے بغیر نہ کیا جاتا ہو اور یہاں ایسی بات نہیں تھی (١)۔

کچھ بکریوں کے چرواہے اور مالک کے متعلق

فإذا أنا براعٍ: اچانک میرا ایک چرواہے سے سامنا ہوا، یہ چرواہا کون تھا اور کس کی بکریوں کا چرواہا تھا، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، "لم أقِف على تسمِيته ولا على تسمِية صاحبِ الغنم" مجھے اس چرواہے اور بکریوں کے مالک کا نام معلوم نہ ہوسکا۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ چرواہا حضرت عبداللہ بن مسعود اور بکریوں کا مالک عقبة بن ابی معیط ہے اور یہ دراصل حضرت عبداللہ بن مسعود کی ایک روایت کی وجہ سے کہا گیا ہے، یہ روایت احمد نے اور ابن حبان نے نقل کی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

"كنت أرعى غنماً لعقبةَ بن أبي معيط فمرَّبي رسولُ الله صلى الله عليه وسلم وأبُوبكرٍ فقال يا غلامُ هل مِن لَبن؟ قلت: نعم! ولكنِّي مُؤتمن"(٢).

یعنی: "میں عقبہ کی بکریاں چَراتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کا مجھ پر گزر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لڑکے! کیا کچھ دودھ ہے؟ میں نے کہا، ہاں! لیکن مجھے امانت دار بنادیا گیا ہے یعنی دودھ میرے پاس بطور امانت ہے، میں آپ کو نہیں دے سکتا"۔

---

(١) فتح الباري: ٧/١٣، ١٤

(٢) مُسند أحمد رحمه الله تعالىٰ، رقم الحديث: ٣٥٩٨، وفتح الباري: ٧/١٣، ١٤

لیکن اس حدیث کو براء بن عازب کی روایت کے لئے تفسیر قرار دینا درست نہیں ہے، ایک تو اس لئے کہ وہاں راعی سے کہا گیا تھا، "هل أنتَ حالب؟" کیا تم دودھ دوھو گے؟ اور اس نے جواب میں "نعم" کہہ کر گویا دودھ نکال کر دیا بھی تھا، جب کہ یہاں اس بات کی طرف اشارہ مل رہا ہے کہ انہوں نے دودھ نکال کر نہیں دیا تھا بلکہ دینے سے انکار کیا تھا۔ پھر حدیثِ براء میں جو یہاں مذکور ہے، بکری دودھ والی معلوم ہوتی ہے، جب کہ وہاں حدیث عبداللہ بن مسعود میں بکری کے متعلق یہ آیا ہے: "فهل من شاة لم ينزُ عليها الفحل؟" یعنی، کیا ایسی کوئی بکری ہے جس کے ساتھ نَر (بکرا) نہ ملا ہو۔ نیز اس کے بعد والی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ بکری بچے والی اور دودھ والی نہ تھی۔

پھر حدیثِ ابن مسعود میں "ثم أتيتُه بعدَ هذا فقلتُ يارسولَ الله علمني من هذا القول؟" سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قصہ ان کے قبولِ اسلام سے پہلے کا ہے، جب کہ ابن مسعود اسلام لائے بھی ہجرت سے بہت پہلے ہیں، لہٰذا حدیثِ براء میں راعی کے مصداق وہ (ابن مسعود) نہیں ہو سکتے، کیونکہ اگر دونوں جگہ ایک ہی قصہ ہو تو پھر لامحالہ لازم آئے گا کہ ابن مسعود نے ہجرت کے بعد اسلام قبول کیا، حالانکہ واقعہ کے اس برعکس ہے۔ واللہ اعلم (۱)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلافِ معمول دودھ پی کر سیراب ہونا

حضرت صدیق اکبر نے عجیب معنی خیز جملہ ارشاد فرمایا، "فشَرِب حتى رضيتُ" کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے اتنا دودھ نوش فرمایا کہ میں خوش ہوا اور مجھے مزہ آیا، ایک روایت میں ابواسحاق راوی کا یہ قول منقول ہے، "قال ابواسحاق فتكلّم بكلمة والله ما سمعتُها من غيرِه" (۲) ابواسحاق فرماتے ہیں، ابوبکر نے ایسا جملہ ارشاد فرمایا کہ بخدا! ایسا جملہ میں نے کسی اور سے نہیں سنا۔

حافظ ابن حجر اسے نقل کر کے فرماتے ہیں، شاید ان کا اشارہ "حتى رضيتُ" کی طرف ہے اور واقعتاً بھی یہ ایسا جملہ ہے کہ تعجب ہوتا ہے اس سے، لوگ تو یہی کہتے ہیں کہ میں نے اتنا کھایا پیا کہ مجھے مزہ آیا اور دوسرے کے لئے کہتے ہیں، انہوں نے کھایا یا پیا ایسا کہ اسے خوشی ہوئی اور اسے مزہ آیا، مگر حضرت صدیق نے اپنے

(۱) دیکھئے، فتح الباري: ۱٤/۷

(۲) فتح الباري: ۱٤/۷

حبیب کے لئے ایسا نرالا جملہ ارشاد فرمایا کہ چاہت ومحبت کا ایک نیا انداز اور عشق وفدویت کے نئے قرینے وضع کئے، فرمایا محبوب نے اتنا نوش فرمایا کہ مجھے مزہ آیا اور بلاشبہ واقع میں بھی حضرت ابوبکر کو آپ علیہ الصلاۃ والسلام سے اتنی ہی محبت تھی، انہیں لطف نہیں آتا تھا جب وہ خود کوئی راحت پاتے بلکہ جب اللہ کے رسول کو راحت ملتی تب وہ خوشی سے جھوم جاتے اور سُرور سے مخمور ہو جاتے۔

اس سے ایک اور بات بھی معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول اس طرح سیراب ہو کر کھانے پینے کا نہ تھا، یہ خلافِ معمول آپ نے اتنا زیادہ تناول فرمایا، جس سے آپ کے مُحِب کو از حد خوشی ہوئی (۱)۔

قَدْ آنَ الرَّحِيلُ

یعنی رحلت اور کوچ کا مناسب وقت اور موزوں گھڑی آپہنچی ہے، اب مزید ٹھہرنا مناسب نہیں، اب نکلنا چاہیے۔ یہاں اس روایت میں اور ''علامات النبوۃ'' کی ایک روایت میں تھوڑا سا اختلاف معلوم ہوتا ہے اور وہ یوں کہ وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ سوال منسوب ہے، "ألم يأن للرَّحيل؟" ابوبکر! کیا جانے کا وقت ابھی نہیں آیا، انہوں نے کہا "بلی" کیوں نہیں! اللہ کے رسول! (۲)۔

اور یہاں ابوبکر کی طرف اس کلام کی نسبت ہے کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام سے کہا، جانے کا وقت آپہنچا ہے۔

اس کا جواب اور دونوں روایات میں تطبیق یوں ہو سکتی ہے کہ پوچھا، تو ابتداءً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوگا اور ابوبکر نے آپ علیہ الصلاۃ والسلام کو جواب دیا ہوگا، مگر پھر دوبارہ انہوں نے خود سے آپ علیہ الصلاۃ والسلام سے کہا ہوگا، تو یوں دونوں باتیں صحیح ہو جائیں گی، کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے بھی پوچھا اور ابوبکر نے جواب دیا اور دوبارہ ابوبکر نے خود سے بھی کہا ہوگا (۳)۔

---

(۱) فتح الباري: ۱٤/۷

(۲) دیکھئے، كتاب المناقب، باب علامات النبوة، حديث رقم: ۳٦۱٥

(۳) دیکھئے، فتح الباري: ۱٤/۷، دار السلام

کیا غیرمملوکہ بکری کا دودھ پینا جائز تھا؟

یہاں یہ شبہ پیدا ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے ساتھی نے جس بکری کا دودھ استعمال فرمایا، اس کا مالک تو یہاں نہیں تھا اور ظاہر ہے اس سے اجازت بھی نہیں لی گئی، جب کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا صحیح وصریح ارشاد ہے، "لا يحلبنَّ أحد ماشية أحد إلا بإذنه" (۱) کوئی آدمی کسی دوسرے کے مویشی سے دودھ نہ نکالے، اس کی اجازت کے بغیر۔

اب بظاہر تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے ارشاد اور عمل میں تضاد ہے۔

اس کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں:

ایک جواب تو یہ ہے کہ جس حدیث میں دوسروں کے مویشی سے دودھ نہ نکالنے کا حکم ہے، وہ اس صورت میں ہے جب اس حوالے سے لوگوں میں تنگ دلی، بخل اور ناپسندیدگی پائی جاتی ہو، جب کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے جو دودھ استعمال کیا، وہ زمانہ کرم نوازی، وسعت قلبی اور سخاوت کا ہے اور جب لوگ ان معاملات میں وسعتِ ظرفی کا مظاہرہ کریں تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں اور عربوں میں ویسے ہی اس حوالے سے بڑے کرم اور وسعت کا معاملہ تھا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ منع جب ہے کہ جب دودھ کا لینا حملہ آور ہونے اور چھینا جھپٹی کے طور پر ہو، جب کہ یہاں اللہ کے رسول نے جو بکری کا دودھ استعمال کیا، اس میں باقاعدہ پوچھا گیا اور اجازت لی گئی، چنانچہ بچے سے جو یہ کہا گیا، "هل أنتَ حالبٌ؟" اس کا مطلب یہ تھا کہ کیا تم کو اس بکری سے دودھ نکالنے کا اختیار اور اس کی اجازت ہے؟

اور جب اس نے "نَعم" میں جواب دیا تو ظاہر ہے یہ پھر بلا اذن نہ ہوا۔

تیسرا جواب وہی ہے جس کا اشارۃً اوپر ذکر ہوا کہ یہ بلا اذن اس لئے نہ تھا کہ عربوں کی یہ عادتِ مالوفہ (جانی پہچانی عادت) تھی کہ اس طرح کے مال مویشیوں سے دودھ لینا وغیرہ ان کے ہاں مباح ہوتا تھا، اس کی عام اجازت ہوتی تھی، بلکہ اس کو محسوس کرنے اور اس پر ناراض ہونے والوں کو بے مروت سمجھا جاتا تھا،

---

(۱) فتح الباري: ۱٤/۷

خصوصاً مسافر اور راہ گذر آدمی کو تو ان کے ہاں کھلی اجازت ہوتی تھی (۱)۔

داودی فرماتے ہیں آپ علیہ الصلوۃ والسلام کا یہ دودھ استعمال کرنا "ابن السَّبيل" کی حیثیت سے تھا اور ابن السبیل کو اس کی اجازت ہے، تو گویا ابن السبیل کے علاوہ دوسرے تمام لوگوں کے لئے یہ ممنوع ہوگا، جیسا کہ ابھی ایک روایت کے حوالے سے یہ بیان کیا گیا (۲)۔

مالِ حربی قرار دینے والوں کی توجیہ غلط ہے

بعض لوگوں نے اس کی ایک عجیب ورکیک توجیہ کی ہے، ان کا کہنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس بکری کے دودھ کو استعمال کرنا، اس کے مالک کے کافر حربی ہونے کی وجہ سے جائز تھا۔ کیونکہ حربی کا مال استعمال کرنا مسلمانوں کے لئے جائز ہے اور اس میں اس کی اجازت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس توجیہ کو اہلِ علم نے غلط قرار دیا ہے، کیونکہ اس وقت تک حرب اور قتال کی مشروعیت ہی نہیں ہوئی تھی اور نہ ہی غنیمتوں کو حلال کیا گیا تھا تو پھر کافرِ حربی اور غیر حربی کی تقسیم اور حربی کے مال کا جواز چہ معنی دارد؟ (۳)۔

دیگر فوائد حدیث

حدیثِ مبارک سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حُر (آزاد) آدمی کسی صاحب کے تابع بن کر اس کی بیداری میں خدمت اور آرام کے دوران اس کی حفاظت اور دیکھ بھال کر سکتا ہے اور اس خدمت اور پہرے داری کرنے کی اگر اجازت ہے، تو لینے کی بھی اجازت ہونی چاہیے۔

اسی طرح یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غیر معمولی محبت تھی اور آپ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب واحترام اور راحت رسانی کا زبردست جذبہ تھا، اور خود پر آپ علیہ الصلاۃ والسلام کو ہر طرح سے ایثار اور ترجیح دینے کا بھی واضح پتہ چلتا ہے اور یہ ان کی دوسروں کے مقابلے میں اُفضلیت کی ایک اہم وجہ ہے، کھانے پینے کے متعدد آداب اور صفائی ستھرائی کے انتہائی اہتمام کے مطلوب ہونے کا بھی پتہ چلتا ہے، ظاہر ہے اسلام میں اس کو مستحسن سمجھا جاتا ہے اسی لئے اس کا اہتمام

---

(۳۰) دیکھئے، فتح الباري: ۱٤/۷

(۳۱) فتح الباري: ۱٤/۷

(۳۲) فتح الباري: ۱٤/۷

کیا گیا، حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کو سفر میں اپنے پاس ضروری چیزیں رکھنی چاہئیں، جیسے ایک دو برتن، لوٹا، چادر وغیرہ اور یہ توکّل کے منافی نہیں ہیں، بلکہ آداب سفر میں سے ہیں(۱)۔

حدیث کی کچھ تشریح ''باب علامات النبوۃ'' میں گزر چکی ہے، جب کہ کچھ تفصیل ''باب الہجرۃ'' میں انشاء اللہ آئے گی۔ سراقۃ بن مالک کا قصہ بھی ''ہجرت'' میں تفصیل سے آئے گا۔

آیت کا ذکر یہاں مناسب نہیں

روایت کے آخر میں "تریحون" بالعشي اور "تسرحون" بالغداة کوذکر کیا گیا ہے، جو روایت سے بظاہر کوئی مناسبت نہیں رکھتا اور حقیقت یہ ہے کہ مناسبت ہے بھی نہیں۔ اس حوالے سے یہ ذہن میں رہے کہ دراصل "باب هجرة النّبي وأصحابهِ إلى المدينة" میں حضرت عائشہ کی روایت ہے، جس میں یہی ہجرت نبوی کا قصہ مذکور ہے اور اس میں ایک جگہ یہ الفاظ آتے ہیں، "ويرعى عليهما عامر بن فُهيره مولى أبي بكر منحة من غنم فيُريحها عليهما......"(۲).

اُس مقام (ہجرت النبی) پر حدیثِ عائشہ میں لفظ "يُريح" کی تفسیر کے لئے امام بخاری کو اس آیت کا حوالہ دے کر "تُريحون" اور "تسرحون" کی یہ تشریح کرنی تھی مگر انہوں نے اس کی بجائے یہاں (حدیثِ باب کی ذیل میں) اس کا تذکرہ کیا، بہرحال آیت لانے کا مقصد اسی حدیثِ باب کے مضمون پر مشتمل اُس دوسری حدیث (جو عائشہ سے مروی ہے) میں مذکور لفظ "يريح" کا معنی بیان کرنا ہے اور اس کا یوں اہتمام کیا گیا ہے کہ قرآن کریم کی جس آیت میں یہ لفظ مذکور ہے، اس آیت کو ذکر کیا گیا اور اس کی تفسیر حضرت ابوعبیدہ سے نقل فرمائی۔ امام ابوعبیدہ نے "تُريحون" کے ساتھ "بالعشي" کی قید لگا کر یہ بتایا کہ اس کا معنی ہے، شام کو واپس آنا اور "تسرَحون" کے ساتھ "بالغداة" کی قید لگا کر بتلایا کہ اس سے صبح کو مویشی چرنے کے لئے نکالنا مقصود ہے اب اس سے "يريح" کا معنی خود ہی معلوم ہو گیا(۳)۔

---

(۱) فتح الباري: ۱٤/۷

(۲) دیکھئے، باب هجرة النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابهِ إلى المدينة، رقم الحديث: ۳۹۰۵

(۳) فتح الباري: ۱٥/۷

ترجمۃ الباب سے مطابقت واضح ہے کیونکہ باب ہے، منقبت وفضیلتِ أبي بکر کے حوالے سے اور اسی منقبتِ أبي بکر کا حدیث میں بھی ذکر ہے(۱)۔

۳٤٥۳ : حدّثنا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ : حَدَّثَنَا هَمَّامٌ ، عَنْ ثَابِتٍ ، عَنْ أَنَسٍ ، عَنْ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قُلْتُ لِلنَّبِيِّ ﷺ وَأَنَا فِي الْغَارِ : لَوْ أَنَّ أَحَدَهُمْ نَظَرَ تَحْتَ قَدَمَيْهِ لَأَبْصَرَنَا ، فَقَالَ : (ما ظَنُّكَ يَا أَبَا بَكْرٍ بِاثْنَيْنِ اللّٰهُ ثَالِثُهُمَا) . [۳۷۰۷ ، ٤۳۸٦]

تراجمِ رجال

مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ

یہ محمد بن سنان العوقی ہیں۔ان کے احوال "كتاب العلم، باب من سُئل علماً وهو مشتغل في حديثه" میں گزر چکے ہیں(۲)۔

هَمَّامٌ

یہ ہمام بن یحییٰ بن دینار العوذی ہیں۔ان کے احوال گزر چکے ہیں(۳)۔

ثَابِتٌ

یہ ثابت البنانی ہیں،ان کے احوال "كتاب العلم، باب طرح الإمام المسئلة على أصحابه

(۳٤٥۳) الحديث أخرجه البخاري في صحيحه كتاب فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، باب مناقب المهاجرين وفضلهم: ۱/٥۱٦، رقم: ۳٦٥۳، وفي: ۱/٥٥۸، كتاب مناقب الأنصار، باب هجرة النبي وأصحابه إلى المدينة، رقم: ۳۹۲۲، وفي: ۲/٦۷۲، كتاب التفسير، باب قوله "ثاني اثنين اذهما في الغار" رقم: ٤٦٦۳، ومسلم في صحيحه: ۲/۲۷۲، كتاب فضائل الصحابة رضي الله عنهم، باب من فضائل أبي بكر الصديق، رقم: ۲۳۸۱، والترمذي في جامعه: ۲/۱٤۰، أبواب التفسير، باب ومن سورة التوبة، رقم: ۳۰۹٥.

(۱) عمدة القاري: ۱٦/۲٤۲

(۲) كشف الباري: ۳/٥۳

(۳) صحيح البخاري، كتاب مواقيت الصلاة، باب من نَسِي صَلاة فليصل إذا ذكر، رقم الحديث: ٥۹۷

ليختبر ما عندهم من العلم" میں گزر چکے ہیں(۱)۔

أَنسٍ

انس بن مالک صحابی رسول ہیں۔ان کے احوال"كتاب الإيمان، باب من الإيمان أن يحب لأخيه مايحب لنفسه" میں گزر چکے ہیں(۲)۔

"عنعَنَه" کی بجائے "تحدِيث"

یہاں اس حدیث میں محمد بن سنان راوی، ہمام سے حدَّثنا کے ساتھ روایت کرتے ہیں، جب کہ بعد کے رُواۃ ثابت بنانی، انس بن مالک اور ابوبکر سے عن کے ساتھ روایت کر رہے ہیں اور اور کتاب التفسیر میں حبان سے یہ روایت منقول ہے اور اس میں حدَّثنا ثابت، حدَّثنا أنس، قال حدَّثني أبوبكر کے الفاظ آئے ہیں(۳)۔

نیز کتاب التفسیر کی روایت میں "فرأيت آثارَ المشركين" کا بھی اضافہ ہے(۴)۔

اور "باب هجرة النبي" میں موسیٰ بن اسماعیل عن ہمام کی روایت میں "فرفعتُ رأسي فإذا أنا بأقدام القوم" کے الفاظ آئے ہیں(۴)۔

"لَوْ" شرطیہ کے معنی میں اختلاف

لَوْ أَنَّ أَحَدَهُمْ نَظَرَ تَحْتَ قَدَمَيْهِ...... یہاں "لَو" شرطیہ کے متعلق بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ استقبال کے معنی کے لئے آیا ہے اور اس کے معنی استقبال کے لئے استعمال کی دلیل ان کی یہ ہے کہ قرآن کریم

---

(۱) كشف الباري: ۳/۱۸۳

(۲) كشف الباري: ۲/٤

(۳) كتاب التفسير، باب قوله ثانيَ اثنين، رقم الحديث: ٤٦٦٣.

(٤) دیکھئے، كتاب التفسير، باب قوله "ثاني اثنين اذهما في الغار؛ إذ يقول لصاحبه لا تحزن إن الله معنا"، رقم الحديث: ٣٦٦٣

(٥) دیکھئے، كتاب مناقب الأنصار، باب هجرة النبي وأصحابه إلى المدينة، رقم الحديث: ٣٩٢٢

میں "لَـــوْ" فعل مضارع پر داخل ہے (۱)، لہٰذا معنی مضارع کے لئے بھی اس کا استعمال ٹھیک ہے، جب کہ اکثر حضرات کے ہاں "لَوْ" معنی ماضی کے لئے استعمال ہوا ہے مستقبل کے لئے نہیں، جیسا کہ اس کا وضع بھی ماضی کے لئے ہے، اگرچہ مضارع پر داخل ہو جائے (۲)۔

چنانچہ یہاں یہ جملہ "لَوْ أَنَّ أَحَدَهُمْ نَظَرَ" اُن بعض حضرات کے ہاں جو "لَوْ" کو معنی استقبال کے لئے مانتے ہیں، اس وقت کا کہا گیا جملہ ہوگا، جب کہ مشرکین برلبِ غار کھڑے تھے اور اس کا معنی ہوگا میں نے خطرہ محسوس کرتے ہوئے اللہ کے رسول سے کہا، اگر یہ لوگ دیکھیں گے...... اور جن کے ہاں یہ معنیٰ ماضی کے لئے ہے، ان کے ہاں یہ ان لوگوں کے جانے کے بعد کا جملہ ہوگا اور اس کا معنی ہوگا، میں نے غار میں اللہ کے رسول سے ان لوگوں کے جانے کے بعد شکر کے طور پر کہا، اللہ کے رسول اگر وہ نیچے دیکھ لیتے......۔

مشرکین سے غار کیسے اوجھل رہا

لَوْ أَنَّ أَحَدَهُمْ نَظَرَ...... ایک اور روایت میں "لَو أَنَّ بعضَهم طأطأَ بصرَه" (۳) کے الفاظ آئے ہیں اور ایک روایت میں "لـو أن أحدَهم رفعَ قدمَيه" کے الفاظ ہیں۔ تاہم "رفعَ قدمَيه" (٤) والی روایت پر بظاہر یہ اشکال ہے کہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ غار کو مشرکین نے قدموں سے چھپایا تھا اور اگر وہ قدم اٹھاتے تو حضرت اور آپ کے ساتھی نظر آجاتے حالانکہ ایسا نہیں تھا (کیوں کہ غار کا دھانا جس سے انسان اس کے اندر جائیں وہ اتنا تنگ تو نہیں ہو سکتا کہ قدموں سے بند ہو جائے، اور اس پر قدم رکھنا ویسے مستبعد بھی ہے)، اِلا یہ کہ یہ تاویل کی جائے کہ ان کے کپڑوں سے غار چھپ گیا اور نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا، جو قدم اٹھانے سے ظاہر ہو جاتا۔

ہاں! مسلم کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں:

---

(۱) جیسے آیت ﴿ولو أنّ للذين ظلموا إذ يرون العذاب......﴾ البقرة: ١٦٦

(۲) چنانچہ فنِ نحو کے متون کی معروف عبارت ہے: "ولـو لـلـماضي وإن دخلت على المضارع"، هداية النحو، بحث حروف الشرط.

(۳) دیکھئے، كتاب مناقب الأنصار، باب هجرة النبي واصحابه إلى المدينة، رقم الحديث: ٣٩٢٢

(٤) كتاب التفسير، باب قوله "ثاني اثنين إذهما في الغار؛ إذ يقول لصاحبه لا تحزن ......"، رقم الحديث: ٣٦٦٣

"لَو أنَّ أحدَهم نظَر إلى قدمَيه أبصرَنا تحتَ قدمَيه"(۱). یعنی: ''اگر ان میں سے کوئی اپنے قدموں کو دیکھتا تو اس کے قدموں تلے ہم اسے نظر آ جاتے''۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جہاں مشرکین کھڑے تھے، اس سے نیچے کی طرف اور اس کے بالکل نشیب میں یہ غار واقع تھا، قدموں کے نیچے اس طرح ہونا کہ قدم اٹھائیں تو نظر آ جائیں اور اس طرح ہونا کہ قدموں کی طرف دیکھیں اور نظر آئیں ان دونوں میں فرق ہے۔ اور مراد ثانی ہے نہ کہ اول۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، عروہ بن زبیر کی ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں:

"وأتى المشركونَ على الجَبلِ الذي فيه الغار الذي فيه النبي صلى الله عليه وسلم حتى طلَعوا فوقه وسمع أبوبكر أصواتَهم فأقبل عليه الهمُّ والخوفُ فعند ذلك يقول له النبي صلى الله عليه وسلم: لاتحزنَ إن اللّٰه معَنا"(۲).

یعنی: ''مشرکین اس پہاڑی پر آئے جس میں وہ غار تھا، جس میں اللہ کے رسول تھے یہاں تک وہ اس کے اوپر چڑھے اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی آوازیں سنیں تو ان پر خوف اور فکرمندی کی کیفیت طاری ہوگئی اسی وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ ارشاد فرمایا تھا: "لاتحزن ان اللّٰه معنا".

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابوبکر نے ان لوگوں کے چلے جانے کے بعد نہیں، ان کی آمد اور موجودگی کے وقت فرمایا تھا اللہ کے رسول! اگر انہوں نے ہمیں دیکھ لیا......؟

تو رسول اللہ نے فرمایا، ڈرو نہیں! اللہ ہمارے ساتھ ہیں!

ان کے چلے جانے کے بعد ابوبکر کے ''اگر وہ ہمیں دیکھ لیتے......'' کے جواب میں "لاتحزَن" کہنے کا تو کوئی معنی و مطلب ہی نہیں ہے(۳)۔

---

(۱) صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل أبي بكر الصديق، رقم الحديث: ۲۳۸۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) فتح الباري: ۱۵/۹

(۳) فتح الباري: ۱۵/۹

ابوبکر "تین" کے تیسرے تھے

مَا ظَنُّكَ يَا أَبَا بَكْرٍ بِاثْنَيْنِ اللّٰهُ ثَالِثُهُمَا؟ ...... ایک اور روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں، "اسكت يا أبابكر اثنانِ الله ثالثهما"(١).

"اثنان" خبر ہے، "نحنُ" مبتداء کے لئے۔

اور "ثالثهما" کا معنی ہے، "ناصرُهما ومعِينُهما" اللہ تعالیٰ جن کے مددگار اور معاون ہیں۔

"ثـالثهـمـا" کا یہ بھی معنی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے تیسرے ہیں باعتبارِ علم جیسے کہ سورۂ مجادلہ کی آیت ﴿ما يكونُ مِن نجوى ثلثةٍ إلا هُو رابعُهم ولا خمسةٍ إلا هُو سادسُهم ولا أدنى مِن ذلك والا أكثرَ إلا هـو معَهم......﴾ میں اسی معنی میں ہے۔ مگر یہاں وہ معنی مراد نہیں ہے کیونکہ وہ تو ہر دو افراد کے لئے ہے، جب کہ یہاں "الله ثـالثهـمـا" حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خصوصیت ہے اور حقیقت یہ ہے کہ یہ حضرت ابوبکر کی بہت بڑی فضیلت ومنقبت ہے کیونکہ تین افراد ہیں، جن میں ایک اللہ ہے، دوسرے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور تیسرے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، تو ابوبکر کے لئے اس معیت سے بڑھ کر کیا دولت ہوسکتی ہے؟(۲)

مزید تفصیل اس کی انشاء اللہ باب الہجرۃ...... میں آئے گی۔

حدیثِ باب کے دوسرے متابعات

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، مشہور یہ ہے کہ "ھـمّـام" اس روایتِ باب کو ثابت سے روایت کرنے میں منفرد ہیں، یہ بات ترمذی نے (۳) اور بزار نے کہی ہے (۴)، ابن شاہین نے "الافراد" میں اسے جعفر بن سلیمان کے طریق سے بھی ثابت سے نقل کیا ہے، یہ اس کا متابع ہے (۵)، جب کہ میں (حافظ

(١) كتاب مناقب الأنصار، رقم الحديث: ٣٩٢٢

(٢) فتح الباري: ١٥/٩، دارالسلام

(٣) جامع الترمذي، كتاب تفسير القرآن، التوبة، رقم الحديث: ٣٠٩٦

(٤) مسند بزار، (مسند أبي بكر الصديق): ٨/١، وفتح الباري: ١٤/٩

(٥) فتح الباري: ١٤/٩

صاحب) نے حبشی بن جنادہ کی روایت سے اس کا ایک شاہد ذکر کیا ہے(۱)۔

اور ایک شاہد اس کا ابن عباس سے حاکم نے ''الاکلیل'' میں بھی نقل کیا ہے(۲)۔

۳ - باب : قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ : (سُدُّوا الْأَبْوَابَ ، إِلَّا بَابَ أَبِي بَكْرٍ) .

قَالَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ . [ر : ٤٥٥]

حضرت سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق چار ابواب میں سے یہ دوسرا باب ہے۔ اس میں اور اگلے باب میں ایک ایک روایت ہے، جب کہ چوتھے باب میں تقریباً ۲۳/احادیث ہیں۔

قَالَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ

امام بخاری نے کتاب الصلاۃ میں "باب الخوخة والمَمَرّ في المسجد" کے تحت اسے موصولاً ذکر کیا ہے۔ مگر اس کے معنی تو یہی ہیں، الفاظ ذرا مختلف ہیں، پہلی روایت جو ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے، اس کے الفاظ ہیں: "لا يبقَينّ في المسجد باب إلاسُدَّ إلا باب أبي بكر"(۳).

جب کہ دوسری روایت جو ابن عباس کی ہے، اس کے الفاظ ہیں: "سُدُّوا عني كل خوخةٍ في هذا المسجدِ غير خوخة أبي بكر"(٤).

٣٤٥٤ : حدّثني عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ : حَدَّثَنَا أَبُو عامِرٍ : حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ قالَ : حَدَّثَنِي سَالِمٌ أَبُو النَّضْرِ ، عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قالَ : خَطَبَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ النَّاسَ وَقالَ : (إِنَّ اللهَ خَيَّرَ عَبْدًا بَيْنَ الدُّنْيَا وَبَيْنَ ما عِنْدَهُ ، فَاخْتَارَ ذٰلِكَ الْعَبْدُ ما عِنْدَ اللّٰهِ) . قالَ : فَبَكَى أَبُو بَكْرٍ ، فَعَجِبْنَا لِبُكائِهِ : أَنْ يُخْبِرَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ عَبْدٍ خُيِّرَ ،

---

(١) فتح الباري: ١٤/٩

(٢) فتح الباري: ١٤/٩

(٣) دیکھئے، صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب الخوخة والمَمرّ في المسجد، رقم الحديث: ٤٦٦

(٤) صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب الخوخة والمَمرّ في المسجد، رقم الحديث: ٤٦٧

(٣٦٥٤) الحديث سبق تخريجه في كتاب الصلاة، باب الخوخة والممرّ في المسجد، رقم: ٤٦٦......

فكان رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ هُوَ الْمُخَيَّرَ ، وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ أَعْلَمَنَا ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : (إِنَّ مِنْ أَمَنِّ النَّاسِ عَلَيَّ فِي صُحْبَتِهِ وَمَالِهِ أَبَا بَكْرٍ ، وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيلاً غَيْرَ رَبِّي لَاتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ ، وَلٰكِنْ أُخُوَّةُ الْإِسْلَامِ وَمَوَدَّتُهُ ، لَا يَبْقَيَنَّ فِي الْمَسْجِدِ بَابٌ إِلَّا سُدَّ إِلَّا بَابُ أَبِي بَكْرٍ) . [ر : ٤٥٤]

تراجم رجال

عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ

یہ ابوجعفر عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن جعفر بن الیمان بن الأخنس جعفی بخاری سندی ہیں۔ ان کے احوال "كتاب الإيمان، باب أمور الإيمان" کے تحت گزر چکے ہیں (۱)۔

أَبُو عَامِرٍ

یہ ابوعامر عبدالملک بن عمرو البصری ہیں۔ ان کے مختصر حالات بھی "كتاب الإيمان، باب امور الإيمان" کے تحت گزر چکے ہیں (۲)۔

فُلَيْحٌ

یہ فلیح بن سلیمان الخزاعی ہیں۔ ان کے احوال "كتاب العلم، باب من سُئل علماً وهو مشتغل في حديث فأتمّ الحديث ثم أجاب السائلَ" کے تحت گزر چکے ہیں (۳)۔

سَالِمٌ أَبُو النَّضْرِ

یہ سالم بن أبي أمیۃ ابوالنضر المدني القرشي التیمي ہیں۔ ان کے احوال گزر چکے ہیں (۴)۔

بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ

یہ بُسر بن سعید المدنی مولی ابن الحضرمی ہیں۔ ان کے احوال گزر چکے ہیں (۵)۔

---

(۱) دیکھئے، كشف الباري: ۱/۶۵۷

(۲) دیکھئے، كشف الباري: ۱/۶۵۸

(۳) دیکھئے، كشف الباري: ۳/۵۵

(٤) كتاب الوضوء، باب المسح على الخفين...... =

أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ

ابوسعید خدری، مشہور صحابی رسول مراد ہیں۔ان کے احوال "کتاب الإیمان، باب من الدّین الفرار من الفِتن" کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد کب فرمایا

یہاں اس بات میں روایات میں کچھ اختلاف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قول کس موقع پر اور کس حالت میں ارشاد فرمایا۔

"باب هجرة النبي وأصحابه إلى المدينة" میں مالک عن ابی النضر ......کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں:"جلَس على المنبر فقال......" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر بیٹھے اور فرمایا(۲)۔

اور "کتاب الصلاة، باب الخوخة والمَمرّ في المسجد" میں ابوسعید خدری کی روایت میں "خطَب النبي عليه الصلاة والسلام فقال"(۳) کے الفاظ ہیں، جب کہ اس کے بعد ابن عباس کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:"خرَج رسولُ الله صلى الله عليه وسلّم في مرضِه الذي ماتَ فيه عاصباً رأسَه بخِرقة"(٤).

جب کہ صحیح مسلم میں یہ الفاظ ہیں، حضرت جندب فرماتے ہیں:"سمعتُ النبيَّ صلى الله عليه وسلم يقول قبلَ أن يموتَ بخمس ليالٍ"(٥).

آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنی وفات سے پانچ دن قبل فرمایا اور میں نے سنا......

اور ابی بن کعب کی حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں:

= (٥) كتاب الصلاة، باب الخوخة والممرّ في المسجد......

(۱) دیکھئے، کشف الباري: ۲/۸۲

(۲) دیکھئے، باب هجرة النبي واصحابه إلى المدينة، كتاب مناقب الأنصار، رقم الحديث: ۳۹۰٤

(۳) دیکھئے، صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب الخوخة والممر في المسجد، رقم الحديث: ٤٦٦

(٤) دیکھئے، صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب الخوخة والممر في المسجد، رقم الحديث: ٤٦٧

(٥) صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب النهي عن بناء المسجد على القبور، رقم الحديث: ۱۱۸۸

"إن أحدث عهدي بنبيّكم قبل وفاته بثلاث"(١) رسول اللہ سے میری تازہ ترین ملاقات وہی ہے جو آپ کی وفات سے تین دن قبل ہوئی۔

بہرحال اس واقعہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی خداداد بصیرت اور ممتاز مقام کی بناء پر سمجھ گئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کا وقت اب بہت قریب ہے، چنانچہ آپ اس کا تصور کر کے رو پڑے(٢)۔

بَيْنَ الدُّنْيَا وَبَيْنَ مَا عِنْدَهُ

مالک کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: "بين أن يُؤتيَه من زَهرةِ الدنيا ماشآء وبينَ ماعندَه"(٣).

الفاظ کا اختلاف اور اس کی وجہ

فَعَجِبْنَا لِبُكَائِهِ ...... محمد بن سنان کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: "فقلتُ في نفسي ما يُبكي هذا الشيخ؟"(٤). میں نے دل میں کہا یہ بزرگ کیوں رو رہے ہیں؟

جب کہ مالک کی روایت میں ہے: "فعجِبنا له وقالَ الناس: انظروا إلى هذا الشيخ"(٥). یعنی ہمیں تعجب ہوا اور لوگوں نے کہا اس بزرگ کو دیکھو۔

اس اختلافِ لفظ کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ حضرت ابوسعید نے اولاً تو اپنے حوالے سے روایت کی (کہ اس کا کیا تاثر تھا)، پھر جب ان کو دوسرے لوگوں کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ بھی یہی کہتے ہیں تو انہوں نے "وقال الناس" کہہ کر اسے بھی نقل کیا(٦)۔

---

(١) فتح الباري: ٩/١٤

(٢) فتح الباري: ٧/١٦، دار السلام

(٣) دیکھئے، صحيح البخاري، كتاب مناقب الأنصار، باب هجرة النبي وأصحابه إلى المدينة، رقم الحديث: ٣٩٠٤

(٤) دیکھئے، صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب الخوخة والممر في المسجد، رقم الحديث: ٤٦٦

(٥) دیکھئے، صحيح البخاري، كتاب مناقب الأنصار، باب هجرة النبي وأصحابه إلى المدينة، رقم الحديث: ٣٩٠٤

(٦) فتح الباري: ٧/١٧، دار السلام

حضرت ابوبکر کا امتیازی مقام

فرمایا ابوبکر ہم سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ اور یہ ان کے "أعلم" ہونے کی ہی دلیل ہے کہ ایک بظاہر بالکل دوسرے مضمون میں چھپے راز کو وہ سمجھ گئے اور اس یقین اور جزم کے ساتھ سمجھے کہ بے اختیار رو پڑے۔

جملے کی ترکیبی حیثیت

إِنَّ مِنْ أَمَنِّ النَّاسِ عَلَيَّ فِي صُحْبَتِهِ ...... یہاں پہلی بات تو اس جملے کی ترکیبی حیثیت سے متعلق ہے، کہ یہاں روایتِ باب میں "أمَنّ" بغیر "مِن" کے ہے، جب کہ اسماعیل بن عبداللہ کی روایت جو کتاب مناقب الأنصار میں ہے، اس میں "مِن أمَنِّ الناسِ عليَّ" کے الفاظ ہیں اور "أبوبَکر" مرفوع کی بجائے "أبابکر" منصوب آیا ہے(۱)۔

"أبوبَکرٍ" بالرفع کو بعض حضرات نے غلط قرار دیا ہے اور "أبابَکر" نصب کی صورت کو صحیح اور راجح قرار دیا ہے کیونکہ یہ اسم "إنَّ" ہے اور اسم "إنَّ" ظاہر ہے منصوب ہوتا ہے(۲)۔

اور جن روایات میں "ابوبکر" مرفوع وارد ہے وہ اس لئے کہ یہ اصل میں ہے "إنه"۔ جس میں ضمیر ضمیرِ شان ہے اور اس کے بعد جار مجرور خبرِ مقدم جب کہ "ابوبکر" مبتداء مؤخر ہے۔

یا پھر "ابوبکر" اسمِ واحد یعنی ایک مفرد لفظ کی طرح ہے، لہٰذا عامل اپنا اثر (اعراب) اس کے جزو اول میں جاری نہیں کرے گا اور یہ باوجود اسمِ "إنَّ" ہونے کے "ابوبکر" رہے گا۔

تیسرا احتمال یہ ہے کہ "إنَّ" نعم کے معنی میں ہے، لہٰذا وہ "ابوبکر" کے نصب کا تقاضا ہی نہیں کرتا۔

چوتھا احتمال یہ ہے کہ "مِن" زائدہ ہے اور یہ جار مجرور نہیں ہے لہٰذا "أمَنّ الناس" اسم إنَّ ہے اور "ابوبکر" خبر ہے، یہ کسائی کی رائے ہے(۳)۔

پانچواں احتمال یہ ہے کہ "مِن أمنّ الناس" یہ محذوف کی صفت اور منصوب ہے اور تقدیر ہے مثلاً "إن

---

(۱) دیکھئے، صحيح البخاري، كتاب مناقب الانصار، باب هجرة النبي وأصحابه إلى المدينة، رقم الحديث: ۳۹۰٤

(۲) فتح الباري: ۱۵/۹

(۳) فتح الباري: ۱۵/۹

رجلاً، إن انساناً مِن أمنّ الناس" اس صورت میں بھی "ابوبکر" "إنّ" کی خبر ہے(۱)۔

حضرت ابوبکر کا رسول اللہ پر کیا احسان تھا؟

دوسری بات یہ ہے کہ "مَنّ" کے معنی کیا ہیں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ کون سا احسان ہے جس کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشارہ فرمار ہے ہیں، یا واقع میں جس کا اتنا بڑا مقام ومرتبہ تھا، تو اس حوالے سے ایک تو لفظ "أمَنّ" کی بات ہے، کہ یہ "المَنُّ" سے ہے، "المنّة" سے نہیں۔ المَن بدون التاء کا معنی ہے، عطاء اور بذل (خرچ) اور احسان۔ جب کہ "المنّة" کا معنی ہے، احسان جتانا جو کہ إفساد الصنيعة یعنی احسان کو ضائع اور خراب کر دینا ہے، احسان کرنا کمال ہے اور احسان جتانا عیب ہے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر احسان جتانے والے نہ تھے، بلکہ رسول اللہ پر احسانات کرنے والے تھے اور ایسے احسانات آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ کر گئے ہیں، جس کی مثال نہیں ملتی اور انہی احسانات کی وجہ سے ان کا مقام اتنا بلند ہوا کہ کوئی اس کی ہمسری نہ کر سکا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے داودی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے یہ "منّة" سے ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اگر کسی کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر احسان جتانے کا حق بنتا اور کوئی اگر آپ علیہ الصلاۃ والسلام پر احسان جتانا چاہتا تو یہ ابوبکر ہوتا، حافظ نے اس توجیہ کو غریب قرار دیا ہے اور پہلی توجیہ یعنی اس کے "مَنّ" بمعنی عطاء سے قرار دینے کو راجح کہا ہے(۲)۔

امام نووی کی رائے

امام نووی فرماتے ہیں علماء نے کہا ہے کہ "أمنّ الناس عَليَّ" کا معنی ہے:

"أكثرهم جوداً وسماحةً لنا بنفسِه ومالِه ......، وليس هو من المَنّ الذي هو الاعتداد بالصنيعة؛ لأنه أذى مبطِل للثواب ولأن المنّة لله ولرسولِه في قبول ذلك وغيرِه"(۳).

---

(۱) فتح الباري: ۱۵/۹، عمدة القاري: ۲۴۳/۱۶

(۲) انظر لزيادة التفصيل فتح الباري: ۱۴/۹، ۱۵

(۳) شرح النووي على مسلم: ۱۲۰/۸

یعنی اپنی جان اور اپنے مال کے حوالے سے ہمارے ساتھ سب سے زیادہ جُو دوسخا کا مظاہرہ کرنے والے......اور یہ اس "مَـنٌّ" سے نہیں ہے، جس کا معنی ہے احسان کو جتانا اور شمار کرنا، کیونکہ ایسا احسان تو اللہ تعالیٰ پر کسی کا نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس طرح کے احسان اور نیکی کو قبول کیا۔

قرطبی کا قول

جب کہ قرطبی فرماتے ہیں یہ "امتنـــان" سے ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اتنے احسانات ہیں کہ اگر اُن جتنے کسی اور کے ہوتے تو وہ ضرور احسان جتاتا(۱)۔ یہی معنی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث کا ہے، جس کے الفاظ ہیں، "ليس مِن النـاس أحدٌ أمنّ عليَّ في نفسِه ومالِه مِن أبي بكر"(۲) ابوبکر سے زیادہ اپنے مال وجان کو مجھ پر خرچ کرنے والا کوئی نہیں۔

رسول اللہ سے حسنِ سلوک کرنے والے دوسرے بھی تھے

یہ تو اس روایت کا معنی ہے جس میں "مِن" نہیں ہے اور جہاں تک "مِن" والی روایت کا تعلق ہے تو اگر وہ زائدہ ہے تو پھر دونوں روایات میں منافات نہیں ہے اور زائدہ نہیں تو پھر اس کا مطلب اور مفہوم یہ ہے کہ ایسے دوسرے بھی لوگ ہیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کرنے والے تھے، مگر ابوبکر ان سب سے بڑھ کر تھے اور ان جیسا کوئی نہ تھا اور اس کی تائید ہوتی ہے، ترمذی کی اس روایت سے جس کے الفاظ ہیں:

"مـالأحـدٍ عـندنا يدٌ إلا كافئناه عليها ما خلا أبابكر فإنّ له عندنا يداً يكافئه الله بها يوم القيامة"(۳).

ابوبکر کے سوا کوئی ایسا نہیں جس کا ہم پر کوئی احسان ہو اور ہم نے اس کا بدلہ اسے نہ دیا ہو اور رہا ابوبکر سو اُن کا جو احسان ہے اللہ ہی قیامت کے روز ان کو اس کا بدلہ دیں گے۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوبکر کے

(۱) المفهِم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلِم باب من فضائل أبي بكر: ۱۹/ ۱۵۰، شرح البخاري فتح الباري: ۷/ ۱۷، دار السلام

(۲) فتح الباري لابن حجر العسقلاني: ۲/ ۷۳۵، دار الكتب العلمية بيروت

(۳) صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب الخوخة والممرّ في المسجد، رقم الحديث: ٤٦٦

علاوہ بھی کچھ لوگ تھے جن کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کرنے کے حوالے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر احسانات ہیں...... ہاں! فضیلت اور ترجیح ان سب پر حضرت ابوبکر کو حاصل تھی۔اب جہاں علی الاطلاق ان کو 'أمنّ" قرار دیا گیا وہاں مقصود یہ ہے کہ ابوبکر کو سب پر ترجیح حاصل ہے اور جہاں علی الاطلاق نہیں ہے، وہاں ان وسروں کی طرف بھی اشارہ مقصود ہے، جنہوں نے اس میں حصہ لیا(۱)۔

حضرت ابوبکر کے احسانات کی تفصیل

بعض روایات میں اس سے بھی زیادہ تفصیل کا ذکر ہے، مثلاً ایک روایت کے الفاظ ہیں:

"منّة أعتق بلالاً، ومنّة هاجَر بنبيه"(۲) ایک احسان بلال کو آزاد کرنے کا، اور ایک اللہ کے رسول کے ساتھ ہجرت کا ہے۔

ایک اور روایت میں ہے:

"ما أحدٌ أعظمَ عندي يداً من أبي بكر، وَاسَاني بنفسِه ومالِه وأنكحني ابنتَه"(۳).

یعنی: "مجھ پر ابوبکر سے زیادہ کسی کا احسان نہیں کہ انہوں نے اپنی جان و مال سے میرے ساتھ ہمدردی کا مظاہرہ کیا اور اپنی بیٹی مجھے نکاح میں دی"۔

ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں، حضرت انس سے روایت ہے، آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا:

"إن أعظمَ الناس علينا مَناً أبوبكر، زوَّجني ابنتَه، وواساني بنفسِه، وإنَّ خيرَ المسلمين مالاً ابوبكر أعتقَ منه بلالاً وحملَني إلى دارِ الهجرة"(٤).؛

---

(۱) جامع الترمذي، كتاب المناقب، باب ما لأحد عندنا يد......، رقم الحديث: ٣٦٦١

(۲) فتح الباري: ١٥/٩

(۳) المعجم الكبير للطبراني: ١٩١/١١، مكتبة العلوم موصل.

(٤) المعجم الكبير للطبراني: ١٩١/١١

یعنی: ''ابوبکر ہی لوگوں میں ہم پر سب سے بڑے احسان کرنے والے ہیں کہ انہوں نے مجھے اپنی بیٹی نکاح میں دی اور جان ومال سے میرے ساتھ ہمدردی کی، اور مسلمانوں میں سب سے بہتر مال ابوبکر کا ہے کہ انہوں نے اس مال سے بلال کو آزاد کیا اور مجھے دارالہجرۃ (مدینہ منورہ) لے کر آیا''۔

بعض روایات میں اس مال کی مقدار بھی بتائی گئی ہے جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر خرچ کیا، چنانچہ حضرت عائشہ کی روایت ہے:

"أنفقَ ابوبكر على النبي صلى الله عليه وسلم اربعينَ الفَ درهَمٍ"(١).

یعنی: ''حضرت ابوبکر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر چالیس ہزار درہم خرچ کئے''۔

مقام "خُلّة" بہتر ہے یا مرتبہ "أُخُوّة"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو خلیل کیوں نہیں بنایا، یہ بحث تو اگلے سے اگلے مستقل باب میں آرہی ہے، البتہ یہاں جو آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے یہ فرمایا کہ خـــلّة نہیں مگر اخوت کا رشتہ آپ کا حضرت ابوبکر سے ہے، "ولكن أخوّة الاسلام ومودّته" اس کی خبر ہے "حاصِلة" یا پھر "أفضلُ". جیسے کہ اگلے ابواب کی روایات میں آیا ہے (٢)۔

اور ایسے ہی طبرانی کی روایت ہے جو خالد الحذاء سے منقول ہے اور اس کے الفاظ ہیں، "ولكن أخوة الإيمان والإسلام أفضل"(٣).

اور ابویعلی کی روایت ہے، "ولكن خلّة الإسلام أفضلُ"(٤).

لیکن اس پر اشکال وارد ہوتا ہے کہ اخوت کیسے بہتر ہے، بہتر تو "خُلّة" ہے کیونکہ وہ اخوتِ اسلام کو بھی شامل ہے اور اس کے ساتھ ایک شے زائد (خُلّت) کو بھی، تو پھر ظاہر ہے، "خُلّة" ہی افضل ہوئی......؟

---

(١) صحيح ابن حبان: ١٥/ ٢٧٤

(٢) دیکھئے، صحيح البخاري، باب قول النبي لو كنتُ متخذاً خليلاً......، رقم الحديث: ٣٦٥٧

(٣) المعجم الكبير للطبراني: ١١/ ١٩١

(٤) مسند ابى يعلى: ٤/ ٤٥٧، دار المامون دمشق

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ ''افضل'' سے مراد یہ نہیں کہ اخوت خلّت سے بہتر ہے، بلکہ معنی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اخوّت اور مودّت کسی بھی دوسرے شخص کی اخوّت اور مودّت سے بہتر ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ افضل بمعنی فاضل ہے، یعنی آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی اخوت اور مودت بہترین چیز ہے، یعنی تفضیل کا معنی اس میں نہیں ہوگا صرف فضیلت کا ذکر مقصود ہے(۱)۔

رہا یہ سوال کہ اخوت اور مودتِ اسلام کی فضیلت تو سبھی صحابہ کو حاصل ہے اور وہ سب اس میں حضرت ابوبکر کے ساتھ شریک ہیں، پھر یہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا کوئی امتیازی وصف تو نہ رہا بلکہ سبھی صحابہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اخوت کا رشتہ ہے......؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوبکر کے ساتھ دوسرے صحابہ اخوتِ اسلام میں شریک تو ہیں، مگر ان سب کے مقابلے میں جو فضیلت اور ترجیح حضرت صدیق کو حاصل ہے وہ بھی کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں اور کئی دلائل وشواہد سے روزِ روشن کی طرح ثابت ہے، یہی ان کا امتیاز ہے، یعنی اخوت اور مودتِ اسلام میں صحابہ کے درمیان تفاوت (یعنی مراتب کا فرق) ہے کہ کسی نے دینِ اسلام کی مدد ونصرت، اعلاء کلمۃ الحق اور تحصیل ثواب میں زیادہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور کسی کو اس کا کم موقع ملا اور ابوبکر صدیق کا حصہ اس حوالے سے بہت بڑا ہے سو اُن کا مرتبہ اخوت بھی بڑا ہے(۲)۔

بعض روایات میں یہاں اخوۃ کی بجائے "خوۃ الإسلام" بغیر ہمزہ کے آیا ہے۔

ابن بطال اس کے متعلق فرماتے ہیں "خـوۃ" کا میں کوئی معنی نہیں جانتا اور کلام عرب میں اس کا خلّۃ کے معنی میں کہیں استعمال نہیں ہوا ہے اور بعض روایات میں جو "ولکن خلة الإسلام" آیا ہے، وہی صحیح ہے(۳)۔

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ شاید اس سے ہمزہ گر گیا ہے اور یوں یہ خوّۃ الإسلام بن گیا جب کہ اصل میں ہے، "أخوة الإسلام"(٤).

ابن مالک اس کی یہ توجیہ بیان کرتے ہیں کہ اس میں "أخوة" کے ہمزہ کی حرکت "لکن" کے نون کو

---

(۱) فتح الباري: ۱٦/۹

(۲) دیکھئے فتح الباري شرح صحیح البخاري: ۱۸/۷، دارالسلام، لکن الشیخ الکشمیری یقول: ان الخلة ایضا تحتمل الشرکة کالأخوة کما قال تعالی: الأخلاء یومئذ بعضهم لبعض عدو الا المتقون ...... انظر فیض الباري: ٦۲/۲

(۳) فتح الباري: ۱٦/۹، بیروت

(٤) فتح الباري: ۱٦/۹، بیروت

منتقل ہوئی ہے اور ہمزہ گر گیا ہے اب جب ہمزہ رہے گا، تو نونِ "لکن" کو صرف ساکن پڑھا جائے گا جب کہ ہمزہ نہ ہونے کی صورت میں اسے مشدد اور مضموم بھی پڑھا جا سکتا ہے اور ساکن بھی (۱)۔

لَا يَبْقَيَنَّ فِي الْمَسْجِدِ بَابٌ إِلَّا سُدَّ

لا یبقین، یاء کے فتحے اور نون تاکید مشدد کے ساتھ معروف کا صیغہ ہے اور لفظ "باب" اس کا فاعل ہے، فعلِ نہی کا اسناد اس صورت میں "باب" کی طرف ہے جو ظاہر ہے اسنادِ مجازی ہے اور اس کے جواز کی وجہ یہ ہے کہ عدمِ بقاء عدمِ ابقاء کے لئے لازم ہے تو اصل میں نہی تو مخاطبین (صحابہ) کی طرف راجع ہے اور ان سے یہ کہنا مطلوب ہے کہ کوئی دروازہ باقی نہ رکھو، لیکن ظاہر ہے جب وہ دروازہ باقی نہیں رکھیں گے تو جب ہی وہ باقی نہیں رہے گا، لہٰذا آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کوئی دروازہ باقی نہ رہے۔ اور مطلب ہے باقی نہ رکھا جائے بعض روایات میں یُبقَیَنَّ یاء کے ضمے کے ساتھ (مبنی للمفعول) آیا ہے، اس صورت میں نہی حقیقی معنی پر حمل ہوگا۔ اسی طرح "سُدَّ" بھی صیغہ مجہول کے ساتھ بضم السین ضبط کیا گیا ہے جس کی یُبقَیَنَّ مجہول کے ساتھ مناسبت ہے، "باب" کی جگہ بھی بعض روایات میں "خوخة" آیا ہے (۲)۔

"خوخہ" کہا جاتا ہے کھڑکی، روشن دان اور اس روزن کو جس سے آدمی دیوار سے آر پار آتا جاتا ہے، جب کہ وہ دروازہ نہیں ہوتا بلکہ اس سے چھوٹا اور کافی مختلف ہوتا ہے۔ عموماً یہ روشن دان کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور اس سے روشنی کی آمد مقصود ہوتی ہے اور اس بناء پر یہ عموماً اوپر ہی ہوتا ہے مگر یہ "خوخہ" کے لئے شرط نہیں ہے کہ وہ اوپر ہی ہوگا بلکہ "خوخہ" نیچے بھی ہو سکتا ہے جو عموماً راستے کے طور پر استعمال ہوتا ہے اور یہاں یہ دوسرا معنی ہی مراد ہے، اسی لئے اس پر "باب" کا بھی اطلاق ہوتا ہے اور بعض حضرات کہتے ہیں "باب" کا اطلاق اس پر جب صحیح ہوگا کہ اس کو مغلق (بند) کرنا ممکن ہو (۳)۔

إلا باب أبي بكر

یہ استثناء مفرغ ہے اور اس کی تقدیر یوں ہے، "لا تبقوا باباً غیرَ مسدودٍ إلا باب أبي بكر

---

(۱) فتح الباري: ۱۸/۷، دار السلام

(۲) فتح الباري: ۱٦/۹

(۳) فتح الباري: ۱۸/۷، ۱۹، دار السلام

فاتر كوه بغير سَدّ"(۱).

حضرت ابوبکر کا اختصاص اور اس کی غرض

خطابی اور ابن بطال وغیرہ فرماتے ہیں، اس حدیث میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بالکل واضح خصوصیت کا ذکر ہے اور اس میں حضرت ابوبکر کے استحقاقِ خلافت کی طرف بھی واضح اشارہ ہے، خصوصاً اس لئے بھی کہ یہ واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخرِ عمر میں پیش آیا، اس وقت جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو یہ بھی ارشاد فرما رہے تھے کہ وہ ابوبکر کے علاوہ کسی کو امام نہ بنائیں، ان ہی کی اقتداء میں نماز پڑھیں، بعض حضرات نے الفاظ حدیث کو مجازی معنی پر حمل کیا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ "باب" خلافت سے کنایہ اور "أمر بالسّد" یعنی بند کرنے کا حکم جو ہے، اس سے طلبِ خلافت سے منع کرنا مراد اور مطلوب ہے اور گویا آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے یہ فرمایا، "لا يطلبنَّ أحدٌ الخلافةَ إلا أبابكر فإنه لاحرَج عليه في طلَبِها" کوئی آدمی خلافت کو طلب نہ کرے سوائے ابوبکر کے کہ وہ اگر طلب کرتے ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

ابن حبان کا بھی اسی توجیہ کی طرف میلان ہے، چنانچہ وہ اس حدیث کی تخریج کے بعد فرماتے ہیں:

"في هذا دليل على أنه الخليفة بعد النبي صلى الله عليه وسلم؛ لأنه حسَم بقوله "سدّوا عَنّي كلَّ خوخةٍ في المسجد" اطماعَ الناس كلّهم عن أن يكونوا خُلفاء بعده"(۲).

اس حدیث میں اس بات پر دلالت ہے کہ ابوبکر ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ ہیں کیونکہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے اس ارشاد "سدّوا عَنّي......" سے تمام لوگوں کی اس خواہش اور چاہت کو کاٹ دیا اور اس کی نفی کردی کہ وہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے بعد خلیفہ ہوں گے، سوائے ابوبکر کے۔

کیا حضرت ابوبکر کا گھر مسجد نبوی کے ساتھ نہیں تھا؟

بعض لوگوں نے اس "باب" اور "سدّ ابواب" کو ازقبیل کنایہ قرار دینے کی تائید میں یہ بھی کہا ہے کہ حضرت ابوبکر کا گھر تو "عوالی" میں تھا پھر یہ کیسے کہا جارہا ہے کہ ان کی کھڑکی کھلی رکھی گئی اور اس سے خلافت کا

(۱) فتح الباري: ۱۷/۹

(۲) فتح الباري: ۱۹/۷، دار السلام

اثبات پھر کیونکر صحیح ہوگا......؟ تاہم یہ بات ضعیف ہے اور اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوبکر کا اگر عوالی مدینہ میں گھر تھا تو اس سے یہ کیسے معلوم ہوا کہ ان کا مسجد سے متصل مکان نہ تھا، بے شک ان کا وہاں بھی گھر تھا اور ادھر مسجد سے متصل بھی۔

عوالی کا ان کا گھر دراصل ان کے سسرال کا تھا جو انصار میں سے تھے اور آپ کی حضرت امّ رومان کے علاوہ بھی ایک بیوی تھی، اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا۔

''سدّ باب'' سے مجازی معنی مراد لینے کی تردید

محِب طبری ابن حبان وغیرہ کی رائے کی تردید کرتے ہیں اور فرماتے ہیں، عمرو بن شبہ ''اخبار المدینۃ'' میں فرماتے ہیں کہ وہ گھر جس کی کھڑکی کھلا رکھنے کا حدیث میں ذکر ہے وہ مسجد کے قریب اور اس سے متصل تھا اور برابر حضرت صدیق کے پاس رہا تا آنکہ بعض وفود کو کچھ دینے کی حضرت ابوبکر کو ضرورت پیش آئی اور انہوں نے اس گھر کو بیچا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے اس کو چار ہزار درہم میں خریدا، پھر جب بعد میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں ان سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ اپنا یہ گھر مسجد میں شامل کرنے کے لئے دے دیں تو انہوں نے اس کی وجہ سے مسجد میں جانے کا راستہ ختم ہوجانے اور بقیہ گھر کے ناکافی ہوجانے کے اندیشے کی بناء پر معذرت کرلی، پھر انہیں جب اس سے زیادہ کھلے گھر کی اور اس سے مسجد میں آنے جانے کے راستے کی سہولت پیش کی گئی تو وہ یہ گھر دینے پر آمادہ ہوگئیں اور وہ مسجد میں شامل ہوگیا(۱)۔ اس سے معلوم ہوا کہ گھر اور اس کا دروازہ حقیقی ہے مجازی نہیں۔

طبرانی کی روایت میں ''إلا باب أبي بكر'' کے بعد ''فإني رأيت عليه نوراً'' کا اضافہ بھی منقول ہے(۲)۔

بعض روایات میں اس خصوصیت کا حضرت علی کے لئے ثبوت

بعض روایات میں کھڑکی کھلا رکھنے کا یہ استثناء حضرت علی کے لئے ثابت ہے، جو ظاہر ہے اس حدیث کا معارض ہے، چنانچہ احمد ونسائی نے بسند قوی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے، وہ

---

(۱) فتح الباري لابن حجر العسقلاني: ۱۹/۷

(۲) المعجم الأوسط للطبراني: ۱۱۵/۷، دار الحرمين قاهره

فرماتے ہیں:

"أمرنا رسولُ الله صلى الله عليه وسلم بسدّ الأبواب الشارعة في المسجد وتَركِ باب علي"(١).

ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تمام دروازے بند کرنے کے لئے فرمایا، جو مسجد میں کھلتے تھے اور مسجد میں جن سے آنا جانا ہوتا تھا اور حضرت علی کا دروازہ چھوڑ دیا۔

اور پھر یہی نہیں کہ رسول اللہ نے اس کا دروازہ بند نہیں کیا اور دوسروں کے بند کر دیئے، بلکہ طبرانی نے المعجم الأوسط میں ثقہ رواۃ سے یہ اضافہ بھی نقل کیا ہے:

"فقالوا يارسولَ الله! سددتَ ابوابَنا، فقال ما أنا سددتُها ولكنَّ الله سدّها"(٢).

لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اللہ کے رسول! آپ نے ہمارے دروازے بند کر دیئے، آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا، میں نے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے بند کئے ہیں۔

اور زید بن ارقم کی روایت ہے، وہ فرماتے ہیں:

"كان لنَفرٍ من الصَّحابة أبواب شارعة في المسجد فقال رسولُ الله صلى الله عليه وسلم سدُّوا هذه الأبوابَ إلا بابَ علي، فتكلّم ناس في ذلك فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم إني والله ماسددتُ شيئاً ولا فتحتُه ولكن أمِرتُ بشيء فاتبعته".

یہ روایت بھی احمد، نسائی اور حاکم وغیرہ نے نقل کی ہے اور اس کے رجال کو ثقہ قرار دیا ہے(٣)۔

یہاں بھی وہی مضمون ہے کہ کچھ صحابہ تھے جن کے دروازے مسجد میں کھلتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علی کے دروازے کے علاوہ ان تمام دروازوں کو بند کر دو، اس پر کچھ لوگوں نے بات کی اور آپ صلی

---

(١) مسند احمد (مسند سعد بن أبي وقاص)، رقم الحديث: ١٤٢٩

(٢) المعجم الاوسط للطبراني، (مَن اسمه علي): ١٨٦/٤، دارالحرمين قاهره

(٣) مسند احمد: ١٤/٣٢، السنن الكبرى للنسائي: ١١٨/٥، مستدرك حاكم، رقم الحديث: ٨٤٢٣

اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں نے تو بخدا نہ کوئی چیز بند کی ہے اور نہ کھولی ہے، لیکن اللہ کی طرف سے مجھے ایک چیز کا حکم دیا جاتا ہے سو میں اس کی پیروی کرتا ہوں۔

احمد و نسائی نے ثقہ راویوں سے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی روایت نقل کی ہے:

"أمَر رسولُ الله صلى الله عليه وسلم بأبواب المسجد فسدت إلا باب علي"(١).

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مسجد کے دروازے بند کر دیئے جائیں، چنانچہ وہ بند کر دیئے گئے، سوائے علی کے دروازے کے۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

"وأمَر بسدّ الأبواب غير باب علي فكان يدخل المسجدَ وهو جُنب ليس له طريق غيره"(٢).

آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے علي کے دروازے کے علاوہ تمام دروازوں کو بند کرنے کا حکم دیا۔ اور علي مسجد میں جنابت کی حالت میں بھی جاتے تھے، ان کا اس کے علاوہ کوئی راستہ نہ تھا۔

اسی سے ملتے جلتے الفاظ حضرت جابر بن سمرہ سے بھی منقول ہیں، جس کی تخریج طبرانی نے کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"أمرَنا رسولُ الله صلى الله عليه وسلم بسدّ الأبواب كلها غير باب علي، فربّما مرّفيه وهو جنب"(٣).

امام احمد نے بسند حَسَن ابن عمر سے روایت کی ہے، وہ فرماتے ہیں:

"كنا نقول في زمنِ رسول الله صَلى الله عليه وسلَّم، "رسول الله صلى الله عليه وسلم خيرُ الناس ثم ابوبكر ثم عمرُ، ولقد أعطي علي بن أبي

(١) مسند احمد: ٤١/٣٢، السنن الكبرى للنسائي: ١١٨/٥

(٢) المعجم الأوسط: ١٨٦/٤

(٣) السنن الكبرى للنسائي: ١١٨/٥

طالب ثلاث خصال؛ لأن يكون لي واحدة منهن أحب إلي من حُمر النعم، زوَّجه رسول الله صلى الله عليه وسلم ابنته، وولدت له وسدَّ الأبواب إلا بابه في المسجد وأعطاه الراية يومَ خيبر"(۱).

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب لوگوں سے بہتر ہیں، پھر ابوبکر پھر عمر بہتر ہیں، اور علی کو تین خصلتیں ایسی دی گئی ہیں کہ ان میں سے ایک بھی اگر مجھے ملتی تو مجھے یہ سرخ اونٹوں سے زیادہ پسند ہوتا، ایک تو ان کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی ہے اور ان سے ان کے بچے بھی ہیں اور (دوم) ان کے لئے مسجد میں کھلنے والا ان کا دروازہ کھلا رکھا گیا اور دوسروں کے دروازے بند کردیئے گئے اور (سوم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن انہیں کو جھنڈا دیا۔

اسی طرح نسائی نے علاء بن عرار سے روایت نقل کی ہے، جس میں یہ الفاظ آئے ہیں:

"فقلتُ لابن عمرَ أخبرني عن علي وعثمان" میں نے ابن عمر سے کہا، مجھے علی اور عثمان کے بارے میں بتایئے، انہوں نے یہی حدیث ذکر فرمائی اور پھر کہا:

"وأما علي فلا تسأل عنه أحداً وانظر إلى منزلَتِه مِن رسولِ الله صلى الله عليه وسلم قد سد ابوابنا في المسجد وأقرَّ بابه"(۲).

رہے علی تو ان کے متعلق کسی سے نہ پوچھ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ان کے مقام ومرتبے کو دیکھئے کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے مسجد میں ہم سب کے دروازے بند کردیئے اور ان کا دروازہ برقرار رکھا۔

اس روایت کے سارے رجال صحاح کے رُوات ہیں سوائے علاء کے اور ان کی بھی یحیٰ بن معین وغیرہ نے توثیق کی ہے(۳)۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں ان تمام روایات میں سے ہر ایک اس قابل ہے کہ اس سے استدلال کیا

---

(۱) مسند احمد (مسند عبدالله بن عمر)، رقم الحديث: ٤٥٦٦

(۲) السنن الكبرى للنسائي: ١١٨/٥

(۳) تهذيب الكمال: ٥٢٨/٢٢

جائے اور مجموعہ تو ہے ہی ایسا کہ اس سے حضرت علی کے لئے درج بالا فضیلت ثابت ہوتی ہے(۱)۔

ابن جوزی کا تعصب

جب کہ علامہ ابن جوزی نے ان روایات کو موضوعات میں شمار کیا ہے، چنانچہ سعد بن ابی وقاص، زید بن ارقم اور بعض طرق سے ابن عمر کی احادیث کی انہوں نے تخریج کی اور پھر ان کے بعض راویوں میں کلام فرمایا اور اس طرح ان احادیث کو معلول قرار دے دیا(۲)۔

لیکن حافظ ابن حجر فرماتے ہیں، ابن جوزی کا یہ اعتراض درست نہیں اور ان احادیث کی صحت پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ وہ متعدد طرق سے مروی ہیں اور ظاہر ہے کلام تمام طرق میں نہیں ہے۔ ایسا ہی انہوں نے اس بناء پر بھی ان احادیث کو ناقابل استدلال قرار دیا ہے کہ یہ ان صحیح احادیث کے مقابلے میں آ رہی ہیں جو حضرت ابوبکر کے حوالے سے منقول ہیں اور ان (ابن جوزی) کا خیال ہے کہ یہ احادیث روافض نے ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ کے بارے میں وارد ہونے والی احادیث کے مقابلے میں وضع کی ہیں (گھڑی ہیں) حافظ صاحب فرماتے ہیں ابن جوزی اس میں بری طرح چوک گئے ہیں اور سراسر غلط رائے انہوں نے قائم کی، چنانچہ محض اپنے وہم کی بنیاد پر انہوں نے صحیح احادیث کو مسترد کیا اور کہا یہ صحیح احادیث کے معارض اور مقابل ہیں، اس لئے یہ مردود ہیں۔

جب کہ تعارض کی صورت میں جب تطبیق ممکن ہو تو تطبیق کی جائے گی اور یہاں تطبیق ممکن ہے(۳)۔

احمد امین مصری کی جاہلانہ رائے

احمد امین مصری مشہور عربی ادیب ہیں، مگر ادیب ہونے کے ساتھ وہ مستشرقین سے بھی بڑے متاثر معلوم ہوتے ہیں اور استشراق کا زہر ان پر ایسا اثر انداز ہوا ہے کہ اس کے نتیجے میں وہ بعض مرتبہ ایسی باتیں بھی کر جاتے ہیں جو کسی طرح قابلِ قبول نہیں ہوتیں، یہاں انہوں نے یہ کہہ دیا کہ ''سدِّ ابواب'' سے استثناء کی یہ

---

(۱) فتح الباري: ۷/ ۲۰، دار السلام، "سد باب" کے حوالے سے مولانا ادریس کاندھلوی فرماتے ہیں کہ اس کا حکم دو مرتبہ دیا گیا ہے پہلی مرتبہ اس سے حضرت علی کا استثناء ہوا اور دوسری مرتبہ حضرت ابوبکر کا، اور حضرت علی کے حوالے سے باب سے مراد حقیقی جبکہ ابوبکر کے متعلق باب سے مجازی (یعنی خوخہ) مراد ہے التعلیق الصبیح: ۷/ ۳۶۵

(۲) كتاب الموضوعات لابن الجوزي، باب فضائل علي: ۱/ ۲۷۳، ۲۷۵، دار الكتب العلمية بيروت

(۳) فتح الباري: ۷/ ۲۰، دار السلام

خصوصیت ابوبکر اور علی میں سے کسی کو بھی نہیں حاصل، تاہم علویین نے یعنی جو حضرت علی کے ہم نوا تھے، انہوں نے ان کی فضیلت ومنقبت میں یہ روایت گھڑ لی "سدّوا هذه الأبواب كلها إلا باب علي" اور جو لوگ حضرت ابوبکر کے ہم خیال اور موافقین تھے، انہوں نے حضرت صدیق کے متعلق "سدّوا هذه الأبواب الا باب أبي بكر" کی روایت گھڑ لی اور حقیقت میں ان روایات کا کوئی اصل نہیں ہے(۱)۔

احمد امین صاحب کی یہ بات بالکل غلط اور عقل ودانش سے بہت بعید ہے کیونکہ اس حوالے سے جو روایات منقول ہیں، وہ نہایت قوی اور مضبوط ہیں اور ان کے ہوتے ہوئے ایسی بات کہنا بالکل مناسب نہیں ہے اور رہی بات تعارض کی تو اس کا حل تطبیق ہے اور یہاں تطبیق ممکن ہے۔

روایات میں تطبیق

بزار نے اپنی مسند میں ان متعارض روایتوں کے درمیان تطبیق کی طرف اشارہ فرمایا ہے، وہ کہتے ہیں اہل کوفہ کی حَسن درجے کی روایات سے حضرت علی کی فضیلت ثابت ہے جب کہ اہل مدینہ کی روایات سے حضرت ابوبکر کی فضیلت ثابت ہے، اب اگر اہل کوفہ کی روایات ثابت ہوجائیں تو پھر جمع بین الروایات کی صورت وہ ہوگی جس کی طرف حضرت ابوسعید خدری کی روایت میں اشارہ ہے۔

ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے فرمایا:

"لا يَحلُّ لأحد أن يُجنِبَ في هذا المسجدِ غيري وغيرك"(۲).

میرے اور آپ (حضرت علی) کے علاوہ کسی کے لئے اس مسجد کو جنابت کی حالت میں عبور کرنا جائز نہیں ہے۔

اس کا مطلب یہی ہے کہ حضرت علی کے گھر کا وہی ایک دروازہ تھا جو مسجد میں کھلتا تھا اور کوئی دوسرا اس کا دروازہ نہیں تھا، اس لئے ان کو دروازہ بند کرنے کے لئے نہیں فرمایا کیونکہ اس سے وہ مشکل میں پڑ جاتے بلکہ یہ ممکن ہی نہ تھا۔

اس کی اور ایک روایت سے بھی تائید ہوتی ہے جو قاضی اسماعیل نے ''احکام القرآن'' میں مطلب بن عبداللہ بن حنطب کے طریق سے نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں:

---

(۱) فجر الاسلام لأحمد امين، ص: ۲۰۶، دار الكتب العلمية بيروت

(۲) رواه الترمذي، سنن الترمذي، باب قول النبي لِعليٍّ أنت مِنيّ وأنا منك، رقم: ۴۰۹۳

"أن النبي صلى الله عليه وسلم لم يأذن لأحد أن يمرَّ في المسجد وهو جُنب إلا لعلي بن أبي طالب؛ لأنّ بيتَه كان في المسجد"(۱).

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو جنابت کی حالت میں مسجد سے گزرنے کی اجازت نہیں دی، سوائے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے، کیونکہ ان کا گھر ہی مسجد میں تھا۔

تو خلاصہ جمع بین الروایات کا یہ ہوا کہ سدّ ابواب کا حکم دو مرتبہ دیا گیا، پہلی مرتبہ اس سے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا استثناء ہوا اور وہ اس لئے کہ ان کا باہر آنے جانے کا کوئی دوسرا راستہ ہی نہ تھا اور دوسری مرتبہ بند کرنے کا حکم جو آیا اس سے سیدنا ابوبکر کو مستثنیٰ کیا گیا اور اس سے مقصود تھا ان کی خصوصیت اور استحقاقِ خلافت کا اظہار، تاہم حافظ ابن حجر فرماتے ہیں جمع بین الرّوایات کی اس صورت میں ایک اضافہ کرنا ہوگا اور وہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر کے قصے میں "باب" اپنے حقیقی معنی پر محمول نہیں ہوگا بلکہ مجازاً اس سے "خوخہ" یعنی کھڑکی مراد ہوگی، دراصل ہوا یہ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام دروازے بند کرنے کا حکم جاری فرمایا تو حضرت علی کے باب کو مستثنیٰ کیا پھر لوگوں نے مسجد میں قریب سے آنے کے لئے کھڑکیاں بنالیں اور ان کو استعمال کرنا شروع کردیا، تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام کھڑکیاں بھی بند کرنے کا حکم دیا اور ابوبکر کو اس حکم سے مستثنیٰ کردیا، اب کھڑکیاں اور بابِ علی سب بند ہوگئے اور ظاہر ہے استثنا کسی اختصاص، امتیاز اور وجۂ ترجیح کی بناء پر ہوگا اور وہ اختصاص یہی ہے کہ حضرت ابوبکر خلافت کے مستحق اور اس پر متمکن ہونے والے تھے، سو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوبکر کے استحقاق خلافت بلافصل کو ظاہر کرنے کے لئے سدّ ابواب کے عام حکم سے حضرت ابوبکر کا استثناء فرمایا(۲)۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

اس پر ایک اشکال وارد ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گھر تو "سنح" نامی مقام پر تھا، جو کہ عوالی مدینہ میں تھا پھر ان کے گھر کا دروازہ یا خوخہ مسجد نبوی میں کیسے کھلتا تھا، یہ سمجھ آنے والی بات نہیں ہے......؟

اس کا جواب یہ ہے کہ "سنح" میں ان کا گھر ہونے سے یہ کیسے لازم آتا ہے کہ ان کا مسجد نبوی سے متصل

---

(۱) فتح الباري: ۱۸/۹

(۲) فتح الباري: ۲۰/۷، دار السلام

گھر نہ ہو۔ لہٰذا یہ اعتراض ضعیف ہے اور حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابوبکر کا گھر مسجد نبوی کے قریب اور اس سے متصل تھا اور سنح میں ان کی سسرال والوں کا گھر تھا، سسرال والے انصار تھے (۱)۔

بعض فوائد حدیث

حدیث مذکور میں کئی دوسرے فوائد بھی ہیں، مثلاً حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی غیر معمولی فضیلت اور ان کا اس بات کا اہل ہونا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اپنا خلیل بنائیں، اسی طرح یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ''خُلت'' ایک خاص وصف ہے جو عدم مشارکت کا تقاضا کرتا ہے، یعنی ایک شخص کے دو خلیل نہیں ہو سکتے اور ایک شخص دو آدمیوں کا خلیل نہیں ہو سکتا۔

یہ بھی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مساجد کو راستے کے طور پر استعمال کرنا بغیر کسی اہم ضرورت کے شرعاً صحیح نہیں ہے۔

اسی طرح حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سامعین کے اذہان بیدار کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح کے بجائے ایک خاص طریقے سے حضرت ابوبکر کی فضیلت کی طرف اشارہ کیا اور اس بات پر تنبیہ کی گئی ہے کہ علماء میں سمجھ کے اعتبار سے تفاوت ہوتا ہے اور ''اُعلم'' کہلانے کا مستحق وہ ہوتا ہے جو فہم میں دوسروں سے ممتاز ہوتا ہے۔ یہ بھی حدیث میں بتایا گیا کہ آخرت کو دنیا پر ترجیح دینی چاہیے، محسن کا شکریہ ادا کرنا چاہیے اور اس کی تعریف و توصیف کرنا چاہیے۔

ابن بطال فرماتے ہیں اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امارت وخلافت کا امیدوار ضروری ہے کہ کسی خصوصیت اور امتیاز کا حامل ہو (۲)۔

٤ - باب : فَضْلِ أَبِي بَكْرٍ بَعْدَ النَّبِيِّ ﷺ .

٣٤٥٥ : حدَّثنا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ : حَدَّثَنَا سُلَيْمانُ ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنِ ٱبْنِ عُمَرَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُما قالَ : كُنَّا نُخَيِّرُ بَيْنَ النَّاسِ فِي زَمَنِ النَّبِيِّ ﷺ ، فَنُخَيِّرُ

(۱) فتح الباري: ۱۹/۷، دار السلام

(۲) فتح الباري: ۷/۲۰، ۲۱

(٣٤٥٥) الحديث أخرجه البخاري في صحيحه: ٥١٦/١، كتاب فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه =

أَبَا بَكْرٍ ، ثُمَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ ، ثُمَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ. [٣٤٩٤]

تراجم رجال

عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ

یہ عبدالعزیز بن عبداللہ الاُویسی ہیں۔ان کے احوال گزر چکے ہیں(۱)۔

سُلَيْمَانُ

یہ سلیمان بن بلال القرشي التيمي ہیں۔ان کے احوال "كتاب العلم، باب طرح الإمام المسئلة على أصحابه ليختبر ماعندهم مِن العلم" میں گزرے ہیں(۲)۔

يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ

یہ یحییٰ بن سعید الاُنصاری ہیں۔ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب صوم رمضان احتساباً مِن الإيمان" میں گزر چکے ہیں(۳)۔

نَافِع

نافع مولیٰ عبداللہ بن عمر مراد ہیں،ان کے حالات گزر چکے ہیں(۴)۔

ابْنِ عُمَرَ

یہ عبداللہ بن عمر صحابیٔ رسول ہیں۔ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب الإيمان وقول النبي

= وسلم ، باب فضل أبي بكر بعد النبي صلى الله عليه وسلم ، رقم: ٣٦٥٥، وفي: ١/٥٢٢، كتاب فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم ، باب مناقب عثمان بن عفان، رقم: ٣٦٩٨، وأبو داود في سننه: ٢/٢٨٠، كتاب السنة، باب في التفضيل، رقم: ٤٦٢٧، و: ٤٦٢٨، والترمذي في جامعه: ٢/٢١١، أبواب المناقب، باب مناقب عثمان بن عفان رضي الله عنه ، رقم: ٣٧٠٧

(١) دیکھئے،صحيح البخاري، كتاب العلم، باب الحرص على الحديث، حديث: (٩٩).

(٢) كشف الباري: ٣/١٣٧

(٣) كشف الباري: ٢/٣٣١

(٤) كتاب العلم، باب من أجاب السائل بأكثر مما سأله......

صلى الله عليه وسلم بُني الإسلام على خمسٍ" میں گزر چکے ہیں(۱)۔

خلفاء اربعہ میں جو ترتیبِ خلافت ہے، وہی ترتیبِ فضیلت ہے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مقام اور مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس بات پر اجماع ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل حضرت صدیق اکبر ہیں اور اہل سنت والجماعت میں تقریباً اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ خلفاء اربعہ میں ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی اور علی المرتضی رضی اللہ عنہم وأرضاہم اجمعین کی جو ترتیب خلافت کی ہے، وہی ترتیب فضیلت کی ہے(۲)۔

امام احمد بن حنبل کا قول

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت "الخلافة بعدي ثلاثون سنةً"(۳) سے ترتیب خلافت پر استدلال کیا ہے۔ ابوداود کی روایت میں "خلافة النبوة بعدي ثلاثون سنة" کے الفاظ بھی وارد ہیں(۴)۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت اور ان کے خلیفہ رابع ہونے پر امام احمد بن حنبل نے اسی حدیث کو دلیل میں پیش کیا ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "من لم يربّع بعلي فهو أضل من حمارِ أهله"(۵).
جو شخص حضرت علی کو چوتھا نمبر نہ دے اور انہیں خلیفہ رابع تسلیم نہ کرے وہ اپنے پالتو گدھے سے بھی زیادہ بے وقوف ہے۔ خوارج اور روافض کی طرف اشارہ ہے۔

مجدد الف ثانی کی رائے، اور ائمہ اربعہ کا مذہب

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوبات میں حضرات ائمہ اربعہ سے نقل کیا ہے

---

(۱) كشف الباري: ۱/۶۳۷

(۲) فتح الباري: ۹/۲۰

(۳) مسند احمد حديث (۲۱۹۷۸)

(٤) فتح الباري: ۹/۱۸

(٥) مسند احمد: ٥/۲۲۱، موسسة قرطبة القاهرة، وفتح الباري: ۹/۱۸

کہ جو ترتیب خلافت ہے وہی ترتیب فضیلت ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس مسئلے میں امام مالک اور امام ابوحنیفہ سے کچھ مختلف روایات بھی منقول ہیں۔ حضرت ابوبکر، حضرت عمر سے افضل ہیں، حضرت عمر حضرت عثمان سے افضل ہیں اور حضرت عثمان اور حضرت علی میں اختلاف ہے کہ آیا عثمان افضل ہیں یا حضرت علی۔ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ حضرت عثمان افضل ہیں، یہی امام مالک کی آخری روایت ہے اور اس کی طرف انہوں نے رجوع فرمایا ہے جیسا کہ قاضی عیاض اور قرطبی نے نقل کیا ہے اور یہی امام ابوحنیفہ کی روایت مشہورہ ہے اور ہمارے اصحاب اسی کو نقل کرتے ہیں (۱)۔

دوسری روایت امام مالک سے توقُّف کی منقول ہے اور یہی ایک روایت امام ابوحنیفہ کی طرف بھی منسوب ہے۔ چنانچہ امام صاحب نے اہل سنت والجماعت کی جو علامتیں بیان کی ہیں، ان میں "أن تفضّل الشيخَين وتحبَّ الختَنين وترى المسحَ على الخفَّين" کے الفاظ آئے ہیں، یہاں فضیلتِ شیخین کو علامات اہل سنت میں شمار کیا ہے، مگر ختنین (دو دامادوں) یعنی عثمان رضی اللہ عنہ وعلی رضی اللہ عنہ میں سے کسی کی فضیلت کو ضروری نہیں قرار دیا گیا۔

تاہم مجدد الف ثانی نے اس توقُّف کی ایک خاص وجہ بتائی ہے وہ فرماتے ہیں کہ امام صاحب کا مقصود اس سے توقُّف نہیں ہے، بلکہ اصل میں حضرات شیخین کے بعد ختنین کے متعلق لوگوں کی طرح طرح کی بدگمانیاں پیدا ہوئی تھیں، کوئی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر طرح طرح کے تبصرے کرتا تھا تو کوئی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق اُلٹے سیدھے تبصرے کرتا تھا، ایسے میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اہل سنت والجماعت میں سے ہونے کے لئے یہ علامت ضروری قرار دی کہ ختنین سے محبت کی جائے (۲)۔

قاضی ابوبکر ابن الباقلانی، امام الحرمین اور ابوالعباس القلانسی سے بھی توقُّف کا قول نقل کیا گیا ہے (۳)۔

تفضیلِ علی کا قول

دو قول ہو گئے، ایک یہ کہ حضرت عثمان حضرت علی سے افضل ہیں اور دوسرا قول توقف کا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ حضرت علی حضرت عثمان سے افضل ہیں اور اس قول کے قائل بہت سارے علماء ہیں، سفیان ثوری سے بھی یہی قول نقل

---

(۱) شرح العقيدة الطحاوية، ص: ٤٨٥

(۲) المكتوبات الربانية: ٢/٣٦٦، مكتوب نمبر ٣٤٩، دار الكتب العلمية بيروت

(۳) شرح العقيدة الطحاوية (٤٨٦)

کیا گیا ہے لیکن کہا گیا ہے کہ حضرت سفیان نے اپنے اس قول سے رجوع کرلیا تھا(۱)۔ابن خزیمہ اوران سے پہلے اور ان کے بعد ایک جماعت اور بھی اس کی قائل رہی ہے(۲)۔حافظ شمس الدین ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ محدث ابوالفضل سلیمان فرماتے ہیں کہ اُعمش اور نعمان ابن ثابت (یعنی امام ابوحنیفہ) شعبہ،عبدالرزاق، ابن ہمام، عبیداللہ بن موسیٰ عبدی، عبدالرحمن ابن ابی حاتم الرازی اور دوسرے بعض لوگ حضرت علی کو حضرت عثمان سے افضل قرار دیتے تھے(۳)۔اس سے معلوم ہوا کہ اہل سنت میں ایک جماعت حضرت علی کی تفضیل کی قائل ہے۔

عثمان کے خلافت سے پہلے مفضول اور بعد میں اُفضل ہوجانے کا قول

یہاں ایک چوتھا قول شمس الائمہ سرخسی نے شرح سیر کبیر میں نقل کیا ہے کہ خلافت سے پہلے حضرت علی حضرت عثمان سے افضل تھے،لیکن خلافت ملنے کے بعد حضرت عثمان حضرت علی سے افضل ہوگئے۔شمس الدین السرخسی فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک مذہب یہ ہے کہ حضرت عثمان،حضرت علی سے قبل الخلافۃ اور بعد الخلافۃ افضل تھے(۴)۔امام احمد بن حنبل سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ خلفاء اربعہ میں جو ترتیب خلافت کی ہے، وہی ترتیب فضیلت کی بھی ہے،یہ قول حافظ ابن عبدالبر نے امام احمد اور حافظ ابوزرعہ الرازی سے نقل کیا ہے(۵)۔

خلافت اور فضیلت میں فرق کا قول

امام احمد بن حنبل سے ایک روایت ابن عبدالبر نے یہ بھی نقل کی ہے کہ انہوں نے خلافت اور فضیلت میں فرق کیا ہے،خلافت میں تو وہ تربیعِ علی کے قائل ہیں،لیکن تفضیل میں وہ حضرت عثمان کے بعد سکوت کرتے

---

(۱) فتح الباري: ۱۹/۷، مزید تفصیل کے لئے دیکھئے،شرح الفقه الأكبر لعلي القاري، ص: ۱۱۳، دارالكتب العلمية بيروت، نیز مجموع الفتاوی لابن تیمیه: ۲۲۰/٤

(۲) فتح الباري: ۱۹/۷

(۳) ميزان الاعتدال للذهبي: ۵۸۸/۲، رقم الترجمة (٤٩٦٥)، ترجمة عبدالرحمن بن أبي حاتم، دار إحياء الكتب العربية، مطبوعة: ۱۹٦۳

(٤) شرح كتاب السير الكبير: ۱۱۱/۱، دارالكتب العلمية بيروت

(۵) فتح الباري: ۱۹/۷

تھے۔اس لئے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے:

"كنا نخيِّر بين الناس في زمانِ رسول الله صلى الله عليه وسلم فنخيِّر أبابكر، ثم عمرَ ثم عثمانَ"(۱).

اور بعض روایات میں اس کے بعد یہ بھی وارد ہے،"ثمَّ نتركُ اصحابَ النبي صلى الله عليه وسلم لا نفاضلُ بينهم"(۲) لیکن حافظ ابن عبدالبر نے اس روایت پر بڑی شدومد کے ساتھ نکیر کی ہے اور فرمایا اس میں تو کوئی اختلاف ہی نہیں ہے کہ حضرت علی، حضرت عثمان کے بعد باقی سارے اصحاب سے افضل ہیں۔پھر حضرت عثمان کے بعد سکوت کے کیا معنی؟

امام غزالی کا قول

امام غزالی"إحیاء علوم الدین"میں فرماتے ہیں:

"الأصل الثامن: إنَّ فضلَ الصحابة رضي الله عنهم على حَسبِ ترتيبِهم في الخلافة"(۳).

تفضیلِ عثمان اور تفضیلِ علی دونوں کی اجازت

امام یحییٰ بن معین نے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

"مَن قال: ابوبكر، وعمر، وعثمان، وعلي وعرَف لعلي سابقيّته، وفضلَه فهو صاحب سنَّةٍ، ومن قال ابوبكر وعمر وعلي وعثمان وعرَف لعثمان سابقيّته فهو صاحب سنَّة"(٤).

یہاں یحییٰ بن معین نے تفضیل عثمان اور تفضیل علی دونوں کے قائلین کو اہل سنت میں سے قرار دیا ہے،

---

(۱) جامع الأصول في احاديث الرسول: ۵۷۹/۸

(۲) جامع الأصول في احاديث الرسول: ۵۷۹/۸، رقم الحديث: ٦٣٩٤

(۳) اتحاف السادة المتقين: ۲۵٦/۲

(٤) فتح الباري: ۱۱٦/۷

حافظ ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن معین کے سامنے جب ابن عمر والی وہ روایت پیش کی تو یحییٰ بن معین کو بہت غصہ آیا اور انہوں نے سخت کلام کیا، حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ ابن معین فرماتے تھے کہ جس نے اس طرح کی بات کی ہے، اس نے اہل سنت کے اجماع کے خلاف بات کہی ہے، کیونکہ اہل سنت میں سلف وخلف سب اس بات پر متفق ہیں، خواہ وہ اہلِ فقہ ہوں یا اہل اثر اور محدثین کہ حضرت علی، حضرت عثمان کے بعد افضل الناس ہیں۔ لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی نے ابن عمر کی اس حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ ہوسکتا ہے دورِ صحابہ میں یہی (عثمان کے بعد توقف والی) بات رہی ہو اور یہ جو اِجماع ہے وہ بعد میں منعقد ہوا ہو۔ بعد میں منعقد ہونے والے اجماع کی وجہ سے وہ جو سکوت صحابہ کے زمانے میں حضرت عثمان کے بعد کیا جاتا تھا، اس کی نفی کیسے لازم ہوگی۔

علی کو عثمان سے افضل قرار دینا صحابہ کی توہین ہے

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں ایوب السختیانی، احمد بن حنبل اور دارقطنی فرماتے ہیں کہ جس نے علی کو عثمان سے افضل کہا اس نے صحابہ کی توہین کی، کیونکہ شہادت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد تمام صحابہ نے بالاجماع حضرت عثمان کو حضرت علی پر تفضیل اور ترجیح دے کر خلیفہ بنایا اب اگر حضرت علی کو افضل کہا جائے گا تو اس کا مطلب یا تو یہ ہوگا کہ مہاجر وانصار صحابہ ان کی افضلیت سے جاہل تھے اور یا مطلب یہ ہوگا کہ وہ سب اظہار حق سے قاصر وعاجز تھے اور یہ دونوں باتیں توہین صحابہ کے زمرے میں آتی ہیں (۱)۔

خلاصۂ کلام

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ حدیث باب میں ابوبکر اور عمر کی تخییر اور تفضیل کی صراحت ہے اور اس میں اہل سنت والجماعت میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، پھر حضرت عثمان کی بقیہ صحابہ کے مقابلے میں افضلیت کا ذکر ہے اس تفضیلِ عثمان کی صحت وثبوت میں بھی کوئی کلام نہیں ہے، ابن عبدالبر نے جو اس پر طعن کیا ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں، میرے خیال میں ابن عبدالبر نے اس زیادت پر اعتراض کیا ہے، جو عبیداللہ بن عمر کی روایت میں مذکور ہے اور وہ ابن عمر کے یہ الفاظ ہیں، ”ثم نترك أصحابَ رسول الله صلى الله عليه

(۱) مجموع الفتاوی لشیخ الاسلام: ۴/۲۲۰

وسلم ......".

لیکن ابن عبدالبر کی اس زیادت پر تنقید بھی قابل قبول نہیں ہے کیونکہ اس میں نافع متفرد نہیں ہے، بلکہ اس کا متابع موجود ہے، چنانچہ خیثمہ نے یوسف بن الماجشون عن أبیہ عن ابن عمر .... کے طریق سے نقل کیا ہے:

"كنّا نقول في عهدِ رسول الله صلى الله عليه وسلم: ابوبكر وعمر وعثمان ثم ندَع اصحابَ رسول الله صلى الله عليه وسلم فلا نفاضل بينهم"(۱).

ہم عہد نبوی میں کہا کرتے تھے ابوبکر اور عمر اور عثمان، پھر اصحاب رسول کو چھوڑ دیتے تھے اور ان میں تفاضل نہ کرتے (کسی کو افضل اور کسی کو مفضول نہ قرار دیتے) تھے۔

لیکن اس ترکِ تفاضل سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ صحابہ ان تین حضرات کے بعد کسی کی افضلیت کے قائل ہی نہ تھے یعنی ترک تفاضل سے عدم اعتقاد افضلیتِ علی رضی اللہ عنہ لازم نہیں آتا، جب کہ خود راوی حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اعتراف کیا ہے کہ خلفاء ثلاثہ کے بعد حضرت علی دوسرے صحابہ سے افضل تھے جیسا کہ باب سابق میں ہم ان کی حدیث ذکر کر چکے ہیں۔ بعض طرق میں ابن عمر کی اس روایتِ تخییر و تفضیل میں خلافت کی قید بھی لگائی گئی ہے، جیسا کہ ابن عساکر طبرانی وغیرہ نے عبداللہ بن یسار عن سالم عن ابن عمر کے طریق سے روایت کیا ہے:

"انكم لتعلمون انا كنّا نقول على عهدِ رسول الله صلى الله عليه وسلم ابوبكر وعمر وعثمان، يعني في الخلافة"(۲).

تم تو جانتے ہی ہو کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کہا کرتے تھے کہ ابوبکر اور عمر اور

---

(۱) المعجم الكبير للطبراني، رقم: ۱۳۰۰۳

(۲) ابوداود، كتاب الطب، رقم: ٤٦٢٧، والمعجم الكبير، رقم الحديث (۱۳۱۸۱) ومجمع الزوائد: ٥/۲۱۰، رقم ۸۹۱۳

عثمان، یعنی خلافت میں ان کی یہی ترتیب ہے کہ اول درجہ ابوبکر کا ہے پھر عمر کا اور پھر عثمان کا۔

اور عبیداللہ عن نافع عن ابن عمر کے طریق سے یوں مروی ہے:

"كنّا نقول في عهدِ رسول الله صلى الله عليه وسلم مَن يكون أولى الناس بهذا الأمر؟ فنقول: ابوبكر ثم عمر"(۱)

ہم عہد رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کہا کرتے تھے کہ اس امرِ خلافت کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ پھر ہم (بالاتفاق) یہ کہتے کہ سب سے پہلے نمبر پر ابوبکر، پھر عمر اس کار خلافت کی اہلیت اور استحقاق رکھتے ہیں۔

بعض دوسرے صحابہ کی افضلیت کے اقوال

بعض حضرات سے اس کے برعکس اقوال بھی منقول ہیں، مثلاً ایک قول یہ ہے کہ سب سے افضل صحابہ میں سے وہ ہیں جن کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں شہادت ہوئی اور بعض حضرات نے ان میں جعفر بن ابی طالب کا نام لیا ہے۔

بعض نے حضرت عباس کا نام لیا ہے مگر یہ جیسا کہ ظاہر ہے بالکل نا قابل قبول اور نا قابل اعتناء قول ہے۔ اس کا قائل اہل سنت میں سے تو کیا اہل ایمان میں سے بھی نہیں ہوسکتا۔

جب کہ بعض کا خیال یہ ہے کہ اَفضل الصحابہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور ان کی دلیل مناقب عمر کے عنوان کے تحت ذکر ہونے والی حدیث ہے، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک خواب کا ذکر ہے جس میں آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے حضرت ابوبکر کے متعلق فرمایا کہ ان کے نَزع (کنویں سے پانی نکالنے) میں ضعف تھا جب کہ عمر کے نَزع میں قوت اور کثرت تھی، مگر یہ بھی ایک نہایت بودا استدلال ہے۔

افضلیت بترتیب خلافت پر اجماع ہے

اور صحیح بات وہی ہے، جو بیہقی نے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کی ہے:

---

(۱) المعجم الكبير للطبراني، رقم: ۱۳۲۱۰

"أجمع الصحابة وأتباعهم على أفضلية أبي بكر ثم عمر ثم عثمان ثم علي"(١).

صحابہ اوران کے تابعین نے اس بات پراجماع اوراتفاق کیا ہے کہ سب سے افضل حضرت ابوبکر ہیں، پھر حضرت عمر، پھر حضرت عثمان اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین۔

یہی بات شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے بھی فرمائی (۲)۔

٥ – باب : قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ : (لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيلاً) .

قَالَهُ أَبُو سَعِيدٍ . [ر : ٤٥٤]

٣٤٥٧/٣٤٥٦ : حدّثنا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ : حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ : حَدَّثَنَا أَيُّوبُ ، عَنْ عِكْرِمَةَ ، عَنِ ٱبْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِنْ أُمَّتِي خَلِيلاً ، لَاتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ ، وَلٰكِنْ أَخِي وَصَاحِبِي) .

یہ کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پانچواں جب کہ فضائل أبی بکر کا چوتھا باب ہے۔ اوراس میں تقریباً ۲۳ روایات ہیں، تمام کا تعلق فضائل ابی بکر سے ہے، تاہم ہر روایت کی ترجمۃ الباب سے مناسبت واضح نہیں ہے اور ہر روایت میں الگ الگ فوائد بھی ہیں، جو اس کی ذیل میں بیان کئے جائیں گے۔ انشاءاللہ۔

ترجمۃ الباب سے مناسبت

اس پہلی روایت کی ترجمۃ الباب سے مناسبت تو بالکل واضح ہے اور باب کا مقصد بھی بالکل ظاہر ہے، یعنی حضرت ابوبکر کا امتیازی مقام اوران کا رسول اللہ کے خلیل ہونے کے استحقاق کا بیان (۳)۔

---

(١) اصول الدين عند الإمام أبي حنيفة لمحمد بن عبد الرحمن الخميس: ٤٧/١

(٢) مجموع الفتاوى: ٢٢٠/٤

(٣٤٥٦) الحديث سبق تخريجه في كتاب الصلاة، باب الخوخة والممر في المسجد......

(٣) عمدة القاري: ٢٤٦/١٦

قَالَهُ أَبُو سَعِيدٍ

یہ تعلیق باب نمبر۳، بـاب قـول الـنبـي "سدُّوا الابـواب إلا بـاب أبي بكـر" میں موصولاً مذکور ہے(۱)۔

تراجم رُواۃ

مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ

یہ مسلم بن ابراہیم القصاب الأزدي الفراہیدي البصري ہیں۔ان کے حالات "کتاب الإیمان، باب زيادة الإيمان ونقصانه" کے تحت گزر چکے ہیں (۲)۔

وُهَيْبٌ

وہب کی تصغیر ہے، وُہیب بن خالد بن عجلان الباہلی البصری مراد ہیں۔ان کے احوال بھی "کتاب الإيمان، باب تفاضل أهل الإيمان في الأعمال" میں گزر چکے ہیں (۳)۔

أَيُّوبُ

یہ ایوب بن أبی تمیمہ کیسان السختیانی البصری ہیں۔ان کے احوال "کتاب الإیمان، باب حلاوة الإيمان" میں گزر چکے ہیں (۴)۔

عِكْرِمَةَ

مشہور امام حدیث وتفسیر ابوعبداللہ عکرمۃ مولی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما مراد ہیں، ان کے احوال "کتاب العلم، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم "اللّٰهم علّمه الكتاب" کے تحت گزر

---

(۱) دیکھئے، صحيح البخاري، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم "سدُّو الابواب الاباب أبي بكر" حديث (٣٦٥٤).

(۲) دیکھئے، كشف الباري: ٤٥٥/٢

(۳) كشف الباري: ١١٨/٢

(٤) دیکھئے، كشف الباري: ٢٦/٢

چکے ہیں(۱)۔

ابنِ عَبَّاسٍ

ترجمان القرآن ابن عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما مراد ہیں۔ان کے احوال "بدء الوحي" کی چوتھی حدیث کے ذیل میں گزر چکے ہیں(۲)۔

کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی خلیل نہ تھا

لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيلًا ...... یہاں پہلی حدیث تو ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی ہے، جو تعلیقاً مذکور ہے اور دوسری حدیث حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے۔

جو یہاں تین طرق کے ساتھ مروی ہے، پہلے طریق میں الفاظ ہیں، "وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِنْ أُمَّتِي خَلِيلًا لَاتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ وَلٰكِنْ أَخِي وَصَاحِبِي" دوسرے طریق میں "وَلٰكِنْ أُخُوَّةُ الإِسْلَامِ أَفْضَلُ" کے الفاظ ہیں اور تیسرے میں بھی یہی الفاظ ہیں، مگر وہ روایت قتیبہ عن عبدالوہاب عن ایوب کے طریق سے ہے، یہاں اس حدیث کے دو جملے ہیں پہلے جملے میں جو شرط حرفِ لَو کے ساتھ لایا گیا ہے، اس کا مضمون یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو اپنا خلیل نہیں بنایا، خلیل بنائے جانے کی نفی ہے، اس میں ایک بات تو یہ قابلِ لحاظ ہے کہ اس سے مراد بھی نفي الخليل من الناس ہے، جیسا کہ متعدد روایات میں اس کی تصریح بھی ہے، مثلاً ایک روایت ہے ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس میں "غيرَ ربّي" کے الفاظ کا اضافہ ہے(۳)۔

اور ابن مسعود کی روایت جو صحیح مسلم میں ہے، اس میں یہ الفاظ ہیں: "ولكن صاحبَكم خليل الله"(٤) یہاں "غيرَ ربّي" کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں میں آپ کا کوئی خلیل نہ ہونا مراد ہے اور "وقد اتخذ الله......" سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں میں آپ کا کوئی خلیل نہ تھا۔ کیونکہ خلیل ایک ہی ہوتا ہے اور جب آپ علیہ الصلاۃ والسلام کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنا خلیل بنایا تو آپ کے خلیل بھی پھر صرف اللہ جل

(۱) دیکھئے، كشف الباري: ٣/٣٦٣

(٢) كشف الباري: ١/٤٣٥

(٣) فتح الباري: ٩/٢٦، ٢٧

(٤) صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل أبي بكر الصديق، رقم: ٦١٧٥

مجدہ ہی ہوئے، نہ کہ کوئی مخلوق۔

علامہ عینی نے ابوالحسن الحربی کی تخریج کردہ ایک روایت کا ذکر کیا ہے اور حافظ ابن حجر نے ابوالحسن الحربی کے حوالے سے اس کا ذکر کیا ہے۔ یہ أبي ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے جس کے الفاظ یوں ہیں:

"إنّ أحدث عهدي بنبيّكم قبل موته بخمس، دخلتُ عليه وهو يقول إنه لم يكن نبي وقد اتخذ من أمته خليلاً وإن خليلي ابوبكر، "ألا وان الله اتخذني خليلاً كما اتخذ ابراهيم خليلاً"(١).

میرا جو رسول اللہ کے ساتھ ملاقات کا قریب ترین زمانہ ہے، وہ آپ کے وصال سے پانچ روز قبل کا زمانہ ہے، میں آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس گیا جب کہ آپ فرمارہے تھے، ہر نبی نے اپنی امت میں سے ایک خلیل بنایا ہے اور میرے خلیل ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور سنو! اللہ تعالیٰ نے مجھے خلیل بنایا جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کو خلیل بنایا۔

یہ روایت حدیث باب کی معارض ہے کیونکہ اس میں خُلّتِ غیر اللہ کا اثبات ہے اور حدیثِ باب میں اس کی نفی ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں:

"هذا لايقاومُ الذي في الصحيح ولا يعارِضُه"(٢).

یہ مذکورہ روایت، حدیث باب کی معارض نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ صحیح کی روایت ہے جو روایتِ غیرِ صحاح کے مقابلے میں اَقوی ہے۔ اور پھر مسلم کی ایک روایت بھی اس روایتِ أبي بن کعب سے معارض ہے اس کے الفاظ ہیں: "انـي أبـرأ إلـى الله تـعالى أن يكون لي منكم خليل"(٣). میں اللہ تعالیٰ کے لئے اس بات سے براءت کا اظہار کرتا ہوں کہ تم میں سے میرا کوئی خلیل ہو، یہ جندب کی روایت ہے اور ان کے بھی یہ الفاظ ہیں

(١) عمدة القاري: ٢٢٧/١٦، وفتح الباري: ٢٧/٩

(٢) عمدة القاري: ٢٤٧/١٦

(٣) صحيح مسلم، باب النهي عن بناء المساجد على القبور، رقم: ١٢١٦

کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی وفات سے پانچ دن قبل یہ سنا ہے البتہ یہ ایک بات ہے اگر یہ کہا جائے کہ روایت اُبَي بن کعب اگر صحیح ہو تو پھر اس میں اور حدیثِ باب یا اس مضمون کی دوسری احادیث میں تطبیق کی کیا صورت ہوگی؟

ابوبکر کے رسول اللہ کا خلیل ہونے کا ثبوت

علامہ عینی فرماتے ہیں، دونوں روایتوں میں تطبیق اور عدمِ منافات کی صورت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ازراہِ انکسار اور تواضعاً للہ کسی بھی انسان کو خلیل بنانے سے براءت کا اظہار کیا مگر پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جب آپ کا خلیل بنانے کا شوق دیکھا تو آپ کو اس کی اجازت دے دی اور اس سے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اِکرام اور اعزاز بھی مطلوب تھا(۱)۔

یہی بات حافظ ابن حجر نے فرمائی اور کہا ہے کہ محبّ الطبری نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے(۲)۔

حافظ صاحب مزید فرماتے ہیں کہ ابو امامہ سے بھی اُبَی بن کعب کی روایت کی طرح روایت منقول ہے، اور ان میں کوئی فرق نہیں، سوائے اس کے کہ اس میں پانچ دن کی قید ہے، تاہم یہ دونوں روایتیں کمزور اور واہی ہیں(۳)۔

وَلَكِنْ أَخِي وَصَاحِبِي

بعض روایات میں الفاظ کا کچھ اختلاف بھی ہے، مثلاً ایک روایت میں "ولكنّه أخي وصاحِبي في الله تعالىٰ"(٤) کے الفاظ ہیں، بعض میں "ولكن أخوة الاسلام أفضل" آیا ہے(٥)، اسی طرح "باب قول النبي "سدّوا الأبواب إلا باب أبي بكر" میں ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کی ذیل میں "ولكن أخوة الإسلام ومودّته" "ولكن اخوّة الإيمان والإسلام أفضل" اور "ولكن هو أخي في

---

(١) عمدة القاري: ١٦/٢٤٧

(٢) فتح الباري: ٩/٢٧، بيروت

(٣) فتح الباري: ٩/٢٧، بيروت

(٤) فتح الباري: ٩/٢٧، بيروت

(٥) فتح الباري: ٩/٢٧، بيروت

الدين وصاحبي في السراء والضراء والحضر والسفر" کے بھی الفاظ ہیں(۱)۔

یعنی حضرت ابوبکر میرے خلیل تو نہیں ہیں لیکن میرے دینی بھائی اور راحت وتکلیف اور حضر وسفر کے میرے ساتھی ہیں۔

خُلّت کیا ہے؟

خُلّت اور اخوّت کے درمیان فرق اور افضل ومفضول کی بابت کچھ تفصیل تو ابوسعید خدری کی محولہ بالا روایت کی ذیل میں گزر چکی ہے، یہاں بھی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے خُلّت، مودّت، محبت، صداقت وغیرہ میں ترادف یا تفاوت کا ذکر کیا ہے، وہ فرماتے ہیں اہل لغت کا کہنا ہے کہ خُلّت کا مرتبہ سب سے بڑا اور اعلیٰ درجہ ہے، اسی کی طرف حدیث باب میں بھی اشارہ ہے اور وہ یوں کہ مقام خُلّت پر اگر کوئی ہوتا تو وہ یقیناً ابوبکر ہوتا، مگر آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا خلیل کوئی نہیں ہے، البتہ اخوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت ابوبکر کو حاصل ہے۔ پتہ چلا کہ خُلّت کا درجہ اخوّت سے بڑھ کر ہے۔اسی طرح یہ جو حدیث کے الفاظ ہیں، "لو كنتُ متخذاً خليلاً غيرَ ربّي" اگر میں اپنے رب کے علاوہ کسی کو خلیل بنانے والا ہوتا......اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ خُلّت کا درجہ سب سے بڑھ کر ہے کیونکہ خُلّت صرف اللہ سے ہوسکتی ہے، جب کہ محبت، صداقت، مودّت وغیرہ کا تعلق بندوں سے بھی ہوسکتا ہے، جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہ تعلق اپنے صحابہ سے تھا۔

مثلاً حضرت ابوبکر، حضرت عائشہ، حضرت فاطمہ، حضرات حسنَین وغیرہم سے مختلف موقعوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تعلق کے ثبوت کا اظہار فرمایا ہے(۲)۔

رسول اللہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی خُلّت ومحبت دونوں ثابت ہیں

یہاں یہ اشکال بھی نہیں ہونا چاہیے کہ خُلّت کا تعلق تو اللہ کا حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام سے بھی تھا، جب کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا تعلقِ محبت تھا، حالانکہ محمد رسول اللہ درجے میں تمام انبیاء ورُسُل سے افضل تھے، تو پتہ چلا کہ محبت خلت سے بڑھ کر ہے...... یہ اشکال اس لئے وارد نہیں ہونا چاہیے کہ ٹھیک ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اللہ کی محبت ثابت ہے، مگر اس کے ساتھ آپ کے لئے خُلّت بھی ثابت ہے اور

(۱) عمدة القاري: ۲۴۷/۱۶

(۲) فتح الباري: ۲۷/۹، بيروت

جب آپ خُلّت ومحبت کے لئے جامع ہیں تو پھر آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی افضلیت کی بناء پر درجہ محبت کی مرتبۂ خُلّت سے افضلیت کیوں کر ثابت ہوگی؟ واللہ اعلم (۱)۔

خلیل کا معنی اور مادۂ اشتقاق

زمخشری فرماتے ہیں:

"الخَليل هو الذي يوافقُك في خلالك ويسا يرُك في طريقِك أو الذي يسدُّ خلَلَك وتسد خللَه، أو يدا خلُك خلالَ منزلك"(۲).

یعنی خلیل اس آدمی کو کہا جاتا ہے جو تیرے ساتھ موافقت کرے، تیری خصلتوں میں، اور تیرے طریقے پر تیرے ساتھ چلے، یا پھر خلیل وہ ہے جو تیری کمی اور خلاء کو پُر کرے اور تم اس کی کمی کو پُر کرو اور یا خلیل وہ ہے جو تیرے ساتھ تیرے گھر کے اندر تک جائے۔

اور ظاہر ہے یہ تمام چیزیں قربِ تعلق اور حد درجہ باہمی مناسبت اور موافقت کی علامتیں ہیں اور زمخشری نے ان تمام وجوہ کو وجوہِ اشتقاق بنانے کو جائز قرار دیا ہے (۳)، اس سلسلے میں دوسرے بھی متعدد اقوال ہیں۔

ایک اور قول اس حوالے سے یہ ہے کہ خُلت کا اصل معنی ہے، "انقطاع الخَليل إلى خَليلِه" ایک دوست کا دوست کے لئے دوسروں سے کٹ جانا اور علیحدہ ہو جانا۔ دوسرا قول ہے، "الخَليل من يتخلّله سرُّك" خلیل وہ ہے جس کے پاس آپ کے راز ہوں، ایک اور قول ہے، "من لا يسع قلبُه غيرَك" جس کے دل میں تیرے سوا کسی کی وسعت اور گنجائش نہ ہو۔ ایک قول یہ ہے کہ خُلة کا اصل معنی استصفاء ہے، یعنی کسی کو صفی بنانا۔

یا خلیل کا معنی ہے "المختص بالمودة" جس کو محبت ومودت کے لئے خاص کیا جائے۔

ایک اور قول یہ ہے کہ خلیل کا اشتقاق اصل میں خَلّة بفتح الخاء سے ہے، جس کا معنی ہے، حاجت وضرورت، تو اس طرح پھر آدمی کا خلیل وہ ہوگا جس کی اسے حاجت اور ضرورت ہو اور احتیاج میں جس کی طرف

---

(۱) فتح الباري: ۲۷/۹، بيروت

(۲) تفسير كشاف: ۵۶۹/۱

(۳) فتح الباري: ۲۷/۹، بيروت

وہ رجوع کرے، لیکن یہ اس صورت میں ہوگا جب انسان انسان کا خلیل ہو اور جب انسان اللہ کا خلیل ہو، تو پھر "خُلۃ اللہ" کا معنی ہوگا، نصرة الله او عَون الله یعنی اللہ کی مدد و نصرت(۱)۔

(۳٤٥٧) : حدّثنا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ وَمُوسَى قالَا : حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ ، عَنْ أَيُّوبَ ، وَقالَ : (لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيلاً لَاتَّخَذْتُهُ خَلِيلاً ، وَلٰكِنْ أُخُوَّةُ الْإِسْلَامِ أَفْضَلُ) .

حدّثنا قُتَيْبَةُ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ ، عَنْ أَيُّوبَ مِثْلَهُ . [ر : ٤٥٥]

تراجم رجال

مُعَلّٰی بن أسد

یہ معلّٰی بن اسد ہیں۔ ان کے احوال "کتاب التیمم، باب المرأة تحیض بعد الإفاضة" میں گزر چکے ہیں(۲)۔

موسیٰ بن اسماعیل

ابوسلمۃ موسیٰ بن اسماعیل التبوذکی البصری مراد ہیں۔ ان کے کچھ احوال "بدء الوحی" میں گزر چکے ہیں(۳) اور کچھ "کتاب العلم، باب مَن اجاب الفُتیا بإشارة الید والرأس" میں(۴)۔

تبوذکی

"تبوذکی" ہی اکثر نسخوں میں وارد ہے اور یہی صحیح بھی ہے، جب کہ روایت ابی ذر میں تونخی آیا ہے، جس کو تصحیف قرار دیا گیا ہے(۵)۔

---

(۱) فتح الباري: ۹/۲۷، بيروت

(۳٤٥٧) الحديث سبق تخريجه في كتاب الصلاة، باب الخوخة والممر في المسجد......

(۲) کتاب الحيض، باب المرءة تحيض بعد الافاضة......

(۳) دیکھئے، کشف الباري: ۱/۴۳۳، ٤٣٤

(٤) دیکھئے، کشف الباري: ۳/٤٧٥

(٥) فتح الباري: ۷/۲۷

وُهَيْبٌ

یہ وہیب بن خالد الباہلی ہیں۔ان کے احوال "كتاب الإيمان، باب تفاضل أهل الإيمان في الأعمال" میں گزر چکے ہیں(۱)۔

أيُّوبُ

یہ ایوب السختیانی ہیں۔ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب حلاوة الإيمان" میں گزر چکے ہیں۔

۳٤٥٨ : حدّثنا سُلَيْمانُ بْنُ حَرْبٍ : أَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ ، عَنْ أَيُّوبَ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ ٱبْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ قالَ : كَتَبَ أَهْلُ الْكُوفَةِ إِلَى ٱبْنِ الزُّبَيْرِ فِي الجَدِّ ، فَقَالَ : أَمَّا الَّذِي قالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ خَلِيلاً لَاتَّخَذْتُهُ) . أَنْزَلَهُ أَبًا ، يَعْنِي أَبَا بَكْرٍ .

تراجم رجال

سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ

یہ سلیمان بن حرب بن بُجَیل ازدی بصری ہیں۔ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب من كَرِهَ أن يعود في الكفر" کے تحت گزر چکے ہیں(۲)۔

حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ

یہ حماد بن زید بن درہم ازدی بصری ہیں۔ان کے احوال "كتاب الإيمان، باب وإن طائفتان من المؤمنين اقتتلوا......" کے تحت گزر چکے ہیں(۳)۔

---

(۱) كشف الباري: ۱۱۸/۲

(۳٤٥۸) الحديث سبق تخريجه في كتاب الصلاة، باب الخوخة والممر في المسجد......

(۲) دیکھئے، كشف الباري: ۱۰۵/۲

(۳) دیکھئے، كشف الباري: ۲۱۹/۲

أَیُّوبَ

ایوب کے متعلق ابھی اوپر حدیث ابن عباس کے تحت بتایا گیا۔

عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِی مُلَیْکَةَ

یہ ابوبکر عبداللہ بن عبیداللہ بن ابی مُلیکۃ زہیر بن عبداللہ بن جدعان التیمی ہیں۔ ان کے احوال "کتاب الإیمان، باب خوفِ المؤمن من أن یَحبط عملُه" کی ذیل میں گذر چکے ہیں(۱)۔

کَتَبَ أَهْلُ الْکُوفَةِ إِلَی ابْنِ الزُّبَیْرِ

اہل کوفہ سے مراد بعض اہل کوفہ یعنی عبداللہ بن عتبہ بن مسعود ہیں، جن کو حضرت عبداللہ بن زبیر نے اپنے زمانہ امارت میں کوفہ کا قاضی بنایا تھا۔ چنانچہ امام احمد نے سعید بن جبیر کے طریق سے روایت نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں:

"کنتُ عند عبدِ اللّٰه بن عتبة، وکان ابن الزبیر جَعلَه علی القضاء فجاءَه کتابُه، کتبتَ تسئلُني عن الجدّ"(۲).

میں عبداللہ بن عتبہ کے پاس تھا، جن کو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوفہ کا قاضی بنایا تھا، تو ان کے پاس ابن زبیر کا خط آیا جس میں انہوں نے لکھا تھا کہ تم نے ہمیں دادا کی میراث کے حوالے سے خط لکھا...... پھر وہی تفصیل ہے، جو حدیث باب میں ہے۔

اور "لا تّخذتُ أبابکر" کے بعد "ولکن أخي في الدّین وصاحبي في الغارِ" کے الفاظ ہیں۔

جب کہ اُحمد کے ہاں ابن جریج عن ابن ابی ملیکۃ کے طریق سے جو یہ حدیث مروی ہے، اس میں الفاظ ہیں، "لو کنتُ متخذًا خلیلاً سوی اللّٰه حتی ألقاه"(۳).

باقی رہی میراثِ جد کے حوالے سے بات جس کا یہاں ذکر ہے تو اس کی تفصیل کتاب الفرائض میں

---

(۱) دیکھئے، کشف الباري: ۲/۵٤۸

(۲) مسند احمد جزء ٦، مسند أبي بکر، رقم: ١٦١٥٢

(۳) مسند احمد مسند أبي بکر الصدیق، رقم: ١٦١٥٧

آئے گی۔

حدیث اور ترجمۃ الباب میں مطابقت واضح ہے کہ حدیث میں ابوبکر کی فضیلت کا ذکر ہے اور ترجمہ میں بھی......(۱)۔

٣٤٥٩ : حدّثنا الحُمَيْدِيُّ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قالَا : حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ ، عَنْ أَبِيهِ قالَ : أَتَتِ امْرَأَةٌ النَّبِيَّ ﷺ ، فَأَمَرَهَا أَنْ تَرْجِعَ إِلَيْهِ ، قالَتْ : أَرَأَيْتَ إِنْ جِئْتُ وَلَمْ أَجِدْكَ ؟ كَأَنَّهَا تَقُولُ : الْمَوْتَ ، قالَ ﷺ : (إِنْ لَمْ تَجِدِينِي فَأْتِي أَبَا بَكْرٍ) . [٦٧٩٤ ، ٦٩٢٧]

تراجم رجال

الْحُمَيْدِيُّ

یہ ابوبکر عبداللہ بن الزبیر الأسدی الحمیدی المکی امام بخاری کے مشہور استاذ ہیں، ان کے احوال "بدء الوحي" میں(۲) اور پھر "کتاب العلم، باب قول المحدّث، حدّثنا أو أخبرنا أو أنبانا" کے تحت گزر چکے ہیں(۳)۔

مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ

یہ محمد بن عبیداللہ بن محمد بن زید ابن ابی زید القرشی الاموی ابوثابت المدنی ہیں، جو حضرت عثمان بن

---

(۱) عمدة القاري: ٢٤٧/١٦

(٣٤٥٩) الحديث أخرجه البخاري في صحيحة: ٥١٦/١، كتاب فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم، لو كنت متتخذا خليلا، رقم: ٣٦٥٩، وفي: ١٠٧٢/٢، كتاب الأحكام، باب الاستخلاف، رقم: ٧٢٢٠، وفي: ١٠٩٣/٢، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب الأحكام التي تعرف بالدلائل، رقم: ٧٣٦٠، ومسلم في صحيحه: ٢٧٣/٢، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل أبي بكر، رقم: ٦١٨٦، والترمذي في جامعه: ٢٠٨/٢، في المناقب، باب مناقب أبي بكر، رقم: ٣٦٧٧.

(۲) دیکھئے، كشف الباري: ٢٣٧/١

(۳) دیکھئے، كشف الباري: ٩٩/٣

عفان کے غلام تھے۔

راوی کے نام میں غلطی

ان کا نام صحیح بخاری کے اکثر نسخوں میں اور ایسے ہی شروح بخاری میں یہاں کتاب فضائل اصحاب النبي صلی اللہ علیہ وسلم میں محمد بن عبداللہ منقول ہے، جو کہ درست نہیں ہے، ان کا درست نام محمد بن عبید اللہ ہے (۱)۔

یہی نام "كتاب الإيمان، باب تفاضل أهل الإيمان في الأعمال" میں مذکور ہے (۲) اور اسی باب کے تحت ان کے مختصراً احوال بھی مذکور ہیں (۳)۔

انہوں نے ابراہیم بن سعد، ابراہیم بن علی الرافعی، اسامۃ بن حفص، حاتم بن اسماعیل، زکریا بن منظور القرظی، صالح بن قدامۃ بن ابراہیم الجُمَحی، عباس بن عبدالمہیمن بن عباس بن سہل بن سعد الساعدی، عبداللہ بن الحارث بن محمد بن الحاطب الحاطبی، عبداللہ بن وہب، عبدالرحمن بن سعد المؤذن، عبدالرحمن بن عمر العُمری، عبدالعزیز بن أبی حازم، عبدالعزیز بن محمد الدراوردی، عبدالمہیمن بن عباس بن سہل بن سعد الساعدی، عمر بن طلحۃ بن علقمۃ بن وقاص، مالک بن انس، محمد بن صالح بن قیس الاذرق سے روایت کی ہے۔

اور ان سے روایت کرنے والوں میں امام بخاری، ابراہیم بن عبداللہ بن الجنید الخُتّلی، احمد بن نصر النیسابوری، اسماعیل بن اسحاق القاضی، حماد بن اسحاق، عباس بن الفضل الأسفاطي، ابوزرعہ عبیداللہ بن عبدالکریم الرازی، محمد بن ابراہیم البکری، ابوحاتم محمد بن ادریس الرازی، محمد بن عبدالوہاب الأزہری اور موسیٰ بن سہل الرملی شامل ہیں (۴)۔

ابوحاتم نے ان کو صدوق قرار دیا ہے (۵)۔

---

(۱) دیکھئے، تحفة الأشراف بمعرفة الاطراف للحافظ المزي: ۲/۴۱۳، رقم: (۳۱۹۲)، المكتب الإسلامی بيروت

(۲) صحيح البخاري، كتاب الإيمان، رقم: (۲۳)

(۳) كشف الباري: ۲/۱۲۰

(۴) دیکھئے، تهذيب الكمال في اسماء الرجال: ۲۶/۴۶، ۴۷، رقم الترجمة: (۵۴۳۶)

(۵) دیکھئے، الجرح والتعديل: ۸/، الترجمة: ۱۰

ابن حبان نے ان کا کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے(۱)۔

ابن سعد فرماتے ہیں، "كان فاضلاً خيراً" (۲).

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت واضح ہے۔

عورت کون تھیں

أَتَتِ امْرَأَةٌ...... یہ کون عورت ہے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں، "لم أقف على اسمها" ہمیں ان کا نام معلوم نہ ہوسکا، یہی دوسرے شارحین بھی فرماتے ہیں (۳)۔

پھر یہاں بعض نسخوں میں تو "وأتت النبيّ" ہے، جب کہ ایک نسخے میں "إلى النبي" کے الفاظ ہیں (۴)۔

ابوبکر کے جانشینِ پیغمبر ہونے کا اعلان

إن جئتُ ولم أجدكَ...... اگر میں آؤں اور آپ کو نہ پاؤں یعنی آپ وفات پاچکے ہوں، یہ موت سے کنایہ ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں، اس کی مراد ہے، "إن جئت فوجدتكَ قدمتَّ ماذا أعمَل......؟" (۵) اگر میں آجاؤں اور دیکھوں کہ آپ مرچکے ہیں تو میں کیا کروں گی۔

اور حافظ صاحب نے یزید بن ہارون عن ابراہیم بن سعد کے طریق سے بلاذری کی روایت نقل کی ہے، جس میں یہ الفاظ ہیں: "قالت فإن رجعتُ فلم أجدكَ، تعرّض" (٦).

انہوں نے کہا اگر میں لوٹ آؤں اور آپ کو نہ پاؤں......؟ یہ وہ موت کی طرف تعریض اور اشارہ کررہی تھی۔ صحیح بخاری، کتاب الاحکام میں عبدالعزیز بن عبداللہ کے طریق سے یہ الفاظ منقول ہیں،

---

(۱) الثقات لابن حبان: ۸۰/۹

(۲) طبقات ابن سعد: ٤٤١/٥

(۳) دیکھئے، فتح الباري: ۲۸/۹، وإرشاد الساري: ۱۵۱/۸

(٤) إرشاد الساري: ۱۵۱/۸، وتحفة الباري: ١٩٥/٤

(٥) عمدة القاري: ٢٤٨/١٦

(٦) فتح الباري: ٢٨/٩

"کأنها تریدُ الموت"(۱) اور "کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة" میں حُمیدی کی روایت ہے، جس کے الفاظ ہیں: "کأنها تعني الموت"(۲).

وہ گویا موت کی طرف اشارہ کررہی تھی اوران کا مطلب یہ تھا کہ اگر میں آجاؤں اورآپ کا وصال ہوچکا ہوتو پھر میں کیا کروں؟

اب "کأنها" کا قائل کون ہے، اس میں اختلاف ہے اورقاضی عیاض نے جس بات پر جزم اوریقین کا اظہار کیا ہے، وہ یہ ہے کہ اس کا قائل راویٔ حدیث حضرت جُبیر بن مطعم ہیں اوراسی کو حافظ ابن حجر نے بھی مختار قرار دیا ہے، اگرچہ یہ بھی احتمال ہے کہ اس کا قائل نیچے کے کوئی اورراوی ہوں(۳)۔

طبرانی نے اس مضمون کوایک اورلفظ کے ساتھ بیان کیا ہے وہ عصمة بن مالک کی روایت سے یہ الفاظ نقل کرتے ہیں، "قلنا یا رسولَ الله إلی مَن ندفع صدقاتِ اموالِنا بعدَك"(٤) ہم آپ کے بعد اپنے مالوں کی زکوۃ کس کودیں گے؟ آپ نے فرمایا، "إلی أبي بکر الصدیق". ابوبکر صدیق کو!

حدیث باب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر کا آپ کے خلیفہ ہونے کی طرف اشارہ ہے، طبرانی کی یہ روایت اگر ثابت ہوجائے تو یہ ابوبکر صدیق کے جانشینِ پیغمبر ہونے کی اُس سے زیادہ صریح دلیل ہوگی، لیکن اس کی سند ضعیف ہے(۵)۔

اسی مضمون کی ایک روایت اسماعیلی نے اپنی معجم میں سہل بن ابی خیثمہ سے نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں:

"بایع النبي صلی الله علیه وسلم أعرابیاً، فسأله إن أتی علیه أجلُه مَن یقضیه؟ فقال ابوبکر! ثم سأله من یقضیه بعده؟ قال عمرُ!"(٦).

ایک اعرابی نے رسول اللہ کے ساتھ خرید وفروخت کا معاملہ کیا تو آپ صلی اللہ

(۱) صحیح البخاري، کتاب الأحکام، رقم: (۷۲۲۰)

(۲) صحیح البخاري، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، رقم (۷۳٦۰)

(۳) فتح الباري: ۲۸/۹

(٤) المعجم الکبیر للطبراني، رقم: ۱۳۹۱۳

(٥) فتح الباري: ۲۸/۹

(٦) معجم الاسماعیلي، حرف العین: ۷۰۲، مکتبة العلوم والحِکَم.

علیہ وسلم سے کہا، اگر آپ کا وقت مقررہ آپ پر آجائے تو اس (آدمی) کا حق کون دے گا؟

پیغمبر نے فرمایا، ابوبکر! انہوں نے کہا وہ نہ ہوں تو پھر؟ آپ نے فرمایا، عمر!۔

اس کو طبرانی نے اپنی "اوسط" میں بھی ذکر کیا ہے (۱)۔

٣٤٦٠ : حدَّثني أَحْمَدُ بْنُ أَبِي الطَّيِّبِ : حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ مُجَالِدٍ : حَدَّثَنَا بَيَانُ بْنُ بِشْرٍ ، عَنْ وَبَرَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ، عَنْ هَمَّامٍ قالَ : سَمِعْتُ عَمَّارًا يَقُولُ : رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ وَما مَعَهُ إِلَّا خَمْسَةُ أَعْبُدٍ وَامْرَأَتَانِ ، وَأَبُو بَكْرٍ . [٣٦٤٤]

أَحْمَدُ بْنُ أَبِي الطَّيِّبِ

یہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے شیخ ہیں اور ان سے غالبًا امام بخاری نے یہ ایک ہی جگہ روایت کی ہے، یہ حدیث باب ہذا کے علاوہ کتاب المناقب "باب إسلام ابی بکر" میں بھی عبداللہ عن یحییٰ بن معین کے طریق سے مروی ہے (۲)۔

احمد بن ابی الطیب کے والد کی کنیت ابوالطیب اور نام سلیمان البغدادی ہے۔ جب کہ خود راوی کی کنیت ابوسلیمان اور نسب المروزی ہے (۳)۔ امام بخاری اپنی تاریخ میں فرماتے ہیں: "أحمد بن سليمان هو ابن أبي الطيب، ابو سلمان مولىٰ" (٤)۔

اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ احمد کے والد کا نام سلیمان اور ان کی کنیت ابوالطیب ہے، بعض

---

(۱) معجم الاسماعيلي، ص: ۷۰۲

(٣٤٦٠) الحديث أخرجه البخاري في صحيحه: ١/٥١٦، كتاب فضائل أصحاب النبي، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم "لو كنت متخذا خليلاً"، رقم: ٣٦٦٠، وفي: ١/٥٤٤، كتاب مناقب الأنصار، باب اسلام أبي بكر الصديق رضي الله عنه، رقم: ٣٨٥٧

(۲) صحيح البخاري، رقم: (٣٨٥٧)

(۳) دیکھئے، تهذيب الكمال: ١/٣٥٧

(٤) التاريخ الكبير: ٢/٣، ٤

حضرات نے انہیں احمد بن سلیمان ابی الطیب کہا ہے(۱)۔

"ابو الطیب" أحمد کے دادا ہیں، یعنی سلیمان کے والد یا خود ان (احمد) کے والد سلیمان کی کنیت ہے، اس میں اختلاف ہے، حافظ مزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو سلیمان کا لقب قرار دیا ہے(۲)۔ اور یہی رائے امام بخاری(۳) ابونصر کلاباذي(۴) ابن عساکر کی بھی ہے(۵)۔

جب کہ ابن ابی حاتم نے ''ابوالطیب'' کو احمد کا دادا اور سلیمان کا والد قرار دیا ہے(۶)۔

''مرو'' میں ایک مدت تک ان کا قیام رہا، اس لئے اس کی طرف ان کی نسبت کی گئی اور مَروزی کے نام سے مشہور ہوئے۔

اس کے بعد "ري" میں سکونت اختیار کی، پھر بغداد آئے، ان کا شمار بھی موالي میں ہوتا ہے(۷)۔

شیوخ وتلامذہ

ان سے روایت کرنے والوں میں امام بخاری، احمد بن زکریا بن کثیر الجوہری، احمد بن سعید بن صخر الدارمی، احمد بن سیار المروزی، ابوبکر احمد بن ہانی الطائی الاثرم، جراح بن مَخلد العجلی، جعفر بن محمد بن شاکر الصائغ، سہل بن بحر، عبداللہ بن منیر المروزي، ابوزرعہ عبیداللہ بن عبدالکریم الرازی، محمد بن اسحاق الصاغانی، محمد بن سعد الشاشی، محمد بن یحییٰ الذہلی اور یعقوب بن شیبہ السدوسی شامل ہیں۔

اور جن حضرات سے وہ روایت کرتے ہیں، ان میں ابراهیم بن سعد الزهری، ابواسحاق ابراهیم بن محمد بن الحارث الزراری، بشر بن الحسین الهلالی، جریر بن عبدالحمید، حجاج بن محمد المصّیصي، حسن بن عبدالرحمن الحارثي، ابوالمليح حسن بن عمر الرّقّي،

(۱) تاريخ الاسلام للذهبي: ٦/١٥

(۲) تهذيب الكمال: ١/٣٥٧

(۳) التاريخ الكبير للبخاري: ٢ (١٤٩٣)

(٤) رجال البخاري: ١/١٠

(٥) تهذيب الكمال: ١/٣٥٧

(٦) الجرح والتعديل: ٢ (٥٨)

(٧) تهذيب الكمال: ١/٣٥٧

حفص بن غياث النخعي، ابو اسامه حمّاد بن اسامة، خالد بن عبدالله الواسطي، رشدين بن سعيد المصري، سفيان بن عُيينه، ابوداود سليمان بن داود الطيالسی، سهل بن أسلم العدوي، صالح بن عمر الواسطی، عبدالله بن سنان الكوفی، عبدالله بن المبارك، عبدالواحد بن واصل، ابوعبيدة الحداد، عبيدالله بن عمرو الرّقّي، علی بن الحسن بن شقيق، محمد بن ميمون الزعفراني، مروان بن شجاع الجزری، مصعب بن سلام الكوفی، معاذ بن معاذ العنبری، معافی بن عمران الموصلی، نضر بن شميل، نضر بن مُحرِز بن بعيث هشيم بن بَشير، وكيع بن الجراح، وليد بن القاسم بن الوليد الهمداني، يحيیٰ بن آدم، يحيیٰ بن بشر النَّصيبي اوریوسف بن عطیه الصفار وغیرہ شامل ہیں(۱)۔

جرح وتعدیل کے باب میں اقوال

عبدالرحمٰن بن ابی حاتم فرماتے ہیں:

"سألتُ ابا زرعةَ عنه، فقال: هو بغدادي الأصلِ خرج إلى مَرو ورجع إلينا وكتَبنا عنه، وكان حافظاً، قلت: هو صدوق؟ قال على هذا يُوضع"(۲).

توحافظ ابوزرعہ نے انہیں صدوق قرار دیا ہے۔

جب کہ ابوحاتم کہتے ہیں، "ضعيف الحديث"(۳).

ابن حبان نے بھی ان کا کتاب "الثقات" میں ذکر کیا ہے(۴)۔

(۱) تهذيب الكمال: ۳۵۹/۱

(۲) ابن ابی حاتم کی کتاب "الجرح والتعديل" میں اور حافظ ابن حجر کی "تهذيب" میں ایسا ہی ہے، جب کہ "تذهيب الذهبی" میں "أهو صدوق؟" آیا ہے۔ دیکھئے، حاشية تهذيب الكمال: ۳۵۹/۱

ذہبی نے ابوزرعہ سے بھی جو الفاظ نقل کئے ہیں وہ ہیں "محله الصدق" تهذيب الكمال: ۳۵۹/۱

(۳) تهذيب الكمال: ۳۵۹/۱، والجرح والتعديل لابن ابی حاتم الرازي: ۱۳/۲

(٤) كتاب الثقات؟

علامہ ذہبی ان کے متعلق فرماتے ہیں:

"أحمد بن سليمان بن أبي الطيب عن هُشيم، وُثّق وضعّفه ابوحاتم وحده. وقال ابوزرعه: حافظ، محلُّه الصدق...... قلت: حدّث عنه البخاري وطائفةٌ"(۱).

احمد بن سلیمان بن ابی الطیب عن ہُشَیم کی توثیق کی گئی ہے۔ اور صرف ابوحاتم نے ان کی تضعیف کی ہے۔ ابوزرعہ کہتے ہیں، حافظ الحدیث ہیں اور ان کا مقام صدق کا ہے۔ میں کہتا ہوں بخاری اور ایک جماعت نے ان سے حدیث لی ہے (جو اُن کی توثیق وتائید ہے)۔

ابوعوانہ کہتے ہیں:

"حدّثنا احمد بن ابراهيم البغدادي، حدثنا أحمد بن أبي الطيب ثقة"(۲).

علامہ مغلطائی نے ان کی تاریخ وفات سن ۲۳۰ھ لکھی ہے (۳)۔

حافظ ذہبی نے ان کا طبقہ نمبر ۲۲ اور طبقہ نمبر ۲۳ میں ذکر کیا ہے (۴)۔

صحیح بخاری میں یہ ان کی پہلی بلکہ اکلوتی روایت ہے (۵)۔

اکثر ائمہ نے چونکہ ان کی توثیق کی ہے تو یہ ان کے معتمد علیہ اور ثقہ ہونے کی دلیل ہے۔

اور جہاں تک تعلق ہے ابوحاتم کی تضعیف کا، تو اس کے متعلق حافظ ابن حجر "تقریب" میں فرماتے ہیں:

"صدوق، حافظ، له اغلاط ضعّفه بسببها ابوحاتم وماله في البخاري

---

(۱) تهذيب الكمال: ۱/۳۵۹

(۲) تهذيب الكمال: ۱/۳۵۹

(۳) إكمال تهذيب الكمال: ۱/۱۶

(٤) انظر تاريخ الاسلام ووفيات المشاهير والأعلام للذهبي: ٥/٥٢٠، و: ٦/١٥، دار الكتب العلمية بيروت

(٥) تهذيب الكمال: ١/٤٥، وتهذيب الكمال: ١/٣٥٩

سوی حدیثِ واحدِ متابعة".

یعنی وہ سچے راوی ہیں اور حافظ ہیں مگر ان کی کچھ غلطیاں ہیں اور انہی کے سبب ابوحاتم نے ان کی تضعیف کی ہے، ان کی بخاری میں یہی ایک روایت ہے اور اس کا متابع موجود ہے۔

کتاب مناقب الأنصار، باب إسلام أبي بکر الصدیق"(۱) میں یحیی بن معین سے اس کی متابع روایت منقول ہے اور اسی کی بناء پر ضعف کے باوصف ان کی یہ روایت باب ہذا میں ذکر کی گئی ہے(۲)۔

إِسْمَاعِيلُ بْنُ مُجَالِدٍ

ان کی بھی صحیح بخاری میں یہ پہلی روایت ہے، ان کا نام ونسب یوں ہے: ابوعُمر الکوفي، اسماعیل بن مُجالد بن سعید الهمداني نزیل بغداد.

ان کے شیوخ میں اسماعیل بن ابي خالد، ابوبشر بَیان بن بشر، سِماك بن حرب عبدالملك بن عُمیر، ابواسحاق عَمرو بن عبدالله السَّبِیعي (ان کے والد) مُجالد بن سعید اور هلال بن حُمید الوزان شامل ہیں۔

جب کہ ان سے حدیث لینے والوں میں ابراهیم بن زیاد سَبَلان، احمد بن أبي الطیب، احمد بن معاویه بن بکر بن معاویة الباهلي، جمهور بن منصور الکوفی، سُریج بن یونس، سعد بن زنبور الهمدانی، صباح بن مروان، عثمان بن محمد بن ابي شیبه، ابوالحسن علی بن محمد القُرَشي المدائني، عمر بن اسماعیل بن مُجالد (ان کے بیٹے) ابوعبید القاسم بن سلّام، محمد بن حسان السَّمنی، ابوبکر محمد بن خلاد الباهلي اوریحییٰ بن معین کا نام لیا جاتا ہے(۳)۔

ائمہ جرح وتعدیل کی عدالت میں

مُہنّا بن یحیٰ کہتے ہیں امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: "کا ن هاهنا ببغداد" وہ یہاں بغداد میں ہوتے

---

(۱) دیکھئے، رقم (۳۸۵۷)

(۲) الکاشف للذهبي: ۱/۱۹۶

(۳) تهذیب الکمال: ۳/۱۸۵

تھے، مہنّا کہتے ہیں: میں نے کہا "أدركتَـــه" کیا آپ نے انہیں پایا؟ فرمایا، "نـعـم!" جی ہاں! میں نے کہا، "سـمـعـتَ منـه؟" کیا آپ نے ان سے سنا بھی ہے؟ کہا، "لا" نہیں، میں نے کہا، کہاں سے ان کا تعلق تھا؟ فرمایا، "كوفي" اصل میں کوفہ کے تھے(۱)۔

اور عبداللہ بن احمد بن حنبل اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، "مـا أراه إلا صدوقاً"(۲). میرے ہاں تو وہ سچے ہی تھے۔

یحیی بن معین کہتے ہیں، "ليس به بأس" وہ اچھے تھے(۳)۔

عباس الدوري کہتے ہیں کہ یحییٰ بن معین فرماتے ہیں، "ثقة" وہ ثقہ راوی ہیں(۴)۔

امام بخاری کہتے ہیں، "صَدوق" سچے تھے(۵)۔

ابوداود کہتے ہیں، "أثبت من أبيه" اپنے والد سے زیادہ معتبر تھے(۶)۔

نسائی کہتے ہیں، "ليس بالقوی" مضبوط نہیں تھے(۷)۔

ابراہیم بن یعقوب الجوزجانی کہتے ہیں، "غير مَحمود" ناپسندیدہ تھے(۸)۔

ابوزرعہ کہتے ہیں، "ليس ممن يكذب بمرة، وسطٌ" ایک مرتبہ بھی ان کی تکذیب نہیں کی جاسکتی، بہترین آدمی تھے(۹)۔

---

(۱) تهذيب الكمال: ۳/۱۸۵

(۲) تهذيب الكمال: ۳/۱۸۵، والتاريخ للخطيب البغدادي: ۶/۲٤٦

(۳) تهذيب الكمال: ۳/۱۸۵، الجرح والتعديل لابن ابي حاتم: ۲/۱۳۸

(٤) تهذيب الكمال: ۳/۱۸٦، وتاريخ الإسلام للذهبي: ٥/۲۸

(٥) ميزان الاعتدال: ۱/۲٤٦، وتهذيب الكمال: ۳/۱۸٦

(٦) تهذيب الكمال: ۳/۱۸٦، وتاريخ الخطيب: ٦/۲٤٦، ۲٤۷

(۷) تهذيب الكمال: ۳/۱۸٦، وتاريخ الاسلام للذهبي: ٥/۲۸

(۸) بعض حضرات نے "مذموم" کا لفظ استعمال کیا ہے، تهذيب الكمال: ۳/۱۸٦

(۹) تهذيب الكمال: ۳/۱۸٦، والجرح والتعديل: ۲/۱۳۸

ابوحاتم کہتے ہیں، "کان یکون ببغداد وھو کما شاء اللّٰہ"(۱) بغداد میں ہوتے تھے اور ایسے ہی تھے جیسا اللہ چاہتے ہیں۔

امام بخاری، ترمذی، نسائی نے ان سے روایت کی ہے(۲)۔

حاکم دارقطنی سے نقل کرتے ہیں، "لیس فیہ شك أنہ ضعیف"(۳) اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ضعیف ہیں۔

تعدیل اور تضعیف میں محاکمہ یوں ہوسکتا ہے کہ وہ ہیں تو سچے راوی مگر ان سے غلطیاں ہوئی ہیں، سو جن حضرات نے ان کی تضعیف کی ہے، وہ ان ہی "أخطاء" کی بناء پر کی ہے، مگر اس سے ان کا قابل اعتبار ہونا ساقط نہیں ہوتا اگرچہ قوت اور حیثیت ان کی قدرے مجروح ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ ذہبی نے انہیں "صدوق" کہا ہے(۴)۔

اور ابن حبان نے فرمایا، "یخطئ"(۵).

یعنی ذہبی نے صرف ان کے معتبر ہونے کی وجہ بتائی اور ابن حبان نے ضعیف ہونے کی۔ اور حافظ ابن حجر نے دونوں کا ذکر کیا تو فرمایا، "صَدوق یُخطِیء"(٦).

یہی وجہ ہے کہ صحیح بخاری میں ان کی یہی ایک روایت ہے اور وہ بھی مرفوع نہیں ہے(۷)۔ یعنی بخاری ان پر اعتماد نہیں کرتے صرف "شاہد" یا "متابع" کے طور پر ہی لائے ہیں۔

تاریخ وفات ان اکثر حضرات نے نہیں لکھی ہے، البتہ ذہبی نے انیسویں طبقے میں ان کا شمار کیا ہے،

---

(١) تهذيب الكمال: ١٨٦/٣، والجرح والتعديل: ١٣٨/٢

(٢) تهذيب الكمال: ١٨٧/٣

(٣) تاريخ الاسلام: ٢٨/٥

(٤) الكاشف: ٢٤٩/١، رقم الترجمة (٤٠٣)

(٥) الثقات لابن حبان: ٢٠٠/٣

(٦) تقريب التهذيب، ص: ١٠٩، ترجمه (٤٧٦)

(٧) دیکھئے، الكاشف: ٢٤٩/١

جس کے لوگ ۱۸۱ھ اور ۱۹۰ھ کے درمیان وفات پائے ہیں(۱)۔

بَيَانُ بْنُ بِشْرٍ

یہ بیان بن بشر، أبو بشر الأحمسي البجلي، الکوفي المعلّم ہیں۔

مندرجہ ذیل حضرات سے انہوں نے حدیثیں روایت کی ہیں:

ابراهيم التيمي، انس بن مالك، حُصَين بن صفوان، حكيم بن جابر الأحمسي، حُمران بن أبان ابوعاصم رفاعة بن شداد الفتياني، طارق بن شهاب الأحمسي، طلحة بن مصرّف، عامر بن شراحيل الشعبي، عامر بن عبدالله بن زبير الأسدي، عبدالرحمن بن الأسود بن يزيد النخعي، عبدالرحمن بن ابي الشعثاء المحاربي، عبدالرحمن بن ابى ليلىٰ، عبدالرحمن بن هلال العبسي، عكرمة مولىٰ ابن عباس، قيس بن ابي حازم الأحمسي، ابوجعفر محمد بن علي بن الحسين بن علي بن ابي طالب، موسىٰ بن طلحة بن عبيدالله، وبرة بن عبدالرحمن المُسليّ، ابو صالح الحنفي، ابوعمرو الشيباني.

جب کہ ان سے روایت کرنے والوں میں اسرائیل بن یونس بن ابی اسحاق اسماعیل بن أبي خالد الأحمسي، اسماعيل بن مُجالد بن سعيد، ايوب بن جابر الحنفي، جرير بن عبدالحميد الضبّي، جعفر بن زياد الأحمر، حسن بن صالح بن حي، حكم بن عبدالملك، خالد بن عبدالله الواسطي، داهر بن يحيى الأحمري، والد عبدالله بن داهر الرازي، زائد بن قدامة، زهير بن معاويه، سفيان الثوري، سفيان بن عُيينه، سنان بن هارون البُرجمي، ابوالأحوص سلّام بن سُلَيمه، شريك بن عبدالله النخعي، شعبة بن الحجاج، ابوالاسود عبدالرحمن بن عامر، مولىٰ بني هاشم، عَبيدة بن حُميد، علي بن عاصم الواسطي، عنبسة بن عبدالواحد القرشي، فُضَيل بن عِياض، محمد بن فُضيل بن غزوان، مسعر بن كِدام، معتمِر بن سليمان، مفضَّل بن مُهلهل،

(۱) تاريخ الاسلام: ۲۸/۵، رقم الترجمة (۴۴۲۸)

هاشم بن البريد، هُدبة بن النِهال، هُريم بن سفيان، أبوعوانه الوضاح بن عبدالله اليَشكري، وليد بن أبي ثور، يحييٰ بن سلمة بن كُهيل، يزيد بن عطاء اليشكري، ابو يوسف يعقوب بن ابراهيم القاضي، ابو معاذ يعيش بن عبدالرحمن البِسطامي ابويعقوب يوسف بن يعقوب البجلي الاسود، يونس بن ابى اسحاق وغیرہ شامل ہیں(۱)۔

ائمہ جرح وتعدیل کی نظر میں

امام بخاری فرماتے ہیں، علی بن المدینی کہتے ہیں، "له نحو سبعين حديثاً".

عبداللہ بن احمد بن حنبل اپنے والد امام احمد سے نقل کرتے ہیں، "ثقة من الثقات".

اسحاق بن منصور یحییٰ بن معین سے نقل کرتے ہیں، نیز ابوحاتم اور نسائی فرماتے ہیں، "ثقة"(۲)، دارقطنی کہتے ہیں، "هو أحد الأثبات الثقات"(۳).

ابوحاتم سے یہ الفاظ بھی منقول ہیں: "هو أحلى من فراس"(٤).

---

(۱) دیکھئے، تهذيب الكمال: ٣٠٣/٤، ترجمة (٧١٩٢)، والجرح والتعديل لابن ابى حاتم: ٢٤٧/٢، رقم الترجمة (١٦٨٧)، دارالكتب العلمية بيروت، وسير اعلام النبلاء للذهبى: ١٢٤/٦، مؤسسة الرسالة، الطبعة الرابعة، ١٩٨٦، وكتاب الثقات لابن حبان التميمي: ٧٩/٤، مجلس دائرة المعارف العثمانية بحيدر آباد دكن الهند، الطبعة الاولىٰ ١٩٧٨م، وكتاب التاريخ الكبير: ١٣٣/٢، رقم الترجمة: (١٩٤٧)، دارالباز للنشر والتوزيع عباس احمد الباز مكة المكرمة، وإكمال تهذيب الكمال: ٤٣/٣، والكاشف للذهبي: ٢٧٧/١، ترجمة: (٦٦٤)، دارالقبلة للثقافة الإسلامية، جدة، الطبعة الاولىٰ ١٩٩٢م، وتهذيب التهذيب لابن حجر العسقلاني: ٥٠٦/١، دار صادر بيروت، الطبعة الأولىٰ ١٣٢٥هـ بمجلس دائرة المعارف النظامية بحيدر آباد دكن (الهند)

(۲) تهذيب الكمال: ٣٠٥/٤، وتهذيب التهذيب للعسقلاني: ٥٠٦/١

(۳) إكمال تهذيب الكمال للمغلطائي: ٤٣/٣

(٤) الجرح والتعديل لابن ابي حاتم: ٢٤٧/٢، وتهذيب الكمال: ٣٠٥/٤، حافظ ابن حجر کی تہذیب میں أعلى (بالعين المهملة) یا أغلى (بالغين المعجمة) منقول ہے، دیکھئے، تهذيب التهذيب: ٥٠٦/١، وتهذيب الكمال: ٣٠٥/٤

احمد بن عبداللہ العجلی کہتے ہیں، "كوفي ثقة، وليس بكثير الحديث روى أقل من مأةِ حديث" کوفی ہیں اور ثقہ ہیں، زیادہ حدیثیں ان سے منقول نہیں ہیں، سو سے کم حدیثیں روایت کی ہیں (۱)۔

یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں، "كان ثقة ثَبتا" (۲).

علامہ ذہبی الامام، الثقة، المؤدّب کے ساتھ ان کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں، "وهو حجة بلا تردد" (۳).

"بیان" کے نام سے دو راویوں کا ذکر

ابوالفضل الہروی نے اپنی کتاب "المتفق والمفترق" میں اور خطیب نے بھی ان (مذکورہ بیان) کے اور بیان بن بشر المعلم کے درمیان فرق بیان کیا ہے۔ خطیب کہتے ہیں، ہاشم کی کوئی روایت بَجلی سے مروی نہیں ہے (یعنی ہاشم جس بَیان بن بشر المعلّم سے روایت کرتے ہیں وہ طائی ہے نہ کہ بجلی) اور بیان کے نام سے دو حضرات کے موسوم ہونے کی یہ بھی دلیل ہے کہ ایک طائی ہیں اور ایک بجلی!

یہاں اس روایت میں جو راوی ہیں، وہ "بجلی" ہیں، جب کہ "طائی" جن کو "المعلم" بھی کہا جاتا ہے، وہ دوسرے ہیں اور انہیں سے ہاشم بن البرید روایت کرتے ہیں (۴)۔

وَبَرَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ

وَبَرة (كشجرة) یہ ابوخزیمہ یا ابوالعباس وَبرة بن عبدالرحمٰن المُسلی ہیں، ان سے كتاب الحج، باب رمي الجمار میں ایک روایت مروی ہے (۵) اور پھر حدیث باب امام بخاری نے ان کے طریق سے نقل

---

(۱) تهذيب الكمال: ٤/٣٠٥، وتهذيب التهذيب: ١/٥٠٦

(۲) تهذيب الكمال: ٤/٣٠٥، وتهذيب التهذيب: ١/٥٠٦

(۳) سير اعلام النبلاء: ٦/١٢٤، مؤسسة الرسالة

(٤) تهذيب التهذيب للعسقلاني: ١/٥٠٦، وإكمال تهذيب الكمال للمغلطاي: ٣/٤٣، صاحب إکمال نے ۸۲۴ نمبر ترجمے میں بیان بن بشر الأحمسي البجلی کا ذکر کیا ہے، جب کہ ۸۲۵ کے مستقل ترجمہ میں بیان بن بشر الطائی المعلم کا ذکر ہے اور کہا ایسا ہم نے دونوں میں فرق ظاہر کرنے کے لئے کیا ہے۔ دیکھئے، المتفق والمفترق: ١/٥٤٥

(٥) دیکھئے، صحيح البخاري، كتاب: ٢٥، باب: ١٣٤، رقم: ١٧٣٦

کی ہے، کوفی ہیں اور مُسلی نسبت کی وجہ یہ ہے کہ یہی مُسلِيَة بن عامر بن عَمرو بن عُلَّة بن جَلْد بن مالك بن أُدد سے ان کا تعلق ہے، بعض حضرات نے ان کو حارثی کہا ہے۔

ان کے شیوخ، جن سے وہ روایت کرتے ہیں، مندرجہ ذیل ہیں:

أسود بن يزيد، تميم الداري، خرشنه بن الحر، سعيد بن جُبير، عامر بن شراحيل الشعبي، عامر بن عبدالله بن زبير، ابوالطفيل عامر بن واثلة، عبدالله بن عباس، عبدالله بن عمر بن الخطاب، عبدالرحمن بن الاسود بن يزيد، غطيف، ابوجعفر محمد بن الحسين اور همام بن الحارث.

اوران سے روایت کرنے والوں میں اسماعيل بن ابي خالد، ابوبِشر بيان بن بشر، حجاج بن أرطاة سليمان الأعمش، عمرو بن عيسىٰ، علاء بن زهير الأزدی، مُجالد بن سعيد، محمد بن جُحاده، محمد بن سوقة، مِسعر بن كدام، ابواسحاق السبيعي شامل ہیں(۱)۔

جرح وتعدیل

بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداو، نسائی وغیرہ کے رواۃ میں سے ہیں۔

اسحاق بن منصور یحییٰ بن معین سے نقل کرتے ہیں کہ "ثقة" یہی ابوزرعہ کا بھی قول ہے(۲) ابن حبان نے بھی "الثقات" میں ان کا ذکر کیا ہے(۳)۔

---

(۱) تهذيب الكمال: ۴۲۷/۳۰، رقم الترجمة: (۱۶۷۸)، والجرح والتعديل لابن ابی حاتم: ۵۴/۹، ترجمة: ۱۵۸۳۱، وثقات ابن حبان التميمي: ۴۹۷/۵، وتاريخ الاسلام للذهبي: ۴۶۴/۳، رقم الترجمة (۱۸۱۱)، إكمال تهذيب الكمال للمغلطاي: ۲۱۰/۱۲، رقم الترجمة (۵۰۱۳)، وتهذيب التهذيب لابن حجر العسقلاني: ۱۱۱/۱۱، والتاريخ الكبير للبخاري: ۲۶۳۵/۸، والكاشف، رقم الترجمة (۶۱۴۴)، والجرح والتعديل للباجي: ۱۱۹۹/۳، وتهذيب التهذيب: ۱۲۹/۴، وطبقات ابن سعد: ۳۱۲/۶، وثقات العجلي، ص: ۵۶

(۲) الجرح والتعديل: ۵۴/۹، رقم الترجمة (۱۷۰۶)

(۳) كتاب "الثقات" لابن حبان: ۴۹۷/۵، وتاريخ الاسلام للذهبي: ۴۶۴/۳

محمد بن سعد کہتے ہیں، خالد بن عبداللہ القسیری کی ولایتِ کوفہ کے زمانے میں ان کا انتقال ہوا۔

بخاری، مسلم، ابوداود، ترمذی، نسائی ان سے روایت کرتے ہیں (۱)۔

عجلی کہتے ہیں، "وبَرة بن عبدالرحمن كوفي، ثقة" (۲).

خلیفۃ بن الخیاط نے ان کا طبقۂ رابعہ میں ذکر کیا ہے اور ہیثم بن عدی نے طبقہ ثالثہ میں۔ ان کی وفات ۱۱۶ ہجری میں ہوئی (۳)۔

ذہبی نے ان کا بارہویں طبقہ میں ذکر کیا ہے، جس کے رجال ۱۱۱ھ اور ۱۲۰ھ کے درمیان وفات پائے ہیں (۴)۔

هَمَّام

یہ ہمام بن الحارث النخعی الکوفی ہیں۔ ان کا تذکرہ "كتاب الصلاة، باب الصلاة في الخفاف" میں گذر چکا ہے (۵)۔

تین تابعین کا ذکر

اس روایت میں بیان بِشر، وبَرۃ بن عبدالرحمٰن اور ہمام بن الحارث تین تابعین کا یکے بعد دیگرے ایک روایت میں ذکر آیا ہے (۶)۔ وبَرۃ کو ابن حجر نے "تابعي صغير" کہا ہے اور ہمام بن الحارث کو "من كبار التابعين" کہا ہے اور فرمایا اسماعیل سے روایت کرنے والے تمام رُواۃ کوفی ہیں (۷)۔

اسماعیلی نے جمہور بن منصور کے طریق سے اسماعیل کا ہمّام سے سماع کا بھی ذکر کیا ہے (۸)۔

(۱) طبقات ابن سعد: ۳۱۲/۶

(۲) ثقات العجلي (۱۹۳۵)، حافظ ابن حجر نے "كوفي تابعي ثقة" نقل کیا ہے۔ تهذيب التهذيب: ۱۱۱/۱۱

(۳) إكمال تهذيب الكمال: ۲۱۰/۱۲

(٤) دیکھئے، تاريخ الإسلام: ۳۷۰/۳

(٥) صحيح البخاري، رقم: ۳۸۷

(٦) دیکھئے، عمدة القاري: ۲۳۹/۱۶

(۷) فتح الباري: ۲۸/۹

(۸) فتح الباري: ۲۸/۹

حضرت ابوبکر رسول اللہ پر ایمان لانے والے پہلے آدمی تھے

خَمْسَةُ أَعْبُدٍ...... عمار بن یاسر(۱) مشہور صحابی رسول فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت اور اس حال میں بھی دیکھا ہے کہ جب آپ کے ساتھ پانچ غلام تھے، دو عورتیں اور ایک ابوبکر، مقصود ابوبکر کی فضیلت اور منقبت کا بیان ہے کہ وہ ان چند افراد میں سے ایک ہیں جنہوں نے ابتداء میں اسلام قبول کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے، اس فضیلت میں بظاہر تو مذکورہ پانچ غلام اور دو عورتیں بھی حضرت ابوبکر کے ساتھ برابر ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابوبکر کو ان پر بھی فضیلت حاصل ہے اور وہ یوں کہ آپ بالغ افراد (جو لفظِ آدمی کا اصل مصداق ہے) میں وہ پہلے فرد ہیں جس نے سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاکر اسلام قبول کیا اور یہ آپ کی ایسی خصوصیت ہے کہ اس میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کوئی شریک وسہیم نہیں ہے(۲)۔

پانچ غلام جنہوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا

یہاں "خمسة أعبد" پانچ غلاموں سے کون مراد ہیں، ایک قول یہ ہے کہ اس کا مصداق ۱-حضرت بلال، ۲-حضرت زید بن حارثہ، ۳-عامر بن فہیرہ مولی ابی بکر، ۴-ابوفکیہہ مولی صفوان بن امیہ، ۵-اور شقران ہیں(۴)۔

پہلے دونوں تو معروف ہیں، جب کہ عامر بن فہیرہ یہ ابوبکر کے غلام تھے اور طبرانی حضرت عروہ کے طریق سے نقل کرتے ہیں کہ یہ اُن لوگوں میں سے ہیں جن کو اللہ کی راہ میں یعنی قبولِ حق اور قبولِ اسلام کے سبب عذاب دیا جاتا تھا تو حضرت ابوبکر نے انہیں خرید ااور پھر آزاد کر دیا(۵)۔

---

(۱) بنومخزوم کے غلام تھے، ان کی والدہ کا نام سُمیَّہ بنت خیاط ہے، یہ تینوں ماں باپ اور بیٹا اللہ کے دین کی راہ میں بہت ستائے گئے ایک دن اللہ کے رسول کا اُن پر گزر ہوا جب کہ وہ ستائے جا رہے تھے اس پر آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا، "صبراً آل یاسر فإن موعدكم الجنة" عمدة القاري: ۱٦/۲٤۹

(۲) فتح الباري لابن حجر: ۹/۲۹

(۳) فتح الباري: ۹/۲۹، وعمدة القاري: ۱٦/۲٤۹

(٤) المعجم الكبير: ۱/۳۳٦، رقم الترجمة: ۱۰۰۸

اور فکیہہ کا جہاں تک تعلق ہے تو ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ جب حضرت بلال ایمان لائے تو یہ بھی مسلمان ہوئے، اس پر اُمیہ بن خلف نے انہیں ستانا اور تکلیف دینا شروع کی، چنانچہ ابوبکر نے انہیں اُن سے خرید کر آزاد کر دیا(۱)۔

اور رہے شقران (۲) تو ابن السکن نے "كتاب الصحابة" میں عبداللہ بن داود سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اور اُمّ اُیمن کو ان کے والد کا وارث بنایا (۳)۔

بعض مشائخ سے ابوفکیہہ کے بجائے عمار بن یاسر کا نام منقول ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں، اس کا احتمال ہے مگر عمار کے والد یاسر کا بھی پھر ذکر ہونا چاہیے تھا کیونکہ عمار اور ان کے ماں باپ دونوں کو اللہ کی راہ میں سخت اذیتیں دی جاتی تھیں (۴)۔ تو ان (عمار) کا اور ان کی والدہ کا تو ذکر آ گیا ہے مگر یاسر کا ذکر نہیں آیا، اس لئے عمار بن یاسر شاید مراد نہیں ہیں۔ بعض حضرات نے شقران کی بجائے عبید بن زید الحبشی کا نام لیا ہے (۵)۔

"امرء تان" کا مصداق

امرء تان سے مراد حضرت خدیجہ اور حضرت اُمّ اُیمن ہیں، یا پھر خدیجہ اور سمیّہ، جب کہ بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ خدیجہ کے ساتھ دوسری خاتون اُمّ الفضل زوجۂ عباس تھیں، تاہم یہ واضح نہیں ہے کیونکہ وہ قدیمۃ الاسلام تو ہیں مگر سابقین میں ان کا ذکر نہیں ہوا ہے اور اگر ان کو مراد لینا صحیح ہوتا تو پھر ابورافع مولی العباس کا بھی ذکر کیا جانا چاہیے تھا، کیونکہ وہ بھی اُمّ الفضل کے ساتھ اسلام لائے (۶)۔

---

(۱) فتح الباري: ۲۹/۹، وعمدة القاري: ۲٤۹/۱٦

(۲) شقران بضم الشین وسکون القاف لقب ہے، جب کہ نام ان کا صالح بن عدی الحبشی تھا۔ بعض کے ہاں اوس نام تھا اور بعض کے ہاں ہرمز، دیکھئے، عمدة القاري: ۲٤۹/۱٦

(۳) فتح الباري: ۲۹/۹

(٤) فتح الباري: ۲۹/۹

(٥) دیکھئے، إرشاد الساري: ۱٥۲/۸، وتحفة الباري: ۱۹٥/٤

(٦) فتح الباري: ۲۹/۹، وعمدة القاري: ۲٤۹/۱٦

عمار کا اس ''حصر'' سے مقصد

عمار بن یاسر کا مقصد شراح حدیث نے یہ بتایا ہے کہ جن حضرات نے اپنے قبولِ اسلام کو ظاہر کیا تھا وہ یہ مذکورہ افراد تھے، یہ مراد نہیں ہے کہ صرف انہوں نے اسلام قبول کیا تھا، کیونکہ عمار جس وقت یہ بات کہہ رہے تھے اس زمانے میں ایک بڑی جماعت مسلمان ہوگئی تھی، جن میں ان مذکورہ حضرات کے علاوہ دوسرے لوگ بھی تھے، ہاں ابوبکر صدیق تو اسلام ظاہر کرنے میں بھی پہل کرنے والوں میں سے تھے اور قبول کرنے میں بھی، ان کی فضیلت اپنی جگہ مسلّم ہے (۱)۔

ترجمۃ الباب سے مطابقت

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت یہ ہے کہ باب بھی "فضل أبي بكر" کے حوالے سے ہے اور حدیث میں بھی ان کی فضیلت کا بیان ہے، ایک تو یوں کہ وہ گنتی کے ان چند افراد میں سے ایک ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاکر اس کو ظاہر کیا تھا، یہ کل آٹھ افراد تھے، جن کا یہاں ذکر ہے اور نفس قبولِ اسلام کے حوالے سے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بالغ اور آزاد افراد میں سب سے پہلے آدمی تھے ہی (۲)۔

٣٤٦١ : حدّثني هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ : حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ خالِدٍ : حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ وَاقِدٍ ، عَنْ بُسْرِ بْنِ عُبَيْدِ ٱللهِ ، عَنْ عائِذِ اللهِ أَبِي إِدْرِيسَ ، عَنْ أَبِي ٱلدَّرْدَاءِ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ قالَ : كُنْتُ جالِسًا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ إِذْ أَقْبَلَ أَبُو بَكْرٍ آخِذًا بِطَرَفِ ثَوْبِهِ ، حَتَّى أَبْدَى عَنْ رُكْبَتِهِ ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (أَمَّا صاحِبُكُمْ فَقَدْ غامَرَ) . فَسَلَّمَ وَقالَ : إِنِّي كانَ بَيْنِي وَبَيْنَ ٱبْنِ الخَطَّاب شَيْءٌ ، فَأَسْرَعْتُ إِلَيْهِ ثُمَّ نَدِمْتُ ، فَسَأَلْتُهُ أَنْ يَغْفِرَ لِي فَأَبَى عَلَيَّ ، فَأَقْبَلْتُ إِلَيْكَ ، فَقَالَ : (يَغْفِرُ ٱللهُ

(۱) فتح الباري: ٩/٢٩، وعمدة القاري: ١٦/٢٤٩

(۲) عمدة القاري للعيني: ١٦/٢٤٩

(٣٤٦١) الحديث أخرجه البخاري في صحيحه: ١/٥١٦، كتاب فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، باب قول النبي "لو كنت متخذا خليلاً"، رقم: ٣٦٦١، وفي: ٢/٦٦٨، كتاب التفسير، باب "قل يا ايها الناس إني رسول الله إليكم جميعا"، رقم: ٤٦٤٠

لَكَ يَا أَبَا بَكْرٍ) . ثَلَاثًا ، ثُمَّ إِنَّ عُمَرَ نَدِمَ فَأَتَى مَنْزِلَ أَبِي بَكْرٍ ، فَسَأَلَ : أَثَمَّ أَبُو بَكْرٍ ؟ فَقَالُوا : لَا ، فَأَتَى إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَسَلَّمَ ، فَجَعَلَ وَجْهُ النَّبِيِّ ﷺ يَتَمَعَّرُ ، حَتَّى أَشْفَقَ أَبُو بَكْرٍ فَجَثَا عَلَى رُكْبَتَيْهِ فَقَالَ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ، وَاللّٰهِ أَنَا كُنْتُ أَظْلَمَ ، مَرَّتَيْنِ ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (إِنَّ اللّٰهَ بَعَثَنِي إِلَيْكُمْ فَقُلْتُمْ كَذَبْتَ ، وَقَالَ أَبُو بَكْرٍ صَدَقَ . وَوَاسَانِي بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ ، فَهَلْ أَنْتُمْ تَارِكُو لِي صَاحِبِي) . مَرَّتَيْنِ ، فَمَا أُوذِيَ بَعْدَهَا . [٤٣٦٤]

تراجمِ رجال

هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ

یہ ہشام بن عمار بن نصیر ابوالولید السلمی الدمشقی ہیں۔ان کا تذکرہ پہلے گذر چکا ہے(۱)۔

صَدَقَةُ بْنُ خَالِدٍ

ان کا نام صدقۃ بن خالد اور کنیت ابوالعباس ہے،نسبت القُرشی، الأموی اور الدمشقی ہے۔اُمّ البنین بنت ابی سفیان کے غلام تھے۔اُمّ البنین کے بارے میں معروف قول تو یہی ہے کہ وہ ابوسفیان کی بیٹی اور سیدنا امیر معاویہ کی بہن تھی۔امام بخاری، ابوحاتم اور دیگر کی یہی رائے ہے(۲)۔

جب کہ ابن حبان وغیرہ ،بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ وہ معاویۃ بن یزید بن معاویۃ بن ابی سفیان کی بہن ہیں ،یعنی یزید کی بیٹی اور معاویہ ثانی کی بہن ہیں (۳)۔

اور ایک تیسرا قول یہ ہے کہ یہ عمر بن عبدالعزیز کی بہن ہیں (۴)۔

اپنے والد، خالد مولی بنی امیہ، زید بن واقد، عبدالرحمن بن عمر والأوزاعي، عبدالرحمن بن يزيد بن جابر، عتبة بن ابي حكيم، عثمان بن أبي العاتكة، هشام بن الغاز،

---

(۱) دیکھئے، کتاب التهجد، باب مايكره من ترك قيام الليل لمن كان يقومه، رقم: (۱۱۵۲)

(۲) بحر الدم ، جزء: ۱، ص: ۸۸

(۳) الثقات لابن حبان: ٦/٢٦٦، ٢٦٧، وتهذيب التهذيب: ٤/٤١٤

(٤) تهذيب الكمال: ١٣/١٢٩، رقم الترجمة: (٢٨٦١)، وتهذيب التهذيب: ٤/٤١٤

سعيد بن عبدالعزيز، طلحة بن عمرو المكي اور دیگر حضرات سے روایت کرتے ہیں۔

جب کہ ابو النضر اسحاق بن ابراهيم الفراديسی، حکم بن موسیٰ، سعيد بن منصور، عبدالله بن یوسف التِنّيسي، ابومُسهِر عبدالأعلى بن مُسهِر، محمد بن المبارك الصُّوري، مروان محمد الطَّاطَري، هشام بن عمار، هيثم بن الخارجة، وليد بن مسلم، يحيیٰ بن حمزة الخضرمی وغیرہ ان سے روایت کرتے ہیں(۱)۔

محمد بن سعد نے ان کا طبقہ خامسہ میں ذکر کیا ہے(۲)۔

اورانہوں نے ان کو ثقہ بھی قرار دیا ہے، مگر انہوں نے صَدَقة بن خالد السمین کہا ہے، شاید ان کو صدقة بن خالد اور صدقة بن عبداللہ السمین میں اشتباہ ہوگیا ہے جب کہ السمین ثانی (یعنی صدقة بن عبداللہ) کا لقب ہے، اول کا نہیں(۳)۔

اور علامہ ذہبی نے ان کا اٹھارویں طبقہ میں ذکر کیا ہے، اس طبقے کے رجال ۱۷۱ اور ۱۸۰ ہجری کے درمیان وفات پائے ہیں(۴)۔

اور ان کی تاریخ وفات بھی ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۸۰ یا ۱۸۴ ہجری بتائی گئی ہے(۵)۔

عبداللہ بن احمد بن حنبل اپنے والد (امام احمد) سے ان کے متعلق یہ الفاظ نقل کرتے ہیں، "ثقة ثقة ليس به بأس، أثبت من الوليد بن مسلم، صالح الحديث"(٦).

---

(١) تهذيب الكمال: ١٢٩/١٣، وتهذيب التهذيب: ٤١٤/٤

(٢) دیکھئے، الطبقات الكبرى لابن سعد: ٤٦٩/٧

(٣) دیکھئے، حاشية إكمال تهذيب الكمال للمغلطاي: ٣٦١/٦، رقم الترجمة (٢٤٨٨)

(٤) تاريخ الإسلام للذهبي: ٥٧٢/٤، ترجمة (٤١٩٧)

ان کے متعلق معاویہ بن صالح یحییٰ بن معین سے ۱۷۰ یا ۱۷۱ کا قول نقل کرتے ہیں، ہشام بن عمار ۱۸۰ اور دحیم ۱۸۳ نقل کرتے ہیں اور بعض حضرات ۱۸۰ کے بھی بعد میں ان کی وفات بتاتے ہیں۔ دیکھئے، تهذيب الكمال: ١٣١/٣، التقريب: ٢٧٥، الكاشف، ص: ٥٠١.

(٥) تهذيب التهذيب لابن حجر العسقلاني: ٤١٤/٤

(٦) تهذيب الكمال: ١٣٠/١٣، ابن ابی حاتم نے "صالح الحديث" کا اضافہ نقل نہیں کیا ہے، دیکھئے، الجرح =

عثمان بن سعید الدارمي یحییٰ بن معین سے نقل کرتے ہیں، "ثقة"(۱).

اسی طرح محمد بن عبداللہ بن نمیر، احمد بن عبداللہ العجلی، محمد بن سعد، ابوزرعہ، ابوحاتم اور ابوبکر بن ابی شیبہ وغیرہ نے بھی ان کو ثقہ قرار دیا ہے(۲)۔

ابن حبان، ذہبی اور ابن حجر نے بھی ان کو ثقہ کہا ہے(۳)۔

بخاری، ابوداود، نسائی اور ابن ماجہ کے راوی ہیں(۴)۔

زَیْدُ بْنُ وَاقِدٍ

یہ زید بن واقد القرشی ہیں، ان کی کنیت ابوعُمر یا ابوعَمر واور نسبت الشامي اور الدمشقي ہے۔ یہ جن سے روایت کرتے ہیں، ان میں بُسر بن عبدالله، جُبير بن نُفير، جناح والِدمروان، حرام بن حكيم، حسن بصري، حصن بن عبيدة بن علاق، خالد بن عبدالله بن حُسين، خالد بن اللجلاج، سعيد بن عبدالعزيز التنوخي، عبدالملك بن مروان بن الحكم، عطاء الخراسانی، عثمان بن ابی سوده، كثيره بن مره، حمد بن عبدالملك بن مروان، محمد بن يزيد، مكحول الشامي، نافع مولىٰ ابن عمر ابوسلام الاسود، أبوعبدالله الاشعري وغیرہ شامل ہیں۔

جب کہ ان سے روایت کرنے والوں میں بقية بن الوليد، بكار بن هلال العاملي، حسن بن يحيىٰ الخُشني، سُويد بن عبدالعزيز، صدقة بن خالد، صدقة بن عبدالله السمين، عبدالخالق بن زيد بن واقد (ان کے بیٹے) عمرو بن واقد القرشی، قاسم بن موسىٰ، محمد بن عيسىٰ بن

= والتعديل: ٣٩٩/٤، ترجمه (١٨٩١)

(١) تاريخ الدارمي، الترجمة: ٤٢٩

(٢) دیکھئے، تهذيب الكمال: ١٣٠/١٣، ١٣١، الجرح والتعديل: ٣٩٩/٤، تهذيب التهذيب: ٤١٤/٤، ٤١٥، تاريخ الاسلام للذهبي: ٥٧٣/٤

(٣) دیکھئے، كتاب الثقات لابن حبان: ٤٦٦/٤، والكاشف (٥٠١)، ترجمة: (٢٣٨٢)، التقريب، ص: ٢٧٥، ترجمه (٢٩١١)

(٤) تهذيب الكمال: ١٣٢/١٣، نیز دیکھئے، إكمال تهذيب الكمال للمغلطاي: ١٨٨/٢

القاسم بن سُميع، مَسلمة بن علي الخُشني، هيثم بن حُميد الغسانی، ولید بن مسلم اوریحییٰ بن حمزة الحضرمی شامل ہیں(۱)۔

جرح وتعدیل کے حوالے سے

ابوالحسن الميموني احمد بن حنبل سے نقل کرتے ہیں، "ثقة" وہ ثقہ راوی ہیں۔

عثمان بن سعيد الدارمي، احمد بن عبداللہ العجلي اور دارقطنی نے بھی انہیں ثقہ قرار دیا ہے(۲)۔

یعقوب بن سفیان کہتے ہیں، میں نے عبدالرحمٰن بن ابراہیم سے پوچھا کہ مکحول کے اصحاب میں سب سے اعلیٰ کون ہیں؟ انہوں نے ایک جماعت کا ذکر کیا اور پھر کہا، "ولكن زيد بن واقد وبُرد بن سنان من كبارهم"(۳).

ابوحاتم کہتے ہیں، "لا بأس به، محلُه الصدق"(٤).

ابن حبان نے بھی ان کا "الثقات" میں ذکر کیا ہے(۵)۔

حافظ ابوعمر بن عبدالبر فرماتے ہیں، "كان ثقة"(٦).

حاکم اور بزار بھی توثیق کرتے ہیں(۷)۔

بعض حضرات نے ان پر قدَریت کا الزام لگایا ہے(۸)۔

---

(۱) دیکھئے، تهذيب الكمال: ۱۰/۱۰۸، ترجمه (۲۱۳۰)، تهذيب التهذيب لابن حجر: ۳/٤۲٦، والجرح والتعديل: ۳/٥۱٦، ترجمه (۲٦۱۰)

(۲) تهذيب الكمال: ۱۰/۱۰۹، تاريخ الدارمي، رقم الترجمة (۳٤۱)، ثقات العجلي، ص: ۱۷، وسنن دارقطني: ۱/۳۱۹، ۳۲۰، والجرح والتعديل: ۳/٥۱٦، وتهذيب التهذيب: ۳/٤٦٦

(۳) تهذيب الكمال: ۱۰/۱۱۰، إرشاد الساري: ۸/۱٥۲ میں بھی ان کی ثقاہت مذکور ہے۔

(٤) الجرح والتعديل: ۳/٥۱٦، ترجمه (۲٦۰۱)

(٥) كتاب الثقات: ۱/۱٤۷

(٦) إكمال تهذيب الكمال للمغلطاي: ٥/۱۷۲، ترجمه: (۱۷۹۷)

(۷) إكمال للمغلطاي: ٥/۱۷۲

(۸) تهذيب الكمال: ۱۰/۱۱۰، وتهذيب التهذيب: ۳/٤۲٦

مگر یہ الزام غلط ہے اور علامہ ذہبی نے اسے غلط قرار دیا ہے، ذہبی تاریخ الاسلام میں کہتے ہیں، "وقد رُمِيَ بالقدر ولم يثبت عنه" (۱) ان پر قدری ہونے کا الزام لگا ہے، مگر قدریت ان سے ثابت نہیں ہے۔ اور "سیر اعلام النبلاء" میں کہتے ہیں، "وقيل إنه، قدري، ولم يصح" (۲) ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ قدری ہیں مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ ہاں! اس قدر ان کے متعلق ضرور کہا گیا ہے کہ ان کے بیٹے عبدالخالق کی جو اُن سے روایتیں ہیں وہ قابل اعتبار نہیں ہیں (۳)۔ حتیٰ کہ امام بخاری نے تو انہیں "منکر الحدیث" قرار دے دیا ہے (۴)۔

بُسْرِ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ

یہ بُسر بن عبید اللہ الحضرمی الشامی ہیں۔ ان کے احوال گذر چکے ہیں (۵)۔

عَائِذِ اللّٰهِ

یہ عائذ اللہ بن عبد اللہ ابوادریس الخولانی ہیں۔ ان کے احوال بھی گذر چکے ہیں (۶)۔

أَبِي الدَّرْدَاء

ابوالدرداء معروف صحابی رسول ہیں، جن کا نام عُویمر الأنصاری ؓ ہے (۷)۔

صحیح بخاری، کتاب التفسیر میں عبداللہ بن العلاء بن زَبر کی روایت میں "حدثني بُسر بن عبيدالله

---

(۱) تاريخ الاسلام: ۳/۶۸۰، رقم الترجمة (۲۳۷۷)

(۲) سير أعلام النبلاء: ۶/۲۹۷، (۱۲۵)

(۳) تهذيب التهذيب: ۳/۴۲۷

(٤) التاريخ الكبير: ۳/۴۰۷، رقم الترجمة (۱۳۵۳)، مزید توثیق کے لئے دیکھئے، الثقات لابن حبان: ۳/۳۵۸، (۱۴۱۳)، ولسان الميزان: ۲/۵۱۲، (۲۰۵۵)، تقريب التهذيب، ص: ۲۲۵، ترجمه (۲۱۵۸)، تحرير تقريب التهذيب: ۱/۴۳۷، (۲۱۵۸)، الكاشف: ۱/۴۱۹، الترجمة: (۱۷۵۷)

(٥) دیکھئے، صحيح البخاري، كتاب الجزية والموادعة، باب مايحذر من الغدر، رقم (۳۱۸۶)

(٦) دیکھئے، صحيح البخاري، كتاب الوضوء، باب الاستنثار في الوضوء، رقم (۱۶۱)

(۷) شرح الكرماني: ۱۴/۲۰۶

قال حدثني أبو ادريس الخولاني قال سمعت أبا الدرداء"(۱) کے الفاظ آئے ہیں۔

أَبْدَى عَنْ رُكْبَتِهِ

گھٹنا ظاہر کر دیا۔ قسطلانی کہتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گھٹنا عورت نہیں ہے (۲)۔

حنفیہ کے ہاں گھٹنا عورت ہے

حنفیہ کے ہاں چونکہ گھٹنا عورت ہے جس کو چھپائے رکھنا ضروری ہے اس لئے حنفیہ کے ہاں "أبدى عن ركبته" مجازی معنی پر محمول ہے اور معنی ہے "كادت ركبته أن تنكشف لمبالغته في رفع الازار" یعنی ازار اٹھانے میں اتنا مبالغہ کیا کہ قریب تھا گھٹنا کھل جائے۔ بعض شافعیہ کا بھی یہی مذہب ہے (۳)۔

أَمَّا صَاحِبُكُمْ فَقَدْ غَامَرَ

کشمیہنی کے نسخے میں "صاحبُك" بالإفراد آیا ہے (۴)۔

''صاحب'' سے مراد ابو بکر ہیں اور إفراد کی صورت میں خطاب حضرت ابو ذر سے ہوگا (۵)۔

"مُغامِر" کی تفسیر

فَقَدْ غَامَرَ...... غامَر کا معنی ہے، خاصَم، دخلَ في غمرَة الخصومة، لڑنا اور لڑائی کی مصیبت میں پڑنا، خطرات مول لینا اور جان کی بازی لگانا، اسی سے مُغامِر آتا ہے۔ یا الغامر جس کا معنی ہے، "الذي يرمي

---

(۱) دیکھئے، صحيح البخاري، كتاب التفسير، باب "قل يا ايها الناس إني رسول الله إليكم"، حديث (٤٦٤٠).

فتح الباري، كتاب فضائل أصحاب النبي، رقم: (٣٦٦١) کی ذیل میں اس روایت کا ذکر ہے، مگر اس میں "سمعت" کی بجائے "سألتُ" کے الفاظ ہیں۔

(۲) إرشاد الساري: ١٥٢/٨

(۳) لامع الدراري: ١٤٣/٨

(٤) فتح الباري: ٢٩/٧

(٥) إرشاد الساري: ١٥٣/٨

بنفسه في الأمر العظيم"(۱) جوخود کو بہت بڑے معاملے میں ڈالے یا "الذي يرمي بنفسه في الأمور المهلكة"(۲). جو اپنے کو مہلک امور میں ڈالے۔

آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا مطلب یہ تھا کہ اس آدمی نے جھگڑا کیا ہے اور وہ سخت لڑائی لڑے ہیں، یا پھر یہ غِمرٌ بکسر الغین سے ہے، جس کا معنی ہے، الحقد، کینہ، اور دل میں جلن۔ یعنی وہ کسی کے لئے دل میں کینہ لئے ہوئے ہیں (۳)۔

جب کہ سورۂ أعراف کی تفسیر میں خود امام بخاری اس لفظ کا معنی بیان کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں، "غَامَرَ أي سَبَق بالخير" خیر میں آگے بڑھنا (۴)۔

احادیث میں "مغامِر" کا لفظ مستعمل ہے، جیسے "شاكي السلاح بطلٌ مُغامِر"(٥).

اور اس کے بھی یہ دونوں معانی بیان کئے گئے ہیں، یعنی "مخاصِمٌ" یا "محاقِد"(٦).

امام بخاری نے جو غـامِر کا سابق بالخیر کے ساتھ معنی بیان کیا ہے، اس کے متعلق قاضی عیاض فرماتے ہیں، یہ صرف مستملی عن ابی ذر کی روایت میں ہے اور یہ ایک غریب اور نامانوس تفسیر ہے۔ تاہم حافظ ابن حجر نے قاضی صاحب کے اعتراض کو بلا جواز قرار دیا ہے اور امام بخاری کی تفسیر کو درست کہا ہے، حافظ صاحب فرماتے ہیں، محبّ طبری نے اس تفسیر کو ابو عبیدۃ بن المثنیٰ کی طرف بھی منسوب کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں امام بخاری کے پیشوا اور پیشرو بھی ہیں، پھر اسے غریب کیوں کر کہا جا سکتا ہے (۷)۔

"أما صاحِبكم" کا قسیم ہے، "وأمّا غيرُه فلا" جو یہاں محذوف ہے (۸)۔ اور یا وأمّا غيرُه فلا

(١) فتح الباري: ٢٩/٧

(٢) النهاية لابن الأثير: ٣٢٠/٢

(٣) فتح الباري: ٢٩/٩

(٤) صحيح البخاري، كتاب التفسير، رقم (٤٦٤٠)

(٥) النهاية لابن الأثير: ٣٢٠/٢

(٦) النهاية: ٣٢٠/٢

(٧) فتح الباري: ٢٩/٩

(٨) فتح الباري: ٢٩/٩

أعلمه"(١).

فَسَلَّمَ

ابوبکر نے آکر سلام کیا۔ ابونعیم اصبہانی "حلیۃ الاولیا" میں کہتے ہیں، "حتی سلّم علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "(٢).

یہاں سلام کا جواب مذکور نہیں ہے۔ اس لئے کہ سلام کا جواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہوگا اور اس طرح کی چیزیں معلوم ہونے کی وجہ سے عموماً ترک کردی جاتی ہیں (٣)۔

حضرت ابوبکر وعمر کے درمیان ناراضگی

كَانَ بَيْنِي وَبَيْنَ ابْنِ الْخَطَّابِ شَيْء ...... ابن الخطاب سے حضرت عمر فاروق مراد ہیں اور شيء سے مراد ہے، "شيء من المراجعة" یعنی کچھ لے دے اور ڈانٹ ڈپٹ۔ چنانچہ بخاری کی کتاب التفسیر والی روایت میں شيء کی جگہ "مُحاورَة" ہے، جس کا معنی ہے باتوں باتوں میں ناراض ہونا، کڑوی کسیلی سنانا، تو تو میں میں ہوجانا (۴)۔

اور مسند ابی یعلی میں ابوامامہ کی روایت ہے، جس میں "معاتبة" کا لفظ ہے، یعنی طرفین اور فریقین کا ایک دوسرے کو ڈانٹنا اور زیر عتاب لانا (۵)۔

"مقاولة" کا لفظ بھی آیا ہے، یعنی باہم ناراضگی۔

فأسرعتُ إليه: میں ان کی طرف لپکا اور آگے بڑھا پھر مجھے ندامت ہوئی۔

"کتاب التفسیر" میں یہ الفاظ ہیں، "فأغضبَ ابوبكر عمرَ فانصرَف عنه مغضِبًا فاتبعه

---

(١) إرشاد الساري: ١٥٣/٨، وتحفة الباري: ١٩٦/٤

(٢) حلية الاولياء، جزء ٩، ص: ٣٠٤، دارالكتاب العربي بيروت

(٣) فتح الباري: ٢٩/٩، وعمدة القاري: ٢٥٠/١٦

(٤) صحيح البخاري، كتاب التفسير، رقم (٤٦٤٠)

(٥) فتح الباري: ٢٩/٩

أبوبکر"(۱).

حضرت ابوبکر نے عمر کو غصہ دلایا تو وہ غصے میں چلے گئے، ابوبکر ان کے پیچھے چلے۔ یہ گویا "فأسرعتُ إليه ثم ندمتُ" کی وضاحت ہے۔

محمد بن المبارک نے "ندمتُ" کے ساتھ "علی ما کانَ" کا اضافہ بھی کیا ہے(۲)۔

ابوبکر کا عمر سے معافی مانگنا

فَسَأَلْتُهُ أَنْ يَغْفِرَ لِي...... أي ما وقعَ مِنّي(☆) یعنی میں نے ان سے معافی کی درخواست کی کہ وہ مجھے بخش دے اور "کتاب التفسیر" والی روایت میں "أن یستغفر له فلم یفعل حتی أغلَق بابَه في وجهه" کے الفاظ ہیں۔ اُن الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ میں نے ان سے اپنے لئے استغفار کی درخواست کی، یعنی یہ کہ مجھ سے غلطی اور لغزش ہوگئی، ہے اللہ سے میرے لئے مغفرت کی دعا کریں تاکہ وہ اس پر میرا مؤاخذہ نہ کرے، لیکن انہوں نے اسے قبول نہیں کیا۔

محمد بن المبارک سے "فتبعتُه إلی البقیع حتی خرَج مِن دارِہ" کے الفاظ منقول ہیں۔

اسماعیلي، هسنجاني عن هشام بن عمار کی روایت سے "وتحرَّز منّي بدارِہ" کے الفاظ نقل کرتے ہیں اور ابوامامہ کی حدیث میں "فاعتذر ابوبکر إلی عمر فلم یقبل منه" کے الفاظ ہیں(۳)۔

ثَلاَثًا

أي ثلاث مرّاتٍ، یعنی آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے یہ الفاظ تین مرتبہ دہرائے(۴)۔

ابوبکر کے لئے رسول اللہ کی زبان سے دعائے مغفرت کا اعزاز

ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طلب پر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے لئے استغفار نہیں کیا تو رسول اللہ

---

(۱) کتاب التفسیر، رقم (٤٦٤٠)

(۲) عمدة القاري: ۱٦/۲۵۰، وفتح الباري: ۹/۲۹

(۳) إرشاد الساري: ۸/۱۵۳

(٤) فتح الباري: ۹/۲۹

(۵) لامع الدراري: ۸/۱٤٤

صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے عوض میں ان کے لئے تین مرتبہ "يغفر الله لك" فرما کر اس کی تلافی کی جو ابو بکر کے لئے بہت بڑا اعزاز ہے (۱)۔

أَثَمَّ أَبُو بَكْرٍ

کیا ابو بکر یہاں ہیں، ثَمَّ بفتح الثاء ظرف ہے اور ہمزہ استفہام کا ہے (۲)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ لال ہوا

فَجَعَلَ وَجْهُ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم يَتَمَعَّرُ...... يتمعّر، بالعين المهملة المشّددة اس کا معنی ہے، اس (چہرے) کی سرخی اور رونق جاتی رہی، غصے اور ناراضگی کی وجہ سے۔ اور غصے میں آدمی کا چہرہ لال پیلا ہونا، اور اس کا رنگ بدل جانا ہوتا ہے۔ اس صورت میں ہے کہ جب یہ بالعین ہو، اس صورت میں اس کا اصل "معر" ہے اور "معرّ" جرب یعنی خارش کو کہا جاتا ہے، خارش سے چونکہ خارش زدہ جگہ متاثر ہو جاتی ہے اور بدل جاتی ہے، اس لئے چہرے کے تغیر اور بدل جانے کے لئے بھی لفظ "تمعر" کو استعمال کیا گیا ہے۔ "أمعرَ المكان" جگہ سخت ہونے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اور "أمعرَ الحيوان" اس وقت بولتے ہیں جب جانور کو خارش ہو جائے (۳)۔

اور "مَعِر الرأس" اس وقت کہا جاتا ہے جب سر کے بال کم ہو جائیں اور سر بدصورت ہو جائے (۴)۔

بہر حال "معر" کا معنی ہے بگڑنا، بدل جانا وغیرہ اور غصے میں انسان کی یہ کیفیات ہوتی ہیں۔

ابوذر کے نسخے میں "يتمغر" بالغين المعجمة مستعمل ہے، جو "مغر" سے ہے اور مغر "مِغرَة" سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے وہ لیس دار مٹی جس سے رنگائی ہوتی ہے (۵)۔ اسی سے أمغر آتا ہے، جو ایک

---

(۱) فتح الباري: ۹/۳۰، وعمدة القاري: ۱۶/۲۵۰، وإرشاد الساري: ۸/۱۵۳

(۲) إرشاد الساري: ۸/۱۵۳

(۳) فتح الباري: ۹/۳۰

(٤) النهاية لابن الاثير: ۲/٦٦٦

(٥) النهاية لابن الاثير: ۲/٦٦٦

حدیث میں وارد ہے، اس کے الفاظ یوں ہیں: "أيكم ابن عبدالمطلب؟ قالوا: هو الأمغر المرتفق"(۱) أي الأبيض الأحمر، یہ سرخ وسفید آدمی جس نے اپنے مرفق (بازو) پر ٹیک لگایا ہوا ہے۔

آدمی کا چہرہ غصے کی وجہ سے چونکہ لال ہو جاتا ہے اور اس کا رنگ بدل جاتا ہے تو اس لئے اس کے لئے "تمغر" کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ ان کا چہرہ ایسا سرخ ہوا جیسے اس کو "مِغرة" مٹی سے رنگا گیا ہو(۲)۔

"کتاب التفسیر" میں امام بخاری نے اس کے لئے صریح لفظ استعمال کیا ہے، وہاں الفاظ ہیں، "وغضب رسول الله"(۳).

عمر کی ندامت اور بلیغ لفظوں میں معذرت

اور ابویعلی نے جو ابوامامہ سے اس مضمون کی روایت نقل کی ہے، اس کے الفاظ یوں ہیں:

"فجلس عمر فأعرَض عنه -أي النبي صلى الله عليه وسلم- ثم تحوَّل فجلَس إلى الجانبِ الآخر، فأعرض عنه، ثم قام فجلَس بين يديه فأعرض عنه، فقال: يا رسول الله! ما أرى إعراضك إلا لشيء بلَغَك عنّي، فما خير حياتي وأنت معرض عني؟ فقال أنت الذي اعتذر اليك ابوبكر فلم تقبل منه"(٤).

حضرت عمر آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تو آپ نے ان سے منہ موڑا، وہ گھوم کر دوسری جانب سے آ کر بیٹھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ان سے منہ پھیرا، عمر رضی اللہ عنہ اٹھ کر آپ کے سامنے آ بیٹھے، آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے پھر منہ موڑا، تب عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، اللہ کے رسول! یہ جو آپ کا اعراض ہے، میرا خیال ہے

---

(١) أخرجه النسائي في كتاب الصيام، باب وجوب الصيام، رقم (٢٠٩٣)

(٢) فتح الباري: ٣٠/٩

(٣) كتاب التفسير، رقم: (٤٦٤٠)

(٤) فتح الباري: ٣٠/٩

ضرور میرے بارے میں کسی نے آپ کو کچھ بتایا ہے، جس کی وجہ سے آپ میرے ساتھ ایسا کر رہے ہیں، لیکن میری زندگی کس کام کی، اگر آپ مجھ سے اعراض کر رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، آپ ہی تو ہیں جس نے حضرت ابوبکر کے اعتذار کو قبول نہیں کیا، جب انہوں نے آپ سے معذرت کی۔

اور طبرانی نے ابن عمر سے اس مضمون کی روایت نقل کی ہے، جس کے الفاظ ہیں:

"يسألك أخوك أن تستغفر له، فلا تفعلُ"(۱). آپ کا بھائی آپ سے استغفار کے لئے کہہ رہا ہے اور آپ اسے قبول نہیں کر رہے ہے؟

اس پر سیدنا عمر نے کہا:

"والذي بعثكَ بالحق مامِن مرةٍ يسألني إلا وأنا أستغفر له وما خلَق الله من أحدٍ أحبَّ إلي منه بعدك" اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو برحق نبی بنا کر بھیجا، جتنی مرتبہ بھی اگر وہ مجھ سے استغفار کے لئے کہیں گے، میں ان کے واسطے استغفار کروں گا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے بعد ان سے میرے لئے زیادہ محبوب آج تک کوئی پیدا نہیں کیا۔

ابوبکر نے کہا، "وأنا والذي بعثك بالحق كذلك" اور میں بھی اس خدا کی قسم! جس نے آپ کو برحق مبعوث کیا، ان کے لئے ایسا ہی ہوں، جیسے وہ میرے لئے ہیں (۲)۔

عمر کو عتاب رسول سے بچانے کے لئے ابوبکر کا خود کو ذمہ دار ٹھہرانا

حَتّٰى أَشْفَقَ أَبُو بَكْرٍ ...... ابوبکر ڈرے، محمد بن المبارک نے اس کے ساتھ ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے۔ "أن يكون مِن رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى عمرَ ما يكرَه"(۳).

یعنی ابوبکر کو یہ خدشہ اور خوف لاحق ہوا کہ کہیں آپ علیہ الصلاۃ والسلام عمر رضی اللہ عنہ کو ایسا کچھ کہہ نہ

---

(۱) المعجم الكبير: ۱۲/۳۷۲، رقم: ۱۳۳۸۳

(۲) فتح الباري: ۹/۳۰

(۳) فتح الباري: ۹/۳۰، وعمدة القاري: ۱۶/۲۵۰

دیں جواُن کو ناگوار گذرے۔

"فجثا، أي برك على ركبتيه" یعنی: آپ دوزانو بیٹھ گئے۔

أَنَا كُنْتُ أَظْلَمَ

یعنی میں ہی اس قصۂ مذکور میں زیادہ زیادتی کرنے والا تھا، ظلم اور زیادتی کو اپنے سر لینے کی ابوبکر کی بات کی وجہ یہی تھی کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کوئی ناپسندیدہ معاملہ ہو جانے کا ڈر محسوس کررہے تھے سوانہوں نے کہا کہ ان سے زیادہ میں زیادتی کرنے والا ہوں اور حضرت ابوبکر کی بات ایک طرح سے مبنی بر واقعہ بھی تھی کیونکہ اس تو تکار کا آغاز ابوبکر نے کیا تھا اور اقدام کرنے والا ہی ظاہر ہے نتائج کا ذمہ دار ہوتا ہے(۱)۔

مَرَّتَيْنِ

یہ "قـال" کا ظرف ہے یعنی ابوبکر نے دو دفعہ یہ بات دہرائی یا پھر یہ ابوبکر کے قول کا حصہ ہے، اس صورت میں اس کا معنی ہوگا میں ہی دو مرتبہ زیادتی کرنے والا رہا ہوں، یعنی "کـنـت" سے اس کا تعلق ہے(۲)۔

وَوَاسَانِي

"مواساة" سے ہے جس کا معنی ہے، ہمدردی، کشمیہنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "واسَاني" یا "آساني" بالمد نقل کیا ہے، "آساني" یہ ایک حدیث میں آیا ہے، جس کے الفاظ ہیں، "ما أحد عندي أعظم يداً من ابی بكر، آساني بنفسِه ومالِه"(۳).

اسی طرح حضرت عمر نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا:

"آسِ بينَ الناس في وجهِك وعدلِك" أي اجعل كل واحد منهم

---

(۱) دیکھئے، فتح الباري: ۳۱/۹

(۲) فتح الباري: ۳۱/۹، وعمدة القاري: ۲۵/۱۶، وشرح الكرماني: ۲۰۷/۱۴

(۳) فتح الباري: ۳۱/۹

أسوة خصمه"(١).

لوگوں کے درمیان اپنی توجہ اور انصاف میں ''مواسات'' کرو یعنی ہر آدمی کو اس کے مقابل کے برابر اور نمونہ سمجھو۔

یہاں حدیث باب میں "وواسَاني" کے الفاظ ہی راجح ہیں کیونکہ یہ "مواسَاة" سے ہے جو بابِ مفاعلہ سے ہے اور اس کا معنی یہ ہوتا ہے ایک آدمی دوسرے کو اپنے مال و جان میں اس قدر شریک کر دیتا ہے کہ پھر وہ دونوں برابر ہو جاتے ہیں، "أي يجعل يدَه ويدَ صاحبِه في مالِه سواء"(٢).

تَارِكُوا لِي صَاحِبِي کی ترکیبی حیثیت

"تارِكُو" یہاں بغیر ''نون'' کے اور کتاب التفسیر میں "تار كُون لي" بالنون آیا ہے(۳)۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں صحیح بھی یہی ہے کہ یہ "تار كون" بالنون ہے اور پھر انہوں نے ابو البقاء کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ حذفِ نون یہاں کتابت کی غلطی ہے اور راویوں نے اسے غلط نقل کیا ہے، کیونکہ لفظِ (تـار كُون) نہ مضاف ہے اور نہ مصدر بالألف و باللام۔ اور نون کا حذف ان ہی دو مقامات پر جائز ہے اور "تـار كُو" میں جب ان دونوں وجوہ میں سے ایک بھی وجہ نہیں پائی جاتی تو یہاں نون کا حذف جائز نہیں ہوگا(۴)۔

اور جو حضرات یہاں حذفِ نون کے قائل ہیں وہ اس کی دو وجہیں بتاتے ہیں، ایک یہ کہ "صاحِبي" میں ''صاحب'' یائے متکلم کی طرف مضاف اور "تـار كُو" کے لئے مضاف الیہ ہے یعنی ''مضاف الیہ مضاف'' ہے اور اس کے اور اس کی طرف مضاف ہونے والے اسم یعنی "تـار كُوا" کے درمیان "لـي" جار مجرور کو اس لئے لایا گیا تا کہ اس سے فعلِ ترک کی پیغمبر کے ساتھ تخصیص کا معنی حاصل ہو۔ اور یہ ظاہر ہو جائے کہ رسول اللہ لوگوں سے حضرت ابو بکر کو اپنے لئے چھوڑ دینے کا فرما رہے ہیں، "لِـي" کا یہی معنی ہے اور اس میں گویا دو اضافتیں ہیں اور دونوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق کی اپنی طرف اضافت اور نسبت کی ہے، تا کہ اس سے اُن

---

(١) النهاية لابن الأثير: ٦٢/١

(٢) فتح الباري: ٣١/٧، وإرشاد الساري: ١٥٣/٨

(٣) دیکھئے، كتاب التفسير، حديث (٤٦٤٠)

(٤) فتح الباري: ٣١/٧

کی عظمت اور پیغمبر کے ساتھ قرب واختصاص کا تعلق ظاہر ہو۔ اور اس فصل بین المضافین کی نظیر ہے "وکذلك زُينٌ لكثير من المشركين قتلُ اولادَهم شركاءِ هم"(۱) اس میں ابن عامر کی قراءت جو "اولادهم" کے نصب "قتلُ" کے رفع اور "شركاءِ هم" کے جر کے ساتھ ہے۔ یہاں مضاف (قتل) اور مضاف ثانی (شرکاء) کے درمیان مفعول (اولادہم) کو بطور فصل لایا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ کلام عرب میں یہ جائز ہے۔

دوسری وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ جب اسم موصول لمبا ہو جاتا ہے تو اس سے نون کو گرایا جا سکتا ہے، جیسے "وخضتم كالذي خاضوا"(۲) یہاں لفظ "الذين" میں ایسا ہی ہوا ہے، کہ اس سے "نونِ" جمع گرا دیا گیا ہے اور "الذي" رہ گیا ہے۔ یعنی لفظ کے طویل ہو جانے کی وجہ سے ایسا ہو سکتا ہے کہ اس سے کوئی حرف گرایا جائے اور یہاں "تاركوا" میں بھی یہی ہوا ہے (۳)۔

علامہ عینی نے اس مضافین کے درمیان فصل کی ایک اور مثال دی ہے، وہ فرماتے ہیں شاعر کا قول ہے:

فـرُشـنـي بـخـيـر لا أكـونـن ومـدحَتي
كـنـاحـتِ -يـومـاً- صـخـرةٍ بعسيل

یہاں رُشني، راش يريش سے امر ہے جس کا معنی ہے اصلاح احوال اور "ومدحَتي" میں واو مصاحبت کے لئے ہے اور استشہاد اس میں یوماً ظرف سے ہے جو "ناحِت" اور "صخرة" کے درمیان فاصل ہے اور اصل تقدیر یوں ہے، "كناحِت صخرة يوماً بعسيل" عسِيل بفتح العين وكسر السين قضيب الفيل کو کہا جاتا ہے۔

عینی صاحب نے حافظ ابن حجر کے ابوالبقاء سے استدلال پر رد فرمایا ہے اور کہا ہے کہ حذف نون کے ساتھ روایت کو رواۃ کی غلطی قرار دینا جیسے کہ ابوالبقاء سے حافظ نے نقل کیا ہے۔ صحیح نہیں ہے کیونکہ یہاں اس روایت میں حذف نون کے ساتھ لفظِ تارکُوا مستعمل ہے، شعر مذکور میں بھی بین المضافین فاصلہ مستعمل ہے، جو "تاركُو" بدون النون کا مؤید ہے، قرآن کریم کی آیت ﴿وكذلك زيّن لكثير من المشركين قتل اولادهم شركاء هم......﴾(٤) میں بھی حسبِ قراءۃ عامر (جو بجر شركاء وارد ہے) فصل بین المضافین وارد

(۱) سورة الأنعام آيت ۱۳۷

(۲) سورة التوبة آيت (٦٩)

(۳) فتح الباري: ۳۱/۹، وحاشية الشهاب على البيضاوي: ٥٩٨/٤

(٤) سورة الانعام آيت: ۱۳۷

ہےاوران کے علاوہ کئی اشعار میں بھی استعمال ہوا ہے لہٰذا سقوطِ نون کو ناسخ کی غلطی قرار دینا غلط ہے(۱)۔

مَرَّتَيْنِ

محمد بن مبارک کی روایت میں "ثلاث مراتٍ" آیا ہے(۲)۔

فَمَا أُوذِيَ بَعْدَهَا

اس قصے کے بعد حضرت ابوبکر کی کوئی بے تعظیمی نہیں ہوئی اوران کو کوئی اذیت نہیں دی گئی۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں ان الفاظ(فما أوذي......) کا اضافہ میں نے سوائے ہشام بن عمار کی روایت کے کہیں نہیں دیکھا(۳)۔

ابوبکر کا اسی طرح کا ایک اور قصہ

اور ویسے اس طرح کا ایک واقعہ حضرت ابوبکر اور ربیعہ بن جعفر کے درمیان بھی پیش آیا، چنانچہ امام احمد ربیعہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں:

"أن النبيَّ صلى الله عليه وسلم أعطاه أرضاً وأعطى أبابكر أرضاً، قال: فاختلفا في عذق نخلة، فقلتُ أنا: هي في حدّي، وقال أبوبكر: هي في حدّي، فكان بيننا كلام. فقال له ابوبكر كلمة ثم ندِم، فقال: ردّ علي مثلها حتى يكون قصاصاً، فأبيتُ فأتى النبيَّ صلى الله عليه وسلم فقال: مالَك وللصديق؟ —فذكر القصة— فقال أجل فلا تردّ عليه ولكن قل: غفر الله لك يا أبابكر، فقلتُ، فولى ابوبكر وهو يبكي"(٤).

فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک زمین دے دی اور ابوبکر کو بھی ایک زمین دی پھر ہمارا کھجور کے ایک پھل دار درخت میں اختلاف ہوا میں نے کہا یہ میری حد میں ہے

---

(۱) عمدة القاري: ٢٥١/١٦

(۲) فتح الباري: ٣١/٩

(۳) عمدة القاري: ٢٥١/١٦

(٤) مسند احمد، حديث ربيعة بن كعب الأسلمي رقم: ١٦٥٧٧

اورانہوں نے کہا میری حد میں ہے، ہمارے درمیان بات بڑھی تو انہوں نے مجھ سے ایک لفظ کہہ دیا اور پھر وہ اس پر پشیمان ہوئے چنانچہ انہوں نے کہا اب تم بھی مجھے اسی طرح بات کہہ دوتا کہ یہ اس کا بدلہ ہوجائے (اور میرا آخرت میں مواخذہ نہ ہو) میں نے انکار کیا، ابوبکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تمہارا اور صدیق کا کیا قصہ ہے؟ میں نے وہ سارا ماجرا سنایا تو رسول اللہ نے فرمایا ہاں! ان کے متعلق ایسا کوئی لفظ نہ کہنا البتہ یہ کہو کہ ابوبکر اللہ تعالیٰ تیری مغفرت کرے۔ میں نے جب یہ کہا تو ابوبکر روتے ہوئے مڑ کر چلے گئے۔

فوائد حدیث

اس حدیث سے متعدد فوائد بھی مستنبط ہوتے ہیں:

۱- ایک تو یہ کہ حضرت ابوبکر دوسرے تمام صحابہ سے افضل اور بہتر تھے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ناراض کرنے پر حضرت عمر وغیرہ سے خفگی کا اظہار کیا، ان کی وجہ ترجیح وتفضیل بیان کی اور ان کو اپنا خاص ساتھی بتلایا۔

۲- دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ فاضل کو اپنے سے افضل کے ساتھ غصے سے پیش نہیں آنا چاہیے۔

۳- تیسرا یہ کہ کسی آدمی کے منہ پر بھی اس کی تعریف جائز ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ یہ جواز اس وقت ہے جب کہ اس آدمی کا فتنے یا دھوکے میں پڑنے کا اندیشہ نہ ہو۔

۴- یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ انسان کی طبیعت اور جبلّت ایسی بنائی گئی ہے کہ اس پر بعض مرتبہ غصے کی کیفیت غالب آجاتی ہے اور اس کے باعث وہ پھر خلافِ اولیٰ چیزوں کا ارتکاب کر لیتا ہے، کسی بھی انسان کو اس طرح کے بشری تقاضوں اور کمزوریوں کا خلقتاً سامنا رہتا ہے، پھر اس کے فضل وکمال کی علامت ہے کہ وہ جلد اس سے رجوع کر لے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا بھی ارشاد ہے، ﴿إن الذين اتقوا إذا مسّهم طائفٌ من الشيطان تذكروا فإذا هم مبصرون﴾(۱). پرہیز گار لوگوں کو جب شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ ہوتا ہے

(۱) سورة الاعراف آیت ۲۰۰

تو وہ چونک جاتے ہیں اور دل کی آنکھوں سے دیکھنے لگتے ہیں۔

۵- حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ غیر نبی چاہے جتنا ہی بڑا صاحب فضل ومقام کیوں نہ ہو وہ معصوم بہرحال نہیں ہوتا اور غلطی اس سے ہو جاتی ہے۔

۶- یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ زیادتی کرنے والے کو مظلوم سے اپنے لئے استغفار کے لئے کہنا چاہیے اور انہیں ناراض کرنے کے وبال سے خود کو بری الذمہ کرنا چاہیے۔

۷- یہ ایک فطری بات ہے کہ آدمی جب کسی پر غصہ ہوتا ہے تو عموماً اس کا نام نہیں لیتا بلکہ اس کی نسبت باپ کی جانب کرتا ہے، یا دادا کی طرف، حضرت ابوبکر نے ''ابن الخطاب'' کہہ کر یہی کیا۔ ایسا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک موقعے پر حضرت علی کے بارے فرمایا(۱)۔

آپ نے فرمایا، "الا إن كان ابنُ ابي طالب يريد أن ينكح ابنتَهم......"(۲).

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

"إلا أن يريد ابن ابي طالب أن يطلّق ابنتي وينكح ابنتَهم"(۳).

۳٤٦٢ : حدّثنا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ الْمُخْتَارِ : قَالَ خالِدٌ الحَذَّاءُ : حَدَّثَنَا عَنْ أَبِي عُثْمَانَ قَالَ : حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَعَثَهُ عَلَى جَيْشِ ذَاتِ السَّلَاسِلِ ، فَأَتَيْتُهُ فَقُلْتُ : أَيُّ النَّاسِ أَحَبُّ إِلَيْكَ ؟ قَالَ : (عائِشَةُ) . فَقُلْتُ : مِنَ الرِّجالِ ؟ فَقَالَ : (أَبُوهَا) . قُلْتُ : ثُمَّ مَنْ ؟ قَالَ : (عُمَرُ بْنُ الخَطَّابِ) . فَعَدَّ رِجالاً .

[٤١٠٠]

(۱) دیکھئے، فتح الباري: ۳۱/۷، وعمدة القاري: ۲۵۱/۱٦

(۲) مسند احمد، حديث ربيعة بن كعب، رقم: ١٦٥٧٧

(۳) دیکھئے، كتاب النكاح، باب ذب الرجل عن ابنته في الغيرة والانصاف، رقم (٥٢٣٠)

(۳٤٦٢) الحديث أخرجه البخاري في صحيحه: ٥١٧/١، كتاب فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم "لو كنت متخذا خليلاً"، رقم: ٣٦٦٢، وفي: ٦٢٥/٢، كتاب المغازي، باب غزوة ذات السلاسل، رقم: ٤٣٥٨، ومسلم في: ٢٧٣/٢، كتاب فضائل الصحابه، باب من فضائل أبي بكر، رقم: ٢٣٨٣

رجالِ حدیث

مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ

یہ معلّٰی بن اسد ابوالہیثم البصری ہیں۔ ان کے احوال گذر چکے ہیں (۱)۔

عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ الْمُخْتَارِ

یہ عبدالعزیز بن المختار الانصاری البصری ابواسحاق (یا ابواسماعیل) الدباغ ہیں۔ ان کے احوال بھی گذر چکے ہیں (۲)۔

خَالِدٌ الْحَذَّاء

یہ خالد بن مہران ابوالمنازل الحذاء البصری ہیں، ان کے احوال "كتاب العلم، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم "اللّٰهم علّمه الكتاب" کے تحت گذر چکے ہیں (۳)۔

ابوعثمان

ان کا نام ونسب یوں ہے: عبدالرحمٰن بن مَلّ بن عمرو بن عدی بن وہب بن ربیعہ بن سعد بن جُذیمۃ (یا خُزیمۃ) بن کعب بن رفاعۃ بن مالک بن نہد بن زید بن لیث بن أسود بن أسلم بن الحاف بن قضاعہ، ابوعثمان النہدي الکوفی۔

بعض حضرات نے ملّي ذکر کیا ہے اور بعض نے مَلّ (۴)۔

اسی طرح خزیمہ بالخاء المعجمہ کی بجائے بالحاء المہملۃ بھی ذکر کیا گیا ہے (۵)۔

---

(۱) دیکھئے، کتاب الحیض، باب المرءة تحیض بعد الافاضة حدیث (۳۲۹)

(۲) دیکھئے، كتاب الصلاة، باب التعاون في بناء المساجد، حديث (٤٤٧)

(۳) كشف الباري: ۳۶۱/۳

(٤) إكمال تهذيب الكمال: ۲۳۳/۸

(٥) إكمال تهذيب الكمال: ۲۳۳/۸، مغلطائی نے ابن ماکولا اور حافظ ابن عبدالبر کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ یہ لفظ بفتح الحاء المهملة والزاء المكسورة ہے اور حافظ مزی نے جو اسے جذيمة بالجيم یا خزیمہ بالخاء المعجمہ نقل کیا ہے اسے "غیر جید" کہا ہے۔ تاہم محققین نے اسے مغلطائی کی غیر ضروری تنبیہات اور مجازفات میں سے قرار دیا ہے اور حافظ =

یہ (ابوعثمان) کوفہ میں رہے ہیں اور بعدازاں بصرہ آئے۔

انہوں نے جاہلیت بھی پائی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد میں ہی اسلام قبول کیا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام صدقہ بھی بھیجا ہے، مگر آپ علیہ الصلاۃ والسلام سے ملاقات نہیں کر سکے(۱)۔

کہا گیا کہ ۶۰ سال سے زیادہ عرصہ انہوں نے جاہلیت میں گزارا ہے اور ۶۰ سال سے زائد عرصہ اسلام میں زندہ رہے اور سن ۱۰۰ ہجری کو ان کا وصال ہوا ہے، قادسیہ، جلولاء، تستر، نہاوند، یرموک، آذربیجان، مہران ورستم کی جنگوں میں شرکت کی (۲)۔

ابن سعد نے "الطبقات الکبریٰ" میں "طبقۂ اولیٰ من البصریین" میں ان کا ذکر کیا ہے، چنانچہ فرمایا:

"أخبرَنـا الفضلُ بن دُكين قال حدّثنا ابوطالوت عبدالسّلام بن شدّاد قـال، رأيتُ أبـا عثمان النهدي شرطياً يجيئ فيأخذ من أصحاب الكماة ...... وتوفي في أولِ ولاية الحجاجِ العراق بالبصرة، وكان ثقة"(۳)۔

راوی کہتے ہیں ابوعثمان النہدی سپاہی تھے جو کھمبیاں لینے آتے تھے، عراق پر حجاج کی ولایت کے ابتدائی زمانے میں ان کا بصرہ میں انتقال ہوا تھا اور یہ ثقہ راوی ہیں۔

ابوالحسن بن البراء فرماتے ہیں، علی بن المدینی کا کہنا ہے، "كـان جـاهـليـاً ثـقـة، لـقـي عُمرَو ابنَ مسعود وقد أدرك النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم"(٤)۔

=مزی ہی کی بات کو صحیح ثابت کیا ہے۔ اس کی صحت کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ابن عبدالبر کی "الاستیعاب" میں بھی خزیمۃ بالخاء المعجمۃ المضمومۃ واقع ہے، پھر دارقطنی نے بھی "المؤتلف" (۱/۲۱۸) میں "نہد" قبیلے کی تشریح کرتے ہوئے کہا ہے، "منهم ابو عثمان النهدي......" آگے کہا، "ومنهم قبائل باليمن وقبائل بالشام كلهم ولد خزيمة -كذا أوله معجمة مضمومة- بن نهد، وهم في تنوخ في نهد اليمن.

اسی طرح ابن الاثیر کی "أسد الغابة" میں بھی خزیمہ ۔بضم الخاء المعجمہ ۔ ہے، دیکھئے "أسد الغابة": ۳/۱۵۴۔

(۱) تهذيب الكمال: ۱۷/٤۲٥

(۲) إكمال تهذيب الكمال للمغلطاي: ۸/۳۳۳

(۳) الطبقات الكبرى: ۷/۹۷، ۹۸

(٤) تهذيب الكمال: ۱۷/٤۲۷، والجرح والتعديل: ٥، الترجمة (۱۳٥۰)

ابوالحسن بن البراء ہی یہ بھی کہتے ہیں:

نسختُ من كتاب علي بن المديني ولم أسمعه منه: ابو عثمان النهدي، واسمه عبدالرحمن بن مَل، ويقال: مُل، وأصله كوفي، وصار إلى البصرة بعدُ: وهو مِن العرب، وقد أدرك الجاهليةَ، وهاجر إلى المدينةِ بعد موت أبي بكر، ووافقَ استخلافَ عُمرَ وسمع من عمرَ ولم يسمع من أبي ذر"(۱).

(راوی) کہتے ہیں کہ میں نے علی بن المدینی کی کتاب سے نقل کیا ہے، ان سے سنا نہیں ہے کہ...... ابوعثمان النہدي جن کا نام عبدالرحمٰن بن مَل (میم کی حرکاتِ ثلاثہ کے ساتھ) ہے، اصلاً کوفی ہیں، پھر بعد میں بصرہ آئے، عرب ہیں، جاہلیت میں رہے ہیں، ابوبکر کی موت کے بعد مدینہ ہجرت کی ہے اور عمر (رضی اللہ عنہ) کی خلافت کے زمانے میں ان کا مدینہ آنا ہوا، عمر (رضی اللہ عنہ) سے سنا ہے اور ابوذر (رضی اللہ عنہ) سے نہیں سنا۔

حسن بن قتیبہ ضحاک بن یسار سے نقل کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں میں نے ابوعثمان النہدي کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے:

"كنتُ ابن سبع عشرةَ سنةً أرعى إبل أهلي، فكان يمرُّ بنا المارّ جائيا من تهامةَ فنقول: ما هذا الصابيء الذي خرَج فيكم؟ فيقول: خرَج والله رجل يدعوا إلى الله وحدَه قد أفسد ذات بينهم"(۲).

یعنی میں سترہ برس کا تھا اونٹ چَراتا تھا اور اکثر ہم پر "تھامہ" سے آتے ہوئے کسی آدمی کا گزر ہوتا تھا ہم اس سے کہتے تھے یہ "صابی" یعنی باپ دادا کے دین سے نکلنے والا آدمی تم میں کون نکلا ہے؟ وہ کہا کرتا تھا بخدا! ایک آدمی نکلا ہے جو خُدائے واحد کی طرف دعوت دیتا ہے اور لوگوں کے آپس کے تعلقات اس نے بگاڑ دیئے ہیں۔

(۱) تهذيب الكمال: ۱۷/۴۲۷

(۲) تهذيب الكمال: ۱۷/۴۲۷

عبدالقاہر بن السّری اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں:

"كان ابو عثمان النهدي من قُضاعة وأدركَ النبيَ صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ولم يَره وكان من ساكِني الكوفة، فلما قُتل الحسين تحوَّل إلى البصرة وقال لا أسكن بلداً قُتل فيه ابن بنتِ رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وحجَّ ستينَ ما بين حَجَّةٍ وعُمرةٍ وقال: أتت علَيَّ ثلاثون ومئة سنةٍ، وما منّي شيء إلا وقد أنكرته خلا أملي، فاني أجدُه كما هو"(۱).

ابوعثمان النہدی کا تعلق قضاعہ سے تھا انہوں نے رسول اللہ کا زمانہ پایا لیکن آپ کو دیکھا نہیں، وہ کوفہ کے رہنے والے تھے اور جب حضرت حسین شہید کئے گئے تو بصرہ چلے گئے اور کہا میں ایسے شہر میں نہیں رہوں گا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کا جگر گوشہ شہید کیا گیا ہو۔ ۶۰ کے قریب حج اور عمرے کئے اور فرماتے تھے میری ایک سو تین سال عمر ہوگئی ہے اور میرا سب کچھ بدل گیا سوائے امید کے کہ وہ اسی طرح زندہ ہے۔

معتمر بن سلیمان اپنے والد سے نقل کرتے ہیں:

"إني لأحسبنَّ أبا عثمان كان لايصيبُ ذنباً، كان ليلهُ قائماً، ونهاره صائماً، وإن كان ليصلّي حتى يغشى عليه"(۲).

کہا میں سمجھتا ہوں ابوعثمان گناہ بالکل نہیں کرتا تھا۔ اس کا رات کو مسلسل قیام اور دن کو روزہ رہتا تھا اور اتنی نمازیں پڑھتا تھا کہ ان پر غشی طاری ہوجاتی تھی۔

سعید بن عامر معتمر بن سلیمان سے نقل کرتے ہیں:

"كان ابوعثمانَ النهديُ يصلي فربما صلّى حتى يغشى عليه، وكان له يتامى يحضرون طعامَه، فوقع الطاعون فماتوا، فكان يقول: مات أصحابي"(۳).

(۱) تهذيب الكمال: ۴۲۷/۱۷

(۲) تهذيب الكمال: ۴۲۷/۱۷

(۳) الاستيعاب لابن عبدالبر: ۸۵۵/۲

ابوعثمان نہدی نماز پڑھتا تھا تو کبھی کبھار اُن پر غشی طاری ہوجاتی تھی اور ان کے کچھ یتیم تھے جو کھانے میں ان کے پاس حاضر ہوتے تھے، پھر طاعون آیا اور وہ سب مرگئے چنانچہ اس کے بعد ابوعثمان کہتا تھا میرے ساتھی مرگئے ہیں۔

یعقوب بن اسحاق حضرمي کہتے ہیں، عبدالسلام بن عجلان کا کہنا ہے:

"کان ابو عثمان النهدي إذا حدَّث قال: ارجعوا مغفوراً لكم، فلو حلفتُ لبررتُ أنه مغفور لكم"(۱).

ابوعثمان جب حدیث بیان کرتے تھے تو فرماتے تھے چلو تمہاری مغفرت ہوگئی ہے تم بخشے گئے ہو، اور اگر میں اس پر قسم کھاؤں (کہ تمہاری مغفرت ہوگئی) تو حانث نہیں ہوں گا۔

عبدالرحمٰن بن ابی حاتم کہتے ہیں، میں نے اپنے والد سے سنا ہے، وہ کہہ رہے تھے:

"ابوعثمان النهدي ثقة، كان عرّيف قومه، سئل أبوزرعة عن أبي عثمان النهدي فقال: بصري ثقة"(۲).

ابوعثمان ثقہ ہیں، اپنی قوم کے سردار تھے، ابوزرعہ سے ان کے متعلق پوچھا گیا تو کہا، بصری ہیں اور ثقہ ہیں۔

نسائی اور عبدالرحمٰن بن یوسف بن خراش کہتے ہیں، "ثقة"(۳).

عمرو بن علی وغیرہ کہتے ہیں کہ سن ۹۵ ہجری کو ۱۳۰ سال کی عمر میں انہوں نے وفات پائی (۴)۔

یحیی بن معین اور دوسرے متعدد حضرات کہتے ہیں سن ۱۰۰ ہجری کو وفات پائی (۵)۔

---

(۱) تهذيب الكمال: ۱۷/۴۲۸

(۲) الجرح والتعديل: ۵/۴۲۹

(۳) تاريخ بغداد: ۱۰/۲۰۵، وتهذيب الكمال: ۱۷/۴۲۹

(٤) تاريخ بغداد: ۱۰/۲۰۵

(٥) تاريخ بغداد: ۱۰/۲۰۵

خلیفہ بن الخیاط کہتے ہیں، ۱۰۰ ہجری کے بعد وفات پائی، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ۹۵ ہجری کے بعد وفات پائی (۱)۔

ابو ھشیم کہتے ہیں ۱۴۰ سال کی عمر میں وفات پائی (۲)۔

حافظ ابونعیم کہتے ہیں:

"أسلَم في عهد النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ولم يرَه، حجَّ قبلَ بعثة النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في الجاهلية حجتين، توفّي سنة إحدى وثمانين بالبصرة وهو ابن أربعينَ ومئة سنة، سلّم صدقته إلى سُعاة النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ثلاث سنين وهو مسلِم ثم قدم المدينةَ في أيام عُمر بن الخطاب وكان كثيرَ العبادة، حسَن القراءة لزم سلمانَ الفارسي فصحِبه اثنتَي عشرة سنة"(۳).

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اسلام قبول کیا اور رسول اللہ کی رؤیت اسے نصیب نہیں ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل زمانہ جاہلیت میں دو حج کئے تھے سن ۸۱ ہجری کو بصرہ میں ۱۴۰ سال کی عمر میں وفات پائی، اسلام کی حالت میں تین سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عاملین کو صدقہ بھی حوالے کیا۔ پھر عمر بن خطاب کے زمانے میں مدینہ آئے، بہت عبادت گزار تھے، قرأت بھی اچھی کرتے تھے، سلمان فارسی کی صحبت اختیار کی، بارہ برس ان کے ساتھ رہے۔

عجلی بھی کہتے ہیں، "ثقہ" (۴)۔

شیوخ

اُبَی بن کعب، اُسامہ بن زید، انس بن جندل، بلال بن رباح، جابر بن عبداللہ، جُندب بن کعب

(۱) طبقات خليفة، ص: ۲۰۵

(۲) تهذيب الكمال: ۱۷/ ۴۳۰

(۳) تهذيب الكمال: ۱۷/ ۴۲۹

(۴) ثقات العجلي، ص: ۶۳

الأزدی، حذیفة بن الیمان، حنظلة الکاتب، زہیر بن عمرو الہلالی، زیاد بن ابی سفیان، زید بن أرقم، سعد بن ابی وقاص، سعید بن زید بن عمرو بن نُفیل، سلمان الفارسي، طلحة بن عبید الله، عامر بن مالک، عبدالله بن عامر، عبدالله بن عباس، عبدالله بن عمر بن الخطاب، عبدالله بن عمرو بن العاص، عبدالله بن مسعود، عبدالرحمٰن بن ابی بکر الصدیق، علی بن ابی طالب، عمر بن الخطاب، عمرو بن العاص، عمران بن حُصین، قبیصة بن مخارق، مجاشع بن مسعود، مجالد بن مسعود، مطرف بن عوف، ابو برزة الأسلمی، ابوبکرة الثقفی، ابوذر الغفاري، ابوسعید الخدري، ابوموسیٰ الاشعری، ابوہریرہ، عائشہ اورام سلمہ وغیرہم رضی اللہ عنہم وأرضاہم أجمعین۔

تلامذہ

ایوب السَّختیانی، ثابت البُنانی، جعفر بن میمون الانماطی، حجاج بن ابی زینب الواسطی، حُمید الطویل، حنان الاسدي، خالد الحذاء، داود بن ابی ہند، سعید الجُریری، سلیمان التیمی، ضحاک بن یسار، عاصم الأحول، عبدالکریم بن رُشید البصری، عطاء بن عجلان، علی بن زید بن جُدعان، عُمارة بن أبي حفصة، عمران بن حُدیر، عون بن ابی شداد، میمون الکُردي، نزّال بن عمار وغیرہم (۱)۔

رواۃِ حدیث ہٰذا تمام بصریین ہیں سوائے ابوعثمان نہدی کے (۲)۔

---

(۱) تهذيب الكمال: ۱۷/۴۲۶، ۴۲۷، تهذيب التهذيب: ۶/۲۷۷، ۲۷۸، والجرح والتعديل: ۵/۳۴۵، إكمال تهذيب الكمال: ۸/۲۳۲، ۲۳۴

حافظ ابن حجران کے متعلق فرماتے ہیں، "مخضرم من كبار الثانية، ثقة، ثبت عادل" تقريب التهذيب، ص: ۳۵۱، ترجمه ۴۰۱۷، ذہبی فرماتے ہیں، "زكّى في حيات النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، سمع عمرَ، وأبيّاً وعنه ايوب والحذاء. قال سليمان التيمي إني لأحسبه كان لايصيب ذنباً، ليلُه قائم ونهارُه صائم......" الكاشف: ۱/۶۴۵، ترجمة (۳۳۲۲)، ذہبی یہ بھی فرماتے ہیں: "كان كبير الشأن، صوَّاماً، قواماً، قانتاً لله حنيفاً، ورد أنه كان يصلي حتى يغشى عليه، وكان ثقة اماماً، ثبتاً" تاريخ الاسلام: ۳/۲۲۸، ۲۲۹، ترجمه ۱۲۱۳، مزید دیکھئے، سير أعلام النبلاء: ۴/۱۷۵-۱۷۸، التاريخ الكبير: ۹/۸۳، البداية والنهاية: ۵/۱۵، الاستيعاب: ۲/۴۳۷، تاريخ بغداد: ۱۰/۲۰۲، الإصابة: ۳/۹۸، ۹۹

(۲) فتح الباري: ۹/۳۱، دار الكتب العلمية بيروت

ذات السَّلاسِل

"سَلاسِل" بفتح السين الاول "سِلسِلة" کی جمع ہے، ابوعبید البکری نے ایسا ہی نقل کیا ہے۔ یہاں اس سے ایک مقام مراد ہے اور اس جگہ کو بھی اس نام سے اس لئے موسوم کیا گیا کہ وہاں ریت زنجیر کی طرح کڑی در کڑی اور تہہ بہ تہہ نظر آتی ہے، یا پھر وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس غزوے میں مشرکین ایک دوسرے کے بھاگنے کے خوف سے آپس میں کڑیوں کی طرح ملے اور جُڑے ہوئے تھے جب کہ ابن الأثیر نے "سُلاسِل" بضم السین ضبط کیا ہے اور اس کو سِلسَال یعنی سہل کے معنی میں لیا ہے(۱)۔

أيُّ الناس أحبُّ إليك

قیس بن ابی حازم کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے، "...... إليكَ فأحبه"(۲) یعنی آپ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب کون ہے، تاکہ میں بھی اس سے محبت کروں!

عمرو بن العاص کے سوال کی وجہ

کہتے ہیں عمرو بن العاص نے یہ سوال اس لئے کیا تھا کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس غزوے میں امیر بنا دیا تھا، تو اُن کے خیال میں یہ آیا کہ شاید میں آپ علیہ الصلاۃ والسلام کو دوسروں سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہوں اس لئے ان کی موجودگی میں مجھے امیر بنا دیا۔ یعنی امیر بنایا جانا میرے "أحب إلى الرَّسول" ہونے کی علامت ہے اور پھر چونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا محبوب ترین ہونا بہت بڑا شرف اور سعادت ہے تو حضرت عمرو بن العاص نے اس معاملے کو صاف کرنا چاہا کہ آیا وہ ہیں بھی اللہ کے رسول کے نزدیک "أحب" یا یہ محض اُن کا خیال ہے(۳)۔

فقلتُ من الرجال؟

ابن خزیمہ اور ابن حبان نے قیس بن ابی حازم عن عمرو...... کے طریق سے یہ الفاظ نقل کئے ہیں، "إني

---

(۱) فتح الباري: ۳۱/۹، بيروت، وعمدة القاري: ۲۵۲/۱٦

(۲) فتح الباري: ۳۲/۹

(۳) فتح الباري: ۳۱/۹

لستُ أعني النساءَ إني أعني الرجالَ"(۱) میں عورتوں کی بات نہیں کررہا، میں مردوں کی بات کررہا ہوں۔

ابن حبان نے انس سے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں:

"سُئل رسول الله صلى الله عليه وسلم مَن أحبُّ الناس إليك؟ قال عائشة، قيل له ليس عن أهلك نسألُك"(۲).

رسول اللہ سے پوچھا گیا کہ آپ کو سب سے زیادہ کس سے محبت ہے؟ آپ نے فرمایا، عائشہ سے۔ کہا گیا آپ کے گھر والوں کے متعلق آپ سے نہیں پوچھ رہے ہیں۔

فعدَّ رجالاً

مغازی میں اس کے بعد عمرو سے یہ الفاظ مروی ہیں:

"فسكتُّ مخافةَ أن يجعلَني في آخرِهم"(۳) میں اس خدشے کے پیش نظر خاموش ہوا کہ کہیں آپ میرا نام سب سے اخیر میں نہ لیں۔

"رجال" سے کون مراد ہیں؟

عبداللہ بن شقیق کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

"قلتُ لعائشةَ: أيُّ اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم كان أحبَّ إليه؟ قالت: ابوبكر، قلتُ: ثم مَن؟ قالت عمرُ، قلت: ثم مَن؟ قالت: ابوعبيدةَ بن الجراح، قلتُ: ثم مَن؟ فسكتَت"(٤).

فرمایا میں نے عائشہ سے پوچھا کون صحابی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سب

---

(۱) صحيح ابن حبان، رقم: ٧١٠٦، مؤسسة الرسالة

(۲) صحيح ابن حبان، باب ذكر الخبر الدال على أن مخرج هذا السؤال والجواب معاً كان عن أهله دون سائر النساء من فاطمة وغيرها، رقم: ٧١٠٧، مؤسسة الرسالة

(۳) دیکھئے، كتاب المغازي، باب غزوة ذات السلاسل، حديث (٤٣٥٨)

(٤) أخرجه الترمذي، باب مناقب أبي بكر، رقم: ٣٦٥٧، دار إحياء التراث العربي

سے زیادہ پسند تھے؟ عائشہ نے کہا، ابوبکر، میں نے کہا پھر؟ کہا عمر، میں نے کہا پھر؟ کہا ابوعبیدہ بن الجراح، میں نے کہا پھر؟ آپ خاموش ہوگئیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر کے ذکر کے بعد جو حدیثِ باب میں ''رجالاً'' آیا ہے، اس میں بعض رجال کا مصداق حضرت ابوعبیدۃ بن الجراح ہو سکتے ہیں۔

حافظ ابن حجر نے بسند صحیح ابوداود، احمد اور نسائی کی روایت ذکر کی ہے، جس میں حضرت نعمان بن بشیر فرماتے ہیں:

"استأذَنَ ابوبكر على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فسمع صوتَ عائشة عالياً، وهي تقول: والله لقد علمتُ أن علياً أحبَ إليك مِن أبي"(۱).

ابوبکر نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آنے کی اجازت مانگی (اور جب داخل ہوئے) تو عائشہ کی بلند ہوتی ہوئی آواز سنی وہ کہہ رہی تھیں، بخدا میں جان چکی ہوں کہ آپ (رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو علی میرے والد (ابوبکر) سے زیادہ پسند ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آدمی جنہیں حضرت عمرو بن العاص نے ''رجالاً'' کہہ کر مبہم رکھا، وہ حضرت علی ہیں، کیونکہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ علی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاں أحب تھے۔ حضرت ابوبکر سے زیادہ یا کم، یہ تو خیر دوسری بات ہے۔ لیکن فی الجملہ أحب إلى الرسول ہونا ان کے لئے بھی ثابت ہے، سو ''رجال'' کے مبہم لفظ سے شاید وہ مراد ہوں۔ حافظ صاحب کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت عائشہ نے جب یہ کہا کہ علی ابوبکر سے أحب (زیادہ پسندیدہ) ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نظر میں، تو اس سے یہ بات تو بہر حال معلوم ہوگئی کہ حضرت علی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پسندیدہ افراد میں سے تھے، اب ایک احتمال (جو احتمالِ محض، غیر ناشئ عن دلیل ہے) تو یہ ہے کہ عمرو بن العاص کی مراد ''رجالاً'' سے علی ہوں اور ان کا ذکر نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے پہلے نمبر پر کیا تھا مگر عمرو نے سب سے پہلے حضرت ابوبکر کا ذکر کیا اور حضرت علی کو رجالاً کے لفظ کے ساتھ بعد میں مبہم ذکر کیا، کیونکہ عمرو حضرت امیر معاویہ

(۱) مسند أحمد، رقم: ۱۸٦۱۱، ۲۱ ٤٨٤، مؤسسة الرسالة، ولم أجده عند الترمذي والنسائي ......

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھی تھے اور علی کی اس منقبت کا اظہار ان کو گوارا نہ تھا، یہ روافض کا خیال ہے جو باطل اور غلط ہے اس لئے کہ اگر حضرت عمرو بن العاص معاویہ کے ساتھی ہونے اور حضرت علی کی مخالفت کی وجہ سے ایسا کرتے تو پھر تو حضرت نعمان بن بشیر بھی معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھی ہونے کے سبب حضرت علی کی منقبت کا ذکر نہ کرتے اور جب انہوں نے باوجود معاویہ کے ساتھی ہونے کے حضرت علی کی فضیلت کا ذکر کیا ہے تو پھر حضرت عمرو بن العاص جو اُن سے بڑے درجے کے صحابی ہیں، وہ کیوں کر حضرت علی کی فضیلت ذکر کرنے سے کترائیں گے؟

رفعِ تعارض

اب یہ کہ حضرت عمرو بن العاص اور حضرت عائشہ کی ان روایات میں جو بظاہر تعارض ہے کہ عمرو کی روایت سے ابوبکر کا أحب إلى الرسول ہونا ثابت ہوتا ہے اور عائشہ کی روایت سے حضرت علی کا "أحب" ہونا تو اس کا جواب یہ ہے کہ ترجیح حضرت عمرو کی روایت کو حاصل ہے کیونکہ اس میں رسول اللہ کے قول کا ذکر ہے اور روایتِ عائشہ میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تقریر ہے اور قول کو تقریر پر ترجیح حاصل ہوتی ہے، لہٰذا أحب إلى الرسول ابوبکر ہی ہوں گے نہ کہ علی (رضی اللہ عنہما)۔

دوسرا احتمال اس میں یہ ہے کہ حضرت عمرو نے جو حضرت ابوبکر، عمر اور رجال کی اَحبیّت کا ذکر کیا، بات ایسی ہی تھی مگر حضرت عائشہ کو یہ شبہ تھا کہ شاید علی (رضی اللہ عنہ) اُحب الی الرسول ہیں تو انہوں نے اس کا اظہار کیا۔

اور ویسے حضرت عائشہ کا خیال صحیح بھی ہوسکتا ہے جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس پر سکوت اور تقریر سے معلوم ہوتا ہے اور یہ اس وقت ہوگا کہ جب حضرت علی بھی کسی خاص اور جزوی وجہ سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محبوب ترین ہوں۔ چنانچہ یہ رفع تعارض کی دوسری وجہ یعنی تطبیق کی صورت ہے اور وہ یوں کہ عمومی اور مجموعی اعتبار سے محبوب ترین ہونا تو ابوبکر کے لئے ثابت ہے جب کہ کسی اور لحاظ سے حضرت علی بھی اُحبَ اِلی الرَّسول ہوسکتے ہیں اور اس سے کوئی امر مانع نہیں ہے (۱)۔

---

(۱) فتح الباري شرح صحيح البخاري: ۳۲/۹

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

ترجمۃ الباب سے مناسبت بالکل واضح ہے کیونکہ باب، فضائل ابی بکر کے حوالے سے ہے اور حدیث میں بھی ابوبکر کے افضل ہونے کا ذکر ہے کیونکہ أحب الناس ہونا أفضل الناس ہونے کی دلیل ہے(۱)۔

٣٤٦٣ : حدّثنا أَبُو الْيَمَانِ : أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قالَ : أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ : أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُ قالَ : سَمِعْتُ رَسُولَ ٱللّٰهِ ﷺ يَقُولُ : (بَيْنَا رَاعٍ فِي غَنَمِهِ ، عَدَا عَلَيْهِ ٱلذِّئْبُ فَأَخَذَ مِنْهَا شَاةً ، فَطَلَبَهُ الرَّاعِي فَٱلْتَفَتَ إِلَيْهِ ٱلذِّئْبُ فَقَالَ : مَنْ لَهَا يَوْمَ السَّبُعِ ، يَوْمَ لَيْسَ لَهَا رَاعٍ غَيْرِي ؟ وَبَيْنَا رَجُلٌ يَسُوقُ بَقَرَةً قَدْ حَمَلَ عَلَيْهَا ، فَٱلْتَفَتَتْ إِلَيْهِ فَكَلَّمَتْهُ ، فَقَالَتْ : إِنِّي لَمْ أُخْلَقْ لِهٰذَا ، وَلٰكِنِّي خُلِقْتُ لِلْحَرْثِ) . قالَ النَّاسُ : سُبْحَانَ ٱللّٰهِ ، قالَ النَّبِيُّ ﷺ : (فَإِنِّي أُومِنُ بِذٰلِكَ وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ) . رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُمَا .

[ر : ٢١٩٩]

أَبُو الْيَمَانِ

یہ ابوالیمان حکم بن نافع بہرانی حمصی ہیں۔ ان کے احوال "كتاب بدء الوحي" باب ٦، میں گذر چکے ہیں(۲)۔

---

(۱) عمدة القاري للعيني: ١٦/٢٥١

(٣٤٦٣) الحديث أخرجه البخاري في صحيحه: ١/٥١٧، كتاب فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم "لو كنت متخذا خليلاً"، رقم: ٣٦٦٣، وفي: ١/٣١٢، كتاب الحرث والمزارعة، باب استعمال البقر للحراثة، رقم: ٢٣٢٤، وفي: ١/٤٩٤، كتاب أحاديث الأنبياء، باب: ٥٤، بعد باب جديث الغار، رقم: ٣٤٧١، وفي :١/٥٢١، كتاب فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، باب مناقب عمر رضي الله عنه، رقم: ٣٦٩٠، ومسلم في صحيحه: ٢/٢٧٤، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل أبي بكرن الصديق، رقم: ٢٣٨٨، والترمذي في جامعه: ٢/٢٠٩، في المناقب، باب مناقب أبي بكر، رقم: ٣٦٨١، وفي مناقب عمر بن الخطاب، رقم: ٣٦٩٦، انظر الجامع: ٢/٢١٠.

(۲) دیکھئے، كشف الباري: ١/٤٧٩

شُعَيْبٌ

یہ ابوبشر، شعیب بن أبي حمزۃ القرشی الأموی ہیں، ان کے احوال بھی اسی بدء الوحی، باب نمبر۶ میں گذر چکے ہیں(۱)۔

الزُّهْرِيُّ

محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن شہاب الزہری مراد ہیں۔ ان کے احوال کتاب بدء الوحی باب نمبر۳ میں گذر چکے ہیں (۲)۔

أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف (جلیل القدر صحابی) کے بیٹے اور مشہور تابعی ابوسلمہ مراد ہیں۔ ان کے احوال ''کتاب الإیمان، باب تطوّع قیامِ رمضان'' کے تحت گذر چکے ہیں (۳)۔

أَبَا هُرَيْرَةَ

مشہور صحابیٔ رسول مراد ہیں، ان کے احوال ''کتاب الإیمان، باب أمور الإیمان'' کے تحت گذر چکے ہیں (۴)۔

چرواہا کون تھا

بَيْنَمَا رَاعٍ فِي غَنَمِهِ ...... حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، راعی کا نام مجھے معلوم نہیں ہوسکا ہے۔ البتہ مصنف نے باب ''ذکر بني إسرائیل'' میں یہ روایت ذکر کی ہے(۵)، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اُن کے ہاں قبل الاسلام کے زمانے کا کوئی آدمی ہے(۶)۔

---

(۱) دیکھئے، کشف الباري: ۴۸۰/۱

(۲) دیکھئے، کشف الباري: ۳۲۶/۱

(۳) دیکھئے، کشف الباري: ۳۲۳/۲

(۴) دیکھئے، کشف الباري: ۶۵۹/۱

(۵) دیکھئے، صحیح البخاري، حدیث (۳۴۷۱)

(۶) دیکھئے، فتح الباري: ۳۲/۹

"أُومِنُ بِذَلِكَ، وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ" کہنے کی وجہ

بھیڑیئے کی بات پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا "فَإِنِّي أُومِنُ بِذَلِكَ" کے ساتھ یقین کا اظہار تو واضح اور ظاہر ہے البتہ آپ علیہ الصلوۃ والسلام کا اپنے ساتھ ابوبکر وعمر کو ملانا جب کہ وہ دونوں حضرات اس وقت موجود نہ تھے، جیسے کہ "كتاب أحاديث الانبياء" والی روایت میں "وما هما ثمّ" کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے(۱)۔اس میں ذرا تفصیل ہے اور وہ یوں کہ ابونعیم نے "دلائل" میں ربیعۃ بن اوس عن أنیس بن عمرو کے طریق سے أہبان بن أوس سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

"كنتُ في غنمٍ لي، فشدَّ الذئب على شاة منها، فصحتُ عليه فأقعى الذئب على ذنبه يخاطبني وقال: مَن لها يوم تشتغل عنها؟ تمنعني رزقاً رزَقَنِيه الله تعالىٰ، فصفقت بيدي وقلتُ: والله ما رأيتُ شيئاً أعجبَ مِن هذا، فقال: أعجب مِن هذا، هذا رسول الله صلى الله عليه وسلم بين هذه النخلات يدعو إلى الله، قال: فأتى أهبان إلى النبي صلى الله عليه وسلم فأخبرَه وأسلَم"(۲).

أہبان بن اوس کہتے ہیں، میں اپنی کچھ بکریوں میں تھا کہ بھیڑیئے نے ان میں سے ایک بکری پر حملہ کیا تو میں اس پر چیخا، وہ بھیڑیا دُم پر بیٹھ کر مجھ سے کہنے لگا، اس دن اس کا کون نگہبان ہوگا جس دن تو اس سے مشغول اور بے نیاز ہوگا؟ کیا تو مجھ سے اللہ کا دیا ہوا رزق روک رہا ہے؟ میں نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے پر مار کر تالی بجائی اور کہا، بخدا! میں نے تو اس سے زیادہ عجیب چیز کوئی دیکھی ہی نہیں، اس نے کہا، اس سے زیادہ عجیب یہ اللہ کے رسول ہیں، ان کھجوروں کے درمیان جو اللہ کی طرف بلا رہے ہیں۔ راوی کہتے ہیں أہبان نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آ کر آپ کو یہ خبر دی اور مسلمان ہو گیا۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں یہ احتمال ہے کہ جب أہبان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ خبر دے رہے تھے تب ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما بھی آپ علیہ الصلوۃ والسلام کے پاس موجود ہوں، پھر جب بعد میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابوبکر وعمر کی عدم موجودگی کی صورت میں یہ خبر دی تو فرمایا کہ میں اور ابوبکر وعمر اس پر ایمان

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب احاديث الانبياء، حديث (۳۴۷۱)

(۲) دلائل النبوة لأبي نعيم، بابٌ بدء ذئب إلى غنم، رقم: ۲۶۲

لاتے ہیں، اس موقع پر ابوبکر وعمر کا اس لئے ذکر کیا کہ جس وقت اُہبان یہ قصہ سنا رہا تھا، وہ حضرات بھی موجود تھے اور اس پر ایمان لائے۔ اگر چہ اب (قصہ بیان کرتے وقت) موجود نہیں ہیں۔

دوسرا احتمال اس میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو چونکہ ان دو حضرات کے صدقِ ایمان اور قوتِ یقین کا علم تھا اس لئے آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے ان کی غیر حاضری کی صورت میں بھی اُن پر اعتماد کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ دونوں حضرات بھی میرے ساتھ اس عجیب واقعہ پر ایمان لانے میں شریک ہیں۔ یہ دوسرا احتمال ان کے مناقب کے ساتھ زیادہ میل کھاتا ہے اس لئے راجح بھی یہی ہے اور گویا یہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف سے ان کو حُسنِ اسلام اور ایمان کی پختگی کی سند دی گئی ہے کہ رسول اللہ بن دیکھے ان کے اس پر ایمان لانے کی گواہی دے رہے ہیں (۱)۔

لفظ "سبُع" کا ضبط اور معنی

یَوْمَ السَّبُعِ ...... قاضی عیاض کہتے ہیں، سَبع باء کے ضمے کے ساتھ بھی آتا ہے اور سکون کے ساتھ بھی۔ مگر روایت میں ضمے ہی کے ساتھ ہے۔ حافظ ابن حجر حربی کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ یہ ضمہ اور سکون دونوں کے ساتھ ضبط کیا گیا ہے اور یہ اس معروف حیوان (بھیڑیئے) کا نام ہے۔

ابن عربی کہتے ہیں یہ سکون کے ساتھ ہے اور ضمہ کے ساتھ جنہوں نے نقل کیا ہے یہ تصحیف ہے۔

ابن جوزی کہتے ہیں یہ سکون کے ساتھ ہے اور محدثین اسے ضمہ کے ساتھ روایت کرتے ہیں (۲)۔

"سبُع" بالضم کا معنی

اور اس ضمے والی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ جس دن درندہ اس بکری کو پکڑے گا اور کوئی اُسے اس کی گرفت سے نہیں چھڑا سکے گا (بھیڑیئے نے کہا) اس وقت میرے سوا کوئی اس کا چرواہا نہ ہوگا۔ انسان کو گویا اس نے کہا کہ اُس دن تو بھاگ جائے گا اور میں ہی اس کے قریب رہ جاؤں گا۔ سو پھر میں ہی اس کے ساتھ جو چاہوں گا، کروں گا۔

بھیڑیا ظاہر ہے بکری کی کیا رکھوالی اور نگہبانی کرے گا، اسے کھا جائے گا۔ تاہم بکریاں جب اس کے

(۱) فتح الباري: ۹/۳۲، ۳۳

(۲) فتح الباري: ۹/۳۳

رحم وکرم پر ہوں گی تو گویا وہ بکریوں کا چرواہا ہوگا۔

داودی کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ جس دن سبُع یعنی شیر اُن پر حملہ آور ہوگا تو تو اس سے بھاگ جائے گا اور وہ اس سے اپنی ضرورتِ خوراک پوری کرے گا، میں پیچھے ہٹوں گا اور اس دن میرے سوا اس کا کوئی چرواہا نگہبان نہیں ہوگا۔ یعنی وہ بغیر راعی کے رہ جائیں گی کیونکہ وہاں شیر کے علاوہ ایک بھیڑیا ہی ہوگا اور بھیڑیا تو بکریوں کا نگہبان نہیں ہوسکتا وہ تو اُن کا دشمنِ جان ہوتا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ فتنے کے زمانے میں ہوگا جب بھیڑ بکریوں کو لوگ بھول جائیں گے اور وہ یوں بے یار و مددگار رہوں گی، ایسے میں ان کو درندے اچک کر کھائیں گے اور چونکہ بکریاں ہوں گی اور بھیڑیا ہوگا اس لئے وہ بھیڑیا ہی ان کا رکھوالا لگے گا یہ تفصیل تو اس وقت ہے، جب یہ "سُبع" بضم الباء ہو(۱)۔

"سبْع" بالسکون کے معنی

سکون الباء کی صورت میں ایک قول یہ ہے کہ "هو اسمُ الموضعِ الذي يقَع فيه الحَشر يومَ القيامة" یہ اس جگہ کا نام ہے جس میں روزِ قیامت حشر ہوگا، اسے ازہری نے "تہذیب اللغۃ" میں ابن الاعرابی سے نقل کیا ہے اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ محمد بن عمرو بن علقمۃ عن أبي سلمۃ عن أبي ہریرۃ...... کے طریق سے "يوم القيامة" بھی منقول ہے اور ظاہر ہے "یوم الحشر" يوم القيامة ہی تو ہے لیکن اس پر یہ اشکال کیا گیا ہے کہ روزِ حشر اور روزِ قیامت تو بھیڑیا بکریوں کا رکھوالا نہیں ہوگا اور نہ ہی اس کا اس دن بکریوں سے کوئی تعلق ہوگا؟

دوسرا قول یہ ہے کہ یوم السَّبع سے مراد "یوم العید" ہے، یعنی جاہلیت میں جو اُن کی ایک عید ہوتی تھی اور جس میں وہ لوگ اپنے لہو ولعب اور کھیل تماشے میں ایسے منہمک ہوتے تھے کہ مال مویشی سے غافل رہتے تھے، بھیڑیئے نے اس دن کی طرف اشارہ کیا اور یہ جو کہا کہ "لَيس لَها راعٍ غيري" یہ اس پر قدرت اور تمکنت میں مبالغہ کے طور پر کہا یعنی یہ کہ اسے ایسی قدرت بکریوں پر حاصل ہوگی جیسے کہ وہ ہی ان کے چرواہے ہوں۔ یہ قول اسماعیلی نے ابو عبیدۃ سے نقل کیا ہے(۲)۔

---

(۱) فتح الباري: ۳۳/۹

(۲) فتح الباري: ۳۳/۹

تیسرا قول یہ ہے کہ یہ "سبع" سَبَعت الرجل سے ہے، جس کا معنی ہے میں نے اسے ڈرایا تو یوم السبع کا معنی ہے، "یوم الفزع".

چوتھا قول یہ ہے کہ یہ أسبعتُہ بمعنی أھملتُہ سے ہے اور یوم السبع سے "یوم الإھمال" مراد ہے۔ اصمعی کہتے ہیں، "السبُع الھمل، وأسبعَ الرجلُ أغنامہ إذا ترکھا تصنع ماتشاء" سبع مہمل ہونے کو کہتے ہیں جیسے کہا جاتا ہے، "أسبع الرجلُ أغنامَہ" آدمی نے اپنی بکریاں چھوڑ دیں کہ وہ جو چاہیں کریں، اس قول کو نووی نے بھی ترجیح دی ہے۔

پانچواں قول یہ ہے کہ یوم السبع کا معنی ہے، یوم الأکل کیونکہ سبَعَ الذئبُ الشاۃَ اس وقت کہا جاتا ہے جب بھیڑیا بکری کو کھا جائے۔

چھٹا قول یہ ہے کہ یوم السبع بمعنی یوم الضیاع ہے، کیونکہ أسبعتُ اور أضیَعتُ کا ایک ہی معنی ہے، اس کو ابن دحیہ نے اسماعیل القاضی عن علی بن المدینی عن معمر بن المثنی سے نقل کیا ہے۔

ساتواں قول یہ ہے کہ یوم السبع سے مراد "یوم الشدۃ" ہے جیسے کہ ابن عباس کے متعلق مروی ہے کہ ان سے ایک مسئلے کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا، "أجرأ من سبُع" یعنی یہ ان مسائل میں سے ہے جو مفتی کے لئے نہایت سخت اور شدید ہیں(۱)۔

ورَجُلٌ يَسُوقُ بَقَرَةً

اس پر کلام کتاب المزارعة میں گذر چکا ہے(۲)۔

ابن حبان نے محمد بن عمرو عن ابی سلمۃ عن ابی ہریرۃ کے طریق سے ان دونوں قصوں کے آخر میں یہ نقل کیا ہے، "فقال الناس آمنّا بما آمن به رسول الله صلى الله عليه وسلم "(۳) جس چیز پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایمان لائے ہیں، اس پر ہم بھی ایمان لائے ہیں۔

---

(۱) فتح الباري: ۹/۳۳

(۲) دیکھئے، کتاب الحرث والمزارعة، باب استعمال البقر للحراثة، رقم (۳۲۴)

(۳) صحيح ابن حبان، كتاب اخباره صلى الله عليه وسلم، رقم: ۶۹۰۳، ذكر شهادة المصطفى صلى الله عليه وسلم للصديق والفاروق بكل شيء كان يقوله صلى الله عليه وسلم ......

بَيْنَمَا رَاعٍ

راع مرفوع موصوف في غنمه اس کی صفت ہے، دونوں مل کر مبتداء اور "عدا علیه" اس کی خبر ہے(۱)۔

ترجمۃ الباب سے مطابقت

ترجمۃ الباب سے حدیث کی مناسبت بالکل واضح ہے، کیونکہ باب "فضائل ابی بکر" کے حوالے سے ہے اور حدیث میں بھی اسی کا ذکر ہے(۲)۔

٣٤٦٤ : حدّثنا عَبْدَانُ : أَخْبَرَنَا عَبْدُ ٱللهِ ، عَنْ يُونُسَ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قالَ : أَخْبَرَنِي ٱبْنُ الْمُسَيَّبِ : سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ قالَ : سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ : (بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ ، رَأَيْتُنِي عَلَى قَلِيبٍ عَلَيْهَا دَلْوٌ ، فَنَزَعْتُ مِنْهَا ما شَاءَ ٱللهُ ، ثُمَّ أَخَذَهَا ٱبْنُ أَبِي قُحَافَةَ ، فَنَزَعَ بِهَا ذَنُوبًا أَوْ ذَنُوبَيْنِ ، وَفِي نَزْعِهِ ضَعْفٌ ، وَٱللهُ يَغْفِرُ لَهُ ضَعْفَهُ ، ثُمَّ ٱسْتَحَالَتْ غَرْبًا ، فَأَخَذَهَا ٱبْنُ الْخَطَّابِ ، فَلَمْ أَرَ عَبْقَرِيًّا مِنَ النَّاسِ يَنْزِعُ نَزْعَ عُمَرَ ، حَتَّى ضَرَبَ النَّاسُ بِعَطَنٍ) .

[٦٦١٨ ، ٦٦١٩ ، ٧٠٣٧ ، وانظر : ٣٤٣٤]

تراجم رجال

عَبْدَانُ

یہ عبداللہ بن عثمان بن جبلہ ہیں۔ ان کے احوال "بدء الوحي" میں گذر چکے ہیں(۳)۔

---

(۱) عمدة القاري: ١٦/٢٥٣

(۲) عمدة القاري: ١٦/٢٥٣

(٣٤٦٤) الحديث أخرجه البخاري في صحيحه: ١/٥١٧، كتاب فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، باب قول النبي "لو كنت متخذا خليلاً"، رقم: ٣٦٦٤، وفي: ٢/١٠٣٩، كتاب التعبير، باب نزع الذنوب والذنوبين من البثر صعف، رقم: ٧٠٢١، ٧٠٢٢، وفي: ٢/١١١٣، كتاب التوحيد، باب في المشيئة والارادة، رقم: ٧٤٧٥، ومسلم في صنحيحه: ٢/٢٧٥، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل عمر، رقم: ٢٣٩٢، ٢٣٩٣، والترمذي في جامعه: ٢/٥٤، كتاب الرؤيا، باب ماجاء في رؤيا النبي صلى الله عليه وسلم في الميزان، رقم: ٢٢٩٠

(۳) دیکھئے، کشف الباري: ١/٤٦١، ٤٦٢

عَبْدُ اللّٰهِ

یہ عبداللہ بن المبارک شیخِ شیخِ البخاری ہیں۔ان کے احوال بھی "بدء الوحي" میں گذر چکے ہیں(۱)۔

یُونُسَ

یہ یونس بن یزید ایلی قرشی ابویزید ہیں۔ان کے تفصیلی احوال "کتاب العلم، باب مَن یُرد اللّٰه به خیراً یفقهه في الدّین" کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

الزُّهرِيّ

یہ ابن شہاب زہری ہیں۔ان کے مختصر حالات "بدء الوحي" میں گذر چکے ہیں(۳)۔

ابْنُ الْمُسَیَّبِ

یہ سعید بن المسیب امام التابعین أحد الفقہاء السبعہ ہیں۔ان کے احوال "کتاب الإیمان، باب من قال إن الإیمان هو العمل" کے تحت گذر چکے ہیں(۴)۔

یہ حدیث مسلم نے بھی کتاب الفضائل میں حرملة بن یحییٰ سے نقل کی ہے۔علاماتِ النبوة میں عبداللہ بن عمر سے یہ روایت مروی ہے۔اور وہاں اس پر کلام کیا گیا ہے۔

علیٰ قَلِیبٍ

قــلـيــب کنوئیں کو کہا جاتا ہے،جس کو کھود کر اس سے مٹی نکالی جاتی ہے اور اس کا منڈیر نہیں بنایا گیا ہوتا(۵)۔اس حدیث کی شرح انشاء اللہ "کتاب التعبیر" میں آئے گی۔

رسول اللہ اور سیدنا ابوبکر میں نسبتِ اتحادی

یہاں البتہ اتنی سی بات کہنے کی ہے کہ سیدنا ابوبکر کے متعلق جو آیا ہے "واللّٰه یغفر له ضعفَه" اس کا

---

(۱) دیکھئے،کشف الباري: ۱/۴۶۲

(۲) دیکھئے،کشف الباري: ۳/۲۸۲

(۳) دیکھئے،کشف الباري: ۱/۳۲۶

(۴) دیکھئے،کشف الباري: ۱/۱۵۹

(۵) عمدة القاري: ۱۶/۲۵۳

معنی یہ نہیں ہے کہ "نــزع" میں ضعف ان کا کوئی گناہ اور تقصیر ہے بلکہ یہ صرف مدتِ خلافت کم ہونے کی طرف اشارہ ہے اور حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ نے تو یہاں ایک عجیب ولطیف نکتہ یہ بیان کیا ہے کہ جیسے "فسبح بحمد ربك واستغفره" سے رسول اللہ کے وصال اور قربِ اجل کی طرف اشارہ ہے اسی طرح یہاں "والله يغفرله" سے ابوبکر کی وفات کی طرف اشارہ ہے اور یہ رسول اللہ اور حضرت صدیق میں نسبت اتحادی کی دلیل ہے اور اس معنی کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام بخاری نے یہ روایت مناقب ابی بکر میں لائی ہے اور اس میں ان کی منقبت یہی ہوسکتی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نسبتِ اتحادی ثابت کرنا مقصود ہو(۱)۔

ترجمۃ الباب سے مناسبت

باب، ''مناقب ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' کے حوالے سے ہے اور حدیث میں یہ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو خواب میں کنوئیں سے پانی نکالتا ہوا دیکھا، یہ ان کی فضیلت ہے پھر ابوبکر کا عمر سے پہلے ذکر کیا، جو اُن کی اَفضیلت پر بھی دال ہے اور رہا پانی نکالنے میں ضعف تو وہ ان کے نقص اور کمزوری کی دلیل نہیں ہے، کیونکہ ان کے ایامِ خلافت کم تھے۔ اس لئے خواب میں ان میں ضعف دیکھا گیا ظاہر ہے کم وقت میں کام بھی کم ہی ہوتا ہے(۲)۔

٣٤٦٥ : حدَّثنا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ : أَخْبَرَنَا عَبْدُ ٱللّٰهِ : أَخْبَرَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ ٱللّٰهِ ، عَنْ عَبْدِ ٱللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : قَالَ رَسُولُ ٱللّٰهِ ﷺ : (مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلَاءَ ، لَمْ يَنْظُرِ ٱللّٰهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ) . فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ : إِنَّ أَحَدَ شِقَّيْ ثَوْبِي يَسْتَرْخِي ، إِلَّا أَنْ أَتَعَاهَدَ ذٰلِكَ مِنْهُ ؟ فَقَالَ رَسُولُ ٱللّٰهِ ﷺ : (إِنَّكَ لَسْتَ تَصْنَعُ ذٰلِكَ خُيَلَاءَ) . قَالَ مُوسَى : فَقُلْتُ لِسَالِمٍ : أَذَكَرَ عَبْدُ ٱللّٰهِ : مَنْ جَرَّ إِزَارَهُ ؟ قَالَ : لَمْ أَسْمَعْهُ ذَكَرَ إِلَّا ثَوْبَهُ .

[٥٤٤٦ ، ٥٤٤٧ ، ٥٤٥٥ ، ٥٧١٥]

---

(١) لامع الدراري: ١٤٦/٨

(٢) عمدة القاري: ٢٥٣/١٦

(٣٤٦٥) أخرجه البخاري في صحيحه: ٥١٧/١، كتاب فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، باب =

تراجم رجال

مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ

یہ ابوالحسن محمد بن مقاتل مروزی بغدادی مکی ہیں۔ان کے احوال "كتاب العلم، حديث: ٦٥" کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

عَبْدُ اللّٰهِ

یہ عبداللہ بن المبارک، امام بخاری کے شیخ الشیخ ہیں۔ان کے احوال بھی کتاب "بدء الوحي" میں گذر چکے ہیں(۲)۔

مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ

یہ موسیٰ بن عقبہ المدنی مولی آلِ الزبیر ہیں۔ان کے احوال گذر چکے ہیں(۳)۔

سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ

یہ صحابیِ رسول عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے سالم بن عبداللہ ہیں۔ان کے احوال "كتاب الإيمان، باب الحياء مِن الإيمان" میں گذر چکے ہیں(۴)۔

= قول النبي "لو كنت متخذا خليلاً"، رقم: ٣٦٦٥، وفي: ٢/٨٦٠، كتاب اللباس، باب من جرَّ إزاره من غير خيلاء، رقم: ٥٧٨٤، وفي: ٢/٨٦١، كتاب اللباس، باب من جر ثوبه من الخيلاء، رقم: ٥٧٩١، وفي: ٢/٨٩٥، كتاب الأدب، باب من أثنى على أخيه بما يعلم، رقم: ٦٠٦٢، ومسلم في صحيحه: ٢/١٩٤، كتاب اللباس والزينة، باب تحريم جر الثوب خيلاء وبيان حد ما يجوز إرخاءه، رقم: ٢٠٨٥، وأبو داود في سننه: ٢/٢٠٨، كتاب اللباس، باب ماجاء في إسبال الازار، رقم: ٤٠٨٥، والنسائي في سننه: ٢/٢٩٧، كتاب الزينة، باب التغليظ في جر الإزار، رقم: ٨/٢٠٦، وباب إسبال الإزار، رقم: ٢١٣

(١) دیکھئے، كشف الباري: ٣/٢٠٦

(٢) دیکھئے، كشف الباري: ١/٤٦٢

(٣) دیکھئے، كتاب الزكاة، باب الصدقة قبل العيد ......

(٤) دیکھئے، كشف الباري: ٢/١٢٨

حضرت ابوبکر کمزور اور نحیف تھے

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا تہبند کیوں ڈھیلا ہوتا تھا، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس لئے کہ حضرت صدیق کا جسم نہایت نحیف وضعیف تھا اور کولہے باریک ہونے کی وجہ سے تہ بند صحیح طرح سے بندھا نہیں جاسکتا تھا اس لئے بار بار ڈھیلا ہوتا تھا۔ حضرت کی سیرت بیان کرنے والوں نے ان کی اس صفت کا ذکر لازما کیا ہے۔ جیسے صاحب صفوة الصفوة کہتے ہیں: "لا يستمسك ازاره يسترخي عن حقوَيه" اور الاصابۃ میں ہے: "كان أبيض لطيفاً جعداً مسترق الوركَين" (۱).

"أحد شقَي ثوبي" سے کیا مراد ہے

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، جانب خلف مراد ہے اس لئے کہ کولہے کمزور ہونے کی صورت میں تہ بند پیچھے کی جانب گرتا ہے، یا "جانب قُدام" مراد ہے کیونکہ پیٹ بڑا نہ ہوتو آدمی آگے کی طرف جھکا ہوتا ہے(۲)۔

اس حدیث کی مزید تفصیل بھی کتاب اللباس میں آئے گی۔ انشاء اللہ

تاہم مختصر تشریح یہاں بھی ملاحظہ کی جائے۔

"خيلاء" تکبر اور تبختر کو کہا جاتا ہے، خود پسندی، اتراہٹ وغیرہ۔ یہ لفظ منصوب ہے اور وجۂ نصب اس کی یہ ہے کہ یہ مفعول لہ اور علت ہے۔

لم ينظرِ اللّٰهُ إليه

نظر یہاں مجاز ہے، رحمت سے، تو معنی ہوا اللہ اس پر رحم نہیں کرتے اور جب اس کا استعمال مخلوق میں ہوتا ہے تو پھر یہ کنایہ ہوتا ہے، جیسے "لا ينظر إليه زيد" یعنی زید اس کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ﴿لا تقولوا راعِنا وقولوا انظرنا﴾ میں نظر توجہ کرنے کے معنی میں ہے، اللہ تعالیٰ کے نظر نہ کرنے کا یہ مطلب نہیں لیا جاسکتا کہ وہ اللہ کو نظر نہیں آتا۔

---

(۱) لامع الدراري: ۱٤۷/۸

(۲) لامع الدراري: ۱٤۷/۸

يستر خي

شاید حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عادتاً راستہ چلتے ہوئے ایک جانب کو ذرا جھک کر چلتے تھے، الا یہ کہ جب وہ اپنے آپ کو سنبھالتے اور سیدھا چلنے کی کوشش کرتے تو پھر سیدھا چل لیتے تھے۔ اس واسطے ان کو معذور قرار دیا گیا۔

فقلتُ لسالم

"قلتُ" کا قائل راوی حدیث موسیٰ بن عقبہ ہیں۔

أذكر......؟

فعل ماضی ہے، جس پر ہمزہ استفہام داخل ہے۔ "عبداللّٰه" اس کا فاعل ہیں۔

فقال

اس کا فاعل سالم ہیں۔ یعنی وہ کہہ رہے ہیں کہ میں نے تو عبداللہ کو حدیث میں صرف "ثوبہ" کا ذکر کرتے ہوئے سنا(۱)۔

جرِّ اِزار کا حکم

ابن عبدالبر اور امام نووی وغیرہ نے تو یہ لکھا ہے کہ اگر بہ نیت خُیلا، جرِّ ازار یعنی شلوار لٹکانا ہوتا ہے تو حرام ہے، ورنہ حرمت نہیں ہے۔ اور فتاویٰ عالمگیری کی عبارت سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ جرِّ ازار بنیت خیلاء حرام ہے ورنہ کراہتِ تنزیہی ہے۔ شمس الدین ابن ابی عمر المقدسی الحنبلی، صاحبُ الشافی نے "الشافی" میں لکھا ہے کہ بنیتِ خیلاء اگر جرِّ ازار کیا جائے گا تو حرام ہے ورنہ مکروہ تنزیہی ہے۔ یہ سارے کے سارے حضرات اس بات پر متفق ہیں مگر صحیح بات وہ ہے جو قاضی ابوبکر ابن عربی نے کہی ہے کہ بالارادہ اور بالقصد جو آدمی ازار کو ٹخنوں سے نیچے کرتا ہے، وہ ہزار کہے کہ میری نیت "خیلاء" کی نہیں ہے مگر وہ حرام اور مکروہ تحریمی ہے۔ جب وہ بالقصد کر رہا ہے تو اس میں تاویل کی گنجائش نہیں ہے۔ ہاں! اگر بالقصد اس نے نہیں کیا اور ازار سرک کر نیچے آ گئی

(۱) عمدة القاري: ۱٦/ ۲٥٤

یا ڈھیلی ہونے کی وجہ سے نیچے آ گئی تو بے شک وہ اس (حرام) میں داخل نہیں ہے (۱)۔

اس کی کچھ تفصیل کتاب اللباس میں بھی آ رہی ہے (۲)۔

ترجمۃ الباب سے مطابقت

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت یوں ہے کہ باب حضرت ابوبکر کے مناقب کے حوالے سے ہے اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے حضرت ابوبکر کی ایک امر ممنوع کے حوالے سے فکرمندی اور تقویٰ اور خشیت کا ذکر ہے جو اُن کی جلالتِ شان کی دلیل ہے اور پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اُن کو "إنك لستَ تصنع ذلك خُيلاء." کہہ کر جرِّ ازار کی ممنوع صورت سے بری کرنے کا بھی بیان ہے، جو حضرت ابوبکر پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعتماد اور اُن کی ثقاہت واعتبار کی دلیل ہے (۳)۔

٣٤٦٦ : حدّثنا أَبُو الْيَمَانِ : حَدَّثَنَا شُعَيْبٌ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قالَ : أَخْبَرَنِي حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ : أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قالَ : سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ : (مَنْ أَنْفَقَ زَوْجَيْنِ مِنْ شَيْءٍ مِنَ الْأَشْيَاءِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ، دُعِيَ مِنْ أَبْوَابِ – يَعْنِي : الجَنَّةَ – يَا عَبْدَ اللّٰهِ هٰذَا خَيْرٌ ، فَمَنْ كانَ مِنْ أَهْلِ الصَّلَاةِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّلَاةِ ، وَمَنْ كانَ مِنْ أَهْلِ الْجِهَادِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الْجِهَادِ ، وَمَنْ كانَ مِنْ أَهْلِ الصَّدَقَةِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّدَقَةِ ، وَمَنْ كانَ مِنْ أَهْلِ الصِّيَامِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصِّيَامِ ، وَبَابِ الرَّيَّانِ) . فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ : ما عَلَى هٰذَا الَّذِي يُدْعَى مِنْ تِلْكَ الْأَبْوَابِ مِنْ ضَرُورَةٍ ، وَقَالَ : هَلْ يُدْعَى مِنْهَا كُلِّهَا أَحَدٌ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ؟ قالَ : (نَعَمْ ، وَأَرْجُو أَنْ تَكُونَ مِنْهُمْ يَا أَبَا بَكْرٍ) . [ر : ١٧٩٨]

---

(۱) دیکھئے، فتح الباري شرح صحيح البخاري: ١٣/٣٢٣، ٣٢٤

(۲) دیکھئے، كشف الباري، كتاب اللباس، ص: ١٤٦–١٤٨

(۳) فتح الباري: ٧/٦١، بيروت

(٣٤٦٦) الحديث سبق تخريجه في كتاب الصوم، باب الريان للصائمين، رقم: ١٨٩٧

تراجم رجال

أَبُو الْيَمَانِ

یہ ابوالیمان حکم بن نافع بہرانی حمصی ہیں۔ان کے احوال "بدء الوحي، باب: ٦" کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

شُعَيْبٌ

یہ ابوبشر شعیب بن ابی حمزة القرشی الاموی ہیں۔ان کے احوال بھی "بدء الوحي، باب: ٦" میں گذر چکے ہیں(۲)۔

الزُّهْرِيُّ

یہ محمد بن عبیداللہ بن عبداللہ بن شہاب الزہری ہیں۔ان کے احوال "بدء الوحي، باب: ٣" میں گذر چکے ہیں(۳)۔

حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ

یہ حُمید بن عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ان کے احوال "كتاب الإيمان، باب تطوُّع قيام رمضان من الإيمان" میں گذر چکے ہیں(۴)۔

"زوجین" سے کیا مراد ہے؟

مَنْ أَنْفَقَ زَوْجَيْنِ...... أي شيئين، یعنی جس آدمی نے اللہ کی راہ میں دو چیزیں خرچ کیں، اللہ کی راہ سے مراد راہِ ثواب ہے، چاہے جہاد ہو یا کوئی اور عبادت۔اور شَيئي مِن الأشياء کا معنی ہے چاہے مال کے کسی بھی صنف سے اس کا تعلق ہو۔تو دو چیزوں سے مراد دو صنف نہیں بلکہ ایک صنف سے دو عدد چیزیں مراد

---

(۱) دیکھئے، کشف الباري: ۱/٤٧٩

(۲) دیکھئے، کشف الباري: ۱/٤٨٠

(۳) دیکھئے، کشف الباري: ۱/٣٢٦

(٤) دیکھئے، کشف الباري: ۱/٣١٦

ہیں۔لفظ زوج کا اطلاق "أحد الزوجين" پر بھی ہوتا ہےاور فرد کے مقابل یعنی جُفت پر بھی، اور یہاں زوج کا تثنیہ مستعمل ہے اس لئے لفظ زوج مفرد سے مراد لازماً ایک (أحد الزوجين) ہی ہے (۱)۔

مختلف دروازوں سے پکارے جانے کا مطلب

لفظ "جـنّة" چونکہ بعض روایات میں ساقط ہے، اس لئے حفاظتِ الفاظ اور رعایت اصل کے اہتمام کو ظاہر کرتے ہوئے فرمایا، "يعني الجنة" یہ روایت کتاب الصوم میں بھی آئی ہے اور وہاں "نُودي من أبوابِ الجَنة" کے الفاظ صراحت اور قطعیت کے ساتھ منقول ہیں (۲)۔ اور کتاب الجہاد میں بھی مروی ہے۔ اس میں الفاظ ہیں، "دعاه خَزَنَةُ الجنة، كل خزنة باب: أي فُلُ هَلُمَّ!" (۳).

اس میں "كلُّ خزنةِ بابٍ" کا معنی ہے، "خَزَنَةُ كل بابٍ" اور "أي فُلُ یہ أي فلان" کی ترخیم اور تخفیف کی صورت ہے (۴)۔ یا پھر یہ لفظِ "فلان" میں ایک لغت ہے، خطابی نے قولِ اول پر جزم کیا ہے (۵)۔ مگر ترخیم کی صورت میں "فـل" کو بالفتح (فُـلَ) پڑھا جانا چاہیے (۶)۔ ایسا ہی بدء الخلق میں بھی آیا ہے (۷)۔

روایت کا مطلب یہ ہے کہ ہر عمل کے لئے ایک مستقل دروازہ ہوگا، جس سے اس عمل کو کرنے والا پکارا جائے گا، چنانچہ احمد اور ابن ابی شیبہ نے صحیح سند کے ساتھ روایت نقل کی ہے، جس میں یہ تصریح ہے، "لـكـلّ عاملٍ بابٌ من أبواب الجنة يُدعى منه بذلك العملِ" (۸).

---

(۱) دیکھئے، فتح الباري: ۶۱/۷، بیروت

(۲) دیکھئے، صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب الرَّيَّان للصائمين، رقم (۱۸۹۷)

(۳) دیکھئے، كتاب الجهاد والسير، باب فضل النفقة في سبيل الله، رقم (۲۸٤۱)

(٤) فتح الباري: ۳٤/۹

(٥) فتح الباري: ٦١/٦

(٦) فتح الباري: ۳٤/۹

(۷) دیکھئے، باب ذكر الملائكة صلواتُ الله عليهم، رقم (۳۲۱٦)

(۸) مسند أحمد بلفظ "لِكل أهلِ عمل بابٌ من أبوابِ الجنَّة يدعون منه بذلك العمل، رقم: ۹۷۹۹، ومصنَّف ابن أبي شيبة، باب من كان يصيل الصيامَ أيضاً بهذا اللفظ، رقم: ۸۹۹٦، وفي باب ما ذكر في أبي بكر، رقم: ۳۲٦۲۸

في سبيل الله سے مراد

اس سے بعض حضرات کے نزدیک جہاد مراد ہے۔ چنانچہ مُہلّب کا کہنا ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاد أفضل الأعمال ہے، کیونکہ مجاہد کو مصلّی، صائم اور متصدّق سب کا اجر ملے گا، اگرچہ مجاہد نے یہ سارے عمل نہ کئے ہوں اور پھر جب مجاہد کو جنت کے تمام دروازوں سے تھوڑے سے مال خرچ کرنے کی بدولت پکارا جائے گا تو زیادہ کا حال کیا ہوگا، یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے(۱)۔

دوسرا قول یہ ہے کہ "في سبيل الله" سے مراد جہاد..... نہیں بلکہ کوئی بھی عمل صالح اور کارِ ثواب ہے(۲)۔

انفاق کیا ہر عمل صالح میں ہوسکتا ہے

جہاد، علم اور حج میں انفاق (خرچ کرنا) تو ظاہر ہے البتہ دوسری عبادات میں انفاق کچھ مشکل اور ناقابلِ فہم ہے، مگر اس کی ممکنہ صورتیں ہر عبادت اور ہر عمل صالح میں ممکن ہیں۔ مثلاً نماز میں انفاق سے مراد ہوسکتا ہے، اس کے وسائل اور ضروریات میں خرچ کرنا جیسے بدن کپڑے اور مکان کی صفائی کے لئے انتظام میں مال خرچ کرنا۔ روزے میں انفاق یوں ہوگا کہ روزہ رکھنے کے لئے قوّت اور طاقت فراہم کرنے والی چیزیں اور اس میں اخلاص اور للّٰہیت کے حوالے سے مدد ومعاون اشیاء کو حاصل کرنے کے لئے مال خرچ کیا جائے گا۔

لوگوں کو معاف کرنا کارِ ثواب ہے اور اس کے لئے انفاق کی صورت یہ ہے کہ اپنے واجب حقوق کو چھوڑ دیا جائے۔

توکّل عمل صالح ہے اور اس میں انفاق یوں ممکن ہے کہ آدمی مرض ومصیبت میں مثلاً اپنے آپ پر خرچ کرے حالانکہ وہ یوں بھی کرسکتا تھا کہ مال خرچ نہ کرتا اور بیماری اور مصیبت پر صبر کرتا مگر اس نے توکّل کرکے ناداری اور فقر کی پرواہ کئے بغیر اپنے آپ پر خرچ کیا۔

یا پھر اس کی صورت یہ ہے کہ وہ بیماری میں خود پر خرچ کرنے یا بچائے رکھنے کی بجائے دوسرے کسی مصیبت زدہ پر خرچ کرتا ہے اور مقصود ثواب ہوتا ہے۔

---

(۱) دیکھئے، فتح الباري: ۱٤۱/۵، وفتح الباري: ٦۱/۷

(۲) دیکھئے، فتح الباري: ۱٤۱/۵، وفتح الباري: ۳٤/۹

اسی طرح ''ذکر'' جو عمل صالح ہے اس میں خرچ کرنا بھی واضح ہے۔

دوسرا معنی انفاق کا یہ کیا گیا ہے کہ آدمی اپنی جان خرچ (صَرف) کرے، مثلاً کہا جاتا ہے...... أنفقتُ في طلبِ العلم عُمري وبذلتُ فيه نفسي میں نے طلب علم میں اپنی عمر خرچ کی اور اس میں اپنی جان کھپا دی......اور اس معنی کو نہایت مناسب اور عمدہ قرار دیا گیا ہے، یہاں ایک تیسرا معنی بھی انفاق کا کیا گیا ہے، جو عقل وفہم سے نہایت بعید ہے اور وہ یہ ہے کہ انفاقِ زوجین سے جان اور مال دونوں کا خرچ مراد ہو، یہ اس لئے مستبعد اور مرجوح ہے کہ صوم وصلاۃ جیسی عبادات میں مال خرچ کرنا غیر ظاہر ہے اِلا یہ کہ وہ تاویل کی جائے جس کا ابھی ذکر ہوا جب کہ جان خرچ کرنا ان میں ظاہر ہے لہٰذا ایک معنی ظاہر اور ایک معنی غیرِ ظاہر کو جمع نہیں کیا جائے گا۔

اسی طرح جن لوگوں نے صیام میں انفاق کا معنی یہ کیا ہے کہ کسی روزے دار کو افطار کرایا جائے یہ بھی بعید ہے کیونکہ ایسے میں تو یہ انفاق فی الصیام کی بجائے تصدق ہو جائے گا، جو کہ ایک دوسرا اور مستقل باب ہے(۱)۔

هَذَا خَيْرٌ

اس کا معنی ہے، هذا فاضلٌ یہ بہتر اور اچھا ہے۔ هذا أفضلُ کے معنی مراد نہیں ہیں یعنی یہ کسی دوسرے عمل سے بہتر ہے۔ اور اگر لفظ میں اس (معنی تفضیل) کا شائبہ پایا جاتا ہے تو اس کی وجہ اور فائدہ یہ ہے کہ لوگوں کو اس عمل کی ترغیب دینی مقصود ہے، اس لئے اسم تفضیل استعمال کیا گیا ہے(۲)۔ جب کہ ''خیر'' کے اسمِ تفضیل نہ ہونے کی صورت میں معنی ہیں، ''هذا خيرٌ من الخيرات'' اور تنوین تعظیم کے لئے ہے تو فائدہ واضح ہے کہ بہت عظیم خیر ہے(۳)۔

جنت کے دروازوں کی تعداد

یہاں اس روایت میں چار ابوابِ جنت کا بیان ہے، جن سے چار قسم کے عاملین جنت میں داخل ہوں گے، ۱-نماز والے، ۲-جہاد والے، ۳-روزے والے، ۴-صدقہ والے۔ جب کہ مشہور یہ ہے کہ جنت کے آٹھ

---

(۱) دیکھئے، فتح الباري: ۳۵/۹

(۲) دیکھئے، فتح الباري: ۳٤/۹

(۳) دیکھئے، فتح الباري: ۱٤۱/۷

دروازے ہیں اور کتاب الجهاد کے اوائل میں بھی آیا ہے، "وإن ابواب الجنة ثمانيةٌ" (۱) اب سوال یہ ہے کہ بقیہ دروازوں سے کون داخل ہوگا؟ تو جواب یہ ہے کہ ایک دروازہ تو اسلام کے ارکانِ اربعہ میں سے بچ جانے والے رکن یعنی "حج" کے لئے ہوگا اور رہے بقیہ تین تو ان میں سے ایک دروازہ تو ہوگا "كاظمين الغيظ" اور "عافين عن الناس" کے لئے۔ جیسا کہ امام احمد بن حنبل نے رَوح بن عباده عن أشعت عن الحسن ...... کے طریق سے مرسل روایت نقل کی ہے، فرمایا: "إنَّ لله باباً في الجنة لا يدخله إلّا من عفا عن مظلمة" (۲).

اسی طرح ایک الباب الأیمن ہے، جس سے وہ متوکّلین داخل ہوں گے جن پر کوئی حساب ہوگا اور نہ عذاب۔ اور تیسرا دروازہ شاید ذکر والوں کے لئے ہوگا اور ممکن ہے وہ علم والوں کے لئے بھی ہو۔ اور ممکن ہے ان چند دروازوں کے علاوہ اندرونِ جنت میں اور بھی بہت سارے دروازے ہوں اور وہ ہی اصلی دروازے ہوں، کیونکہ اعمالِ خیر تو آٹھ سے کہیں زیادہ ہیں (۳)۔

کن لوگوں کو سارے دروازوں سے پکارا جائے گا اور کیوں؟

فقال ابوبكر ...... ابوبکر نے کہا، جس کو ان تمام دروازوں سے پکارا جائے گا اس کو تو کوئی نقصان اور ضرر نہ ہوگا، کتاب الصیام میں ان کے یہ الفاظ ہیں، "فهل يُدعى أحد من تلك الأبواب كلِها" کیا کوئی ایسا آدمی بھی ہوگا جس کو ایک نہیں، ان تمام دروازوں سے پکارا جائے گا۔

بہرحال حدیث سے اتنی بات تو یقینی طور پر معلوم ہوتی ہے کہ تمام دروازوں سے پکارے جانے والوں کی تعداد بہت کم ہوگی ...... اور پھر یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد مذکورہ اعمال کو نفل کے طور پر بکثرت ادا کرنے والے ہیں کیونکہ فرض نماز، روزے، زکاۃ اور جہاد کو ادا کرنے والوں کی تو کمی نہیں ہوگی، ایسے لوگ تو بکثرت ہوں گے۔

ہاں ایسے لوگ یقیناً کم ہوں گے جو یہ سارے اعمال تطوّع اور نفل کے طور پر بھی کرنے والے ہوں۔

---

(۱) كتاب الجهاد لابن أبي عاصم، رقم: ٩٦، مكتبة العلم والحكمة

(۲) مسند احمد، مسند أبي هريرة، رقم: ٩٦٢١، فتح الباري: ١٤١/٧

(۳) دیکھئے، فتح الباري: ٣٤/٩

دوسری بات یہ ہے کہ ان تمام اعمال کو کرنے والے جو تمام دروازوں سے پکارے اور بلائے جائیں گے، تو یہ محض تکریم کے طور پر ہوگا ورنہ داخل وہ ایک ہی دروازے سے ہوں گے۔

اور وہ ایک دروازہ شاید وہ ہوگا جس میں دخول کا مستحق بنانے والا اس کا عمل اس کے دوسرے اعمال کی بنسبت زیادہ ہوگا۔

اس پر اگر یہ کہا جائے کہ مسلم کی روایت ہے، "مَن توضأ ثم قال أشهد أن لا إله إلا الله" اور آگے چل کر فرمایا، "فُتحت له ابواب الجنّة يدخل مِن أيّها شاء" (۱) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض جنتی آٹھوں دروازوں سے داخل ہو سکیں گے......؟ تو جواب یہ ہے کہ اس کی بھی مذکورہ بالا تفصیل سے کوئی منافات نہیں ہے اگرچہ بظاہر یہ اس کا منافی معلوم ہوتا ہے، عدم منافات کی وجہ یہ ہے کہ یہ آٹھ دروازے اس کے لئے کھولے تو تکریم کے طور پر جائیں گے اور اسے کسی بھی دروازے سے داخل ہونے کی اجازت ہوگی، مگر پھر داخل وہ ایک ہی دروازے سے ہوگا یعنی وہی دروازہ جس سے متعلق اعمال اس کے کھاتے میں زیادہ ہوں گے (۲)۔

وَأَرْجُو أَنْ تَكُونَ مِنْهُمْ

علماء فرماتے ہیں رجاء اور امید کا جب اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ذکر کرتے ہیں تو اس سے وقوع بالجزم مراد ہوتا ہے اور اسی توجیہ کی بنیاد پر حدیث مذکور کا "مناقب ابي بكر" سے تعلق جڑتا ہے۔ کیوں کہ اگر ان کا داخل ہونا محض متوقع ہو تو یہ تو ان کی کوئی خصوصیت نہ ہوئی۔ ابن حبان نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت نقل کی ہے، جس میں انہوں نے حضرت ابوبکر کے لئے اس کا وقوع ذکر کیا ہے، روایت کے الفاظ ہیں، "قال أجل وأنتَ هو يا أبابكر" (۳).

فوائد حدیث

حدیث مذکور سے مندرجہ ذیل فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں:

---

(۱) فتح الباري: ۳۵/۹

(۲) فتح الباري: ۳۵/۹

(۳) صحيح ابن حبان، باب ذكر ترحيب أهل الجنة بأبي بكر الصديق رضي الله عنه، ودعوة كل واحد منهم عند دخوله الجنة، رقم: ٦٨٦٧

۱- یہ کہ جو آدمی جو عمل زیادہ کرتا ہے وہ اسی سے پہچانا جاتا اور معروف ہوتا ہے۔

۲- یہ کہ تمام اعمالِ خیر برابر برابر بہت ہی کم لوگوں کو نصیب ہو سکتے ہیں۔

۳- یہ کہ فرشتے صالح مومنوں کو پسند کرتے اور ان سے خوش ہوتے ہیں۔

۴- انفاق جتنا زیادہ ہوتا ہے اتنا بہتر ہوتا ہے۔

۵- خیر دنیوی ہو یا اخروی وہ مطلوب ہوتی ہے (۱)۔

ترجمۃ الباب سے مطابقت

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت یہ ہے کہ اس میں حضرت ابوبکر کے لئے بہت بڑی بشارت کا ذکر ہے، جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ "وأرجو أن تكونَ منهم" میں آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا "رجاء" ہے جو وقوع کا متقاضی ہے اور اس کے وقوع کا مطلب یہی ہے کہ ابوبکر کو جنت کے آٹھوں دروازوں سے (بالجزم والیقین) پکارا جائے گا (۲)۔

٣٤٦٧ : حدّثنا إِسْماعِيلُ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ : حَدَّثَنَا سُلَيْمانُ بْنُ بِلَالٍ ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ ، عَنْ عائِشَةَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهَا ، زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ : أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ ماتَ وَأَبُو بَكْرٍ بِالسُّنْحِ – قالَ إِسْماعِيلُ : يَعْنِي بِالْعَالِيَةِ – فَقَامَ عُمَرُ يَقُولُ : وَٱللهِ ما ماتَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ . قالَتْ : وَقالَ عُمَرُ : وَٱللهِ ما كانَ يَقَعُ فِي نَفْسِي إِلَّا ذَاكَ ، وَلَيَبْعَثَنَّهُ ٱللهُ ، فَلَيَقْطَعَنَّ أَيْدِيَ رِجالٍ وَأَرْجُلَهُمْ . فَجاءَ أَبُو بَكْرٍ فَكَشَفَ عَنْ رَسُولِ ٱللهِ ﷺ فَقَبَّلَهُ ، قالَ : بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي ، طِبْتَ حَيًّا وَمَيِّتًا ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يُذِيقُكَ ٱللهُ الْمَوْتَتَيْنِ أَبَدًا ، ثُمَّ خَرَجَ فَقالَ : أَيُّها الحالِفُ عَلَى رِسْلِكَ ، فَلَمَّا تَكَلَّمَ أَبُو بَكْرٍ جَلَسَ عُمَرُ ، فَحَمِدَ ٱللهَ أَبُو بَكْرٍ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ، وَقالَ : أَلَا مَنْ كانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا ﷺ فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ ماتَ ، وَمَنْ كانَ يَعْبُدُ ٱللهَ فَإِنَّ ٱللهَ حَيٌّ

(۱) فتح الباري: ٩/٣٥

(۲) دیکھئے، عمدة القاري: ١٦/٢٥٤

(٣٤٦٧) الحديث سبق تخريجه في كتاب الجنائز، باب الدخول على الميت بعد الموت إذا أدرج في أكفانه، رقم: ١٢٤٢

لَا يَمُوتُ . وَقَالَ : «إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ» . وَقَالَ : «وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ» . فَنَشَجَ النَّاسُ يَبْكُونَ ، قَالَ : وَاجْتَمَعَتِ الْأَنْصَارُ إِلَى سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ فِي سَقِيفَةِ بَنِي سَاعِدَةَ ، فَقَالُوا : مِنَّا أَمِيرٌ وَمِنْكُمْ أَمِيرٌ ، فَذَهَبَ إِلَيْهِمْ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَأَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ ، فَذَهَبَ عُمَرُ يَتَكَلَّمُ فَأَسْكَتَهُ أَبُو بَكْرٍ ، وَكَانَ عُمَرُ يَقُولُ : وَاللَّهِ مَا أَرَدْتُ بِذَلِكَ إِلَّا أَنِّي قَدْ هَيَّأْتُ كَلَامًا قَدْ أَعْجَبَنِي ، خَشِيتُ أَنْ لَا يَبْلُغَهُ أَبُو بَكْرٍ ، ثُمَّ تَكَلَّمَ أَبُو بَكْرٍ فَتَكَلَّمَ أَبْلَغَ النَّاسِ ، فَقَالَ فِي كَلَامِهِ : نَحْنُ الْأُمَرَاءُ وَأَنْتُمُ الْوُزَرَاءُ ، فَقَالَ حُبَابُ بْنُ الْمُنْذِرِ : لَا وَاللَّهِ لَا نَفْعَلُ ، مِنَّا أَمِيرٌ ، وَمِنْكُمْ أَمِيرٌ ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ : لَا ، وَلَكِنَّا الْأُمَرَاءُ ، وَأَنْتُمُ الْوُزَرَاءُ ، هُمْ أَوْسَطُ الْعَرَبِ دَارًا ، وَأَعْرَبُهُمْ أَحْسَابًا ، فَبَايِعُوا عُمَرَ أَوْ أَبَا عُبَيْدَةَ بْنَ الْجَرَّاحِ ، فَقَالَ عُمَرُ : بَلْ نُبَايِعُكَ أَنْتَ ، فَأَنْتَ سَيِّدُنَا ، وَخَيْرُنَا ، وَأَحَبُّنَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ ، فَأَخَذَ عُمَرُ بِيَدِهِ فَبَايَعَهُ ، وَبَايَعَهُ النَّاسُ ، فَقَالَ قَائِلٌ : قَتَلْتُمْ سَعْدًا ، فَقَالَ عُمَرُ : قَتَلَهُ اللَّهُ .

تراجم رجال

إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ

یہ اسماعیل بن أبي اویس عبداللہ بن عبداللہ بن أویس بن مالک بن ابی عامر اصحی مدنی ہیں۔ ان کے احوال "كتاب الإيمان، باب تفاضل أهل الإيمان" کے تحت گذر چکے ہیں (۱)۔

سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ

یہ سلیمان بن بلال قرشی تیمی مولی عبداللہ بن عتیق محمد بن عبدالرحمن بن ابی بکر ہیں۔ ان کے احوال "كتاب العلم، باب طرح الإمام المسألة على أصحابه" کے تحت گذر چکے ہیں (۲)۔

---

(۱) دیکھئے، كشف الباري: ۱۱۳/۲

(۲) دیکھئے، كشف الباري: ۱۳۷/۳

هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ

یہ ہشام بن عروۃ بن الزبیر بن العوام قرشی اسدی مدنی ہیں۔ان کے احوال "كتاب الإيمان، باب أحبُ الاعمال إلى الله أدومُه" کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ

مشہور صحابی زبیر بن العوام کے صاحبزادے اور خود مشہور تابعی اور مدینہ منورہ کے فقہاء سبعہ میں سے ایک ہیں،ان کے احوال بھی "كتاب الإيمان، باب أحب الأعمال إلى الله أدومه " کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

عَائِشَةَ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا

ان کے احوال بھی گذر چکے ہیں(۳)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے ذکر اور قصہ سقیفہ وغیرہ پر مشتمل ہے، فضائل الصحابہ کے علاوہ یہ کتاب الجنائز اور کتاب المغازی میں بھی منقول ہے(۴)، وہاں بھی اس کی کچھ تشریح آئی ہے۔

وَأَبُو بَكْرٍ بِالسُّنْحِ

"سنح"، بضم السین وسکون النون ہے یا بضم النون۔ابوعبید البکری کہتے ہیں،"إنه منازل بني الحارث من الخزرج بالعوالي" یہ(سنح) خزرج کی شاخ بنی الحارث کے گھروں کو کہا جاتا ہے، جو عوالی میں ہیں۔اوران کے اور مسجد نبوی کے درمیان ایک میل کا فاصلہ ہے۔

---

(۱) دیکھئے،كشف الباري: ۴۳۲/۲

(۲) دیکھئے،كشف الباري: ۴۳۶/۲

(۳) دیکھئے،كشف الباري: ۱۹۱/۱

(٤) دیکھئے،حدیث ۱۲٤۱، ۱۲٤۲، ٤٤٥۲، ٤٤٥٥، ۵۷۱۰، ٤٤۵۳، ٤٤۵۷، ۵۷۱۱

قَالَ إِسْمَاعِيلُ

اسماعیل بن عبداللہ راوی مراد ہیں جو امام بخاری کے شیخ ہیں۔ابن ابی اویس کے نام سے معروف ہیں، "یعني بالعالیة" یہ حضرت عائشہ کے قول کی تفسیر ہے،اسی لئے ابوذر کے نسخے میں "تعني" صیغہ مؤنث کے ساتھ آیا ہے(۱) العالیۃ کے بارے میں قسطلانی کہتے ہیں، "هي مَنازل بني الحَرث"(۲).

مَا كَانَ يَقَعُ فِي نَفْسِي إِلَّا ذَاكَ

یعنی میرے دل میں صرف یہی بات آرہی تھی،یعنی اس وقت آپ کا عدمِ وصال ہی میرے دل میں تھا،وصال ہرگز نہیں۔احمد نے حضرت عائشہ کی ایک روایت نقل کی ہے،جس میں یہ الفاظ ہیں،"إن رسول الله لایموت حتی یفني الله المنافقین"(۳).

حضرت عمر کی یہ رائے ان کے غلبۂ ظن کی وجہ سے تھی جو اُن کے اجتہاد کا نتیجہ تھا اور اس کی وجہ قرآن کریم کی یہ آیت تھی ﴿وکذلكَ جعلناکم أُمَّةَ وسطًا لتکونوا شهداء علی النَاس ویکون الرسولُ علیکم شهیداً﴾(٤) وہ سمجھے اس شہادت (گواہی دینے) تک آپ زندہ ہوں گے(۵)۔

لَا يُذِيقُكَ اللّٰهُ الْمَوْتَتَيْنِ

کتاب الجنائز اور کتاب المغازی کی روایت میں "لایجمعُ اللّٰه علیك موتَتَین" کے الفاظ ہیں اور ساتھ یہ بھی تصریح ہے:

> "أمّا الموتة التي کُتبَت علیك فقدمُتَّها"(٦). وہ موت تو تیری واقع ہوچکی ہے جو تیرے لئے لکھی گئی تھی۔

() إرشاد الساري: ۱۵۷/۸

(۲) إرشاد الساري: ۱۵۸/۸

(۳) مسند احمد، رقم: ۲٦۳٦۵

(٤) سورۃ البقرۃ، آیت: ۱٤۳

(۵) إرشاد الساري: ۱۵۸/۸

(٦) دیکھئے، کتاب المناقب، باب الدخول علی المیت بعد الموت، رقم (۱۲٤۱)

حضرت ابوبکر کے اس قول کا کیا مطلب ہے

ایک تو اس کا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ اپنی حقیقت اور اپنے ظاہر پر ہے یعنی مراد یہ ہے کہ جیسے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام دوبارہ زندہ ہوں گے اور بہت سارے لوگوں کا کام تمام کریں گے، حضرت ابوبکر نے فرمایا، ایسا نہیں ہوگا، کیونکہ اگر ایسا ہونا ممکن مان لیا جائے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کو دو دفعہ موت آئے گی! کیونکہ حشر اور بعث سے پہلے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر موت تو یقیناً طاری ہوگی اور اب اِس وقت جو آپ علیہ الصلوۃ والسلام پر موت طاری ہوئی ہے اگر اس کے بعد دوبارہ دنیا میں آپ کے زندہ ہونے کا کوئی قائل ہے تو ضروری ہے کہ وہ آپ پر دو دفعہ موت طاری ہونے کا بھی قائل ہو، حالانکہ آپ علیہ الصلوۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے ہاں اس سے کہیں بڑھ کر محترم اور مکرم ہیں کہ آپ کو دو مرتبہ موت دے جیسا کہ بنی اسرائیل کے کچھ لوگوں کو دی، جس کا ﴿الم تر إلى الذين خرَجُوا مِن ديارهم وهُم ألوف حذرَ الموتِ، فقال لَهم الله موتُوا ثم أحياهم﴾(۱) میں ذکر ہے۔ اور جیسا کہ ﴿أو كالذي مرَّ على قريةٍ وهي خاوية على عُروشِها﴾(۲) میں "الذي" کے مصداق کے ساتھ ہوا تھا۔ یعنی حضرت عزیز علیہ السلام کے ساتھ۔ آپ (محمد) علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ بہر حال ایسا نہیں ہوگا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسے أوضَح الأجوبه اور أسلَم الأجوبة قرار دیا ہے۔

جب کہ ایک مطلب اس کا یہ بتایا گیا ہے کہ قبر میں آپ علیہ الصلوۃ والسلام کو دوبارہ موت نہیں آئے گی، جیسے کہ عام لوگوں کو سوال وجواب کے لئے زندہ کئے جانے کے بعد موت آتی ہے۔

ایک تیسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ کی اور آپ کی شریعت دونوں کی موت جمع نہیں کی جائے گی، یعنی اب آپ کو موت آئی ہے تو آپ کی شریعت بھی آپ کے ساتھ رخصت ہو جائے، ایسا نہیں ہوگا۔

چوتھا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ موت ثانی کنایہ ہے کرب وغم سے یعنی اس موت کے بعد آپ پر کوئی اور کرب اور اندوہ کی حالت نہیں آئے گی، بلکہ اس کے بعد آپ کے لئے رحمت راحت اور سہولت ہی

---

(۱) سورة البقرة: ۲٤۳

(۲) سورة البقرة: ۲٥۹

رہے گی (۱)۔

منکرینِ حیات فی القبر کا استدلال اور اس کا جواب

بعض لوگوں نے ان الفاظ سے یہ اُخذ اور ثابت کیا ہے کہ قبر میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حیات نہیں ہیں اور شاید ان کا مطلب یہ ہے کہ جب ایک دفعہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو موت آئی، اب اگر قبر میں دوبارہ آپ کو حیات ملتی ہے تو ظاہر ہے دوبارہ موت بھی آئے گی، کیونکہ بعث دوسرے لوگوں کی طرح انبیاء کا بھی ہوگا، جس کا مطلب یہی ہے کہ موت سے آپ کو افاقہ ہوگا اور پھر یہ بھی بظاہر مستبعد ہے کہ قیامت تک آپ قبر میں ہوتے ہوئے زندہ رہیں گے، لامحالہ وفات پائیں گے اور اس سب کچھ کا مطلب یہی ہے کہ آپ کو دوبار موت آئے گی ایک مرتبہ دنیا میں اور ایک مرتبہ قبر میں، حالانکہ اس حوالے سے رسول اللہ سے مخاطب ہوکر ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمارہے ہیں "لا يذيقكَ اللّٰه المَوْتَتَين".

اس کا جواب اہل سنت کی طرف سے یہ دیا گیا ہے کہ حضرت ابوبکر کے اس قول کا وہ مطلب نہیں ہے جو یہاں لیا جارہا ہے بلکہ اس سے مقصود اُس موت کی نفی ہے، جو حضرت عمر کے قول "وليبعثنّه اللّٰه في الدُّنيا ليقطَع أيديَ القائلين بمَوته" سے معلوم ہوتی ہے اور وہ یوں کہ عمر نے جب یہ کہہ دیا کہ ضرور آپ علیہ الصلوۃ والسلام کی بعثت ہوگی، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب آپ کو موت آئی ہے اور دوبارہ آپ زندہ ہوں گے، پھر آپ کو دوسری مرتبہ موت آئے گی، وہ موت جس کے بعد بعثتِ قیامت ہوگی، حالانکہ اللہ تعالیٰ آپ کو دو دفعہ موت نہیں دیں گے اور منکرینِ حیات جو موت سے مراد لے رہے ہیں، اس کی طرف یہاں کوئی اشارہ نہیں ہے۔ کیونکہ وہ (منکرینِ حیات) برزخ کی بات کررہے ہیں اور احوالِ برزخ سے یہاں روایت میں کوئی تعرض نہیں کیا گیا ہے۔

اور اس سے بہتر جواب یہ ہے کہ منکرینِ حیات جو یہ کہہ رہے ہیں کہ قبر میں آپ علیہ الصلوۃ والسلام کے لئے حیات اس لئے ثابت نہیں ہے کہ اگر ایسی کوئی حیات ہوگی تو وہ لامحالہ اس موت کے بعد ہوگی اور پھر اُس قبر والی حیات کے بعد بھی آپ کے لئے موت ماننی پڑے گی، تو یوں دو دفعہ آپ کے لئے موت ثابت

---

(۱) فتح الباري: ١٤٨/٤، بيروت

ہو جائے گی، حالانکہ ابوبکر اس کی نفی کر رہے ہیں ...... تو جواب یہ ہے کہ قبر والی حیات کے بعد آپ کی موت واقع ہی نہیں ہوگی، بلکہ آپ کی حیات مستمر ہوگی، جب کہ منکرین کی اس ساری تقریر کا مدار حیاتِ قبر کے بعد وقوعِ موت پر ہے۔

چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ اس جواب کو ذکر کر کے فرماتے ہیں، "والانبيـــاء أحيـــاء في قبورهم" (۱). درآں حالیکہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

قبر کی حیاتِ مستمرہ غیرِ انبیاء کے لئے ثابت نہیں

حافظ ابن حجر العسقلانی فرماتے ہیں، "ولعلَّ هذا هو الحكمة في تعريف الموتَتين حيث قال لا يذيقُكَ الله الـموتتَيـن، أي الـمعروفتَين المشهورتَين الواقعتَين لكل أحد غيرِ الانبياء" یہاں جو "الـمـوتتَيـن" کو معرفہ لایا گیا ہے، شاید اس کی وجہ اور حکمت یہ ہو کہ اس سے ان دو مشہور و معروف اموات کی طرف اشارہ مقصود ہو، جو انبیاء کے علاوہ ہر آدمی کے لئے ثابت اور واقع ہیں یعنی حیاتِ دنیویہ کے بعد موت اور پھر سوال و جواب کے لئے دی جانے والی حیات کے بعد واقع ہونے والی موت۔ حافظ کا منشاء یہ ہے کہ قبر کی حیاتِ مستمرہ انبیاء کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں ہوگی۔

حضرت ابوبکر کا امتیازی مقام

رہا یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو بالتأ کید اور حلفیہ کہا کہ اب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت ہوگی یا یہ کہ آپ پر موت طاری نہیں ہوئی ہے...... تو یہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ظن تھا جس کا اجتہاد کے نتیجے میں انہوں نے اظہار کیا، لہٰذا تھا تو یہ خلاف واقعہ مگر از راہ اجتہاد اور بطریقِ ظن جب انہوں نے کہا تو یہ قابلِ مواخذہ اور سبب ملام بھی نہ رہا اور اس کی تغلیط کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ علم میں عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور دوسرے لوگوں سے بڑھ کر تھے۔ اسی طرح یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر اہم معاملات، بڑے بڑے مسائل، مصائب اور مشکل مواقع پر ثابت قدم رہنے اور حوصلہ رکھنے میں بھی دوسرے تمام لوگوں سے بڑھ کر تھے (۲)۔

---

(۱) دیکھئے، فتح الباري: ۹/۳۵، ۳۶، بيروت

(۲) عمدة القاري: ۱۶/۲۵۶

أَيُّهَا الْحَالِفُ عَلَى رِسْلِكَ

أي اتئد في الحلف أو كُن على رِسلِك، أي على التُّؤدة، لا تعجل(۱).

"على رسلك" کامعنی ہوتا ہے، ذرا ٹھہریئے، رکئے، جلدی نہ کیجئے!

''کتاب الجنائز''، میں یوں مذکور ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مقام "سـنـح" سے تشریف لائے تو مسجد میں داخل ہوئے اور کسی سے بات کئے بغیر حضرت عائشہ کے ہاں گئے۔ پھر جب وہ نکلے تو حضرت عمر لوگوں سے باتیں کررہے تھے، ابوبکر کو دیکھ کر انہوں نے ان سے بھی کہا، بیٹھ جایئے، ابوبکر نے انکار کیا اور خطبہ دینا شروع کردیا چنانچہ لوگ عمر (رضی اللہ عنہ) کو چھوڑ کر ان کی طرف متوجہ ہوگئے۔ "فمال إليه الناس وتركوا عمر"(۲). لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوگئے۔

لیکن حضرت عمر کی گفتگو کا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ خلیفہ بننا چاہ رہے تھے اور اس کے لئے ذہن سازی (لابنگ) کررہے تھے چنانچہ کتاب الأحکام میں حدیث مذکور ہے، اس میں اس کی تصریح ہے کہ حضرت عمر نے خلیفہ بننے سے معذرت ظاہر کی تھی۔ عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں:

> "قيل لعمرَ ألا تستخلف؟ قال: إن أستخلِف فقد استخلَف من هو خير مني، ابوبكر، وإن أترك فقد ترَكَ مَن هو خير مِنّي: رسول الله صلى الله عليه وسلم. فأثنَوا عليه فقال: راغبٌ وراهبٌ وددتُ أني نجوت منها كفافاً لالِي ولا علَي، لا أتحملها حيًّا وميتاً"(۳).

عمر سے کہا گیا کیا آپ (دنیا سے جاتے ہوئے) خلیفہ مقرر نہیں کریں گے؟ کہا اگر میں خلیفہ بناتا ہوں تو مجھ سے بہتر یعنی ابوبکر نے بھی مقرر کیا ہے اور اگر نہیں مقرر کرتا تو رسول اللہ نے بھی مقرر نہیں کیا جو مجھ سے بہتر ہیں۔ لوگوں نے اس پر آپ کی تعریف کی، آپ نے فرمایا شوق ودلچسپی بھی ہے اور ڈر بھی۔ میں چاہتا ہوں کہ میں اس سے برابر سرابر چھٹکارا پاؤں کہ نہ مجھ پر کچھ ہو اور نہ میرے لئے کچھ ہو۔ میں اس (ذمہ داری) کو زندگی اور

---

(۱) عمدة القاري: ۱۶/۲۵۶

(۲) دیکھئے، صحيح البخاري، كتاب الجنائز، رقم (۱۲٤۲)

(۳) صحيح البخاري، كتاب الاحكام، باب الاستخلاف، رقم (۷۲۱۸)

موت دونوں حالتوں میں نہیں اٹھاؤں گا۔

معلوم ہوا کہ عمر رضی اللہ عنہ کو صدیق اکبر نے اپنے بعد خلیفہ بنایا تو انہوں نے ذمہ داریاں سنبھالیں ورنہ وہ شوق نہیں رکھتے تھے۔

فَنَشَجَ النَّاسُ

لوگ رونے لگے، "نشـــج" اس رونے کو کہتے ہیں، جس میں انتحاب (یعنی پھوٹ پھوٹ کر رونا، سسکیاں لینا اور لمبے لمبے سانس لینا) نہ ہو۔ حافظ عسقلانی نے اس کے دو معانی بیان کئے ہیں:

۱- ما یعرض في حَلق الباکي من الغَّصة. جو گھٹن رونے والے کے گلے کو لاحق ہو۔

۲- هو صوتٌ معه ترجیع کما یردِّد الصبي بکاءَ ه في صدرِه. وہ آواز جس کے ساتھ آواز دوہری ہو جائے جیسے بچہ اپنی آواز سینے میں دوھرا کردے۔

اس کیفیت کی گھگھی بندھنے، ہچکی بندھنے، گلوگیر ہونے، روہانسا ہونے وغیرہ سے تعبیر کی (۱) جاسکتی ہے (۲)، وقیل بکاء مع صوت (۳). ایک قول یہ ہے کہ جس کے ساتھ آواز ہو اس رونے کو "نشج" کہتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت کا مسئلہ

واجتمعت الأنصار إلی سَعد بن عبادة في سقیفة بني ساعدة...... ساعدة یہ کعب بن الخزرج کے بیٹے یا دُرید کے بیٹے کا نام ہے۔ ویسے ساعدۃ شیر کے ناموں میں سے ہے اور ''سقیفہ بنی ساعدہ'' انصار کی جائے مشورہ اور دار الندوہ تھا (۴)۔

انصار کا سقیفۂ بنی ساعدہ میں اجتماع

سَعد بن عبادہ بن دلیم بن حارثہ الخزرجي ثم الساعدي، خزرج قبیلے کے اس وقت کے سردار تھے، انصار

---

(۱) فتح الباري: ۹/۳٦

(۲) ''نشج'' اور ''نحب'' مادہ کی تفصیل کتب لغت میں ملاحظہ کیجئے۔ مثلاً القاموس الوحید، ص: ۱٦٤۷، اور مختار الصحاح، ص: ۳۳۲ اور أساس البلاغۃ للزمخشری، ص: ٤٥٦

(۳) عمدة القاري: ۱٦/۲٥٦

(٤) عمدة القاري: ۱٦/۲٥٦

کے دو مشہور قبیلے تھے۔

اُوس اور خزرج، انصار کیا سارے سقیفۂ بنی ساعدہ میں سعد بن عبادہ کے پاس جمع ہوگئے تھے، ابن اسحاق نے اپنی سیرت کے اخیر میں ذکر کیا ہے کہ "أن أسيد بن حُضير في بني عبد الأشهل انحازوا إلى أبي بكر ومَن مَعه وهٰولاء من الأوس" (۱) اُسید بن حضیر بنوعبدالاشہل کے ساتھ ہوکر سیدنا ابوبکر اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ آملے تھے اور ان کی طرف مائل ہوگئے تھے جب کہ یہ حضرات اوس میں سے تھے۔

جب کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عُمر سے ان کا یہ قول نقل کرتے ہیں، "تخلفتْ عنّا الأنصار بأجمعِها في سقيفة بني ساعِدة" (۲) انصار سارے ہم سے الگ ہوکر سقیفہ بنی ساعدہ میں جا بیٹھے تھے۔ ان دونوں اقوال میں جمع اور تطبیق کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ اولاً تو اُنصار سب الگ ہوگئے تھے اور پھر وہ آپس میں بھی ایک ساتھ نہیں رہے، بلکہ الگ الگ ہوگئے۔

کیونکہ اوس وخزرج دو ایسے فریق تھے کہ ان کی دورِ جاہلیت میں آپس میں کئی جنگیں ہوئی تھیں اور اسلام کے بعد اگر چہ ان کی وہ سخت چپقلش اور دشمنی تو نہیں رہی تھی اور بظاہر تقریباً اس کا نام ونشان بھی نہیں رہا تھا، انصار ومہاجرین صحابہ اور پھر انصار کا آپس میں مواخاۃ کا تعلق اور باہم شیر وشکر ہونا ایک نا قابل انکار تاریخی حقیقت اور اسلام کی حقانیت کا منہ بولتا ثبوت ہے، مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ان دو مشہور قبیلوں کے درمیان برسہا برس سے جاری خونریزیوں اور ناچاقیوں کا کچھ نہ کچھ اثر ابھی تک ان میں باقی تھا اور بعض مواقع پر رگوں میں دوڑتی ہوئی اس عداوت ورقابت کی کوئی چنگاری بھڑک اٹھتی تھی تو پھر جنگ کی آگ لگنے کا اندیشہ ہوتا تھا۔ اور مسابقت ومقابلہ تو ان میں رہتا ہی تھا۔

چنانچہ یہاں جب انصار جمع ہوئے اس مقصد کے لئے کہ "امیر المؤمنین" کا انتخاب کیا جائے اور ایک طرح سے وہ دونوں فریق ایک دوسرے کے مقابلے ہی کی نیت سے آئے تھے مگر پھر جب اُسید بن حُضیر اور اَوس کے دوسرے حضرات نے دیکھا کہ حضرت ابوبکر الگ سے امارت اور خلافت کے مستحق کے طور پر سامنے آرہے ہیں تو قبیلۂ اوس نے بجائے اس کے کہ خزرج والے ان پر امیر بنیں، انہوں نے مہاجرین اور ان میں سے سے افضل حضرت ابوبکر کی امارت کو ترجیح دی۔

پھر یہاں یہ بھی ہوا تھا کہ زبیر اور علی رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گھر میں چلے گئے

(۱) السيرة النبوية لابن هشام: ٤/٦٥٦

(۲) فتح الباري: ٩/٣٦

تھے اور مہاجرین ابوبکر کے پاس جمع ہو گئے تھے(۱)۔

اکابرِ مہاجرین کی انصار کے پاس آمد

فَذَهَبَ إِلَيْهِمْ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، وَأَبُو عُبَيْدَةَ...... اوپر ابن عباس رضی اللہ عنہما کی جس روایت کا ذکر ہے، اس میں یہ الفاظ ہیں:

"فقلت له: يا أبابكر انطلِق بنا إلى اخوانِنا من الأنصار" میں نے حضرت ابوبکر سے درخواست کی کہ ہمیں اپنے انصار بھائیوں کے پاس لے چلئے۔

اور ابن حبان وابویعلی وغیرہ نے مالک عن الزہری کی روایت سے یہ اضافہ نقل کیا ہے:

"فبينما نحنُ في منزلِ رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلّم إذا رجلٌ ينادي من وراءِ الجدارِ أن اخرج إليَّ يا ابن الخطاب، فقلت: إليك عني فإنا عنك مَشاغِيل يعني بأمرِ رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقال له: إنه قد حدث أمر، فإن الأنصار اجتمعوا في سقيفةِ بني ساعدةَ فأدركوهم قبلَ أن يحدثوا امراً يكون فيه حربٌ فقلت لابي بكر انطلق -فذكره- فانطلَقنا نؤمهم حتى لِقيَنا رجلان صالحان فقالا: لا عليكم ألا تقربوهم، واقضوا أمرَكم، قال فقلتُ: والله لنأتينَّهم، فانطلقنا، فإذا بين ظهرانَيهم رجل مزمل. فقلت: من هذا؟ قالوا: سَعد بن عُبادة"(۲).

اس میں اس واقعے کی کچھ مزید تفصیل ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گھر میں تھے کہ ایک آدمی دیوار کے باہر سے یہ آواز دیتے ہوئے سنا گیا، "ابن خطاب! باہر نکل آ!"

میں نے کہا، جا! اپنا کام کر، ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معاملے میں

---

(۱) فتح الباري: ۹/۳٦

(۲) صحيح ابن حبان، رقم: ٤١٤، نیز دیکھئے، صحيح البخاري، كتاب الحدود، باب رجم الحبلى في الزنا إذا أحصنت، رقم (٦٨٣٠)

مشغولیت کی وجہ سے آپ کے لئے فارغ نہیں ہیں۔ انہوں نے حضرت عمر سے کہا، ایک کام ہوا ہے، انصار سقیفہ بنوساعدہ میں جمع ہیں جا کر ان کو ملو قبل اس کے کہ وہ کوئی ایسا اقدام کر بیٹھیں جس سے جھگڑا شروع ہو جائے۔ تو میں نے ابوبکر سے کہا، چلو چلیں انصار کے پاس، پھر ہم ان کے پاس آنے کے ارادے سے چل پڑے، راستے میں دو آدمی ہم سے ملے، جنہوں نے کہا اگر تم ان کے پاس نہ بھی جاؤ تو بھی کوئی مسئلہ نہیں، جو کچھ تم نے کرنا ہے بے فکر ہو کر کرلو۔ راوی کہتا ہے میں نے کہا، بخدا! ہم ضرور ان کے پاس جائیں گے، پھر جب ہم آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ یہاں کپڑوں میں لپٹا ہوا ایک آدمی ان کے درمیان ہے، میں نے کہا یہ کون ہے؟ کہنے لگے، یہ سعد بن عبادہ ہیں!

حدیث کے اخیر میں حضرت عروہ سے یہ بھی منقول ہے کہ وہ دو آدمی جنہوں نے ان سے ملاقات کی تھی، ایک عویم بن ساعدہ بن عباس بن قیس بن النعمان تھے، جو بنی مالک سے تعلق رکھتے تھے اور دوسرے معن بن عدی بن الجعد بن العجلان جو اُن کے حلیف تھے اور ان دونوں کا تعلق اُوس سے تھا(۱)۔

فَذَهَبَ عُمَرُ يَتَكَلَّمُ فَأَسْكَتَهُ أَبُوبَكْرٍ

عمر (رضی اللہ عنہ) نے بات کرنا چاہی مگر ابوبکر نے انہیں خاموش کر دیا۔

ابن عباس کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

"قال عمر: أردتُ أن أتكلم، وقد كنتُ زوَّرتُ -أي هيأتُ وحسَّنتُ مقالة أعجبَتني، أريد أن أقدمها بين يدي أبي بكر، وكنتُ أداري منه بعض الحد -أي الحدة- فقال على رسلِك، فكرهتُ أن أغضبه"(۲).

فرمایا میں نے بات کرنے کا ارادہ کیا اور میں نے ایک ایسی بات دل میں تیار کر رکھی تھی جو مجھے بہت اچھی لگ رہی تھی اور مجھے اس پر بڑا ناز تھا، میں وہ بات ابوبکر کے سامنے پیش کرنا چاہ رہا تھا اور میں نے اس حوالے سے کافی شدت اور جوش کا اظہار کیا، مگر

---

(۱) فتح الباري: ۳۲٦/۹

(۲) فتح الباري: ۳۲٦/۹

انہوں نے مجھے کہا، آرام سے بیٹھ! پھر میں نے ان پر غصے کا اظہار بھی مناسب نہیں سمجھا۔

ابوبکر کی بلیغ گفتگو اور اس کے مندرجات

ثُمَّ تَكَلَّمَ أَبُو بَكْرٍ فَتَكَلَّمَ أَبْلَغَ النَّاسِ ...... أبلغ اسم تفضیل ہے بلاغت سے اور بلاغت کلام کے مقتضی الحال کے مطابق (موقعہ کے مناسب) ہونے کو کہا جاتا ہے (۱)۔

یہ جملہ أبلغَ کے نصب کے ساتھ ہے اور نصب حال واقع ہونے کی وجہ سے ہے۔ اور فاعلیت کی بناء پر رفع بھی جائز ہے، یا مبتداء محذوف کی خبر ہے "أي فتكلم ابوبكر وهو أبلغُ الناس" (۲) یعنی اس آدمی نے بات کی جس کی صفت یہ ہے کہ وہ أبلغُ الناس ہیں۔ سہیلی کہتے ہیں نصب زیادہ راجح اور مناسب معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس میں ان کی مدح کی تاکید ہوگی (منصوب علی سبیل المدح کے طور پر) اور کسی اور کی اس صفت سے موہوم ہونے کے وہم کا بھی ازالہ مقصود ہوگا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

"قال عمر: والله ما ترك كلمة أعجبتني في تزويري إلا قالها في بديهته وأفضلَ حتى سكتَ" (۳).

فرمایا میں نے جو گفتگو تیار کی تھی، اس میں جو بھی بات مجھے اچھی لگتی تھی وہ انہوں نے اپنی فی البدیہہ گفتگو میں کہہ ڈالی، بلکہ اس سے بھی بہتر حتیٰ کہ وہ خاموش ہو گئے۔

فَقَالَ فِي كَلَامِهِ

أي فقال ابوبكر في جملة كلامه (٤).

یہاں تو اتنی بات مذکور ہے کہ انہوں نے کہا، "نحنُ الأمراء وأنتمُ الوزراء" جب کہ حمید بن عبدالرحمٰن کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

"فتكلّم ابوبكر فلم يترُك شيئاً أنزل في الأنصار ولا ذكرَه رسول الله

---

(١) عمدة القاري: ٢٥٦/١٦

(٢) عمدة القاري: ٢٥٨/١٦

(٣) صحيح البخاري، كتاب الحدود، باب رجم الحبلى في الزنا إذا أحصنت، رقم (٦٨٣٠)

(٤) عمدة القاري: ٢٥٨/١٦

صلى الله عليه وسلم من شأنهم إلا ذكرَه"(۱).

انصار کے متعلق جو کچھ بھی نازل ہوا تھا یا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی شان میں جو کچھ کہا تھا، ابوبکر نے اس کو ذکر کئے بغیر نہیں چھوڑا۔

خلافت صرف مہاجرین کا حق ہے

اور ابن عباس کی روایت میں کچھ یوں ہے:

"أما بعد فما ذكرتُم من خيرٍ فأنتم أهلُه، ولن تعرفَ العرب هذا الأمر إلا لهٰذا الحي من قريش، وهم أوسط العرب نسباً وداراً"(۲).

حضرت ابوبکر صدیق نے حمد وصلاۃ کے بعد فرمایا یہ جو آپ (انصار) نے اپنی خیر اور بھلائی کا ذکر کیا تو کوئی شک نہیں کہ یہ سب تم میں ہے، لیکن عرب یہ امرِ خلافت قریش کے اس قبیلے کے علاوہ کسی کا حق نہیں سمجھتے ہیں اور یہی لوگ ہیں جو عربوں میں دار اور نسب کے اعتبار سے سب سے افضل اور بہتر ہیں۔

''دار'' سے مراد مکہ ہے کیونکہ مکہ ان (مہاجرین) کا گھر اور وطن تھا اور مکہ کے بہتر ہونے میں کسے شبہ ہے۔ جب کہ خطابی فرماتے ہیں، ''دار'' سے مراد "اهل الدار" ہیں، جیسے کہا گیا ہے، "خير دار الانصار بنو النجار" بنو نجار گھرانے کے اعتبار سے انصار میں سب سے بہتر ہیں۔ تو مہاجرین کا خاندانی اور گھرانے کے اعتبار سے بہتر ہونا بھی واضح ہے کیونکہ قریش تو خانوادۂ رسول ہے۔

حَسب نسب کا خلافت میں اعتبار

ایک روایت میں "هم أوسط العرب داراً وأعربهم أحساباً" مذکور ہے، أحساب حَسَب کی جمع ہے، حَسب کہتے ہیں اچھے کاموں کو، یہ حساب سے ماخوذ ہے اور وجہِ اخذ یہ ہے کہ یہ لوگ جب اپنے مناقب اور محاسن بیان کرتے تھے تو حساب میں جس کے مناقب زیادہ ہو جاتے تھے، اسی کو زیادہ جاہ وشرف والا سمجھا جاتا

(۱) مسند احمد، مسند أبي بكر الصديق، رقم: ۱۸

(۲) السنن الكبرى للبيهقي، باب الأئمة من قريش، رقم: ۱٦۹۷٦، وصحيح البخاري، باب رجم الحبلى من الزنا إذا أحصنت، رقم: ٦۸۳۰، ومسند احمد، مسند عمر بن الخطاب، رقم: ۳۹۱

تھا۔"ویقال النَّسب للاباء والحسَب للأفعال"(۱) یہ بھی کہا گیا ہے کہ نسب آباء واجداد میں ہوتا ہے اور حسب افعال اور کردار میں ہوتا ہے۔

حُباب بن منذر خلافت میں انصار کے حصے پر مُصِر تھے

فَقَالَ حُبَابُ بْنُ الْمُنْذِرِ ...... حُباب حاء کے ضمے اور باء کی تخفیف کے ساتھ۔ یہ حباب بن المنذر بن عمرو بن الجموع الخزرجی السلمی ہیں۔ ان کو "ذوالرأی" بھی کہا جاتا ہے(۲)۔ شارح بخاری علامہ کرمانی فرماتے ہیں:

"وكان لبيباً ذا رأي هو الذي أشار إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يوم بَدر بالنزول على الماء، فجاء جبريلُ إلى رسول الله بذلك"(۳).

وہ بڑے ذہین وصاحبِ رائے تھے، انہوں نے ہی رسول اللہ کے نزول علی الماء کے حوالے سے غزوۂ بدر میں بات کی تھی (اور رائے دی تھی) اور پھر جبریل اسے ہی لے کر آئے۔

لَا وَاللّٰهِ لَا نَفْعَلُ

حباب بن المنذر رنے انکار کیا اور کہا ایک امیر ہم انصار سے ہوگا اور ایک تم مہاجرین سے۔ اور ابن عباس کی روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں، "أنا جُديلها المحكَّك، وعُذيقها المرجَّب"(٤) جُدیل تصغیر ہے بالدال المہملۃ یا بالذال المعجمۃ جدل کا معنی ہے، عود ينصب لِلابل الجرباء لتحتك فيه. محكَّك حكَّة بمعنی کھجلی سے اسم مفعول ہے، "جُديل مُحكَّك" اس لکڑی کو کہا جاتا ہے، جو خارشی اونٹ کے لئے مختص ہوتی ہے، اس سے وہ کھجانے کا کام لیتا ہے اور ظاہر ہے اس عمل سے اُسے افاقہ ہوتا ہے، حباب کا مطلب بھی یہ تھا کہ

---

(۱) فتح الباري: ۳٦/۹

(۲) فتح الباري: ۳٦/۹، ۳۷

(۳) الكوثر الجاري إلى رياض أحاديث البخاري: ٤۳۹/٦، بيروت

(٤) صحيح البخاري، كتاب الحدود، باب (۳۱)، حديث (٦۸۳۰)

وہ اپنی قوم کے لئے ایسے ہیں کہ ان کی رائے سے وہ شفایاب ہوتے ہیں اور ان کو افاقہ واطمینان ہوتا ہے، یا معنی یہ ہے کہ میں ان کی مشکلات آسان اور مسائل حل کرنے والا ہوں۔

عُذیق بھی عَزق کی تصغیر ہے، کھجور کا درخت مراد ہے، مرجَّب کا معنی ہے، معظَّم، عُذیق مرجَّب سے وہ کھجور کا درخت مراد ہے جس کو لکڑی یا دیوار وغیرہ کا سہارا دیا جاتا ہے اور وہ (لکڑی وغیرہ) بہت لمبے اور بڑے درخت کو گرنے سے بچاتی ہے۔ تصغیر کو تعظیم کے لئے قرار دیا گیا ہے(۱)۔

ابوبکر کی بصیرت افروز گفتگو کے بعد انصار کی دستبرداری

ابن سعد یحییٰ بن سعد عن القاسم بن محمد کے طریق سے ان الفاظ کے ساتھ روایت نقل کرتے ہیں:

"فقام حُباب بن المنذر وكان بدرياً فقال: منَّا أميرَ ومنكم أمير، فإنا والله مانَنفس عليكم هذا الأمر ولكنا نخاف أن يلِيَه أقوام قتلنا أباءَ هم وإخوتَهم. قال فقال له عُمر: إذا كان ذلك فمُت إن استطعتَ. قال فتكلم ابوبكر فقال: نحن الأمراء وأنتم الوزراء، وهذا الأمر بيننا وبينكم، قال فبايعَ الناسُ وأولهم بشير بن سعد والِدُ النُّعمان"(۲).

حُباب جو بدری صحابی ہیں، انہوں نے کہا ایک امیر ہم (انصار) سے ہوگا اور ایک تم (مہاجرین) سے اور ہم بخدا اس امرِ خلافت کے حوالے سے تمہارے ساتھ کوئی حسد نہیں کررہے ہیں، لیکن ہمیں اندیشہ ہے کہ کہیں اس کو وہ لوگ نہ لے لیں جن کے باپوں اور بھائیوں کو ہم نے قتل کیا ہے۔ راوی کہتے ہیں حضرت عمر نے کہا، اگر ایسی بات ہے تو تم مرجاؤ اگر مرسکتے ہو، فرمایا پھر ابوبکر نے بات کی تو کہا ہم (مہاجرین) امیر ہیں اور تم (انصار) وزیر، اور یوں یہ خلافت ہمارے درمیان (مشترک) رہے گی، فرمایا، پس لوگوں نے بیعت کی اور سب سے پہلے جنہوں نے بیعت کی وہ نعمان بن بشیر کے والد بشیر بن سعد تھے۔

---

(۱) النهاية لابن الاثير: ۱/۴۰۹، و: ۱/۶۳۵

(۲) الطبقات الكبرى لابن سعد: ۳/۱۸۲، رقم: ۳۴۱۶

امام احمد نے ابونضرہ عن ابی سعید کے طریق سے نقل کیا ہے، فرمایا:

"قام خطباءُ الأنصار فجعل منهم مَن يقول: يا معشرَ المهاجرين إنَّ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم كان إذا استعمَل رجلاً منكم قرَن معه رجلاً منّا فنرَى أن يلي هذا الامرَ رجلان: أحدُهما منكم والآخر منّا. قال فتتابعت خطباء الأنصار علىٰ ذلك. فقام زيدُ بن ثابت، فقال: إن رسولَ الله صلى الله عليه وسلم كان مِن المهاجرين وإن الإمامَ إنما يكون من المهاجرين. فنحن أنصارُ الله كما كنا أنصارَ رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم . فقال أبوبكر: جزاكم الله خيراً فبايَعوه(١).

خطباء انصار نے کھڑے ہوکر کہا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب تم میں سے کسی کو عامل بناتے تھے تو ہم میں سے ایک آدمی کو کے ساتھ ملا دیتے، تو ہم سمجھتے ہیں کہ معاملہ دو آدمیوں کے سپرد ہو، سو اس پر بیعت کرو کہ ایک آدمی تمہارا امیر ہوگا اور ایک ہم میں سے امیر ہوگا...... پھر زید بن ثابت نے کھڑے ہوکر کہا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود مہاجرین میں سے تھے، تو ہم اللہ تعالیٰ کے انصار ہیں جیسے ہم رسول اللہ کے انصار (مدد کرنے والے) تھے۔ ابوبکر نے کہا، اللہ آپ کو جزائے خیر دے...... اور یوں لوگوں نے ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کی۔

اور مغازی کے آخر میں موسیٰ بن عقبہ عن ابن شہاب کے طریق سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر نے اپنے خطبے میں کہا:

"وكنا معاشر المهاجرين أول الناس إسلاماً، ونحن عشيرتُه وأقاربُه وذوو رحِمه، ولن تصلح العرَب إلا برجُل من قريش، فالناس لقريش تَبع، وأنتم إخواننا في كتاب الله وشركاؤنا في دين الله وأحبُّ الناس إلينا وأنتم أحقُّ الناس بالرضا بقضاءِ الله والتَّسليم لفضيلة إخوانكم وأن لا تحسدوهم

---

(١) مسند احمد: ٥/١٨٥، رقم: ٢١٩٥٣

علىٰ خير"(۱).

ہم مہاجرین تمام لوگوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے ہیں اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برادری والے، آپ کے رشتے دار اور آپ کی قرابت والے ہیں، اور عرب قریش میں سے کسی آدمی کے بغیر ہرگز درست نہیں رہیں گے۔ چنانچہ تمام لوگ قریش کے تابع ہیں۔ اور تم اللہ کی کتاب میں ہمارے بھائی اور اللہ کے دین میں ہمارے شریک ہو اور سب لوگوں سے زیادہ ہمیں عزیز اور پیارے ہو اور آپ لوگ رضا بالقضاء اور خود پر اپنے بھائیوں کی فضیلت تسلیم کرنے اور ان کے ساتھ حسد نہ کرنے کے سب سے زیادہ حق دار ہو۔

آگے یہ بھی مذکور ہے کہ انصار نے یہ تجویز دی کہ پہلے مہاجر کو خلیفہ بنایا جائے گا پھر جب وہ مر جائے تو انصاری خلیفہ بن جائے گا، پھر جب وہ مر جائے تو مہاجر خلیفہ بنے گا اور یوں سلسلہ جاری رہے گا۔ حضرت عمر نے کہا، "لا واللہ لا یخالفنا أحدٌ إلا قتلناہ"(۲) نہیں، بخدا جو ہماری مخالفت کرے گا ہم اسے قتل کر دیں گے۔

اس پر حُباب بن منذر اٹھے اور پھر انہوں نے وہی بات کہی جس کا ابھی اوپر ذکر ہوا ہے۔ یہ الفاظ البتہ اس میں زائد ہیں، "وإن شئتم أعَدنا الحربَ جذعة"(۳) اگر تم چاہو تو ہم دوبارہ سخت جنگ شروع کریں۔ فرمایا، اس کے بعد بات بڑھی اور جنگ چھڑ جانے کے قریب پہنچی تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کود کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا۔

امام احمد نے حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف کے طریق سے یہ بھی نقل کیا ہے:

"توفّي رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم وابوبكر في طائفة من

---

(۱) فتح الباري: ۹/۳۶، والسنن الكبرى للبيهقي، رقم: ۱۲۲۷۳

(۲) فتح الباري: ۹/۳۶، والسنن الكبرى للبيهقي، رقم: ۱۲۲۷۳

(۳) مسند البزار، مسند عمر: ۱/۴۸، رقم: ۱۹۴، وفي رواية بلفظ "رددناها جذعة" المسند الجامع: ۳۲/۱۸۶، رقم: ۱۰۵۵۴

المدينة"(۱).

پھر حدیث نقل کی اور آگے جا کر کہا:

"والله لقد علمتَ يا سعد أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: وأنت قاعدٌ: قريش ولاةُ هذا الأمر، فقال له سعد: صدقتَ"(۲)

ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، سعد! تم تو بخدا جانتے ہی ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "یہ معاملہ قریش ہی کے ذمے ہے اور قریش ہی ولي الأمر ہیں" اور تم بیٹھے تھے، سعد نے کہا، تم نے سچ کہا۔

هُمْ أَوْسَطُ الْعَرَبِ

قریش کی صفت ہے، أوسط بہتر، خیار العرب، أعربهم أحساباً حسب نسب میں سب سے زیادہ واضح۔ بعض نسخوں میں "أعرقهم" ہے، یعنی زیادہ اصلی، العراقة بمعنی الأصالة ہے(۳)۔

فَبَايِعُوا عُمَرَ، أَوْ أَبَا عُبَيْدَةَ

ابن عباس کی روایت میں حضرت عمر سے مروی ہے کہ ابوبکر نے کہا، "وقد رضيتُ لكم أحدَ هذين الرجلَين وأخذ بيدِي ويدِ أبي عبيدة، فلم أكرَه مما قال غيرَها"، انہوں نے میرا اور ابوعبیدہ کا ہاتھ پکڑ کر کہا، میں ان دو آدمیوں میں سے کسی ایک کو تمہارے لئے پسند کرتا ہوں، عمر کہتے ہیں اس بات کے علاوہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ساری گفتگو مجھے اچھی لگی۔

حضرت ابوبکر نے اپنے استحقاقِ خلافت کے باوجود عُمر وابوعبیدہ کا نام کیوں لیا؟

یہاں یہ ایک اشکال ہوسکتا ہے کہ حضرت ابوبکر کو جب اپنے حوالے سے أحق بالخلافة ہونے کا علم تھا، جیسا کہ دوسروں کو علم تھا چنانچہ امامت صلاۃ کے باب میں آپ کی اہلیت واوّلیت، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

---

(۱) فتح الباري: ۳۸/۹

(۲) مسند احمد مسند أبي بكر، رقم: ۸۸

(۳) عمدة القاري: ۲۵۸/۱۶

وسلم کی حیات میں آپ کی تقدیم اور بعض دوسرے قرائن سے یہ واضح طور پر معلوم تھا، پھر حضرت ابوبکر اپنے اس استحقاق بلکہ اُحقیت کو ظاہر کیوں نہیں کر رہے تھے اور کیوں حضرت عمر اور حضرت ابوعبیدہ کا نام لے رہے تھے حالانکہ حضرت عمر سے آپ افضل تھے اور ابوعبیدہ سے تو بطریقِ اولیٰ افضل تھے، کیونکہ ابوعبیدہ باتفاقِ اہل سنت حضرت عمر سے فضیلت میں کم تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوبکر ازراہِ حیا یہ نہیں کہہ سکتے تھے، مثلاً کہ "رضيتُ لكم نفسي" اور پھر اس میں تزکیۂ نفس کی رعایت بھی ہے، اس لئے انہوں نے حضرت عمر اور ابوعبیدہ کو پیش فرمایا اور ان کو پیش کرنے کی ایک وجہ تو ضرور یہ تھی کہ ابوبکر کے بعد یہی حضرات مستحقِ خلافت تھے، تاہم اس سے یہ بھی مقصود تھا کہ حضرت عمر اور حضرت ابوعبیدہ چونکہ اس منصب کو قبول نہیں کریں گے اور اس کے لئے ابوبکر ہی کا نام لیں گے، اس لئے ان کا نام لیا گیا اور اس سے ایک طرف انہیں اعزاز بھی دیا گیا اور فی الجملہ ان کا استحقاق بھی ثابت کر دیا۔ اور ساتھ ہی اس امکان کا بھی ازالہ کیا کہ حضرت ابوبکر اس منصب کی اپنے لئے خواہش رکھتے ہیں، اس لئے اتنے متحرک ہیں (۱)۔

اور عمر کے ساتھ ابوعبیدہ کا نام اس لئے لیا کہ کہیں یہ گمان کوئی نہ کر بیٹھے کہ ابوبکر عمر کے طرف دار ہیں اور ان کی معاونت حاصل کرنے کے در پے ہیں (۲)۔

ابوبکر نے اپنے استحقاق کا اشارۃً اظہار کر دیا تھا

پھر یہ کہ حضرت ابوبکر جو مستحقِ خلافت تھے، تو حضرت عمر اور حضرت ابوعبیدہ کے نام پیش کر کے انہوں نے اس میں اپنی اہلیت کا اظہار بھی تو کر دیا کیونکہ اگر ان کا خلافت کا استحقاق نہ تھا تو اس کا پھر انہیں کیا حق تھا کہ لوگوں میں مناصب تقسیم کرتے اور لوگوں کو ذمہ داریاں سونپتے رہیں۔ ظاہر ہے یہ اسی لئے تھا کہ انہیں غیر علانیہ "أولو الأمري" حاصل تھی اور لوگوں کو بھی اس کا اچھی طرح اندازہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی اس معاملے میں دلچسپی سارے امور کو کنٹرول کرنے اور مذکورہ حضرات کو ذمہ داریاں سپرد کرنے اور اس کے لئے ان کے ناموں کی تجویز پر کسی نے اعتراض نہیں کیا، حالانکہ ایک عام آدمی اگر یہ سب کچھ کرے تو یا تو اسے سرے سے کوئی اہمیت

---

(۱) فتح الباري: ۹/۲۸، وعمدة القاري: ۱۶/۲۵۸

(۲) عمدة القاري: ۱۶/۲۵۸

نہیں دی جائے گی اور یا پھر اس پر لوگ انگلیاں اٹھائیں گے اور اسے مطعون کریں گے۔

لہٰذا یہ کہنا کہ حضرت ابوبکر نے باوجود استحقاق کے اپنے کو پیچھے رکھا اور غیر مستحقوں کو آگے کیا کسی طرح ٹھیک نہیں ہوگا۔ ہاں اگر وہ اس کی تصریح کرتے کہ میں خلیفہ نہیں بنوں گا تو پھر اشکال ہوسکتا تھا، لہٰذا ان تصرفات سے ان کی خلافت ثابت ہوتی ہے(۱)۔

عمر کا ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کے لئے پہل کرنا

فَقَالَ عُمَرُ بَلْ نُبَايِعُكَ أَنْتَ فَأَنْتَ سَيِّدُنَا...... بعض روایات میں "بل نبايعك" کی بجائے "أنت سيّدنا......" پر اکتفا کیا گیا ہے، چنانچہ ترمذی ابراہیم ابن سعید الجوہری عن اسماعیل بن أبي أویس سے اسی سند کے ساتھ روایت نقل کرتے ہیں، جس کے الفاظ ہیں، "إن عمرَ قال لأبي بكر أنت سيّدنا......" ابن حبان نے بھی اس کی تخریج کی ہے(۲)۔

فَأَخَذَ عُمَرُ بِيَدِهِ فَبَايَعَهُ

ابن عباس کی روایت میں حضرت عمر سے مروی ہے:

"قال فكثر اللّغط وارتفعت الأصواتُ حتى خشِينا الاختلافَ، فقلت ابسط يَدك يا أبابكر، فبسَط يدَه فبايعتُه وبايَعه المهاجرون ثمَّ الأنصار"(۳).

فرمایا شور زیادہ ہوا اور آوازیں بلند ہوئیں، یہاں تک کہ ہمیں خوف ہوا کہ کہیں اختلاف شروع نہ ہوجائے، تب میں نے کہا، ابوبکر ہاتھ آگے کر، انہوں نے ہاتھ آگے کیا تو میں نے بیعت کی اور پھر مہاجرین وانصار نے بیعت کی۔

اور موسیٰ بن عقبہ کی ابن شہاب سے روایت ہے:

"قال فقام أسَيد بن حُضَير وبشير بن سعد وغيرُهما مِن الأنصار

---

(۱) فتح الباري: ۳۸/۹

(۲) جامع الترمذي، باب مناقب أبي بكر، رقم: ۳٦٥٦

(۳) صحيح البخاري، باب رجم الحبلى، رقم: ٦٤٤٢

فبايَعوا أبابكر، ثم وثَب أهل السقيفة يبتدرون البيعةَ"(۱).

راوی کہتے ہیں، تو اُسید بن حُضیر اور بشیر بن سعد اور ان کے علاوہ دوسرے انصار کھڑے ہوگئے اور انہوں نے ابوبکر کی بیعت کی، پھر سقیفہ والے اچھل کر آگے بڑھے اور بیعت کی۔

حضرت صدیق کے تین امتیازات

اور بزار نے سالم بن عبید کی روایت نقل کی ہے:

"فقالت الأنصار: منّا أميرٌ ومنكم أميرٌ فقال عمر -وأخذَ بيدِ أبي بكر- أسَيفان في غِمد واحد؟ لا يصطلحان، وأخذَ بيد أبي بكر فقال مَن له هذه الثلاثة؟ "إذ هما في الغار" مَن هُما؟ "اذ يقول لصاحبِه" مَن صاحبُه؟ "إن الله معَناه" مع مَن؟ ثم بسط يَده فبايَعه ثم قال: بايِعوه، فبايَعه الناس"(۲).

انصار نے کہا، ایک امیر ہم میں سے ہوگا اور ایک تم میں سے۔ تو عمر نے ابوبکر کا ہاتھ پکڑ کر کہا، کیا ایک نیام میں دو تلواریں ہوسکتی ہیں؟ کبھی نہیں، پھر ابوبکر کا ہاتھ پکڑ کر کہا، یہ تین خوبیاں کس کی ہیں، "إذهما في الغار، من هُما" دونوں کون ہیں، "إذ يقول لصاحبِه" میں صاحب کون ہیں "إن الله معنا" اللہ کس کے ساتھ ہیں؟ پھر انہوں نے ابوبکر کا ہاتھ پکڑ کر ان کی بیعت کی، پھر کہا، بیعت کرو! تو سب لوگوں نے بیعت کی۔

عمر کی سعد بن عبادہ پر برہمی اور بعض انصار کا اس پر ردعمل

فَقَالَ قَائِلٌ قَتَلْتُمْ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ ...... اس جملے کا ایک معنی تو یہ کیا گیا ہے، "كدتُم تقتلُونه" قریب تھا کہ تم ان کو قتل کردیتے۔ یا یہ کنایہ ہے اِعراض اور رُسوائی سے کہ انہیں کسی قابل نہ سمجھ کر تم لوگوں نے ان کو گویا ختم کردیا، مگر اس توجیہ کی تردید ہوتی ہے موسیٰ بن عقبہ کی اس روایت سے جس میں یہ الفاظ ہیں، "فقال

(۱) مسند البزار: ۱/۴۸، مسند عمر بن الخطاب، رقم: ۱۹۳، وسنن البيهقي، باب لا يصلح إما مان، رقم: ۱۶۳۲۴

(۲) مسند البزار: ۱/۴۸، مسند عمر بن الخطاب، رقم: ۱۹۳، وسنن البيهقي، باب لا يصلح إما مان، رقم: ۱۶۳۲۴

قائلٌ مِن الأنصار: أبقوا سعدَ بن عبادة لا تطئوه، فقال عمر: اقتلوه قَتلَه اللّٰهُ"(۱).

انصار میں سے ایک نے کہا، سعد بن عبادہ کو رہنے دو اور انہیں کچلو مت! اس پر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، قتل کردو، انہیں۔ اللہ اسے مار دے۔

اگر چہ حضرت عمر اس سے یہ نہیں چاہ رہے تھے کہ انہیں حقیقتاً قتل کیا جائے لیکن بہر حال قتل کا لفظ تو انہوں نے استعمال کیا۔ انصاری نے اسے لے کر کہا کہ تم نے تو سعد کو قتل کرنے کی بھی بات کی۔ اگر چہ عمر رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ تھا کہ انہیں دفع کرو جیسے ہم غصے میں کہتے ہیں "فلاں کو گولی مارو"۔

اور رہا ان کا "قتلَه اللّٰه" کہنا تو یہ جملہ بد دعائیہ ہے اور مطلب یہ ہوگا کہ اللہ انہیں مار دے۔ اور پہلی صورت میں یعنی جب "قتلتم" کا معنی یہ ہو کہ تم نے انہیں نظر انداز کر دیا ہے، تب یہ جملہ "قتلَه اللّٰه" جملہ خبریہ ہے اور معنی ہے کہ اللہ نے انہیں بیکار اور مہمل کر دیا ہے ہم نے نہیں۔ اور ایک اور روایت میں حضرت عمر کے یہ الفاظ ہیں، "فقلتُ وأنا مغضب قتل اللّٰه سعداً فإنه صاحب شرٍ وفتنة"(۲). یعنی میں غصے میں تھا تو میں نے یہ بات کہہ دی؛ کیونکہ سعد نے شر اور فتنہ بپا کیا تھا۔

"الأئمة مِن قُريش" کی روایتی اور درایتی حیثیت

یہاں جو یہ آیا ہے کہ انصار نے "مِنّا أميرٌ ومنكم أميرٌ" کہہ کر اپنے لئے خلافت کا مطالبہ کیا ہے، تو اس کی وجہ یہ تھی کہ عربوں کی عادت تھی کہ قبیلے کا امیر اس میں سے ایک آدمی ہوگا، پھر جب انہوں نے "الأئمةُ مِن قُريش" سنا تو اپنے اس خیال سے رجوع کیا اور اسی کے قائل ہو گئے کہ خلافت و امارت قریش میں رہے گی۔ اس روایت کے بارے میں بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ یہ صرف حضرت ابوبکر سے مروی ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی کوئی ایسی حیثیت نہیں ہے کہ امرِ خلافت میں اسے ضابطہ قرار دیا جائے۔ حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس خیال کو رد کیا ہے اور فرمایا کہ یہ روایت تقریباً چالیس صحابہ کرام سے منقول ہے۔ حافظ صاحب نے کتاب الأحکام میں اس پر بسط وتفصیل کے ساتھ گفتگو کی ہے، جو وہیں آئے گی (۳)۔

(۱) مصنّف ابن ابی شیبة، باب ماجاء في خلافة أبي بكر، رقم: ۳۸۱۹۷

(۲) صحيح ابن حبان، ذكر الزجر عن الرغبة، رقم: ٤١٤

(۳) دیکھئے، کتاب الاحکام، صحيح البخاري، رقم (۷۱۳۹)

خلیفہ کا تقرر واجب یا سنت

داودی جیسے بعض حضرات نے اس (وصالِ رسول کے) واقعے سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ خلیفہ کا تقرر سنت مؤکدہ ہے، فرض نہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ایک مدت ایسی گذری ہے کہ مسلمانوں کا کوئی خلیفہ نہیں تھا، تا آں کہ حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنایا گیا۔ تاہم علماء نے اس قائل (داودی) پر سخت تنقید کی ہے اور فرمایا ہے کہ خلافت کا قیام اور خلیفہ کی نامزدگی فرض ہے اور جہاں تک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد کچھ مدت تک لوگوں کا خلیفہ کے بغیر رہنا ہے تو یہ ایک خلیفہ کے جانے اور دوسرے کے آنے کے درمیان ناگزیر ہے اور اس لئے اس پر کوئی باز پرس نہ ہوگی۔ اور جہاں تک دلیلِ وجوب کا تعلق ہے تو وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سب سے اہم مسئلہ یہ تھا کہ آپ کی تدفین ہو جائے مگر صحابہ نے اس "أهمُّ الواجبات" کو چھوڑ کر سب سے پہلے انتخابِ خلیفہ کا مسئلہ حل کرنا شروع کیا اور جب تک انہوں نے خلیفہ مقرر نہ کیا تھا، آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے کفن دفن کی طرف وہ متوجہ نہ تھے، حالانکہ طبعی طور پر رسول اللہ علیہ الصلاۃ والسلام کی وفات کے ہولناک حادثے کے موقعہ پر آپ کے غمزدہ صحابہ کا خلافت کے معاملے میں یوں منہمک ہونا کسی طرح ممکن نہ تھا، اِلا یہ کہ وہ ایک امرِ دینی ہو اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین سے بھی زیادہ اہم امر ہو(۱)۔

رسول اللہ نے یقیناً خلیفہ مقرر نہیں کیا تھا

پھر انصار کے قول "منّا أميرٌ ومنكم أميرٌ" سے اس بات پر بھی استدلال کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا، وگرنہ پھر اس کا کوئی امکان نہ تھا کہ کوئی اور بھی امارت کی خواہش کرتا، حافظ کہتے ہیں، "ووجهُ الدّلالة أنّهم قالوا ذلك في مقام مَن لايخافُ شيئاً ولا يّتقيه" یعنی اس "قولِ انصار" کی عدمِ تعیُّنِ خلیفہ پر دلالت کی وجہ یہ ہے کہ انصار نے اس کا بلاخوفِ تردید اظہار کیا(۲)۔

چنانچہ علامہ قرطبی بھی فرماتے ہیں:

"لَو كان عند أحدٍ من المُهاجرين والأنصارِ نصٌ من النبي صلى الله

(۱) فتح الباري: ۳۹/۹

(۲) فتح الباري: ۳۸/۹، ۳۹

تعالىٰ عليه وسلم على تعيينِ أحدٍ بعينه للخلافةِ لَما اختلفوا في ذلك ولا تفاوَضُوا فيه"(١).

مہاجرین اور انصار میں سے کسی ایک آدمی کے پاس بھی اگر ایسا کوئی نص ہوتا، جو کسی متعین آدمی کی تعیین للخلافة کے لئے بطور دلیل پیش کیا جاسکتا تو صحابہ آپس میں ہرگز اختلاف نہ کرتے، اور نہ اس کے متعلق گفت وشنید کرتے۔

مسلم کی ایک روایت سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے، یہ ابن ابی ملیکہ کی روایت ہے، وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"سمعتُ عائشةَ و سُئلت: مَن كانَ رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مستخلفاً لو استخلفه؟ قالت: ابوبكر، فقيل لَهَا: ثمَّ من بعد أبي بكر؟ قالت: عمرُ، ثم قيل لَها: مَن بعد عمر؟ قالت: ابوعبيدةَ بن الجرّاح ثم أنتهت إلى هذا"(٢).

فرمایا میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا ہے اور ان سے یہ پوچھا گیا تھا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی کو خلیفہ بناتے تو کس کو بناتے؟ انہوں نے فرمایا، ابوبکر کو، پھر کہا گیا ان کے بعد؟ حضرت عائشہ نے فرمایا، عمر کو۔ پوچھا گیا، ان کے بعد؟ عائشہ نے فرمایا، ابوعبیدۃ بن الجراح کو، اس کے بعد وہ رک گئیں۔

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی کو خلیفہ بنایا نہیں تھا۔

اسی طرح خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اس کی تصریح کی ہے، چنانچہ مسلم ہی کی روایت ہے جس میں مذکور ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر وار کیا گیا تب ان سے حضرات صحابہ نے کہا، آپ اپنے بعد خلیفہ کا تقرر کیجئے!

---

(١) صحيح ابن حبان، ذكر الزجر عن الوغبة، رقم: ٤١٤، المفهم لما أشكل من تلخيص، كتاب مسلم، من باب فضائل أبي بكر: ٢٠/٥

(٢) صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب فضائل ابي بكر، رقم (٢٣٨٥)

حضرت عمر نے کہا، "أتحمّلُ أمرَكم حيّاً وميتاً؟" کیا میں تمہارا معاملہ زندگی میں بھی اٹھا تا رہا ہوں اور مرنے کے بعد بھی اٹھائے رکھوں گا؟

کیونکہ جس کو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ بناتے، ان کے اچھے برے کے ذمے دار بھی تو ایک طرح سے حضرت عمر ہوتے نا!

پھر فرمایا:

"لوَ دِدتُ أنَّ خطي منها الكفافُ، لا عليَّ ولا لِي، فإن أستخلِف فقد استخلَف من هو خير مِني، (يعني أبا بكر) وإن أتركَكم فقد تركَكم من هو خير مِنّي، رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم. فعرفتُ أنه حِين ذكر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، غيرُ مستخلفٍ"(۱).

میری خواہش ہے کہ میرا معاملہ کفاف والا رہے کہ نہ مجھے فائدہ ہو اور نہ نقصان (برابر سرابر چھوٹ جاؤں) پس اگر میں خلیفہ مقرر کرتا ہوں (جس کا مجھ سے مطالبہ ہے) تو مجھ سے بہتر (حضرت ابوبکر) نے ایسا کیا ہے سو میرے لئے بھی یہ جائز ہے، اور اگر میں تمہیں ویسے ہی چھوڑتا ہوں تو مجھ سے بہتر یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تمہیں بغیر خلیفہ کے چھوڑا ہے، راوی حضرت عبداللہ بن عمر کہتے ہیں، میں جان گیا کہ جب انہوں نے رسول اللہ کا ذکر کیا تو وہ خلیفہ نامزد نہیں کرنا چاہتے ہیں۔

کیونکہ حضرت ابوبکر اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عملوں میں رسول اللہ کا عمل ہی زیادہ قابلِ اتباع اور زیادہ پسندیدہ ہے۔ بہرحال یہ تو معلوم ہو ہی گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خلیفہ کی صراحت کے ساتھ نامزدگی نہیں فرمائی تھی۔

قرطبی نے اسی کو جمہور اہل سنت کا قول قرار دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خلیفہ کا تقرر نہیں فرمایا تھا(۲) اور جن حضرات نے یہ کہا ہے کہ حضرت ابوبکر کی خلافت پر نص وارد ہے، تو ان کا مُستند

---

(۱) صحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب الاستخلاف وتركه، رقم (۱۸۲۲)

(۲) المفهم لما أشكل من تلخيص، كتاب مسلم: ۲/۵، فضائل أبي بكر......

ومُستدَل اس باب میں وہ اصول اور قرائن ہیں، جواُن کے "أحق بالإمامت" اور "أولیٰ بالخلافت" ہونے کا تقاضہ کرتے ہیں (۱)۔

حضرت سعد بن عبادہ کے لئے بددعا کی وجہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضرت سعد بن عبادہ کے لئے "قتلــه الله" کا بددعائیہ جملہ استعمال کرنے کی وجہ کیا تھی، جب کہ انصار صحابہ کے بڑے فضائل ومناقب ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اور اسلام کی انہوں نے جو خدمت اور نصرت کی ہے، وہ ایک روشن حقیقت ہے اور حضرت سعد انہیں انصار کے ایک معتبر قبیلے خزرج کے سردار ہیں، پھر ان سے اس سختی سے پیش آنے کی کیا وجہ تھی، اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل حضرت سعد نے حضرت ابوبکر اور پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت ماننے سے انکار کیا تھا اور شام میں حوران نامی جگہ میں جاکر اقامت اختیار کی تھی اور یہیں ۱۵ھ کو ان کا انتقال ہوا تھا۔ ان کا حضرات شیخین کی خلافت سے یہ انکار مخالفتِ جماعتِ مسلمین اور تـخـلـف عـن البيـعة قرار دیا گیا اور اسلام کی نظر میں یہ انتہائی قابلِ مواخذہ افعال ہیں اور ایسے لوگوں پر نکیر کرنا خلیفۃ المسلمین کا از راہِ دیانت فرض بنتا ہے تو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس امرِ دینی کی بناء پر اُن کے لئے سخت لہجے اور سخت انداز کا مظاہرہ کیا، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کی اہمیت اور فضیلت سے انکار کیا گیا یا ان سے حضرت عمر کی کوئی ذاتی چپقلش تھی بلکہ خلافتِ مسلمین جو اس وقت ایک حساس مسئلہ تھا، وہ اس میں اپنی جلالتِ شان کے باوجود اختلاف کا سبب بن رہے تھے۔

اب یہ کہ حضرت سعد نے کیوں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کا انکار کیا تھا، تو اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت سعد یہ سمجھتے تھے کہ خلافت میں انصار کا بھی حصہ ہونا چاہیے، چونکہ وہ غلط سمجھتے تھے، اس لئے ان پر نکیر کی گئی اور چونکہ یہ ان کا اجتہادی خیال تھا، اس لئے انہیں معذور سمجھنا چاہیے اور ان پر کوئی کیچڑ نہیں اچھالنا چاہیے کیونکہ وہ مخطی ہیں مگر متأوِّل (۲)۔

حضرت سعد کی وفات

حضرت سعد کی وفات کا بھی عجیب واقعہ ہے، کہتے ہیں کہ وہ غسل خانے میں مردہ پائے گئے اور ان کا

---

(۱) فتح الباري: ۳۹/۹

(۲) عمدة القاري: ۲۵۸/۱۶، وفتح الباري: ۳۹/۹، وتحفة الباري: ۱۹۷/٤.

جسم نیلا ہو چکا تھا، ان کی موت کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہو رہی تھی، ایسے میں غائبانہ آواز میں یہ شعر سنائی دیا:

قد قتلنا سيد الخز رج سعد بن عبادة

فرميناه بسهمين فلم نخطي فؤاده

ہم نے خزرج قبیلے کے سردار سعد بن عبادہ کو قتل کیا، ہم نے دو تیر مارے تو ان کے دل کا نشانہ خطا نہ کیا۔

کہتے ہیں یہ جنات کی آواز تھی (۱)۔

تو ان کے متعلق ایک قول تو یہ ہے کہ انہیں قتل کیا گیا، دوسرا یہ کہ سوراخ میں پیشاب کرنے کی وجہ سے جنات نے ان کو مارا اور تیسرا یہ کہ قضائے حاجت کے لئے جاتے ہوئے انہوں نے استعاذہ کی دعا نہیں پڑھی تھی۔ تو جنات ان پر حملہ آور ہوئے اور انہیں قتل کر دیا کیونکہ قضائے حاجت کے لئے جانے کے دوران اگر "اللهم إني أعوذبك من الخبث والخبائث" دعا پڑھی جائے تو اللہ تعالیٰ شیاطین سے اس شخص کی حفاظت کرتے ہیں اور اگر نہ پڑھے تو اسے شیطان اور جن نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

حضرت سعد کے بغیر اجماع کا انعقاد

رہا یہ سوال کہ حضرت سعد جیسے جلیل القدر صحابی کی مخالفت کے بعد یہ کہنا کیسے صحیح ہوگا کہ حضرت ابوبکر کی خلافت اجماعی اور متفق علیہ تھی؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اجماع کے لئے یہ ضروری ہے کہ اہل حل وعقد اس پر متفق ہوں اور حضرت سعد جلیل القدر اور اکابر صحابہ میں سے بے شک تھے، مگر یہ تو ضروری نہیں ہے کہ وہ اہل حل وعقد میں سے بھی ہوں۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت سعد کو حضرت ابوبکر کے استحقاقِ خلافت سے انکار نہیں وہ (ابتداء میں انکار کے باعث) محض شرم کے مارے یا کسی اور وجہ سے خاموشی سے وہاں سے چلے گئے تھے۔

وَقَالَ عَبْدُ ٱللهِ بْنُ سَالِمٍ ، عَنِ الزُّبَيْدِيِّ : قَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْقَاسِمِ : أَخْبَرَنِي الْقَاسِمُ : أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهَا قَالَتْ : شَخَصَ بَصَرُ النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ قَالَ : (فِي الرَّفِيقِ الْأَعْلَى) . ثَلَاثًا ،

(۱) إرشاد الساري: ۱۶۱/۸

وَقصَّ الحَدِيثَ . قالَتْ : فَمَا كانَتْ مِنْ خُطْبَتِهِمَا مِنْ خُطْبَةٍ إِلَّا نَفعَ اللهُ بِها ، لَقَدْ خَوَّفَ عُمَرُ النَّاسَ ، وَإِن فِيهِمْ لَنِفَاقًا ، فَرَدَّهُمُ اللهُ بِذٰلِكَ . ثُمَّ لَقَدْ بَصَّرَ أَبُو بَكْرٍ النَّاسَ الْهُدَى وَعَرَّفَهُمُ الْحقَّ الَّذِي عَلَيْهِمْ ، وَخَرَجُوا بِهِ يَتْلُونَ : «وَما مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ - إِلَى - الشَّاكِرِينَ» . [ر : ١١٨٤]

تراجم رجال

عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَالِمٍ

یہ عبداللہ بن سالم الحمصی الأشعری ہیں۔ان کے احوال گذر چکے ہیں(۱)۔

الزُّبَيْدِيُّ

یہ قاضی ابوالہذیل محمد بن الولید بن عامر الزبیدی الحمصي ہیں۔ان کے احوال "کتاب العلم، باب متی یصح سماعُ الصغیر" میں گذر چکے ہیں(۲)۔

عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ الْقَاسِمِ

یہ عبدالرحمٰن بن القاسم بن محمد بن ابی بکر ہیں۔ان کے احوال گذر چکے ہیں(۳)۔

تعلیق

امام بخاری نے یہاں اس روایت کو تعلیقاً ذکر کیا ہے اور طبرانی نے مسند الشاميين میں اسے موصولاً بھی ذکر کیا ہے۔جو حدثنا عمرو بن الحارث عن عبدان بن سالم کے طریق سے مروی ہے(۴)۔

---

(۱) دیکھئے، صحيح البخاري، كتاب الحرث والمزارعة، باب مايحذر من عواقب الاشتغال بآلة الزرع......، رقم (۲۳۲۱)

(۲) دیکھئے، كشف الباري: ۳/۳۹۱

(۳) دیکھئے، كتاب الغسل، باب هل يُدخل الجنبُ يده في الإناء قبل أن يغسلها إذا لم يكن على يده قذر غير الجنابة، رقم (۲٦۳)

(٤) دیکھئے، تغليق التعليق: ٤/٥٨، وعمدة القاري: ١٨/٢٥٨، وفتح الباري: ٩/٤٠

شَخَصَ بَصَرُ النَّبِيِّ

"شُخوص" لغت میں کہا جاتا ہے پلکیں اوپر اٹھا کر نظر کسی چیز پر جمانے کو، اور گھبراہٹ اور بے چینی کے ساتھ آنکھیں کھلی رکھنے کو۔

الرَّفِيقِ الأَعْلَى سے کیا مراد ہے؟

علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، صاحب "التوضیح" نے رفیق اعلیٰ کا معنی کیا ہے، "جنت کا"۔ وہ فرماتے ہیں میرے نزدیک رفیق سے مراد ہے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی جماعت، جو اعلیٰ علیین میں رہتے ہیں، رَفِیق فَعِیل کے وزن پر ہے، جماعت کو کہا جاتا ہے۔ جیسے خَلِیط اور صَدِیق کا مفرد پر بھی اطلاق ہوتا ہے اور جمع پر بھی، اسی سے اللہ کا ارشاد ﴿وحَسُن أولٰئك رفيقا﴾ بھی ہے(۱)۔

پھر اگر یہ کہا جائے کہ "في الرفيق الاعلى" کا متعلَّق کیا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ أدخلوني جیسے مقدرات اس کے لئے نکالے جاسکتے ہیں۔ اور یہ ارشاد آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے اس وقت فرمایا تھا، جب آپ کو موت اور حیات کے درمیان اختیار دیا گیا تھا اور آپ نے موت کو اختیار کیا(۲)۔

وَقَصَّ الْحَدِيثَ

یعنی قاسم بن محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہم نے اس کے بعد وہ ساری حدیث بیان کردی۔ حدیث سے مراد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ بات ہے جو انہوں نے اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق کہی تھی، "انه لم يمُت ولن يموت حتى يقطَع أيديَ رجالِ المنافقين وأرجلَهم" اور پھر حضرت ابوبکر نے ان کی بات کو رد کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وفات پاچکے ہیں اور اس پر قرآن کریم کی آیتوں سے استدلال کیا(۳)۔

سیدنا عمر کے انکار اور سیدنا ابوبکر کے اقرار کی حکمت

فَمَا كَانَتْ مِنْ خُطْبَتِهِمَا مِنْ خُطْبَةٍ إِلَّا نَفَعَ اللّٰهُ بِهَا ...... مِن خطبتهما میں مِن بیانیہ

(۱) سورة النساء، آیت: ٦٩

(۲) عمدة القاري: ٢٥٨/١٦، ٢٥٩

(۳) عمدة القاري: ٢٥٩/١٦، وفتح الباري: ٤٠/٩

ہے یا تبعیضیہ۔اور مِن خطبةٍ میں زائدہ ہے، یعنی ان دونوں حضرات (شیخین) کے خطبے یا ان (خطبوں) میں سے کچھ ایسا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے بڑا نفع دیا۔ وہ کیسے؟ حضرت عائشہ نے خود ہی اس کی تشریح فرمادی ہے۔

فرمایا، "لقد خوّف عمر ......" حضرت عمر نے لوگوں کو ڈرادیا؟ کیونکہ کچھ لوگوں میں نفاق تھا، حضرت عمر نے اُن پر تعریض کرتے ہوئے فرمایا، آپ علیہ الصلاۃ والسلام ابھی اٹھ کر ان منافقوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیں گے اور اس طرح منافقین کو صاف صاف بتلادیا کہ وہ بچیں گے نہیں، پھر حضرت ابوبکر نے امر واقعہ کا اعتراف کیا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کا اعتراف کیا، مسلمانوں کو اطمینان دلایا اور دشمنانِ اسلام سے سختی سے نمٹنے کا اعلان کیا۔

اَصیلی کی روایت میں "لقد خوّف أبوبكر الناس" کے الفاظ آئے ہیں، مگر یہ صحیح نہیں ہے۔

"وإن فيهم لنفاقاً ......" میں تصحیف کا قول

اسی طرح ایک اور روایت ہے، جس میں "وإن فيهم لنفاقاً" کی بجائے "وإن فيهم لتقى" کے الفاظ آئے ہیں (۱)۔ اس کے بارے میں ایک رائے تو یہ ہے کہ حمیدی نے "وإن فيهم لنفاقاً" میں تصحیف سمجھی اور "وإن فيهم لتقى" سے اس کی اصلاح کی اور ان کی اس رائے کی وجہ یہ ہے کہ وہ سمجھتے ہیں، مذکورہ اور اُن موجودہ لوگوں میں نفاق کا ہونا ناممکن ہے لہٰذا ان کے لئے نفاق ثابت کرنا نہایت سنگین غلطی ہے۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں:

"لا أدري هو إصلاح منه أو رواية؟ وعلى الأول فلا استعظام، فقد ظهر في أهل الرّدة ذلك ولا سيما عند الحادث العظيم الذي أذهل عقولَ الأكابر، فكيف بضعفاء الإيمان، فالصواب ما في النسخ" (۲).

معلوم نہیں یہ حمیدی صاحب کی طرف سے اصلاح ہے یا پھر مستقل روایت؟ لیکن اگر یہ اصلاح ہے اور

---

(۱) جامع الأصول في احاديث الرسول: ۸۵/٤، هكذا في فتح الباري ...... وأما الجمع بين الصحيحين للحميدي فما وجد نافيه إلا بلفظ "وإن فيهم لنفاقاً": ١٤٨/٤، رقم: ٣٣٣٨

(۲) فتح الباري: ۳۳/۷، وعمدة القاري: رقم: ٧٦٦٣

ان کا مقصد یہ ہے کہ اس مجمع میں کسی کو منافق قرار دینا جسارت ہے تو یہ درست نہیں ہے، کیونکہ جو لوگ مرتد ہو گئے تھے وہ منافق ہی تو تھے اور اس عظیم سانحے نے تو بڑے بڑے اصحاب کو ہلا کر رکھ دیا تھا تو پھر کمزور ایمان والے کس شمار میں ہیں، اُن میں سے کسی کو منافق قرار دینے کو مستبعد نہیں سمجھنا چاہیے، لہٰذا ٹھیک وہی ہے جو عام نسخوں میں ہے، یعنی "وإن فيهم لنفاقاً" اور اس میں کوئی تصحیف نہیں ہے، جیسے حمیدی صاحب کا خیال ہے۔

چنانچہ اسماعیلی نے بھی امام بخاری کے طریق سے اس کی تخریج کی ہے اور "إن فيهم لنفاقاً" نقل کیا ہے (۱)۔

۳٤٦٨ : حدَّثنا محمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ : أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ : حَدَّثَنَا جامِعُ بْنُ أَبِي رَاشِدٍ : حَدَّثَنَا أَبُو يَعْلَى ، عَنْ محمَّدِ بْنِ الحَنَفِيَّةِ قالَ : قُلْتُ لِأَبِي : أَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ بَعْدَ رَسُولِ ٱللهِ ﷺ ؟ قالَ : أَبُو بَكْرٍ ، قُلْتُ : ثُمَّ مَنْ ؟ قالَ : ثُمَّ عُمَرُ ، وَخَشِيتُ أَنْ يَقُولَ عُثْمَانُ ، قُلْتُ : ثُمَّ أَنْتَ ؟ قالَ : مَا أَنَا إِلَّا رَجُلٌ مِنَ المُسْلِمِينَ .

تراجم رجال

مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ

یہ محمد بن کثیر عبدی بصری ہیں۔ ان کے احوال "كتاب العلم، باب الغضب في الموعظة والتعليم إذا رأى مايكره" کے تحت گذر چکے ہیں (۲)۔

سُفْيَانُ

یہ سفیان بن سعید بن مسروق ثوری کوفی ہیں۔ ان کے احوال "كتاب الإيمان، باب علامةِ المنافق" کے تحت گذر چکے ہیں (۳)۔

---

(۱) فتح الباري: ۹/ ٤٠، وعمدة القاري: ۱٦/ ۲٥۹

(۳٤٦۸) الحديث سبق تخريجه في كتاب الجنائز، باب الدخول على الميت بعد الموت إذا أدرج في اكفانه، رقم: ۱۲٤۲

(۲) دیکھئے، كشف الباري: ۳/ ٥۳٦

(۳) دیکھئے، كشف الباري: ۲/ ۲۷۸

جَامِعُ بْنُ أَبِي رَاشِدٍ

یہ جامع بن ابی راشد الکاملي الکوفي الصیر فی ہیں۔ان کے احوال گذر چکے ہیں (۱)۔

أَبُو يَعْلَى

یہ ابویعلی منذر بن یعلی الکوفی ہیں۔ان کے احوال "کتاب العلم، باب مَن استحیا فأمرَ غیرَہ بالسُّؤال" کے تحت گذر چکے ہیں (۲)۔

مُحَمَّدِ ابْنِ الْحَنَفِيَّةِ

یہ محمد بن علی بن ابی طالب المعروف بہ "ابن الحنفیۃ" ہیں۔ان کے احوال "کتاب العلم، باب من استحیا فأمرَ غیرَہ بالسؤال" کے تحت گذر چکے ہیں (۳)۔

"حنفية" ان کی والدہ کالقب ہے، جو بنوحنیفہ سے تعلق رکھتی تھیں،ان کا نام خَولہ بنت جعفر ہے، حضرت علی کی کنیز (اور امّ ولَد) تھیں (۴)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت

حدیث اور ترجمۃ الباب میں مطابقت واضح ہے، کیونکہ اس میں حضرت ابوبکر کی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد سب لوگوں سے افضلیت کا ذکر ہے۔

صحابہ میں افضلیت کا مسئلہ

یہ حدیث اگر چہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے اثبات کے لئے لائی گئی ہے اور یہ اس میں صریح لفظوں کے ساتھ مذکور ہے تاہم روافض اس کا انکار کرتے ہیں اور ان کے خیال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں، اہل سنت و اراہل تشیع کے درمیان یہ مشہور اختلافی مسئلہ

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب الصوم كفارة، رقم (١٨٩٥)

(۲) دیکھئے، كشف الباري: ٤/٦٤٧

(۳) دیکھئے، كشف الباري: ٤/٦٣٨

(٤) كشف الباري: ٤/١٣٨، وفتح الباري: ٩/٤٠

ہے۔ دوسرا مسئلہ اس کے ضمن میں یہ مذکور ہے کہ حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما میں سے افضل کون تھا، اس میں روافض کا مذہب تو ظاہر ہے کہ علی ہی افضل ہیں، کیونکہ وہ جب ابوبکر سے ان کے خیال میں بہتر ہیں، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے تو بطریق اَولیٰ افضل ہوں گے۔ البتہ اس میں کچھ اہل سنت بھی توقف کرتے ہیں یا پھر تفضیلِ علی کے قائل ہیں، اگرچہ جمہور اہل سنت تفضیلِ عثمان کے ہی قائل ہیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی افضلیت اور خلافت بلافصل

ہمارا (اہل سنت والجماعت کا) یہ عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خاتم النبیین بنا کر اللہ تعالیٰ نے رہتی دنیا تک کے لئے مبعوث فرمایا، اپنی آخری کتابِ ہدایت کے لئے آپ کی صحبت اور جانشینی کے لئے انصار ومہاجرین صحابہ کی صورت میں اُن نفوسِ قدسیہ کا چناؤ فرمایا، انبیاء کے پیروکاروں میں جن سے بہتر کو آج تک چشم فلک نے دیکھا ہے اور نہ آئندہ اس کا امکان ہے، ان پاکیزہ ہستیوں نے دینِ الٰہی اور اس کی نشر واشاعت کی ذمہ داریوں کا بطریقِ احسن تحمل کیا اور بدرجہ کمال اُن سے عہدہ براہوئے۔

صحابہ کرام کے بعد ان سے زیادہ دین سے مخلص اور دین پر عمل کرنے والا ہو، اہل سنت کے ہاں ایسا ممکن ہی نہیں ہے، یہ حکمت الٰہیہ اور بعثتِ انبیاء کے خدائی نظام کے یکسر منافی ہے۔ قرآن وحدیث کی بے شمار تصریحات واشارات اور اَخبار وآثار کا ایک بے بہا ذخیرہ، عقل ودانش کے ہزارہا قرینے اور ناقابلِ تردید تاریخی شواہد اس کے مؤید ہیں اور غیر مسلم اربابِ تحقیق تک اس کا کھلا اعتراف کرتے ہیں، ان سب کا لُبِّ لباب یکے از فیض یافتگانِ نبوت حضرت عبداللہ بن مسعود کے ان الفاظ میں مذکور ہے: "كانوا أفضلَ هذه الأمةِ، أبرَّها قلوباً، وأعمقها علماً وأقلَّها تكلفاً، اختارَهم الله لصحبة نبيّه وإقامةِ دينهِ"(۱).

اور دیکھا جائے تو یہیں سے خوارج وروافض اور اہل سنت والجماعت کے نہ ختم ہونے والے اختلافات کا آغاز ہوتا ہے۔ کہ خوارج اور روافض، صحابہ کی اس امتیازی فضیلت، ان کے صدق ودیانت، کفر ونفاق سے ان کی براءت اور اسلام اور نبی اسلام کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے چناؤ کے مسلّمہ کلیات کو نہیں مانتے، جب کہ اہل سنت کے ہاں یہ مسلّمات وضروریاتِ دین اور اسلامی عقائد کا حصہ ہیں۔

---

(۱) وفي رواية بـ "خير هذه الأمة" كما في شرح السنة: ۱/۲۱٤، رقم: ۱۰۳

شیعوں کے تمام عقائد وافکارِ باطلہ کی بنیاد "صحابہ دشمنی" ہے

پھر روافض وخوارج کی طرف سے صحابہ کی تکفیر اور ان کو واجب القتل قرار دینے کا نظریہ ہو یا ان پر قاتلانہ حملوں اور ان کے ناموس پر جارحانہ حملوں کی بات ہو، خلفاء ثلاثہ پر لعن طعن ہو یا حضرت علی اور حضرت معاویہ کے مابین اور حضرت علی اور حضرت عائشہ کے درمیان اور حضرت ابوبکر وعمر کی حضرت فاطمہ سے اختلافات کی باتیں ہوں۔ قرآن کی تحریف کا عقیدہ ہو یا وَلاء وبَراء کا نظریہ ہو، غدیر خم کی کہانی ہو یا فدک کا قصہ، نظریۂ امامت ہو یا مہدی منتظر کا فسانہ، حدیثِ قرطاس کا معمہ ہو یا کوئی اور شیعی نظریہ، اس کی تان اسی صحابہ دشمنی پر آ کر ٹوٹتی ہے۔ شیعوں کا خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خلافت بلافصل اور مسلمانوں کی "ولي الأمري......" کے اولین مستحق حضرت علی تھے۔ اب رہا یہ کہ واقعہ تو اس کے برخلاف ہے کیونکہ مسلمانوں نے اپنا امیر حضرت سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنایا اور وہ ہی خلیفہ بلافصل بنے اور نہ صرف یہ کہ خلیفہ بنے بلکہ دیگر تمام صحابہ کی طرح تمہارے مزعومہ امام عالی مقام، حضرت علی نے بھی ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس کا مطلب تو یہی ہوا کہ حضرت علی خود بھی حضرت ابوبکر کو ہی خلیفہ بننے کا اہل سمجھتے تھے اور نہ صرف سمجھتے تھے، بلکہ ان کو عملاً خلیفہ بنایا بھی۔

علی کے ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کی شیعی تاویلات

شیعہ حضرات اس حوالے سے مختلف باتیں کرتے ہیں، مثلاً:

۱- حضرت علی نے حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت ہی نہیں کی۔

۲- بیعت کی تو سہی مگر چھ ماہ بعد، اُس وقت جب حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات ہوئی۔

۳- انہوں نے بیعت تو کی مگر ان کی یہ بیعت مرضی کی نہیں تھی، بلکہ بہ جبر وقہر ان سے بیعت کرائی گئی اور انہوں نے جان چھڑانے کے لئے اوپر اوپر سے بیعت کی۔

۴- تقیہ کے طور پر بیعت کی تھی۔

مگر یہ ساری باتیں نہ تو تاریخ سے کوئی میل کھاتی ہیں نہ عقل وخرد سے ان کا کوئی تعلق ہے اور نہ ہی حضرتِ علی کی طبیعت وشخصیت کے حوالے سے ان کی کوئی گنجائش ہے۔

کتبِ حدیث وتاریخ میں ''بیعتِ علی'' کی تصریحات

ذخیرہ احادیث اور تاریخ کی بے شمار تصریحات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر کا خلافت بلافصل کا استحقاق تھا اور وہ بنائے بھی گئے اور دیگر حضرات کی طرح حضرت علی نے بھی ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی شہرہ آفاق کتاب "البداية والنهاية" میں لکھتے ہیں:

"وقد اتفق الصحابة رضي الله عنهم على بيعةِ الصّديق في ذلك الوقت حتى علي بنِ ابى طالب والزبير، والدليل على ذلك ماروا‌ه البيهقي حيث قال: أنبأنا أبوالحسين علي بن محمد بن علي الحافظ الإسفرايني، ثنا أبو علي الحسين بن علي الحافظ، ثنا أبوبكر بن خزيمة وإبراهيم بن أبي طالب قالا: حدثنا بندار بن يسار، ثنا أبوهشام المخزومي، ثنا وهيب، ثنا داود بن أبي هند، ثنا أبو نضرة عن أبي سعيد الخدري قال: قبض رسول الله صلى الله عليه وسلم واجتمع الناس في دار سعد بن عبادة، وفيهم أبوبكر وعمر قال: فقام خطيب الأنصار فقال: أتعلمون أنّا أنصارُ رسولِ الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فنحن أنصارُ خليفتِه كما كنا أنصارَه، قال: فقام عمر بن الخطاب فقال: صدق قائلُكم [أما] ولو قلتم غيرَ هذا لم نبايعكم فأخذَ بيد أبي بكر وقال: هذا صاحبُكم فبايعوه، فبايَعه عمر، وبايَعه المهاجرون والأنصار، وقال: فصَعد أبوبكر المنبرَ فنظرَ في وجوه القوم فلم يرَ الزبير، قال: فدعا الزبير فجاء قال: قلت: ابن عمة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أردتَ أن تشق عصا المسلمين قال: لا تثريب يا خليفةَ رسول الله، فقام فبايَعه، ثم نظر في وجوه القوم فلم ير عليًّا، فدعا بعليّ بن أبي طالب قال: قلت: ابن عمّ رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وختنُه على ابنته، أردتَ أن تشق عصا المسلمين. قال: لا تثريب يا خليفةَ رسول

الله فبايَعه ...... ، هذا أو معناه"(۱).

یعنی ابوسعید خدری کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اور لوگ سعد بن عبادہ کے گھر میں جمع ہو گئے، ان میں ابوبکر وعمر بھی تھے تو انصار کا خطیب کھڑا ہوا اور کہا کیا تم جانتے ہو کہ ہم جیسے رسول اللہ کے انصار تھے تو اب خلیفۃ الرسول کے بھی ایسے ہی انصار ہیں، عمر نے کھڑے ہو کر کہا، تمہارے کہنے والے نے صحیح کہا، اور اگر تم کچھ اور کہتے تو ہم تمہاری بیعت نہ کرتے پھر ابوبکر کا ہاتھ پکڑ کر لے گئے اور کہا یہ ہیں تمہارے خلیفہ ان کی بیعت کرو پھر عُمر نے اور انصار مہاجرین نے بیعت کی، ابوبکر منبر پر بیٹھے اور قوم کے بڑوں کو دیکھا تو زبیر نظر نہ آیا، انہیں بلایا اور کہا رسول اللہ کا پھوپھی زاد ہو کر تم وحدتِ مسلمین کو نقصان پہنچانا چاہتے ہو۔

اسی طرح کا معاملہ پھر حضرت علی کا بھی ہوا...... حافظ صاحب فرماتے ہیں، تمام صحابہ نے اس وقت حضرت صدیق کی خلافت پر اتفاق کیا حتیٰ کہ علی اور زبیر رضی اللہ عنہما نے بھی۔ بیہقی کی روایت میں وصال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو قصہ گذر چکا ہے، اسی کا یہاں ذکر ہے اور اس کا اضافہ ہے کہ

بیعت کے بعد جب حضرت ابوبکر منبر پر چڑھے تو دیکھا کہ حضرت زبیر نہیں ہیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں بلایا اور کہا تم اللہ کے رسول کے پھوپھی زاد ہو، کیا مسلمانوں کی اجتماعیت کی عصا (اجتماعیت) توڑنا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا، عار نہ دلائیے اے خلیفہ رسول! اور پھر اٹھ کر بیعت کی۔ پھر حضرت صدیق نے دیکھا تو علی رضی اللہ عنہ نہیں تھے، بلا کر کہا، رسول اللہ کے داماد اور عم زاد ہو کر عصائے مسلمین (مسلمانوں کی وحدت) کو توڑنا چاہتے ہو؟ انہوں نے بھی کہا، اے خلیفۂ رسول! شرمندہ نہ کریں اور کھڑے ہو کر بیعت کی۔

اس روایت کی اہمیت جاننے کے لئے بیہقی اور ابن کثیر رحمہما اللہ کی یہ عبارت ملاحظہ فرمائیں:

"قال ابوعلي الحافظ النيسابوري سمعتُ محمدَ بن اسحاق بن

(۱) البداية والنهاية: ۲۹۹/۶

خزيمة يقول: جاء ني مسلِم بن الحجاج القشيري فسألني عن هذا الحديثِ ...... فكتبتُه له في ورقة وقرأتُ عليه، فقال هذا حديث يساوي بدنة، فقلتُ بل هذا يساوي بدرَة"(۱).

حافظ ابوعلی النیسا پوری کہتے ہیں، میں نے محمد بن اسحاق بن خزیمہ سے سنا وہ فرمارہے تھے میرے پاس مسلم بن الحجاج القشیری (صاحب صحیح مسلم) آئے اور مجھ سے پوچھا، اس حدیث کے بارے میں۔ میں نے ان کے لئے اسے کاغذ پر لکھا اور پھر انہیں سنایا۔ انہوں نے کہا یہ حدیث تو (بڑی قیمتی شے ہے، یہ) ایک "بدنة" یعنی اونٹنی جتنی ہوگی۔ میں نے کہا، نہیں، بلکہ "بدرة" یعنی ایک ہزار کے تھیلے جتنی (یعنی اس سے بڑی قیمت کی جس کا آپ اندازہ لگارہے ہیں) کیونکہ اس سے امت کا ایک معرکۃ الآراء مسئلہ حل ہوتا ہے۔

وفاتِ فاطمہ کے بعد حضرت علی نے دوبارہ بیعت کی

مزید ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وقال موسىٰ بن عقبة في مغازيه عن سَعد بن إبراهيم: حدثني أبي أن أباه عبدالرحمن بن عوف كان مع عمرَ وأن محمَّد بن مسلَمة كسر سيفَ الزبير ثم خطَب أبوبكر واعتذر إلى الناس وقال: والله ما كنت حريصاً على الإمارة يوماً ولا ليلة، ولا سألتُها الله في سرٍّ ولا علانية، فقبل المهاجرون مقالتَه، وقال علي والزبير ما غضِبنا إلا لأنّا أخّرنا عن المشورة، وإنا نرى أبابكر أحقَ الناس بها، إنه لصاحب الغار، وإنا لنعرف شرفَه وخيرَه، ولقد أمرَه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بالصَّلاة بالناس وهو حيٌّ، وهذا اللائق بعلي رضي الله عنه، والذي يدل عليه الآثار من شُهوده معه الصلوات،

(۱) السنن الكبرى للبيهقي: ۸/۱٤۳، والبداية والنهاية: ٦/۲۹۸، بيروت

وخروجه معه إلى ذي القصة بعد موت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ، كما سنورده، وبَذله له النصيحةَ والمشورة، بين يدَيه، وأما ما يأتي من مبايعته إياه بعد موتِ فاطمة، وقد ماتت بعد أبيها عليه السلام بستة أشهر فذلك محول على أنها بيعة ثانية أزالت ماكان قد وقعَ في وحشةٍ بسبب الكلام في الميراث ومنعِه إياهم ذلك بالنَص عن رسول الله في قوله: "لا نُورث ما تركنا فهو صدقة"، كما تقدم إيراد أسانيده وألفاظه، ولله الحمد"(١).

یعنی موسیٰ بن عقبہ اپنے ''مغازی'' میں فرماتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن عوف اور محمد بن مسلمہ حضرت عمر کے پاس تھے، محمد بن مسلمہ نے کوئی فتنہ برپا ہونے کے خوف سے زبیر سے تلوار لے کر توڑ دی، اس کے بعد حضرت ابوبکر نے خطبہ دیا اور لوگوں سے معذرت کرتے ہوئے کہا، اللہ کی قسم! میں کسی دن یا رات اس امارت کا حریص نہیں رہا اور نہ اللہ تعالیٰ سے خفیہ یا علانیہ اس کو مانگا۔ مہاجرین نے ان کی بات قبول کرلی اور علی وزبیر (رضی اللہ عنہما) نے کہا ہم محض اس بناء پر خفا ہوئے تھے کہ ہمیں مشورہ سے پیچھے رکھا گیا تھا ورنہ ہم ابوبکر ہی کو خلافت کا سب سے زیادہ مستحق مانتے ہیں، وہ صاحب غار ہیں اور ہم ان کی شرافت وفضیلت جانتے ہیں۔ رسول اللہ نے ان کو اپنی حیات میں نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ اور حضرت علی کے شایانِ شان بھی یہی ہے (کہ انہوں نے خلافت صدیق اکبر تسلیم کی)۔ چنانچہ آثار بھی اس پر شاہد ہیں جیسے ان کا ابوبکر کے ساتھ نمازوں میں حاضر ہونا ''ذی القصہ'' کے لئے آپ کے ساتھ نکلنا، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نصیحت اور مشوروں سے نوازنا وغیرہ ...... اور جہاں تک تعلق ہے وفاتِ فاطمہ کے بعد بیعت کا، تو وہ بیعت ثانیہ تھی جو میراثِ نبی کے حوالے سے لے دے اور سخت گفتگو کے ماحول میں ہونے والی بیعت کے

(١) مستدرك حاكم، كتاب معرفة الصحابة: ٦٦/٣، السنن الكبرىٰ، باب قتال أهل البغي: ١٥٢/٨

ازالے کے لئے تھی اور رہا میراثِ نبی میں ابوبکر کا سخت مؤقف سو وہ نص یعنی "لا نُـورث، ما تركنا صدقة" کی بناء پر تھا۔

ابوبکر کا اپنے "اُحق" ہونے کا اظہار

ان کی روایت کی تائید بلاذری کی "انساب الاشراف" کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے۔ جس کے الفاظ یوں ہیں:

"حـدَّثنا حمَّادُ بن سلَمة أنبأنا الحريريُّ عن أبي ضمرة قال: لما بايَع الناس أبابكر اعتزل عليٌّ والزبيرُ فبعث إليهما عمرَ بن الخطاب وزيدَ بن ثابت فـأتيـا مـنـزلَ عـلـي فـقـرَعا البابَ فنظر الزبير من قـرة ثم رجع إلى علي فقال: هـذان رجلان من أهل الجنة وليس لنا أن نقاتلَهما، قال: افتح لهما، ثم خرجا معهما حتى أتيا أبابكر، فقال أبوبكر: يا علي أنت ابنُ عمِّ رسولِ الله وصهره صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فتقول إني أحق بهذا الأمر. لَاهَا اللّٰهِ لأنا أحق به مِنك، قـال: لا تثريـب يا خليفةَ رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ابسط يـدَك أبـايـعْك فبسـطَ يـدَه فبايعه، ثم قال للزبير (بن العوام) تقول أنا ابن عمةِ رسـول الله وحـواريّـه وفـارسـه وأنـا أحـقُّ بالأمر، لَاهَا اللّٰهِ أنا أحق به منك، فـقـال: لا تثريـب يا خليفةَ رسولِ الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ابسُط يدَك فبسطَ يدَه فبايعه"(۱).

حاصل روایت یہ ہے کہ جب لوگوں نے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیعت کی تو (اس وقت) علی المرتضی اور زبیر بن العوام بیعت سے الگ رہے پس ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دونوں کی طرف عمر بن الخطاب اور زید بن ثابت انصاری (رضی اللہ عنہما) کو بھیجا۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان پر پہنچ کر دستک دی۔ زبیر

---

(۱) أنساب الاشراف لِلبلاذري: ۵۵۸/۱

(رضی اللہ عنہ) نے (اس وقت) دروازہ کی طرف نگاہ ڈالی اور لوٹ کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہنے لگے کہ یہ دونوں بزرگ بہشتی لوگوں میں سے ہیں۔ ان سے ہمارا جھگڑا کرنا درست نہیں۔ پھر علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کہنے پر دروازہ کھول دیا اور باہر تشریف لاکر ان دونوں کے ساتھ ہو گئے، حتیٰ کہ دونوں حضرات ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچ گئے۔ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے کہ اے علی! آپ رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ہیں اور دامادِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ آپ اس معاملۂ (خلافت) میں اپنے آپ کو زیادہ حق دار خیال کرتے ہیں۔ (واقع میں) مَیں زیادہ مستحق ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، اے خلیفۂ رسولِ خدا! کوئی سرزنش نہیں ہونی چاہیے، ہاتھ پھیلائیے، مَیں بیعت کرتا ہوں۔ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہاتھ آگے کیا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیعت کی۔

پھر ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زبیر بن العوام کو اسی طرح کہا، کہ اے زبیر! آپ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے پھوپھی زاد بھائی ہیں اور حواریٔ رسول ہیں اور شہسوار ہیں۔ آپ اپنے متعلق خیال رکھتے ہیں کہ اس کام کے آپ زیادہ مستحق ہیں (حالانکہ) میں زیادہ حق رکھتا ہوں تو زبیر بن عوام نے کہا کہ اے خلیفۂ رسولِ خدا! عتاب وملامت نہیں ہونی چاہیے۔ ذرا اپنا ہاتھ دراز کیجئے۔ انہوں نے اپنا ہاتھ دراز کیا اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیعت کر لی۔

ان تمام روایات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور اس میں تاخیر بھی نہیں کی تھی، بلکہ تعجیل کے ساتھ بیعت کی تھی۔ تاخیر کا جو خیال ہے یہ رُواۃ کا اپنا سمجھا ہوا خیال ہے اور حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

شیعوں کا اعتراف

اور مزے کی بات یہ ہے کہ یہ بات صرف اہل سنت علماء و محققین نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ شیعہ علماء نے بھی

کہی ہے۔ چنانچہ نہج البلاغۃ کے مشہور شارح ابن ابی الحدید نے مذکورہ بالا روایت کو نقل کیا ہے، کہا:

"قال علي والزبير ما غضِبنا إلا ...... لأنا أُخِّرنا في المشورة وإنا لنرى ابابكر أحقَّ الناس بها، انه صاحبُ الغار وانا لنعرِف له سنَّه، وامرَه رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم بالصلاة وهو حي"(۱).

خلاصہ یہ ہے کہ:

''حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور زبیر بن العوام دونوں نے کہا کہ ہماری یہ (عارضی) رنجیدگی صرف مشورہ میں شامل نہ کئے جانے کی وجہ سے ہوئی (حالانکہ) ہم ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دوسرے لوگوں سے خلافت کا زیادہ حق دار جانتے ہیں۔ اور غار کی صحبت کی فضیلت ان کو حاصل ہے (یعنی ثانی اثنین کا لقب رکھتے ہیں)، ہم ان کی بزرگی کا اعتراف کرتے ہیں، اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو اپنی زندگی میں (مسلمانوں کی) نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا''۔

ابن جریر طبری کی روایت ہے، کہتے ہیں:

"...... عن حبيب بن أبي ثابت قال: كان علي في بيتِه إذا أتي، فقيل له، قد جلَس أبوبكرٍ للبيعةِ فخرج في قميص، ما عليه إزار ولا رداءٌ عَجَلاً كراهية أن يُبطي عنها حتى بايعه، ثم جلس إليه وبعث إلى ثوبه فأتاه فتجلَّله ولزم مجلَسه"(۲).

یعنی ''حبیب بن ابی ثابت روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے گھر تشریف رکھتے تھے، اطلاع ملی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیعتِ (خلافت) کے لئے مسجد میں تشریف فرما ہوئے ہیں تو حضرتِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلا تاخیر فوراً ضروری لباس میں۔ تہ بند اور چادر چھوڑ کر صرف قمیص میں۔ گھر سے باہر تشریف لائے کہ کہیں دیر نہ

(۱) شرح نهج البلاغة: ۱/۱۵٤

(۲) تاريخ ابن جرير طبري: ۳/۲۰۱

ہو جائے اور مجلسِ بیعت میں پہنچ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت کی اور اس جگہ ان کی خدمت میں بیٹھ گئے۔ وہاں سے آدمی بھیجا گھر سے اوپر اوڑھنے کی چادر وغیرہ منگائی اور مجلسِ ہٰذا میں شامل رہے''۔

اس روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بیعت کرنے میں کوئی تاخیر نہیں کی تھی اور اسی موقع پر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرلی، روایت میں اس قدر عجلت کے ساتھ حضرت علی کے آنے کا ذکر ہے کہ پورا لباس زیب تن کرنے کے لئے بھی وہ نہیں رُکے......

جمعِ قرآن کے سبب بیعت میں تاخیر

بیعت کے سلسلے میں حضرت علی کی اس تاخیر (اگر ہوئی) کی بعض روایات میں ایک اور وجہ مذکور ہے۔

چنانچہ ابن عبدالبر ''الاستیعاب'' میں فرماتے ہیں:

''لما بُويع أبوبكر الصديق رضي الله تعالىٰ عنه أبطأ علِي رضي الله عنه عن بيعته وجلس في بيتِه فبعث إليه أبوبكر ما أبطأ بكَ عني أكرِهتَ إمارتي؟ فقال علِي: ما كرهتُ إمارتك ولكنني اليت أن لا أرتدي ردائي إلا إلى صلوة حتى أجمعَ القران"(١).

''حاصل یہ ہے...... کہ جب حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لوگوں نے بیعت کی تو علی المرتضیٰ نے اس بیعت سے تاخیر کی اور اندرونِ خانہ بیٹھے رہے۔ پس ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی طرف آدمی بھیج کر دریافت کیا کہ آپ (بیعت کے معاملہ میں) مؤخر کیوں ہوئے ہیں؟ کیا آپ ہماری امارت کو ناپسند کرتے ہیں، تو علی المرتضیٰ نے جواب دیا کہ میں نے آپ کی امارت کو ناپسند نہیں کیا لیکن میں نے قسم کھا رکھی ہے کہ میں اپنے اوپر چادر نہیں اوڑھوں گا، مگر نماز پڑھنے کے لئے، حتیٰ کہ میں قرآن مجید کو

(١) الاستيعاب معه إصابه: ٢/٢٤٤، تذكرة الصديق......

(مختلف مواضع) سے جمع کرلوں''۔

اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صدیق اکبر کی خلافت کے سلسلے میں جب صحابہ نے ان کی بیعت کی تو حضرت علی نے جمع قرآن کے سلسلے میں مشغولیت اختیار کرلی اور بیعت نہیں کی تا آں کہ حضرت ابوبکر نے ان کی خدمت میں یہ کہلا بھیجا کہ کیا آپ ہماری امارت کو ناپسند کرتے ہیں؟ حضرت علی نے کہا، نہیں! ایسی کوئی بات نہیں ہے مگر ہم قرآن جمع کرنا چاہ رہے ہیں۔ بعض حضرات کہتے ہیں اس میں اور سابقہ روایات میں منافات ہے کیونکہ اُن میں بلا تاخیر اور یا پھر بغیر کسی وجہ کے معمولی تاخیر سے بیعت کا ذکر ہے، جب کہ اس دوسری روایت میں ایک مقصد کے تحت ان کی تاخیر کا ذکر ہے؟

ان کا جواب یہ ہے کہ شروع شروع میں ان کی رائے یہی بنی تھی کہ سب سے اہم کام ''جمع قرآن'' ہے اس کے بعد یہ سمجھ گئے کہ بیعت ہی سب سے اہم مسئلہ ہے اور پھر وہ اپنی سابقہ رائے چھوڑ کر دوسری رائے پر عمل کے لئے تیار ہو گئے ہوں گے۔

یہ بھی جواب دیا گیا ہے کہ جمع قرآن سے حفظ قرآن مراد ہے اور اس کے لئے وہ رُکے تھے، پھر کچھ معمولی تاخیر کے بعد جا کر بیعت بھی کرلی تھی، یہ تو روایت کو سنداً صحیح تسلیم کرنے کی صورت میں جواب ہے، ورنہ روایت کے بارے میں حافظ ابن حجر سے یہ بھی منقول ہے، "هذا الأثر ضعيفٌ لا نقطاعِه" (۱).

بہر حال روایات مذکورہ بالا سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ حضرت علی نے اُسی وقت حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کرلی تھی۔

احادیث میں چھ ماہ بعد بیعت کی صراحت اور اس کی توجیہات

ہاں! البتہ ایک بات یہاں قابلِ ملاحظہ ہے اور وہ یہ کہ بخاری، مسلم، مسند ابي عوانہ، سنن کبری للبیہقی، تاریخ ابن جریر طبری، أنساب الاشراف للبلاذری وغیرہ میں اس روایت کا بھی ذکر ہے جس سے چھ ماہ کی تاخیر سے حضرت علی کی بیعتِ ابی بکر کے لئے آمادگی کا اندازہ ہوتا ہے، چنانچہ صحیحین کی روایت ہے جس میں تفصیل کے ساتھ یہ مذکور ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا وصال ہوا تو آپ کی صاحبزادی حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ سے مالِ فی ء، خصوصاً مالِ فدک اور خمسِ خیبر وغیرہ کا مطالبہ کیا۔

---

(۱) الاتقان للسيوطي: ۱/۵۷

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، "لا نُورَث، ما ترکنا صدقة" اس لئے میں آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی مخالفت کرتے ہوئے آپ (حضرت فاطمہ) کو کچھ دے دوں، یہ نہیں ہوسکتا۔ اس پر حضرت فاطمہ نے حضرت ابوبکر سے ناراضگی اختیار کی اور مرتے دم تک ان سے کوئی بات نہیں کی۔ چھ ماہ تک حضرت فاطمہ زندہ رہیں اور اس عرصے میں وہ حضرت ابوبکر سے ناراض رہیں اور حضرت علی نے بھی حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی اور حضرت فاطمہ کے دعوے اور خیال سے موافقت کی، چھ ماہ بعد جب حضرت فاطمہ کا انتقال ہوا، تو حضرت علی نے فاطمہ کی اور اپنی ان شکایات کے سلسلے میں حضرت ابوبکر سے بات چیت کی، جس میں کافی کچھ بحث مباحثہ بھی ہوا، تاہم آخر میں انہوں نے حضرت ابوبکر سے بیعت کرلی۔ حضرت ابوبکر نے بھی چھ ماہ کی تاخیر سے بیعت پر ان کی معذرت قبول کی اور ان کے فضائل ومناقب کا اعتراف کیا۔

حدیث کے الفاظ ہیں:

"وكان لِعليٍّ من الناس وجهٌ حياةَ فاطمة، فلما توفِّيت استنكر عليٌّ وجوهَ الناس فالتمس مصالحةَ ابي بكر ومبايعَته ولم يكن يبايع تلك الأشهر"(۱).

یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی، حضرت فاطمہ کی زندگی میں ایک حیثیت تھی اور جب حضرت فاطمہ نے وفات پائی تو حضرت علی نے لوگوں کے چہرے بدلے ہوئے محسوس کئے، تب انہوں نے حضرت ابوبکر سے مُصالحت کی اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی درخواست کی حالانکہ وہ ان چھ ماہ تک بیعت نہیں کررہے تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی نے چھ ماہ تک حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی، پھر یہ کیسے کہا جارہا ہے کہ انہوں نے فوراً بیعت کرلی تھی؟

"أنساب الاشراف" میں بلاذری بھی یہی فرماتے ہیں:

"لم يبايِع عليٌّ أبابكر حتى ماتت فاطمةُ بعد ستة أشهرٍ فلما ماتَت

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب غزوة خيبر، رقم (۴۲۴۰، ۴۲۴۱)، مسلم، باب حكم الفيئ

ضرع الى صلح ابي بكر"(١). حضرت علی نے ابوبکر کی بیعت نہیں کی، حتیٰ کہ جب چھ ماہ بعد حضرت فاطمہ وفات پائیں تو وہ (علی) صلح پر مجبور ہوئے۔

طبری اور مسند ابی عوانہ کے الفاظ ہیں:

"فقال رجل للزهري أفلم يبايعه علي ستةَ اشهرٍ؟ قال: لا! ولا أحد من بني هاشم، حتى بايعَه علي"(٢).

ایک آدمی نے زہری سے کہا تو کیا علی نے چھ ماہ تک بیعت نہیں کی تھی؟ انہوں نے کہا، ہاں (نہیں کی تھی)! اور بنی ہاشم میں سے کسی نے بھی بیعت نہیں کی حتیٰ کہ علی نے جب بیعت کر لی تو پھر دوسروں نے بھی کر لی۔

معمر کہتے ہیں:

"قلتُ للزهري كم مكثَت فاطمة بعد النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم؟ قال ستة أشهرٍ. فقال رجل للزهري: فلم يبايِعه علي حتى ماتَت فاطمة، قال ولا أحد من بني هاشم"(٣).

میں نے زہری سے کہا، رسول اللہ کے بعد فاطمہ کتنے عرصے تک رہیں؟ کہا چھ ماہ، ایک آدمی نے زہری سے کہا تو علی نے وفاتِ فاطمہ تک بیعت نہیں کی؟ کہا بنی ہاشم میں سے کسی نے بھی نہیں کی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں اختصار کے ساتھ مذکور ہے، اس لئے پوری بات واضح نہیں ہوئی جب کہ مسند ابی عوانہ، السنن الکبریٰ للبیہقی اور تاریخ طبری وغیرہ نے اسے پورے پس منظر کے ساتھ ذکر کیا ہے اور اس میں یہ صراحت ہے، "قال رجل للزهري" یا پھر "قلتُ للزهري". اب جب ایک مرد پوچھنے والا ہو تو ظاہر ہے وہ حضرت عائشہ سے نہیں پوچھے گا، جن کی یہ روایت ہے اور پھر اس میں تصریح

---

(١) أنساب الأشراف: ٥٨٦/١

(٢) مسند ابي عوانه: ١٤٦/٤

(٣) السنن الكبري: ٣٠/٦

ہے کہ زہری سے پوچھا گیا؟ لہٰذا یہ بات متعین ہوگئی کہ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نہیں زہری (راوی) کا قول ہے۔ اور یہی نہیں، حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہما کے درمیان اختلافات اور ناراضگی کی بات بھی صرف زُہری نے نقل کی ہے۔

''زہری راوی'' پر کلام

اب زہری کے بارے میں اہل حدیث کیا کہتے ہیں، یہ دیکھنا ہوگا۔ اس سلسلے میں حضرت مولانا محمد نافع مدظلہ نے بڑی مفید اور مفصل گفتگو فرمائی ہم یہاں اس کا مختصراً ذکر کرتے ہیں (۲)۔

ایک بات تو اُن کے حوالے سے یہ کہی گئی ہے کہ وہ احادیث میں ''اِدراج'' کرتے ہیں اور روایت مذکورہ میں بھی یہ کلمات ان کی طرف سے مُدرَج ہیں، ان کے ''ادراج'' کا ایک نمونہ مسلم کی اس روایت میں ملاحظہ کیا جائے:

''حدَّثنا يحيى بن يحى التيمي قال: أخبرَنا ابراهيم بن سعد عن ابن شهاب (الزهري) عن عامر بن سَعد عن أبيه قال عادني رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في حجَّة الوداع......''.

اس کے آخر میں یہ الفاظ آتے ہیں:

''قال: رثى له رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مِن أن توفّي بمكّة''(۲).

امام نووی ان الفاظ کے متعلق کہتے ہیں:

قال العلماء: هذا من كلام الراوي، وليس هو من كلام النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم.

پھر آگے انہوں نے اس بات کو چھیڑا ہے کہ اس کا قائل کون راوی ہے، تو کہا:

''واختلفوا في قائل هذا الكلام مَن هو؟ فقيل هو سعد بن ابي وقاص

---

(۱) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: ''رحماء بينهم'': ۱/ ۲۳۸

(۲) صحيح مسلم، كتاب الوصية، باب الوصية بالثلث، رقم (٤١٥٨)

وقد جاء مفسراً في بعض الروايات قال القاضي، وأكثر ما جاء أنه من كلام الزهري"(۱).

اس بات میں اختلاف ہوا ہے کہ اس کا قائل کون ہے۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ سعد بن ابی وقاص اس کے "قائل" ہیں، مگر اکثر نے یہی کہا ہے کہ اس کے قائل زہری (ابن شہاب) ہیں، یہ قاضی عیاض کا قول ہے۔

ابن شہاب زہری کی روایات میں ان کے مدرَج کلمات بھی ہوتے ہیں، اس کا دوسرا قرینہ یہ ہے کہ امام مسلم فرماتے ہیں:

"قال ابوالحسين مسلم (بن الحجاج القشيري): هذا الحرف: -يعني: قوله: تعالَ أقامرك فليتصدق- لا يرويه أحد غير الزهري. قال: وللزهري نحواً من تسعين حرفا يرويه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لا يشاركه فيه أحد بأسانيد جيادٍ"(۲).

فرمایا حدیث کے الفاظ "تعالَ أقامرك، فليتصدق" کو زہری کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کیا ہے اور زہری کی لگ بھگ ۹۰ حدیثیں ہیں، جو وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عمدہ اسانید کے ساتھ نقل کرتے ہیں اور ان میں اُن کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہے۔

تیسرا شاہد ان کا یہ ہے کہ امام مسلم اپنی صحیح کی کتاب الفضائل میں ایک روایت نقل کرتے ہیں:

"سفيان بن عُيينه عن الزهري سمعَ جبيرَ بن مطعم عن أبيه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: أنا محمد وأنا أحمد وأنا الماحي، الذي يمحىٰ بي الكفر، وأنا الحاشر الذي يحشر الناس على عَقِبي وأنا العاقب

(۱) دیکھیے، المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج: ۸۲/۱۱، دار المعرفة بيروت

(۲) المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج: ۱۱۰/۱۱، كتاب الأيمان، باب من حلف باللّات والعزّى فليقل: لا إله إلا الله.

والعاقب الذي ليس بعدَه نبي"(۱).

اس کے بعد اسی باب کی تیسری سند میں یہ الفاظ آئے ہیں:

"وفي حديث معمر قال: قلتُ للزهري: وما العاقب؟ قال: "الذي ليس بعده نبي"(۲).

علامہ جلال الدین سیوطی تنویر الحوالک شرح موطا مالک میں فرماتے ہیں:

"زاد مسلم وغيره من طريق ابن عيينة والعاقب الذي ليس بعده نبيٌ وهو مُدرَج من تفسير الزهري"(۳).

یعنی صحیح مسلم میں جو "عاقب" کی تفسیر مذکور ہے، یہ زہری کے مدرج الفاظ ہیں۔

بیعت علی کے حوالے سے زہری کی روایت پر علماء کا عدمِ اعتماد

ان حوالوں سے یہ بات تو معلوم ہوگئی کہ ابن شہاب زہری کو "ادراج فی الروایہ" کی عادت ہے اور اس بناء پر کہا جاسکتا ہے کہ حدیث مبحوث عنہ میں چھ ماہ بعد حضرت علی کی بیعت کا ذکر بھی زہری کا اپنا ہے۔ اب یہ کہ علماء حدیث کی زہری کے اس قول کے متعلق کیا رائے ہے، تو اس حوالے سے علامہ بیہقی فرماتے ہیں:

"وقول الزهري في قعودِ علي عن بيعةِ أبي بكر رضى الله تعالىٰ عنه حتى توفيت فاطمة منقطع، وحديث أبي سعيد الخدري في مُبايَعته إياه حتى بُويع بيعةَ العامّة بعد السقيفة أصح"(٤).

اور بیعت ابی بکر سے حضرت فاطمہ کی وفات تک حضرت علی کے رُکے رہنے کا جو زہری کا قول ہے، وہ سنداً منقطع ہے اور اس کے مقابلے میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ حدیث زیادہ صحیح ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ علی نے عام بیعت کے وقت

---

(۱) صحيح مسلم، باب في اسمائه صلى الله عليه وسلم، رقم: ٦٢٥١

(۲) صحيح مسلم، باب في اسمائه شرح، رقم: ٦٢٥٢

(۳) تنوير الحوالك شرح موطأ الإمام مالك، كتاب الحج: ١/٢٦٣، رقم: ١٨٢٣

(٤) السنن الكبرى للبيهقي: ٦/٣٠٠، كتاب قسم الفيء والغنيمة

ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کردی تھی۔

ابوسعید خدری کی وہ روایت مراد ہے جو سابق میں ذکر ہوئی ہے اور امام احمد، حاکم، بیہقی وغیرہ نے نقل کی ہے۔

امام بیہقی مزید صراحت کے ساتھ فرماتے ہیں:

"والذي روي أن علياً لَم يبايع أبابكر ستةَ أشهرٍ ليس من قول عائشة إنما هو من قول الزهري فأدرَجه بعضُ الرواة في الحديث عن عائشة في قصة فاطمة، وحفظه معمر بن راشد فرواه مفصلاً وجعله من قول الزهري منقطعاً من الحديث، وقد روينا في الحديث الموصول عن ابي سعيد الخدري ومن تابعه من أهل المغازي أن علياً بايعه في بيعةِ العامة بعد البيعة التي جرت في السقيفة"(۱).

یعنی وہ جو روایت ہے کہ علی نے ابوبکر کی چھ ماہ تک بیعت نہیں کی، یہ حضرت عائشہ کا قول نہیں بلکہ زہری کا قول ہے جسے حدیث کے بعض راویوں نے حضرت فاطمہ کے قصے میں عائشہ سے روایت کیا ہے اور معمر بن راشد نے اسے حفظ کیا اور مفصل روایت کردیا اور اسے زہری کا قول قرار دیا جو حدیث سے منقطع ہے۔ اور ہم نے ابوسعید خدری اور اہل مغازی میں سے ان کے دوسرے متابعین سے موصول حدیث روایت کی ہے کہ حضرت علی نے سقیفہ بنی ساعدہ میں جاری ہونے والی بیعت کے بعد عام بیعت میں حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کرلی تھی۔

تطبیق اور جمع بین الروایات کی صورت

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے میں بڑے خوبصورت الفاظ میں تطبیق بیان کی ہے، وہ فرماتے ہیں:

(۱) الاعتقاد على مذهب السلف للبيهقي، ص: ۱۸۰

"وقد صحَّح ابن حبان وغيره من حديث أبي سعيد الخدري وغيره أن علياً بايع أبابكر: في أول الأمر، وأمَّا ما وقع في مسلم "عن الزهري أن رجلاً قال له لم يبايع عليٌّ ابابكر حتى ماتت فاطمةُ؟ قال لا، ولا أحد من بني هاشم" فقد ضعفه البيهقي بأن الزهري لم يمنده، وأن الرواية الموصولة عن ابي سعيد أصح، وجمع غيرُه بأنه بايَعه ثانية مؤكدة للأولى لإزالة ما كان وقع بسبب الميراث كما تقدم، وعلى هذا فيحمل قول الزهري لم يبايعه علي في تلك الأيام على ارادة الملازمة له والحضور عنده وما أشبَه ذلك، فإن في انقطاع مثلهِ عن مثله مايوهم مَن لايعرف باطن الأمر أنه بسبب عدم الرضا بخلافته فأطلق من أطلق ذلك وبسبب ذلك أظهر علي المبايعةَ التي بعد موت فاطمة عليها السلام لإزالة هذه الشبهة"(١).

ابن حبان وغیرہ نے ابوسعید خدری وغیرہ کی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، جس میں یہ بات کہی گئی ہے کہ حضرت علی نے شروع میں ہی ابوبکر کی بیعت کردی تھی اور وہ جو مسلم میں زہری سے منقول ہے کہ اُن سے ایک آدمی نے کہا حضرت علی نے ابوبکر کی بیعت نہیں کی تھی تا آں کہ حضرت فاطمہ کی وفات ہوگئی؟ اور زہری نے کہا، نہیں، اور بنی ہاشم میں سے کسی نے بھی نہیں کی تھی۔ تو یہ روایت بیہقی نے ضعیف قرار دی ہے کیونکہ زہری نے اسے مسند ذکر نہیں کیا ہے اور ابوسعید کی جو موصول روایت ہے، وہ زیادہ صحیح ہے اور بعض حضرات نے ان دونوں روایتوں کو جمع کیا ہے اور ان میں تطبیق دی ہے اور کہا ہے کہ بیعت پہلے بھی ہوئی تھی اور بیعت بعد میں بھی ہوئی اور دوسری بیعت پہلی کے لئے مؤکد تھی اور اس کا مقصد اس رنجش کو زائل کرنا تھا جو میراث کے حوالے سے حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاطمہ کے مابین آئی تھی۔ چنانچہ اس صورت میں زہری کے قول کا معنی یہ ہوگا کہ حضرت علی نے اس ابتدائی زمانے میں ایسی بیعت نہیں کی تھی کہ حضرت ابوبکر کے ساتھ ہو لیتے، ان کے

(١) فتح الباري: ٦٣١/٩

پاس حاضر رہتے اور اس طرح کی کوئی صورت ہوتی......اور حضرت علی جیسے شخص کی حضرت ابوبکر جیسے شخص سے ایسی بیعت کہ ان کے درمیان مضبوط رابطہ اور نشست و برخاست نہ ہو، اس سے لوگوں میں اختلاف، ناراضگیوں اور خفگیوں کا تاثر ابھرا جو ایک قدرتی امر تھا، کیونکہ حضرت علی ایسے آدمی نہ تھے کہ اَجانب کی طرح رسمی بیعت کر کے بری الذمہ ہو جاتے، بلکہ بیعت کی صورت میں انہیں (ابوبکر کا) بھرپور ساتھ دینا چاہیے تھا، جو نظر نہ آیا۔ اندرونی صورت حال سے ناواقفوں کا یہ خیال کہ حضرت علی حضرت ابوبکر سے ناراضگی اور ان کی خلافت پر معترض ہونے کی وجہ سے الگ رہے، یہ اس وقت جاتا رہا جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وفاتِ فاطمہ کے بعد کھل کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی، تاکہ یہ شبہہ زائل ہو جائے۔

یہی بات قسطلانی نے بھی کہی ہے(۱)۔

روایتِ عائشہ کے حوالے سے توجیہات

بہرحال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت جس میں حضرت علی کا چھ ماہ بعد بیعت کرنے کا ذکر ہے، ہمارے علماء اس کی چار توجیہات کرتے ہیں یا کہئے جوابات دیتے ہیں:

۱- قاعدہ ہے "ليس الخبر كالمعاينه" یا شنیدہ کے بود مانند دیدہ، اس بناء پر ہم کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ کی روایت کے مقابلے میں ان صحابہ کی روایت زیادہ راجح اور قابل قبول ہوگی جنہوں نے بیعت کے ثبوت کا ذکر کیا ہے، کیونکہ وہ اس کے چشم دید گواہ ہوں گے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تو ظاہر ہے وہاں حاضر نہ تھیں، سو ان کی کہی ہوئی بات (محض مسموع ہونے کی وجہ سے) مرجوح قرار پائے گی۔

۲- چھ ماہ والی روایت میں بیعت کی نفی ہے اور دیگر روایات میں اثبات ہے۔ اور اثبات نفی پر مقدم ہوتا ہے اور نفی کے مقابلے میں راجح اور قوی تر ہوتا ہے۔

۳- متعدد احادیث میں امامِ زمانہ کی معرفت اور اس کی تصدیق کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ ان روایات

(۱) إرشاد الساري: ۱۵۸/۸

کا تقاضا یہ ہے کہ حضرت علی نے بیعت کی ہوگی، کیونکہ اتنا بڑا آدمی اس قدر سنگین جرم کا کیسے ارتکاب کر سکتا ہے، گو وہ عارضی اور وقتی ہی کیوں نہ ہو۔

۴- جس روایت میں تاخیرِ بیعت کا ذکر ہے وہ ابن شہاب زہری کی منقطع اور غیر متصل روایت ہے، جب کہ دوسری طرف ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موصول اور صحیح روایت میں فی الفور بیعت کا ذکر ہے، سو ظاہر ہے دوسری روایت ہی قابل اخذ ہے نہ کہ پہلی (۱)۔

حضرت علی کی بلا تاخیر بیعت کے دیگر دلائل وشواہد

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ کی صریح عبارتیں تو اس حوالے سے پہلے بھی گذر چکی ہیں، یہاں ان کے یہ الفاظ ملاحظہ کئے جائیں:

"مبايَعة علي بن ابي طالب إما في أولِ اليوم أو في اليومِ الثاني من الوفاة وهذا حقٌّ؟ فإن علي بن ابي طالب لم يفارِق الصديقَ في وقت من الاوقات ولم ينقطع في صلاة من الصلوات خلفه كما سنذكره وخرج معه إلى ذى القصة لما خرج الصديق شاهراً سيفَه يريد قتال اهل الرّدة".

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی نے وفات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد پہلے یا دوسرے ہی روز حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی، یہی بات ثابت ہے اور یہی حق ہے۔

اور یہ اس لئے کہ ایک تو حضرت علی کسی بھی وقت حضرت ابوبکر سے جدا نہیں ہوئے۔ مشوروں اور ضروری کاموں میں برابر ان کے ساتھ رہے۔ دوم اس لئے کہ حضرت علی نے حضرت ابوبکر کے پیچھے ہر نماز پڑھی اور آپ کی اقتداء میں نماز کا سلسلہ بالکل بھی منقطع نہیں کیا، سوم اس لئے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرتدین سے قتال کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے تو حضرت علی ان کے ساتھ ہو گئے تھے اور ان کی سرکردگی

(۱) "رحماء بينهم": ۱/۲٤۲، ۲٤۳

میں قتالِ مرتدین میں حصہ لیا۔

حضرت علی نے ابوبکر کو "خلیفہ بلافصل" کہا

اس طرح دارقطنی کی روایت ہے جس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے "ذی القصہ" کے لئے خروج کا ذکر ہے اور کہا گیا ہے کہ جب ابوبکر نکلنے کے لئے سواری پر بیٹھے تو حضرت علی نے ان کی سواری کا لگام پکڑا اور فرمایا:

"إلى أين يا خليفةَ رسولِ الله؟ أقول لك ما قال رسولُ الله يومَ أحد شم سيفك ولا تفجعنا بنفسك، وارجع إلى المدينة فوالله لئن فجعنابك لايكون للاسلام نظام أبداً فرجع وأمضى الجيش"(١).

جانشینِ رسول کہاں؟ میں تو تجھ سے وہی کہوں گا جو رسول اللہ نے اُحد کے دن کہا تھا، اپنی تلوار سونگھ اور ہمیں اپنے حوالے سے پریشان نہ کر، مدینہ واپس چلیں کیونکہ اگر آپ کو کچھ ہو جائے تو اسلام کا نظام کبھی نہیں رہے گا، چنانچہ ابوبکر واپس ہوئے اور لشکر کو جانے دیا۔

یہاں حضرت علی نے، حضرت ابوبکر کو 'خلیفۃ رسول اللہ' کہہ کر اور یہ کہہ کر۔ آپ کو کچھ ہو جانے سے اسلام کے نظام کو نقصان پہنچ جائے گا۔ انہوں نے حضرت ابوبکر کی فضیلت اور خلافت بلافصل کا اعتراف کرلیا ہے۔

صحابی رسول حضرت سعید بن زید کی بھی ایک روایت ابن جریر طبری نے روایت کی ہے جس میں یہ صراحت ہے کہ حضرت صدیق اکبر کی بیعت میں کسی صحابی نے تاخیر نہیں کی تھی۔ روایت کے الفاظ یوں ہیں:

"قال عمرو بن حريث لسعيد بن زيد أشهدتَ وفاةَ رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم؟ قال: نعم، قال: فمتىٰ بُويع ابوبكر؟ قال: يوم مات رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، كرهوا أن يبقوا بعض يوم وليسوا في

(١) البداية والنهاية: ٦/٣١١

جماعة. قال فخالف عليه أحد؟ قال لا! إلا مرتد أو مَن قد كاد أن يرتد لولا ان الله عزوجل ينقذهم من الأنصار. قال فهل قعد أحد من المهاجرين؟ قال: لا، تتابع المهاجرون علىٰ بيعته من غير أن يدعوهم"(۱).

عمرو بن حریث، سعید بن زید سے پوچھتے ہیں کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات میں موجود تھے؟ انہوں نے کہا، جی ہاں! کہا تو کس وقت ابوبکر کی بیعت ہوئی تھی؟ فرمایا جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو صحابہ نے دن کا کچھ حصہ بھی اس حالت میں گذارنا پسند نہ کیا جس میں وہ جماعت میں نہ ہوں، اوران کا باقاعدہ امیر نہ ہو (چنانچہ اسی دن انہوں نے ابوبکر کو خلیفہ بنادیا) سائل نے کہا تو کیا کسی نے اس بیعت میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مخالفت بھی کی تھی؟ فرمایا نہیں، سوائے اس کے جو مرتد تھا یا "قریب الارتداد" تھا، اگر اللہ انہیں نہ بچاتا، کہا کیا مہاجرین میں سے کسی نے انکار کیا تھا؟ فرمایا، مہاجرین نے تو پے در پے بن بلائے آ آ کر بیعت کی۔

علی کا یہ اعتراف کہ ابوبکر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے کیا

ایک اور روایت ملاحظہ ہو:

"...... حفص بن سليمان عن اسماعيل بن أميَّه عن سعيد بن المسيَّب قال خرج علي بن ابي طالب رضى الله تعالىٰ عنه لِبيعة أبي بكر فسمع مقالةَ الأنصار قال علي بن ابي طالب رضى الله تعالىٰ عنه: يا أيها الناس أيُّكم يؤخر من قدَّم رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم؟ قال سعيد بن المسيَّب فجاء عليٌّ بكلمة لم يأتِ بها أحد منهم"(۲).

حضرت علی رضی اللہ عنہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیعت کے لئے گھر سے باہر تشریف لائے پس راستہ میں بعض انصار سے بیعت کے متعلق کوئی بات سنی تو فرمانے لگے،

---

(۱) تاريخ ابن جرير طبري: ۱۰۲/۳، رحماء بينهم: ۲٤٥/۱

(۲) كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال لعلي المتقى، كتاب الخلافة، باب خلافة أبي بكر، رقم: ۱٤١٥٣، مؤسسة الرسالة

لوگو! جس شخص کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مقدم فرمادیا اس کو کون مؤخر کرسکتا ہے، سعید بن المسیب فرماتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ ایسی مضبوط بات فرمادی ہے کہ اس طرح کی بات کسی نے نہیں کہی۔

حضرت علی کا یہ اعتراف کہ ابو بکر دینی اعتبار سے سب سے افضل تھے

علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں:

"روى الحسن البصري عن قيس بن عبادة قال قال لي علي بن ابى طالب رضى الله تعالىٰ عنه إنَّ رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مرِض لياليَ وأياماً ينادي بالصلاة فيقول مُروا أبابكر يصلي بالناس، فلما قُبض رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم نظرتُ فإذا الصلاة علَمُ الإسلام وقِوام الديّن فرضينا لدنيانا مَن رضي رسولُ الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لدينِنا فبايعنا أبابكر"(۱).

قیس بن عبادہ کہتے ہیں کہ حضرت علی نے مجھ سے ذکر کیا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کئی دن اور کئی راتیں بیمار رہے ان دنوں آپ علیہ الصلاۃ والسلام اعلان فرماتے رہے کہ لوگوں کو ابو بکر نماز پڑھایا کرے (چنانچہ آپ کے مرض کے ان دنوں میں صدیق اکبر نماز پڑھاتے رہے) پھر جب آقائے نامدار کا وصال ہوا تو میں نے غور کیا اور مجھے پتہ چلا کہ نماز تو اسلام کا اہم نشان ہے اور دین کا قیام اس کے بغیر ممکن نہیں ہے، چنانچہ اس اہم امر کے لئے پیغمبر نے جسے ہمارا ذمہ دار بنایا، انہیں کو ہم اپنی دنیا کے لئے پسند کرتے ہیں اور یوں ہم نے ابو بکر کو پسند کیا، خلافت کے لئے۔

حضرت علی نے ہی ابو بکر کا استعفیٰ مسترد کیا

ایک اور روایت ہے بلاذری کی:

(۱) الاستيعاب لابن عبد البر، فضائل أبي بكر الصديق: ۲۹۷/۱

"عن ابى الجحاف قال لما بُويع أبوبكر وبايعه الناس قام ينادي ثلاثاً أيها الناس قد أقلتكم بيعتكم فقال علي والله لا نقيلُك ولا نستقيلُك قدّمك رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فما ذا يؤخّرك؟"(١)

یعنی "جب حضرت ابوبکر کی بیعت ہوئی اور لوگوں نے آپ کی بیعت کی تو آپ نے کھڑے ہوکر تین مرتبہ بآواز بلند اعلان کیا کہ میں نے تمہاری بیعت واپس کردی، یعنی تم میری جگہ کسی اور کو خلیفہ بناؤ۔ اس پر حضرت علی کھڑے ہوگئے اور فرمایا، نہ تو ہم آپ سے بیعت واپس لیتے ہیں اور نہ آپ سے اس کی واپسی کا کہتے ہیں۔ اللہ کے رسول نے آپ کو آگے فرمایا تو کون سی چیز ہے جو آپ کو پیچھے کررہی ہے؟"

زید بن علی کی ایک روایت ہے، فرماتے ہیں، ان کے آباء کرام نے نقل کیا ہے:

"قام أبوبكر على منبرِ رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال هل من كارهٍ فأقيله ثلاثاً يقول ذلك. فعند ذلك يقوم علي بن ابى طالب فيقول: لا! والله لا نقيلك ولا نستقيلك من ذا الذي يؤخِرك وقد قدّمك رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم "(١).

اس کا بھی تقریباً وہی مضمون ہے جو ابھی اوپر بیان ہوا۔

علی کا یہ اظہار کہ وہ کم زور نہیں مگر خلافت اس کا حق نہیں ہے

ایک اور روایت ہے:

"عن قيس بن عباد قال قال علي بن ابي طالب رضى الله تعالىٰ عنه والذي خلق الحبة وبرء النسمة لو عهد إليَّ رسول الله عهداً لجاهدت عليه ولم أترك ابنَ أبي قحافة يرقي درجةً واحدة من منبره".

حضرت علی فرماتے ہیں جس ذات نے دانہ کو اُگایا اور روح کو پیدا کیا، اگر رسول

---

(١) انساب الاشراف ...... أمر السقيفة: ١/٢٥٣

(٢) الرياض النضرة في مناقب العشرة ذكر استقالة أبي بكر من البيعة: ١/١٢٢

اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجھ سے خلافت کے حوالے سے کوئی عہد و پیان کرتے تو میں اس کے لئے جہاد کرتا اور ابوبکر کو ایک سیڑھی بھی منبر رسول پر چڑھنے نہ دیتا۔

کنز العمال کی ایک اور کافی مفصل روایت ہے، جس سے مکمل طور پر حضرات خلفاء ثلاثہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کی پوزیشن واضح ہوتی ہے۔ روایت یہ ہے:

”عن الحسن قال لما قدم علي البصرة في أمر طلحة وأصحابه قام عبدالله بن الكواء وابن عباد فقالا يا أمير المؤمنين أخبرنا عن سيرك هذا أوَصيّة أوصاك بها رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أم عهدًا عهِده عندك، ام رأياً رأيتَه حين تفرقت الأمة واختلفت كلمتها. فقال ما أكون أول كاذب عليه. والله ما مات رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم موتا فجاء ة. ولا قُتل قتلاً ولقد مكث في مرضه كل ذلك يأتيه المؤذن فيؤذنه بالصلاة فيقول: مروا ابابكر فليصل بالناس ولقد تركني وهو يرى مكاني ولو عهد إلي شيئاً لقمتُ به. فلما قبض رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم نظر المسلمون في أمرهم فإذا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قد ولّى أبابكر أمرَ دينهم فولّوه أمرَ دنياهم فبايعه المسلمون وبايعتُه معهم. وكنتُ أغزو إذا أغزاني واخذ إذا أعطاني وكنت سوطاً بين يديه في إقامة الحدود. فلو كانت محاباة عند حضور موته لجعلها في ولده، فاشار لعمر ولم يألُ فبايعه المسلمون وبايعته معهم فكنت أغزُو إذا أغزاني واخذ إذا أعطاني وكنت سوطاً بين يديه في إقامة الحدود فلو كانت محاباة عند حضور موته لجعلها في ولده، وكره ان يتخير من معشر قريش رجلاً فيوليه أمر الامة فلا تكون منه اساءة من بعده إلا لحِقت عمر في قبره فاختار منّاستةً أنا فيهم لنختار لِلامة رجلاً فلما اجتمعنا وثب عبدالرحمن بن عوف فوهب لنا نصيبه منها على أن نعطيه مواثيقَنا على أن يختار من الخمسة رجلاً فيوليه أمرَ الأمة

فأعطيناه مواثيقنا فأخذ بيد عثمان فبايعه ولقد عرض في نفسي عند ذلك، فلما نظرت في أمري فاذا عهدي قد سبق بيعتي فبايعت وسلمت وكنتُ اغزو إذا أغزاني واخذ إذا أعطاني، وكنتُ سوطاً بين يديه في اقامة الحدود، فلما قتل عثمان نظرت في أمري فاذا الموثقة التي كانت في عنقى لابي بكر وعمر قد انحلت وإذا العهد الذي لعثمان قد وفّيت به"(۱).

حضرت حسن کہتے ہیں جب طلحہ اوران کی جماعت کے معاملہ میں حضرت علی بصرہ تشریف لائے تو عبداللہ بن کواء اور ابن عباد حضرت علی کی خدمت میں کھڑے ہو گئے اور کہا آپ اس سفر کے متعلق کہئے کیا رسول اللہ نے آپ کو اس کے متعلق وصیت کی تھی؟ یا اس کا کوئی عہد و پیمان آپ سے لیا یا یہ آپ کی رائے ہے جب کہ امت متفرق ہو رہی ہے اور امت کی بات انتشار کا شکار بن رہی ہے۔

حضرت علی نے کہا، میں رسول اللہ پر پہلا جھوٹ باندھنے والا نہیں ہوں بخدا! آپ علیہ الصلاۃ والسلام کو کوئی اچانک موت نہیں آئی اور نہ کسی نے آپ کو شہید کیا۔ بلکہ آپ مریض رہے اور موذن آ کر آپ کو نماز کا بتاتا، تب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ابوبکر کو کہہ دو نماز پڑھائیں، اور میرے مقام کو جانتے ہوئے بھی رسول اللہ نے مجھے چھوڑا، حالانکہ اگر آپ میرے ذمے کچھ لگاتے تو ضرور میں اس کے لئے کھڑا ہوتا جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو مسلمانوں نے اپنے معاملے میں غور وفکر کیا، چنانچہ انہوں نے دیکھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں ایک دینی مسئلے میں ابوبکر کو ذمہ دار بنا کر دیا ہے تو کیوں نہ وہ انہیں اپنی دنیا کا بھی ذمہ دار بنا دیں۔ چنانچہ انہوں نے ابوبکر کو اپنا خلیفہ بنا دیا۔ مسلمانوں نے ابوبکر کی بیعت کر لی اور میں نے بھی ان کے ساتھ ابوبکر کی بیعت کی، چنانچہ وہ جب مجھے جہاد کے لئے تیار کرتے تو میں تیار ہو جاتا اور

---

(۱) كنز العمال خلافة أبي بكر، رقم: ۷٤۰٦۳، وإتحاف الخيرة المرة، كتاب قتال أهل البغي، رقم: ۳٤۳٦

جب وہ مجھے عطیات وغیرہ دیتے تو میں قبول کرتا اور میں ابو بکر کے سامنے شرعی حدیں قائم کرنے میں شریک اور خلیط رہتا تھا، پھر ابو بکر کی وفات کے وقت اگر وہ طرف داری اور اختصاص سے کام لیتے تو اسے اپنی اولاد میں رکھتے مگر انہوں نے عمر (رضی اللہ عنہ) کی طرف اشارہ کر دیا اور اس میں انہوں نے کوئی کوتاہی نہ کی۔

پھر مسلمانوں نے عمر (رضی اللہ عنہ) سے بیعت کی اور میں نے بھی ان کے ساتھ عمر (رضی اللہ عنہ) سے بیعت کی، اور وہ بھی جب (امیر المؤمنین کی حیثیت سے) جہاد کے لئے کہتے تو میں جہاد کرتا اور جب ہدیہ وعطیہ دیتے تو قبول کرتا۔ ان کے ساتھ حدود کے قیام میں شریک رہا، عمر اگر اپنی موت کے وقت اختصاص وجانبداری چاہتے تو اسے (خلافت کو) اپنی اولاد میں رکھتے مگر انہوں نے اسے قریش میں سے کسی ایک آدمی کے لئے پسند نہ کیا اور اسے ہم چھ آدمیوں کی کمیٹی میں کر دیا تاکہ ہم ایک آدمی کو امت کے لئے نامزد کر دیں۔ ہم نے عبد الرحمٰن بن عوف کو کوئی بندہ منتخب کرنے کا اختیار دیا۔ انہوں نے حضرت عثمان کو منتخب کر دیا اور ان کی بیعت کر لی اس وقت میں اپنے دل میں غور کرنے لگا تو میں نے محسوس کیا کہ میرا عہد میری بیعت سے سبقت کر چکا ہے، پس میں نے عثمان سے بیعت کی اور پھر جب وہ مجھے جہاد کے لئے کہتے تو میں ان کے ہمراہ جہاد کرتا اور جب وہ مجھے کچھ عطا کرتے تو میں لے لیتا۔ حدود اللہ قائم کرنے میں میں ان کا بھی معاون اور وسیلہ رہا اور پھر جب حضرت عثمان کو قتل کیا گیا تو میں نے اپنے دل میں سوچا اور تب میرے دل میں یہ بات آئی کہ ابو بکر اور عمر کا عہد و پیمان تو میں نے پورا کر دیا عثمان کا عہد بھی میں ادا کر چکا (چنانچہ اب میں ہی اس امر کا حق دار ہوں)۔

شیعوں کی کتب سے اس کی تائید

شیعہ جب عموماً اس مسئلے کو چھیڑتے ہیں تو حضرت علی کی طرف سے سیدنا ابو بکر کے ہاتھ پر بیعت کے حوالے سے وہ مختلف باتیں کہتے ہیں مثلاً یہ کہ مجبوراً اور اضطراراً انہیں بیعت کرنا پڑی تھی، یا یہ کہ فتنہ وفساد سے بچنے اور شر سے بچاؤ کے لئے انہوں نے بیعت کی تھی، یا یہ کہ مسلمانوں کو افتراق وانتشار سے بچانے کے لئے انہوں

نے بیعت کرلی تھی، یا پھر یہ کہ بیعت انہوں نے اس لئے نہیں کی تھی کہ وہ ابوبکر سے راضی ہو گئے تھے اور انہیں خلافت کا اہل اوران کی خلافت کو برحق سمجھتے تھے بلکہ محض از راہِ مصلحت انہوں نے اوپر اوپر سے بیعت کرلی تھی۔

بہر حال جو بھی وہ توجیہہ کریں مگر بیعت کے وقوع کا وہ اعتراف کرتے ہیں اور ایسی بھی کوئی بات نہیں کہ ان کی خانہ ساز تاویلات کا ہم جواب نہیں رکھتے ہیں، نہیں، ان کے بے بنیاد شبہات واعتراضات کی دلائل وشواہد اور تاریخی واقعات سے ہم تردید کرتے ہیں، مگر اس وقت ان تفصیلات کا ذکر مقصود نہیں ہے، صرف "والفضل ما شهدت به الأعداء" کے طور پر ان کی کچھ عبارات واعترافات ہم ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ اور مولانا محمد نافع صاحب نے اس حوالے سے بہت کچھ جمع فرمایا ہے جس کا مطالعہ مفید ہے۔

امام محمد باقر کے حوالے سے مذکور ہے، وہ فرماتے ہیں:

"وأبوا أن يبايعوا حتى جاء وا بأمير المؤمنين عليه السلام مكرهاً فبايع"(۱).

اور انہوں (حضرت علی کے حمایتیوں) نے بیعت سے انکار کیا تا آں کہ یہ لوگ امیر المؤمنین (علی) کو زبردستی لائے اور انہوں نے بیعت کی (تب ان لوگوں نے بھی کرلی)۔

دوسرا قول ہے:

"فلذلك كتم عليٌّ عليه السلام أمرَه وبايع مكرهاً حيث لم يجد أعواناً"(۲).

اسی لئے علی نے اپنا معاملہ چھپایا اور مددگار نہ ملنے کے باعث مجبوراً بیعت کی۔

شیعی مجتہد سید مرتضیٰ علم الہدیٰ کی کتاب الشافی کی تلخیص میں شیخ الطائفہ ابوجعفر الطوسی کہتے ہیں، "ثم مدّ يده فبايعه"(۳).

---

(۱) فروع کافی: ۱۱۵/۳، لکھنؤ

(۲) فروع کافی: ۱۳۹/۳

(۳) كتاب التلخيص للشافي، ص: ۳۹۸

امام باقر کا ایک اور قول ہے:

"فلما وردَ الكتابُ على أسامة انصرف بمَن معه حتى دخلَ المدينةَ فلما رأى اجتماع الخلقِ على أبي بكر انطلق إلى عليّ بن ابي طالب فقال ما هٰذا؟ قال له علي هذا ماترى، قال أسامةُ فهل بايعتَه؟ فقال: نعم"(۱).

یعنی "اسامہ بن زید کے پاس جب خط گیا تو وہ اپنے ساتھیوں سمیت مدینہ آئے یہاں آکر انہوں نے جب لوگوں کو ابوبکر کے پاس اکٹھا دیکھا تو علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آکر کہا، یہ سب کیا ہے؟ علی نے کہا جو آپ دیکھ رہے ہو۔ اسامہ نے کہا تو کیا آپ نے بیعت کی ہے؟ علی نے کہا، جی ہاں!"

مرتضیٰ علم الہدیٰ یہ بھی کہتے ہیں:

"فالظاهر الذي لا إشكال فيه أنه عليه السلام بايَع مستدفعاً للشَّر وفراراً من الفتنة"(۲).

واضح بات جس پر کوئی اشکال نہیں ہوسکتا، یہ ہے کہ حضرت علی نے شر دفع کرنے اور فتنے سے بچنے کے لئے بیعت کی تھی۔

ایک اور شیعہ مؤرخ لسان الملک مرزا محمد تقی حضرت علی کا اپنا ایک مقولہ بیان کرتا ہے:

"فمشيتُ عند ذلك إلى أبي بكر فبايعتُه ونهضتُ في تلك الأحداث حتى زاغ الباطل وزهق وكان كلمة الله هي العلياء ولو كره الكافرون. فتولى ابوبكر تلك الامور وسدّد ويسّر وقارَبَ واقتصدَ فصحبته مناصحاً وأطعتُه فيما أطاع الله فيه"(۳).

"اس وقت پھر میں چلا ابوبکر کے پاس اور ان کی بیعت کی اور ان واقعات میں

---

(۱) احتجاج الطبرسي، ص: ۵۰

(۲) كتاب الشافي للسيد مرتضى، ص: ۲۰۹

(۳) ناسخ التواريخ: ۵۳۲/۳

میں اٹھ کھڑا ہوا یہاں تک کہ باطل جاتا رہا اور اللہ کا کلمہ بلند ہوا اگر چہ کافر اس کو ناپسند کرتے رہے۔ چنانچہ ابوبکر نے ان امور کی ذمہ داری سنبھالی اور انہوں نے ٹھیک راستہ اختیار کیا، آسانی اور حق سے قربت پیدا کی اور میانہ روی اختیار کی تو میں ازراہِ خیر خواہی ان کے ساتھ ہوا اور جس میں انہوں نے اللہ کی طاعت کی، اس میں میں نے ان کی فرماں برداری کی"۔

نہج البلاغہ نامی مشہور کتاب میں حضرت علی کے یہ الفاظ ہیں:

"رَضينا عن الله قضاءَه وسلَّمنا لله أمرَه، أتراني أكذبُ على رسولِ الله صلى الله عليه وآله، والله لأنا أول من صدَّقه فلا أكون أول من كذب عليه فنظرتُ في أمري فإذا طاعتي سبقت بيعتي وإذا الميثاق في عنقي لغيري"(۱).

"اللہ تعالیٰ کے قضاء وقدر پر ہم راضی ہوئے اور اللہ کے امر کو ہم نے تسلیم کرلیا، کیا تو میرے متعلق خیال کرتا ہے کہ میں اللہ کے رسول کے خلاف جھوٹ بول دوں گا؟ حالانکہ بخدا میں آپ کی تصدیق کرنے والا پہلا آدمی ہوں لہٰذا اب میں آپ پر جھوٹ باندھنے والا پہلا آدمی نہیں بننا چاہتا، میں نے اپنے معاملے میں دیکھا تو یہ محسوس کیا کہ میری طاعت میری بیعت پر مقدم ہے اور میرے غیر (ابوبکر) کا عہد و پیمان میرے گلے میں ہے"۔

اس عبارت سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی نے برضا وخوشی حضرت ابوبکر کی بیعت کرلی تھی اور اس پر آپ کو آمادہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرامین اور ابوبکر کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلوک نے کیا، اسی لئے تو ابوبکر کی بیعت نہ کرنے سے ان کے کہنے کے مطابق رسول اللہ کی تکذیب لازم آرہی تھی ورنہ اور اس کی کیا وجہ تھی۔

ایک اور شیعہ عالم نے حضرت علی کے ایک واقعے کو ذکر کیا ہے اس سے بھی یہ معاملہ بالکل واضح ہوجاتا ہے بشرطیکہ انصاف اور دیانت کو ہاتھ سے جانے نہ دیا جائے۔

---

(۱) نهج البلاغة: ۸۹/۱

جنگِ جمل کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کچھ مخالفین ان کی مخالفت اور مخاصمت پر نادم ہوکر ان کے پاس معذرت کرنے آئے، ایک آدمی کو انہوں نے اپنا متکلم بنادیا تھا، اس نے جب بات شروع کی تو حضرت علی نے اسے روکا اور کہا:

"...... فبايعتُم أبابكر وعدلتم عني فبايعتُ أبابكر كما بايعتمُوه وكرهتُ أن أشق عصا المسلمين وأن أفرّقَ جماعتهم، ثم إن أبابكر جعلَها لِعمَر من بعده وأنتم تعلمون أني أولى الناس برسول الله صلى الله عليه وآله وبالناس من بعده فبايعتُ عمر كما بايعتموه فوفيت له ببيعتَه حتى لما قُتل جعلَني سادسَ ستة فدخلتُ حيثُ أدخلَني وكرهتُ أن أفرّق جماعة المسلمين وأشقَّ عصاهم فبايعتم عثمان فبايعته وأنا جالس في بيتي ثم أتيتموني غيرَ داعٍ لكم ولا مستكرِهٍ لأحد منكم فبايعتموني كما بايعتُم أبابكر وعمرَ وعثمانَ فما جعلكم أحقَّ أن تفوا لأبي بكر وعمر وعثمان ببيعتهم منكم ببيعتي؟ قالوا يا امير المؤمنين كن كما قال العبد الصالح: "لا تثريب عليكم اليوم يغفر الله لكم وهو أرحم الرّاحمين" فقال: كذلك أقول: "يغفر الله لكم وهو أرحم الراحمين"(۱).

تو تم نے ابوبکر کی بیعت کی اور مجھ سے پھر گئے، سو میں نے بھی تمہاری طرح ابوبکر کی بیعت کرلی اور مسلمانوں کی لاٹھی کو توڑنا اچھا نہیں جانا اور ان کی جماعت میں افتراق ڈالنا مناسب نہ سمجھا، پھر ابوبکر نے اسے عمر کے واسطے کردیا اپنے بعد۔ اور تم جانتے ہو کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ اور لوگوں کے زیادہ زیادہ قریب اور اولیٰ تھا، تو میں نے بھی تمہاری طرح عمر کی بیعت کرلی اور ان کی بیعت پوری کی...... حتیٰ کہ جب انہیں قتل کیا گیا تو انہوں نے خلافت کو چھ آدمیوں میں چھوڑا اور مجھے بھی ان میں سے چھٹا قرار دیا۔ تو جہاں انہوں نے مجھے داخل کیا میں وہیں داخل ہوا، اور میں نے مسلمانوں کی جماعت

(۱) أمالي شيخ طوسي: ۱۲۱/۲

کو متفرق کرنا اوران کی لاٹھی کو توڑنا اچھا نہ جانا، پھر تم نے عثمان کی بیعت کی تو میں نے بھی کردی اور میں گھر بیٹھا تھا پھر تم میرے پاس آئے جب کہ میں نے بلایا تھا، نہ مجبور کیا تھا کسی ایک کو بھی، پھر تم نے میری بیعت کی جیسے تم نے ابوبکر عمر اور عثمان کی بیعت کی تھی۔

اب تمہیں میری بیعت کے مقابلے میں ان کی بیعت پوری کرنے کا زیادہ حق دار کس چیز نے بنادیا (کہ تم ان کے خلاف نہیں اٹھے اور میرے خلاف اٹھ گئے ہو)، انہوں نے کہا امیر المؤمنین! جیسے بندۂ صالح (سیدنا یوسف علیہ السلام) نے کہا تھا، "لا تثریب علیکم الیوم یغفرُ اللّٰه لکم وهو أرحم الراحمين" آپ بھی ایسے ہو جاؤ۔ انہوں نے کہا، میں بھی یہی کہوں گا، "یغفرُ اللّٰه لکم وهو أرحمُ الراحمين".

حضرت علی اور خلفاء ثلاثہ میں باہمی اعتماد کا تعلق تھا

اس روایت میں صراحت کے ساتھ علی کا یہ قول ذکر کیا گیا ہے کہ انہوں نے حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان تینوں کی بیعت کی اور یہ بیعت کوئی جبری اور اضطراری بیعت بھی نہ تھی، بلکہ دوسرے لوگوں ہی کی طرح بیعت تھی، جیسے کہ بـایعتُه کما بایعتُموه کے الفاظ سے واضح ہے۔ پھر یہ بات بھی واضح ہے کہ حضرت علی میں اور دیگر خلفاء ثلاثہ میں اعتماد باہمی کا تعلق تھا، جیسے کہ حضرت علی کی اس بات سے ظاہر ہے کہ انہوں نے حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کی، پھر ان کی وصیت کے مطابق حضرت عمر کے ہاتھ پر بیعت کی اور حضرت عمر نے چھ رکنی کمیٹی میں علی کا نام بھی شامل کیا اور حضرت علی نے بھی عمر فاروق کی طرف سے تفویض کردہ ذمہ داری قبول کردی، ظاہر ہے یہ سب اعتماد اور تعاون کے مظاہر ہیں اور ان سب کا اعتراف خود شیعہ کر رہے ہیں اس کے باوجود شیعوں کا یہ کہنا کہ حضرت علی اور خلفاء ثلاثہ کے درمیان اندرونی اختلافات اور منافرت تھی، عصبیت اور کھلی زیادتی ہے۔

ایک اور شیعہ عالم ابو محمد حسن بن موسیٰ نوبختی لکھتے ہیں:

"إن علياً كان أولى الناس بعدَ رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وآله بالناس لفضلِه وسابقتِه وعلمِه وهو أفضل الناس كلِهم بعده وأشجعهم وأسخاهم وأورعهم وأزهدهم، وأجازوا مع ذلك إمامة أبي بكر وعمر وعدُّوهما أهلاً

لذلك المكان والمقام وذكروا أن علياً عليه السلام سلَّم لهما الأمرَ ورضي بذلك وبايعهما طائعاً غيرَ مكروه وترك حقّه لهما فنحن راضون كما رضي الله المسلمين له ولمن بايع لايحل لنا غير ذلك ولايسع منا أحداً إلا ذلك وأن ولاية أبي بكر صارت رشداً وهدى لِتسليم علي ورضاه ولولا رضاه وتسليمه لكان ابوبكر مخطئا ضالاً هالكا"(۱).

یعنی: ''علی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد اپنی فضیلت اور اسلام میں سبقت واَولیت کی بناء پر اور اپنے علم کی بدولت لوگوں کے لئے زیادہ حق رکھنے والے تھے اور رسول اللہ کے بعد سب لوگوں سے زیادہ افضل، زیادہ بہادر، زیادہ سخی، زیادہ نیک اور زیادہ زاہد تھے اور اس کے باوجود لوگوں نے ابوبکر وعمر (رضی اللہ عنہما) کی امامت جائز قرار دے دی اور ان دونوں کو اس مقام ومرتبے کا اہل شمار کیا اور یہ بھی ذکر کیا ہے کہ علی نے یہ امرِ (خلافت) ان دونوں کے سپرد کر دی تھی اور اس پر راضی ہو گئے تھے اور ان دونوں کی بیعت کی تھی، اپنی خوشی سے بغیر کسی مجبوری کے اور اپنا حق ان کے لئے چھوڑ دیا تھا، تو ہم راضی ہیں جس طرح اللہ مسلمانوں سے راضی ہیں، ان کے لئے اور ان کے لئے جنہوں نے ان سے بیعت کی، اس کے علاوہ کوئی بات ہمارے لئے جائز نہیں ہے اور نہ ہمارے لئے سوائے اس کے کوئی گنجائش ہے اور ابوبکر کی ولایت (وحکومت) رشد وہدایت بن گئی تھی، جب علی نے ان کے لئے اسے پسند کیا اور ان کے حوالے کیا......اور اگر علی کی رضامندی اور خلافت ان کے حوالے کرنا نہ ہوتا تو ابوبکر خطاکار بھٹکنے والے اور ہلاکت والے ہوتے''۔

حضرت ابوبکر کی افضلیت کا بیان حضرت علی کی زبانی

پھر حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان جن کو خلفاء ثلاثہ کہا جاتا ہے اور شیعہ حضرات بدقسمتی سے ان تینوں کی اُفضلیت، بلکہ مطلق فضیلت کا بھی انکار کرتے ہیں اور ان کا زعم یہ ہے کہ حضرت علی ہی رسول اللہ صلی

(۱) كتاب "فرق الشيعة" لابي محمد الحسن بن موسى توبختي من أعلام القرن الثالث للهجرة

اللہ علیہ وسلم کے خلیفۂ بلافصل تھے۔ جب کہ یہ زمینی حقیقت اور تاریخی حوالے سے تو ہے ہی خلاف واقع، دلائل وشواہد اور اقوال وروایات سے بھی اس کی تردید ہوتی ہے اور بالفاظ دیگر حضرت علی کا نمبر جس طرح واقعتاً چوتھا ہے، استحقاق اور مرتبے کے اعتبار سے بھی وہ چوتھے ہی نمبر پر تھے اور اس کے بے شمار شواہد ودلائل ہیں، جو تقریباً تواتر معنوی کے درجے میں مشہور ہیں۔ جیسے حضرت علی کا حضرت ابوبکر کی اقتداء میں نمازیں پڑھنے کا معاملہ ہے، ابن کثیر اس سلسلے میں فرماتے ہیں:

”وهٰذا حقٌّ فإن علي بن ابي طالب لم يفارِق الصديقَ في وقت من الأوقات ولم ينقطع في صلاةٍ من الصلوات خلفَه“(١).

دوسری جگہ کہتے ہیں:

”وهٰذا اللائق بعلي رضي الله عنه الذي يدل عليه الآثار من شهوده معه الصلواتِ وخروجِه معه إلى ذي القصة“(٢).

یعنی حق یہی ہے کہ حضرت علی نے حضرت صدیق کو کسی بھی وقت نہیں چھوڑا اور ان کے ساتھ تمام نمازیں پڑھتے رہے، ذی القصہ میں ان کے ساتھ رہے، اس پر آثار وروایات دال ہیں اور یہی حضرت علی کی شان کے لائق ہے۔ (نہ یہ کہ وہ چھپتا پھرے یا نہ چاہتے ہوئے بیعت کرلے)

یہ بات شیعہ حضرات بھی تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ ملا باقر مجلسی لکھتا ہے:

”حضر المسجدَ وصلى خلفَ أبي بكر“(٣).

حضرت علی مسجد گئے اور ابوبکر کے پیچھے نماز پڑھی۔

علی بن ابراہیم القمی کہتے ہیں:

”ثم قام وتهيَّأ للصلواة وحضرَ المسجد ووقفَ خلف أبي بكر وصلى لنفسِه“.

---

(١) البداية والنهاية: ٢٤٩/٥

(٢) البداية والنهاية: ٣٠٢/٦

(٣) مرآة العقول شرح الأصول، ص: ٣٨٨، مطبوعه ايران

یعنی پھر وہ (علی) کھڑے ہوئے اور نماز کی تیاری کی، مسجد گئے اور ابوبکر کے پیچھے کھڑے ہوکر نماز پڑھی(۱)۔

احتجاج طبرسی کی عبارت ہے:

"قام وتهيأ للصلاة وحضر المسجد وصلى خلفَ أبي بكر".

کھڑے ہوکر نماز کی تیاری کی، مسجد میں حاضر ہوگئے اور ابوبکر کے پیچھے نماز پڑھی (۲)۔

شیخ الطائفہ طوسی کہتے ہیں:

"وإن ادّعي صلاة مظهر للاقتداء فذاك مسلم لأنه الظاهر"(۳).

اور اگر اقتداء کا اظہار کرنے والے (نہ کہ اقتداء کرنے والے) کی نماز کا دعویٰ کیا جائے تو یہ تو مسلَّم ہے کیونکہ یہی ظاہر ہے۔

ایک اور عبارت ہے:

"وكان علي عليه السلام يصلي في المسجد الصلوات الخمس".

حضرت علی پانچوں نمازیں مسجد میں پڑھتے تھے (ظاہر ہے ابوبکر کی اقتداء میں)(۴)۔

محض ظاہری اقتداء کا دعوی شانِ مرتضوی کے منافی ہے

یقیناً جس طرح بعض اہل تشیع حضرت علی کی حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت اور ان کی اقتداء میں نماز پڑھنے کا یکسر انکار کرتے ہیں، اسی طرح بیعت اور نماز کے اعتراف کرنے والے بعض شیعہ بھی اس کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ یہ بیعت اور صلاۃ خلف أبی بکر بھی حضرت علی کی رضامندی اور تسلیم خلافتِ صدیقی کی دلیل نہیں ہے کیونکہ حضرت علی نے بس اوپر اوپر سے ہی بیعت کرلی تھی اور گو بظاہر نماز میں ابوبکر کی اقتداء کرنے لگے مگر

---

(۱) تفسیر قمي لعلي بن ابراهيم القمي تحت آیت فأتِ ذا القربیٰ حقَّه، ص: ۲۹۵

(۲) احتجاج طبرسي بحث احتجاج امير المؤمنين علي ابي بكر وعمر، ص: ۵۳

(۳) تلخيص الشافي، ص: ۳۵٤

(٤) كتاب سليم بن قيس العامري الهلالي الكوفي، مطبوعه حيدريه نجف اشرف عراق

حقیقت میں ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔

اس طرح کی جھوٹی اور بے بنیاد و مضحکہ خیز تاویل کرنے والے معلوم نہیں کیوں بھول جاتے ہیں کہ اس تاویل سے ہی ایسے بے شمار خدشات اور شبہات جنم لیتے ہیں کہ ان سے جان چھڑانے کے لئے پھر ہزار حیلے اور تکلفات اختیار کرنے پڑیں گے اور پھر اپنے مذہب کے متعدد مسلمات سے انہیں ہاتھ دھونا پڑے گا۔ مثلاً یہ کہ اگر حضرت علی نے اوپر اوپر سے ہی بیعت کی تھی اور ابو بکر کی اقتداء میں نماز پڑھتے تھے اور دل سے وہ ان کی بیعت کو ضروری اور اقتداء کو لازم بلکہ جائز بھی نہ سمجھتے تھے...... تو خلفاء ثلاثہ کی کل مدت جو قریباً ۲۴ سال بنتے ہیں۔ اس طویل عرصے تک ان (علی) کا جو عمل رہا، اسے کیا نام دیا جائے گا۔ اس سے وہ امت کو کیا پیغام دینا چاہ رہے تھے اور کیا نمونہ چھوڑنا چاہ رہے تھے اور اگر ایسا نہیں ہے بلکہ انہوں نے خود اپنے معاصر صحابہ کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کی خاطر اچھا برتاؤ کیا اور ان کی خاطر تواضع کی (جب کہ المعاصرة قنطرة المنافرة مشہور ہے) تو پھر تم شیعوں نے کیوں خلفاء ثلاثہ سے تا قیامت بغض ونفرت کی قسم کھا رکھی ہے۔

پھر حضرت علی کی ان ۲۴ سالہ نمازوں کا کیا بنا، کیا وہ ہر ہر نماز گھر جا کر دوبارہ لوٹاتے رہے، یا ابو بکر کی اقتداء میں کھڑے ہو کر اپنی نماز علیحدہ پڑھتے رہے؟ اور پھر جو بھی صورت انہوں نے اختیار کی ہو، کیا اس کے جواز وضرورت کی کوئی دلیل وحجت بھی ہے اور کیا علی جیسے شجاع وجری اور اسد اللہ کہلانے والے آدمی اس طرح کی مصلحت ومعذرت بلکہ تملُّق کی زندگی گزارتے رہے کہ کبھی اپنی زبان اور عمل سے ایک برے اور ظالمانہ عمل کے خلاف کچھ بھی ظاہر نہ کیا؟ اور پھر اگر حضرت علی اس طرح کے اعمال کرتے رہے جن کو وہ دل سے نہیں کرتے تھے اور ان کا عقیدہ اس کے برخلاف رہا تو ان کے کس عمل کو پھر قابلِ بھروسہ اور لائقِ اتباع سمجھا جائے گا اور کس کو نہیں؟

حضرت علی اور خلفاء ثلاثہ کا باہمی خوشگوار تعلق تھا

بہر حال اہل سنت اور اہل تشیع ہر دو کی کتابوں سے یہ بات ثابت ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سیدنا ابو بکر کی اقتداء میں نمازِ پنجگانہ ادا کرتے رہے، جس سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح حضرت صدیق کی خلافت برحق قبول کر لی تھی اور اس کی کامل اتباع کرتے رہے۔

دوسری دلیل اس کی یہ ہے کہ حضرت علی اور خلفائے ثلاثہ کے درمیان نہایت خوشگوار تعلقات قائم رہے۔

حضرت علی نے ان کی معاونت ونصرت، ان کی مشاورت اور خیر خواہی اور طاعت وفرماں برداری میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ چنانچہ طبقات ابن سعد کی ایک روایت ہے:

"عن عبدالرحمن بنِ القاسم عن أبيه أن أبابكر الصدّيق كان إذا نزل به أمرٌ يريد فيه مشاورةَ أهلِ الرأي وأهلِ الفقه دعا رجالاً من المهاجرين والأنصار ودعا عمرَ وعثمانَ وعلياً وعبدالرحمن بن عوف ومعاذ بن جبل وأبيَّ بن كعب وزيد بن ثابت وكل هؤلاء يفتي في خلاف أبي بكر وإنَّما تصير فتوى النَّاس إلى هؤلاء فمضىٰ أبوبكر على ذلك ثم ولي عمر فكان يدعو هؤلاء النفر"(١).

"عبدالرحمٰن بن القاسم اپنے والد قاسم سے نقل کررہے ہیں وہ فرماتے ہیں: ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جب کوئی مشکل پیش آتی تھی اور وہ اس میں اہل الرائے اور اہل فقہ سے مشاورت چاہتے تو مہاجرین اور انصار کے کچھ لوگوں کو بُلا کے عمر، عثمان، علی، عبدالرحمٰن بن عوف، ابی ابن کعب، زید بن ثابت کو بلاتے اور یہ سب ابوبکر کی خلافت میں فتویٰ دیتے تھے اور لوگوں کے فتوے کا کام انہیں لوگوں میں رہ گیا تھا، حضرت ابوبکر کی یہی روش رہی پھر انہوں نے خلافت عمر کے حوالے کی وہ بھی انہی حضرات کو بلاتے تھے"۔

ایک شیعہ مؤرخ بھی اس تاریخی حقیقت کا ان الفاظ میں اعتراف کرتا ہے:

"وكان مَن يؤخذ عنه الفقه في أيام أبي بكر، علي بن ابي طالب وعمرُ بن الخطاب، ومعاذ بن جبل، وأبي بن كعب، وزيد بن ثابت، وعبدالله بن مسعود"(٢).

یعنی ابوبکر کے ایامِ خلافت میں جن سے فتویٰ لیا جاتا تھا، ان میں علی بن ابی طالب، عمر بن خطاب، معاذ بن جبل، ابی بن کعب، زید بن ثابت اور عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہم) شامل تھے۔

---

(١) طبقات ابن سعد: ١٠٩/٢، باب اهل العلم والفتویٰ من اصحاب رسول الله ......

(٢) تاریخ یعقوبی از احمد بن ابی یعقوب بن جعفر العباسی الشیعی: ١٣٨/٢

ایک اور روایت ہے، جسے محب الطبری، ابن کثیر اور علی متقی صاحب کنز العمال وغیرہ نے ذکر کیا ہے:

"عن هِشام بن عُروه عن أبيه عن عائشة قالت: خرج أبي شاهراً سيفه راكباً على راحلتِه إلى ذى القصة فجاء عليّ بن ابي طالب فأخذ بزمامِ راحلتِه وقال إلى أين يا خليفةَ رسول اللّٰه؟ أقول لك ما قال لك رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم يوم أحد شم سيفَك ولا تفجعنا بنفسك فو اللّٰه لإن أصِبنابك لايكون للاسلام بعدك نظام أبداً فرجع وأمضى الجيشَ"(١).

حضرت عائشہ فرماتی ہیں: میرے والد تلوار نیام سے نکال کر اپنی سواری پر سوار ہوئے اور "ذی القصہ" کی طرف نکلے تو حضرت علی آئے اور ان کی سواری کی باگ پکڑ لی اور کہا، اے رسول اللہ کے خلیفہ! آپ خود کہاں تشریف لے جا رہے ہیں، میں آپ کو وہی بات کہوں گا جو اُحد کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے فرمائی تھی، آپ اپنی تلوار نیام میں کیجئے اور اپنے حوالے سے ہمیں پریشانی میں نہ ڈالئے۔ پس اللہ کی قسم! اگر ہم آپ کی ذات کی بابت کسی مصیبت میں ڈالے گئے تو آپ کے بعد اسلام کا کوئی نظام کبھی نہ ہوگا (یہ سن کر) ابوبکر لوٹ گئے اور لشکر روانہ کر دی۔

بہر حال ایسی بے شمار روایات اور تصریحات ہیں جن میں حضرت علی کی طرف سے خلافت صدیقی کی معاونت و مشاورت کے ذریعے تائید کا ذکر ہے۔ ان کے ساتھ جنگوں میں شرکت، ان کے حکم پر فتنوں کی سرکوبی، فتوی کے اہتمام اور دیگر ایسی سرگرمیوں کا ذکر ہے، جن سے ان حضرات کی باہمی معاونت و مودّت کا اندازہ ہوتا ہے۔

حضرت علی کے زبانی اصحابِ ثلاثہ کے فضائل کا بیان

پھر یہی حضرت علی ہیں، جن سے ابوبکر کی افضلیت، حضرات شیخین (ابوبکر وعمر) کے بے شمار مناقب وفضائل اور اصحاب ثلاثہ (ابوبکر، عمر، عثمان) رضی اللہ عنہم کی سبقت اور جلالت کے اعتراف کی واضح اور صریح

---

(١) رياض النضرة في مناقب العشرة: ١٣٠/١٥، البداية والنهاية: ٣١٥/٦، كنز العمال: ١٤٢/٣

روایتیں مروی ہیں۔

چنانچہ طبقات ابن سعد کی روایت ہے:

"عن ابي سريحه سمعت عليًا على المنبر ألا إن أبابكر أوّاه منيب ألا إن عمر ناصح لله فنصحَه"(۱).

ابوسریحہ کہتے ہیں میں نے علی کو منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا، لوگو! سنو! ابوبکر بڑے نرم دل، خدا کی طرف رجوع کرنے والے تھے، سنو! عمر اللہ کے دین کے خیر خواہ تھے، سو اللہ نے ان کی خیر خواہی فرمائی۔

طبقات ابن سعد ہی کی روایت ہے:

"عبيدالله بن موسىٰ قال أبوعقيل عن رجلٍ قال سُئل علي عن أبي بكر رضى الله تعالىٰ عنه وعمرَ، فقال كانا إمامَي هدى، راشدَين مصلحَين، منجحين خرجا من الدنيا خميصَين"(۲).

یعنی حضرت علیؓ سے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ دونوں ہدایت کے امام اور رہنما تھے، دونوں مصلح تھے، دونوں کامیاب وکامران تھے، دونوں دنیا سے بھوکے پیاسے گذرے۔

مسند احمد کی روایت ہے، عبداللہ بن مُلَیل کہتے ہیں:

"سمعتُ علياً رضي الله عنه يقول أعطي كلُّ نبي سبعةَ نجباء مِن أمتِهِ وأعطي النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أربعةَ عشر نجيباً من أمّته، منهم ابوبكر وعمر رضي الله عنهما"(۳).

فرمایا میں نے حضرت علی سے سنا، وہ فرمارہے تھے ہر نبی کو اس کی امت میں سے

---

(۱) طبقات ابن سعد: ۱۲۱/۳، تذکرہ صدیق أکبر......

(۲) طبقات ابن سعد: ۱۴۹/۳

(۳) مسند احمد: ۱۴۲/۱، سندات علی

سات نجیب ملے، مگر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان کی امت میں سے چودہ نجیب دیئے گئے، جن میں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی ہیں۔

اس طرح دوسری بے شمار روایات ہیں، جو حضرت علی سے مروی ہیں اور ان میں حضرت ابوبکر کی سبقت وفضیلت، استحقاق خلافت اور دیگر محاسن ومناقب کا ذکر ہے۔ ان میں ایسی روایات کی بھی کمی نہیں ہے جو اہل سنت اور اہل تشیع ہر دو کی معتبر کتب مین پائی جاتی ہیں اور ایسی بھی روایات ہیں جنہیں شیعہ حضرات نے نقل نہیں کیا ہے، ان اقوال کے علاوہ حضرت علی نے اپنے دورِ خلافت میں منبروں پر خطبات میں حضرات شیخین کی افضلیت کے حوالے سے جو تصریحات کی ہیں، وہ تو بقول حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ متواتر کے درجے کو پہنچے ہوئی ہیں۔

چنانچہ شاہ صاحب کے ایک جگہ الفاظ ہیں:

"ازوی (علي المرتضی) بطریق تواتر ثابت شده که بر منبر کوفه در وقتِ خلافت مے فرموده".

دوسری جگہ کہتے ہیں:

"واما موقوفه فمنه خير هذه الأمة ابوبكرٍ ثم عمرُ —متواتر— رواه ثمانون نفساً عن عليٍ".

ان رواۃ میں محمد بن حنفیہ، عبد خیر، وہب خیر (ابوجحیفہ)، وہب السوائی، عمرو بن حریث ابووائل، شقیق بن سلمہ، محمد بن عقیل، رافع ابوجعد، شریک بن عبداللہ، عبداللہ بن مسلمہ، نزال بن سبرہ، صعصعہ بن صوحان وغیرہ کی اپنی اپنی مرویات کے سلسلے ہیں۔

محمد بن حنفیہ کی حدیثِ باب

حدیثِ باب بھی محمد بن حنفیہ کی روایات میں سے ایک ہے۔ محمد بن حنفیہ، حضرت حسن اور حضرت حسین کے بعد حضرت علی کی اولاد میں سب سے افضل اور بہتر ہیں، ان کی والدہ (حنفیہ) خولہ بنت جعفر بن قیس ہے، حضرت ابوبکر صدیق کے دورِ خلافت میں قید ہو کر آئیں اور پھر حضرت علی کو عطا کی گئیں۔ انہیں کے بطن سے محمد پیدا ہوئے، ان کی ولادت حضرت فاروق اعظم کی خلافت ختم ہونے سے قبل ہوئی اور وفات ۸۱ یا ۸۳ ہجری

میں ہوئی، ساری زندگی حضرت علی کے ساتھ رہے، بڑے فضائل ومناقب والے ہیں، خلیفہ عبدالملک بن مروان کے عہد میں والی مدینہ مقرر کئے گئے تھے۔ ان ہی کی یہ روایت ہے جس میں وہ کہتے ہیں میں نے اپنے والد (علی المرتضیٰ) سے پوچھا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کون سب سے بہتر ہیں؟ انہوں نے کہا، ابوبکر! میں نے کہا، پھر؟ کہا، عمر! میں پوچھتا پھر کون؟ مگر خدشہ تھا کہ وہ عثمان کا نام لیں گے تو میں نے انداز بدل کر کہا اور پھر آپ؟ کہا میں تو مسلمانوں میں سے ایک آدمی ہوں، بس!

اس مضمون کی متعدد روایات عبدِ خیر اور وہبِ خیر سے بھی مروی ہیں (۱)۔

خلاصۂ بحث

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر کی خلافت بلافصل اور آپ کی افضلیت ایک مسلَّم اور متفق علیہ امر ہے اور حضرت علی نے دل وجان سے ابوبکر، عمر اور عثمان کی خلافت کو تسلیم کیا تھا اور ان کی ہر طرح سے معاونت ونصرت کی تھی، ان کے ساتھ پانچوں نمازیں پڑھتے رہے، ان کے ہمراہ جہاد میں حصہ لیتے رہے، ان کی عظمت اور فضیلت بیان کرتے تھے، ان کی توہین کرنے والوں سے براءت کا اظہار کیا۔

اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ استحقاقِ خلافت بلافصل حضرت علی کا تھا اور ابوبکر نے پھر عمر نے اور پھر عثمان نے ان سے خلافت غصب کی تھی تو یہ نہ صرف یہ کہ خلاف واقعہ اور نرا کذب وافتراء ہے، بلکہ یہ حضرت علی جیسے دلیر اور شجاع آدمی پر الزام اور ان کی بے ادبی کے مترادف ہے اور جن شیعہ حضرات کا کہنا ہے کہ خلافت حق تو حضرت علی کا تھا، مگر انہوں نے ازراہِ مصلحت اور مسلمانوں کو متحد ومجتمع رکھنے کے لئے اس بارے میں کچھ نہ کہا، تو انہیں سوچنا چاہیے کہ اگر حضرت علی نے اپنا حق اپنے معاصروں کو معاف کردیا یا ازراہِ مصلحت اسے اچھالا نہیں تو تم کیوں بلاوجہ اس کا ڈھنڈورا پیٹ رہے ہو اور سلف واکابرِ امت پر لعن طعن کررہے ہو، اور اللہ کے برگزیدہ بندوں پر کیچڑ اچھالتے ہو کیا تم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ حق کے پاسدار یا ان کی ذات کے وفادار ہو......؟ اپنے مقتداء کی طرح اس مسئلے کو دفن کردو نا!!!

---

(۱) دیکھئے، تاريخ ابن خلكان: ۱/ ٤٥٠، أمالي شيخ ابى جعفز الطوسى الشيعي: ۱/ ۷، طبع جديد نجف اشرف عمدة الطالب سيد جمال الدين لابن عنبه الشيعي، مجالس المؤمنين، مجلس چهارم قاضي نور الله شوستري شيعي، تحفه الأحباب، ص: ۳۲۷، وغيره.

حدیث باب کی مزید تشریح

محمد بن سوقة عن منذر عن محمد بن علی (محمد بن الحنفیة) کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

"قلتُ لأبي: يا أبتي مَن خَير الناس بعد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم؟ قال أو ما تعلم يا بُني؟ قلت: لا، قال: ابوبكر!"(۱).

اور حسن بن محمد بن الحنفیہ عن أبیہ..... کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

"قال سبحان الله يا بُنَيَّ، ابوبكر"(۲).

اور امام احمد نے ابوجحیفہ کی روایت نقل کی ہے:

"قال لي علي: ياأبا جُحيفة ألا أخبرك بأفضل هذه الأمة بعد نبيّها؟ قلت بلى. قال: ولم أكن أرى أن أحداً أفضل منه".

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا، ابوجحیفہ! تجھے اس امت کے نبی کے بعد سب سے افضل شخص کے بارے میں نہ بتاؤں؟ میں نے کہا کیوں نہیں! اور میرا خیال نہیں تھا کہ آپ (علی) سے کوئی بہتر ہوگا۔

اس کے بعد علی نے فرمایا

"أفضل هذه الأمة بعد نبيّها أبوبكر وبعد أبوبكر عمر رضي الله عنهما".

اس امت میں اس کے نبی کے بعد سب سے بہتر ابوبکر اور پھر عمر ہیں۔

اور آخر میں کہا:

"وبعدَهما آخر ثالث لم يسمّه"(٤).

ان دونوں کے بعد تیسرا ایک اور ہے۔ اور اس کا نام (علی نے) نہیں لیا۔

---

(۱) ذخيرة الحفاظ، رقم: ۳۷۹۱

(۲) السنة لأبي عاصم، باب في ذكر خلافة علي: ۵۷۲/۲

(۳) مسند احمد مسند على، رقم: ۸۳۵، وفضائل الصحابة لأحمد، رقم: ٤٠٦

جب کہ ایک اور روایت ہے، "أبو جحيفه" کے طریق سے فرمایا:

"وإن شئتم أخبرتكم بخير الناس بعد عمر" فلا أدري استحيى أن يذكر نفسه أو شغله الحديث"(١).

یعنی فرمایا اگر تم چاہو تو عمر رضی اللہ عنہ کے بعد لوگوں میں سے بہتر کے بارے میں تمہیں بتاؤں، پھر میں نہیں جانتا کہ وہ اپنا ذکر کرنے سے شرما گئے یا کسی بات نے انہیں مشغول کرلیا۔

حضرت علی کی افضلیت محض راویوں کا اپنا خیال ہے

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ "أفضل الأمت" اور خیر امت تو حضرت ابوبکر صدیق تھے اور یہ ایک واضح اور بے غبار حقیقت تھی، جیسے کہ حضرت علی کے اسلوب "أو ما تعلم......" سے معلوم ہوتا ہے، تاہم محمد بن الحنفیہ کو اس حوالے سے تردد تھا یا، ان کی خواہش تھی، یا ان کا خیال تھا کہ حضرت علی افضل ہیں اس لئے انہوں نے بارہا پوچھا اور یا یہ کہا "ولم أكن أرى أن أحداً أفضل منه" میں ان سے بہتر کسی کو نہیں سمجھتا تھا......اور کہیں حضرت علی کی خاموشی کی یہ توجیہ کی کہ وہ اپنی افضلیت کے متعلق بتانے سے شرماتے تھے، یہ محمد بن الحنفیہ اور ابو جحیفہ وغیرہ کی اپنی رائے اور اپنا خیال تھا اور اس حد تک یہ خیال درست بھی تھا کہ حضراتِ شیخین اور حضرت عثمان کے بعد تو حضرت علی افضلِ امت تھے بھی۔ جب کہ ابونعیم کی ایک روایت میں ابو جحیفہ ہی سے یہ بھی مروی ہے:

"ولو شئتُ أن أخبرَكم بالثَّالث لأخبرتُكم ثم نزَل مِن على المنبر وهو يقول: عثمان عثمان"(٢).

وَخَشِيتُ أَنْ يَقُولَ ......

محمد بن الحنفیہ کہتے ہیں کہ پھر چونکہ مجھے خدشہ ہوا کہ تیسرا نام بھی حضرت علی، اپنے بجائے حضرت عثمان کا لے لیں گے، جب کہ میں شیخین کے بعد ان کا نام سننے کے لئے تیار نہ تھا، تو میں نے کہا اور پھر آپ؟ محمد بن

(١) مسند احمد، مسند علي، رقم: ٨٧٩

(٢) حلية الأولياء بشر بن حارث: ٣٥٩/٨

سوقہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

"ثم عجلت للحداثة فقلتُ ثم أنت يا أبتي؟ فقال: ابوك رجلٌ من المسلمين"(١).

یعنی اس موقعہ پر نوعمری کی وجہ سے میں نے عجلت سے کام لیتے ہوئے کہہ دیا کہ اور پھر ابا جان آپ؟ اس پر انہوں نے کہا، تیرا والد تو بس مسلمانوں میں سے ایک عام آدمی ہی ہیں۔

اور حسن محمد کی روایت میں ان الفاظ کا اضافہ ہے:

"لِي مالهم وعليَّ ما عليهم"(٢) جو عام مسلمانوں کے لئے ہے وہ میرے لئے ہے اور جو اُن پر ہے وہ مجھ پر ہے یعنی میری کوئی خصوصیت نہیں ہے۔

حضرت علی خود کو "رجل من المسلمين" کیوں کہتے تھے

علماء فرماتے ہیں حضرت علی نے جو یہ فرمایا تھا کہ میں ایک عام مسلمان ہوں، یہ محض از راہِ تواضع انہوں نے کہا تھا، کیونکہ یہ سوال اس وقت کیا گیا تھا جب حضرات شیخین تو کیا حضرت عثمان بھی شہید ہو گئے تھے اور اس وقت أفضل الناس بلاشبہ حضرت علی تھے اور حضرت علی خود اس بات کو جانتے تھے۔ جہاں تک محمد بن الحنفیہ کا یہ خوف ہے کہ حضرت علی کہیں عثمان کا نام نہ لے لیں تو یہ بھی اسی واسطے تھا کہ وہ محمد، ابوبکر، وعمر کے بعد حضرت علی کی افضلیت کے قائل تھے جب کہ حضرت علی سے رسول اللہ اور شیخین کے بعد تیسرے درجے میں حضرت عثمان کا نام اپنے اعتقاد کے مطابق سننے کے لئے تیار نہ تھے۔

اب یہ کہ شیخین کے بعد کیا عثمان کا مرتبہ تھا یا علی کا، اس حوالے سے روایات اور اقوال میں کافی اضطراب ہے۔

خیثمہ "فضائل الصحابہ" میں عبید بن ابی الجعد عن أبیہ کے طریق سے کہتے ہیں:

"أن علياً قال: "ألا أخبركم بخير أُمَّتِكم بعد عمر؟ ثم سكتَ، فظننا

---

(١) مصنَّف ابن شيبة ما ذكر في أبي بكر، رقم: ٣٢٦٠٨

(٢) السنة لابن أبي عاصم، ذكر خلافة علي، رقم: ١٢٠٧

أنه يعني نفسه"(١).

علی نے فرمایا کہ میں عمر کے بعد تمہاری امت کا سب سے بہتر آدمی تمہیں نہ بتاؤں؟ پھر حضرت علی خاموش ہو گئے جس سے ہم نے یہ سمجھا کہ وہ بہتر آدمی خود علی ہیں۔

اسی لئے انہوں نے اس کی تصریح نہیں کی۔ جب کہ عبدِ خیر کی روایت یہ ہے کہ حضرت علی نے یہ ارشاد واقعہ نہروان کے بعد یعنی ۳۸ ہجری کو فرمایا اور اس حدیث کے آخر میں انہوں نے یہ بھی اضافہ فرمایا:

"أحدثنا أموراً يفعل الله فيها ما يشاء"(٢) ہم نے کئی نئی چیزیں ایجاد کی ہیں، ان سے متعلق اللہ تعالیٰ جو چاہیں گے فیصلہ کردیں گے۔

ابن عساکر ایک ضعیف طریق سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت علی نے یہ بھی فرمایا، "إن الثالث عثمان"(٣) وہ تیسرے آدمی عثمان ہیں اور ایک اور طریق سے ابو جحیفہ کہتے ہیں، "فرجعت الموالي يقولون: كنى عن عثمان، والعرب تقول: كنى عن نفسه"(٤).

یعنی تیسرے آدمی یا حضرت عمر کے بعد افضلِ امت کی تصریح تو نہیں ہوئی البتہ بتانے کا کہہ کر حضرت علی خاموش ہو گئے۔ اب موالی حضرات (وہ غیر عرب، آزاد کردہ غلام جو علم دین حاصل کر کے امت کے مقتداء بنے) نے عموماً یہ کہہ دیا ہے کہ ان کا اشارہ عثمان کی طرف تھا، جب کہ عرب (اہلِ علم) کہتے ہیں ان کا اشارہ اپنے آپ کی طرف تھا اور یہ اختلاف ہی اس بات کی دلیل ہے کہ انہوں نے تصریح نہیں فرمائی نہ اپنی افضلیت کی اور نہ عثمان کی؟

ویسے یہ مسئلہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے کہ ابوبکر وعمر کے بعد افضل کون تھے عثمان یا علی، اور یہ بھی گذر چکا کہ اہل سنت والجماعۃ کا اجماع اس پر منعقد ہو چکا ہے کہ خلفاء راشدین میں جو ترتیبِ خلافت ہے وہی ترتیب فضیلت ہے اور خلافت میں علی کا چوتھا نمبر ہے لہٰذا افضلیت میں بھی ان کا چوتھا ہی نمبر ہوگا۔

قرطبی نے اس سلسلے میں "المفهم" میں جو کچھ فرمایا، اس کا خلاصہ یہ ہے:

---

(١) مسند أبي يعلى، رقم: ٥٤٠، ومعجم الاسماعيلي، حرف الجيم: ٥٩٥/٢، فتح الباري: ٣٣/٧

(٢) فضائل الصحابة لأحمد، رقم: ٤٢٢، ومسند أحمد مسند علي، رقم: ١٠٣٢

(٣) فتح الباري: ٣٤/٧

(٤) معجم ابن المقرئ: ٧٣/٢، بحواله "رحماء بينهم"، فتح الباري: ٣٤/٧

"الفضائل جمع فضِيلة، وهي الخَصلةُ الجميلة التي يحصل لصاحِبها بسببها شرفٌ وعلوُّ منزلةٍ إما عند الحق وإما عند الخَلق، والثاني لا عِبرة به إلا ان أوصل إلى الاول. فإذا قلنا فلان فاضل فمعناه ان له منزلةً عند الله وهذا لا توصل إليه إلا بالنقل عن الرسول، فإذا جاء ذلك عنه إن كان قطعياً قطَعنا به أو ظنياً عملنا به، وإذا لم نجد الخبرَ فلا خفاء أنا إذا رأينا مَن أعانه الله على الخير وليس له أسبابُه أنا نرجو حصول تلكَ المنزلةِ له لما جاء في الشريعة من ذلك"(١).

فرمایا "فضائل فضیلة کی جمع ہے اور یہ اچھی خصلت کو کہا جاتا ہے، جس کے سبب اس خصلت والے کو شرف اور مقامِ عالی حاصل ہوتا ہے یا تو حق سبحانہ وتعالیٰ کے ہاں اور یا پھر مخلوق کے ہاں ...... لیکن مخلوق کے ہاں شرف کا اس وقت تک اعتبار نہیں ہے جب تک وہ حق سبحانہ کے ہاں والے شرف سے نہ ملے۔ چنانچہ جب ہم کہتے ہیں: "فلان فاضل" (فلاں فضیلت والا) ہے تو اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ اس کا اللہ کے ہاں مرتبہ ہے، اور یہ مرتبہ جب کسی کے لئے ثابت ہوتا ہے تو رسول اللہ سے نقل ہی سے ثابت ہوتا ہے اور جب رسول اللہ کی طرف سے یہ نقل ہوتا ہے تو اگر اس کا ثبوت اور نقل قطعی ہو تب تو ہم قطعیت کے ساتھ یہ جان لیتے ہیں کہ یہ امر ایسا ہی ہے ...... اور اگر ثبوت ظنی ہو تو بھی ہم اس پر عمل کر لیتے ہیں۔ اور جب ہم کوئی خبر نہیں پاتے تو کوئی خِفاء (اور شبہ) نہیں ہے کہ جب ہم کسی ایسے آدمی کو دیکھتے ہیں جس کی اللہ کی طرف سے اعانت ہو رہی ہو خیر کے بارے میں اور اللہ اس کے لئے خیر کے اسباب کو میسر فرما رہے ہوں تو بھی ہم امید رکھتے ہیں کہ اسے وہ فضیلت اور علوِ مرتبت حاصل ہوگا کیونکہ شریعت میں اس بات کا ذکر اور ثبوت ملتا ہے کہ اسبابِ خیر مہیا ہونا فضیلت ہے"۔

(١) المفهم، باب فضائل أبي بكر ......

پھر فرمایا:

اور جب یہ بات ثابت ہو چکی تو اب اہل سنت کے ہاں ابوبکر کی افضلیت قطعی ہے پھر ان کے بعد عُمر کی افضلیت قطعی ہے۔ پھر ان کے بعد اختلاف ہے۔ جمہور تو عثمان کی تقدیم اور افضلیت کے قائل ہیں جب کہ امام مالک سے اس حوالے سے توقُّف منقول ہے اور مسئلہ بہر حال اجتہادی ہے اور اس میں مستند بات یہ ہے کہ ان چار حضرات (ابوبکر، عمر، عثمان، علی) کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی خلافت اور ان کے دین کی اقامت کے لئے پسند اور منتخب فرمایا تو ان میں مراتب اور فضیلت کے اعتبار سے بھی وہی ترتیب ہوگی جو اُن میں خلافت کے اعتبار سے رہی ہے۔ واللہ اعلم (۱)۔

۳٤٦٩ : حدّثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ ، عَنْ مالِكٍ ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عائِشَةَ رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهَا أَنَّهَا قالَتْ : خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ ٱللّٰهِ ﷺ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ ، حَتَّى إِذَا كُنَّا بِالْبَيْدَاءِ ، أَوْ بِذَاتِ الْجَيْشِ ، ٱنْقَطَعَ عِقْدٌ لِي ، فَأَقامَ رَسُولُ ٱللّٰهِ ﷺ عَلَى ٱلْتِماسِهِ ، وَأَقَامَ النَّاسُ مَعَهُ ، وَلَيْسُوا عَلَى ماءٍ ، وَلَيْسَ مَعَهُمْ ماءٌ ، فَأَتَى النَّاسُ أَبَا بَكْرٍ ، فَقالُوا : أَلَا تَرَى ما صَنَعَتْ عائِشَةُ ، أَقامَتْ بِرَسُولِ ٱللّٰهِ ﷺ وَبِالنَّاسِ مَعَهُ ، وَلَيْسُوا عَلَى ماءٍ ، وَلَيْسَ مَعَهُمْ ماءٌ ؟ فَجاءَ أَبُو بَكْرٍ وَرَسُولُ ٱللّٰهِ ﷺ وَاضِعٌ رَأْسَهُ عَلَى فَخِذِي قَدْ نامَ ، فَقالَ : حَبَسْتِ رَسُولَ ٱللّٰهِ ﷺ وَالنَّاسَ ، وَلَيْسُوا عَلَى ماءٍ ، وَلَيْسَ مَعَهُمْ ماءٌ ، قالَتْ : فَعاتَبَنِي ، وَقالَ ما شاءَ ٱللّٰهُ أَنْ

---

(۱) فتح الباري: ٩/٤١

(٣٤٦٩/٣٤٧٠) الحديث أخرجه البخاري في صحيحه: ٥١٧/١، في كتاب فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم "لو كنت متخذا خليلاً"، رقم: ٣٦٦٩، وفي: ٦٤٠/٢، كتاب المغازي، باب مرض النبي ووفاته، رقم: ٤٤٥٤، وباب آخر ما تكلم به النبي صلى الله عليه وسلم، رقم: ٤٤٦٣، وفي: كتاب المرضى، باب تمني المريض الموت، رقم: ٥٦٧٤، وفي: كتاب الدعوات، باب دعاء النبي صلى الله عليه وسلم "اللّهم الرفيق الاعلىٰ"، رقم: ٦٣٤٨، وفي كتاب الرقاق، باب من أحب لقاء الله أحبَّ الله لقاءه، رقم: ٦٥٠٩، ومسلم في صحيحه: ٢٨٦/٢، كتاب الفضائل، باب في فضل عائشة رضي الله عنها، رقم: ٢٤٤٤، والإمام مالك في الموطأ: في الجنائز، باب جامع الجنائز: ٢٣٨/١، ٢٣٩

يَقُولَ ، وَجَعَلَ يَطْعُنُنِي بِيَدِهِ فِي خَاصِرَتِي ، فَلَا يَمْنَعُنِي مِنَ التَّحَرُّكِ إِلَّا مَكَانُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ عَلَى فَخِذِي ، فَنَامَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ حَتَّى أَصْبَحَ عَلَى غَيْرِ مَاءٍ ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ آيَةَ التَّيَمُّمِ فَتَيَمَّمُوا ، فَقَالَ أُسَيْدُ بْنُ الْحُضَيْرِ : مَا هِيَ بِأَوَّلِ بَرَكَتِكُمْ يَا آلَ أَبِي بَكْرٍ ، فَقَالَتْ عَائِشَةُ : فَبَعَثْنَا الْبَعِيرَ الَّذِي كُنْتُ عَلَيْهِ ، فَوَجَدْنَا الْعِقْدَ تَحْتَهُ . [ر : ۳۲۷]

۳٤۷۰ : حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنِ الْأَعْمَشِ قَالَ : سَمِعْتُ ذَكْوَانَ يُحَدِّثُ ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي ، فَلَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا ، مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيفَهُ) .

تَابَعَهُ جَرِيرٌ ، وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دَاوُدَ ، وَأَبُو مُعَاوِيَةَ ، وَمُحَاضِرٌ ، عَنِ الْأَعْمَشِ .

رجال

قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ

یہ شیخ الاسلام ابو رجاء قتیبہ بن سعید بن جمیل بن طریف الثقفی ہیں۔ ان کے احوال "كتاب الإيمان، باب إفشاء السلام من الإسلام" میں گذر چکے ہیں (۱)۔

مَالِكٌ

یہ مالک بن انس امام دار الہجرۃ ہیں۔ ان کے احوال "كتاب الإيمان، باب من الدين الفرار من الفتن" کے تحت گذر چکے ہیں (۲)۔

عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ

یہ عبد الرحمن بن القاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق ہیں۔ ان کے احوال گذر چکے ہیں (۳)۔

---

(۱) دیکھئے، كشف الباري: ۲/۱۸۹

(۲) دیکھئے، كشف الباري: ۲/۸۰

(۳) دیکھئے، صحيح البخاري، كتاب الغسل، باب هل يدخل الجنب يده في الاناء قبل أن يغسلها، رقم (۲٦۳)

عَنْ أَبِيهِ

قاسم بن محمد بن ابی بکر مراد ہیں۔ان کے احوال بھی گذر چکے ہیں (۱)۔

عَائِشَةَ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ مراد ہیں۔

خاندانِ ابوبکر کی برکت

اس حدیث کی تشریح كتاب التيمم میں شارحین بخاری نے بیان کی ہے اور وہی اس کا موقع اور محل ہے، یہاں اس سے مقصود اُسید بن حُضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ بات اور یہ جملہ ہے، "مَا هِيَ بِأَوَّلِ بَرَكَتِكُمْ يَا آلَ أَبِي بَكْرٍ" ان الفاظ سے حضرت ابوبکر کی جو فضیلت معلوم ہوتی ہے، وہ ظاہر ہے اور یہی حدیث سے ترجمۃ الباب کی مناسبت ہے۔

ایک جگہ یہ الفاظ ہیں:

"جزاكِ الله خيراً، فوالله مانزل بكِ أمر تكرهينه إلا جعَل الله ذلكِ لكِ وللمسلمين فيه خيراً"(۲).

ایک اور جگہ یوں آیا ہے:

"جزاكِ الله خيراً فوالله مانزل بكِ أمر قط إلا جعل الله لكِ منه مخرجاً وجعلَ للمسلمين فيه بركة"(۳).

آپ کو اللہ تعالیٰ بہترین بدلہ دے، بخدا آپ پر کبھی کوئی مشکل ایسی نہیں آئی جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو خلاصی اور مسلمانوں کو اس سے کوئی بہت بڑی بھلائی نہ دی ہو۔حکمِ حجاب اور حکمِ تیمّم وغیرہ کی طرف اشارہ ہے۔حجاب کا حکم حضرت عائشہ پر تہمت لگائے جانے کے موقع پر نازل ہوا تھا اور تیمّم کا حکم ان کا ہار گم ہوجانے کے موقع پر۔دونوں میں انجام کار اللہ تعالیٰ کا جو معاملہ رہا اس سے حضرت ابوبکر کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

---

(۱) دیکھئے،فتح الباري: ۹/۴۱

(۲) صحيح البخاري، كتاب التيمم، باب إذا لم يجد ماء أولا تراباً، رقم (۳۳٦)

(۳) صحيح البخاري، كتاب فضائل اصحاب النبي، باب فضل عائشه رضي الله عنها، رقم (۳۷۷۳)

تراجم رجال

آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ

یہ آدم بن ابی ایاس ابوالحسن العسقلانی ہیں۔ ان کے احوال "كتاب الإيمان، باب المسلم مَن سلِم المسلمون من لسانِه ويدِه" میں گذر چکے ہیں(۱)۔

شُعْبَةُ

یہ شعبۃ بن الحجاج بن الورد العتکی الواسطی البصری ہیں۔ ان کے احوال "كتاب الايمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده" میں گذر چکے ہیں(۲)۔

الأَعْمَشِ

یہ ابومحمد سلیمان بن مہران اسدی کوفی ملقب بہ اعمش ہیں۔ ان کا تذکرہ "كتاب الإيمان، باب ظلمٍ دون ظلمٍ" کے تحت گذر چکا ہے(۳)۔

ذَكْوَانَ

یہ ابوصالح ذکوان السمان یا الزیات ہیں۔ ان کا تذکرہ "كتاب الإيمان، باب امور الايمان" کے تحت ہو چکا ہے(۴)۔

أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ

ابوسعید خدری صحابی رسول مراد ہیں، ان کے احوال "كتاب الإيمان، باب من الدين الفرار من الفتن" میں گذر چکے ہیں(۵)۔

---

(۱) دیکھئے، کشف الباري: ۱/۶۷۸

(۲) دیکھئے، کشف الباري: ۱/۶۷۸

(۳) دیکھئے، کشف الباري: ۲/۲۵۱

(٤) دیکھئے، کشف الباري: ۱/۶۵۸

(٥) دیکھئے، کشف الباري: ۲/۸۲

''سابقین اولین'' کا مقام ومرتبہ

لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي ...... بعض روایات میں اس ارشاد نبوی کی شانِ ورود کا ذکر ہے اوران میں یہ تصریح ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہما کے درمیان کچھ نزاع اوراختلاف پیدا ہوا تھا اور حضرت خالد بن ولید نے عبدالرحمٰن بن عوف کو برا بھلا کہا تھا، اس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے صحابی کو گالی نہ دو...... ظاہر ہے اس کا مطلب یہی تھا کہ فتح مکہ کے بعد والے صحابہ متقدمین صحابہ کو گالیاں نہ دیں، ورنہ تو صحابہ تو دونوں فریق تھے۔ اگر مطلق صحابی مراد ہوتا پھر تو آپ کو یہ کہنا چاہیئے تھا میرے صحابی ایک دوسرے کو گالی نہ دیں۔ اوراُس صورت میں اس ارشاد سے مقصود فقط گالی کی شناعت بیان کرنا ہوتا، جب کہ یہاں مقصود ہے ان صحابہ کے مقام اور شان کی بلندی کا اظہار جن کو گالی دی گئی۔ لہٰذا لامحالہ یوں معنی بیان کرنا ہوگا کہ میرے، بعد والے صحابہ متقدمین اور سابقین صحابہ کی تنقیص نہ کریں کیونکہ ان (سابقین) کا بڑا مقام ہے(۱)۔

تقی الدین سبکی کی توجیہ اوراس کا رَد

شیخ ابن عطا اسکندری جو شیخ تقی الدین سبکی کے شیخ ہیں وہ یہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کسی تجلی میں آئندہ آنے والی حالت دکھائی گئی تھی اوراس میں وہ افراد آپ کو دکھائے گئے تھے، جو صحابہ کرام کی تنقیص اوران پر تنقید کرتے ہیں تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو خطاب کر کے فرمایا تھا، ''لا تسبُّوا أصحابي ......'' میرے صحابہ کو گالیاں نہ دو۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے بعض ملفوظات میں اس طرح کی بات ارشاد فرمائی ہے۔ علامہ سبکی کے شیخ کی یہ بات صوفیانہ ہے اور اگر اس کو ثابت مان لیا جائے تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ ''أصحابي'' میں تمام صحابہ شامل ہیں۔ متقدمین بھی اور متاخرین بھی یعنی فتح مکہ کے بعد اسلام میں داخل ہونے والے بھی اور پہلے والے بھی اور یہ خطاب گویا امت کو ہو رہا ہے جو بعد میں آنے والی ہے از قبیل تنزیل المفرُوض منزلة الموجُود، جب کہ واقعہ یہ ہے کہ حدیث کا تعلق صرف متقدمینِ صحابہ سے ہے جیسا کہ ابھی ذکر کیا گیا کہ خالد بن ولید جو بعد میں ایمان لانے والوں میں سے تھے

(۱) فتح الباري: ۴۱/۹

انہوں نے متقدّم صحابی عبدالرحمٰن بن عوف کو برا بھلا کہا، اس پر آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے یہ ارشاد فرمایا اور اس طرح صحابہ میں سے بعد میں ایمان لانے والوں کو خبردار کیا کہ وہ اس طرح کی زیادتی نہ کریں اور قدماء صحابہ کی شان میں کوئی بے ادبی اور گستاخی نہ کریں (۱)۔

تمام صحابہ ''بطریقِ اولیٰ'' مراد ہو سکتے ہیں

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ مابعد الصحابہ جو امت ہے اس کو مخاطب قرار دینا غلط ہے، اس لئے کہ حدیث کا قصہ ٔ ورود اس کی تردید کر رہا ہے۔ بہرحال اگر اس حدیث میں "اصحابی" کا مصداق متقدمین اور متاخرین سب کو قرار دیا جائے تو یہ خلافِ مقصود اور خلاف شانِ ورود ہوگا جب کہ اگر اس کا مخاطب متاخرین صحابہ کو قرار دیا جائے تو پھر اس سے یہ بات تو صراحت وعبارت سے ثابت ہوگی کہ متاخرینِ صحابہ متقدمین کو برا بھلا نہ کہیں، وار یہ بات دلالۃ النص سے اور بطریق اولیٰ ثابت ہوگی کہ اگر ایک صحابی کو یہ حق نہیں کہ وہ اپنے سے بہتر صحابی کو برا بھلا کہے تو بعد کے کسی عام آدمی کو یہ کیسے حق پہنچتا ہے کہ وہ صحابی جیسے خود سے بے شمار درجے بہتر شخص کو برا بھلا کہے (۲)۔

خطاب متاخرین صحابہ کو ہے

فَلَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ...... بظاہر تو اس خطاب کا تعلق تمام صحابہ سے ہے مگر اس کا مطلب اور مراد ایسی صورت میں مشکل ہے اس لئے شارحین فرماتے ہیں کہ "أصحابي" سے مخصوص صحابہ مراد ہیں اور "لو أن أحدكم" کا خطاب بھی صرف متاخرینِ صحابہ کو ہے اور ان سے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ تمہارا کوئی بہت بڑا عمل اُن (سابقین کے چھوٹے سے عمل کا بھی مقابل نہیں ہو سکتا اور یہ بالکل ویسا ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لا يستوي منكم من أنفقَ مِن قبلِ الفتح وقاتلَ، أُلئك أعظمُ درجةً من الذين أنفقوا من بعدُ وقاتلُوا......﴾ (۳) یعنی فتح مکہ سے قبل، اِنفاق وقتال جیسی فضیلت فتح کے بعد اِنفاق وقتال میں کہاں؟ اگرچہ صحابیت میں دنوں برابر ہیں......؟

---

(۱) فتح الباري: ۴۱/۹

(۲) فتح الباري: ۴۱/۹

(۳) سورة الحديد، آيت: ۱۰

صحابہ کو سبّ وشتم ...... کا حکم

دوسرا مسئلہ یہاں یہ قابل تفصیل وتحقیق ہے کہ صحابہ کو برا بھلا کہنے اوران کی گستاخی کا کیا حکم ہے، تو اس حوالے سے یہ بات تو متفق علیہ ہے کہ صحابہ کو گالی دینا بہت بڑا جُرم اور کبیرہ گناہ ہے تاہم اس کی سزا کیا ہو، اس میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض مالکیہ تو کہتے ہیں کہ اسے قتل کیا جائے گا اور اکثر اہل علم کہتے ہیں کہ اسے تعزیری سزادی جائے جب کہ بعض شوافع کی رائے یہ ہے کہ شیخین (ابوبکر وعمر) کو اگر کوئی گالی دیتا ہے تو اسے قتل کیا جائے گا، اسی طرح حَسنین (حسن وحسین) کو گالی دینے والا بھی قتل کیا جائے گا۔ علامہ تقی الدین سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ سرورکائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جن کو جنت کی بشارت دی ہے ان کی اگر کوئی تکفیر کرتا ہے تو وہ کافر ہے۔ اس طرح اگر شیخین کی کوئی تکفیر کرتا ہے تو وہ بھی کافر ہے؟ اس لئے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو جنت کی بشارت دی ہے اب ان کو کافر قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ جہنمی ہیں اور یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کھلی تکذیب ہے اور اللہ کے رسول کی تکذیب تو صریح کفر ہے (۱)۔

کیا گستاخِ صحابہ کی توبہ قبول ہوگی؟

ایک مسئلہ پھر یہ ہے کہ صحابہ کی شان میں گستاخی کرنے والے کی توبہ کیا قبول ہوگی یا نہیں؟ بعض حضرات کہتے ہیں ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوگی، ان حضرات کا استدلال اس حدیث سے ہے، "سبّ الصحابة ذنب لايغفر" (۲) سبّ صحابہ ایسا گناہ ہے جو معاف نہیں ہوتا۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ صحابہ کو گالی دینا بہت بڑا گناہ ہے لیکن یہ کہنا کہ اس گناہ کی معافی نہیں ہے، یہ درست نہیں ہے۔ جیسے اور گناہوں کی معافی ہوسکتی ہے اسی طرح اس کی معافی بھی ہوسکتی ہے، رہا "سبُّ الصحابة ذنب لا يُغفر" والی حدیث تو یہ بے اصل ہے، اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

---

(۱) فتح الباري: ۹/۴۲، ۴۴

(۲) "إمتاع الاسماع" تقي الدين المقريزى: ۹/۲۰۹، دار الكتب العلمية، وفي "تذكرة الموضوعات" لطاهر بن علي هندي قال ابن تيمية "موضوع": ۱/۹۲، وأسنى المطالب في أحاديث مختلفة المراتب: ۱/۱۵۹، ومجموع فتاوى ابن باز، كتاب الأحاديث الضعيفة، رقم: ۱۰۷، مجموع الفتاوى لابن تيميه...... مَن سب الصحابة: ۳/۲۹۰

یہ بات علامہ ابن تیمیہ کی مضبوط ہے کہ شرک جیسا گناہ اور پیغمبر اسلام کی دشمنی جیسی چیزیں اللہ تعالیٰ نے سچی توبہ کے بعد معاف کردی ہیں اور معاف کرتے ہیں تو صحابہ کو گالی دینا ان سے بڑا جرم تو بہر حال نہیں ہے(۱)۔

أنفقَ مثل أحد

بعض روایات میں اس کے ساتھ "كلَّ يوم" کے الفاظ کا اضافہ ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں، "وهي زيادةٌ حسنةٌ" یہ ایک اچھا اضافہ ہے اور حصولِ غرض میں زیادہ ممد و معاون ہے(۲).

مُدَّ أحدِهم

یعنی کسی غیر صحابی نے یا متاخرین صحابہ نے اگر "اُحد" جتنا سونا خرچ کردیا تو وہ صحابہ سابقین کے ایک "مُد" کے برابر بھی نہیں ہوگا وہ چاہے کسی بھی چیز اور کسی بھی جنس سے ہو۔

نَصيف

رَغیف کے وزن پر ہے، بمعنی "نِصف" جیسے عَشیر اور "عشر" یا "ثمین، وثُمن" دونوں کا ایک معنی ہے (اسی لئے کہا جاتا ہے "عُشرِ عشیر") اور بعض حضرات کا کہنا ہے کہ جیسے مُد ایک پیمانہ ہے "نصیف" بھی ایک مستقل پیمانہ ہے، جو مُد سے کم ہوتا ہے اور مُد بضم المیم ایک معروف پیمانہ ہے، جس کی مقدار معلوم و متعین ہے اور کتاب الوضوء میں مذکور ہے(۳)۔

خطابی فرماتے ہیں کہ یہ بفتح المیم مَروی ہے اور اس سے مراد فضل اور طَول ہے۔ یعنی صحابہ کی فضیلت اور قوت تک نہیں پہنچ سکتا(۴)۔

بیضاوی کہتے ہیں:

---

(۱) مجموع الفتاوى باب من سبَّ الصحابة هل تقبل توبته: ۲۹۰/۳

(۲) فتح الباري: ۴۲/۹

(۳) باب الوضوء بالمد، رقم: ۲۰۱

(۴) قال الخطابي بفتح الميم يريد الغاية لا يبلغ هذا فلاناً أي: لا يلحق شأوَه ولا يدرك غايتَه، غريب الحديث: ۲۴۸/۱

"معنى الحديث لا ينال أحدكم بإنفاق مثلِ أحدٍ ذهباً من الفضل والأجر ما ينالُ أحدُهم بإنفاق مدّ طعامٍ أو نصيفِه، وسبب التفاوت ما يقارن الأفضلَ من مزيد الإخلاص وصدقِ النية"(۱).

یعنی حدیث کا معنی یہ ہے کہ تم میں سے کوئی آدمی اُحد پہاڑ جتنے سونے کو خرچ کرنے سے اتنا اجر اور ثواب حاصل نہیں کرسکتا، جتنا کہ اُن صحابہ میں سے ایک شخص ایک مُد یا اس کے نصف مقدار میں طعام خرچ کرنے سے حاصل کرسکتا ہے اور اس تفاوت کی وجہ وہ اخلاص اور صدق نیت ہے، جو اُن حضرات سابقین کو حاصل تھا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

"قلتُ وأعظم من ذلك في سبب الأفضلية عَظم موقعِ ذلك لشدّة الاحتياج اليه، وأشار بالأفضَلية بسبب الانفاق إلى الأفضلية بسبب القتال كما وقع في الأية ﴿من أنفَق من قبل الفتح وقاتل﴾ فإن فيها إشارة إلى موقع السبب الذي ذكرته، وذلك أن الإنفاق والقتال كان قبل فتح مكة عظيماً لشدة الحاجة اليه وقلّة المعتى به بخلافِ ماوقع بعد ذلك؛ لأن المسلمين كَثُروا بعد الفتح ودخلَ الناس في دين الله أفواجاً، فإنه لايقع ذلك الموقع المتقدم والله اعلم"(۲).

فرمایا، خلوص اور صدق نیت کی وجہ سے سابقین اوّلین کے عمل کے افضل ہونے اور ان کے اجر وثواب کے زیادہ ہونے کے علاوہ ایک اور بات بھی ہے، جو اس سے بڑھ کر ہے اور وہ یہ ہے کہ سابقینِ اوّلین کے عمل کو افضلیت اس واسطے حاصل ہے کہ انہوں نے جس موقعے پر قتال وانفاق کیا وہ موقع بڑا حساس، اہم اور غیر معمولی تھا اور اس وقت جو ضرورت اور حاجت تھی انفاق کی وہ نہایت شدید تھی۔ اس لئے اس میں بہت کم چیز خرچ

(۱) فتح الباري: ۷/۳٤، وعون المعبود: ۹/۱۸۷۷

(۲) فتح الباري: ۹/٤۲ .

کرنے کا بھی بہت زیادہ اجر تھا۔

پھر فرمایا اس روایت میں تو صرف اتنا ذکر ہے کہ بعد والوں کا بہت زیادہ انفاق بھی سابقین کے بہت کم انفاق کے برابر نہیں ہوسکتا، لیکن اس میں اشارہ اس بات کی طرف بھی ہے کہ بعد والے اس واسطے بھی سابقین کے ہم پلہ نہیں ہوسکتے کہ انہوں نے نہایت بے سروسامانی کے عالم میں جان ہتھیلی پر رکھ کر قتال کیا اور دین کے لئے جانی قربانی دی۔ اس کا قرآن کریم کی آیت ﴿لا يستوي منكم مَن أنفق من قبلِ الفتحِ وقاتَل......﴾ میں ذکر ہے۔

اس تفاوتِ رُتبی کی وجہ واضح ہے اور وہ یہ کہ ابتدائے اسلام میں قتال اور انفاق فی سبیل اللہ جتنا مشکل اور جتنا ضروری تھا، اتنا بعد میں نہ تھا یعنی جب دین اسلام طاقت ور ہوا اور لوگ اس میں جوق در جوق داخل ہوئے۔ اور خرچ کرنا آسان بھی ہوا اور خرچ کرنے والے بھی زیادہ ہوئے۔

"متابعات" کا ذکر

تَابَعَهُ جَرِيرٌ......

یعنی شعبہ کی سلیمان الأعمش سے روایت کی مندرجہ ذیل حضرات نے متابعت کی ہے۔

۱- جریر ابن عبدالحمید ہے، ۲- عبداللہ بن داوود بن عامر بن الرّبیع، ۳- ابومعاویۃ بن محمد بن خازم الضریر اور ۴- محاضِر بوزن مجاہد بن المورّع مراد ہیں (۱)۔

جہاں تک جریر کا تعلق ہے تو ان سے روایت موصولاً امام مسلم (۲)، ابن ماجہ (۳) اور ابویعلی (۴) نے روایت کی ہے۔

---

(۱) عمدة القاري: ۱۸۸/۱٦، وفتح الباري: ۴۴/۹

(۲) صحيح مسلم، باب تحريم سبِّ الصحابة، رقم: ۲۲۲

(۳) سنن ابن ماجة، فصل أهل بدر، رقم: ۱٦۱

(۴) مسند أبي يعلى، رقم: ۱۱۷۱

اور محاضر کی روایت کا جہاں تک تعلق ہے تو اسے احمد بن یوسف الضبي عن محاضر...... کے طریق سے "فوائد أبي الفتح الحداد" میں نقل کیا گیا ہے(۱) لیکن اس روایت میں خالد بن الولید اور عبدالرحمٰن بن عوف کی بجائے حضرت خالد اور ابوبکر رضی اللہ عنہما کا ذکر ہے، جب کہ یہ درست نہیں ہے اور صحیح وہی ہے جو جریر نے روایت کیا ہے اور عاصم بن ابی صالح کی آنے والی روایت میں بھی اس کا ذکر ہے(۲)۔

اور عبداللہ بن داود کی جو روایت ہے اسے مسدد نے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے اور اس میں یہ قصہ مذکور نہیں ہے؟ اسی طرح ابوداود نے بھی اس کی مسدّد کے طریق سے تخریج کی ہے(۳)۔

اور ابومعاویہ کی جو روایت ہے، اسے امام احمد نے موصولاً ذکر کیا ہے(۴) امام مسلم کو وہم ہوا......اور امام مسلم نے ابوبکر بن ابی شیبہ، ابوکریب اور یحیٰی بن یحیٰی تینوں حضرات سے نقل کیا ہے اور یہ تینوں ابومعاویہ سے روایت کرتے ہیں لیکن اس میں ابوسعید کی جگہ "عن أبي هريرة" کا ذکر ہے(۵) اور یہ ان کا وہم ہے جیسے کہ خلف، ابومسعود اور ابوعلی جیانی سے بالجزم منقول ہے۔

نووی کہتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام مسلم کو دورانِ کتابت یہ وہم ہوا ہے اور وہ یوں کہ امام مسلم نے ابتداء میں ابومعاویہ کے طریق کا ذکر کیا ہے پھر دوسرے نمبر پر جریر کی حدیث کو ذکر کیا اور اسے اس کے اسناد و متن کے ساتھ ذکر کیا، پھر تیسرے نمبر پر وکیع کی حدیث کو ذکر کیا اور چوتھے نمبر پر شعبہ کی روایت ذکر کی ہے۔ اس تیسری اور چوتھی روایت کی سند انہوں نے ذکر نہیں کی بلکہ فرمایا، "بإسناد جرير ومعاوية" اب بات یہ ہے کہ اگر جریر اور ابومعاویہ کی روایت ان کے نزدیک ایک نہ ہوتی تو وہ ان دونوں کا ایک ساتھ حوالہ نہ دیتے، کیونکہ وکیع اور شعبہ کی روایت تو بالاتفاق ابوسعید پر ختم ہوتی ہے نہ کہ ابوہریرہ پر۔ جب کہ مسلم نے ابومعاویہ کی جو روایت تخریج کی ہے، اسے وہ ابوہریرہ پر ختم کرتے ہیں تو پھر یہ عجیب نہیں ہے کہ وکیع اور شعبہ کی روایتِ ابوسعید کے متعلق وہ یہ بتائیں کہ یہ ابومعاویہ والی سند کے ساتھ مروی ہے؟

---

(۱) فتح الباري: ۳۵/۷

(۲) عمدة القاري: ۱۸۸/۱٦

(۳) سنن أبي داود، باب في النهي عن سبّ الصحابة، رقم: ٤٦٦٠

(٤) مسند احمد، مسند أبي سعيد الخدري، رقم: ١١٠٩٤

(٥) صحيح مسلم، باب تحريم سب الصحابة، رقم: ٦٦٥١، ٦٦٥٢

اور پھر امام مسلم کے شیخ ابوبکر بن ابی شیبہ اپنے مُسند اور مصنّف میں اس کی تخریج ابومعاویہ سے فرماتے ہیں تو کہتے ہیں، "عن ابي سعيد......"(۱) جیسے کہ امام احمد نے بھی یہی کہا ہے(۲) اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسلم کا "عن ابي هريرة" کہنا وہم ہی ہے۔

اسی طرح "المستخرج" میں ابونعیم سے منقول ہے جس میں عُبید بن غنام ابوبکر بن ابی شیبہ سے روایت کرتے ہیں اور ابونعیم ہی احمد، یحییٰ بن عبدالحمید اور ابوخیثمہ اور احمد بن جواس سے نقل کرتے ہیں اور وہ سب ابومعاویہ سے روایت کرتے ہیں، جس میں "عن ابي سعيد" کے الفاظ ہیں اور اس کے بعد وہ فرماتے ہیں، "أخرجه مسلم عن ابي بكر وأبي كريب ويحيى بن يحيى" یہ اس بات پر دال ہے کہ وہم خود مسلم کو نہیں ہوا بلکہ اس کے کسی نچلے ناقل کو وہم ہوا ہے۔ وگرنہ ابونعیم اسے ذکر کر دیتے۔ اس کی تائید ایک اور روایت سے بھی ہوتی ہے اور وہ یہ کہ دارقطنی نے باوجودیکہ "العلل" میں اس بات کو جزم کے ساتھ ذکر کیا ہے، کہ صحیح یہ ہے کہ یہ ابوسعید کی روایت ہے، اس کے باوجود انہوں نے شیخین (بخاری و مسلم) کے اوھام کے تتبع میں اس روایت ابومعاویہ کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا ہے، معلوم ہوا کہ یہ مسلم کے "اوہام" میں سے نہیں بلکہ ان سے نیچے کے کسی اور راوی کا وہم ہے(۳)۔

اس روایت کی تخریج ابوعبید نے "غریب الحدیث" میں بھی کی ہے(۴)، نیز جوزقی نے عبداللہ بن ہاشم کے طریق سے اور خیثمہ نے سعید بن یحییٰ کے طریق سے اور اسماعیلی اور ابن حبان نے علی بن الجعد کے طریق سے ان تمام نے ابومعاویہ سے روایت کی ہے اور انہوں نے کہا، "عن ابي سعيد"(۵).

اور ابن ماجہ نے بھی امام مسلم کے ایک شیخ ابوکریب سے نقل کیا ہے اور وہ ابومعاویہ سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں "عن ابي سعيد" ہاں ابن ماجہ کے بعض نسخوں میں اختلاف بھی ہے چنانچہ کچھ میں تو "عن ابي

---

(۱) مصنف ابن ابي شيبة، باب ما ذكر في الكف عن أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، رقم: ۳۳۰۷۱

(۲) مسند احمد، مسند أبي سعيد الخدري، رقم: ۱۱۰۹۴

(۳) فتح الباري: ۴۳/۹

(٤) غريب الحديث لأبي عبيد: ۱٦٤/۲

(٥) صحيح ابن حبان، ذكر الزجر عن سبّ اصحاب رسول الله، رقم: ۷۲۵۵

هريرة" ہے(۱) اور کچھ میں "عن ابي سعيد" اور ٹھیک "عن ابي سعيد" ہی ہے کیونکہ ابن ماجہ نے جریر وکیع اور ابومعاویہ کو جمع کیا ہے اور جریر اور وکیع کے متعلق کسی نے نہیں کہا ہے کہ ان کی روایت ابوہریرہ سے ہے، بلکہ جتنے بھی جامعین اور مخرجین نے ان کی روایت کی تخریج کی ہے، وہ ابوسعید ہی سے کی ہے، نہ کہ ابوہریرہ سے۔

اور یہ احتمال بھی بعید ہے کہ ابومعاویہ کی حدیث أعمش عن ابی صالح عن ابی ہریرہ...... بھی ہو اور عن ابی سعید بھی، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو کم از کم ایک مرتبہ تو ان دونوں - ابوسعید اور ابوہریرہ - کو جمع بھی کیا جاتا۔ بہرحال جب اکثر کے ہاں یہ روایت ابوسعید سے ہے تو جس نے ابوہریرہ کا ذکر کیا ہے، وہ یقیناً شاذ ہوگا اللہ اعلم (۲)۔

٣٤٧١ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مِسْكِينٍ أَبُو الْحَسَنِ : حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَسَّانَ : حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ ، عَنْ شَرِيكِ بْنِ أَبِي نَمِرٍ ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ : أَخْبَرَنِي أَبُو مُوسَى الْأَشْعَرِيُّ : أَنَّهُ تَوَضَّأَ فِي بَيْتِهِ ثُمَّ خَرَجَ ، فَقُلْتُ : لَأَلْزَمَنَّ رَسُولَ ٱللّٰهِ ﷺ ، وَلَأَكُونَنَّ مَعَهُ يَوْمِي هٰذَا ، قَالَ : فَجَاءَ الْمَسْجِدَ ، فَسَأَلَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ ، فَقَالُوا : خَرَجَ وَوَجَّهَ هَا هُنَا ، فَخَرَجْتُ عَلَى إِثْرِهِ ، أَسْأَلُ عَنْهُ ، حَتَّى دَخَلَ بِئْرَ أَرِيسٍ ، فَجَلَسْتُ عِنْدَ الْبَابِ ، وَبَابُهَا مِنْ جَرِيدٍ ، حَتَّى قَضَى رَسُولُ ٱللّٰهِ ﷺ حَاجَتَهُ فَتَوَضَّأَ ، فَقُمْتُ إِلَيْهِ ، فَإِذَا هُوَ جَالِسٌ عَلَى بِئْرِ أَرِيسٍ وَتَوَسَّطَ قُفَّهَا ، وَكَشَفَ عَنْ سَاقَيْهِ وَدَلَّاهُمَا فِي الْبِئْرِ ، فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ ، ثُمَّ ٱنْصَرَفْتُ فَجَلَسْتُ عِنْدَ الْبَابِ ، فَقُلْتُ : لَأَكُونَنَّ بَوَّابَ رَسُولِ ٱللّٰهِ ﷺ الْيَوْمَ ، فَجَاءَ أَبُو بَكْرٍ فَدَفَعَ الْبَابَ ، فَقُلْتُ : مَنْ هٰذَا ؟ فَقَالَ : أَبُو بَكْرٍ ، فَقُلْتُ : عَلَى رِسْلِكَ ، ثُمَّ ذَهَبْتُ ، فَقُلْتُ : يَا رَسُولَ ٱللّٰهِ ، هٰذَا أَبُو بَكْرٍ يَسْتَأْذِنُ ؟ فَقَالَ : (ٱئْذَنْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ) . فَأَقْبَلْتُ حَتَّى قُلْتُ لِأَبِي بَكْرٍ : ٱدْخُلْ ، وَرَسُولُ ٱللّٰهِ ﷺ

---

(١) سنن ابن ماجة، فضائل الصحابة، رقم: ١٦١

(٢) فتح الباري: ٩/٤٢، ٤٣

(٣٤٧١) الحديث أخرجه البخاري في صحيحه: ١/٥١٧، كتاب فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم؛ باب قول النبي صلى الله عليه وسلم "لو كنا متخذا خليلاً"، رقم: ٣٦٧١، وأبو داود في سننه: ٢/٢٨٠، كتاب السنة، باب التفضيل، رقم: ٤٦٢٩

يُبَشِّرُكَ بالجنَّةِ ، فَدَخَلَ أَبُو بَكْرٍ فَجَلَسَ عَنْ يَمِينِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ مَعَهُ فِي الْقُفِّ ، وَدَلَّى رِجْلَيْهِ فِي الْبِئْرِ كما صَنَعَ النَّبِيُّ ﷺ ، وَكَشَفَ عَنْ سَاقَيْهِ ، ثُمَّ رَجَعْتُ فَجَلَسْتُ ، وَقَدْ تَرَكْتُ أَخِي يَتَوَضَّأُ وَيَلْحَقُنِي ، فَقُلْتُ : إِنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِفُلَانٍ خَيْرًا - يُرِيدُ أَخَاهُ - يَأْتِ بِهِ ، فَإِذَا إِنْسَانٌ يُحَرِّكُ الْبَابَ ، فَقُلْتُ : مَنْ هٰذَا ؟ فَقَالَ : عُمَرُ بْنُ الخَطَّابِ ، فَقُلْتُ عَلَى رِسْلِكَ ، ثُمَّ جِئْتُ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ ، فَقُلْتُ : هٰذَا عُمَرُ بْنُ الخَطَّابِ يَسْتَأْذِنُ ؟ فَقَالَ : (ائْذَنْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالجَنَّةِ) . فَجِئْتُ فَقُلْتُ : ادْخُلْ ، وَبَشَّرَكَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِالجَنَّةِ ، فَدَخَلَ فَجَلَسَ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فِي الْقُفِّ عَنْ يَسَارِهِ ، وَدَلَّى رِجْلَيْهِ فِي الْبِئْرِ ، ثُمَّ رَجَعْتُ فَجَلَسْتُ ، فَقُلْتُ : إِنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِفُلَانٍ خَيْرًا يَأْتِ بِهِ ، فَجَاءَ إِنْسَانٌ يُحَرِّكُ الْبَابَ ، فَقُلْتُ : مَنْ هٰذَا ؟ فَقَالَ : عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ ، فَقُلْتُ عَلَى رِسْلِكَ ، فَجِئْتُ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَأَخْبَرْتُهُ ، فَقَالَ : (ائْذَنْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالجَنَّةِ ، عَلَى بَلْوَى تُصِيبُهُ) . فَجِئْتُهُ فَقُلْتُ لَهُ : ادْخُلْ ، وَبَشَّرَكَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِالجَنَّةِ ، عَلَى بَلْوَى تُصِيبُكَ ، فَدَخَلَ فَوَجَدَ الْقُفَّ قَدْ مُلِئَ ، فَجَلَسَ وُجَاهَهُ مِنَ الشِّقِّ الآخَرِ . قَالَ شَرِيكٌ : قَالَ سَعِيدُ بْنُ المُسَيَّبِ : فَأَوَّلْتُهَا قُبُورَهُمْ . [۳٤۹۰ ، ۳٤۹۲ ، ۵۸٦۲ ، ٦٦٨٤ ، ٦٨٣٤]

تراجم رجال

مُحَمَّدُ بْنُ مِسْكِينٍ

یہ محمد بن مسکین ابن نُمیلہ ابوالحسن الیمامی ہیں۔ان کے احوال گذر چکے ہیں (۱)۔

يَحْيَى بْنُ حَسَّانَ

یہ یحییٰ بن حسّان بن حبان البکری ابوزکریا التنیسی المصری ہیں۔ان کے احوال گذر چکے ہیں (۲)۔

---

(۱) كتاب الأذان، باب انتظار الناس قيام الإمام العالم ......

(۲) دیکھئے، صحيح بخاري، كتاب الجنائز، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم "إنا بك محزونون"، رقم (۱۳۰۳)

سُلَيْمَانُ

یہ سلیمان بن بلال ابومحمد القرشی التیمی المدنی ہیں۔ان کے احوال "کتاب الإیمان، باب أمور الایمان" کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

شَرِيكِ بْنِ أَبِي نَمِرٍ

یہ شریک بن عبداللہ بن ابی نمر القرشی المدنی ہیں۔ابونمر ان کے دادا ہیں۔ان کے احوال "کتاب العلم، باب ماجاء في العلم وقوله تعالیٰ: ﴿وقل ربِّ زدني علماً﴾ کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ

یہ امام التابعین سعید بن المسیب بن حزن بن أبي وہب القرشی المخزومی ہیں۔ان کے احوال "کتاب الایمان، باب مَن قال الإیمان هو العمل" کے تحت گذر چکے ہیں(۳)۔

أَبُو مُوسَى الْأَشْعَرِيُّ

مشہور صحابی رسول عبداللہ بن قیس الأشعری ہیں۔ان کے احوال "کتاب الایمان، باب أيُّ الإسلام أفضل" کے تحت گذر چکے ہیں(۴)۔

اس حدیث کی تخریج امام بخاری نے کتاب الفتن میں سعید بن ابی مریم سے بھی کی ہے(۵) اور امام مسلم نے "فضائل" میں محمد بن مسکین، حسن بن علی الحلوانی اور ابوبکر بن ابی اسحاق سے روایت کی ہے(۶)۔

فَقُلْتُ کا فاعل ابوموسیٰ الاشعری ہیں

یہ راویٔ حدیث حضرت ابوموسیٰ الأشعری کا قول ہے، پہلے ان سے روایت کرنے والے راوی نے

(۱) دیکھئے، کشف الباري: ۱/۶۵۸

(۲) دیکھئے، کشف الباري: ۳/۱۵۶

(۳) دیکھئے، کشف الباري: ۲/۱۵۹

(٤) دیکھئے، کشف الباري: ۱/٦۹۰

(٥) صحیح البخاري، کتاب الفتن، باب الفتنة التي تموج کموج البحر، رقم: ٦٥٦٨

(٦) صحیح مسلم، باب فضائل عثمان، رقم: ٦٤٠٣، ورقم: ٤٤٧٧

اپنے الفاظ میں اُن کا غائب کے صیغوں کے ساتھ ذکر کیا تو فرمایا، تَوَضَّأَ، خَرَجَ اور پھر گویا یوں کہا، قال ابوموسیٰ: فَقُلْتُ لَأَلْزَمَنَّ ......

قَالَ فَجَاءَ الْمَسْجِدَ

یہاں پھر قَالَ کا فاعل دوسرا راوی ہے، جب کہ جَاءَ کا فاعل حضرت ابوموسیٰ الاشعری ہیں۔ راوی کہتا ہے پھر حضرت ابوموسیٰ الأشعری مسجد میں داخل ہوئے۔

وَوَجَّهَ هَاهُنَا

یہاں اکثر علماء کے ہاں وَجَّه بفتح الجيم وتشديده ہے اور وجّه فعل بمعنی توجّه ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یوں متوجہ ہوئے اور اس جانب کو چلے۔

بعض حضرات کہتے ہیں وجّه فعل کا مفعول مقدر ہے، یعنی وجّه نفسه، خود کو اس جانب متوجہ کر دیا۔

اور ایک قول یہ ہے کہ یہ اضافت کے ساتھ ہے، وَوَجْه هٰهُنَا اس صورت میں وجه بسكون الجيم ہے اور یہ مبتداء ہے، جس کی خبر مقدر ہے یعنی ووجه هٰهنا یاجهة هٰهنا مقصودة له اِس جانب کی جہت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مقصود تھی۔ اور آپ اسی طرف آنا چاہ رہے تھے(۱)۔

عَلَى إِثْرِهِ

آپ کے پیچھے اور آپ کے نقشِ پا پر۔ یہ لفظ بھی دو طرح سے منقول ہے، ایک تو بکسر الهمزة وسكون الثاء المثلثة اور دوسرا بفتح الهمزة والثاء المثلثة ......(۲).

حَتَّى دَخَلَ

بہ ظاہر یہ خرجتُ اور أسأل وغیرہ کا غایہ ہے، حالانکہ یہ درست نہیں لگتا کیونکہ خروج اور سؤال راوی کا فعل ہے جب کہ دخول رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فعل ہے، اس لئے یہاں ایک مقدر لفظ نکالا جاتا ہے، "حتى وجدتُه دَخَلَ" یہاں تک کہ میں نے آپ کو داخل ہوتے ہوئے دیکھا یعنی خروج کا غایہ

---

(۱) فتح الباري: ۹/٤٤، وتحفة الباري: ٤/۱۹۷، وإرشاد الساري: ۸/۱٦٦

(۲) إرشاد الساري: ۸/۱٦٦

ہے"وجدان"۔

بِئرَ أَرِيسٍ کیا ہے؟

"أريس" بفتح الهمزة و كسر الراء باغ کا نام ہے، یعنی"أریس" نامی باغ کا کنواں، "أریس" بقول علامہ قسطلانی کے منصرف ہے اور اس پر ابن مالک نے بھی صراحت کے ساتھ تنبیہ کی ہے۔ جب کہ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں، "يجوز فيه الصَّرف وعدمُه" اس کو منصرف اور غیر منصرف ہر دو طرح سے پڑھا جا سکتا ہے، أریس مدینہ میں قباء کے قریب واقع ایک باغ کا نام ہے، اسی باغ کے اس کنویں میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انگشتری مبارک گر گئی تھی (۱)۔

تَوَسَّطَ قُفَّهَا

"قُف" بضم القاف وتشديد الفاء کنویں کے مَن کو کہتے ہیں، اس کی جمع قفاف ہے اونچی زمین کو بھی کہتے ہیں۔ معنی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آ کر کنوئیں کے من پر بیٹھ گئے۔

صحیح مسلم میں عثمان بن غیاث کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

"بينا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في حائطٍ من حوائطِ المدينةِ وهو مُتَّكِئ ينكُت بعود معه بين الماء والطين"(۲).

یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ منورہ کے باغوں میں سے ایک باغ میں تھے اور تکیہ لگائے ایک لکڑی سے پانی اور مٹی کو کریدر ہے تھے۔

کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوموسی اشعری کو پہرے دار بنایا؟

لأكُونَنَّ بَوَّابَ ...... بعض نسخوں میں "بوّاب رسول الله" کے الفاظ ہیں، جب کہ بعض میں "بوّاباً للنبي" کے الفاظ آئے ہیں۔ یہاں بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام حضرت ابوموسیٰ نے خود کیا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے لئے ان سے نہیں کہا تھا اور امام بخاری نے کتاب الأدب میں محمد بن جعفر

---

(۱) إرشاد الساري: ۱٦٦/۸، وفتح الباري: ٤٤/۹

(۲) دیکھئے، فتح الباري: ٤٤/۹

کی روایت میں اور کتاب الفتن میں اس کی تصریح کی ہے اور یہ الفاظ ذکر کئے ہیں "ولم یأمرني" یعنی آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے مجھے اس کا حکم نہیں دیا تھا(۱)۔

جب کہ یہاں آگے مناقب عثمان میں سلیمان بن حرب کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں، "وأمرني بحفظ باب الحائط"(۲) نیز عبدالرحمٰن بن حرملہ کی روایت میں "یا ابا موسیٰ املك علی الباب" کے الفاظ ہیں(۳)۔

اسی طرح کتاب اخبار الآحاد میں بھی "وأمَرني بحفظ الباب" کی تصریح ہے(۴)، ترمذی کی روایت ابی عثمان عن ابی موسیٰ میں تو یہاں تک تصریح ہے، "املك علي البابَ فلا يدخلنَّ علي أحدٌ"(۵).

اب یہ جو تضاد اور تعارض ہے کہ کہیں معلوم ہوتا ہے آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے انہیں حکم دیا تھا اور کہیں معلوم ہوتا ہے کہ نہیں! آپ نے حکم نہیں دیا تھا بلکہ خود حضرت ابوموسیٰ اشعری نے پہرے داری شروع کی تھی، اس کو رفع کرنے کے لئے شارحین نے مختلف توجیہات بیان کی ہیں۔

ایک جمع اور تطبیق کی صورت تو یہ ہے کہ جہاں حضرت ابوموسیٰ کے حوالے سے یہ تصریح منقول ہے کہ میں نے خود سے یہ عمل شروع کیا تھا اور رسول اللہ نے مجھے حکم نہیں دیا تھا، یعنی یہ ان کے دل کی بات اور ایک طرح سے حدیث النفس ہے...... پھر اتفاق سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں اس کا حکم دیا تو پھر انہوں نے اس کا بھی ذکر کیا اور کہا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے اس کا حکم دیا تھا، یعنی یہ نفی اور اثبات دو مختلف واقعات سے تعلق رکھتے ہیں۔

اسی طرح "لم یأمَرني" جملے کا یہ بھی مطلب ہوسکتا ہے کہ مجھے پہریداری کرتے رہنے اور اسے جاری

---

(۱) كتاب الفتن، صحيح البخاري، رقم (۷۰۹۷)

(۲) دیکھئے، باب مناقب عثمان، رقم (۳۶۹۵)

(۳) فتح الباري: ۹/ ٤٤

(٤) صحيح البخاري كتاب أخبار الآحاد، رقم (۷۲٦۲)

(٥) فتح الباري: ۹/ ٤٥

رکھنے کا حکم آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے نہیں دیا تھا بلکہ وقتی طور پر تھوڑا خیال رکھنے کا فرمایا تھا اور پھر اسے حضرت ابوموسیٰ نے اپنی مرضی سے اور اپنی طرف سے جاری رکھا تھا۔ یہ توجیہ امام نووی کی ہے(۱)۔

اور جہاں تک حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول "لم یکن لہ بوّاب" کا تعلق ہے تو اس کے ساتھ بھی حدیث باب کا کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ حضرت انس کی بات کا مطلب یہ ہے کہ آپ کا کوئی مستقل دربان اور مقرّر محافظ نہ تھا اور یہاں عارضی اور وقتی طور پر کسی کا گیٹ پر کھڑے ہونے کا ذکر ہے جو کسی بھی مصلحت کے پیش نظر ہو سکتا ہے اور یہ اس کے منافی نہیں ہے(۲)۔

ابن التین کا استدلال اور اس کا رد

ابن التین فرماتے ہیں، "فیه أن المرء یکون بوّاباً للإمام وإن لم یأمره" یعنی اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کوئی آدمی امام کا اس کے حکم کے بغیر بھی دربان اور پہرے دار بن سکتا ہے۔

حافظ ابن حجر نے مذکورہ بالا توجیہ -جس میں کہا گیا کہ ابوموسیٰ نے اولاً پہرے کا عمل تو خود سے شروع کیا تھا مگر پھر اتفاق سے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے بھی انہیں اس کا حکم دیا- کے بعد فرمایا، "فبطل أن یُستدل به لما قاله ابن التین" لہٰذا اس سے ابن التین کی کہی ہوئی بات پر استدلال کرنا ٹھیک نہیں، بلکہ باطل ہے(۳)۔

فَجاءَ أَبُو بَكْرٍ فَدَفَعَ الْبَابَ

أي مستأذناً في الدخول یعنی دروازہ کھٹکھٹایا اندر آنے کی اجازت لیتے ہوئے(۴)۔

بعض روایات میں یوں ہے، "فجاء رجلٌ یستأذِن" یعنی ایک آدمی آیا جو اجازت لے رہا تھا(۵)۔

يُبَشِّرُكَ بِالْجَنَّةِ

بعض روایات میں حضرت ابوبکر کی طرف "فحمدَ الله" کی نسبت بھی منقول ہے۔ کہ انہوں نے شکر

---

(۱) فتح الباري: ۹/۴۵، إرشاد الساري: ۸/۱۶۶، تحفة الباري: ۴/۱۹۷

(۲) فتح الباري: ۹/۴۵

(۳) فتح الباري: ۹/۴۵

(۴) إرشاد الساري: ۸/۱۶۶

(۵) فتح الباري: ۹/۴۵

کے طور پر اللہ تعالیٰ کی تعریف کی (۱)۔

ابوبکر کا رسول اللہ کی مشاکلت اختیار کرنا

وَدَلّٰی رِجْلَیْهِ ...... یعنی وہی کچھ حضرت ابوبکر نے بھی کیا جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیا تھا کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی طرح پاؤں کنویں میں لٹکائے اور پنڈلیاں کھول دیں، اس کی توجیہ کرتے ہوئے علامہ قسطلانی فرماتے ہیں:

"موافَقَةً له عليه الصلاة والسلام، وليكونَ أبلغ في بقائِه عليه الصلاة والسلام على حالتِه وراحتِه بخلاف ما إذا لم يفعل ذلك فربَّما استحيامنه فيرفع رجلَيه الشريفتين" (۲).

یعنی حضرت ابوبکر نے یہ عمل ایک تو اس لئے اختیار کیا تا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ موافقت اور مشاکلت کی سعادت انہیں حاصل ہو اور دوم اس لئے کہ اگر حضرت ابوبکر اس طرح نہ کرتے تو شاید رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی ازراہِ حیاء اپنے پیر مبارک اوپر کر لیتے اور اس میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دقت ہوتی، اس لئے حضرت ابوبکر نے آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی راحت کے لئے اور آپ کو اپنی بے تکلفانہ حالت پر باقی رکھنے کے لئے خود بھی وہی شکل اختیار کر لی تا کہ آپ کو اپنی حالت بدلنے کا کوئی داعی نہ رہے۔ یہ عشق ومحبت کی ایک اعلیٰ مثال ہے۔

وَقَدْ تَرَكْتُ أَخِي

حضرت ابوموسیٰ اشعری کے دو بھائی تھے، ابورہم اور ابو بردہ اور ایک قول کے مطابق اُن کا ایک اور بھائی بھی تھا، جن کا نام محمد تھا، بہرحال ان کے بھائیوں میں مشہور یہی ابو بردہ تھے اور ان کا نام عامر تھا اور ان سے امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مسند میں روایت بھی نقل کی ہے (۳)۔ حضرت ابوموسیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کو اس حال میں چھوڑا تھا کہ وہ وضو کر کے مجھ سے آکر ملنے ہی والے تھے، اب جب بھی کوئی دروازہ پر آتا تو میں

---

(۱) فتح الباري: ۴۵/۹، وصحيح البخاري، رقم (۳۶۹۳)

(۲) إرشاد الساري: ۱۶۷/۸

(۳) فتح الباري: ۴۵/۹

دل میں کہتا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق خیر کا ارادہ کیا ہو تو یہ وہ ہی ہوں گے، مگر ہر دفعہ ان کے متعلق یہ سوچتا رہا اور آنے والا کوئی اور ہوتا تھا۔

ابن التین کا ایک اور غلط استدلال اور اس کا رد

فَإِذَا إِنْسَانٌ يُحَرِّكُ الْبَابَ ...... یہاں بھی ابن التین فرماتے ہیں کہ لگتا ہے آنے والوں کا یہ عمل اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿لا تدخلوا بيوتاً غير بيوتكم حتى تستأنسوا﴾ کے نزول سے پہلے تھا، لیکن ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے "ما أبعدَ ما قال" کہہ کر اس احتمال کو نہایت مستبعد اور بے جا قرار دے کر مسترد کر دیا اور فرمایا، عبدالرحمٰن بن حرملہ کی روایت میں یوں آیا ہے، "فجاء رجل فاستأذن" ایک آدمی آیا اور وہ اجازت طلب کر رہا تھا اور مناقب عمر کے آخر میں ابوعثمان النہدی عن ابی موسیٰ کے طریق سے یوں منقول ہے، "فجاء رجلٌ فاستفتح" ایک آدمی نے آکر دروازہ کھولنے کے لئے کہا، ان تمام طرق سے معلوم ہوتا ہے کہ "یحرك الباب" کا معنی یہ نہیں ہے کہ انہوں نے دروازہ خود سے کھولنا چاہا بلکہ معنی یہ ہے کہ انہوں نے طلب اجازت کے طور پر دروازہ کھولنا چاہا، یا کھولنے کی درخواست کی، سو یہ قرآن کریم کی ہدایت ﴿حتى تستأنسوا﴾ کے منافی نہیں بلکہ اس پر عمل ہے(۱)۔

ابوعثمان کی روایت میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم تینوں کی طرف "فحمد الله" کی نسبت ہے(۲)۔

فجلس وجاهه

وُجاہ بضم الواؤ وکسر الواء دونوں طرح سے منقول ہے، یعنی سامنے اور بالمقابل۔

حضرت عثمان کا دعائے صبر

عَلَى بَلْوَى تُصِيبُهُ ...... ابوعثمان کی روایت میں یہ الفاظ ہیں، "فحمدَ الله ثم قال: الله

---

(۱) فتح الباري: ۹/۴۵

(۲) إرشاد الساري: ۸/۱۶۷

المُستعان"(١) اورامام احمد کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں، "فجعل یقول: اللّٰهم صبراً، حتی جلَس"(٢) یعنی حضرت عثمان یہ سن کر فرماتے رہے، اے اللہ! صبر عطا کر دے، یہاں تک کہ وہ پھر بیٹھ گئے۔ اور عبدالرحمٰن بن حرملہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں، "فدخَلَ وهو يحمدُ الله ويقول: اللّٰهم صَبراً"(٣) اس میں گویا سابقہ دونوں روایتوں کو جمع کیا گیا کہ انہوں نے حمد باری تعالیٰ بھی ادا کی اور صبر کی دعا بھی کرتے رہے۔

مختلف صحابہ کی طرف اس واقعے کی نسبت

اور بیہقی نے حضرت زید بن ارقم کی روایت نقل کی ہے، جس کے الفاظ یوں ہیں:

"بعَثني النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: انطلق حتى تأتي أبابكر فقُل له: إن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقرء عليك السلامَ ويقول لك: أبشر بالجنَّة، ثم انطلق إلى عمرَ كذلك، ثم انطلق إلى عثمانَ كذلك، وزاد بعد بلاء شديد. قال فانطلق فذكر أنه وجدَهم على الصفة التي قال له: وقال اين نبيُّ الله؟ قلت في مكان كذا وكذا، فانطلق إليه وقال في عثمان فأخذ بيدي حتى أتينا رسولَ الله فقال: يا رسولَ الله! إن زيداً قال لي كذا. والذي بعثك بالحق ما تغنيتُ وما تمنيتُ ولا مسست ذكري بيميني منذ بايعتُك فأي بلاء يصيبُني؟ قال هو ذاك"(٤).

اللہ کے رسول نے مجھے یہ کہہ کر بھیجا کہ جا کر ابوبکر سے کہو، رسول اللہ آپ کو سلام کہہ رہا ہے اور پھر کہتے ہیں کہ جنت کی خوشخبری قبول کرو، پھر اسی طرح جا کر عمر سے کہو، پھر عثمان سے بھی جا کر یہی کہو...... البتہ اس روایت میں حضرت عثمان کے متعلق کچھ مزید الفاظ

---

(١) صحيح البخاري، مناقب عمر بن الخطاب، رقم: ٣٤١٧

(٢) مسند احمد، حديث أبي موسى الاشعري، رقم: ١٩٥٢٧

(٣) مسند الروياني، رقم: ٥٢٧، مؤسسة الرسالة القاهرة

(٤) هكذا في المعجم الاوسط للطبراني، رقم: ٨٦٨، ودلائل النبوة للبيهقي، باب ماجاء في اخبار النبي بالبلوى التي أصابَت عثمان: ٦/٣٩٠، دار الكتب العلمية

بھی فرمائے اور وہ تھے "بعد بلاءٍ شدید" کے الفاظ، یعنی بشارتِ جنت تو حضرت عثمان کے لئے بھی ہے مگر سخت ابتلاء اور مصیبت کے بعد...... حضرت زید فرماتے ہیں میں نے ایسا ہی کیا کہ ابوبکر کو جا کر سلام اور بشارت عرض کی پھر عمر اور پھر عثمان کو اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق دریافت کیا تو میں نے کہا، فلاں جگہ آپ تشریف رکھتے ہیں، پھر وہ آئے بھی رسول اللہ کے پاس...... تاہم حضرت عثمان کے متعلق وہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور ہم چلے آئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس اور آ کر انہوں نے کہا، زید نے مجھ سے اس طرح کہا ہے اور میں نے تو آپ سے بیعت لینے کے بعد نہ گانا گایا نہ تمنی کی اور نہ سیدھے ہاتھ سے شرمگاہ کو چھوا پھر یہ کون سی مصیبت مجھے پہنچے گی؟ رسول اللہ نے فرمایا، بات تو یہی ہے (کہ تجھے مصیبت پہنچے گی)۔

بیہقی کہتے ہیں کہ اس روایت کی سَند تو ضعیف ہے تاہم صحیح ہونے کی صورت میں اس کی توجیہ اور حضرت ابوموسیٰ کے واقعے سے اس کی تطبیق یوں ہوسکتی ہے کہ حضرت ابوموسیٰ سے قبل ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن ارقم کو ان حضرات میں سے ایک ایک کے پاس بھیجا ہو پھر جب وہ آئے ہوں تو تب تک حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بھی پہنچ گئے ہوں اور پھر ان کے ساتھ باری باری حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی زبانی بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے وہی مراسلت ومخاطبت ہوئی ہو اور یوں یہ قصہ ایک ہو۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے اس قصے کی طرح قصہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی واقع ہوا ہے، جیسے کہ ابوداود، اسماعیل بن جعفر عن محمد بن عمرو عن ابی سلمۃ عن نافع بن عبدالحارث الخزاعی...... کے طریق سے نقل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں، "دخلَ رسولُ اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم حائطاً من حوائطِ المدینة فقال لبلال: أمسك علي الباب، فجاء أبوبکر یستأذن" پھر وہی قصہ ہے جو روایت ابوموسیٰ اشعری میں مذکور ہے، اس طرح طبرانی نے "الأوسط" میں ابوسعید کے حوالے سے ایسا ہی قصہ ذکر کیا ہے(۱)۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں، "وهذا إن صح حُمل علی التعدُّد" یعنی اگر اس (واقعے) کی صحت

---

(۱) المعجم الأوسط للطبراني، رقم: ٣٩٨٨

ثابت ہوتی ہے تو پھر یہ متعدد قصے ہیں کہ حضرت ابوموسیٰ کے ساتھ بھی ایسا واقعہ ہوا ہے، زید بن ارقم کے ساتھ بھی، اور حضرت ابوسعید کے ساتھ بھی، پھر فرماتے ہیں: "ثم ظهرلي أن فيه وهماً من بعض رُواته فقد أخرجه أحمد عن يزيد بن هارون عن محمد بن عمرو، وفي حديثه أن نافع بن عبد الحارث هو الذي كان يستأذن وهو وهمٌ ايضاً" (۱).

یعنی اس کے بعد مجھے اس روایت میں بعض راویوں کی طرف سے وہم کا اندازہ ہوا، اس وہم کی وضاحت کرتے ہوئے وہ فرماتے ہیں، احمد نے اس حدیث کی تخریج کی ہے، یزید بن ہارون عن محمد بن عمرو کے طریق سے اور ان کی روایت میں یہ ہے کہ نافع بن عبدالحارث ہی وہ شخص ہیں جنہوں نے اجازت طلب کی تھی اور یہ بھی ظاہر ہے وہم ہے۔ اور وہ یوں کہ احمد نے ہی موسیٰ بن عقبہ، عن أبي سلمہ، عن نافع...... کے طریق سے حدیث روایت کی ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں: "فجاء أبوبكر فاستأذن فقال لأبي موسىٰ فيما أعلم أئذَن لـه" (۲) اس میں اجازت طلب کرنے والے ابوبکر بتائے گئے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اجازت دینے والے ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اور نسائی نے بھی ابوالزناد عن ابی سلمۃ عن نافع بن عبدالحارث...... کے طریق سے یہ روایت نقل کی ہے جس میں نافع بن عبدالحارث پھر ابوموسیٰ ہی سے روایت کرتے ہیں اور یہی صحیح ہے، اس کے علاوہ جو روایتیں ہیں وہ راوی کے وہم پر مبنی ہیں۔ اس تفصیل کے بعد واضح ہو گیا ہے کہ قصہ ایک ہی ہے نہ کہ متعدد اور اس میں پیغمبر علیہ السلام کے پاس حضرت ابوموسیٰ تھے جب کہ اجازت طلب کرنے والے یکے بعد دیگرے ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم تھے۔

"بلوی" سے کیا مراد ہے؟

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے یہاں جس "بلوی" کا ذکر ہے، اس سے مراد وہ شورش ہے جو اُن کے عہد خلافت کے آخر میں برپا ہوئی تھی، جس میں ان کی شہادت بھی واقع ہوئی تھی اور یہاں تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے صرف اشارہ منقول ہے جب کہ دوسری جگہ اس کی صراحت آ گئی ہے، چنانچہ احمد نے کلیب بن وائل عن ابن عمر کے طریق سے نقل کیا ہے فرمایا، "ذكر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه

---

(۱) فتح الباري: ۹/ ٤٦

(۲) مسند احمد، مسند عبدالله بن عمرو، رقم: ٦٥٤٨، ولم أجد فيه زيادة لفظ "فقال لأبي موسىٰ ......"

وسلم فتنةً فمرَّ رجل فقال: يقتل فيها هذا يومئذ ظلماً، قال فنظرت فإذا هو عُثمان"(۱).

یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک فتنے کا ذکر کیا تو اس دوران ایک آدمی گذرا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اس میں یہ شخص قتل کئے جائیں گے ظلماً، راوی کہتے ہیں جب میں نے دیکھا تو وہ عثمان تھے (۲)۔

ابوبکر وعمر کی قبریں رسول اللہ کے ساتھ ہونے کی پیش گوئی

فَأَوَّلْتُهَا قُبُورَهُمْ...... یہاں بیداری کی حالت میں پیش آنے والے واقعے کی تاویل کا ذکر ہے اور اس طرح کی باتوں یا اندازوں کو تعبیر کی بجائے فراست و پیش گوئی کہا جا سکتا ہے۔ یعنی کوئی بندہ اپنی فراست سے یہ اندازہ لگاتا ہے کہ یہ واقعہ مستقبل میں رونما ہونے والے فلاں واقعے کا پیش خیمہ ہے (۳)۔

یہاں جس واقعے سے مستقبل میں پیش آنے والے واقعے کا اندازہ لگایا گیا وہ حضرات اصحاب ثلاثہ اور پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق ہے یہاں ''بئر اریس'' میں حضرات شیخین ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر، دائیں بائیں تھے تو قبروں میں بھی ان کی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ایسی صحبت اور معیت کی پیش گوئی کی گئی، اور وہ پوری بھی ہوئی۔

اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد جگہ ختم ہوگئی تھی اور وہ آپ کے سامنے جا کر بیٹھ گئے۔ ایسا ہی قبروں میں بھی ہونے کی پیش گوئی کی گئی اور ایسا ہوا بھی کہ حضرت عائشہ کے حجرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین کے بعد ابوبکر وعمر کی بھی تدفین ہوئی مگر عثمان کے لئے جگہ نہیں رہی تھی اور انہیں سامنے بقیع میں دفنایا گیا۔

باغ میں بیٹھنے کی ترتیب قبروں میں بھی ہونا ضروری نہیں

البتہ جس ترتیب سے باغ میں ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے تھے، اسی ترتیب سے ان کی قبریں ہونے کا ذکر مقصود نہیں ہے، محض قریب ہونا مراد ہے؟ کیونکہ باغ میں آپ

---

(۱) مسند أحمد، حديث كعب بن مرة، رقم: ۱۸۰۹۳

(۲) فتح الباري: ۹/۴۶

(۳) فتح الباري: ۹/۴۶

علیہ الصلاۃ والسلام کے دائیں حضرت ابوبکر تشریف رکھتے تھے اور بائیں عمر فاروق، اور وصال کے بعد قبروں میں کیا ترتیب تھی، اس کے متعلق قاسم بن محمد فرماتے ہیں، "قلت لعايشة: يا أماه اكشفي لي عن قبرِ رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وصاحبَيه، فكشفت لي" اور پھر فرماتے ہیں، "فإذا ابوبكر رأسه بين كَتفَيه، وعمر رأسه عند رجلَي النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم "(١).

فرمایا میں نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کہا، اماں جی! رسول اللہ اور آپ کے دونوں ساتھیوں کی قبریں ذرا مجھے کھول کر دکھائیے، انہوں نے حجرہ کھول دیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت ابوبکر کا سر مبارک آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شانوں کے درمیان ہے جب کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے پیروں کے ساتھ ہے۔

ہاں! البتہ ابونعیم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے تینوں قبروں کے متعلق ایک روایت نقل کی ہے، اگر وہ صحیح ہوتی تو پھر باغ میں اور قبروں میں تشبیہ کامل ہوتی، اس حدیث میں یہ کہا گیا ہے کہ ابوبکر آپ علیہ السلام کے یمین میں ہیں اور عمر یَسار میں (۲)۔

مگر یہ حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف ہے اور ابوداود کی قاسم بن محمد والی روایت جو ابھی اوپر ذکر کی گئی وہ اس کی معارض اور اس سے زیادہ صحیح ہے۔ لہٰذا مشابہت اور مماثلت من کل الوجوہ مقصود نہیں بلکہ صرف قربت اور ایک ساتھ موجودگی مراد ہے۔

جیسے کہ کتاب الفتن کی روایت میں سعید بن المسیب سے یہ الفاظ منقول ہیں، "فتأولتُ ذلك قبورهم، اجتمعَت ههنا وانفرد عثمان"(٣) میں نے اس سے ان کی قبریں مراد لیں جو یہاں جمع ہیں اور عثمان الگ ہیں۔

اور عبدالرحمٰن بن حرملہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں، "فأولتُ ذلك انتباذَ قبره من قبورِهم"(٤)

(١) سنن أبي داود، باب تسوية القبر، رقم: ٣٢٢٢، والسنن الكبرى للبيهقي، باب تسوية القبورِ رقم: ٧٠٠٦

(٢) ما وجدته إلا في مجمع الزوائد للهيثمي: ٣٢٦/٨، رقم: ١٤٢٥٤، دارالفكر، ومسند ابي يعلى: ٣٦٨/٨، رقم: ٤٩٦٢

(٣) صحيح البخاري، كتاب الفتن، باب الفتنة التي تموج كموج البحر، رقم: ٦٦٨٤

(٤) مسند الروياني، رقم: ٥٢٧، بلفظ "ابتزاز"

میں نے اس کی تاویل یوں سمجھی کہ عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کی قبران کی قبروں سے دور ہوگی (۱)۔

علامہ قسطلانی فرماتے ہیں:

"من جهة كون العمرين مصاحبين له عند الحضرة المقدّسة لا من جهة أن أحدهما في اليمين والأخر في اليسار، وأنّ عثمان في البقيع مقابلاً لهم"(۲).

یعنی عمرین (ابوبکر وعمر) کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونے سے مراد یہ ہے کہ انہیں آپ کی صحبت حاصل ہوگی، اس اعتبار سے نہیں کہ کون یمین میں کون شمال میں اور کون بقیع میں ہوگا۔

ترجمۃ الباب سے مناسبت

حدیث اور ترجمۃ الباب میں مطابقت واضح ہے کہ ابوبکر کا "افضل" ہونا روایت سے معلوم ہوتا ہے اور یہی مدعائے ترجمہ ہے۔

٣٤٧٢ : حدّثني محمّدُ بْنُ بَشَّارٍ : حَدَّثَنَا يَحْيَى ، عَنْ سَعِيدٍ ، عَنْ قَتَادَةَ : أَنَّ أَنَسَ بْنَ مالِكٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ حَدَّثَهُمْ : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَعِدَ أُحُدًا ، وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ ، فَرَجَفَ بِهِمْ ، فَقَالَ : (ٱثْبُتْ أُحُدُ ، فَإِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِيٌّ وَصِدِّيقٌ ، وَشَهِيدَانِ) . [٣٤٨٣ ، ٣٤٩٦]

تراجم رجال

مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ

یہ مشہور امام حدیث محمد بن بشار بن عثمان عبدی بصری ہیں۔ ان کے احوال "کتاب العلم، باب

(۱) فتح الباري: ٤٦/٩

(٢) إرشاد الساري: ١٦٧/٨

(٣٤٧٢) الحديث سبق تخريجه في كتاب التيمم، باب: ١، رقم: ٣٣٤، وفي باب إذا لم يجد ماء ولا تراباً، رقم: ٣٣٦

ما كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يتخوَّلهم بالموعظة والعلم كي لا ينفروا" میں گذر چکے ہیں(۱)۔

يَحْيَى

یہ مشہور امام حدیث یحییٰ بن سعید القطان ہیں، ان کے احوال "كتاب الإيمان، باب مِن الإيمان أن يحب لأخيه ما يُحب لنفسه" کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

سَعِيدٍ

یہ سعید بن ابی عروبہ مہران الیشکری البصری ہیں۔ ان کے احوال گذر چکے ہیں(۳)۔

قَتَادَةَ

یہ قتادۃ بن دعامہ السدوسی البصری ہیں۔ ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب من الإيمان أن يحب لأخيه مايُحب لنفسه" کے تحت گذر چکے ہیں(۴)۔

أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ

مشہور صحابی رسول انس بن مالک مراد ہیں۔ ان کے احوال بھی اسی باب "مِن الإيمان أن يُحب لأخيه مايحب لنفسه" میں گذر چکے ہیں(۵)۔

اُحُد یا حرا؟

صَعِدَ أُحُدًا ...... اُحد مدینہ منورہ کی مشہور پہاڑی ہے، اس پر چڑھنا مراد ہے، مسلم(۶) اور

---

(۱) دیکھئے، كشف الباري: ۳/۲۵۸

(۲) دیکھئے، كشف الباري: ۲/۲

(۳) كتاب الغسل، باب من أفرغ بيمينه على شمالهِ في الغسل

(٤) دیکھئے، كشف الباري: ۲/۲

(٥) دیکھئے، كشف الباري: ۲/۲

(٦) صحيح مسلم، باب من فضائل الصحابة، رقم: ٦٤٠٠

ابویعلی(۱) نے سعید سے روایت کی ہے، جس میں ''اُحد'' کی جگہ ''حراء'' کا ذکر ہے، مگر حافظ ابن حجر نے اُولاً پہلے قول کو زیادہ صحیح قرار دیا ہے اور فرمایا اگر مخرج ایک نہ ہوتا تو میں ان دونوں قصوں کو متعدد قرار دینے کا امکان مان لیتا۔ مگر اتحادِ مخرج اتحادِ قصہ پر دلالت کرتا ہے، پھر ان کی رائے بدل گئی جس کا "ثُمَّ ظهرلي ......" کہہ کر وہ اظہار کیا کرتے ہیں، یہاں بھی انہوں نے "ثُمَّ ظهـر لـي" کہہ کر کہا ہے کہ یہ اختلاف سعید سے واقع ہوا ہے کیونکہ ''مسند حارث بن ابی اسامہ'' میں روح بن عبادۃ عن سعید کے طریق سے روایت ہے جس میں سعید "أحداً أو حراء" شک کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔

اور امام احمد نے حدیث بریدہ بھی لفظ ''حراء'' کے ساتھ روایت کی ہے اور اس کی سند بھی صحیح ہے (۲) اور ابویعلی نے سہل بن سعد کی روایت نقل کی ہے جس میں لفظ ''اُحد'' وارد ہوا ہے اور یہ بھی سنداً صحیح روایت ہے (۳)، اس سے تعددِ قصہ کا احتمال قوی ہوتا ہے کیونکہ جب دو صحیح سندوں کے ساتھ ''اُحد'' اور ''حراء'' کا ذکر آ گیا تو یہ معنی ہوا کہ دونوں جگہ یہ واقعہ متعدد مرتبہ پیش آیا ہے۔

اسی طرح کتاب الوقف کے آخر میں حدیث عثمان میں بھی لفظ ''حراء'' وارد ہے۔

اور امام مسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت نقل کی ہے (۴)، اس سے بھی تعددِ قصہ کے احتمال کی تائید ہوتی ہے اور وہ یوں کہ وہاں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حراء پر موجودگی کا ذکر ہے اور آپ کے ساتھ ان مذکورہ حضرات کا بھی ذکر ہے اور دیگر کا بھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دوسرا مستقل قصہ ہے (۵)۔

وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ

بظاہر تو ابابکر ہونا چاہیے تھا أن النبي پر عطف کی وجہ سے مگر ایسا نہیں ہوا، بلکہ ابوبکر مرفوع وارد ہوا

---

(۱) مسند ابی یعلی، رقم: ۹۶۹، ۹۷۰

(۲) مسندا حمد عن سعید بن زید، رقم: ۱۶۳۰

(۳) مسند ابی یعلی، مسند ابن عباس، رقم: ۳۱۷۱

(٤) صحیح مسلم، باب من فضائل الصحابة، رقم: ۲٤۱۷، و٤٤۳۸

(٥) فتح الباري: ۹/٤٦، ٤٧

ہے جوظاہر ہے "صعِد" کے ضمیر مرفوع پر معطوف ہے اور وہ ضمیرِ صعد اگرچہ متصل ہے مگر "أحداً" کے فاصلے کی وجہ سے اس پر اسم ظاہر کا عطف بالاتفاق جائز ہے (۱)۔

اُحد کو نداء حقیقی ہے یا مجازی

اثبُتْ اُحُدُ ...... یہ منادی ہے اور حرف نداء اس میں محذوف ہے۔ "یا أحد" مراد ہے۔

مناقب عمر میں اس کے ساتھ یہ بھی اضافہ مروی ہے، "فضرَبه برجله وقال: اثبُت" (۲) انہوں نے اسے پاؤں سے مارا اور کہا ٹھہر جا! اثبت، ثبات سے امر کا صیغہ ہے جس کا معنی استقرار ہے، لفظ اُحُد منادی ہے اور اس کو آواز دینا اور مخاطب کرنا یا تو حقیقت پر محمول ہے اور وہ یوں کہ پہاڑ میں سننے کی صلاحیت ہو اور نداء کا ادراک بھی کرے اور یا پھر مجازاً اسے نداء دی گئی کہ اصل میں تو اس میں سننے اور قبول کرنے کی استعداد نہیں ہے، مگر اللہ کے رسول نے اپنی رسالت اور اپنے ساتھیوں کی عظمتِ مقام کا اظہار کرنا تھا، باندازِ بلیغ تو آپ نے پہاڑ کو مخاطب کر کے اس کا اظہار کیا، جیسے لوگ مصیبت کی شدت ظاہر کرتے ہوئے "وَیل" (ہلاکت) کو پکارتے ہوئے کہتے ہیں، واویلا! ورنہ "ویل" منادی سن تو نہیں سکتا، وہ تو امر حسی نہیں معنوی ہے۔ یا جیسے "وا رأساه" میں رأس کو پکارتے ہیں۔

تاہم اسے حقیقت پر حمل کرنا اولیٰ ہے، کیونکہ جہاں تک ممکن ہو کلام کو اس کے حقیقی اور ظاہری معنی پر حمل کرنا چاہیے اور اُحد کو حقیقتاً مخاطب کرنے کی اس سے بھی تائید ہوتی ہے کہ رسول اللہ نے اس کے متعلق فرمایا، "أحدٌ جبل یحبنا ونحبه" (۳) اُحد ایک ایسا پہاڑ ہے کہ وہ ہم سے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں اور محبت ظاہر ہے ادراک اور احساس کا متقاضی ہے اسی طرح ضرب بالرِجل سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کو متنبہ کرنا صحیح اور حقیقی تھا، اسی لئے اسے یوں متنبہ کیا گیا (۴)۔

---

(۱) فتح الباري: ۹/۴۷، وإرشاد الساري: ۱۶۸/۸

(۲) صحيح البخاري، مناقب عمر، رقم: ۳۴۸۳

(۳) صحيح البخاري، أحد يحبنا ونحبه رقم: ۳۷۷٤، وباب نزول النبی الحجر، رقم: ٤۰۷۰

(٤) فتح الباري: ۹/۴۷، وإرشاد الساري: ۱۶۸/۸

پہاڑ کا لرزنا از راہِ مسرت تھا

یہ پہاڑ کا لرزنا اور تھرتھرانا جس کا یہاں لفظ "رجف" کے ساتھ ذکر ہوا ہے، یہ اس رَجفَة کے قبیل سے نہیں ہے جو قوم موسیٰ کو تحریف کلام اللہ کے سبب پیش آئی تھی، بلکہ یہ خوشی سے جھومنے کے قبیل سے تھا، چنانچہ قسطلانی فرماتے ہیں:

"قال ابن المنيرٌ: قيل: الحكمة في ذلك أنه لَما أرجف أراد النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن يبيّن أن هذه الرجفةَ ليست من جنس رجفةِ الجبل بقوم موسىٰ عليه السلام لما حرَّفوا الكلم وأن تلك رجفة الغضب وهذه هزة الطرب"(۱).

یعنی پہاڑ کے جھومنے اور اس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تنبیہ میں حکمت یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بتانا چاہا کہ یہ پہاڑ کا لرزنا اس لرزنے کے قبیل سے نہیں ہے جو قوم موسیٰ پر واقع ہوا تھا کیونکہ وہ ''رجفۃ الغضب'' تھا اور یہ ''ہزۃ الطرب'' (اہتزاز بمعنی خوشی) ہے۔

اسی لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے مقامِ نبوت اور حضرت صدیق اکبر کے مقامِ صدیقیت اور دوسرے حضرات کے مقامِ شہادت کی تصریح فرمائی کیونکہ یہ سارے مراتب ومناصب رجفة الغضب کے متقاضی نہیں ہیں بلکہ رجفة السرور کے متقاضی ہیں، یہی وجہ ہے کہ پہاڑ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے اس ارشاد کے بعد رُک گیا اور ہلنا بند کردیا۔ ایک شاعر نے اس حوالے سے کیا خوب فرمایا:

ومال حراءٌ تحتَه فرحاً به
فلو لا مقال "اسكُن" تضعضعَ وانقضا

''حراء'' آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی موجودگی کی خوشی میں آپ کے تحت جھومنے لگا اور اگر اس کو "اسکن" "رُک جا"..... نہ کہا جاتا تو وہ منہدم ہو کر ختم ہو چکا ہوتا (۲)۔

---

(۱) إرشاد الساري: ۱۶۸/۸

(۲) دیکھئے، إرشاد الساري: ۱۶۸/۸

”قسطلانی کی رائے“ میں دونوں احتمال ہیں

قسطلانی کی اس توجیہ کا مطلب اگر یہ ہے کہ اُحد پہاڑ کی تھرتھراہٹ ازراہِ طرب وخوشی تھی مگر پھر اس کے جھوم جانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے متاثر ہونے اور گر جانے کا خطرہ تھا، اس لئے آپ نے فرمایا، اُحد! رُک جا اور نبی، صدیق اور شہیدَین کے ادب میں اور ان کی سلامتی کا لحاظ رکھتے ہوئے طرب انگیز تھرتھراہٹ سے باز آجا، تب تو یہ درست ہے اور بصورت دیگر اس پر یہ اشکال ہوگا کہ اگر اُحد کا جھومنا خوشی سے تھا تو پھر آپ اسے منع نہ کرتے اور منع کرنے کی وجہ ان عالی مرتبت حضرات کی موجودگی کو نہ قرار دیتے کیونکہ ان کی موجودگی تو باعثِ رجف تھی نہ کہ مانع عن الرجف، ہاں! اگر اس کی تھرتھراہٹ غضب کی تھی یا طبیعت وفطرتِ رجی کی وجہ سے تھی تو پھر اسے منع کر کے ممانعت کی وجہ ان نفوس قدسیہ اور عالی مرتبت شخصیات کی موجودگی کو قرار دینا درست ہوتا، جب کہ یہاں جو کہا گیا ہے وہ اس کے برعکس ہے۔ واللہ اعلم۔

مناقب عمر میں یزید بن زریع کی روایت ہے، جس میں یہ الفاظ ہیں:

”فما عليكَ إلا نبيّ أو صديقٌ أو شهيد“ ”أو“ شک نہیں بلکہ تنویع کے لئے ہے اور معنی یہ ہے کہ تجھ پر یا تو نبی ہے یا صدیق اور یا شہید، یعنی تینوں انواع ہیں اور ہر نوع کی موجودگی متقاضی احترام ہے(۱)۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ”رجفة“ سرور والا نہیں تھا۔ واللہ اعلم۔

ترجمۃ الباب سے مناسبت

باب اور حدیث میں مطابقت واضح ہے، کیونکہ ”صدیق“ سے مراد حضرت ابوبکر ہیں۔ ان کی موجودگی کو پہاڑ کو لرزنے سے باز رکھنے کے لئے وجہ قرار دیا گیا ہے اور گویا ان کا واسطہ دیا گیا پہاڑ کو۔ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کا اپنے ساتھ ذکر فرمایا، یہ ان کی اُفضلیت وعلوِ مرتبت کی علامت ہے۔

۳٤٧٣ : حدّثني أَحْمَدُ بْنُ سَعِيدٍ أَبُو عَبْدِ ٱللهِ : حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ : حَدَّثَنَا صَخْرٌ ، عَنْ نَافِعٍ : أَنَّ عَبْدَ ٱللهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا قَالَ : قَالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (بَيْنَا أَنَا عَلَى بِئْرٍ

(۱) فتح الباري: ٤٧/٩

(٣٤٧٣) الحديث أخرجه البخاري في صحيحه: ٥١٨/١، كتاب فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم ”لو كنا متخذا خليلاً“، رقم: ٣٦٧٣، ومسلم في صحيحه: =

أَنْزِعُ مِنْهَا ، جاءَنِي أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ ، فَأَخَذَ أَبُو بَكْرٍ الدَّلْوَ ، فَنَزَعَ ذَنُوبًا أَوْ ذَنُوبَيْنِ ، وَفِي نَزْعِهِ ضَعْفٌ ، وَاللّٰهُ يَغْفِرُ لَهُ ، ثُمَّ أَخَذَهَا ابْنُ الْخَطَّابِ مِنْ يَدِ أَبِي بَكْرٍ ، فَاسْتَحَالَتْ فِي يَدِهِ غَرْبًا ، فَلَمْ أَرَ عَبْقَرِيًّا مِنَ النَّاسِ يَفْرِي فَرِيَّهُ ، فَنَزَعَ حَتَّى ضَرَبَ النَّاسُ بِعَطَنٍ .

قالَ وَهْبٌ : الْعَطَنُ مَبْرَكُ الْإِبِلِ ، يَقُولُ : حَتَّى رَوِيَتِ الْإِبِلُ فَأَنَاخَتْ . [ر : ٣٤٣٤].

تراجم رجال

أَحْمَدُ بْنُ سَعِيدٍ

یہ ابوعبداللہ احمد بن سعید بن ابراہیم الأشقر الرباطی ہیں۔ان کے احوال گذر چکے ہیں (۱)۔

ایک احمد بن سعید اور ہیں، ان کی کنیت ابوجعفر اور نسبت سرخسی ہے، جب کہ ان کے دادا کا نام صخر ہے (۲)۔

وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ

یہ وہب بن جریر بن حازم ابوعبداللہ الأزدی البصری ہیں۔ان کے احوال بھی گذر چکے ہیں (۳)۔

صَخْرٌ

یہ صخر بن جویریہ مولی بنی تمیم یا مولی بنی ہلال ہیں۔ان کے حالات گذر چکے ہیں (۴)۔

نَافِعٌ

یہ ابوعبداللہ نافع العدوی مولی عبداللہ بن عمر ہیں۔ان کے احوال "کتاب العلم، باب ذکر العلم

= ٣١٠/٢، كتاب فضائل الصحابة، باب تحريم سب الصحابة، رقم: ٢٥٤١، وأبو داود في سننه: ٢٨٤/٢، كتاب السنة، باب في النهي عن سب أصحاب رسول صلى الله عليه وسلم، رقم: ٤٦٥٨، والترمذي في جامعه: ٢١٩/٢، كتاب المناقب، باب فيمن سب أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، رقم: ٣٨٦٠

(١) كتاب اللقطة، باب "كيف تعرَّف لقطة أهل مكة ......

(٢) دیکھئے، فتح الباري: ٤٧/٩

(٣) كتاب الوضوء، باب من لم يرَ الوضوء إلا من المخرَجين من القبل والدُّبر ......

(٤) كتاب الوضوء، باب دفع السّواك إلى الأكبر ......

والفُتيا في المسجد" میں گذر چکے ہیں(۱)۔

عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ

عبداللہ بن عمر کے احوال "کتاب الإیمان، باب الإیمان وقول النبي صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم بُني الاسلام علی خمس" میں گذر چکے ہیں(۲)۔

یہ واقعہ خواب کا ہے

بَيْنَمَا أَنَا عَلَى بِئْرٍ ...... پہلی بات تو یہ ہے کہ بعض نسخوں میں بینا ہے اور بعض میں "بینَما" بالمیم ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ خواب کا واقعہ ہے یعنی کنویں کے پاس ہونا حالتِ بیداری میں نہیں واقع ہوا، بلکہ خواب میں راوی کو دکھائی دیا۔ جیسا کہ اسی باب کی ایک اور روایت میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ الفاظ منقول ہیں: "بینا أنا نائم علی قلیبٍ علیها دَلوَ"(۳). اس میں "نائم" کی تصریح ہے۔

اسی طرح مناقب عمر میں بھی "أُرِيتُ في المنَام" کے الفاظ کے ساتھ یہ روایت ذکر ہوئی ہے(۴)۔ اس میں بھی "منام" کا ذکر ہے۔

"ذَنوب" سے کیا مراد ہے؟

فَنَزَعَ ذَنُوبًا، أَوْ ذَنُوبَيْنِ ...... نَزَعَ کا معنی ہے ڈول کو پانی سے بھر کر نکالنا۔ "ذَنوب" کا معنی ہے، "الدَّلوُ الکبیرُ إذا کان فیها الماء" بڑا ڈول جس میں پانی بھی ہو۔

شارحینِ حدیث کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ذَنوب سے مراد یہاں مدت خلافت ہے لیکن اس پر ایک اشکال وارد ہوتا ہے اور وہ یوں کہ مدت خلافت تو حضرت ابوبکر کی تھی دو سال پورے اور تیسرے سال کا کچھ حصہ، تو اگر ذَنوب سے سالہائے خلافت کی طرف اشارہ مقصود ہے پھر تو ذنوبَین او ثلاثة. کہنا چاہیے تھا۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: "والذي يَظهر لي أنَّ ذلك إشارة إلى مافُتح في زمانه من الفتوحِ الكبارِ وهي

(۱) دیکھئے، کشف الباري: ٤/٦٥١

(۲) کشف الباري: ١/٦٣٧

(۳) دیکھئے، رقم (٣٦٦٤)

(٤) دیکھئے، رقم (٣٦٨٢)

ثـلاثة" جو بات میری سمجھ میں آرہی ہے وہ یہ ہے کہ اس سے ان فتوحات کی طرف اشارہ مقصود ہے جو بڑی بڑی فتوحات آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں ہوئیں اور وہ تین ہیں۔ شاید ''غزوہ حیرہ'' ''فتح الانبار'' اور ''فتوح الشام'' مراد ہیں یا پھر فتنۂ ارتداد، فتنۂ انکارِ زکوۃ اور جھوٹے مدعیٔ نبوت کی سرکوبی مراد ہے(۱)۔

اشکال تو اس پر بھی ہوسکتا ہے کہ اگر فتوحات تین ہیں تو پھر "ذَنـوبَيـن أو ثـلاثة" کہنا چاہیے تھا نہ کہ "ذَنـوبـاً أو ذَنوبين" تاہم اس کا یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ "ذَنـوبـاً أو ذَنوبين" یعنی ایک دو ڈول سے عدد مراد نہیں ہے، بلکہ قلت اور اختصار کی طرف اشارہ مقصود ہے، جیسے کہا جاتا ہے ''ایک آدھ'' اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق پھر کسی عدد خاص کا ذکر نہیں ہوا ہے حالانکہ ان کے سالہائے خلافت اور اسی طرح تعدادِ فتوحات بھی معلوم ومعدود ہیں مگر ان کے متعلق صرف ڈول نکالنے میں قوت اور مضبوطی کا ذکر ہے، جس کا معنی یہ ہے کہ ان کی فتوحات زیادہ ہیں اور وہ بڑے فاتح ہیں۔ واللہ اعلم (۲)۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''کتاب الأم'' میں اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد اس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

"ومـعـنـى قـولـه وفـي نـزعـهِ ضـعـف" قصر مدّته وعجلة موته وشغله بالحرب لأهل الرِّدة عن الافتتاح والتزيد الذي بلغَه عمُر في طول مدته"(۳).

یعنی رسول اللہ کے ابو بکر کے بارے میں ارشاد "وفـي نزعه ضعف" کا معنی ہے ان کی مدتِ خلافت کا اختصار، ان کی موت کا جلد واقع ہونا اور اہلِ ارتداد کے ساتھ لڑنے میں مصروف ہونے کی وجہ سے ان کا فتوحات اور خلافت اسلامیہ کو توسیع دینے سے رہ جانا اور اس کا موقع نہ پانا۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں، امام شافعی نے اپنے اس قول میں وہ تمام باتیں یکجا کی ہیں، جو دوسروں نے متفرق کہی ہیں، یعنی کسی نے مدت خلافت کا اختصار مراد لیا ہے، کسی نے فتوحات کی کمی وغیرہ کو، امام شافعی نے ان تمام کو مراد لیا ہے۔ اس کی تائید اسی طرح کے اُس قصے کے الفاظ سے بھی ہوتی ہے، جو ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، اس کے الفاظ ہیں:

---

(۱) تاريخ ابن خلدون: ۲/۲۲۸ تاريخ الكامل لابن الاثير ...... عهد صديقى: ٦/٦٦٨

(۲) دیکھئے، فتح الباري: ۹/٤٧

(۳) كتاب الأم، صلاة المسافر: ۱/۱٦۳

"قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : فاعبرها يا أبابكر، فقال إلي الأمر من بعدك، ثم يليه عمر، قال: كذلك عبرها الملَكُ"(۱).

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، ابوبکر اس کی تعبیر بتا، انہوں نے کہا آپ کے بعد خلافت مجھے حاصل ہوگی، پھر (میرے بعد) اُسے عمر سنبھالیں گے، نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا، اسی طرح فرشتے نے بھی اس کی تعبیر بتائی۔

یہ حدیث طبرانی نے روایت کی ہے مگر اس کی سند میں ضعف ہے(۲)۔

"ضعف" کا ایک اور مطلب

علامہ قسطلانی "وفي نزعه ضعف" کے متعلق فرماتے ہیں:

"اشارة إلى ما كان في زمنه من الارتداد واختلاف الكلمة، ولين جانبه، ومداراته مع الناس"(۳).

اس ضعف سے اشارہ مقصود ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اٹھنے والے فتنہ ارتداد اور لوگوں میں پیدا ہونے والے اختلاف کی طرف، اور حضرت ابوبکر کی نرم مزاجی اور لوگوں سے حسن سلوک کی طرف، جو اُن کی ایک طرح سے کمزوری تھی اور اس نرمی اور خاطر مدارت کی وجہ سے ظاہر ہے ان کا رعب ودبدبہ اور خلافت کی جلالت بھی اتنی نہ ہوئی ہوگی جتنی کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی تھی۔

وَاللّٰهُ يَغْفِرُ لَهُ کا مطلب

اس جملے کے مختلف مقاصد بیان کئے گئے ہیں، ایک مطلب تو بیان کیا گیا ہے کہ یہ متکلم کی طرف سے دعائیہ جملہ ہے اور اس کا کوئی مفہوم نہیں ہے، یعنی جیسے بظاہر اس سے یہ سمجھ آتا ہے کہ شاید ان (حضرت ابوبکر) میں خلافت کے حوالے سے کوتاہیاں پائی جاتی تھیں اس لئے ان کے واسطے مغفرت کی دعا کی گئی یہ ممکنہ مفہوم یہاں مراد نہیں ہے، بلکہ اسے عرب کی عادت کے مطابق استعمال کیا گیا ہے، چنانچہ عرب کہا کرتے ہیں، "افعل

---

(۱) كنز العمال...... فضل الشيخين، رقم: ۳٦۱۳٦، مؤسسة الرسالة

(۲) فتح الباري: ۹/۴۷

(۳) دیکھئے، إرشاد الساري: ۸/۱٦۸

كذا والله يغفرُلك" یوں کر، اللہ تیری مغفرت کرے(۱)۔ ہمارے ہاں بھی اپنے مرحوم باپ دادا کے ذکر کے وقت کہا کرتے ہیں، اللہ بخشے والدِ صاحب یا دادا جان کی یہ عادت تھی......

دوسرا قول یہ ہے کہ اس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قربِ وفات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿فسبّح بحمد ربك واستغفره﴾ (۲) کی نظیر ہے، کیونکہ یہ سورہ نصر کی آیت ہے اور مفسرین فرماتے ہیں اس میں آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی وفات کی طرف اشارہ ہے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

"قلتُ: ويحتمل أن يكون فيه اشارة إلى أنَّ قلَة الفتوح في زمانِه لا صنع له فيه؛ لأن سببَه قصرُ مدَّته، فمعنى المغفرة له رفعُ الملامة عنه"(۳).

یعنی یہ بھی احتمال ہے کہ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ حضرت ابوبکر کے عہدِ خلافت میں فتوحات کی قلت میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کوئی دخل اور قصور نہ تھا بلکہ اس کی وجہ ان کو ملنے والے موقعے اور زمانے کی کمی تھی جس کا قدرتی اور لازمی نتیجہ تھا فتوحات کی کمی اور خلافت کا عدم پھیلاؤ۔ اس واسطے مغفرت کی دعا کر کے ان سے کسی بھی قسم کی ملامت کو رفع کیا گیا۔

غَرْبًا

أي دلواً عظيماً یعنی وہ (معمولی) ڈول پھر بہت بڑے ڈول میں تبدیل ہو گیا۔

"عبقری" کا معنی

فَلَمْ أَرَ عَبْقَرِيًّا ...... عبقري بفتح العين وسكون الباء الموحدة وفتح القاف وكسر الراء اس سے مراد ہے، "كل شيء بلغ النهاية" ہر وہ چیز جو انتہاء کو پہنچ جائے یعنی کسی بھی کمال میں آخری حدوں کو چھونے والی چیز عبقری کہلاتی ہے اور "عبقر" اصل میں کہا جاتا ہے "أرض الجن" کو، یعنی وہ زمین جہاں جنات کا اور پریوں کا بسیرا ہو، یا یہ ایک بستی کا نام ہے، جہاں خوبصورت کپڑے بنتے تھے۔ چونکہ جنات کے وجود میں

(۱) فتح الباري: ۴۸/۹، وإرشاد الساري: ۱٦۸/۸

(۲) سورة النصر: ۳

(۳) فتح الباري: ۴۸/۹

اچنبھاپن اور مختلف عجائبات ہوتے ہیں اس لئے عرب عموماً ہراس چیز کو عبقر، یا "أرض الجن" کی طرف منسوب کرتے ہیں جس میں حسن یا کسی دوسری چیز میں کمال اور حیرت انگیزی ہو(۱)۔ جیسے ہمارے ہاں بھی "پری زادہ" وغیرہ الفاظ اس معنی میں بولے جاتے ہیں۔

يَفْرِی فَرِيَّهُ

"يفري" بفتح الياء وسكون الفاء وكسر الراء وسكون التحتانية "فرِيَّه" بفتح الفاء وكسر الراء وتشديد التحتانية المفتوحة. بعض نے بسکون الراء بھی نقل کیا ہے، مگر یہ غلط ہے، اس جملے کا معنی ہے، "يعمل عملَه البالغ" اپنا عظیم کام کرنا۔

حَتَّى ضَرَبَ النَّاسُ بِعَطَنٍ

عَطَن بفتح المهملتين مُناخُ الإبل. یعنی اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ کو کہا جاتا ہے اور ضَرَب النَّاسُ بِعطَنٍ کا معنی یہ ہے کہ لوگ سیراب ہو کر اپنے اپنے ٹھکانوں پر چلے گئے۔

مناقب عمر میں یہ الفاظ ہیں، "حتى روِي الناسُ وضربُوا بِعطنٍ"(۲). یہاں تک کہ لوگ سیراب ہو گئے اور اپنے اپنے ٹھکانوں پر چلے گئے۔

اور بزار اور طبرانی نے بسند حسن ابوالطفیل سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، "بينا أنا أنزع اللّيلَة إذ وردَت عليّ غنم سودٌ وعُفر، فجاء ابوبكر فنزَع" اس دوران کہ میں ایک رات پانی نکال رہا تھا کہ مجھ پر کالی اور خاکی رنگ کی بکریاں آگئیں پھر ابوبکر آئے اور پانی نکالا۔ پھر حضرت عمر کے متعلق فرمایا، "فملأ الحياضَ وأروى الواردةَ"(۳). عمر نے حوض بھر دیئے اور آنے والی بکریوں کو سیراب کیا۔

اور پھر فرمایا، "فأوَّلت السُّود العربَ والعُفر العجمَ"(٤) میں نے کالی بکریوں کی تعبیر عربوں سے

---

(١) فتح الباري: ٤٨/٩

(٢) دیکھئے، كتاب الفضائل، باب قول النبي "لو كنتُ متخذا خليلاً" رقم (٣٦٨٢)

(٣) فتح الباري: ٤٨/٩، ومسند أبي يعلى مسند أبي الطفيل، رقم: ٤٠٩

(٤) فتح الباري: ٤٨/٩، ومسند أبي يعلى مسند أبي الطفيل، رقم: ٤٠٩

کی اور ٹیالی بکریوں کی تعبیر عجموں سے کی۔

اس روایت میں بھی وہی مضمون بیان ہوا ہے، مگر کچھ اختلافِ صورت وہیئت کے ساتھ۔

''عطن'' کا معنی ومفہوم

قَالَ وَهْبٌ ...... یہ وہب بن جریر ہیں جو امام بخاری کے شیخ الشیخ ہیں اور اسی زیرِ بحث روایت میں ان کا ذکر ہے۔ احمد بن سعید اِن سے روایت کرتے ہیں۔

ان کا یہ کلام سندِ مذکور کے ساتھ موصولاً ثابت ہے۔ وہب بن جریر نے عَطَن کا معنی ذکر کیا ہے اور "يقول: حتی رويت الإبلُ......" انہی کا مقولہ ہے(۱)۔ علامہ قسطلانی فرماتے ہیں "رَوِيت" کے بعد "فأناخت" کی بجائے "فأنِيخت" ہونا چاہیے تھا(۲)۔

وہب کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ "عطَن" کا معنی ہے "مَبرك الإبل" اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ، اور استعمال یوں ہے کہ "رَوِيَت الإبل فأنِيخَت" اونٹ سیراب ہوگئے تو انہیں ان کے بیٹھنے کی جگہ ٹھہرایا گیا۔

بیضاوی اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں، خواب میں جو کنواں دیکھا گیا اس سے مراد دِین ہے کیونکہ دین ایک ایسا چشمہ ہے جس سے نکلنے والے پانی سے جانوں کی حیات بنتی ہے اور اس سے معاش ومعاد کا معاملہ ٹھیک ہوتا ہے اور نزع منه کا معنی ہے اس سے پانی نکالنا اور اس سے اشارہ مقصود ہے امرِ دین کی اشاعت اور اس کے احکام کے اجراء کی طرف اور "يغفر الله له" سے اس بات کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ ان کا ضعف یعنی نرمی اور کمزوری مُضر نہیں ہے اور اس پر اعتراض کرنے کا جواز نہیں ہے۔

یہ تو اس صورت میں ہے جب کہ ضعف سے مراد نرمی ہو ورنہ دوسرا معنی ضعف کا کیا گیا ہے فتنہ وارتداد اور مسلمانوں میں پیدا ہونے والا اختلاف، جس سے مسلمانوں میں کمزوری آگئی تھی پھر وہ اختلاف اور افتراق جاتا رہا اور حضرت عمر کے عہدِ خلافت میں اسلام مضبوط ہوا اور مسلمان باہم متفق اور طاقت ور ہوگئے(۳)۔

''نزع'' میں ضعف اور قوت سے کیا مراد ہے، اس کی طرف امام احمد کی ایک روایت میں بھی اشارہ کیا

(۱) فتح الباري: ۴۸/۹

(۲) إرشاد الساري: ۱۶۹/۸

(۳) فتح الباري: ۴۹/۹

گیا ہے۔روایت حضرت سمرۃ کی ہے، وہ فرماتے ہیں:

"أن رَجلاً قال: يا رسولَ الله رأيتُ كأن دلوًا من السماء دليت، فجاء ابوبكر فَشرب شُرباً ضعيفاً ثم جاء عمر فشرِبَ حتى تضلَّع"(۱).

یعنی آسمان سے ایک ڈول پھینکا گیا تو ابوبکر آ گئے اور اس سے پانی پیا مگر ہلکا سا، پھر عمر آئے اور انہوں نے اتنا پیا کہ سیراب ہو گئے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ضعف سے مراد قلتِ مدت اور اختصارِ خلافت ہے اور قوت سے اس (خلافت) کی توسیع اور اس کا دیرپا ہونا مراد ہے۔واللہ اعلم (۲)۔

علامہ قسطلانی فرماتے ہیں:

"وهذا كلُّه فيه إشارة إلى ما أكرَم الله عزوجل به عمرَ من امتداد مدّة خلافتِه، ثم القيام فيها بإعزازِ الإسلام وحفظِ حدودهِ وتقويةِ أهلهِ حتى ضرب الناس بعطن أي حتى روَوا وأروَوا إبلَهم وأبركوها وضربوا لها عطناً وهو مبركُ الإبل حول الماء يقال: أعطنتِ الإبل فهي عاطِنة وعواطن اي سقيت وتُركت عند الحِياض لتُعاد مرة أخرى"(۳).

یعنی اس تفصیل میں اشارہ ہے اُس عزت واکرام کی طرف جس سے اللہ نے حضرت عمر کو سرفراز فرمایا اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی خلافت کی مدت کو لمبا فرمایا پھر اس خلافت میں اسلام کو عزت وغلبہ دینے کے لئے انہیں کھڑا ہونے کا موقعہ دیا، اسلام کی حدود کی حفاظت اور اہل اسلام کو طاقت ور بنانے کا موقع دیا، یہاں تک کہ لوگوں نے ''ضرب عطن'' کرلیا یعنی خود سیراب ہوئے اور اپنے اونٹوں کو سیراب کر دیا اور ان کو اپنے ٹھکانوں پر پہنچادیا۔

---

(۱) مسند احمد من حديث سَمرة، رقم: ۲۰۲۵۵

(۲) فتح الباري: ۴۹/۹

(۳) إرشاد الساري: ۱۶۹/۸

پھر "ضرب عطن" کا معنی بیان کیا کہ "عطن" پانی کے اردگرد اونٹوں کے ٹھکانوں کو کہا جاتا ہے، أعطنت الإبلُ فهي عاطِنة کا معنی ہے اونٹوں کو پانی پلاکر حوضوں کے پاس چھوڑ دیا گیا کہ پھر بعد میں آکر انہیں لوٹایا جائے۔

٣٤٧٤ : حدّثني الْوَلِيدُ بْنُ صَالِحٍ : حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ : حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ سَعِيدِ بْنِ أَبِي الحُسَيْنِ المَكِّيُّ ، عَنِ ٱبْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ ، عَنِ ٱبْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ : إِنِّي لَوَاقِفٌ فِي قَوْمٍ ، فَدَعَوُا ٱللَّهَ لِعُمَرَ بْنِ الخَطَّابِ ، وَقَدْ وُضِعَ عَلَى سَرِيرِهِ ، إِذَا رَجُلٌ مِنْ خَلْفِي قَدْ وَضَعَ مِرْفَقَهُ عَلَى مَنْكِبِي يَقُولُ : رَحِمَكَ ٱللَّهُ ، إِنْ كُنْتُ لَأَرْجُو أَنْ يَجْعَلَكَ ٱللَّهُ مَعَ صَاحِبَيْكَ ، لِأَنِّي كَثِيرًا مِمَّا كُنْتُ أَسْمَعُ رَسُولَ ٱللَّهِ ﷺ يَقُولُ : (كُنْتُ وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ ، وَفَعَلْتُ وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ ، وَٱنْطَلَقْتُ وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ) . فَإِنْ كُنْتُ لَأَرْجُو أَنْ يَجْعَلَكَ ٱللَّهُ مَعَهُمَا ، فَٱلْتَفَتُّ ، فَإِذَا هُوَ عَلِيُّ ٱبْنُ أَبِي طَالِبٍ . [٣٤٨٢]

الْوَلِيدُ بْنُ صَالِحٍ

الوليد بن صالح النخاس الضبي أبو محمد الجوزي الفلسطيني.

صاحب تہذیب الکمال فرماتے ہیں:

"الوليد بن صالح النخاس الضبيّ، ابومحمد الجزري، بيّاع الرقيق،

(٣٤٧٤) الحديث أخرجه البخاري في صحيحه: ١/٥١٨، كتاب فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم "لو كنا متخذا خليلاً"، رقم: ٣٦٧٤، وفي صحيحه: ١/٥٢٢، كتاب فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، باب مناقب عمر بن الخطاب، رقم؛ ٣٦٩٣، وفي مناقب عثمان بن عفان، رقم: ٣٦٩٥، وفي: ٢/٩١٨، كتاب الأدب، باب من نكت العود في الماء والطين، رقم: ٦٢١٦، وفي كتاب الفتن، باب الفتنة التي تموج كموج البحر، رقم: ٧٠٩٧: ٢/١٠٥١، وفي: ٢/١٠٧٨، كتاب أخبار الأحاد، باب قول الله تعالىٰ "لا تدخلوا بيوت النبي إلا أن يؤذن لكم"، رقم: ٧٢٦٢، ومسلم في صحيحه: ٢/٢٧٧، كتاب في فضائل الصحابة، باب من فضائل عثمان بن عفان رضي الله عنه، رقم: ٢٤٠٣، والترمذي في جامعه: ٢/٢١٢، كتاب المناقب، مناقب علي، باب: ٦١، رقم: ٣٧١٠

نزلَ بغداد ويقال: أصله من فلسطين"(۱).

شیوخ وتلامذہ

اسرائیل بن یونس، بقیۃ بن الولید، حماد بن زید، حماد بن سلمۃ، لیث بن سعد وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

اوران سے امام بخاری، ابراہیم بن اسحاق الحربی، ابراہیم بن مہدی، احمد بن ابراہیم الدورقی، احمد بن علی الخزاز، احمد بن القاسم بن مساور الجوہری وغیرہ نے روایت کی ہے۔

جرح وتعدیل

عبداللہ بن احمد بن حنبل کہتے ہیں:

"قلتُ لأبي: لِم لَم تكتب عن الوليدِ بن صالح النخّاس؟ قال: رأيتُه يصلي في مسجدِ الجامع يُسيئى الصلاةَ فتركتُه"(۲).

میں نے اپنے والد (امام احمد بن حنبل) سے کہا آپ ولید بن صالح النخاس کی روایات کو کیوں نہیں لکھ رہے ہیں؟ فرمایا میں نے انہیں جامع مسجد میں نماز پڑھتے دیکھا وہ نماز صحیح نہیں پڑھ رہے تھے اس لئے میں نے چھوڑ دیا۔

احمد بن ابراہیم الدورقی اورابوحاتم الرازی کہتے ہیں "كان ثقةً"(۳).

ابن حبان نے بھی کتاب ''الثقات'' میں ان کا ذکر کیا ہے(۴)۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

"وليس له في البخاري إلا هذا الحديث الواحد وسيأتي من وجهٍ أخر

---

(۱) تهذيب الكمال: ۳۱/۲۸

(۲) تهذيب الكمال: ۳۱/۳۰

(۳) الجرح والتعديل ج: ۹، الترجمة: ۳۰

(٤) الثقات لابن حبان: ۹/۲۲۵

في مناقب عمر عن ابن ابی حسین، فظهر أن البخاري لم يحتج به"(۱).

یعنی ان کی صحیح بخاری میں یہی ایک روایت ہے اور یہ بھی دوسرے طریق سے مناقب عمر میں منقول ہے اس سے ظاہر ہوا کہ بخاری ان سے استدلال نہیں کرتے۔

عِيسَى بْنُ يُونُسَ

یہ عیسیٰ بن یونس بن ابی اسحاق السبیعی ابوعمرو الکوفی ہیں۔ ان کے حالات گذر چکے ہیں (۲)۔

عُمَرُ بْنُ سَعِيدٍ

یہ عمر بن سعید بن حسین قرشی نوفلی مکی ہیں۔ ان کے احوال "كتاب العلم، باب الرّحلةِ في المسئلةِ النازلةِ وتعليم أهلهِ" میں گذر چکے ہیں (۳)۔

ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ

یہ ابوبکر عبداللہ بن عبیداللہ بن ابی ملیکہ القرشی التیمی ہیں۔ ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب خوف المؤمن من أن يحبط عملُه وهو لا يشعُر" میں گذر چکے ہیں (۴)۔

ابْنِ عَبَّاسٍ

یہ مشہور صحابی رسول عبداللہ بن عباس ہیں۔ ان کے احوال "بدء الوحي" میں گذر چکے ہیں (۵)۔

عبارت میں ترکیبی اعتبار سے اختلاف

كُنْتُ، وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ

اس سے ملتا جلتا ایک جملہ گزشتہ سے پیوستہ روایت میں گذر چکا ہے اور وہ ہے، "أن النبي صَعِدَ أحداً

---

(۱) فتح الباري: ۹/۴۹

(۲) كتاب الأذان، باب من صلى بالناس فذكر حاجةً فتخطاهم ......

(۳) دیکھئے، کشف الباري: ۳/۵۱۵

(٤) دیکھئے، کشف الباري: ۲/۵٤۸

(٥) دیکھئے، کشف الباري: ۱/٤۳۵

وأبـوبكرٍ وعمر......" اُس کے متعلق ابن التین نے فرمایا کہ یہاں ابوبکر کا عطف ہو رہا ہے، "صعد" کے ضمیر فاعل پر اور یہ بالاتفاق جائز ہے، یعنی ضمیر متصل پر اسم ظاہر کا عطف، کیونکہ اس میں "أحداً" فاصل معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان واقع ہے، جب کہ زیرِ بحث روایت میں حافظ ابن حجر نے ان کا قول نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

"الأحسنُ عند النحاةِ أن لا يعطفَ على الضميرِ المرفوعِ إلا بعدَ تاكيدِه، حتى قال بعضهم إنه قبيح لكن يرِد عليهم قوله تعالىٰ: ﴿ما أشرَكنا ولا أباؤنا﴾ وأجيب بأنه قد وقعَ الحائل وهو قوله "لا" وتعقب بأن العطف قد حصَل قبل "لا" قال: ويرد عليهم أيضاً هذا الحديث"(۱).

نُحات کے ہاں زیادہ بہتر یہ ہے کہ ضمیر مرفوع پر عطف نہ کیا جائے اِلا یہ کہ اس کی تاکید لائی جائے یہاں تک کہ بعض حضرات نے تو اسے قبیح کہا ہے، مگر اس قول پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ اللہ کے کلام میں اس طرح کا عطف ہوا ہے۔"ما أشركنا" پر "أباؤنا" کا عطف ہوا ہے، اس اشکال کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہاں لفظ "لا" حائل اور فاصل موجود ہے اور ظاہر ہے عطف براہ راست جائز نہیں ہے، تاکید کے بعد تو جائز ہے، اس جواب کو یہ کہہ کر مسترد کیا گیا ہے کہ عطف "لا" سے پہلے ہی حاصل ہوا ہے تو معلوم ہوا کہ ضمیر مرفوع متصل پر عطف جائز ہے، جیسے کہ قرآن میں بھی ہے اور حدیثِ مذکور میں ہے...... یہ دونوں نُحات کے اس قول کے خلاف ہیں۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:"والتعقيب مردودٌ، فانه وُجِد فاصل في الجملة"(۲).

یعنی نُحات کے قاعدے پر آیت ما أشركنا ...... کے ساتھ جو اعتراض کیا گیا ہے وہ درست نہیں ہے، کیونکہ یہاں "لا" کے ساتھ فصل لایا گیا ہے اور اس پر کیا جانے والا اعتراض کہ اِس اسے پہلے ہی عطف ہوا ہے، یہ باطل اور مردود ہے کیونکہ فی الجملہ معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان فاصل تو موجود ہے (خواہ حرف

---

(۱) فتح الباري: ۴۹/۹، نیز جامع الدروس العربية: ۱۸۹/۳

(۲) فتح الباري: ۴۹/۹

عطف سے قبل ہو یا بعد میں) اور یہی کافی ہے۔

پھر ابن حجر حدیث کے الفاظ کے متعلق فرماتے ہیں، "وأما هذا الحديث فلم تتفق الرُّواة على لفظه" یعنی اس روایت کے الفاظ سے جو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ضمیر مرفوع پر عطف بلا تاکید جائز ہے، یہ اس لئے معتبر نہیں ہے کہ روایت کے ان الفاظ پر تمام راوی متفق نہیں ہیں سو ممکن ہے ان الفاظ میں کسی راوی سے چوک ہوئی ہو۔

چنانچہ مناقب عمر میں ایک اور طریق سے یہ الفاظ مروی ہیں، "ذهبتُ أنا وأبوبكر وعمر" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں راویوں نے تصرف کیا ہے اور اصل میں فصل بین المعطوف والمعطوف علیه ہے(۱)۔

ترجمۃ الباب سے مناسبت

ترجمۃ الباب سے مطابقت واضح ہے، کیونکہ یہاں بھی ابوبکر کی فضیلت کا ذکر ہے کہ وہ اکثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتے تھے اور آپ اکثر ان کا ذکر اپنے ساتھ کرتے تھے۔

۳٤٧٥ : حدَّثني مُحَمَّدُ بْنُ يَزِيدَ الْكُوفِيُّ : حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ ، عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ ، عَنْ يَحْيَى ابْنِ أَبِي كَثِيرٍ ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ : سَأَلْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو عَنْ أَشَدِّ ما صَنَعَ الْمُشْرِكُونَ بِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ ، قَالَ : رَأَيْتُ عُقْبَةَ بْنَ أَبِي مُعَيْطٍ ، جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ يُصَلِّي ، فَوَضَعَ رِدَاءَهُ فِي عُنُقِهِ فَخَنَقَهُ بِهِ خَنْقًا شَدِيدًا ، فَجَاءَ أَبُو بَكْرٍ حَتَّى دَفَعَهُ عَنْهُ ، فَقَالَ : أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللّٰهُ ، وَقَدْ جَاءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ رَبِّكُمْ .

[٤٥٣٧ ، ٣٦٤٣]

---

(١) فتح الباري: ٤٩/٩

(٣٤٧٥) الحديث أخرجه البخاري في صحيحه: ٥١٩/١، كتاب فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم، لو كنت متخذا خليلاً، رقم: ٣٦٧٥، وباب مناقب عمر بن الخطاب: ٥٢١/١، رقم الحديث: ٣٦٨٦، وفي: ٥٢٣/١، باب مناقب عثمان بن عفان، رقم: ٣٦٩٩، وأبو داود في سننه: ٢٨٣/٢، كتاب السنة، باب في الخلفاء، رقم: ٤٦٥١، والترمذي في جامعه: ٢١٠/٢، كتاب =

تراجم رجال

مُحَمَّدُ بْنُ يَزِيْدَ

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں، "قيل هو أبوهشام الرفاعي وهو مشهور بكنيته".

یعنی یہ ابو ہشام الرفاعی ہی ہیں، مگر مشہور کنیت کے ساتھ ہے۔

پھر کہتے ہیں:

"وقال الحاكم والكلاباذي هو غيرُه"(۱). یعنی حاکم اور کلاباذی کے ہاں یہ ابو ہاشم رفاعی نہیں ہیں۔

علامہ قسطلانی نے بھی اس دوسرے قول کو ترجیح دیتے ہوئے فرمایا:

"قال ابن خلفون، وليس بأبي هشام محمد بن يزيد بن رفاعة الرفاعي، قاله الحاكم والكلاباذي".

یعنی یہ محمد بن یزید ابو ہشام الرفاعی نہیں ہیں بلکہ دوسرے (محمد بن یزید) ہیں۔ قسطلانی کی رائے میں یہ محمد بن يزيد الحزامي الكوفي البزاز ہیں(۲)۔

یہ اسحاق بن سليمان الرازي، حبان بن علي الغنزي، رُشد بن سعد المصري، السَّدي بن عبدالله السُّلمي البصري، سفيان بن عيينه، شريك بن عبدالله النخعي، عبدالله ابن المبارك، عبدالرحمن بن محمد المحاربي، وليد بن مسلم، يحيى بن زكريا، يونس بن بُكير اور ابوبكر بن عياشؒ سے روایت کرتے ہیں۔

جب کہ ان سے روایت کرنے والے امام بخاری، عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی، محمد بن عثمان بن ابی شیبہ، ابوکریب محمد بن العلاء وغیرہ ہیں۔

= المناقب، باب مناقب عثمان بن عفان رضي الله عنه، رقم: ۳٦٩٧

(۱) فتح الباري: ۹/۴۹

(۲) إرشاد الساري: ۸/۱۷۰

جرح وتعدیل کے باب میں

ابن حبان نے ان کا کتاب "الثقات" میں ذکر فرمایا یعنی وہ انہیں ثقہ قرار دیتے ہیں(۱)۔

امام بخاری "التاریخ الکبیر" میں صرف اتنا فرماتے ہیں:

"محمد بن يزيد الكوفي سمع الوليدَ بن مسلم، وضمرةَ بن ربيعة"(۲).

ابوحاتم فرماتے ہیں "مجهولٌ لا أعرِفه"(۳).

حافظ مزی فرماتے ہیں:

"هكذا ذكره البخاري وابوحاتم وغير واحد مفرداً عن ابي هشام الرفاعي وهو صحيح، وزعم بعض من ذَكر شيوخَ البخاري أنه أبوهشام الرفاعي وذلك غلطٌ لا شك فيه. والله اعلم"(٤).

یعنی "امام بخاری اور ابوحاتم کے ہاں اور کئی ایک دوسرے حضرات کے ہاں یہ ابوہشام الرفاعی کے علاوہ کوئی اور ہیں اور یہی درست ہے۔ جب کہ امام بخاری کے شیوخ کو ذکر کرنے والے بعض حضرات نے اسے ابوہشام الرفاعی قرار دیا ہے۔ جو بلاشبہ غلط ہے"۔

ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں:

"محمد بن يزيد بن محمد بن كثير العجلى ابوهشام الرفاعى الكوفى قاضى المدائن ...... ذكره ابن عدى في شيوخ البخاري وجزم الخطيب بأن

---

(۱) الثقات لابن حبان: ۷۸/۹

(۲) التاريخ الكبير: ۱، الترجمة: ۸۳٦

(۳) الجرح والتعديل: ۱٤۸/۷، الترجمة: ۵۷۵

(٤) تهذيب الكمال: ۳۵/۲۷

البخاري روى عنه لكن قد قال البخاري رأيتهم مجمعين على ضعفه". (۱)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ابن السکن عن الفربری کی روایت میں ہے کہ یہ محمد بن کثیر ہیں، تاہم یہ اُن کا وہم ہے جیسے کہ ابوعلی الجیانی نے اس پر تنبیہ کی ہے اور اس کے وہم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ محمد بن کثیر (محمد بن یزید نہیں) کی کوئی روایت ولید سے ثابت نہیں ہے، جب کہ یہاں محمد بن یزید ولید سے روایت کرتے ہیں (۲)۔

''رجال البخاری'' میں ابوالولید الباجی کہتے ہیں، محمد بن یزید یہ ابوہشام الرفاعی ہی ہیں اور ابوحاتم نے جواُن میں اور محمد بن یزید کوفی میں فرق بیان کیا ہے، وہ درست نہیں ہے اور میرے نزدیک یہ ایک ہی شخص ہے۔

باجی نے ابوحاتم کے "مجهول لا أعرفه" کی یہ توجیہ کی ہے کہ وہ چونکہ انہیں رفاعی کے علاوہ کوئی اور سمجھے ہیں جب کہ نفس الأمر میں ایسا ہے نہیں، تو انہوں نے کہہ دیا، "لا أعرفه" علامہ باجی نے اس کی دلیل یہ دی ہے کہ محمد بن یزید الکوفی کی مناقبِ ابی بکر کی اس روایت کے سوا کوئی روایت اور کوئی تذکرہ کتاب میں نہیں ہے۔

اور اپنے اس دعوے کی تائید میں انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ عبیداللہ بن واصل نے كتاب الأدب میں عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمي کی ایک روایت نقل کی ہے، جس کے الفاظ ہیں، "أخبرَنا محمدَ بن يزيد البزار حدثنا يونس بن بكير......".

اور یہی روایت بعینہا ابوہشام نے بھی یونس سے روایت کی ہے اور اس ''ابوہشام'' کی کنیت سے محمد بن یزید معروف ہیں تو معلوم ہوا کہ ''بزاز'' کی نسبت سے بھی وہ معروف ہیں۔

اور جن لوگوں کو اشکال پیش ہوا کہ یہ دونوں الگ الگ ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ بخاری نے ان سے روایت بھی کی ہے جو اُن کی توثیق ہے اور اپنی تاریخ میں ان کی تضعیف بھی کی ہے تو اس سے لوگوں نے یہ سمجھا کہ شاید یہ دو افراد ہیں، جب کہ اس کی وجہ ابن عدي نے یہ بیان کی ہے کہ امام بخاری نے محض اُن سے استشہاد کیا ہے۔

---

(۱) تقريب التهذيب: ۱/۵۱٤

(۲) فتح الباري: ۹/٤۹

بہرحال کتب رجال میں ان کے متعلق بڑا اختلاف ہے، علامہ باجی ''رجال البخاری'' میں اور ابن عدی تفریق کے قائل نہیں ہیں جب کہ باقی حضرات تفریق کرتے ہیں، محمد بن یزید بزاز اور محمد بن یزید ابی ہشام الرفاعی میں۔

ذہبی ابن حبان اور ابن حجر انہیں ثقہ کہتے ہیں اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ تاہم حافظ عسقلانی بھی ان کے متعلق واللہ أعلم کہہ کر کسی جزم کا اظہار نہیں کر رہے ہیں (۱)۔

محمد بن یزید کوفی کے متعلق کتب رجال میں کافی اختلاف ہے، کوئی انہیں محمد بن یزید ابوہشام الرفاعی ہی قرار دیتا ہے تو کوئی ان سے الگ مستقل راوی، کوئی ان کو ثقہ کہتے ہیں تو کوئی ضعیف۔ حافظ ابن حجر محمد بن یزید کوفی اور رفاعی کو متعدد راوی قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں امام بخاری بھی انہیں الگ الگ قرار دیتے ہیں اور ابوحاتم بھی الگ قرار دیتے ہیں (۲)۔

جب کہ ابوحاتم نے انہیں ضعیف بھی کہا ہے۔ حافظ مغلطائی نے اس حوالے سے قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ کلاباذی نے کہا یہ محمد بن یزید الکوفی البزار ہیں، اور یہ رفاعی نہیں ہیں جب کہ ابن عدی نے کہا یہ محمد بن یزید الرفاعی ہیں (۳) بزار نہیں۔ یعنی ایک بزار کے وجود کا منکر ہے اور دوسرا رفاعی کا۔ اور بخاری نے بھی "الرفاعي" ہی ذکر کیا ہے اور کوئی اور ذکر نہیں کیا۔ یعنی ان کے ہاں ''بزار'' کوئی چیز نہیں ہے جب کہ ابوحاتم نے کہا یہ دو آدمی ہیں ایک ''بزار'' اور ایک ''رفاعی''۔

مغلطائی کہتے ہیں "والذي عندي أنه رجل واحد ولذلك لم يعرفه أبو حاتم" (٤) یہ ایک ہی آدمی ہے، اسی لئے ابوحاتم محمد بن یزید کوفی کے متعلق کہتے ہیں "مجهول لا أعرفه" کیونکہ وہ کوئی الگ آدمی ہی نہیں وہ تو وہی محمد بن یزید رفاعی ہے جس کا وہ اس کے بعد ذکر کرتے ہیں۔

---

(١) دیکھئے، تهذيب التهذيب: ٥٢٩/٩، الكاشف: ٢٣١/٢، الترجمة (٥٢٢٦)، وتقريب التهذيب، ص: ٥١٤، رقم الترجمة (٦٤٠٥)، الثقات: ٧٨/٩

(٢) تقريب التهذيب، ص: ٥١٤، وتهذيب التهذيب: ٥٢٧/٩

(٣) اكمال تهذيب الكمال: ٣٩٦/١٠

(٤) تقريب التهذيب، ص: ٥١٤

مغلطائی مزید کہتے ہیں کہ امام بخاری نے بھی صرف ایک محمد بن یزید الرفاعی کا ذکر کیا ہے اور کلاباذی "رفاعی" کا اس لئے انکار کرتے ہیں کہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں الرفاعی کا لاحقہ نہیں لگایا اور ابن عدی نے جو الرفاعی کو تسلیم کیا ہے یہی درست ہے اس لئے کہ صحیح بخاری میں رفاعی کے علاوہ کوئی محمد بن یزید ہے ہی نہیں۔

کلاباذی کو اشکال اس لئے ہوا کہ ابن واصل نے کتاب "الأدب" میں یہ سند ذکر کی ہے "حدثنا عبد الله بن عبد الرحمن السمرقندی ثنا محمد بن یزید البزار حدثنا یونس بن بکیر اس "البزار" سے وہ سمجھے کہ یہ "رفاعی" کے علاوہ کوئی اور ہے۔

پھر جب بخاری نے محمد بن یزید کی "تاریخ" میں تضعیف کی اور "صحیح" میں ان سے تخریج کی تو کلاباذی وغیرہ کا اشکال مزید پختہ ہوا جب کہ معاملہ یہ ہے کہ امام بخاری کے ہاں وہ ضعیف ہی ہے جیسا کہ وہ فرماتے ہیں: "رأيتهم مجمعين على ضعفه" (۱) اور جوانہوں نے صحیح میں ان سے روایت کی ہے وہ فقط استشہاد کے لئے کی ہے۔

حافظ مزی نے جو دونوں میں تفریق کی ہے اسے مغلطائی نے "فيه نظر" کہہ کر مذکورہ بالا تفصیل سے غلط ثابت کیا۔ ابن حجر کے قول کی بھی تضعیف کی گئی ہے (۲)۔

الْوَلِيدُ

یہ ابو عثمان ولید بن سلم الاموی الدمشقی ہیں۔ ان کے حالات گذر چکے ہیں (۳)۔

الْأَوْزَاعِيُّ

یہ عبد الرحمٰن بن عمرو بن محمد ابو عمرو الاوزاعی ہیں۔ ان کے احوال "كتاب العلم، باب الخروج في طلب العلم" میں گذر چکے ہیں (۴)۔

---

(۱) ملاحظہ ہو، الكاشف، ص: ۲۳۲، إكمال تهذيب الكمال: ۳۹۶/۱۰

(۲) الجرح والتعديل: ۱۲۹/۸

(۳) كتاب مواقيت الصلاة، باب "وقت المغرب"

(٤) كشف الباري: ٤٠٨/٣

يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ

یہ یحییٰ بن ابی کثیر الطائی ہیں۔ان کے احوال گذر چکے ہیں(۱)۔

مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ

یہ محمد بن ابراہیم بن حارث بن خالد القرشی التیمی ہیں۔ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب ماجاء أن الأعمال بالنية والحسبة ولكل امرئ مانوى" میں گذر چکے ہیں(۲)۔

عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ

یہ مشہور تابعی، مدینہ کے فقہاء سبعہ میں سے ایک، عروہ بن الزبیر بن العوام رضی اللہ عنہ ہیں۔ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب أحب الدين إلى الله أدومه" میں گذر چکے ہیں(۳)۔

عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو

یہ عبداللہ بن عمرو بن العاص مشہور صحابی ہیں۔ان کے احوال "كتاب الإيمان، باب المسلم من سلِم المسلمون من لسانِه ويدِه" میں گذر چکے ہیں(۴)۔

وَهُوَ يُصَلِّي

باب مالقي النبي وأصحابه من المشركين بمكة میں "في حجر الكعبة" کے الفاظ بھی ہیں(۵)۔

رِدَاءَهُ

ابوذر کے نسخے میں "رداء" بدون الاضافت آیا ہے(۶)۔

---

(۱) كتاب العلم، باب كتابة العلم......

(۲) دیکھئے، كشف الباري: ۷۳۹/۲

(۳) دیکھئے، كشف الباري: ۵۴۶/۲

(٤) دیکھئے، كشف الباري: ۶۷۹/۱

(٥) كتاب مناقب الأنصار، باب ما لقي النبي وأصحابه من المشركين بمكة، رقم: ۳۸۵٤

(٦) إرشاد الساري: ۱۷۰/۸

فَخَنَقَهُ بِهِ

ابوذر اور مستملی "بها" ضمیر مؤنث کے ساتھ نقل کرتے ہیں (۱)۔

فَجَاءَ أَبُو بَكْرٍ

ابوذر کے نسخے میں "فجاء ه أبوبكر" ہے (۲)۔

حَتَّى دَفَعَهُ عَنْهُ

ابن اسحاق نے یہ اضافہ نقل کیا ہے، "وهو يبكي" (۳).

یعنی "دفع بيده عقبة" حضرت ابوبکر نے اپنے ہاتھ سے عقبہ بن ابی معیط کو دھکیلا (۴)۔

ابوبکر اور "مؤمنِ آلِ فرعون"

حضرت ابوبکر نے یہاں "مؤمن آلِ فرعون" کے وہ الفاظ کہے جو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرعونیوں سے کہے تھے اور قرآن کریم نے انہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محفوظ کیا۔ تاہم علماء فرماتے ہیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ "مومن آل فرعون" سے بہتر اور افضل ہیں۔ کیونکہ انہوں نے حضرت موسیٰ کی صرف زبانی مدد کی تھی اور ابوبکر نے ہاتھ اور زبان دونوں سے حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ کی جانے والی بدتمیزی کا بدلہ لیا (۵)۔

ترجمۃ الباب سے مناسبت بھی واضح ہے کیونکہ حضرت ابوبکر نے سخت سے سخت موقعہ پر رسول اللہ کی مدد کی اور ظاہر ہے یہ ان کی ایسی فضیلت ہے جس کی وجہ سے وہ "افضل الصحابہ" قرار پاتے ہیں۔

---

(۱) إرشاد الساري: ۱۷۰/۸

(۲) إرشاد الساري: ۱۷۰/۸

(۳) إرشاد الساري: ۱۷۰/۸

(٤) إرشاد الساري: ۱۷۰/۸

(٥) إرشاد الساري: ۱۷۱/۸

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات

خلیفہ اول امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل ومناقب جو امام بخاری نے اپنی صحیح میں ذکر کیے ہیں، وہ تشریحات اور متعلقہ مباحث کے ساتھ یہاں ختم ہوئے۔

حضرت کی ولادت اور حیات مبارکہ کے ذکر کے بعد ان کی وفات کا بھی مختصر تذکرہ کیے دیتے ہیں، آپ کی وفات کے متعلق ایک قول تو یہ ہے کہ آپ مرض السِّل "(۱) سے وفات پائے۔

واقدی کہتے ہیں آپ نے سخت سردی میں غسل کیا جس سے آپ کو بخار ہوا اور پندرہ روز بعد وفات پاگئے اور ایک قول یہ ہے کہ یہود نے آپ کو حریرہ میں زہر کھلایا تھا جس کے اثر سے آپ نے وفات پائی، ۲۲ جمادی الآخرۃ ۱۳ ہجری کو آپ کا وصال ہوا۔ آپ کی مدت خلافت دو سال تین ماہ اور کچھ دن ہیں۔ آپ کی عمر بالاتفاق وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ہے یعنی ۶۳ سال۔ دونوں کی زندگی میں بھی صحبت رہی، عمر بھی ایک پائی اور خاک بھی ایک ملی—رضي الله عنه وأرضاه وصلى الله على محمد وعليه—(۲).

٦ - باب : مَنَاقِبُ عُمَرَ بْنِ الخَطَّابِ ، أَبِي حَفْصٍ ، الْقُرَشِيِّ ، الْعَدَوِيِّ ، رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ .

عمر بن الخطاب کا نام ونسب

عمر بن الخطاب کا سلسلہ نسب کچھ یوں ہے:

عمر بن الخطاب بن نفيل بن عبدالعزى بن رياح بن عبدالله بن قرط بن رزاح بن عدي بن كعب بن لؤى بن غالب بن فهر بن مالك بن النضر.

آپ کی والدہ ہیں حنتمة بنت هاشم بن المغيرة. ابوجہل کی چچازاد بہن ہیں۔ بعض نے حنتمۃ بنت ہشام کہہ کر ابوجہل کی بہن قرار دی ہے۔

ابوحفص ان کی کنیت ہے اور ابن اسحاق اپنی "سیرت" میں فرماتے ہیں کہ یہ کنیت آپ کو خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عطا فرمائی تھی اور اس میں آپ کی صاحبزادی ام المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی

---

(۱) ایک بیماری جس سے پھیپھڑوں میں زخم ہو جاتے ہیں، اور منہ سے خون آنے لگتا ہے۔ (فیروز اللغات)

(۲) فتح الباري: ۹/۴۹

طرف نسبت ہے جو آپ کی سب سے بڑی اولاد ہیں۔

"الفاروق" کی وجہ تسمیہ

آپ کا لقب "الفاروق" ہے، بالاتفاق۔ پھر اس میں ایک قول تو یہ ہے کہ یہ لقب آپ کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود دیا ہے، اسے ابو جعفر بن ابی شیبہ نے اپنی تاریخ میں ابن عباس عن عمر کے طریق سے روایت کیا ہے اور ابن سعد نے بھی اسے نقل کیا ہے(۱)۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس لقب سے انہیں اہل کتاب نے ملقب کیا ہے اور ایک تیسرا قول یہ ہے کہ جبریل امین نے اس لقب سے ان کو ملقب کیا ہے، بغوی نے اسی کو ذکر کیا ہے(۲)۔

الْقُرَشِيُّ

یہ ان کے جد اعلیٰ فہر کی طرف نسبت ہے، جن کا نام قریش تھا۔ فہر بن مالک بن نضر کی اولاد کو قریش کہا جاتا ہے جو بالاتفاق نسب اور سیادت، فصاحت، شجاعت اور کرم وغیرہ میں سب سے اعلیٰ ہے(۳)۔

الْعَدَوِيُّ

قریش کی ایک شاخ قبیلہ بنی عدی کی طرف نسبت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اور عمر فاروق کے درمیان آٹھ واسطوں کے بعد کعب میں جا کر نسب مل جاتا ہے، جب کہ ابو بکر اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سات واسطوں کے بعد نسب میں ملتے ہیں۔ خلفاء اربعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے، سب سے زیادہ قریب حضرت علی، پھر حضرت عثمان، پھر حضرت ابو بکر اور پھر حضرت عمر ہیں۔

حضرت عمر کو حضرت ابو بکر نے اپنے بعد خلیفہ نامزد کیا تھا، پھر انہوں نے دس سال چھ ماہ چار دن شان وشوکت کے ساتھ مسلمانوں کی خدمت کی اور بالآخر بد بخت ابولؤلؤ ۃ مجوسی کے ہاتھوں شہید ہوئے(۴)۔

---

(۱) اسد الغابة: عمر بن الخطاب: ۳۱۸/۲، وكنز العمال، رقم: ۳۵۷٤۲

(۲) فتح الباري: ٤٩/٩، وإرشاد الساري: ١٧١/٨، والكامل لابن الاثير: ٤٤٩/٢

(۳) السيرة النبوية لابى الحسن الندوي، ص: ٧٤، وإرشاد الساري: ١٧١/٨

(٤) إرشاد الساري: ١٧١/٨

یہاں مصنف نے ۱۶ احادیث ذکر کی ہیں، جو حضرت عمر کے فضائل ومناقب پر مشتمل ہیں (۱)۔

٣٤٧٦ : حدّثنا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ الْمَاجِشُونِ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ ، عَنْ جابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قالَ : قالَ النَّبِيُّ ﷺ : (رَأَيْتُنِي دَخَلْتُ الْجَنَّةَ ، فَإِذَا أَنَا بِالرُّمَيْصَاءِ ، امْرَأَةِ أَبِي طَلْحَةَ ، وَسَمِعْتُ خَشَفَةً ، فَقُلْتُ : مَنْ هٰذَا ؟ فَقَالَ : هٰذَا بِلَالٌ ، وَرَأَيْتُ قَصْرًا بِفِنَائِهِ جارِيَةٌ ، فَقُلْتُ : لِمَنْ هٰذَا ؟ فَقَالُوا : لِعُمَرَ ، فَأَرَدْتُ أَنْ أَدْخُلَهُ فَأَنْظُرَ إِلَيْهِ ، فَذَكَرْتُ غَيْرَتَكَ) . فَقَالَ عُمَرُ : بِأَبِي وَأُمِّي يَا رَسُولَ اللهِ ، أَعَلَيْكَ أَغَارُ .

[٤٩٢٨ ، ٦٦٢١]

تراجم رجال

حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ

یہ ابو محمد حجاج بن منہال الأنماطی بصری ہیں۔ ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب ما جاء أن الأعمال بالنيَّة والحِسبة، ولكلِ أمرئ مانوى" میں گذر چکے ہیں (۲)۔

عَبْدُ الْعَزِيزِ الْمَاجِشُونُ

یہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن ابی سلمۃ الماجشون المدنی ہیں۔ ان کے احوال گذر چکے ہیں (۴)۔
بعض نسخوں میں ابن الماجشون ہے اور بعض میں لفظ ابن ساقط ہے، "ماجشون" عبدالعزیز کے دادا ہیں (۵)۔

مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ

یہ محمد بن المنکدر بن عبداللہ المدنی ہیں۔ ان کے حالات گذر چکے ہیں (۶)۔

---

(١) فتح الباري: ٩/٥٤

(٣٤٧٦) قد سبق تخريج هذا الحديث تحت حديث: ٣٤٣٤

(٢) دیکھئے، كشف الباري: ٢/٧٤٤

(٣) كتاب العلم، باب السؤال والفُتيا عند رمي الجمار ......

(٤) فتح الباري: ٩/٥٤

(٥) دیکھئے، كتاب الوضوء، باب "صب النبي وَضوء على المغمى عليه"، رقم (١٩٤)

جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ

یہ صحابیٔ رسول حضرت جابر بن عبداللہ بن عمرو بن حرام الانصاری ہیں۔ ان کے احوال گذر چکے ہیں(۱)۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ

اکثر حضرات نے عبدالعزیز بن الماجشون کی یہ حدیث محمد بن المنکدر رسے روایت کی ہے جب کہ صالح بن مالک اسے روایت کرتے ہیں، عبدالعزیز عن حمید عن أنس ...... کے طریق سے، جیسے کہ بغوی (۲) نے اسے روایت کیا ہے، تو شاید اس میں عبدالعزیز کے دوشیوخ ہوں: ۱-محمد ابن المنکدر، ۲-حُمید (۳)۔

الرُّمَيْصَاء

رمیصاء امرأة أبي طلحة، یہ ابوطلحہ کی بیوی ام سُلیم کا لقب یا وصف ہے، یہ اسمِ مصغّر ہے اور "رَمص" کہا جاتا ہے آنکھ کے سفید میل کو جو گوشۂ چشم میں جمع ہوتا ہے اس صفت سے متصف ہونے کی وجہ سے ہی شاید ام سلیم کو رُمیصاء کہا جاتا ہے۔

امّ سُلیم ان کی کنیت ہے اور نام سہلہ یا رمیلہ یا اس طرح کا کوئی اور ہے۔

جب کہ بعض نے کہا ہے کہ "رُمیصاء" ہی ان کا نام ہے۔

بعض نے غمیصاء بالغین بدل الراء بھی نقل کیا ہے۔ اس کے متعلق بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ ان کی بہن اُم حرام کی صفت ہے اور ابوداود کہتے ہیں، "هو اسم أُختِ أُم سُلیم منَ الرضاعة". یہ ام سلیم کی رضاعی بہن ہیں (۴)۔

ابن التین کہتے ہیں رُمیصاء ابوطلحہ کی کوئی اور بیوی بھی ہوسکتی ہے۔ یعنی اُم سلیم کے علاوہ (۵)۔

---

(۱) دیکھئے، کتاب بدء الوحي، رقم الحديث (۳)

(۲) شرح السنة، باب في فضائل عمر، رقم: ۳۸۷۷

(۳) فتح الباري: ۵۴/۹

(٤) سنن أبي داود، باب فضائل الغزو في البحر، رقم: ٢٤٩٤

(٥) فتح الباري: ٥٤/٩

خَشَفَةً

بفتح الخاء والشين "حَرَكَةً" کی طرح ہے وزن اور معنی دونوں میں۔ احمد نے "سمعتُ خشفا" بدون التاء نقل کیا ہے اس کا معنی ہے آواز۔ ابوعبید کہتے ہیں "الخشفه الصوت ليس بالشديد" وہ آواز جو تیز نہ ہو۔ ایک قول اس کے اصل کے متعلق یہ ہے کہ خشفۃ کہتے ہیں "صوت دبيبِ الحية" سانپ رینگنے کی آواز کو۔ بہرحال یہاں مراد ہے، "ما يسمع من حس وقعِ القدم" یعنی پاؤں کی آہٹ جو سنائی دیتی ہو(۱)۔

فَقَالَ هَذَا بِلَالٌ

یہ قول جبریل یا کسی دوسرے فرشتے کا ہے اور یا خود حضرت بلال کا(۲)۔

وَرَأَيْتُ قَصْرًا بِفِنَائِهِ جَارِيَةٌ

ابوہریرہ کی روایت میں اس کے بعد یہ اضافہ بھی ہے، "تتوضأ إلى جانب قصر"(۳) اور ترمذی نے حضرت انس کی روایت میں قصراً کے ساتھ "من ذهب" بھی نقل کیا ہے(۴)۔

فَذَكَرْتُ غَيْرَتَكَ

مجھے آپ کی غیرت یاد آگئی، یا میں نے آپ کی غیرت کو یاد کیا۔

کتاب النکاح میں جو اس روایت کو ذکر کیا گیا ہے، وہاں یہ الفاظ ہیں: "فأردت أن أدخله فلم يمنعني إلا علمي بغيرتك"(۵).

ایک روایت میں یہ الفاظ منقول ہیں:

---

(۱) فتح الباري: ۹/۵٤

(۲) إرشاد الساري: ۸/۱۷۱، ۱۷۲

(۳) صحيح بخاري، كتاب النكاح، رقم (۵۲۲۷)

(٤) فتح الباري: ۹/۵٤، إرشاد الساري: ۸/۱۷۲، سنن الترمذي، باب مناقب عمر، رقم: ۳۶۸۸

(۵) دیکھئے، كتاب النكاح، باب الغيرة، رقم (۵۲۲۶)

"دخلتُ الجنة فرأيتُ فيها قصراً يسمع فيه ضوضاء فقلت: لمن هذا؟

فقيل: لعمر......"(١).

میں جنت میں داخل ہوا تو اس میں ایک محل دیکھا جس میں شور وغل کی آواز تھی،

میں نے کہا یہ کس کا ہے؟ جواب دیا گیا عمر کا۔

فَقَالَ عُمَرُ

کتاب النکاح میں ہے، "فبكى عمرُ، وهو في المجلس ثمَّ قال......"(٢). عمر جو مجلس میں تھے رونے لگے اور پھر کہا۔

بِأُمِّي وَأَبِي

"أي أفديكَ بهما" یعنی ان دونوں (ماں باپ) کو آپ پر قربان کروں۔

أَعَلَيْكَ أَغَارُ

اسے از قبیلِ قلب قرار دیا گیا ہے اور اصل میں ہے، "أعليها أغار منك؟".

ابن بطال کہتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر آدمی پر اس کے ان اخلاق کی بنیاد پر کوئی حکم لگایا جا سکتا ہے، جو اس کے الفاظ سے معلوم ہوتے ہوں (٣)۔

حضرت عمر کیوں روئے؟

جہاں تک حضرت عمر کے رونے کا تعلق ہے تو ہو سکتا ہے کہ آپ از راہِ مسرت وخوشی روئے ہوں، بعض روایات میں یہاں ایک اور اضافہ منقول ہے:

"وهل رفعَني الله إلا بكَ، يا وهَل هداني الله إلا بكَ؟"(٤)

---

(١) مسند أبي يعلى، مسند جابر، رقم: ١٩٧٦

(٢) دیکھئے، كتاب النكاح، باب الغيرة، رقم (٥٢٢٧)

(٣) فتح الباري: ٩/٥٥

(٤) الأحاديث المختارة، رقم: ٢٠٧٦، مكتبه النهضة الحديثة بمكة

مجھے جو رفعت یا ہدایت ملی ہے وہ آپ کے سوا کس کی بدولت ہے؟ یعنی آپ ہی کی بدولت تو ہے، حدیث کی باب کے ساتھ مناسبت واضح ہے۔

اس حدیث کو امام بخاری کے علاوہ مسلم نے ''کتاب الفضائل'' میں اور نسائی نے ''مناقب'' میں ذکر کیا ہے(۱)۔

٣٤٧٧ : حدّثنا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ : أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ قالَ : حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ ، عَنِ ٱبْنِ شِهَابٍ قالَ : أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ : أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُ قالَ : بَيْنَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ ٱللَّهِ ﷺ إِذْ قالَ : (بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُنِي فِي الْجَنَّةِ ، فَإِذَا ٱمْرَأَةٌ تَتَوَضَّأُ إِلَى جَانِبِ قَصْرٍ ، فَقُلْتُ : لِمَنْ هٰذَا الْقَصْرُ؟ قالُوا : لِعُمَرَ ، فَذَكَرْتُ غَيْرَتَهُ ، فَوَلَّيْتُ مُدْبِرًا) . فَبَكَى عُمَرُ وَقالَ : أَعَلَيْكَ أَغَارُ يَا رَسُولَ ٱللَّهِ . [ر : ٣٠٧٠]

تراجم رجال

سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ

یہ سعید بن الحکم بن محمد بن سالم بن ابی مریم الجمحی ہیں۔ ان کے احوال گذر چکے ہیں(۲)۔

اللَّيْث

یہ ابو الحارث لیث بن سعد بن عبد الرحمٰن فہمی ہیں۔ ان کے احوال کتاب بدء الوحی میں گذر چکے ہیں(۳)۔

---

(۱) فتح الباري: ٩/٥٥، إرشاد الساري: ١٧٢/٨

(٣٤٧٧) الحديث أخرجه البخاري في صحيحه: ٥١٩/١، كتاب فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم لو كنت متخذا خليلاً، رقم: ٣٦٧٧، و: ٥٢٠/١، كتاب فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، باب مناقب عمر بن الخطاب، رقم: ٣٦٨٥، ومسلم في صحيحه: ٢٧٤/٢، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل عمر رضي الله عنه، رقم: ٢٣٨٩

(٢) كتاب العلم، باب من سمع شيئاً فراجع حتى يعرفه ......

(٣) دیکھئے، كشف الباري: ٣٢٤/١

عُقَيْلٌ

یہ عُقیل (مصغر) بن خالد بن عَقیل (مکبر) ایلی ہیں۔ ان کے احوال "کتاب العلم، باب رفعِ العِلم وظهورِ الجهل" میں گذر چکے ہیں (۱)۔

ابْنِ شِهَابٍ

یہ ابن شہاب ابوبکر محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن شہاب زہری ہیں۔ ان کے حالات بدء الوحی میں گذر چکے ہیں (۲)۔

سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ

یہ مشہور تابعی سعید المسیب بن حَزن بن ابی وہب مخزومی ہیں۔ ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب مَن قال إن الإيمان هو العمل" میں گذر چکے ہیں (۳)۔

أَبَا هُرَيْرَةَ

مشہور صحابی مراد ہیں، ان کے احوال "كتاب الإيمان، باب أمور الإيمان" میں گذر چکے ہیں (۴)۔

دونوں روایتوں میں فرق

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت میں بھی وہی بات کہی گئی ہے جو سابقہ روایت میں ہے، البتہ ایک تو اس میں متذکرہ بالا عورت کا قصر کی جانب میں وضو کرنے کا ذکر ہے اور دوم اس میں "فقال: لعمر" کی بجائے "فقالوا: لعمر" صیغہ جمع کے ساتھ ہے، ظاہر ہے "فقالوا" کا فاعل "الملائكة" ہے (۵)۔

---

(۱) دیکھئے، كشف الباري: ٣/٤٥٥

(۲) دیکھئے، كشف الباري: ١/٣٢٦

(۳) كشف الباري: ٢/١٥٩

(٤) كشف الباري: ١/٦٥٩

(٥) فتح الباري: ٩/٥٥

فوائد حدیث

اس روایت سے ایک تو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے صحابہ کی کتنی رعایت اور خیال رکھتے تھے۔ پھر اس میں حضرت علی کی ایک واضح فضیلت کا بھی ذکر ہے(۱)۔

جنت میں وضوء سے کیا مراد ہے؟

یہاں روایت میں لفظ "تتوضأ" پر یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ جنت تو دار الجزاء ہے اس میں وضو کرنے کا کیا مطلب ہے کیونکہ وضوء تو تکلیف شرعی کی وجہ سے ہے اور اس کا تعلق دار التکلیف یعنی دنیا سے ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جنت تو بے شک دار الجزاء ہے اور اس میں وضو (جو عمل ہے) نہیں ہوگا بلکہ اس کا ثواب اور بدلہ ہوگا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خواب دار التکلیف میں دیکھا اور جس عورت کے متعلق دیکھا وہ بھی دار التکلیف میں تھیں اور اس وقت بقید حیات تھیں۔ لہٰذا "تتوضأ" اگر اپنے ظاہری معنی پر محمول اور حقیقت ہو تو اس میں کوئی اعتراض کی بات اس لئے نہیں ہے کہ جنت میں استقرار کے زمانے میں (یعنی روزِ قیامت) اور جنت کے اندر وضو موجبِ اشکال ہے جب کہ یہ وضوء تو رسول اللہ اپنی اور اس خاتون کی حیات یعنی زمانہ تکلیف میں دیکھ رہے ہیں۔ جیسے کہ الفاظ حدیث سے ظاہر ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ تتوضأ حقیقت نہیں ہے بلکہ مجاز ہے اور خواب کا دیکھنا ہمیشہ حقیقت پر محمول نہیں کیا جاتا بلکہ اکثر اس میں تاویل کی جاتی اور اس کی تعبیر بیان کی جاتی ہے۔ جو ضروری نہیں ہے کہ ظاہری معنی کے مطابق ہو۔

تو جنت میں وضو کرنے کی تاویل اور تفسیر یہ ہوگی کہ یہ خاتون دنیا میں وضو اور عبادت کا بڑا اہتمام کرتی تھیں۔ جنت میں اس کا وضو کرنا دنیا میں اس کے باوضو رہنے کی دلیل ہے۔

یا پھر تاویل یوں کی جائے گی کہ تتوضأ میں وضوء سے مراد ہے، "تستعمل الماء لأجلِ الوضاءة" یعنی وہ خود کو چمکانے کے لئے پانی استعمال کر رہی تھیں، اس صورت میں وضو سے مراد وضوء لغوی ہے، تاہم اس احتمال کو بعید کہا گیا ہے۔

خطابی اور ابن قتیبہ کی عجیب تاویل

ابن قُتیبہ نے یہاں ایک عجیب بات کہی ہے اور خطابی نے بھی ان کی پیروی کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ

(۱) فتح الباري: ۹/۵۵

"تتوضأ" کا لفظ یہاں ہے ہی نہیں بلکہ یہ تصحیف، اور ناسخ کی طرف سے تبدیلی ہے اور صحیح الفاظ یوں ہیں: "امرأة شوهاء" جسے صوری مماثلت کی وجہ سے غلطی سے "تتوضَّأ" سمجھا اور بنا دیا گیا۔ اور "تتوضَّأ" کے نادرست ہونے کی وجہ یہ بتائی کہ جنت میں وضوء کا ہونا مستبعد ہے کیونکہ یہ ایک امرِ شرعی ہے۔ حالانکہ یہ کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ کسی حدیث کے صحیح مطلب سے آگاہ نہ ہونا اور اس کا معنی نہ سمجھ سکنا حفاظِ حدیث کی تغلیط کا ہرگز تقاضا نہیں کرتا(۱)۔

خطابی نے اپنی اس غلط فہمی کے بعد "شوهاء" کی تفسیر بیان کی ہے اور فرمایا، "شوهاء" کا معنی ہے، "حسناء" یعنی خوب صورت عورت، اس تفسیر کو انہوں نے ابوعبید کی طرف منسوب کیا ہے(۲)۔ حالانکہ یہ درست نہیں ہے، کیونکہ "شوهاء" کا معنی حسناء اس وقت ہے جب یہ گھوڑے کی صفت ہو، چنانچہ جوہری کہتے ہیں، "فرس شَوهاء، صفة مَحمودة"(۳) اور "شوهاء" کا لغوی معنی ہے، "واسِعة الفَم" یعنی کشادہ دہن اور یہ صفت گھوڑے میں مستحسن جب کہ عورتوں میں قبیح ہے جیسے کہ ابن اعرابی وغیرہ نے بالجزم کہا ہے(۴)۔

قرطبی نے ابن قتیبہ اور خطابی کے اس قول پر نکیر کی ہے، مگر انہوں نے اسے صرف ابن قتیبہ کی طرف منسوب کیا ہے۔

قرطبی کہتے ہیں:

"ووضوء هذه المرأة في الجنَّة إنما هو لتزداد حسناً ونوراً لا لتزيلَ وسخاً ولا قذراً، إذ الجنه منزهة عن ذلك"(۵).

وضوء یہاں خوبصورتی میں اضافے کے لئے تھا، نہ کہ صفائی کے لئے، کیونکہ جنت میں نجاست اور گندگی ہوگی ہی نہیں۔

---

(۱) شرح صحيح البخاري لابن بطال: ۳۱۵/۱۳

(۲) غريب الحديث للخطابي: ۱۱۳/۱، ومادة "شَوه"

(۳) الصحاح للجوهري مادة "شَوه"

(٤) كذا في المغرب بلفظ "امرأة شنوهاء" قبيحة الوجه" مادة "شين"، ولسان العرب مادة "شوه"

(٥) المفهم شرح مسلم فضائل عمر ......: ۲۰۷/٦

”ترجمہ“ بھی خطابی کی تکذیب کررہا ہے

ابن حجر کہتے ہیں اور امام بخاری نے جو کتاب التعبیر میں "باب الوضوء في المنام" کا باب قائم کیا ہے، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ خطابی کا اسے "شوھاء" قرار دینا باطل ہے بلکہ یہ "تتوضأ" ہی ہے ورنہ ”وضوء فی المنام“ پھر کس لفظ سے ثابت ہوگا (١)۔

روایت اور باب میں مناسبت واضح ہے۔

٣٤٧٨ : حدّثني مُحَمَّدُ بْنُ الصَّلْتِ أَبُو جَعْفَرٍ الْكُوفِيُّ : حَدَّثَنَا ٱبْنُ الْمُبَارَكِ ، عَنْ يُونُسَ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قالَ : أَخْبَرَنِي حَمْزَةُ ، عَنْ أَبِيهِ : أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ قالَ : (بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ ، شَرِبْتُ - يَعْنِي - اللَّبَنَ حَتَّى أَنْظُرُ إِلَى الرِّيِّ يَجْرِي فِي ظُفُرِي ، أَوْ فِي أَظْفَارِي ، ثُمَّ نَاوَلْتُ عُمَرَ) . فَقَالُوا : يَا رَسُولَ ٱللهِ ، فَمَا أَوَّلْتَهُ ؟ قالَ : (الْعِلْمَ) . [ر : ٨٢]

تراجم رجال

مُحَمَّدُ بْنُ الصَّلْتِ

محمد بن الصَّلت بن الحجاج الأسدي، ابوجعفر الكوفي الأصم. حاکم فرماتے ہیں، "كان بأصبهان فصار إلى الكوفة". پہلے اصفہان میں تھے پھر کوفہ چلے گئے۔

ان کے شیوخ ہیں، ابراہیم بن سعد، احمد بن بشير الكوفي، اسباط بن محمد، اسماعیل بن عیاش، بشر بن عمارة الخثعمی، عبداللہ بن المبارک، عبدالرحمٰن بن ابی الزناد، عثمان بن یزید وغیرہ۔

اور ان سے روایت کرنے والوں میں امام بخاری، عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی، ابوزرعہ عبدالرحمٰن بن

(١) فتح الباري: ٩/٥٥

(٣٤٧٨) الحديث أخرجه البخاري في صحيحه: ١/٥١٩، كتاب فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم "لو كنت متخذا خليلاً"، رقم: ٣٦٧٨، وفي كتاب مناقب الأنصار، باب ما لقي النبي صلى الله عليه وسلم واصحابه من المشركين بمكة، رقم: ٣٨٥٤، وفي: ٢/٧١١، كتاب التفسير سورة المؤمن، رقم الحديث: ٤٨١٥، وتفرد به البخاري.

عمر والدمشقی، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن ماجہ وغیرہ شامل ہیں (۱)۔

محمد بن عبداللہ بن نمیر، ابوزرعہ اور ابوحاتم کہتے ہیں: "ثقة" (۲).

ابن حبان نے بھی کتاب "الثقات" میں ان کا ذکر کیا ہے (۳)۔

ذہبی نے بھی ثقہ کہا ہے (۴)۔

ابن حجر فرماتے ہیں، "ثقہ" (۵)۔

۲۱۸ یا ۲۱۹ ہجری میں وفات پائی (٦)۔

صحیح بخاری میں ان کی یہی ایک حدیث ہے، جب کہ امام بخاری کے ایک اور استاذ کا نام بھی محمد بن الصَّلت ہے، ان کی کنیت ابویعلی ہے، حافظ ابن حجر کہتے ہیں، "وأبو جعفر أكبرُ من أبي يعلى وأقدمُ سماعاً" ابوجعفر الکوفی ان سے سماع کے اعتبار سے متقدم اور عمر میں زیادہ ہیں (۷)۔

ابْنُ الْمُبَارَكِ

یہ عبداللہ بن المبارک بن واضح الحنظلی المروزی ہیں۔ ان کے حالات "بدء الوحي" میں گذر چکے ہیں (۸)۔

يُونُسَ

یہ یونس بن یزید ایلی ہیں۔ ان کے احوال کتاب العلم، باب "من جعل لأهل العلم أياماً

---

(۱) تهذيب الكمال للمزي: ٢٥/٣٩٧، ٣٩٨، وتهذيب التهذيب للعسقلاني: ٩/٢٣٢

(٢) الجرح والتعديل: ٧/، الترجمة: ١٥٦٧

(٣) الثقات: لابن حبان: ٩/٧٧

(٤) الكاشف: للذهبي: ٢/١٨٢، الترجمة (٤٩١٤)

(٥) تقريب التهذيب، ص: ٤٨٤، الترجمة (٥٩٧٠)

(٦) تهذيب الكمال: ٢٥/٤٠٠

(٧) فتح الباري: ٩/٥٥

(٨) كشف الباري: ١/٤٦٢

معلومة" کے تحت گزر چکے ہیں (۱)۔

الزُّهْرِيّ

یہ محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن شہاب الزہری ہیں۔ان کے حالات "بدء الوحي" میں گذر چکے ہیں (۲)۔

حَمْزَةُ

یہ حمزۃ بن عبد اللہ بن عمر بن الخطاب ہیں۔ان کے حالات "كتاب العلم، باب الفُتيا وهو واقف على الدّابة وغيرِها" میں گذر چکے ہیں (۳)۔

أَبِيهِ

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔جو حمزہ کے والد ہیں۔

شَرِبْتُ، يَعْنِي اللَّبَنَ

شربت کا مفعول "اللّبن" ہے،دودھ پینا مراد ہے۔

"رِي" بکسر الراء ہے اور بالفتح بھی جائز ہے۔

"شرِبت" یہاں اسی طرح مختصر بدون ذکر المشروب وارد ہے،جب کہ کتاب التعبیر میں عبدان عن ابن المبارک...... کے طریق سے یہ الفاظ منقول ہیں،"بينا أنا نائم أتيتُ بقدح لبنٍ فشربت منه"(٤). میں سو رہا تھا کہ ایک دودھ کا پیالہ لاکر مجھے دیا گیا تو میں نے اس میں سے پی لیا۔

حَتَّى أَنْظُرَ إِلَى الرِّيِّ

"رِي" بکسر الراء ہے اور بفتح الراء بھی صحیح ہے (۵)۔

---

(۱) كشف الباري: ۲۸۲/۳

(۲) كشف الباري: ۳۲٦/۱

(۳) كشف الباري: ٤٥٨/۳

(٤) دیکھئے،صحيح البخاري، كتاب التعبير، باب اللبن، رقم (۷۰۰٦)

(٥) فتح الباري: ٥٥/٩

عبدان کی روایت میں "حتی أني أنظر" کے الفاظ آئے ہیں(۱)۔

پھر رؤیت جس کو "أنظر" یا "أری" کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ یہ بھی حقیقت پر محمول نہیں ہے، بلکہ بطور استعارہ کے مذکور ہے اور مراد یہ ہے کہ تری اور تازگی مجھ میں آگئی اور دکھائی دینے لگی۔

گویا "ري" کو جب جسم کا حصہ بنا دیا گیا تو اس کی طرف اس فعل کی نسبت کی گئی جو خواصِ جسم میں سے ہے، یعنی اس کی طرف رُویت کی نسبت کی گئی، کیونکہ جسم أعیان کے قبیل سے ہے اور وہ نظر آتا ہے۔ اور اُلوان وکیفیاتِ جسم بھی نظر آنے والی چیزیں ہیں لہٰذا "ري الجسم" کے لئے رؤیت ثابت کی گئی "أنظر" کو صیغہ مضارع کے ساتھ ذکر کیا گیا حالانکہ مراد ماضی ہے، یہ اس لئے کہ اس کے ساتھ حالِ ماضیہ کی حکایت کی گئی ہے، اس حال کے استحضار کے لئے۔

يَجْرِی فِی ظُفُرِی

يَجري اللبن يا يَجري الرّي...... یعنی وہ دودھ میرے ناخنوں اور پوروں میں دوڑ رہا تھا یا وہ تازگی دوڑ رہی تھی۔ ظفري أو أظفاري یہاں راوی سے بالشک مروی ہے جب کہ عبدان کی روایت میں "مِن أظافيری"(۲) اور کتاب العلم میں "في أظفاري" بدون الشک مروی ہے(۳)۔

ثُمَّ نَاوَلْتُ

یہاں "ناولتُ" آیا ہے، عبدان کی روایت میں "أعطيتُ فضلي عمرَ" ہے(۴) اور کتاب العلم میں "أعطيتُ فضلي عمرَ بن الخطاب" کے الفاظ ہیں(۵)۔ اور کتاب التعبیر کی ایک اور روایت میں "أعطيتُ فضلَه عمرَ" آیا ہے(۶)۔

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب التعبير، باب اللبن، رقم (۷۰۰٦)

(۲) صحيح البخاري، كتاب التعبير، باب اللبن، رقم (۷۰۰٦)

(۳) صحيح البخاري، كتاب العلم، باب فضل العلم، رقم (۲)، وكتاب التفسير، باب اللبن، (۷۰۰٦)

(٤) صحيح البخاري كتاب التعبير، باب اللبن رقم (۷۰۰٦)

(٥) صحيح البخاري، كتاب العلم، باب فضل العلم، رقم (۸۲)

(٦) صحيح البخاري، كتاب التعبير، رقم (۷۰۲۷)

خواب کی تعبیر کس نے بیان کی؟

فَمَا أَوَّلْتَهُ؟ قَالَ: الْعِلْمَ ...... یہاں اس روایت میں صحابہ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا ہے کہ آپ نے اس کی کیا تعبیر کی ہے اور آپ نے جواب دیا کہ اس کی تعبیر ہے، ''علم''۔

جب کہ ''جزء الحسين بن عرفه'' میں ایک اور طریق سے ابن عمر سے مروی ہے:

''قال: فقالو: هذا العلم الذي أتاكه الله، حتى إمتلأتَ وفضلت منه فضلة فاخذها عمر، قال: أصبتم''(۱).

یعنی صحابہ نے آپ سے کہا یہ تو علم ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کیا اور آپ اس سے سیراب اور لبریز ہو گئے پھر آپ کا بچا ہوا حضرت عمر نے لیا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، تم نے درست کہا۔

اس روایت کی سند ضعیف ہے اور اگر سند اس کی محفوظ ہو تو پھر اس میں یہ احتمال ہے کہ بعض حضرات نے پوچھا ہو کہ تعبیر کیا ہے۔ اور بعض نے خود یہ تعبیر بتادی ہو۔ جنہوں نے پوچھا ان کو آپ نے بتادیا اور جنہوں نے صحیح بتادیا ان کی آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے تصویب فرمائی۔

عبارت میں لفظ ''العلم'' منصوب ہوسکتا ہے، اس صورت میں تقدیر ہوگی، ''أولتهُ العلمَ'' میں نے اس کی تعبیر کی ہے، علم کے ساتھ اور یہ مرفوع بھی ہوسکتا ہے، ''اي المؤل به هو العلمُ'' یعنی جس کے ساتھ تعبیر کی گئی وہ ''علم'' ہے(۲)۔

دودھ کی تعبیر علم کے ساتھ کیوں کی گئی؟

خواب میں دودھ دکھائی دے تو اس سے علم مراد ہوتا ہے، دودھ کی تعبیر علم کے ساتھ اس لئے کی گئی ہے کہ دودھ اور علم کثرتِ نفع اور خیر کثیر کا باعث ہونے اور اس کے لئے مفید ہونے میں مشترک ہیں اور دونوں صلاح کے اسباب میں سے ہیں۔ چنانچہ دودھ تو غذائے بدنی کا فائدہ دیتا ہے جب کہ علم غذائے معنوی اور

---

(۱) فتح الباري: ۵۵/۹

(۲) فتح الباري: ۵۵/۹

روحانی کا فائدہ دیتا ہے، ایک صلاحِ بدن کے لئے مفید ہے، دوسرا اصلاحِ روح یا صلاحِ دین کے لئے۔

حدیث میں واضح طور پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا ذکر ہے۔ اور ایک بات اس سے یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ خواب کو اپنے ظاہری معنی پر محمول کرنا ضروری نہیں، اگرچہ وہ انبیاء کا خواب ہی کیوں نہ ہو، جو کہ از قبیلِ وحی ہوتا ہے۔ بلکہ بعض خوابوں کو تو اس کے ظاہر پر حمل کیا جاتا ہے، جب کہ بعض کی تاویل اور تعبیر بیان کی جاتی ہے(۱)۔

خوابوں کی مزید تفصیل کتاب التعبیر میں آئے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

علم سے مرادعلمِ سیاست ہے

حافظ ابن حجر نے یہاں ایک عجیب بات کہی ہے جو معقول بھی ہے، حافظ صاحب فرماتے ہیں،

"والمراد بالعلم هنا العلم بسياسةِ الناس بكتاب الله وسنةِ رسولِ الله"(۲).

علم سے یہاں مراد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق لوگوں کی سیاست یعنی کارِ حکومت کا علم ہے، کہ قرآن وسنت کے مطابق پبلک کی سیاست اور سیاستِ مدینہ کس طرح کی جائے گی اور انسانیت کی خدمت کیسے کی جائے گی، پھر فرمایا:

"واختص عمر بذالك لطول مدّتِه بالنسبة إلى أبي بكر وباتفاق الناس على طاعتِه بالنسبة إلى عثمان، فإن مدّة أبي بكر كانت قصيرةً فلم يكثر فيها الفتوح التي هي أعظمُ الأسباب في الاختلاف ومع ذلك فساسَ عمرُ فيها —مع طول مدّتِه— الناسَ بحيث لم يخالفه أحدٌ ثم ازدادت اتساعاً في خلافةِ عثمان فانتشرت الأقوال واختلفت الآراءُ ولم يتفق له ما اتفق لعُمر من طواعية الخلق له فنشأت من ثَم الفتن إلى أن أفضى الأمر إلى قتله واستخلف علي فما ازداد الأمر إلا اختلافاً والفتن إلا انتشاراً"(۳).

---

(۱) فتح الباري: ۹/۵٦

(۲) فتح الباري: ۹/۵٦

(۳) فتح الباري: ۹/۵۵

یعنی علم سیاست کے حضرت عمر کے ساتھ اختصاص کی کیا وجہ ہے، جب کہ سیاست تو دوسرے خلفاء بھی کرتے رہے......؟ فرمایا، اس کے اختصاص کی وجہ یہ ہے کہ ان کی مدتِ خلافت حضرت ابوبکر کی بنسبت زیادہ تھی اور عثمان کی بنسبت لوگ ان کی اطاعت پر زیادہ متفق رہے۔ ابوبکر کی مدتِ خلافت کم تھی اس لئے ان کے زمانے میں فتوحات کم ہوئیں اور عُمر کے زمانے میں زیادہ ہوئیں جو اختلاف کا ایک بڑا سبب ہوتا ہے، مگر اس کے باوجود عمر فاروق نے طویل عرصے تک ایسی فتوحات سے بھری حکمرانی اور سیاست کی کہ کسی نے ان کی مخالفت نہیں کی، پھر عہدِ عثمان میں خلافت میں اور وسعت آ گئی۔ تو طرح طرح کی باتیں پھیل گئیں اور آراء میں اختلاف رونما ہوا اور ان کی ایسی فرماں برداری نہیں ہو سکی، جیسی طاعت و حکم برداری کا عمر فاروق کو اتفاق ہوا تھا اسی وجہ سے فتنے پھوٹے اور بات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل تک جا پہنچی، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا مگر ان کے زمانے میں بھی معاملے میں مزید اختلاف اور فتنوں کے پھیلاؤ میں ہی اضافہ ہوا۔

معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسی سیاسی بصیرت، کارِ حکومت کی رمز آشنائی اور تدبر و دانش کسی کو نہیں ملا، اسی لئے انہیں ''عبقری'' کا لقب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زبانی ملا جو اسی مفہوم کو ادا کرتا ہے، سو خواب کی تعبیر اور حضرت عمر کا علمِ سیاست پر عبور بالکل واضح ہے۔

حدیث اور ترجمۃ الباب میں مطابقت بھی ظاہر ہے۔

۳٤٧٩ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ : حَدَّثَنَا مُحمدُ بْنُ بِشْرٍ : حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ قَالَ : حَدَّثَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ سَالِمٍ ، عَنْ سَالِمٍ ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْن عُمر رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ : (أُرِيتُ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَنْزِعُ بِدَلْوِ بَكْرَةٍ عَلَى قَلِيبٍ ، فَجَاءَ أَبُو بَكْرٍ فَنَزَعَ ذَنُوبًا أَوْ ذَنُوبَيْنِ نَزْعًا ضَعِيفًا ، وَاللّٰهُ يَغْفِرُ لَهُ ، ثُمَّ جَاءَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَاسْتَحَالَتْ غَرْبًا ، فَلَمْ أَرَ عَبْقَرِيًّا يَفْرِي فَرِيَّهُ ، حَتَّى رَوِيَ النَّاسُ وَضَرَبُوا بِعَطَنٍ) .

(٣٤٧٩) الحديث سبق تخريجه في كتاب النكاح، باب الغيرة، رقم: ٥٢٢٦.

قَالَ ٱبْنُ جُبَيْرٍ : الْعَبْقَرِيُّ عِتَاقُ الزَّرَابِيِّ . وَقَالَ يَحْيَى : الزَّرَابِيُّ الطَّنَافِسُ لَهَا خَمْلٌ رَقِيقٌ . «مَبْثُوثَةٌ» كَثِيرَةٌ . [ر : ٣٤٣٤]

تراجم رجال

مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ

یہ محمد بن عبد اللہ بن نُمیر ہمدانی الکوفی ہیں، ان کے حالات گزر چکے ہیں (۱)۔

مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ

یہ ابوعبد اللہ محمد بن بشر الکوفی العبدی ہیں، ان کے احوال بھی گزر چکے ہیں (۲)۔

عُبَيْدُ اللّٰهِ

یہ عبید اللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن عمر الخطاب العمری ہیں، ان کے احوال گزر چکے ہیں (۲)۔

أَبُو بَكْرِ بْنُ سَالِمٍ

یہ ابوبکر بن سالم بن عبد اللہ بن عمر بن الخطاب القرشی العدوی المدنی ہیں۔

صحیح بخاری میں ان کی یہی ایک روایت ہے، بخاری اور مسلم نے ان سے روایت کی ہے، عبید اللہ بن عمر العمری ان سے روایت کرتے ہیں۔

ابوحاتم الرازی ان کے متعلق کہتے ہیں: "لا أعرف له اسماً".

تاہم عجلی نے ان کو ثقہ کہا ہے، ذہبی، ابن سعد اور ابن حجر نے بھی ان کی توثیق کی ہے۔ ابن سعد نے مدنیین کے طبقۂ رابعہ میں ان کا شمار کیا ہے (۴)۔

---

(۱) كتاب العمل في الصلاة، باب ما ينهى من الكلام في الصلاة (رقم: ۱۱۹۹)

(۲) كتاب العتق، باب إذا قال: لعبده هو لله ونوى العتق (رقم: ۲۵۳۰)

(۳) كتاب الوضوء، باب التبرز في البيوت، (رقم: ۱٤۸)

(٤) تهذيب التهذيب: ۱۲/۲۵، تهذيب الكمال: ۳۳/۹۷، الكاشف: ۲/٤۱۰، (رقم الترجمة: ٦٥۱۹)، تهذيب التهذيب، ص: ٦۲۲، (رقم الترجمة: ۷۹٦٦)

امام بخاری نے ان کی یہ روایت بطور متابع کے ذکر کی ہے اور یہ حدیث زہری عن سالم...... کے طریق سے گزر گئی ہے(۱)۔

سَالِمٍ

یہ سالم بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب القرشی العدوی ہیں، ان کے حالات کتاب الإیمان، باب "الحیاء من الإیمان" میں گزر چکے ہیں(۲)۔

ابوبکر بن سالم اور ان سے روایت کرنے والے عبیداللہ بن عمر العمری دونوں کو صغار تابعین میں شمار کیا گیا ہے اور یہ دونوں معاصر ہیں جب کہ سالم خود کبار تابعین میں سے ہیں اور فقہاء سبعہ میں سے ایک ہیں(۳)۔

بِدَلْوِ بَكْرَةٍ

دلو (ڈول) کی اضافت "بکرۃ" کی طرف ہے اور "بکرۃ" بسکون الدال بھی ہوسکتا ہے جس کا معنی ہے نوجوان اونٹنی۔ اور بفتح الکاف بھی ہوسکتا ہے جس کا معنی ہے، وہ گول لکڑی جس کو ڈول لٹکایا جاتا ہے۔

حضرت عمر کا عبقری ہونا اور اس کا مفہوم

قَالَ ابْنُ جُبَيْرٍ ...... ہم نے گزشتہ ایک روایت میں کہا تھا کہ خواب میں شُربِ لبن والی حدیث میں جو لَبَن (دودھ) سے مراد علم ہے اور علم سے پھر علمِ سیاست اسلامی مراد ہے اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت عمر ہی کے متعلق دیکھنے والے ایک اور خواب کا ذکر کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں "عبقری" کا لقب دیا۔ یہاں اس حدیث کا ذکر ہے اور ابن جبیر نے "عبقری" کا معنی بیان کیا ہے جس سے متذکرہ بالا استدلال کی صحت واصابت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

سعید بن جبیر کے اس قول میں عبقری کی تفسیر کی گئی ہے، "عتاق الزرابي" کے ساتھ۔ "الزرابي"

---

(۱) فتح الباري: ۵٦/۹

(۲) كشف الباري: ۱۲۸/۲

(۳) فتح الباري: ۵٦/۹

زَربيةٌ کی جمع ہے جس کا معنی ہے عمدہ غالیچے اور گدّے۔ عتاق البزرابي یعنی خوبصورت غالیچے اور عمدہ کشادہ گدے۔ دوسرا معنی اس کا یہ کیا گیا ہے "النافذ الماضي الذي لا شيء يفوقه"(۱) وہ فعال اور ماہر شخص یا چیز جس کا کوئی مقابلہ نہ کر سکے اور اس سے کوئی فائق نہ ہو۔

حافظ ابن حجر نے ابوعُمر کے حوالے سے نقل کیا ہے "عبقري القوم سيدهم وقيّمهم وكبيرهم" یعنی قوم میں عبقری اس شخص کو کہا جاتا ہے جو ان کا سپہ سالار، نگران اور سربراہ ہو۔ اور فراء کا قول نقل کیا ہے، "العبقري: السيد والفاخر من الحيوان، والجوهر، والبساط المنقوش"(۲) یعنی عبقری سردار اور قابل فخر حیوان، جوہر اور گدے وغیرہ کو کہا جاتا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ عبقری ''عبقر'' کی طرف منسوب ہے، جو دیہات میں ایک جگہ کا نام ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ ایک بستی ہے جس میں عمدہ کپڑے اور نہایت خوبصورت بستر ے تیار کئے جاتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ عبقری ایک ایسی زمین کی طرف نسبت ہے جس میں جنات رہتے ہیں۔ عرب ہر عمدہ اور عظیم چیز کی مثال دیتے ہوئے اس کو عبقری کہتے ہیں (۳)۔

نووی کہتے ہیں: "العبقري الذي ليس فوقه شيء"(٤).

علامہ ابن الاثیر اس کے بارے میں کہتے ہیں:

"فصاروا كلما رأوا شيئاً غريبا مما يصعب عمله ويدقُّ أو شيئاً عظيماً في نفسه نسبوه إليها فقالوا عبقري"(٥).

یعنی عرب جب بھی کسی عجیب وغریب چیز کو دیکھتے ہیں جس میں معنویت اور دقّت ہو یا وہ چیز فی نفسہ بہت بڑی ہو تو وہ اسے اس بستی کی طرف منسوب کر کے عبقری کہتے ہیں۔ پھر اس میں وسعت آ گئی اور ہر بڑے

---

(۱) فتح الباري: ٥٦/٩

(۲) فتح الباري: ٥٧/٩

(۳) شرح النووي على مسلم: ١٦١/١٥

(٤) النهاية لابن الاثير: ١٥٣/٢

(٥) تغليق التعليق: ٦٣/٤

سرداراورصاحبِ کمال شخص کواس سے موسوم کیا جانے لگا۔

پھر مصنف نے اپنی عادت کے مطابق "زرابـي" کا معنی بھی ذکر کیا ہےاورفرمایاذرابـي کہاجاتا ہے "الطنافِسُ لها خمل رقِيق" کو۔یعنی غالیچہ اورقالین جس کی باریک جھالرہوں۔اورفرمایاقرآن کریم میں ﴿وَزَرَابِي مبثوثة﴾ مستعمل ہے۔

مذکورہ تعلیق کی تخریج اوراس کا موصولاً ذکر

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:"اما قول سعيد بن جُبير فأخبرَنا به عمر بن محمد البالسي أخبرنا علي بن ابي بكر بن معالي، أخبرنا علي بن أحمد أخبرنا احمد بن محمد بن التيمى في كتاب، أخبرنا الحسن بن أحمد أخبرنا احمد بن عبدالله، حدثنا سليمان بن احمد حدثنا المقدام بن داود حدثنا أسد بن موسىٰ حدثنا هيثم عن ابي بشير عن سعيد بن جُبير......"(۱).

اورایک دوسرے طریق سے یوں بیان کرتے ہیں:

"أنبأنا ابوبكر بن ابي عمر الحموي، أن جدّه محمد بن ابراهيم الحاكم أخبره أخبرنا عبد الهادي بن عبد الكريم عن حماد بن هبة الله أن اسماعيل بن احمد أخبره: أخبرنا ابو الجسين بن النقور أخبرنا عيسىٰ بن علي حدثنا البغوي حدثنا نعيم بن الهيثم حدثنا ابوعوانه عن ابي بشر به"(۲).

یحییٰ کے قول کی تخریج کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"واما قول يحيى وهو ابن زيادة الغراء فأخبرنا به محمد بن احمد بن علي البزاز، اجازة شافهة عن يونس بن أبي اسحاق عن أبي الحسن بن أبي عبدالله عن الفضل بن سهل عن الخطيب أخبرنا ابو سعيد بن أبي عمر، حدثنا ابوالعباس محمد بن يعقوب حدثنا محمد بن الجهم حدثنا يحيى بن

---

(۱) تغليق التعليق: ٤/٦٣

(۲) تغليق التعليق: ٤/٦٣

زياد الفراء في كتاب معاني القرآن له......"(١).

٣٤٨٠ : حدّثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ : حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ : حَدَّثَنِي أَبِي ، عَنْ صَالِحٍ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ : أَخْبَرَنِي عَبْدُ الحَمِيدِ : أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ سَعْدٍ أَخْبَرَهُ : أَنَّ أَبَاهُ قَالَ .

حدّثني عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ : حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ ، عَنْ صَالِحٍ ، عَنْ أَبِي شِهَابٍ ، عَنْ عَبْدِ الحَمِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ زَيْدٍ ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ : اسْتَأْذَنَ عُمَرُ بْنُ الخَطَّابِ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ ، وَعِنْدَهُ نِسْوَةٌ مِنْ قُرَيْشٍ يُكَلِّمْنَهُ وَيَسْتَكْثِرْنَهُ ، عَالِيَةً أَصْوَاتُهُنَّ عَلَى صَوْتِهِ ، فَلَمَّا اسْتَأْذَنَ عُمَرُ بْنُ الخَطَّابِ قُمْنَ فَبَادَرْنَ الحِجَابَ ، فَأَذِنَ لَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَدَخَلَ عُمَرُ وَرَسُولُ اللهِ ﷺ يَضْحَكُ ، فَقَالَ عُمَرُ : أَضْحَكَ اللهُ سِنَّكَ يَا رَسُولَ اللهِ ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (عَجِبْتُ مِنْ هٰؤُلَاءِ اللَّاتِي كُنَّ عِنْدِي ، فَلَمَّا سَمِعْنَ صَوْتَكَ ابْتَدَرْنَ الحِجَابَ) . فَقَالَ عُمَرُ : فَأَنْتَ أَحَقُّ أَنْ يَهَبْنَ يَا رَسُولَ اللهِ ، ثُمَّ قَالَ عُمَرُ : يَا عَدُوَّاتِ أَنْفُسِهِنَّ أَتَهَبْنَنِي وَلَا تَهَبْنَ رَسُولَ اللهِ ﷺ ؟ فَقُلْنَ : نَعَمْ أَنْتَ أَفَظُّ وَأَغْلَظُ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ : (إِيهًا يَا ابْنَ الخَطَّابِ ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ ، مَا لَقِيَكَ الشَّيْطَانُ سَالِكًا فَجًّا قَطُّ إِلَّا سَلَكَ فَجًّا غَيْرَ فَجِّكَ) . [ر : ٣١٢٠]

تراجم رجال

عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ

یہ امیر المؤمنین فی الحدیث ابوالحسن علی بن عبداللہ بن جعفر بن نجیح سعدی البصری ہیں، جو ابن المدینی کے نام سے معروف ہیں، ان کے حالات "كتاب العلم، باب الفهم في العلم" میں گزر چکے ہیں (٢)۔

---

(١) تغليق التعليق: ٤/٦٣، ٦٤

(٣٤٨٠) الحديث مرّ تخريجه في كتاب بدء الخلق، باب ما جاء في صفة الجنة وأنها مخلوقة......

(٢) كشف الباري: ٣/٢٩٧

يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ

یہ ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمن بن عوف القرشی الزہری المدنی ہیں۔ ان کے احوال "كتاب العلم، باب ما ذكر في ذهاب موسى صلى الله عليه وسلم في البحر إلى الخضر" میں گزر چکے ہیں (۱)۔

صَالِح

یہ ابو محمد، یا ابو الحارث صالح بن کیسان المدنی ہیں۔ ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب تفاضل أهل الإيمان في الاعمال" میں گزر چکے ہیں (۲)۔

ابْنِ شِهَابٍ

یہ ابو بکر محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن شہاب الزہری ہیں۔ ان کے حالات "كتاب بدء الوحي" میں گزر چکے ہیں (۳)۔

مُحَمَّدَ بْنَ سَعْدٍ

یہ محمد بن سعد بن ابی وقاص ہیں۔ ان کے احوال گزر چکے ہیں (۴)۔

عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ

یہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن یحیی بن عمرو بن اویس اویسی ہیں۔ ان کے احوال "كتاب العلم، باب الحرص على الحديث" میں گزر چکے ہیں (۵)۔

إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ

یہ ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمن بن عوف ہیں۔ ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب

---

(۱) كشف الباري: ۳۳۱/۳

(۲) دیکھئے، كشف الباري: ۱۲۱/۲

(۳) دیکھئے، كشف الباري: ۳۲٦/۱

(٤) كتاب الزكاة، باب قول الله عزوجل ﴿لا يسألون الناس إلحافا﴾ (رقم: ١٤٧٨)

(٥) دیکھئے، كشف الباري: ٤٨/٤

تفاضل أهل الإيمان في الاعمال" میں گزر چکے ہیں(۱)۔

صالح بن کیسان اور ابن شہاب زہری کا ابھی ہی ذکر ہوا۔

عَبْدِ الْحَمِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ

یہ عبدالحمید بن عبدالرحمٰن بن زید ہیں۔ ان کے حالات گزر چکے ہیں (۲)۔

مُحَمَّدِ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ

ان کا ابھی اوپر ہی تذکرہ ہوا۔

چار مدنی تابعین ایک ساتھ

اس روایت میں اتفاق سے چار تابعین ایک ساتھ مذکور ہیں۔ صالح بن کیسان، ابن شہاب زہری، عبدالحمید بن عبدالرحمٰن اور محمد بن سعد بن ابی وقاص اور یہ سب حضرات مدنی ہیں (۳)۔

عورتیں کون تھیں؟

وَعِنْدَهُ نِسْوَةٌ مِنْ قُرَيْشٍ ...... بظاہر یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات تھیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ ان کے علاوہ دوسری عورتیں بھی ہوں لیکن یہ جو الفاظ ہیں "یستکثرنه" کے، اس سے پہلی بات کی تائید ہوتی ہے، کیونکہ غیر عورتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ (نان ونفقہ وغیرہ) کا مطالبہ کس طرح کر سکتی ہیں، یستکثرنہ کا معنی یہ ہے کہ وہ خواتین یہ مطالبہ کر رہی تھیں کہ ان کو اس سے زیادہ دیا جائے جو انہیں دیا جا رہا ہے۔ جب کہ داودی کا خیال یہ ہے کہ "یستکثرنہ کا معنی یہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ باتیں کر رہی تھیں۔ لیکن یہ تاویل مردود ہے: کیونکہ مسلم نے اپنی صحیح میں یہ روایت ذکر کی ہے اور اس میں یہ تصریح ہے کہ وہ عورتیں نفقہ میں کثرت اور اضافے کی خواہش ظاہر کر رہی تھیں۔ ظاہر ہے تصریح کے بعد یہ احتمال نہیں رہتا کہ دوسرا کوئی معنی مراد ہوگا (۴)۔

"عالية أصواتهن" عالية بناء برصفت ہونے کے مرفوع ہے اور یا حال ہونے کے باعث منصوب۔

---

(۱) دیکھئے، کشف الباري: ۲/۱۲۰، نیز کشف الباري: ۳/۳۳۳

(۲) کتاب بدء الخلق، باب صفة ابليس وجنوده، (رقم: ۳۲۹٤)

(۳) فتح الباري: ۹/۵۷

(٤) فتح الباري: ۹/۵۷

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ''رفع صوت'' کی ممانعت کا سوال

اب یہاں یہ سوال ہوسکتا ہے کہ اللہ کے رسول کے سامنے اونچی آواز سے بات کرنا شرعاً ممنوع ہے پھر یہ خواتین کیوں اونچی آواز سے بات کر رہی تھیں، خاص کر جب وہ تھیں بھی منتخب عورتیں اور پیغمبر کے گھر والیاں پھر تو ان کے لئے یہ عمل اور بھی زیادہ شنیع اور نامناسب ہونا چاہیے......؟

اس بات کی کئی تاویلات کی گئی ہیں اور مختلف جوابات اس کے دیئے گئے ہیں۔

ابن التین فرماتے ہیں اس میں یہ احتمال ہے کہ رفع صوت کی ممانعت سے قبل ہی انہوں نے اونچی آواز میں بات کی ہو۔ یا پھر ممکن ہے یہ رفع صوت ان کی طبیعت میں تھا، یعنی وہ قدرتی اور طبعی طور پر جہوری الصوت عورتیں ہوں، اور ممانعت اس رفع صوت کی ہے جو اختیاری اور بالقصد ہو(۱)۔

دوسرے بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ رفع صوت ہر مسلمان کے لئے ممنوع ہے اور ان خواتین میں سے ہر ایک کے لئے بھی بے شک اونچی آواز سے بولنا ممنوع تھا مگر یہاں جو رفع صوت تھا، وہ سب کے ایک ساتھ بولنے کی وجہ سے پیدا ہوا تھا، یعنی ان میں سے کوئی خاتون متعین اور مشخّص طور پر آداب کی خلاف ورزی نہیں کر رہی تھی بلکہ ان کے اجتماع کی وجہ سے یہ بات پیدا ہوگئی تھی اور ظاہر ہے اس کی وجہ سے متعین طور پر کوئی ایک خاتون خلاف ورزی کا ارتکاب کرنے والی نہیں ٹھہرائی جاسکتی ہے۔

تاہم یہ جواب محل نظر ہے، کیونکہ اگر ایک ایک آواز پیغمبر کی آواز سے اونچی نہ تھی تو پھر لامحالہ مجموعۂ اصوات بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کے مقابلہ میں بلند نہیں ہوسکتا۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ ممکن ہے ان میں سے کوئی ایک عورت ''جَھِیرَہ'' یعنی ایسی ہوں کہ اس کی آواز اونچی ہو، ایک قول یہ بھی ہے کہ رفع صوت کی ممانعت مردوں کے لئے تھی نہ کہ عورتوں کے لئے، اور ایک قول یہ ہے کہ عورتوں کے لئے اس کی کراہت تنزیہی تھی نہ کہ تحریمی، بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہاں جو رفعِ صوت تھا وہ مخاصمت اور منہ ماری کی وجہ سے تھا اور مخاصمت میں غیر ارادی طور پر آواز اونچی ہوجاتی ہے جب کہ ممنوع رفع صوت وہ ہے جو ارادی اور بالقصد ہو۔

یہ بھی جواب میں کہا گیا ہے کہ ازواج مطہرات نے آواز تو اونچی کی مگر انہیں یہ اعتماد اور یقین تھا کہ یہ

---

(۱) فتح الباري: ۹/۵۸

ان کے حق میں معاف ہے اور خلوت میں کئی ایسی چیزیں جائز ہوتی ہیں جو مجلس میں اور جلوت میں جائز نہیں ہوتیں (۱) تو ہوسکتا ہے رفعِ صوت کی ممانعت یا خفضِ صوت کا ادب، آداب مجلس میں سے ہو اور میاں بیوی کے درمیان اس میں کوئی مضائقہ نہ ہو۔

أضحك الله سنّك

بہ ظاہر یہ حضرت عمر کی جانب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کثرتِ ضحک کی دعا ہے، تاہم حافظ صاحب فرماتے ہیں اس جملے سے یہ مراد نہیں ہے بلکہ لازمِ ضحک کی دعا مراد ہے اور لازمِ ضحک ''سرور'' ہے یا پھر لازم ضحک (یعنی سرور) کی ضد کی نفی کی دعا ہے۔ اور سرور کی ضد حزن ہے تو حضرت عمر نے گویا یوں دعا فرمائی ''اللہ آپ کو پریشانی سے بچائے'' یا ''اللہ آپ کو سدا خوش رکھے'' (۲)۔

أتَهَبْنَنِي

یہ الهيبة سے فعل ہے یعنی کیا آپ مجھ سے ڈرتی ہیں اور میری ہیبت اور وقار تمہارے دلوں میں زیادہ ہے اور رسول اللہ کا کم......؟

حضرت عمر کے کہنے کا منشا یہ تھا کہ رعب، دبدبہ اور ہیبت تو مؤمن کے دل میں اللہ اور اس کے رسول کا ہونا چاہیے جب کہ یہ خواتین رسول اللہ سے زیادہ مجھ (عمر) سے ڈر رہی اور ہیبت محسوس کر رہی ہیں۔

یہ سوال یا نکیر اور شکوہ بھی ازواج مطہرات سے تھا جو اپنے صفاءِ قلب، اور ایمان واخلاص میں ممتاز مقام کی حامل تھیں، انہوں نے جواب دیا کہ آپ سے مرعوب ہونے کی وجہ آپ کی سخت مزاجی اور سخت گیری ہے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سراپا رحمت ہیں سو آپ علیہ الصلاۃ والسلام سے مرعوب نہ ہونا ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ورفعت کی دلیل ہے۔ اور رہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وقار واحترام سو وہ ازواج مطہرات کے دل میں پوری قوت کے ساتھ موجزن ہوتا ہوگا۔ واللہ اعلم

حضرت عمر کو خواتین کے دہشت زدہ ہونے کا کیسے علم ہوا

یہاں یہ سوال بھی اٹھایا گیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کیسے کہہ رہے ہیں کہ تم مجھ سے ہیبت زدہ ہو رہی

---

(۱) فتح الباري: ۵۸/۹

(۲) فتح الباري: ۵۸/۹

ہو اور رسول اللہ سے نہیں ...... ہیبت زدہ ہونے کا کیسے اندازہ ہوا؟ علماء نے ایک جواب تو یہ دیا ہے کہ ساری عورتیں پردہ کرنے کے لئے بھاگیں حالانکہ پردہ کر کے یہیں بیٹھا بھی جا سکتا تھا، دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عمر کو اجازت ملنے یا نہ ملنے سے واقف ہوئے بغیر حجاب کے لئے دوڑ لگائی جو ڈرنے کی علامت ہے اور تیسرا جواب یہ ہے کہ ساری عورتوں کا پردے کے لئے اٹھنا ہیبت کی علامت ہے ورنہ تو ان میں بعض حضرت عمر کی محرمات بھی تھیں (۱)۔

أَنْتَ أَفَظُّ وَأَغْلَظُ

أفظ اور أغلظ، "فظاظة" اور "غلظة" سے اسم تفضیل کے صیغے ہیں اور اسم تفضیل کا قانون یہ ہے کہ وہ اصلِ فعل میں شرکت کا تقاضا کرتا ہے تو گویا اس کا معنی یہ ہوا کہ فظاظة اور غلظة کی صفات تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی ہیں مگر آپ (عمر) میں ان کے مقابلے میں زیادہ ہیں، اب اشکال یہ ہے کہ حدیث کا مفہوم تو یہی ہوا کہ کم سہی مگر ہیں یہ صفات رسول اللہ کی ذات میں بھی۔ جب کہ ادھر قرآن آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی ذات سے اس کی نفی کر رہا ہے، "لو کنت فظاً غلیظَ القلب لا نفضوا من حولك" (۲) میں "لو" کے ساتھ فظاظة اور غلظة کا ذکر کر کے اس کی نفی ہی کی گئی ہے۔

قرآن اور حدیث میں تعارض کی بات

قرآن اور حدیث میں بظاہر موجود اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ جو آپ علیہ الصلاۃ والسلام سے فظاظت اور غلظت کی نفی کر رہا ہے وہ صفتِ لازمہ ہونے کی حیثیت سے اس کے وجود کی نفی ہے، لہٰذا مطلق وجودِ صفت مذکورہ کی نفی اس سے نہیں ہو رہی ہے۔ اور حدیث میں جو مذکور ہے وہ اس صفت کو بطور صفت لازمہ کے رسول اللہ کے لئے ثابت کرنے کا تقاضا نہیں کرتا بلکہ اس کے مجرد وجود کا تقاضا کرتا ہے اور مجرد وجود اس صفت کا اللہ کے رسول کے لئے یوں ثابت ہے کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی امر منکر دیکھتے ہیں تو آپ میں سختی آجاتی ہے اور عام کیفیت آپ کی نرمی اور شفقت کی ہے لہٰذا قرآن اور سنت میں کوئی تعارض نہیں رہا (۳)۔

---

(۱) لامع الدراري: ۱۵۹/۸

(۲) فتح الباري: ۵۸/۹

(۳) فتح الباري: ۵۸/۹

بعض حضرات نے تطبیق کی صورت یوں بیان کی ہے کہ قرآن میں صفت مذکورہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نفی ہے اور یہاں حدیث میں اس کا حضرت عمر کے لئے اثبات ہے، رہا اسم تفضیل تو وہ اپنے معنی پر محمول نہیں ہے یعنی اس میں صحت مذکور ہے نسبتاً زیادہ ہونے کا ذکر مقصود نہیں ہے بلکہ اس کا مجرد وجود ثابت کیا گیا ہے یعنی "الأفظ" بمعنی "الفظ" ہے۔ مگر اس توجیہ میں نظر اور اشکال ہے اور وہ یوں کہ یہاں ترجیح صریح طور پر مذکور ہے اور وہ یوں کہ حضرت عمر نے فرمایا تم رسول اللہ سے نہیں ڈرتیں اور مجھ سے ڈر رہی ہو، یعنی اس حوالے سے آپ مجھے رسول اللہ پر ترجیح دے رہی ہیں اور جواب میں انہوں نے وجۂ ترجیح ذکر کرتے ہوئے اسم تفضیل استعمال کیا جس کا معنی یہ ہے کہ پیغمبر کے مقابلے میں آپ سے زیادہ ڈرنے کی وجہ، پیغمبر کے مقابلے میں آپ کا زیادہ سخت گیر ہونا ہے۔ من رسول الله ...... میں رسول اللہ مفضل علیہ ہیں۔ اس کا واضح مفہوم یہی ہے کہ فظ اور غلیظ تو رسول اللہ بھی ہیں مگر آپ (حضرت عمر) ان سے زیادہ ہیں۔ معلوم ہوا کہ "أفظ" بمعنی "الفظ" نہیں ہے۔ اور مطلق فظاظة ثابت کرنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے مقصود نہیں ہے بلکہ اوروں کے مقابلے میں زیادہ غلظة و فظاظت ثابت کرنا ہے (۱)۔

کیا حضرت عمر غیر ضروری حد تک سخت گیر تھے؟

مذکورہ تشریح میں جو یہ بات آگئی ہے کہ مطلق غلظة اور فظاظت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی تھی، چنانچہ جب آپ کوئی امرِ منکر دیکھتے تو اس پر نکیر فرماتے اور سختی کا اظہار کرتے تھے۔ جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں یہ سختی زیادہ تھی اس کا یہ مطلب تو یقیناً نہیں ہے کہ ضروری سختی اور مطلوب درشتی حضرت عمر میں زیادہ اور رسول اللہ میں کم تھی؟ کیونکہ منکر اور ناجائز پر ناراضگی اور دل گرفتگی تو اللہ کے رسول میں سب سے زیادہ تھی اور اس میں کمی ثابت کرنے سے گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص ہوگی۔ دوسرا مطلب اس کا یہ ہوسکتا ہے کہ ضرورت کے وقت تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی سختی کرتے تھے اور غلظة اور فظاظت کا مظاہرہ کرتے تھے مگر عام حالات میں ایسا نہ کرتے تھے جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عام حالات میں بھی سخت تھے۔ حالانکہ غیر ضروری حد تک سختی اور بے رحمی دین میں ناپسندیدہ اور خوش اخلاقی کے منافی ہے، پھر حضرت عمر جیسے جلیل القدر صحابی رسول میں یہ بات کس طرح ہوسکتی ہے؟

اس بات کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حضرت عمر مکروہات سے روکنے اور مندوبات تک پر راغب کرنے

---

(۳) فتح الباري: ۵۸/۹

اور زور دینے میں مبالغہ کرتے تھے (۱)۔ جب کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں زجر عن المنکرُ وہات اور ترغیب الی المندوبات میں اتنی سختی نہ ہوتی تھی۔

بالفاظ دیگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طبعاً نہایت نرم دل اور نرم مزاج تھے اور شدت آپ میں دینی اور شرعی تھی جو نہایت ضرورت اور مجبوری کے وقت سامنے آتی تھی جب کہ حضرت عمر طبعاً شدید اور سخت مزاج تھے اور اسلام میں داخل ہونے کے بعد یہ شدت انہوں نے اللہ کے لئے استعمال کی تو معمولی کوتاہیوں پر بھی سختی کرتے اور چھوٹے چھوٹے آداب کے لئے بھی شدت سے کام لیتے تھے۔ بس اتنی سی بات ہے۔

إيهًا يَا ابْنَ الْخَطَّابِ!

"ایہا" اس کا چار طرح سے پڑھنا منقول ہے:

۱-أيهاً بفتح الهمزة وتنوين الهاء المفتوحة، اس کا معنی ہے "لا تبتد ئنا بحديث" یعنی ہم سے بات شروع نہ کر۔

۲-أيها اس صورت میں بغیر تنوین کے، اس کا معنی ہے "كف من حديث عهدنا" یعنی جو بات ہم کر رہے ہیں یا جس بات سے ہم واقف ہیں اس سے باز رہو۔

۳-"إيهٍ" بكسر الهمزة والياء والتنوين، اس کا معنی ہے "حدثنا ما شئت" بتایئے جو آپ بتانا چاہتے ہیں۔

۴-"ايه" بغیر تنوین کے۔ اس کا معنی "زدنا ما حدثتنا" یعنی مزید کہئے یہ بات جو آپ کہہ رہے ہیں، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ان تمام احتمالات کو ذکر کر کے کہتے ہیں "ووقع في روايتنا بالنصب والتنوين" یعنی ہماری اس روایت میں یہ لفظ نصب اور تنوین کے ساتھ وارد ہے جس کا معنی ہوا آپ اس معاملے میں نہ بولئے (۲)۔ ابن التین سے نقل کیا گیا ہے کہ یہ بغیر تنوین کے صحیح ہے اور معنی ہے "كف عن لومهن" یعنی آپ انہیں ملامت نہ کریں اور اس سے آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا منشاء شاید یہ ہو کہ ان کا مطالبہ کوئی غیر شرعی اور گستاخانہ نہیں ہے، لہذا انہیں ڈانٹنا درست نہیں ہے ہاں اگر وہ خود قناعت اور صبر کا دامن تھامیں تو یہ اچھا ہوگا (۳)۔

---

(۱) فتح الباري: ۵۸/۹

(۲) فتح الباري: ۵۸/۹

(۳) دیکھئے، فتح الباري: ۵۸/۹

طیبی کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول کی توقیر اور تکریم مطلوب لِذاتِہ ہے اور اس میں اضافہ اور کثرت قابل ستائش اور ضروری ہے لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا "إیـه" کہہ کر حضرت عمر سے اس میں مزید کہنے کی خواہش ظاہر کرنا ہی معقول اور أقـرب الـى الـفـهـم ہے اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد فرمایا، "والذي نفسي بيده ......" اس جملے میں حضرت عمر کی زبردست تعریف کی گئی ہے جس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی حوصلہ افزائی کی اور آپ کی اِصابتِ رائے اور حق گوئی کی تعریف کی (۱)۔

علامہ تورپشتی کلمہ "ایه" کے متعلق کہتے ہیں "إيه" اسم ہے جس سے فعل کو موسوم کیا گیا ہے، کیونکہ اس کا معنی امر کا ہے۔ چنانچہ جب کسی سے قول یا عمل میں اضافے اور مزید کی طلب ہوتی ہے تو اسے "ایـه" بکسر الہاء کہہ کر مخاطب کیا جاتا ہے۔ پھر جب اسے آگے کلام سے ملانا ہوتا ہے تو اس کو تنوین کے ساتھ یوں پڑھا جائے گا، "ایهٍ حديثا" یعنی بات آگے بڑھایئے...... اور جب مخاطب کا اِسکات اور خاموش کرنا مطلوب ہو تو "ايهًـا عنا" بالألف کہا جاتا ہے۔ اور فرمایا، اس حدیث میں معلوم ہوتا ہے اسی طرح الف کے ساتھ ہے اور اس کا معنی ہے "كف يا ابن الخطاب عن هذا الحديث" یعنی اس بات کو جانے دو اور اس سے باز رہو، اور امام بخاری نے اسے مجرور و منوّن روایت کیا ہے جب کہ درست "ايها" (بالفتح) ہے۔ اور مسلم نے اس روایت کو ذکر کیا ہے مگر اس میں یہ کلمہ مذکور ہی نہیں ہے (۲)۔

إلا سلَكَ فجاً غير فجِّك

یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہت بڑی فضیلت ہے کہ وہ شیطان سے اکثر محفوظ ہوتے ہیں اور شیطان ان کی راہ تک سے دور بھاگتا ہے، ساتھ چلنا اور حملہ کرنا تو دور کی بات ہے۔

کیا حضرت عمر معصوم تھے؟

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے شیطان اتنا ہی دور بھاگتا تھا تو پھر تو وہ معصوم ٹھہرے؟ کیونکہ شیطان جب ان کے قریب نہیں آسکتا تو اُن سے گناہ کیا صادر کرائے گا، جب کہ اہل سنت والجماعت عصمت کا عقیدہ صرف انبیاء کے لئے رکھتے ہیں کوئی غیرِ نبی چاہے جتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، اہل سنت

(۱) شرح الطيبي: ۲۳۱/۱۱.

(۲) كتاب الميسر: ۱۳۱۵/٤، ۱۳۱٦

کے ہاں معصوم نہیں ہوسکتا۔

اس کا جواب حافظ ابن حجر نے یہ دیا ہے کہ یہ روایت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ شیطان کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک پہنچنے کی کوئی سبیل نہیں ہے اور وہ اُن سے بھاگتا ہے لیکن یہ اُن کی عصمت کا تقاضا اس لئے نہیں کرتی کہ اس میں اس بات کی نفی اور ممانعت تو نہیں ہے کہ شیطان کو بذریعۂ وسوسہ ان کے دل میں کوئی بات ڈالنے کی بھی قدرت نہیں ہے، سو یہ قدرت اُسے حاصل ہے اور وسوسہ کے ذریعے وہ حضرت عمر کے دل میں بھی بات ڈال سکتا ہے، لہٰذا حدیث سے اُن کی عصمت کسی طرح بھی ثابت نہیں ہوتی (۱)۔

نبی کی عصمت واجب اور غیر نبی کی ممکن ہے

یہاں یہ ایک اشکال ہوسکتا ہے کہ مذکورہ روایت سے بطور مفہومِ موافق کے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ معصوم تھے اور شیطان بطریقِ وسوسہ بھی ان کے دل میں کوئی بات ڈال کر انہیں کسی فعلِ بد پر نہیں ڈال سکتا تھا اور وہ یوں کہ جب شیطان حضرت عمر کے اختیار کردہ راستے پر نہیں آسکتا تھا تو پھر اسے اتنا قریب آنے اور میل ملاپ اختیار کر کے ان کے دل میں وسوسہ ڈالنے کی کیونکر جرأت اور ہمت ہوگی، ظاہر ہے اگر راستہ چلنے تک کی ہمت اس میں نہ تھی تو میل ملاپ اور وسوسہ ڈالنے کی طاقت تو بطریق اولی اس میں نہ ہوگی اور یوں حضرت عمر اس کے دسترس سے محفوظ ہوں گے اور یہی عصمت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس طرح سے حضرت عمر کے لئے عصمت ثابت ہونا لازم نہیں آتا، کیونکہ ممکن ہے اللہ نے شیطان سے ان کی حفاظت کی ہو اور عصمت ثابت بھی ہوجائے تو عصمت نبی کے حق میں واجب، جب کہ غیر کے حق میں ممکن ہے۔ اسی مضمون کی ایک روایت طبرانی "اوسط" میں ذکر کرتے ہیں جس کے الفاظ یہ ہیں "ان الشيطان لا يلقى عمرَ منذ أسلم إلا خرَّ لوجهه".

یعنی حضرت عمر نے جب سے اسلام قبول کیا ہے، شیطان اُن سے نہیں ملتا، مگر منہ کے بل گر جاتا ہے (۲)۔

---

(۱) فتح الباري: ۹/۵۹

(۲) فتح الباري: ۹/۵۸، ۵۹

حضرت عمر سے شیطان کے فرار ہونے کا مطلب

علامہ تورپشتی کہتے ہیں:

"تنبيهٌ على صلابته في الدّين واستمرارِ حاله على الجدِ الصرفِ والحقِ المحض حتى كان بين يدي رسول الله كالسيف الصارمِ والحسامِ القاطع إن أمضاه مضى، وإن كفه كف، فلم يكن له على الشيطان سلطان إلا من قِبل رسول الله وكان هو كالوازع بين يدي الملِك فلهذا كان الشيطان ينحرف عن الفج الذي سلكه"(۱).

یعنی حدیث کے ان الفاظ میں تنبیہ ہے حضرت عمر کی صلابت فی الدین (دین میں پختگی) پر اور ان کے ہمیشہ خالص سنجیدگی اور حقِ محض پر قائم رہنے پر، چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بمنزلہ ننگی تلوار اور سیفِ قاطع کے تھے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے چلاتے وہ چل جاتی اور جب روکتے رُک جاتی..... تو شیطان پر حضرت عمر کا یہ تسلط اللہ کے رسول کی جانب سے تھا اور اس حوالے سے ان کی مثال بادشاہ کے ایک محافظ اور کمانڈر کی تھی، اس لئے شیطان ہمیشہ اس راستے سے انحراف کرتا تھا جس پر حضرت عمر چلتے کیونکہ وہ رسول اللہ کے سپاہی تھے۔

راستے الگ ہونے کے دو مطلب

نووی کہتے ہیں یہ حدیث اپنے ظاہر پر محمول ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ شیطان جب حضرت عمر کو دیکھتا تھا، بھاگ جاتا تھا اور وہ راستہ ہی چھوڑ جاتا تھا جب کہ قاضی عیاض کہتے ہیں اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ یہ ضرب المثل ہو اور اس کا معنی یہ ہو کہ حضرت عمر نے شیطان کا راستہ چھوڑ دیا ہے اور ایسے صحیح راستے اور درست طریقے پر چلے ہیں کہ ہر اس چیز کو چھوڑ دیا ہے جو شیطان کو پسند ہے اور گویا عمر کے اور شیطان کے راستے بالکل الگ الگ ہیں۔

تاہم پہلی بات کو زیادہ صحیح قرار دیا گیا ہے کیونکہ اس میں لفظ کو اپنے ظاہر اور متبادر معنی پر محمول کیا گیا

---

(۱) كتاب الميسر: ۱۳۱٦/٤

ہے(۱)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی سختی کیوں نہیں کرتے تھے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مذکورہ ارشاد میں ازواج مطہرات کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ڈرنے پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت عمر دین کے معاملے میں بڑے سخت اور دوٹوک تھے اور شیطان ان کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتا تھا۔ اور یوں آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے انہیں "إيـــه" کہہ کر وہ بات مزید تصریح وتفصیل کے ساتھ کہنے کا مطالبہ کیا جو انہوں نے خود سے ازواج مطہرات کے ڈر جانے اور رسول اللہ سے نہ ڈرنے پر کہی تھی، یعنی "أتهبنني ولا تهبن رسول الله؟". کہہ کر۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر حضرت عمر کا یہ دوٹوک اور سخت انداز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر پسند اور دین میں مطلوب تھا تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود ایسے کیوں نہ تھے اور خود آپ سے ازواج مطہرات اس قدر کیوں نہ ڈرتی تھیں؟

اس کا جواب دیتے ہوئے علامہ توربشتی کہتے ہیں:

"ولما كان النبي صلى الله عليه وسلم رحمة مهداة إلى العالمين، مأموراً بالعفو عن المذنبين، معنيا بالصفح عن الجاهلين — لم يكن ليواجههم فيما لا يحمد من فعل مكروه أو سوء ادب بالفظاظة والغلظة والزجر البليغ، إذ لا يتصور الصفح والعفو مع تلك الخلال فلهذا تسامح هو فيها واستحسن استشعارهن الهيبةَ من عمر"(۲).

یعنی جہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق ہے تو آپ چونکہ تمام عالم کے لئے سراپا رحمت اور ذریعۂ ہدایت ہیں، خطا کاروں کو معاف کرنے پر مامور ہیں اور نادانوں سے درگزر کا اہتمام کرنے والے ہیں؛ اس لئے آپ لوگوں سے ان کے ناپسندیدہ افعال اور بے ادبانہ حرکات جیسے ناقابل ستائش کاموں پر سختی اور درشتی سے پیش آنے والے نہ تھے، اور

(۱) شرح الطيبي: ۲۳۱/۱۱، وفتح الباري: ۵۹/۹

(۲) شرح الطيبي: ۲۳۱/۱۱، وفتح الباري: ۵۹/۹

اُن کے زجر وتو بیخ کے درپے نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ عفو اور درگزر ڈانٹ ڈپٹ وغیرہ کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا، بلکہ عفو اور صفح کا تحقق اس وقت ہوگا جب سختی اور درشتی سے بچا جائے گا، اسی بناء پر یہاں اور اس جیسے بعض دوسرے مواقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود تو تسامح، درگزر اور خاموشی کا مظاہرہ کرتے تھے لیکن حضرت عمر کے سختی سے پیش آنے کی بھی تحسین کرتے تھے۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت واضح ہے، کیونکہ حضرت عمر کی فضیلت ومنقبت کا یہاں ذکر ہے جو ترجمۃ الباب بھی ہے(۱)۔

۳۴۸۱ : حدّثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى : حَدَّثَنَا يَحْيَى ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ : حَدَّثَنَا قَيْسٌ قَالَ : قَالَ عَبْدُ اللهِ : مَا زِلْنَا أَعِزَّةً مُنْذُ أَسْلَمَ عُمَرُ . [۳٦٥٠]

تراجم رجال

مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى

یہ ابوموسیٰ محمد بن المثنی بن عبید عنزی بصری ہیں، ان کے احوال کتاب الإیمان، باب "حلاوة الإيمان" میں گزر چکے ہیں(۲)۔

يحيى

یہ یحییٰ بن سعید القطان ہیں، ان کے احوال بھی کتاب الإیمان، باب "من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه" میں گزر چکے ہیں(۳)۔

اسماعیل

یہ اسماعیل بن ابی خالد احمسی بجلی ہیں، ان کے احوال کتاب الإیمان، باب "المسلم من سلِم

(۳٦٨٤) الحديث أخرجه البخاري ايضاً في كتاب مناقب الانصار، باب إسلام عمر بن الخطاب، رقم: ۳۸٦۳

(۱) عمدة القاري:

(۲) دیکھئے، كشف الباري: ۲/۲٥

(۳) دیکھئے، كشف الباري: ۲/۲

المسلمون من لسانه ويده" میں گزر چکے ہیں(۱)۔

"باب اسلام عمر" میں اسماعیل بن ابی خالد...... کی تصریح ہے(۲)۔

قیس

یہ قیس بن ابی حازم اُحمسی بجلی ہیں، ان کے احوال كتاب الإيمان، باب "قول النبي: الدين النصيحة: لله ولرسوله ولأئمة المسلمين وعامتهم" میں گزر چکے ہیں(۳)۔

عبدالله

یہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مشہور صحابی رسول ہیں، ان کے احوال كتاب الإيمان، باب "ظلم دون ظلم" میں گزر چکے ہیں(۴)۔

"باب اسلام عمر" میں قیس کے ساتھ ابن ابی حازم اور عبداللہ کے ساتھ "ابن مسعود" کی تصریح ہے(۵)۔

مازلنا أعزة......

یعنی حضرت عمر کی قوت، اثر اور دبدبے کی وجہ سے ہم برابر معزز رہے۔

حضرت عمر کے متعلق حضرت عبداللہ بن مسعود کے تاریخی الفاظ

حضرت عبداللہ بن مسعود کا اصحابِ رسول میں نہایت ممتاز مقام اور فقہ وفراست میں بہت بڑا مرتبہ ہے اور ان کے جہاں عام صحابہ کے متعلق کہے ہوئے یہ الفاظ "كانوا افضلَ هذه الأمة، أبرها قلوباً، وأعمقها علماً وأقلها تكلفاً"(٦) ایک جچے تلے اور موزوں ترین تبصرے کی حیثیت رکھتے ہیں اسی طرح

(۱) دیکھئے، كشف الباري: ۱/۶۷۹

(۲) دیکھئے، صحيح البخاري، رقم: ۳۸۶۳

(۳) كشف الباري: ۲/۷۶۱

(٤) كشف الباري: ۲/۲۵۷

(٥) صحيح البخاري، كتاب مناقب الانصار، باب إسلام عمر، رقم: ۳۸۶۳

(٦) جامع الأصول في احاديث الرسول: ۱/۲۹۲

حضرت عمر کے قبول اسلام کے متعلق بھی ان کے یہ الفاظ ابن ابی شیبہ اور طبرانی نے قاسم بن عبدالرحمٰن کے طریق سے نقل کئے ہیں، "كان اسلام عمر عزاً، وهجرته نصراً، وامارته رحمةً، ما استطعنا أن نصلي حول البيت ظاهرين حتى أسلم عمر"(۱).

یعنی حضرت عمر کا قبولِ اسلام باعث عزت تھا، ان کی ہجرت بڑی نصرت ومدد تھی اوران کی امارت رحمت تھی، ہم بیت اللہ کے گرد جاکر نماز نہیں پڑھ سکتے تھے، جب تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔

حضرت عمر کا قبولِ اسلام اوراس کے اثرات

حضرت عمر کے قبولِ اسلام کا واقعہ مشہور ہے۔ دارقطنی نے "قاسم بن عثمان عن انس" کے طریق سے یہ الفاظ نقل کئے ہیں، "خرج عمر متقلّد السيف فلقيه رجل من بني زهرة"(۲).

اس کے بعد انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ان کی بہن کے پاس جانے، اوران کے اوران کے شوہر کے قبولِ اسلام پر برہم ہونے، اور پھر ان سے سورۂ طٰہٰ سننے اور اسلام کی طرف راغب ہونے کا ذکر کیا ہے اور آخر میں خباب رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں، "أبشر يا عمر فإني أرجو أن تكون وعدة رسول الله لك، قال: "اللّهم أعز الإسلام بعمر أو بعمرو بن هشام"(۳).

عمر خوشخبری قبول کر، کیونکہ مجھے امید ہے کہ آپ رسول اللہ کی وہ دعا ہیں جو پیغمبر نے آپ کے لئے فرمائی اور وہ دعا یہ ہے کہ اے اللہ! عمر (بن خطاب) یا عمرو بن ہشام (ابوجہل) کے ذریعے اسلام کو عزت وغلبہ عطا کر!

حضرت عمر کے قبول اسلام سے اسلام کو کس قدر عزت وطاقت ملی، اس کے لئے حضرت ابن عباس کی حدیث ملاحظہ فرمائیں، جو صاحبِ فتح الباری نے ابوجعفر بن ابی شیبہ کے حوالے سے نقل کی ہے...... اس کے آخر میں یہ الفاظ ہیں:

---

(۱) المعجم الكبير للطبراني: ۱٦۲/۹

(۲) سنن الدارقطني، باب في نهي المحدث عن مس القرآن: ۱۲۳/۱

(۳) المعجم الأوسط: ۲٤٠/۲

"فقلت يا رسول الله ففيم الاختفاء؟ فخرجنا في صفين: أنا في أحدهما، وحمزة في الآخر، فنظرت قريش إلينا فأصابتهم كآبة لم يصبهم مثلها"(۱).

عمر کہتے ہیں میں نے کہا، اللہ کے رسول! ہم چھپتے کیوں پھریں؟ (فرمایا) پھر ہم دوصفوں میں نکلے، ایک میں حضرت حمزہ (بن عبدالمطلب) تھے اور دوسرے میں میں خود، قریش نے جب ہم کو دیکھا تو ان کو ایسی رنجیدگی اور دل شکستگی ہوئی کہ ایسی کبھی نہیں ہوئی ہوگی (کیونکہ قریش کے دونامور آدمیوں نے اسلام قبول کرکے ان کی کمر توڑ دی تھی)۔

ابن ابی ہیثم خود حضرت عمر کی روایت نقل کرتے ہیں جس میں وہ فرماتے ہیں:

"لقد رأيتني وما أسلم مع رسول الله صلى الله عليه وسلم الا تسعة وثلاثون رجلاً فكملتهم أربعين، فأظهر الله دينه، وأعز الاسلام"(۲).

فرمایا، میں اپنے آپ کو یوں دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ۳۹ افراد نے اسلام قبول کیا تھا میں نے (اسلام قبول کرکے) یہ عدد ۴۰ کردیا اور پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو غالب کردیا اور اسلام کو عزت دے دی۔

بزار نے بھی اسی طرح کی روایت نقل کی ہے اور اس میں یہ الفاظ بھی لائے ہیں، "فنزل جبريل فقال: يا أيها النبي حسبك الله ومن اتبعك من المؤمنين"(۳).

خیثمہ ابووائل عن ابن مسعود کے طریق سے یہ الفاظ نقل کرتے ہیں:

"قال رسول الله: اللهم أيد الاسلام بعمر"(٤).

اور حضرت علی کی روایت سے بھی اسی طرح نقل کیا ہے مگر اس میں "أيد" کی جگہ "أعز" ہے۔ اور یہ سند

---

(۱) فتح الباري: ۵۹/۹

(۲) فتح الباري: ۵۹/۹

(۳) فتح الباري: ۵۹/۹

(٤) المعجم الأوسط للطبراني: ۲/ ۲٤۰، ومسند احمد، مسند عبد الله بن مسعود، رقم: ٤۳٦۲، كنز العمال: ۵۹۹/۱۲

صحیح حاکم سے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس طرح کی روایت منقول ہے۔

ترمذی نے ابن عمر کی روایت نقل کی ہے، جس کے الفاظ یوں ہیں:

"اللهم أعز الاسلام بأحبِ الرَّجلين إليك، بأبي جهل أو بعمر، قال فكان أحبَّما إليه عمر"(۱).

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ! ابوجہل اور عمر بن خطاب میں سے جو تجھے زیادہ محبوب ہو اس کے ذریعے اسلام کو تقویت دیدے۔

پھر وہ کہتے ہیں کہ ان دونوں میں زیادہ اللہ کو عمر (رضی اللہ عنہ) پسند تھے کیونکہ ان ہی کو اسلام قبول کرنے کی توفیق ملی۔

ترمذی نے اس حدیث کو "حسن صحیح" قرار دیا ہے.....(۲) اور ابن حجر فرماتے ہیں اس کی تصحیح ابن حبان نے بھی کی ہے مگر اس کی سند میں خارجۃ بن عبداللہ ہیں، جو متکلم فیہ ہے تاہم ان کی اس روایت کا ایک شاہد ترمذی کی روایت کردہ حدیث ابن عباس ہے، اس طرح دارقطنی کی روایت انس اور اسلم مولی عمر کی روایت جو خباب سے مروی ہے(۳)۔

اسی طرح ایک شاہد اس کا مرسل روایت بھی ہے جسے ابن سعد نے سعید بن المسیب کے طریق سے نقل کیا ہے جس کی سند صحیح ہے، ابن سعد نے ایک اور روایت بھی نقل کی ہے، یہ صہیب کی روایت ہے اور اس کے الفاظ یوں ہیں:

"لما أسلَم عمر قال المشركون انتصف القوم منَّا"(٤).

یعنی جب عمر نے اسلام قبول کیا تو مشرکین کہنے لگے قوم دونیم اور تقسیم ہوگئی یعنی اب ہم قومِ قریش کو پیغمبر اسلام کے خلاف ابھارنے اور اٹھانے میں کامیاب نہیں ہوسکتے اور اب جیسے مشرکین کے پاس نامی گرامی سردارانِ قریش ہیں مسلمانوں کے پاس بھی صاحبِ حیثیت وسیادت قریش موجود ہیں (۵)۔

اور واقعی ہوا بھی ایسا ہی کہ اسلامِ عمر کے بعد دین اسلام کی تیز رفتار ترقی اور غلبہ وبرتری شروع ہوگئی۔

---

(۱) المستدرك على الصحيحين، مناقب امير المؤمنين عمر بن الخطاب، رقم: ٤٤٨٦

(۲) سنن الترمذي، باب في مناقب عمر بن الخطاب، رقم: ٣٦٨١

(۳) فتح الباري: ۹/۵۹

(٤) لم اجده في الطبقات، وفي تلخيص المتشابه للخطيب بهذا اللفظ وجدنا: ١/٣٩٠

(۵) دیکھئے، فتح الباري: ۹/۵۹

جسے پھر کوئی نہ روک سکا۔ تا آں کہ جزیرۂ عرب پر اسلام کے جھنڈے گاڑ دیئے گئے۔

روایت کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت واضح ہے۔

۳٤٨٢ : حدّثنا عَبْدَانُ : أَخبرَنَا عَبْدُ اللهِ : حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ سَعِيدٍ ، عَنِ ٱبْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ : أَنَّهُ سَمِعَ ٱبْنَ عَبَّاسٍ يَقُولُ : وُضِعَ عُمَرُ عَلَى سَرِيرِهِ ، فَتَكَنَّفَهُ النَّاسُ يَدْعُونَ وَيُصَلُّونَ قَبْلَ أَنْ يُرْفَعَ ، وَأَنَا فِيهِمْ ، فَلَمْ يَرُعْنِي إِلَّا رَجُلٌ آخِذٌ مَنْكِبِي ، فَإِذَا عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ ، فَتَرَحَّمَ عَلَى عُمَرَ وَقَالَ : ما خَلَّفْتَ أَحَدًا أَحَبَّ إِلَيَّ أَنْ أَلْقَى اللهَ بِمِثْلِ عَمَلِهِ مِنْكَ ، وَٱيْمُ اللهِ ، إِنْ كُنْتُ لَأَظُنُّ أَنْ يَجْعَلَكَ اللهُ مَعَ صَاحِبَيْكَ ، وَحَسِبْتُ : إِنِّي كُنْتُ كَثِيرًا أَسْمَعُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ : (ذَهَبْتُ أَنَا وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ ، وَدَخَلْتُ أَنَا وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ ، وَخَرَجْتُ أَنَا وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ) .

[ر : ٣٤٧٤]

تراجم رجال

عَبْدَانُ

یہ عبداللہ بن عثمان بن جبلۃ الملقب بہ عبدان ہیں، ان کے احوال "بدء الوحي" میں گزر چکے ہیں (۱)۔

عَبْدُ اللّٰهِ

یہ عبداللہ بن المبارک ہیں، ان کے احوال بھی اسی باب میں گزرے ہیں (۲)۔

عُمَرُ بْنُ سَعِيدٍ

یہ عمر بن سعید بن ابی حسین النوفلی القرشی المکی ہیں، ان کے احوال کتاب العلم، باب "الرحلة في المسئلة النازلہ" میں گزر چکے ہیں (۳)۔

(٣٦٨٥) الحديث أخرجه البخاري أيضاً في باب مناقب أبي بكر، رقم: ٣٦٧٧

(١) كشف الباري: ٤٦١/١

(٢) كشف الباري: ٤٦٢/١

(٣) كشف الباري: ٥١٥/٣

ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ

یہ عبداللہ بن ابی ملیکۃ ہیں۔ان کے احوال کتاب الإیمان، باب "خوف المؤمن من أن يحبط عمله وهو لا يشعر" میں گزر چکے ہیں(۱)۔

وُضِعَ عُمَرُ عَلَى سَرِيرِهِ

مناقبِ أبي بکر کے آخر میں اس روایت میں یہ الفاظ ہیں: "إني لواقف في قوم يدعون لعمر بن الخطاب وقد وضع ......"(۲).

اس روایت میں "وقد وضع" کا جملہ، جملۂ حالیہ ہے لفظ "عمر" سے(۳)۔

فَلَمْ يَرُعْنِي

"روع" سے ہے بمعنی فزع اور خوف۔مراد یہ ہے کہ میں نے اچانک دیکھا۔

اخِذٌ

ایک روایت میں "أخذَ" بلفظ الفعل الماضي ہے(۴)۔

فَتَرَحَّمَ عَلَى عُمَرَ

دوسری روایت میں الفاظ ہیں "فقال يرحمُك الله"(۵).

أَحَبَّ إِلَيَّ

بالرفع بھی ہوسکتا ہے اور بالنصب بھی۔نصب کی صورت میں "أحداً" کی صفت اور رفع کی صورت میں

---

(۱) کشف الباري: ۲/۵٤۸

(۲) دیکھئے، صحيح البخاري، رقم: ۳٦۷۷

(۳) فتح الباري: ۹/٦۰

(٤) فتح الباري: ۹/٦۰

(٥) فتح الباري: ۹/٦۰

ھو مقدر کے لئے خبر ہوگا(۱)۔

''صاحبَین'' کا مصداق اور ''معیت'' کا مطلب

صاحبین سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں اور حدیث سے یا تو ظاہری معیت مراد ہے یعنی قبروں میں اور تدفین میں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے موت کے بعد قبر میں یا عالم آخرت میں معیت مراد ہو(۲)۔

حضرت علی کے نزدیک عمر کا مقام

حضرت فاروق اعظم کے متعلق سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے یہ بڑے ہی تاریخی الفاظ ہیں اور ان کے انہی الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اعتقاد میں اُس وقت حضرت عمر سے زیادہ نیک عمل اور افضل العمل کوئی نہ تھا۔

وَحَسِبْتُ أَنِّی کُنْتُ

یہاں حسبان کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے جو گمان کے معنی میں ہے اور تردّد کی طرف اشارہ ہے، جب کہ ''مناقب ابی بکر'' میں "لأني كثيراً ما كنتُ أسمع" کے الفاظ ہیں یعنی میں بہت سنتا تھا۔ اور اس میں لام تعلیلیہ ہے اور "ما" ابہامیہ مؤکدہ ہے، كثيراً ظرف زمان ہے جو اپنے عامل كنت پر مقدم ہوا ہے۔ جیسے "قليلاً ماتشكرون" وغیرہ میں ہے۔ اور اکثر نسخوں میں "كثيراً مما كنت أسمع" بزيادة۔من واقع ہے تاہم اس کی توجیہ یوں کی جائے گی، "إني أجد كثيراً مما كنت أسمع" یعنی جو میں سنتا تھا اس میں بہت سارا میں یہ پاتا ہوں ...... اور پھر ان سارے الفاظ کا ذکر ہے جو رسول اللہ اور ابوبکر وعمر کے قُربِ باہمی پر دال ہیں(۳)۔

فتكنّفه الناسُ

"أي أحاطوابه من جوانبه" یعنی لوگوں نے ان کو گھیر دیا۔ اور اکناف واطراف سے ان کے گرد جمع

---

(۱) فتح الباري: ۹/۶۰

(۲) فتح الباري: ۹/۶۰

(۳) فتح الباري: ۹/۶۰

ہوگئے(۱)۔

۳٤٨٣ : حدّثنا مُسَدَّدٌ : حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ : حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي عَرُوبَةَ . وَقَالَ لِي خَلِيفَةُ : حَدَّثَنَا محمَّدُ بْنُ سَوَاءٍ ، وَكَهْمَسُ بْنُ الْمِنْهَالِ قالَا : حَدَّثَنَا سَعِيدٌ ، عَنْ قَتَادَةَ ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قالَ : صَعِدَ النَّبِيُّ ﷺ أُحُدًا ، وَمَعَهُ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمانُ ، فَرَجَفَ بِهِمْ فَضَرَبَهُ بِرِجْلِهِ وقالَ : (اثْبُتْ أُحُدُ ، فَمَا عَلَيْكَ إِلَّا نَبِيٌّ ، أَوْ صِدِّيقٌ ، أَوْ شَهِيدَانِ) .

[ر : ٣٤٧٢]

تراجم رجال

مُسَدَّدٌ

یہ مسدد بن مسرہد اسدی ہیں، ان کے احوال کتاب الإیمان، باب "من الإيمان أن يحب لأخيه يا يحب لنفسه" میں گزر چکے ہیں(۲)۔

يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ

یہ یزید بن زُریع التیمی ہیں، ان کے احوال گزر چکے ہیں(۳)۔

سَعِيدٌ

یہ سعید بن ابی عروبہ ہیں ان کے احوال گزر چکے ہیں(۴)۔

خَلِيفَةُ

یہ خلیفۃ بن الخیاط البصری ہیں، ان کے احوال گزر چکے ہیں(۵)۔

(۱) فتح الباري: ۹/۶۰، وإرشاد الساري: ۸/۱۱۷.

(۳۶۸۳) الحديث سبق تخريجه في كتاب فضائل اصحاب النبي، رقم: ۳۶۷۵

(۲) كشف الباري: ۲/۲.

(۳) دیکھئے،صحيح البخاري، كتاب الغسل، باب "الجنب يخرج ويمشي في السوق وغيره"، رقم: ۲۸٤

(٤) دیکھئے،صحيح البخاري، كتاب الغسل، باب: إذا جامع ثم عاد......، رقم: ۲٦٨

(٥) دیکھئے،صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب الميت يسمع خفق النعال، رقم: ۱۳۳۸

مُحَمَّدُ بْنُ سَوَاءٍ

یہ ابوالخطاب محمد بن سواء بن عنبر السدوسی العنبری البصری المکفوف ہیں جو محمد بن ثعلبہ بن سواء کے چچا ہیں، عنبر ابوکردم اُن کے جدامجد ہیں۔ ۱۸۷ ہجری میں ان کا انتقال ہوا ہے۔

ان کے شیوخ میں غالب القطان، ابوالحباب، ثابت بن عمارۃ الحنفی، جریر بن حازم، حازم بن ابراہیم البجلی، خالد الحذاء، سعید بن سماک بن حرب، سعید بن ابی عروبہ، شعبۃ بن الحجاج، عبداللہ بن عون اور ہلال بن میمون الرملی وغیرہ شامل ہیں۔

جب کہ تلامذہ میں ابراہیم بن محمد بن عرعرہ، ابوحفص احمد بن حمید الصفار، ابوالشعث أحمد بن المقدام العجلي، محمد بن عبدالرحمٰن العلاف، اسحاق بن راہویہ، حسن بن قزعہ، ابوبکر عبداللہ بن محمد بن أبی شیبہ، عثمان بن محمد بن ابي شیبہ، عمرو بن عیسیٰ الضبعي وغیرہ شامل ہیں۔

ابن حبان نے ان کا اپنی کتاب "الثقات" میں ذکر کیا ہے(۱)۔

ان کا کہنا ہے کہ ان کا ۱۷۸ میں انتقال ہوا ہے جبکہ عمرو بن عیسیٰ فرماتے ہیں ۱۷۹ میں ان کی وفات ہوئی ہے(۲)۔

حافظ ابن حجر ابن شاہین کے حوالے سے یزید بن زریع کا یہ قول نقل کرتے ہیں "علیکم به".

جب کہ ازدی نے اپنی کتاب "الضعفاء" میں کہا ہے، "كان يغلو في القدر وهو صدوق" یعنی مسئلہ قدر میں وہ غلو کرتے تھے، تاہم سچے تھے۔

ابن المدینی کہتے ہیں، "هو من الطبقة السابعة من اصحاب شعبة"(۳).

ابن حجر فرماتے ہیں، "صدوق رُمي بالقدر من التاسعة"(٤).

حافظ صاحب کی بات سے معلوم ہوتا ہے کہ قدریت کا اُن پر الزام تھا یعنی وہ غالی قدریہ میں سے

---

(۱) تهذيب الكمال: ٢٥/ ٣٣٠

(٢) كتاب الثقات: ٩/ ٤٢

(٣) تهذيب التهذيب: ٩/ ٢٠٨، الجرح والتعديل: ٧/ ٣٧٥ بھی دیکھئے۔

(٤) تقريب التهذيب: ٤٨٢، رقم الترجمة: ٥٩٣٩ وفي الكاشف "صدوق رمي بالقدر": ٢/ ١٧٧،

نہ تھے۔

كَهْمَسُ بْنُ الْمِنْهَالِ

یہ کہمس بن المنہال السّدوسی، ابوعثمان البصری اللؤلؤی ہیں۔ حسن بن عُمارة، سعید بن ابی عروبہ، سعید بن مسلم بن مالک، سہل بن أسلم العدوي اور عبدالوارث بن سعید سے روایت کرتے ہیں۔

طبقۂ تاسعہ میں سے ہیں۔

علامہ مزی فرماتے ہیں، "قال البخاري: كان يقال فيه القَدَر"(١).

ابن حبان نے ان کا کتاب "الثقات" میں ذکر کیا ہے اور فرمایا "كان يقول بالقدر"(٢).

عبدالرحمٰن بن ابی حاتم کہتے ہیں:

"سألتُ أبي عنه، فقال كان من أصحاب ابن أبي عروبه، محله الصدق، يُكتب حديثه، أدخله البخاري في كتاب "الضعفاء" سمعتُ أبي يقول: يحوَّل من كتاب الضعفاء"(٣).

امام بخاری نے جو اُن کا "الضعفاء" میں ذکر کیا ہے اس پر ابوحاتم نے نکیر فرمائی ہے، جیسے کہ عبارتِ بالا سے واضح ہے، اور ان کی توثیق کرتے ہوئے "يُكتب حديثه" "محلّه الصدق" وغیرہ کے الفاظ فرمائے۔ اور امام بخاری نے خود اُن سے روایت بھی کی ہے، اگرچہ وہ مقرون بالغیر ہے (یعنی وہ اور محمد بن سواء دونوں سعید بن ابی عروبۃ سے روایت کرتے ہیں) حافظ ابن حجر نے "هدي الساري مقدمة فتح الباري" میں جوابات فرمائی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری نے قدریت کی وجہ سے ان پر کلام کیا ہے یہی وجہ ہے کہ حافظ صاحب "التقريب" میں کہتے ہیں "صدوق رُمي بالقدر"(٤). یعنی سچے ہیں البتہ قدریت کا

(١) تهذيب الكمال: ٢٣٥/٢٤

(٢) كتاب الثقات: ٢٧/٩

(٣) الجرح والتعديل: ٢٣٣/٧

(٤) دیکھئے هدي الساري، ص: ٦١٦، تهذيب التهذيب: ٤٥١/٨، تقريب التهذيب، ص: ٤٦٢، الكاشف: ١٥٠/٢، الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: ٢٣٣/٧

الزام ہے ان پر۔

سَعِيدٌ

یہ سعید بن ابی عروبہ ہیں جن کا ابھی اوپر ذکر ہوا۔

قَتَادَةَ

یہ قتادۃ بن دعامہ ہیں۔ ان کے احوال کتاب الإیمان، باب مِن الإیمان أن یحب لأخیه ما یحب لنفسه میں گزر چکے ہیں (۱)۔

أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ

مشہور صحابی رسول ہیں، ان کے حالات بھی کتاب الإیمان، باب من الإیمان أن یحب لأخیه ما یحب لنفسه میں گزر چکے ہیں (۲)۔

حدیث کی تشریح مناقب أبي بکر میں گزر چکی ہے۔

فَمَا عَلَيْكَ إِلَّا نَبِيٌّ، أَوْ صِدِّيقٌ، أَوْ شَهِيدٌ......

یہاں یہ الفاظ ہیں، جب کہ مناقب أبي بکر میں یہ الفاظ ہیں: "فإنما علیك نبي وصدیق وشهیدان" بہرحال دونوں میں حصر موجود ہے اور یہاں جو "أو" ہے یہ "واو" کے معنی میں ہے اور "شهید" جو یہاں مفرد لایا گیا ہے اس سے جنسِ "شهید" مراد ہے، جب کہ مناقب ابی بکر میں عدد مقصود ہے۔ اس لئے وہاں تثنیہ لایا گیا ہے اور تثنیہ ہی مراد بھی ہے۔ تاہم یہاں جو شہید مفرد لایا گیا ہے یہ اس کا منافی نہیں ہے کیونکہ یہاں عدد مقصود نہیں ہے اور جنس مفرد کی طرح تثنیہ اور جمع پر بھی بولا جاتا ہے۔

بعض روایات میں "نبي وصدّیق أو شهید" کے الفاظ ہیں اُس کے بارے میں ایک قول تو یہ ہے کہ "أو" اس میں بھی "واو" کے معنی میں ہے جب کہ دوسرا قول یہ ہے کہ "أو" تغییرِ اُسلوب کے لئے ہے اور اس سے مقصود یہ ہے کہ نبوت وصدیقیت کے حال میں اور شہادت کے حال میں فرق ہے کیونکہ نبوت اور صدیقیت تو

---

(۱) كشف الباري: ۳/۲

(۲) كشف الباري: ٤/۲

اُس وقت حاصل تھی جب کہ شہادت اُس وقت حاصل نہ تھی بلکہ بعد میں حاصل ہونے والی تھی، اس فرق کو ظاہر کرنے کے لئے "أو شهيد" کہا گیا۔ لہذا "نبي وصديق" تو حقیقت پر مبنی ہیں جب کہ شہید مجاز ہے کیونکہ شہادت مقدّر ومقرّر تو تھی، واقع نہیں ہوئی تھی (۱)۔

٣٤٨٤ : حدّثنا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمانَ قالَ : حَدَّثَنِي ٱبْنُ وَهْبٍ قالَ : حَدَّثَنِي عُمَرُ ، هُوَ ٱبْنُ مُحَمَّدٍ : أَنَّ زَيْدَ بْنَ أَسْلَمَ حَدَّثَهُ ، عَنْ أَبِيهِ قالَ : سَأَلَنِي ٱبْنُ عُمَرَ عَنْ بَعْضِ شَأْنِهِ - يَعْنِي عُمَرَ - فَأَخْبَرْتُهُ ، فَقَالَ : ما رَأَيْتُ أَحَدًا قَطُّ ، بَعْدَ رَسُولِ ٱللّٰهِ ﷺ مِنْ حِينَ قُبِضَ ، كانَ أَجَدَّ وَأَجْوَدَ ، حَتَّى ٱنْتَهَى ، مِنْ عُمَرَ بْنِ الخَطَّابِ .

تراجم رجال

يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ

یہ ابوسعید یحییٰ بن سلیمان بن یحییٰ بن سعید الجعفی الکوفی ہیں، ان کے احوال کتاب العلم، "باب كتابة العلم" میں گزر چکے ہیں (۲)۔

ابْنُ وَهْبٍ

یہ ابومحمد عبداللہ بن وہب بن مسلم القرشی المصری ہیں، ان کے احوال كتاب العلم، باب "من جعل لأهل العلم أياماً معلومة" میں گزر چکے ہیں (۳)۔

عُمَرُ

یہ عمر بن محمد بن زید بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب ہیں، ان کے احوال بھی گزر چکے ہیں (۴)۔ حرملہ عن

(۱) فتح الباري: ٦٠/٩، وإرشاد الساري: ١٧٨/٨

(٣٤٨٤) الحديث أخرجه البخاري ايضاً في: ٥٤٥/١، كتاب مناقب الانصار، باب إسلام عمر بن الخطاب رضي الله عنه، رقم: ٣٨٦٣

(۲) كشف الباري: ٣٢٧/٤

(۳) كشف الباري: ٢٧٧/٣

(٤) كشف الباري: ٢٧٧/٣

ابن وہب کی روایت میں "حدثني عمر بن محمد بن زيد" کی تصریح ہے(۱)۔

زَيْدَ بْنَ أَسْلَمَ

یہ زید بن اسلم مولی عمر بن الخطاب ہیں، ان کے حالات كتاب الإيمان، باب كُفرانِ العشير میں گزر چکے ہیں(۲)۔

ابْنُ عُمَرَ

عبداللہ بن عمر بن الخطاب کے احوال كتاب الإيمان، باب الإيمان وقول النبي صلى الله عليه وسلم بُني الإسلام على خمس میں گزر چکے ہیں(۳)۔

سَأَلَنِي ابْنُ عُمَرَ

یعنی اسلم مولیٰ عمر کہتے ہیں کہ مجھ سے عبداللہ بن عمر نے حضرت عمر (اپنے والد) کے متعلق پوچھا(۴)۔

فَقَالَ: مَا رَأَيْتُ أَحَدًا

یہ ابن عمر کا مقولہ ہے، یعنی ابن عمر نے کہا میں نے ان جیسا کبھی کسی کو نہیں دیکھا(۵)۔

أَجَدَّ وَأَجْوَدَ

"أجد، یہ جَدّ سے اسم تفضیل ہے جو جد و جہد، کوشش اور محنت کے معنی میں ہے اور أجود، جُود بمعنی سخا اور جوّاد بمعنی سخی سے اسم تفضیل ہے۔

بَعْدَ رَسُولِ اللّٰهِ

بعدیت سے مراد اگر بعدیت فی الصفات ہو، اور کسی مخصوص زمانے سے تعرض نہ ہو تو پھر اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں اور اس کے بعد تمام لوگوں سے زیادہ أجد وأجود ...... ہونا ہوگا، جب کہ

---

(۱) دیکھئے، صحيح البخاري، كتاب تقصير الصلاة، باب مَن لم يتطوع في الفرد بر الصلا، رقم: ۱۱۰۱

(۲) دیکھئے، كشف الباري: ۲/۲۰۳

(۳) دیکھئے، كشف الباري: ۱/۶۳۷

(٤) فتح الباري: ۹/۶۱

(٥) فتح الباري: ۹/۶۱

اس پر اشکال ہوسکتا ہے کہ ابوبکر اور بعض دوسرے صحابہ تو افراط کی حد تک جہد اور جُود سے متصف تھے پھر عمر کو ان سے زیادہ متصف قرار دینا کیوں کر صحیح ہے۔ اور اگر اس سے مراد "بعد زمانِ رسولِ اللّٰه" ہو تو پھر بھی اس پر حضرت ابوبکر اور بعض دوسرے حضرات کے حوالے سے ہی اعتراض ہوگا، اس لئے اس سے مراد لیا گیا ہے رسول اللہ کے بعد اپنی خلافت کے زمانے میں۔ اس صورت میں اشکال وارد نہ ہوگا اور اس تاویل کے بعد یہ نہیں کہا جاسکے گا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر تو اُن سے "أجدّ وأجوَد" تھے، لہٰذا یہ دعویٰ درست نہیں ہے(۱)۔ اشکال اس لئے نہیں ہوگا کہ مراد عہد فاروقی میں أجود و أجد ہونا ہے اور اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کا وصال ہو چکا تھا۔ اور دوسروں سے حضرت عمر کا أجد و أجود...... ہونا قابلِ اعتراض نہیں ہے۔

اس صورت میں اس قول کا قائل ابن عمر ہوگا۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ انتھــــیٰ کا فاعل ابن عمر ہے اور قائل اس کا نافع ہے اور اس کی تاویل یوں ہے، "انتھیٰ ابن عمر في الانصاف بعد أجدّ وأجود حتی فرغ مما عنده" یعنی ابن عمر أجد و أجود قرار دے کر حضرت عمر کے متعلق انصاف میں اخیر تک پہنچے اور جو کچھ انصاف ان کے پاس تھے، اس سے فارغ ہو گئے اور وہ کہہ گئے۔ واللہ اعلم (۲)

ترجمۃ الباب سے مناسبت واضح ہے۔

۳٤٨٥ : حدَّثنا سُلَيْمانُ بْنُ حَرْبٍ : حدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ ، عَنْ ثَابِتٍ ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ : أَنَّ رَجُلاً سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ عَنِ السَّاعَةِ ، فَقَالَ : مَتَى السَّاعَةُ ؟ قَالَ : (وَمَاذَا أَعْدَدْتَ لَهَا) . قَالَ : لَا شَيْءَ ، إِلَّا أَنِّي أُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ ﷺ ، فَقَالَ : (أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ) . قَالَ أَنَسٌ : فَمَا فَرِحْنَا بِشَيْءٍ فَرَحَنَا بِقَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ : (أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ) . قَالَ أَنَسٌ : فَأَنَا أُحِبُّ النَّبِيَّ ﷺ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ ، وَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ مَعَهُمْ بِحُبِّي إِيَّاهُمْ ، وَإِنْ لَمْ أَعْمَلْ بِمِثْلِ

---

(۱) فتح الباري: ۶۱/۹

(۲) فتح الباري: ۷۱/۹، وإرشاد الساري: ۱۷۸/۸

(۳٤٨٥) الحديث مرّ تخريجه في نفس هذا الكتاب، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم لو كنت متخذاً خليلاً، رقم: ۳٦٧٧

أَعْمَالِهِمْ . [٥٨١٥ ، ٥٨١٩ ، ٦٧٣٤]

تراجم رجال

سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ

یہ ابوایوب سلیمان بن حرب بن بجیل ازدی واشحی بصری ہیں، ان کے حالات کتاب الإیمان، باب "مَن کَرِہ أن یعود في الکفر کما یکرہ أن یلقی في النار، مِن الإیمان" میں گزر چکے ہیں(۱)۔

حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ

یہ حماد بن زید بن درہم الجہضمی ہیں، ان کے احوال کتاب الإیمان، باب "وإن طائفتان من المؤمنین اقتتلو......" میں گزر چکے ہیں(۲)۔

ثَابِتٍ

یہ ابومحمد ثابت بن اسلم بُنانی بصری ہیں، ان کے احوال کتاب العلم، باب "ماجاء في العلم وقوله تعالی ﴿وقل رب زدني علماً﴾" میں گزر چکے ہیں(۳)۔

أَنَسٍ

معروف صحابی حضرت انس بن مالک مراد ہیں، ان کے حالات کتاب الإیمان، باب "من الإیمان أن یحب لأخیه ما یحب لنفسه" میں گزر چکے ہیں(۴)۔

رجل سے کون مراد ہے؟

أَنَّ رَجُلاً...... رجل سے مراد ذوالخویصرۃ الیمانی ہیں، اور بعض کے ہاں ابوموسی اشعری یا ابوذر ہیں، حافظ ابن حجر نے یہ قول ابن بشکوال کی طرف منسوب کیا ہے اور فرمایا انہوں نے پھر ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کی

(۱) کشف الباري: ۱۰۵/۲

(۲) کشف الباري: ۲۱۹/۲

(۳) کشف الباري: ۱۸۳/۳

(٤) کشف الباري: ٤/۲

روایت "قلتُ یا رسول اللہ المرء یحب القوم ولما یلحق بھم" نقل کی ہے، جب کہ حضرت ابوذر کی روایت "فقلت یا رسول اللہ المرء یحب القوم ولا یستطیع أن یعمل بعملھم" ذکر کی ہے، اور ان دونوں روایات کا مضمون بظاہر روایتِ باب سے ملتا ہے اس واسطے انہوں نے ان سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ "رجل" ابوموسیٰ اشعری یا ابوذر غفاری ہیں۔

تاہم حافظ صاحب نے اس کو رد کرتے ہوئے فرمایا کہ ان دونوں حضرات کا سوال عمل سے متعلق تھا جب کہ حدیثِ باب میں سوال قیامت کے بارے میں ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ متعدد واقعات اور مختلف شخصیات ہیں۔

حافظ صاحب مزید فرماتے ہیں کہ کتاب الأدب میں ایک دوسرے طریق سے حضرت اُنس سے یہ الفاظ منقول ہیں، "أن رجلاً من أھل البادیة"(۱)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سائل کوئی اُعرابی (اور بدوی) تھا۔

اس طرح دارقطنی نے ابومسعود کی روایت نقل کی ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ جس اُعرابی نے مسجد میں پیشاب کیا تھا، اس نے پوچھا "یا محمد متی الساعة؟" قیامت کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا، "وما أعددتَ لھا؟" تم نے اس کے لئے کیا تیاری کی ہے؟

اس سے معلوم ہوا کہ حدیث انس میں جو اُعرابی کا ذکر ہے اس سے وہ اُعرابی مراد ہے جس نے مسجد میں پیشاب کیا تھا اور کتاب الطہارۃ میں گزر چکا ہے کہ وہ ذوالخویصرۃ الیمانی ہیں، جیسا کہ ابوموسیٰ المدینی نے "دلائل معرفة الصحابہ" میں ذکر کیا ہے (۲)۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت یوں ہے کہ یہاں سائل نے حضرت عمر اور ابوبکر کی محبت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے ملا کر اس سے نجات کی امیدیں وابستہ کی ہیں جو ابوبکر کی طرح حضرت عمر کی فضیلت وعظمت کی علامت اور اُس وقت عام مسلمانوں کے ذہن میں بھی اس تصور وتاثر کی موجودگی کی دلیل ہے (۳)۔

---

(۱) كتاب الأدب، باب ماجاء في قول الرجل ويلك، رقم: ٦١٦٧

(۲) فتح الباري: ٦١/٩

(۳) فتح الباري: ٦١/٩

واللہ اعلم

اسلوب الحکیم کے طور پر جواب

وَمَاذَا أَعْدَدْتَ لَهَا...... علامہ طیبی فرماتے ہیں:

"سلك مع السائل أسلوب الحكيم؛ لأنه سأل عن وقت الساعة"(۱). یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل کو اسلوب الحکیم کے مطابق جواب دیا۔

چنانچہ یہاں انہوں نے تو قیامت کے وقوع کے وقت کے متعلق پوچھا تھا مگر رسول اللہ نے بجائے اس کے کہ وقت بتادے یا اس کی کوئی علامت ...... آپ نے الٹا اُن سے سوال کیا کہ تیری تیاری کیا ہے؟ اس کا مطلب یہ تھا کہ قیامت کے وقوع کے بارے میں سوال یا اس کے وقوع کا وقت جاننا اہم نہیں ہے بلکہ اہم اس کے لئے تیاری کی فکر ہے، قیامت جب بھی آئے آدمی کو اس کے لئے تیاری کرنی چاہیے اور تیاری کے لئے فکر مند ہونا چاہیے۔

معیت سے کیا مراد ہے؟

أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ...... معیت سے مراد جنت کی معیت ہے اور علامہ قسطلانی فرماتے ہیں کہ معیت یوں ہوگی کہ ہر ایک دوسرے کو دیکھ سکے گا اگر چہ ان کے درمیان بُعدِ مکانی ہی کیوں نہ ہو، اور ظاہر ہے جب حجاب زائل ہوگا تو پھر یقیناً ہر ایک، دوسرے کو دیکھ بھی سکے گا اور اگر دیکھنے یا ملاقات کرنے کی خواہش ہوئی تو اس پر قدرت بھی حاصل ہوگی رہی حقیقی معیت جس میں درجے اور مرتبے کی یکسانیت بھی ہوتی ہے تو وہ مراد نہیں ہے(۲)۔

٣٤٨٦ : حدّثنا يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ : حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ قالَ : قالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (لَقَدْ كانَ فِيما قَبْلَكُمْ مِنَ الْأُمَمِ

---

(١) إرشاد الساري: ١٧٩/٨

(٢) إرشاد الساري: ١٧٩/٨

(٣٤٧٦) الحديث سبق تخريجه في كتاب أحاديث الانبياء، باب (٥٤) رقم ٣٤٦٩

نَاسٌ مُحَدَّثُونَ ، فَإِنْ يَكُ فِي أُمَّتِي أَحَدٌ فَإِنَّهُ عُمَرُ) .

تراجم رجال

يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ

یہ یحییٰ بن قزعۃ البخاری المدنی ہیں، ان کے احوال گزر چکے ہیں (۱)۔

ابراهيم بن سعد

یہ ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف ہیں۔ ان کے حالات کتاب الإیمان، باب تفاضل أهل الإيمان کے تحت گزر چکے ہیں (۲)۔

اور کتاب العلم، باب ما ذکر من ذهاب موسى صلى الله عليه وسلم في البحر إلى الخضر" میں کچھ تفصیل سے ان کے احوال ذکر کئے گئے ہیں (۳)۔

ان کے والد سعد بن ابراہیم کے احوال بھی گزر چکے ہیں (۴)۔

أَبِي سَلَمَةَ

یہ ابوسلمۃ بن عبدالرحمٰن بن عوف مشہور فقیہہ ہیں، ان کے احوال کتاب الإیمان، باب صوم رمضان احتسابا من الإيمان میں گزر چکے ہیں (۵)۔

أَبِي هُرَيْرَةَ

مشہور صحابیٔ رسول ہیں، ان کے احوال کتاب الإیمان، باب امور الدین میں گزر چکے ہیں (۶)۔

---

(۱) كتاب الاذان، باب صلاة النساء، خلف الرجال......

(۲) كشف الباري: ۱۲۰/۲

(۳) كشف الباري: ۳۳۳/۳

(٤) صحيح البخاري، كتاب الوضوء، باب قراءة القرآن بعد الحدث، رقم: ۱۸۳

(٥) كشف الباري: ۳۲۳/۲

(٦) كشف الباري: ٦٥٩/١

ابوسلمہ کی حضرت سے روایت

عَـنْ أَبِـي هُـرَيْرَةَ ...... "ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف عن أبیہ عن أبی سلمۃ ......" اسی سند کے ساتھ، ابراہیم کے تلامذہ نے نقل کیا ہے۔

جب کہ ابن وہب نے ان کی مخالفت کی ہے اور ابراہیم بن سعد کی اسی سند کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "عن أبي سلمة عن عائشة رضی اللّٰہ عنها".

ابومسعود کہتے ہیں:

"لا أعلم أحداً تابع ابنَ وهب على هذا والمعروف عن ابراهيم بن سعد أنه روى عن أبي هريرة لا عن عائشة"(۱).

یعنی ابن وہب کا کوئی متابع نہیں ہے اور ابراہیم بن سعد کے متعلق معروف یہی ہے کہ وہ اسے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں نہ کہ عائشہ سے۔ اور ان کے متابع زکریا بن ابی زائدہ بھی موجود ہیں جس کو مصنف نے یہاں تعلیقاً ذکر کیا ہے۔

جب کہ مسلم، ترمذی اور نسائی نے محمد بن عجلان کی، "سعد بن ابراهيم عن ابی سلمة عن عائشة" کے طریق سے روایت تخریج کی ہے(۲)۔

ابومسعود کہتے ہیں ابن عجلان کی یہ روایت مشہور ہے تو گویا ابوسلمہ نے اسے حضرت عائشہ اور حضرت ابوہریرہ دونوں سے سنا ہے۔

ابن حجر کہتے ہیں اس کی ایک اصل وہ حدیث عائشہ بھی ہے جو ابن سعد نے ابن ابی عتیق کے طریق سے حضرت عائشہ سے نقل کی ہے(۳) اور خفاف بن اسماء کی حدیث بھی ذکر کی ہے جس کے الفاظ ہیں:

"أنه كان يصلي مع عبد الرحمن بن عوف فاذا خطب عمر سمعه

---

(۱) الجمع بين الصحيحين: ۱۵۸/۴

(۲) أخرج مسلم في صحيحه، باب من فضائل عمر، رقم: ۲۳۸۹، والترمذي في سننه، باب مناقب عمر، رقم: ۳۶۹۳، والنسائي في سننه الكبرى، رقم: ۷۰۶۵.

(۳) فتح الباري: ۶۲/۹

يقول أشهد أنك مكلَّم"(۱).

محدَّثون کا معنی ومراد

دال کے فتحے اور تشدید کے ساتھ، اس کے معنی اور مطلب میں مختلف اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ محدَّث "مُلهَم" کے معنی میں ہے، اکثر حضرات کی یہی رائے ہے کہ المحدَّث بالفتح کا معنی ہے "الرجل الصادق الظن" وہ آدمی جس کا گمان اور خیال سچا ہو، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"وهو من ألقي في روعه شيء من الملأ الاعلیٰ فيكون كالذي حدَّثه غيره به"(۲).

یعنی وہ شخص جس کے دل میں کوئی بات ڈال دی گئی ہو، ملأ اعلیٰ سے، چنانچہ وہ ایسا ہوا کہ گویا وہ بات اس کو کسی اور نے کہہ دی ہے اور اس لحاظ سے وہ محدَّث یا مکلَّم ہوا یعنی اسم مفعول ہے، وہ آدمی جس سے بات کی گئی ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ محدَّث کا معنی ہے: "من يجري الصواب على لسانه من غير قصد" وہ شخص جس کی زبان پر بلا ارادہ صحیح بات جاری ہوتی ہے۔

ایک اور قول یہ ہے "مكلّم أي تكلمه الملائكة من غير نبوة"(۳) یعنی محدَّث کا معنی ہے مکلَّم، جس سے فرشتوں نے کلام کیا ہو جب کہ وہ نبی نہ ہو۔

اور یہ بات حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی ایک مرفوع حدیث میں بھی مذکور ہے جس کے الفاظ یوں ہیں:

"قيل يا رسول الله وكيف يحدَّث؟ قال تتكلم الملائكة على لسانه"(٤).

---

(۱) فتح الباري: ۹/۶۲

(۲) فتح الباري: ۹/۶۲

(۳) فتح الباري: ۹/۸۳

(٤) الاعتقاد للبيهقي: ۱/۳۱٤، والمعجم الأوسط، رقم: ٦٧٢٦

اور یہاں مذکوراس معلق روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ محدَّث یا مکلَّم سے مراد ہے وہ آدمی جس سے فرشتے بات کریں۔ جب کہ بعض حضرات کہتے ہیں لفظ ''مکلَّم'' کے ساتھ جو محدث کی تفسیر کی گئی ہے اس کا بھی وہی معنی ہے جس کو پہلے ذکر کیا جا چکا ہے یعنی ''مُلْهَم'' اور وہ یوں کہ اس صورت میں مکلَّم کا معنی ہے جو اپنے دل میں یادوں سے باتیں کریں اور بظاہر اس سے کوئی بات کرتا نظر آتا ہے اور نہ وہ بات کرتا ہے (مگر پھر بھی خود سے بات کرنے کے سبب مکلَّم کہلاتا ہے)۔

ابن التین کہتے ہیں اس کا معنی ہے ''التفرس'' یعنی علامات پہچاننا، اور ان سے کسی امرِ مخفی تک رسائی حاصل کرنا، فہم وفراست سے معرفتِ امور (۱)۔

اور مسند حمیدی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے بعد یہ الفاظ واقع ہیں: ''المحدَّث الملهم بالصواب الذي يلقى على فيه'' وہ آدمی جس کو ''صواب'' کا الہام ہوتا ہے یعنی وہ اس کی زبان پر القاء کیا جاتا ہے (۲)۔

مسلم کی روایت ابن وہب میں یہ الفاظ ہیں:

''ملهمون، وهي الإصابة بغير نبوة'' (۳) یعنی محدثون کا معنی ہے ''ملہمون'' جن کو صحیح بات یا صحیح کلام نصیب ہوتا ہے جب کہ وہ نبی نہیں ہوتا۔

اور ترمذی کی ایک روایت میں ابن عیینہ کے بعض تلامذہ سے یہ الفاظ منقول ہیں: ''محدَّثون يعني مُفهَمون'' (٤) جن کو سمجھا گیا ہو (یعنی من جانب اللہ)۔

ابراہیم بن سعد کی ایک روایت میں ہے، ''محدَّث أي يُلقى في روعه'' (٥).

اس کی تائید ایک اور روایت سے بھی ہوتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

''إن الله جعل الحق على لسان عمر وقلبه'' (٦) اللہ تعالیٰ نے حق کو عمر کی

---

(۱) فتح الباري: ٦٢/٩

(۲) فتح الباري: ٦٢/٩

(۳) الجمع بين الصحيحين: ٨١/٣، وشرح مشكل الآثار، رقم: ١٦٥٢

(٤) سنن الترمذي، باب في مناقب أبي حفص عمر بن الخطاب، رقم: ٣٦٩٣

(٥) فتح الباري: ٨٣/٩، وفي رواية له ''هم الذين يُلهمون'' شرح مشكل الآثار، رقم: ١٦٥١

(٦) المعجم الكبير للطبراني، رقم: ١٠٧٧

زبان اور دل میں رکھ دیا ہے۔

یہ ترمذی کی روایت ہے جو ابن عمر سے مروی ہے، احمد نے بھی اسے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور طبرانی نے بلال سے روایت کیا ہے(۱)۔

جب کہ احمد اور ابوداود نے ابوذر سے جو روایت نقل کی ہے، اس میں "قلبه" کی جگہ "یقول به" کے الفاظ ہیں(۲)۔

حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے(۳) اور طبرانی نے "أوسط" میں خود حضرت عمر سے بھی یہ لفظ نقل کیا ہے۔ یعنی "یقول به" (٤).

ابوذر کے نسخے میں "ناس محدَّثون" کے الفاظ ہیں(۵)۔

زَادَ زَكَرِيَّاءُ بْنُ أَبِي زَائِدَةَ ، عَنْ سَعْدٍ ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ : قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (لَقَدْ كَانَ فِيمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ رِجَالٌ ، يُكَلَّمُونَ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَكُونُوا أَنْبِيَاءَ ، فَإِنْ يَكُنْ مِنْ أُمَّتِي مِنْهُمْ أَحَدٌ فَعُمَرُ) . [ر : ٣٢٨٢]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ورواية زكريا وصله الاسماعيلي وأبو نعيم في مستخر جيهما"(٦).

حافظ صاحب نے ہی اس کا یوں موصولاً ذکر کیا ہے:

"أخبرنا إبوبكر بن ابراهيم بن أبي عمر أخبرنا أبو نصر بن الشيرازي

(١) مسند احمد، مسند عبد الله بن عمر رضى الله عنه، رقم: ٤١٤٥، ومسند أبي هريرة، رقم: ٩٢١٣، سنن الترمذي، باب في مناقب أبي حفص عمر بن الخطاب، رقم: ٣٦٨٢، المعجم الأوسط، رقم: ٢٨٩.

(٢) مسند احمد، حديث أبي ذر الغفاري، رقم: ٢١٢٩٥

(٣) المستدرك على الصحيحين، رقم: ٤٥٠١

(٤) فتح الباري: ٦٢/٩

(٥) إرشاد الساري: ١٧٩/٨

(٦) فتح الباري: ٦٢/٩، وفي هدي الساري "وصلها الاسماعيلي"، ص: ٦٤

في كتابه عن علي بن عبد الرحمن البكري، أن يحيى بن ثابت بن بندار أخبره قال أخبرنا أبي أخبرنا أبوبكر بن غالب أخبرنا أبو بكر الجرجاني حدثنا القاسم بن زكريا به نحوه"(١).

یہی قاسم بن زکریا وہ اسماعیلی ہیں جن کے وصل (موصولاً ذکر کرنے) کی طرف حافظ نے اشارہ کیا ہے۔جب کہ ابونعیم یوں اس کی تخریج کرتے ہیں:

"حدثنا يحيى أبو اسحاق بن حمزة، حدثنا علي بن مبشر، حدثنا الحسن بن خلف حدثنا اسحاق الازرق عن زكريا بن أبي زائدة عن سعد بن إبراهيم عن أبي سلمة عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال "كان فيمن خلا قبلكم من بني إسرائيل رجال يكلّمون من غير أن يكونوا انبياء......"(٢).

تم سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں میں بنی اسرائیل کے کچھ ایسے افراد بھی تھے جن سے بات ہوئی تھی حالانکہ وہ انبیاء نہ تھے۔

زکریا بن ابی زائدہ کی اس معلق روایت میں دو اضافے ہیں ایک تو یہ کہ امم سابقہ سے مراد بنی اسرائیل ہیں اور یہ رجالِ محدَّثین بنی اسرائیل میں سے تھے۔ دوسرا یہ کہ اس میں "محدَّث" کا معنی بھی بتایا گیا ہے، "يكلّمون، من غير أن يكونوا انبياء" کے الفاظ کے ساتھ (۳)۔

کیا "محدَّثین" کی آمد کا محض احتمال ہے؟

إِنْ يَكُ فِي أُمَّتِي ...... "إن" یہاں شک اور تردد کے لئے نہیں بلکہ تاکید کے لئے ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت دوسری امتوں سے افضل ہے اور جب دیگر امتوں میں ایسے لوگ ہیں تو آپ علیہ الصلوۃ والسلام کی امت میں تو ایسے لوگوں کے ہونے کا زیادہ امکان ہے اور یہ بالکل اس طرح ہے جیسے کوئی آدمی

(١) فتح الباري: ٦٢/٩

(٢) تغليق التعليق: ٦٣/٤

(٣) فتح الباري: ٦٢/٩

کہتا ہے "ان یکن لي صدیق فانه فلان" اگر میرا کوئی دوست ہے تو وہ فلاں ہے، یعنی فلاں ہی میرا دوست ہے اور اس مثال کا معنی صداقت اور دوستی کی نفی نہیں بلکہ کمالِ دوستی کے فلاں صاحب کے ساتھ اختصاص کو بیان کرنا اس سے مقصود ہے۔

اور اسی طرح ایک اور مثال ہے۔ اجیر کہتا ہے "إن کنتُ عملتُ لکن فوفّني حقي" اگر میں نے آپ کے لئے کام کیا ہے تو میرا حق مجھے دے دے حالانکہ یہاں عامل اور جس کے لئے عمل کیا گیا ہے ان دونوں کو معلوم ہے کہ عامل (اجیر) نے کام کیا ہے۔ تو "إن کنت" کے ساتھ اس کو ذکر کرنے کا مقصد فقط یہ ہے کہ آپ کی طرف سے میرا حق نہ دیا جانا اور اس میں ٹال مٹول تو یہ بتا رہا ہے کہ میں نے کام ہی نہیں کیا ہے؛ کیونکہ ایسا سلوک استحقاق میں شک کرنے والا ہی کرتا ہے، جب کہ کام کا تو آپ خود اعتراف کرتے ہو تو اگر میں نے کام کیا ہے اور یقیناً کیا ہے تو میرا حق دے دو۔

ایسا ہی مطلب یہاں ہے کہ اگر میری امت میں محدثین ہیں اور یقیناً ہیں تو ان میں سے ایک حضرت عمر ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ "إن" کے ساتھ امتِ محمدیہ میں وجودِ محدثین کے ذکر کا مقصد یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں اس طرح کے محدّثین کا وجود تو متیقن اور متحقق تھا، کیونکہ اُن میں جب انبیاء نہیں ہوتے تھے تو پھر ایسے لوگوں کی ان کو ضرورت ہوتی تھی جو انہیں اللہ تعالیٰ کی باتیں بتائیں جب کہ اپنی امت کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خیال تھا کہ انہیں اس قسم کے لوگوں کی رہنمائی کی ضرورت نہیں ہوتی، کیونکہ ان کی رہنمائی کے لئے قرآن کریم تا قیامت موجود رہے گا، تو امتِ محمدیہ میں محدثین کا وجود متحقق نہیں بلکہ محتمل و متوقع تھا اور امر واقع بھی یہی ہے چنانچہ اگر امتِ محمدیہ میں اس قسم کا کوئی آدمی ہو بھی تو اس کا قول و عمل لازمی طور پر قرآن کریم پر پیش کیا جائے گا۔

چنانچہ اگر وہ قرآن یا سنت کے موافق ہوا تو اس پر عمل کیا جائے گا ورنہ اسے چھوڑ دیا جائے گا (۱)۔

معلوم ہوا کہ اصل اعتبار قرآن و سنت کا ہے نہ کہ اس شخص کا۔ ہاں اگر ایسا کوئی شخص اور اس کی بات ہے تو وہ اہم اور مبارک ضرور ہے اور حضرت عمر میں ایسا شخص ہونے کی علامات اور امکانات موجود ہیں۔

---

(۱) فتح الباري: ۶۲/۹

امت مسلمہ میں ''محدَّثین'' کے وجود میں کیا حکمت ہے؟

اب یہ سوال ہوسکتا ہے کہ ایسے لوگوں کی امت مسلمہ میں موجودگی کا کیا فائدہ اور اس میں کیا حکمت ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ عہد اول یعنی عہد نبوی کے بعد ایسے لوگوں کی بکثرت موجودگی میں یہ حکمت ہے کہ اس سے امت کا شرف ومرتبہ بڑھتا ہے اور یا پھر حکمت یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں انبیاء کرام بکثرت آئے ہیں اور یہ فضیلت امت محمدیہ کو بوجہ ختم نبوت حاصل نہیں ہوئی ہے تو اس کی تلافی اور بنی اسرائیل کے مقابلے میں اس حوالے سے امت کی شان بڑھانے کے لئے انبیاء کے مقابلے میں مکلَّمین پیدا کئے گئے تاکہ جہاں دیگر فضائل اور مناقب میں دوسری امتوں کے مقابلے میں امت مسلمہ کا مقام ومرتبہ بڑھا ہوا ہے اس فضیلت میں بھی وہ ان سے پیچھے نہ رہے(۱)۔

یہ حضرت عمر کی امتیازی شان ہے

علامہ طیبی کہتے ہیں:

''فالمراد بالمحدَّث: المُلهم المبالغ فيه الذي انتهىٰ إلى درجة الانبياء في الإلهام فالمعنى لقد كان فيما قبلكم من الأنبياء مُلهمون من قبل الملأ الأعلىٰ، فإن يكن في أمتي أحد هذا شأنه فهو عمر، جعله لأنقطاع قرينه وتفوقه على اقرانه في هذا كأنه تردد هل هو نبي أم لا؟ فاستعمل ''إن'' ويؤيده ما وردفي الفصل الثاني، ''لو كان بعدي نبي لكان عمر بن الخطاب'' فلو في هذا الحديث بمنزلة ''إن'' على السبيل الفرض والتقدير.

یعنی ''محدث'' سے مراد وہ شخص ہے جس کو مبالغہ کی حد تک الہام ہوتا ہے اور اس میں وہ انبیاء کے درجے کو پہنچا ہوتا ہے...... تو معنی یہ ہوا کہ تم سے قبل امتوں میں انبیاء ہوتے تھے جن کو ملأ اعلی سے الہام ہوتا تھا تو اگر میری امت میں اس طرح کا کوئی آدمی ہو تو وہ یقیناً عمر ہوں گے، گویا عمر کے اپنے ہم عصروں پر فائق ہونے کا یہ عالم ہے کہ ان کے متعلق یہ تردد ہوتا ہے کہ وہ نبی ہیں یا غیر نبی، اسی تردد کے لئے ''إن'' کو لایا گیا (اور یہ

---

(۱) فتح الباري: ۶۳/۹

تردداُن کے محدَث اور مُلہم ہونے میں نہیں بلکہ نبی ہونے میں ہے، اور اسی صورت میں یہ تردد ان کا کمال ہے نہ کہ عیب)۔

اور اس کی تائید ایک اور روایت سے ہوتی ہے جس کے الفاظ ہیں "لو كان بعدي نبي لكان عمر بن الخطاب" یہاں "لو" حرف شرط "إن" شرطیہ کے معنی میں ہے(۱)۔

بہرحال دونوں روایتوں کا مطلب یہ ہے کہ عمر کی ایسی نرالی شان ہے اور اُن میں نبوی صفات سے مماثلت رکھنے والی ایسی صفات ہیں کہ ان کے نبی ہونے کا شائبہ ہوتا ہے اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی اور کا نبی ہونا محال ہے مگر بفرض محال اگر کوئی ہے تو وہ یہی عمر ہیں۔

حافظ صاحب طیبی کی اس تشریح کو رد کرتے ہیں اور کہتے ہیں:

"في تقرير الطيبي نظر لأنه وقع في نفس الحديث" من غير أن يكونوا انبياء"

طیبی کی اس تقریر میں نظر واشکال ہے کیونکہ روایت میں ہی یہ الفاظ بھی ہیں کہ وہ (لوگ) انبیاء نہیں ہوں گے۔

جب کہ طیبی کی تقدیر اس وقت ثابت ہوگی جب کہ ان محدَّثین کو انبیاء فرض کیا جائے اور مذکور عبارت اس فرض وتقدیر کی نفی کرتی ہے(۲)۔

قال ابن عباس من نبي ولا محدَّث

یعنی حضرت ابن عباس نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿وما أرسلنا من قبلك من رسول ولا نبي إلا اذا تمنى ......﴾ (۳) میں "نبي ولا محدَّث" کے الفاظ روایت کئے ہیں۔ یعنی "محدَّث" کا اضافہ نقل کیا ہے۔

اس معلَّق روایت کو سفیان بن عیینہ نے اپنی جامع میں اور عبد بن حمید نے بسند صحیح موصولاً حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے اور اس کے الفاظ یوں ہیں:

---

(۱) شرح الطيبي: ۲۲۹/۱۱، میں عبارت یوں ہے، جب کہ صاحب فتح الباری نے ان کے الفاظ یوں ذکر کئے ہیں: "الملهَم، البالغ في ذلك مبلغ النبي في الصدق" دیکھئے، فتح الباري: ۶۳/۹

(۲) فتح الباري: ۶۳/۹

(۳) سورة الحج آيت ۵۲

"كان ابن عباس يقرأ: وما أرسلنا من قبلك من رسول ولا نبي ولا محدث......"(۱).

ابن عباس اس آیت کو یوں پڑھتے تھے، ﴿وما أرسلنا من قبلك من رسول ولا نبي ولا محدث﴾

اب رہی یہ بات کہ حضرت عمر ہی کو بطور خاص "محدَّث" قرار دینے میں کیا حکمت ہے؟ تو اس کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ ان کے موافقات اور پیشین گوئیاں جن کے مطابق وموافق قرآن کریم کی متعدد آیات نازل ہوئی ہیں اور ان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کئی اصابات اور راست اقدامات ان کی امتیازی شان کی علامت اور محدَّث ہونے کی دلیل ہیں (۲)۔

٣٤٨٧ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ يُوسُفَ : حَدَّثَنَا اللَّيْثُ : حَدَّثَنَا عُقَيْلٌ ، عَنِ ٱبْنِ شِهَابٍ ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ وَأَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قالَا : سَمِعْنَا أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ يَقُولُ : قالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (بَيْنَا رَاعٍ فِي غَنَمِهِ عَدَا ٱلذِّئْبُ فَأَخَذَ مِنْهَا شَاةً ، فَطَلَبَهَا حَتَّى ٱسْتَنْقَذَهَا ، فَٱلْتَفَتَ إِلَيْهِ ٱلذِّئْبُ ، فَقَالَ لَهُ : مَنْ لَهَا يَوْمَ السَّبُعِ ، لَيْسَ لَهَا رَاعٍ غَيْرِي) . فَقَالَ النَّاسُ : سُبْحَانَ ٱللهِ ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (فَإِنِّي أُومِنُ بِهِ وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ) . وَمَا ثَمَّ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ .

[ر : ٢١٩٩]

تراجم رجال

عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ

یہ عبداللہ بن یوسف تنیسی ہیں، ان کے احوال کتاب بدء الوحی کی دوسری حدیث کی ذیل میں گزر

(۱) فتح الباري: ۶۳/۹

(۲) فتح الباري: ۶۳/۹، وتغليق التعليق: ۶۵/۴

(۳۴۷۸) الحديث سبق تخريجه في كتاب الحرث والمزارعة، باب استعمال البقر للحراثة، رقم: ۲۳۲۴

چکے ہیں (۱)۔

اللَّيْثُ

یہ لیث بن سعد بن عبدالرحمٰن فہمی ہیں، ان کے حالات بدء الوحی کی تیسری حدیث کی ذیل میں گزر چکے ہیں (۲)۔

عُقَيْلٌ

یہ عُقیل بن خالد بن عُقیل ہیں، ان کے حالات بھی "بدء الوحي" کی اسی تیسری حدیث کی ذیل میں مذکور ہیں (۳)۔

ابْنِ شِهَابٍ

یہ ابن شہاب زہری ہیں ان کے احوال بھی "بدء الوحي" کی اسی تیسری حدیث کی ذیل میں دیکھئے (۴)۔

سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ

یہ مشہور تابعی سعید بن المسیب ہیں، ان کے احوال "كتاب الإيمان، باب مَن قال إن الإيمان هو العمل" کے تحت گزر چکے ہیں (۵)۔

أَبِى سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ

یہ ابوسلمۃ بن عبدالرحمٰن بن عوف ہیں، ان کے حالات كتاب الإيمان، "باب صوم رمضان احتساباً من الإيمان" کے تحت گزر چکے ہیں (۶)۔

---

(۱) كشف الباري: ۱/۲۸۹

(۲) كشف الباري: ۱/۳۲٤

(۳) كشف الباري: ۱/۳۲۵

(٤) كشف الباري: ۱/۳۲٦

(۵) كشف الباري: ۲/۱۵۹

(٦) كشف الباري: ۲/۳۲۳

ابو ہریرہ

جلیل القدر صحابی، ان کے احوال كتاب الإيمان "باب أمور الإيمان" کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

یہ روایت یہاں مختصراً ذکر ہوئی ہے اور ''بقرہ'' کا قصہ یہاں مذکور نہیں ہے جب کہ كتاب الحرث والمزارعة اور کتاب "احادیث الانبیاء" اسی طرح مناقب ابی بکر میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے اور وہیں اس کی تشریح بھی ملاحظہ کیجئے۔

ترجمۃ الباب سے مناسبت

حدیث اور ترجمۃ الباب میں مطابقت "فإني أؤمن بها وأبو بكر ......" سے واضح ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان (عمر) کی عدم موجودگی میں ان کے ایمان اور تصدیق کا ذکر فرمارہے ہیں، یہ عظیم اعتماد ہی سیدنا عمر کی فضیلت ومنقبتِ جلیلہ ہے۔

٣٤٨٨ : حدّثنا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ : حَدَّثَنَا اللَّيْثُ ، عَنْ عُقَيْلٍ ، عَنِ ٱبْنِ شِهَابٍ قالَ : أَخْبَرَنِي أَبُو أُمَامَةَ بْنُ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ قالَ : سَمِعْتُ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ يَقُولُ : (بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ ، رَأَيْتُ النَّاسَ عُرِضُوا عَلَيَّ وَعَلَيْهِمْ قُمُصٌ ، فَمِنْهَا ما يَبْلُغُ الثُّدِيَّ ، وَمِنْهَا ما يَبْلُغُ دُونَ ذٰلِكَ ، وَعُرِضَ عَلَيَّ عُمَرُ وَعَلَيْهِ قَمِيصٌ أَجْتَرُّهُ) . قالُوا : فَمَا أَوَّلْتَهُ يَا رَسُولَ ٱللهِ ؟ قالَ : (الدِّينَ) . [ر : ٢٣]

تراجم رجال

يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ

یہ ابوزکریا یحیی بن عبداللہ بن بکیر المخزومی ہیں، ان کے احوال کتاب "بدء الوحي" کی تیسری حدیث کے تحت گزر چکے ہیں (۲)۔

---

(۱) كشف الباري: ١/٦٥٩

(٣٤٨٨) الحديث سبق تخريجه في كتاب الحرث والمزارعة، باب استعمال البقر للحراثة، رقم: ٢٣٢٤

(۲) كشف الباري: ١/٣٢٣

اللَّيْثُ

یہ لیث بن سعد بن عبدالرحمٰن فہمی ہیں، ان کے حالات بھی "بدء الوحي" کی تیسری حدیث کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

عُقَيْلٍ

یہ عقیل بن خالد بن عقیل ہیں، "بدء الوحي" کی تیسری حدیث کے ذیل میں ان کے حالات بھی گزرے ہیں(۲)۔

ابْنِ شِهَابٍ

یہ ابن شہاب زہری ہیں، اسی "بدء الوحي" کی تیسری حدیث کے تحت ان کے احوال گزر چکے ہیں(۳)۔

أَبُو أُمَامَةَ بْنُ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ

یہ ابوامامہ أسعد بن سہل بن حُنیف ہیں، ان کے حالات كتاب الإيمان، باب "تفاضل اهل الإيمان في الاعمال" کے تحت گزر چکے ہیں(۴)۔

عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ ......

یہ ابوسعید سعد بن مالک الخدری مشہور صحابی ہیں، ان کے احوال كتاب الإيمان، باب "مِن الدين الفرار من الفتن" کے تحت گزر چکے ہیں(۵)۔

اکثر اصحابِ زہری نے اسی طرح روایت کیا ہے، یعنی ابوسعید کی تصریح کی ہے جب کہ معمر نے زہری

---

(۱) دیکھئے، كشف الباري: ۱/۳۲٤

(۲) كشف الباري: ۱/۳۲٥

(۳) كشف الباري: ۱/۳۲٦

(٤) كشف الباري: ۲/۱۲۲

(٥) كشف الباري: ۲/۸۲

سے "عن أبي امامة بن سهل عن بعض أصحاب النبي......" کے الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے۔اس میں صحابی کو مبہم چھوڑ دیا گیا ہے اور اس کی تخریج امام احمد نے کی ہے(۱)۔

جب کہ صالح بن کیسان نے زہری سے اسی روایت کو کتاب الإیمان میں نقل کیا ہے جس میں ابوسعید کی تصریح ہے(۲)۔

اور کتاب التعبیر میں بھی اسی طریق سے یہ روایت مروی ہے جس میں ابوسعید کی تصریح ہے اور الفاظ یوں ہیں:"حدثني، ابو امامةَ بنُ سهل أنه سمع ابا سعيد الخدري ......"(۳)۔

اس حدیث کی مکمل تشریح کتاب الإیمان میں گزر چکی ہے(۴)۔

اور کچھ کتاب التعبیر میں آئے گی انشاءاللہ۔

حضرت عمر کے افضل الصحابہ ہونے کا تأثر

یہاں البتہ اتنی سی بات کہنے کی ہے کہ حدیث سے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی أفضلیت معلوم ہو رہی ہے جب کہ افضل الصحابہ تو بالاتفاق حضرت ابوبکر ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اس عموم سے مستثنیٰ ہیں لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اُن سے افضل ہونا لازم نہیں آتا، یعنی یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو لوگ پیش کئے گئے تھے، ان میں ابوبکر نہیں تھے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ عمر کی قمیص کے طول سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ ابوبکر کی قمیص اس سے زیادہ لمبی نہ تھی، لہٰذا ہوسکتا ہے کہ بقیہ کُرتوں سے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کُرتہ طویل اور لمبا ہو مگر ابوبکر کا کُرتہ ان کے کرتے سے بھی زیادہ لمبا ہو۔

تاہم یہاں جب مطلوب حضرت عمر کی فضیلت کا بیان تھا تو اسی پر اکتفاء کیا گیا اور ابوبکر کے ان سے

---

(۱) رواه احمد، رقم:۲۳۱۷۲، أحاديث رجال من أصحاب النبي......

(۲) دیکھئے، صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب تفاضل اهل الإيمان في الاعمال، رقم: ۲۳

(۳) دیکھئے، كتاب التعبير، رقم: ۷۰۰۸، ۷۰۰۹

(٤) ملاحظه هو، كشف الباري: ۱۲۲/۲-۱۲۷

افضل ہونے کو ذکر نہیں کیا گیا(۱)۔

٣٤٨٩ : حدثنا الصَّلْتُ بْنُ مُحَمَّدٍ : حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ : حَدَّثَنَا أَيُّوبُ ، عَنِ ٱبْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ ، عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ قالَ : لَمَّا طُعِنَ عُمَرُ جَعَلَ يَأْلَمُ ، فَقَالَ لَهُ ٱبْنُ عَبَّاسٍ ، وَكَأَنَّهُ يُجَزِّعُهُ : يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ ، وَلَئِنْ كَانَ ذَاكَ ، لَقَدْ صَحِبْتَ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ فَأَحْسَنْتَ صُحْبَتَهُ ، ثُمَّ فَارَقْتَهُ وَهُوَ عَنْكَ رَاضٍ ، ثُمَّ صَحِبْتَ أَبَا بَكْرٍ فَأَحْسَنْتَ صُحْبَتَهُ ، ثُمَّ فَارَقْتَهُ وَهُوَ عَنْكَ رَاضٍ ، ثُمَّ صَحِبْتَهُمْ فَأَحْسَنْتَ صُحْبَتَهُمْ ، وَلَئِنْ فَارَقْتَهُمْ لَتُفَارِقَنَّهُمْ وَهُمْ عَنْكَ رَاضُونَ ، قالَ : أَمَّا ما ذَكَرْتَ مِنْ صُحْبَةِ رَسُولِ ٱللهِ ﷺ وَرِضَاهُ ، فَإِنَّمَا ذَاكَ مَنٌّ مِنَ ٱللهِ تَعَالَى مَنَّ بِهِ عَلَيَّ ، وَأَمَّا مَا ذَكَرْتَ مِنْ صُحْبَةِ أَبِي بَكْرٍ وَرِضَاهُ ، فَإِنَّمَا ذَاكَ مَنٌّ مِنَ ٱللهِ جَلَّ ذِكْرُهُ مَنَّ بِهِ عَلَيَّ ، وَأَمَّا ما تَرَى مِنْ جَزَعِي ، فَهُوَ مِنْ أَجْلِكَ وَأَجْلِ أَصْحَابِكَ ، وَٱللهِ لَوْ أَنَّ لِي طِلَاعَ الْأَرْضِ ذَهَبًا ، لَافْتَدَيْتُ بِهِ مِنْ عَذَابِ ٱللهِ عَزَّ وَجَلَّ قَبْلَ أَنْ أَرَاهُ .

تراجم رجال

الصَّلْتُ بْنُ مُحَمَّدٍ

یہ الصلت بن محمد بن عبدالرحمن الخاركي البصري ہیں ان کے احوال گزر چکے ہیں(۲)۔

إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ

یہ اسماعیل بن ابراہیم بن عُلَیّہ أسدی مصری ہیں، ان کے حالات کتاب الإيمان، باب "حب الرسول من الإيمان" کے تحت گزر چکے ہیں(۳)۔

---

(۱) فتح الباري: ۹/۶۳، ٦٤

(٣٤٨٩) اخرجه البخاري هنا وتفرد به أنظر جامع الأصول في احاديث الرسول: ٨/٦٢٣

(۲) كتاب الصلاة، باب إذا لم يُتم السجود، رقم: ۲۸۹

(۳) دیکھیے، كشف الباري: ۲/۱۲

أَيُّوبُ

یہ ایوب بن ابی تمیمہ کیسان السختیانی ہیں، ان کے حالات کتاب الإیمان، باب "حلاوة الإيمان" کے تحت گزر چکے ہیں (۱)۔

ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ

یہ ابوبکر عبداللہ بن عبیداللہ بن أبی ملیکہ تیمی قرشی ہیں، ان کے حالات کتاب الإیمان، باب "خوف المؤمن من أن يحبط عمله وهو لا يشعر" کے تحت گزر چکے ہیں (۲)۔

المسور بن مخرمه

یہ مسور بن مخرمہ بن نوفل ہیں، ان کے حالات بھی گزر چکے ہیں (۳)۔

حضرت عمر کی شہادت کی تفصیلات

لَمَّا طُعِنَ عُمَرُ...... جب حضرت عمر کو نشانہ بنایا گیا، نشانہ بنانے والا ابولولؤ ۃ عبدالمغیرۃ ابن شعبہ تھا، جس نے بدھ ۲۶ ذی الحجہ ۲۳ ہجری کو فجر کی نماز میں حضرت پر وار کیا اور یکم محرم ۲۷ ہجری کو آپ کا وصال ہوا (۴)۔

وَكَأَنَّهُ يُجَزِّعُهُ

اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت ابن عباس حضرت عمر کی جزع فزع کی طرف نسبت کر رہے تھے اور گویا انہیں اس پر ملامت کر رہے تھے کہ وہ (عمر) رو دھو کیوں رہے ہیں۔ اور یا پھر اس کا معنی یہ ہے کہ ابن عباس حضرت عمر کے جزع فزع اور حزن وملال کو زائل کرنا چاہ رہے تھے یجزع ان دونوں معانی کا احتمال رکھتا ہے (۵)۔

---

(۱) دیکھئے، كشف الباري: ۲/۲٦

(۲) دیکھئے، كشف الباري: ۲/٥٤٨

(۳) دیکھئے، صحيح البخاري، كتاب الوضوء، باب استعمال فضل وضوء الناس، رقم: ۱۸۹

(٤) دیکھئے، إرشاد الساري: ۸/۱۸۱

(٥) دیکھئے، فتح الباري: ۹/٦٤

اس دوسرے معنی کی تائید قرآن کریم کی آیت ﴿حتی إذا فزّع عن قلوبهم﴾(۱) سے بھی ہوتی ہے، جہاں فزّع کا معنی ہے، "أزیل عنهم الفزع".

فزّعه کا معنی ہے اس نے اس سے پریشانی دور کی۔ اسی طرح مرّضه بھی اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی کسی کی بیماری زائل کرنے کی کوشش اور اس کے لئے تگ ودو کرے (۲)۔

مشہور روایت کے الفاظ تو "كأنه يجزعه" ہیں، ضمیر فاعل ومفعول کے ساتھ، مگر جرجانی نے "كأنه جزّع" کے الفاظ روایت کئے ہیں۔ پہلی صورت میں "یجزع" کا فاعل ابن عباس اور مفعول عمر ہوگا جب کہ دوسری صورت میں "جزّع" کا فاعل عمر ہوگا (۳)۔

حماد بن زید کی روایت جس کو امام بخاری نے تعلیقاً ذکر کیا ہے، اس میں یہ الفاظ بھی ہیں:

"وقال ابن عباس مسست جلدَ عمر فقلت: جلد لا تمسه النار أبداً.

قال فنظر إلي نظرة كنت أرثي له من تلك النظرة فقلت: يا امير المؤمنين صحبتَ......"(٤).

یعنی میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جلد کو چھوا تو میں نے کہا اس جلد کو آگ کبھی نہیں لگے گی، فرمایا، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے میری طرف نگاہ اٹھائی...... ایسی نگاہ جس پر مجھے ترس آیا......۔

وَلَئِنْ كَانَ ذَاكَ

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر ایسا ہو جائے (جیسا کہ حضرت عمر حالت جزع میں کہہ رہے ہیں، یعنی وہ دنیا سے رخصت ہونے والے ہوں) تو آپ اپنی خوش نصیبی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کے ساتھ حُسنِ صحبت کو یاد کریں۔ کشمیہنی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: "ولا كل ذلك" یعنی ایسا کچھ بھی (اللہ کرے) نہ ہو۔ اور بعض روایات میں ہے، "ولا كذلك" اور ایسا (اللہ کرے) نہ ہو۔ بہر حال یہ دعائیہ

(۱) سورۃ سبا، آیت ۲۳

(۲) فتح الباري: ٦٤/٩

(۳) فتح الباري: ٦٤/٩

(٤) فتح الباري: ٦٤/٩، وتغليق التعليق، ص: ٦٦

الفاظ ہیں اور حضرت ابن عباس کا مطلب یہ ہے کہ آپ (حضرت عمر) جو شدید زخمی ہو کر شدت تکلیف سے کراہ رہے اور موت کو یاد کر کے اظہار افسوس کر رہے ہیں اللہ کرے ایسا کچھ نہ ہو، ان کی موت واقع نہ ہو اور اس حملے سے وہ جانبر و شفایاب ہو جائیں (۱)۔

ثمَّ فارقتَ

بعض نسخوں میں ضمیر مفعول کے ساتھ "فارقته" اور بعض میں بغیر ضمیر کے ہے (۲)۔

ثُمَّ صَحِبْتَ صُحْبَتَهُ

پھر آپ نے ان کی اچھی صحبت پائی۔

بعض روایات میں "صَحِبتَ صَحَبَتهم" (بفتح الصاد والحاء والباء) کے الفاظ ہیں جس کا معنی ہے، پھر آپ نے ان (رسول اللہ اور حضرت ابو بکر) کے اصحاب (صَحَبه جمع ہے، اصحاب کے معنی میں) کی صحبت اور معیت اختیار کی اور اس میں بھی آپ نے احسان اور بہتری کا معاملہ کیا، حافظ ابن حجر کہتے ہیں اس صورت میں ایک اشکال ہے کہ "صَحَبَته" تو صاحب کی جمع بمعنی اصحاب وصحابہ ہے (۳) اور مراد بھی جماعت ہے مگر اس کی اضافت ضمیر جمع کی طرف صحیح نہیں ہے کیونکہ مضاف الیہ تثنیہ ہے جس کا مرجع رسول اللہ اور ابو بکر ہیں۔

قاضی عیاض کہتے ہیں ہو سکتا ہے "صحبتَ" زائد ہو اور اصل ہو "ثم صحبتَهم" بصیغۂ واحد مذکر مخاطب، لیکن صحیح پہلی روایت ہی ہے (۴)۔ علامہ عینی نے حافظ کے اس "نظر" کو بے جا قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اصحاب رسول اللہ وأبي بکر...... مراد ہیں جو جمع ہی ہے تو ضمیرِ جمع درست ہے، تاہم عینی کی بات اس صورت میں درست ہوگی جب صحبتَهم فعل ہو، نہ کہ جمع مضاف الی الضمیر (۵)۔

ابن عمر کی روایت نقل کی گئی ہے جس میں ابن عباس کے یہ الفاظ بھی مروی ہیں "ولما أسلمتَ كان

(۱) فتح الباري: ۶۴/۹

(۲) فتح الباري: ۶۴/۹

(۳) کما قال القسطلاني، انظر إرشاد الساري: ۱۸۲/۸

(۴) فتح الباري: ۶۴/۹

(۵) إرشاد الساري: ۱۸۲/۸

إسلامك عزا" اور جب آپ نے اسلام قبول کیا تو آپ کا اسلام باعث عزت تھا (۱)۔

"فإن ذالك مَنٌّ" ایک اور نسخے میں "فإنما ذلك" کے الفاظ منقول ہیں (۲)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فکر مندی

مِنْ أَجْلِ أَصْحَابِكَ...... ابوذر اور مستملی کی روایت میں "أصَيحابك" تصغیر کے ساتھ مذکور ہے (۳)۔

اس جملے کا مطلب یا تو یہ ہے کہ حضرت عمر امت کی ہمدردی اور غمگساری میں اس بات پر فکر مندی کا اظہار کر رہے ہیں کہ ان کے بعد کون مسلمانوں کا خلیفہ بنے گا، اور وہ پھر مسلمانوں سے کیا سلوک کرے گا، ان کے لئے مفید ہوگا یا مضر۔ اور دوسرا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ حضرت عمر ازراہِ تواضع اور خود احتسابی خلافت کے دوران اپنی سیرت اور کردار کے متعلق فکر مند تھے کہ معلوم نہیں ان سے اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق راضی ہے یا پھر ناراض (۴)۔

علامہ قسطلانی ابوحاتم کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر زخمی ہوئے تو حضرت ابن عباس نے آکر کہا:

"أبشر يا أميرَ المؤمنين، أسلمتَ مع رسول الله حين كَفَر الناس، وقاتلتَ معه حين خَذَله الناس ولم يختلف في خلافتك رجلان، وقُتلتَ شهيداً، فقال أعِد، فأعاد. فقال: المغرور من غرر تموه ...... لو أن لي ما على ظهرها من بيضاء وصفراء لافتديت به من هول المطلع" (۵).

ابن عباس نے کہا امیر المؤمنین خوشخبری قبول کر کہ تم نے اس وقت رسول اللہ پر

(۱) فتح الباري: ٩/٦٤

(۲) فتح الباري: ٩/٦٤

(۳) فتح الباري: ٩/٦٤

(٤) فتح الباري: ٩/٦٤

(٥) إرشاد الساري: ٨/١٨٢

ایمان لایا جب لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا، اور تم نے ان کے ہمراہ جنگیں لڑیں جب لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑا اور کم زور کرنا چاہا، اور تمہاری خلافت میں دو آدمیوں کا بھی اختلاف نہ رہا اور پھر تم شہید کر کے مار دیئے گئے۔ حضرت عمر نے کہا دوبارہ کہئے! انہوں نے دوبارہ کہا تو عمر نے کہا بے شک وہی شخص دھوکے میں پڑ گیا جس کو تم دھوکہ دیتے ہو، جب کہ میری تو یہ حالت ہے کہ اگر دنیا کا سارا سونا چاندی میرا ہو جائے تو میں اسے عذاب سے بچنے کے لئے بطور فدیہ دے دوں گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسا کیوں فرمایا؟

حضرت عمر نے یہ ارشاد اس لئے فرمایا کہ اس وقت ان کو اپنی رعایا کے حقوق پوری طرح ادا کرنے میں کوتاہی اور تقصیر کا خدشہ تھا اور یا پھر حضرت ابن عباس جیسوں نے جب ان کی تعریف وتوصیف کی تو انہیں ان حضرات کی مدح سرائی کی وجہ سے فتنے میں مبتلا ہونے کا خوف ہوا(۱)۔

طِلَاعَ الْأَرْضِ

طاء کے کسرے اور تخفیف لام کے ساتھ، اس کا معنی ہے "مِـلأ الارض" یعنی زمین بھر، طلاع کا معنی دراصل وہ چیز ہے جس پر سورج طلوع ہوتا ہے اور ہوسکتا ہے۔ یہاں اس سے زمین پر نمودار ہونے اور دکھائی دینے والا مال اور دولت مراد ہے(۲)۔

قَالَ حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ : حَدَّثَنَا أَيُّوبُ ، عَنِ ٱبْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ ، عَنِ ٱبْنِ عَبَّاسٍ :دَخَلْتُ عَلَى عُمَرَ : بِهٰذَا .

حدیث باب کو امام بخاری نے اپنے شیخ صلت بن محمد کی روایت سے موصولاً ذکر کیا ہے، جسے ابن ابی ملیکہ، مسور بن مخرمہ سے نقل کرتے ہیں جب کہ تعلیقاً وہ اس کے ایک دوسرے طریق کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جو حماد بن زید نے ایوب سے انہوں نے ابن ابی ملیکہ سے اور انہوں نے حضرت ابن عباس سے روایت

---

(۱) فتح الباري: ۶۵/۹، وإرشاد الساري: ۱۸۲/۸

(۲) فتح الباري: ۶۵/۹، والكوثر الجاري: ٤٥٣/٦

کیا ہے۔

اس روایت کو اسماعیلی نے موصولاً ذکر کیا ہے(۱)۔

اسی طرح حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اسے بہ سندِ ذیل موصولاً ذکر کیا ہے، حافظ صاحب، ابوبکر بن ابراہیم بن ابی عمر کی سند سے ابوبکر الجرجانی الاسماعیلی سے روایت کرتے ہیں اور اسماعیلی پھر دو طرق سے اسے حماد بن زید سے روایت کرتے ہیں ایک ابراہیم بن شریک الاسدی عن شہاب بن عباد عن حماد بن زید...... کے طریق سے، اور دوسرا الہیثم بن خلف عن الفواریری عن حماد...... کے طریق سے(۲)۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: "ويحتمل أن يكون محفوظاً عن الاثنين"(۳).

یعنی اس اصل اور تعلیق میں یہ بھی احتمال ہے کہ امام بخاری نے اس روایت کو مسور بن مخرمہ اور ابن عباس دونوں سے روایت کیا ہو۔ اور یہ دونوں روایتیں ہی انہوں نے محفوظ کی ہوں۔

۳۴۹۰ : حدّثنا يُوسُفُ بْنُ مُوسَى : حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ قَالَ : حَدَّثَنِي عُثْمَانُ بْنُ غِيَاثٍ : حَدَّثَنَا أَبُو عُثْمَانَ النَّهْدِيُّ ، عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُ قَالَ : كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي حَائِطٍ مِنْ حِيطَانِ الْمَدِينَةِ ، فَجَاءَ رَجُلٌ فَٱسْتَفْتَحَ ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (ٱفْتَحْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ) . فَفَتَحْتُ لَهُ ، فَإِذَا أَبُو بَكْرٍ ، فَبَشَّرْتُهُ بِمَا قَالَ النَّبِيُّ ﷺ ، فَحَمِدَ ٱللَّهَ ، ثُمَّ جَاءَ رَجُلٌ فَٱسْتَفْتَحَ ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (ٱفْتَحْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ) . فَفَتَحْتُ لَهُ فَإِذَا هُوَ عُمَرُ ، فَأَخْبَرْتُهُ بِمَا قَالَ النَّبِيُّ ﷺ فَحَمِدَ ٱللَّهَ ، ثُمَّ ٱسْتَفْتَحَ رَجُلٌ ، فَقَالَ لِي : (ٱفْتَحْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ ، عَلَى بَلْوَى تُصِيبُهُ) . فَإِذَا عُثْمَانُ ، فَأَخْبَرْتُهُ بِمَا قَالَ رَسُولُ ٱللَّهِ ﷺ فَحَمِدَ ٱللَّهَ ، ثُمَّ قَالَ : ٱللَّهُ الْمُسْتَعَانُ . [ر : ۳۴۷۱]

---

(۱) هدي الساري، ص: ٦٤، وفتح الباري: ٦٤/٩

(۲) تغليق التعليق: ٦٧/٤

(۳) فتح الباري: ٤/٩

(۳٤٩٠) الحديث مر تخريجه في فضائل أصحاب النبي، رقم: ٣٦٧٤

تراجم رجال

يُوسُفُ بْنُ مُوسَى

یہ یوسف بن موسی بن راشد القطان ہیں۔ان کے احوال کتاب الجمعه، باب [۱۳] میں گزر چکے ہیں۔

أَبُو أُسَامَةَ

یہ ابواسامہ حماد بن اُسامہ بن زید القرشی ہیں، ان کے احوال کتاب العلم، باب "فضل من علِم وعلّم" کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

عُثْمَانُ بْنُ غِيَاثٍ

یہ عثمان بن غیاث الباہلی البصری ہیں، ان کے احوال کتاب الحج، "باب قول الله تعالیٰ: ﴿ذلك لمن لم يكن أهله حاضري المسجد الحرام﴾" کے تحت گزر چکے ہیں۔

أَبُو عُثْمَانَ النَّهْدِيُّ

یہ ابوعثمان عبدالرحمٰن بن ملّ بن عمر النہدی ہیں، ان کے احوال بھی کتاب مواقیت الصلاة، باب "الصلاة كفارة" کے تحت گزر چکے ہیں۔

أَبِي مُوسَى

یہ حضرت ابوموسیٰ الأشعری صحابیٔ رسول ہیں، ان کے احوال کتاب الإیمان، باب "أيُّ الإسلام أفضل" کے تحت گزر چکے ہیں(۲)۔

حدیث کی شرح باب قول النبي صلی اللہ علیہ وسلم "لو كنت متخذا خليلاً" میں گزر چکی ہے اور یہاں اس کی ترجمۃ الباب سے مناسبت بھی واضح ہے؛ کیونکہ اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اندر آنے کی اجازت ملنے اور جنت کی خوشخبری ملنے کا ذکر ہے، جو آپ رضی اللہ عنہ

---

(۱) كشف الباري: ۴۱۴/۳

(۲) دیکھئے، كشف الباري: ۶۹۰/۱

کی بہت بڑی منقبت وفضیلت ہے۔

مصیبت برداشت کرنے کی دعا

واللّٰہ المُستَعان...... حضرت عثمان کو جب حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے برخلاف خوشخبری کے ساتھ مصیبت پہنچنے کا بھی ذکر ہوا تو انہوں نے الحمدللہ کہنے کے بعد اللہ المستعان بھی کہا، جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ انہیں اس مصیبت پر صبر دے اور اس کی تلخی اور سختی برداشت کرنے کے سلسلے میں ان کی مدد اور معاونت فرمائے کہ اسی سے مدد مانگی جاسکتی ہے "المستعان" اسم مفعول کا صیغہ ہے جس سے اسم فاعل "المستعین" ہے جو مدد مانگے اور جس سے مدد مانگی جائے (۱)۔

٣٤٩١ : حدَّثنا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمانَ قالَ : حَدَّثَنِي ٱبْنُ وَهْبٍ قالَ : أَخْبَرَنِي حَيْوَةُ قالَ : حَدَّثَنِي أَبُو عَقِيلٍ زُهْرَةُ بْنُ مَعْبَدٍ : أَنَّهُ سَمِعَ جَدَّهُ عَبْدَ ٱللهِ بْنَ هِشَامٍ قالَ : كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ، وَهُوَ آخِذٌ بِيَدِ عُمَرَ بْنِ الخَطَّابِ. [٥٩٠٩ ، ٦٢٥٧]

تراجم رجال

يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ

یہ یحییٰ بن سلیمان الجعفی الکوفی ہیں، ان کے احوال کتاب العلم، باب "كتابة العلم" میں گزر چکے ہیں (۲)۔

ابْنُ وَهْبٍ

یہ مشہور امام حدیث ابو محمد عبداللہ بن وہب مصری ہیں۔ ان کے احوال کتاب العلم، باب "من يرد الله به خيراً يفقهه في الدين" میں گزر چکے ہیں (۳)۔

---

(١) إرشاد الساري: ١٨٣/٨

(٣٦٩٤) الحديث أخرجه البخاري ايضاً في (٩٢٦/٢) كتاب الاستئذان، باب المصافحة، رقم: ٦٢٦٤، وفي (٩٨١/٢) ، كتاب الأيمان والنذور، باب كيف كانت يمين النبي صلى الله عليه وسلم ، رقم: ٦٦٣٢

(٢) دیکھئے، كشف الباري: ٣٢٧/٤

(٣) كشف الباري: ٢٧٧/٣

حَیْوَۃُ

یہ حیوۃ بن شُریح بن صفوان بن مالک ابوزرعہ الحضرمی المصری ہیں۔

ذہبی انہیں الامام الربانی، الفقیہ، شیخ الدیار المصریہ، ابوزرعۃ التجیبی، المصری کے نام سے ذکر کرتے ہیں(۱)۔

حافظ مزی کہتے ہیں "الفقيه الزاهد العابد"(۲).

عبداللہ بن وہب کہتے ہیں:

"ما رأيت أحداً أشد استخفاءً بعمل من حيوة بن شريح، وكان يعرف بالإجابة، وكنا نجلس إليه للفقه فكان كثيراً مما يقول لنا: ابدَلني الله بكم عموداً أقوم اليه أتلو كلام ربي ثم فَعل ما قال. ثم تألّى أن لا يجلس إلينا أبداً وما كنا نأتيه وقت صلاة إلا دخل وأغلق دوننا ودونه الباب ووقف يصلي"(۳).

میں نے ان سے زیادہ اپنے عمل (صالح) کو چھپانے والا کسی کو نہیں دیکھا، وہ مستجاب الدعوات ہونے کے حوالے سے معروف تھے، ہم ان کے پاس فقہ حاصل کرنے جاتے تھے تو وہ اکثر یہ کہا کرتا تھا کہ اللہ تمہارے بدلے میں مجھے ایک ستون دے دے جس کے ساتھ کھڑا ہوکر میں اپنے رب کا کلام پڑھوں اور پھر انہوں نے ایسا کیا بھی، پھر انہوں نے قسم کھائی کہ وہ ہمارے ساتھ کبھی نہیں بیٹھے گا اور ہم جب بھی نماز کے وقت میں ان کے پاس آتے تو وہ ہمیں چھوڑ کر اندر کمرے میں داخل ہوا اسے بند کردیا اور نماز کے لئے کھڑا ہوا۔

عبداللہ بن المبارک کہتے ہیں:

---

(۱) سِيَر أعلام النُبلاء: ٦/٤٠٤

(۲) تهذيب الكمال: ٧/٤٧٨

(۳) تهذيب الكمال: ٧/٤٨١

"ما وُصف لي أحد، ورأيته إلا كانت رؤيته دون صفته الاحيوة بن شريح فإن رؤيته كانت أكبر من صفته"(١).

اور بعض نے یہ الفاظ نقل کئے ہیں:

"وصف لي حيوة، فكانت رؤيته أكثر من صفته"(٢).

یعنی حیوہ کی صفت میرے سامنے کسی نے بیان کی تھی اور جب میں نے انہیں دیکھا تو اس تعریف سے بڑھ کر پایا، جب کہ دوسرے لوگ اس کے برعکس اتنے ہوتے نہیں ہیں جتنے بتائے جاتے ہیں۔

ان کے تقوی، للٰہیت اور مقبولیت عند اللہ کے قصوں میں سے ایک یہ بیان کیا گیا ہے کہ ابن وہب کہتے ہیں:

حیوہ بن شریح کو سالانہ ساٹھ دینار کا عطیہ ملتا تھا اور وہ جب تک ان ساٹھ دینار کو صدقہ نہ کر چکے ہوتے گھر نہ لوٹتے اور پھر جب گھر آتے تو وہ سارے پیسے اپنے بستر کے نیچے پاتے۔

یہ بات ان کے ایک چچازاد کو پتہ چلی تو اس نے بھی اپنا عطیہ لے کر سارا خرچ کر دیا اور جب گھر آیا اور دیکھا تو کچھ نہ ملا، انہوں نے اس کی حیوہ سے شکایت کی تو حیوہ نے کہا:

"أنا أعطيتُ ربي بيقين، وأنت أعطيتَه تجربة"(٣). میں نے اللہ تعالیٰ کو ایک یقین کے ساتھ دیا اور تو نے تجربے کے لئے دیا۔

اس طرح احمد بن سہل اردنی، خالد الفزر سے نقل کرتے ہیں کہ حیوۃ بن شریح گریہ وزاری کے ساتھ دعا کرنے والے تھے اور نہایت تنگدستی کی حالت تھی ان کی، ایک دن میں ان کے ساتھ بیٹھا تھا اور وہ خلوت میں دعا کر رہے تھے، میں نے کہا، اللہ آپ پر رحم کرے، اگر آپ اللہ سے یہ مانگو کہ اللہ تیری معاشی بدحالی کو دور کر دے (تو کیا ہی اچھا ہو) انہوں نے دائیں بائیں دیکھا تو کوئی نظر نہیں آیا تو زمین پر سے ایک کنکر اٹھایا اور کہا "اللهم اجعلها ذهباً" اے اللہ! اسے سونا بنا دے تو وہ سونا بن گیا جس سے اچھا سونا بخدا میں نے کہیں نہیں دیکھا......

---

(١) تهذيب الكمال: ٤٨١/٧

(٢) سِيَر أعلام النُبلاء: ٤٠٥/٦

(٣) سِيَر أعلام النُبلاء: ٤٠٥/٦

پھرانہوں نے کہا، "وما خير في الدنيا إلا للآخرة" دنیا میں کوئی خوبی نہیں ہے سوائے اس کے کہ اس سے آخرت کی بھلائی حاصل کی جائے...... پھر میری طرف متوجہ ہوکر کہنے لگے، "هو أعلم بما يصلح عبادَه" اللہ ہی بہتر جانتے ہیں کہ اس کے بندوں کا بھلا کس میں ہے۔ میں نے کہا اس سونے پہ کیا کروں؟ کہا، اسے خرچ کرو!(۱)۔

ایک اور قول ان کا ذکر کیا گیا ہے کہ مصر کے ایک وزیر نے ایک مرتبہ کہا:

"يا هذا لا تُخليَنَّ بلادنا من السلاح ونحن بين قبطي لا ندري متى ينقض، وبين حبشي لا ندري متى يغشانا، وبين رومی لا ندري متى يحلُّ بساحتنا وبربري لا ندرى متى ينق☆☆(۲).

یعنی "جناب ہمارا ملک اسلحے سے خالی ہرگز نہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ ہماری ایک جانب قبطی ہیں جو معلوم نہیں کب نقض عہد کرتے ہیں اور ایک جانب حبشی ہیں جو نہیں معلوم کب ہمیں گھیر لیتے ہیں۔

ایک طرف رومی ہیں جو پتہ نہیں کس وقت ہمارے صحن میں اترتے ہیں اور ایک جانب بربری ہیں جو جانے کب شورش برپا کرتے ہیں۔

ائمۂ جرح وتعدیل ان کے متعلق کچھ اس قسم کی آراء رکھتے ہیں:

عبداللہ بن احمد بن حنبل کہتے ہیں:

"قيل لأبي: حَيوة بن شُريح، وعمرو بن الحارث؟ فقال جميعاً، كأنه سوَّى بينهما"(۳).

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ حَیوہ بن شُریح افضل ہیں یا عمرو بن الحارث؟ انہوں نے کہا دونوں! گویا وہ ان دونوں کو برابر قرار دے رہے تھے۔

---

(۱) سِيَر أعلام النُبلاء: ٤٠٥/٦، وتهذيب الكمال: ٤٨١/٧

(۲) سِيَر أعلام النُبلاء: ٤٠٥/٦

(۳) تهذيب الكمال: ٤٨٠/٧

حرب بن اسماعیل احمد بن حنبل سے نقل کرتے ہیں، "ثقة، ثقة"(۱).

اسحاق بن منصور یحیی بن معین سے نقل کرتے ہیں "ثقة"(۲).

ابوسعید بن یونس کہتے ہیں، "كانت له عِبادة وفضل"(۳).

وہ بڑے عبادت گذار اور صاحب فضیلت تھے۔

عبدالرحمٰن بن ابی حاتم کہتے ہیں:

"سمعت ابي وسئل عن حَيوة بن شريح وسعيد بن أبي ايوب ويحيى بن أيوب فقال: حيوة أعلى القوم وهو ثقة وأحب إلي من المفضَّل بن فَضاله"(٤).

حَیوہ قوم کے سب سے اعلیٰ فرد ہیں اور ثقہ ہیں اور مفضل بن فضالہ جیسے لوگوں سے بھی مجھے زیادہ پسند ہیں۔

عبداللہ بن وہب، عبداللہ بن المبارک اور احمد بن سہل کی آراء بھی اوپر ذکر کی گئیں۔

یعقوب بن سفیان کہتے ہیں:

"حدثنا المقرئ، قال: حدثنا حَيوة بن شُريح وهو كِندي، شريف، عَدل، ثقة، رَضيٌّ، توفي سنة ثمان وخمسين ومأة"(٥).

ابن حبان نے بھی ان کا "الثقات" میں ذکر کیا ہے(٦)۔

ابن حجر نے بھی ان کی ثقاہت کا ذکر کیا ہے اور ابن وجاح کے حوالے سے فرماتے ہیں:

"بلغني أن رجلاً كان يطوف ويقول اللّٰهم اقض عنى الدين فرأى في

(١) تهذيب الكمال: ٤٨٠/٧

(٢) تهذيب الكمال: ٤٨٠/٧

(٣) تهذيب الكمال: ٤٨٠/٧

(٤) تهذيب الكمال: ٤٨٠/٧، الجرح والتعديل: ٣٠٥/٣

(٥) تهذيب الكمال: ٤٨٠/٧

(٦) كتاب الثقات: ٣١٨/٣

المنام إن كنت تريد وفاء الدين فائت حيوة ابن شريح يدعو لك فأتى إلى الاسكندرية بعد العصر يوم الجمعة قال فأقمت حتى صار ماحوله دنانير فقال لي اتق الله ولا تاخذ إلا قدر دينك فأخذت ثلاثمائة"(۱).

مجھ کو یہ خبر ملی ہے کہ ایک آدمی طواف کررہا تھا اور یہ دعا کررہا تھا کہ اللہ میرا قرض ادا کردے، پھر اس نے خواب میں دیکھا کہ (اسے کہا گیا) اگر تم قرض کی ادائیگی چاہتے ہو تو حیوہ بن شریح کے پاس جاؤ وہ تیرے لئے دعا کرے گا وہ جمعے کو عصر کے بعد اسکندریہ آگیا، پھر وہ کہتے ہیں میں ان (حیوہ) کے پاس رہنے لگا یہاں تک کہ اس کے اردگرد سب دینار ہو گئے انہوں نے کہا اللہ سے ڈرو اور صرف اتنا لو جتنا تمہارا قرضہ ہے تو میں نے تین سو دینار لے لئے۔

ان (حیوہ) کے شیوخ واساتذہ میں ابوهانئ حُميد بن هانئ، شُرَحبيل بن شَريك المَعافری، بَكر بن عمرو المَعافری، سالم بن غيلان، ابويونس سُليم بن جُبير مولى ابى هريرة، ربيعة بن يزيد الدمشقي، ابوصخر الخرّاط، كعب بن علقمة التّنوخي، يزيد بن عبدالله بن ابو الاسود، محمد بن عبد الرحمن بن نوفل وغیرہ شامل ہیں۔

جب کہ تلامذہ میں عبدالله بن المبارك، عبدالله بن وَهب، ابوعاصم الضحّاك بن مَخلد النبيل، ليث بن سعد، نافع بن يزيد، عبدالله ابن يزيد المقرئ اور عبدالله بن لهيعه وغیرہ مذکور ہیں(۲)۔

ان کی وفات کے متعلق ایک قول ۱۵۳ کا، ایک قول ۱۵۸ کا اور ایک قول ۱۵۹ کا ہے(۳)۔

أَبُو عَقِيلٍ زُهْرَةُ بْنُ مَعْبَدٍ

یہ ابوعقیل زہرۃ بن معبد بن عبداللہ بن ہشام المدنی ہیں، ان کے احوال كتاب الشركة، باب

(۱) تهذيب التهذيب: ۶۹/۳، ۷۰

(۲) تهذيب التهذيب: ۶۹/۳، ۷۰، سير اعلام النبلاء: ۴۰۵/۶، وتهذيب الكمال: ۴۷۹/۷-۴۸۲

(۳) سِيَر أعلام النُبلاء: ۴۰۵/۶، وتهذيب الكمال: ۴۸۲/۷

"الشركة في الطعام وغيره" میں گزر چکے ہیں۔

عبداللّٰہ بن هشام

یہ زہرہ بن معبد کے دادا ہیں، ان کے احوال بھی اسی کتاب الشرکة، باب "الشركة في الطعام وغيره" میں گزر چکے ہیں۔ ان کا نام عبداللہ بن ہشام بن زہرۃ ابن عثمان التیمی ہے اور یہ طلحہ بن عبیداللہ کے چچازاد ہیں (۱)۔

وَهُوَ آخِذٌ بِيَدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ

یہ اس حدیث کا ایک ٹکڑا ہے جو کتاب الأیمان والنذور میں آرہی ہے اور وہیں اس کی تفصیل بھی آئے گی، یہاں جو جملہ ہے "وهو آخذ بيد عمر" اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ قربت ومحبت کا اندازہ ہوتا ہے اور ظاہر ہے اس سے باب اور حدیث میں مناسبت بھی واضح ہے (۲)۔

٧ - باب : مَنَاقِبُ عُثْمانَ بْنِ عَفَّانَ ، أَبِي عَمْرٍو ، الْقُرَشِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ .

وَقالَ النَّبِيُّ ﷺ : (مَنْ يَحْفِرْ بِئْرَ رُومَةَ فَلَهُ الجَنَّةُ) . فَحَفَرَهَا عُثْمانُ ، وَقالَ : (مَنْ جَهَّزَ جَيْشَ الْعُسْرَةِ فَلَهُ الجَنَّةُ) . فَجَهَّزَهُ عُثْمانُ . [ر : ٢٦٢٦]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

نام ونسب یوں ہے: حضرت عثمان بن عفان بن ابی العاص بن اُمیۃ بن عبد الشمس ابن عبد مناف، ان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عبد مناف میں جا کر سلسلہ نسب ملتا ہے، تاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عثمان کو عبد مناف سے ملانے والے ان کے آباء کی تعداد میں تفاوت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں عثمان کے سلسلۂ نسب میں سے "...." کے والد عفان آتے ہیں اور اس لحاظ سے عفان رسول اللہ کے چچازاد، جب کہ عثمان بھتیجے ہیں۔

---

(۱) فتح الباري: ٦٥/٩

(۲) إرشاد الساري: ١٨٤/٨

ان کی کنیت ابوعبداللہ نقل کی گئی ہے، عبداللہ حضرت رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بطن سے پیدا ہونے والے ان کے بیٹے کا نام ہے، جن کا چھ سال کی عمر میں انتقال ہوا تھا۔ ابن سعد نے نقل کیا ہے، ''جاہلیت میں ان کی کنیت ابوعَمرو تھی (۱)، پھر قبول اسلام کے بعد رقیہ سے ان کے بیٹے عبداللہ کی ولادت ہوئی تو آپ کی کنیت ابوعبداللہ ہوئی، ابن سعد کہتے ہیں ان کی وفات ۴ ہجری میں ہوئی (۲)۔ اور ان کی والدہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہ کا اس سے قبل ۲ ہجری کو انتقال ہوا، جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت غزوۂ بدر میں تھے۔

بعض ان (حضرت عثمان) کے ناقدین ان کو ابولیلی کی کنیت سے یاد کرتے ہیں اور اس سے ان کا منشاء ومقصد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سرد مزاجی اور نرم خوئی پر تعریض ہے۔ ابن حجر کہتے ہیں:

"وكان بعض من ينتقصه يكنيه أبا ليلى يشير إلى لين جانبه"(۳).

عثمان کا لقب ذوالنورین ہے۔ جیسے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کے الفاظ ہیں:

"ذاك امرؤ يدعى في السماء ذوالنورين"(٤). یہی وہ شخص ہے جسے آسمان میں ذوالنورین کہا جاتا ہے۔

ذوالنورین سے ملقب ہونے کی وجہ

ذوالنورین لقب کی ایک وجہ تو یہ بیان کی گئی ہے کہ آپ کے نکاح میں رسول اللہ کی دو صاحبزادیاں سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم آئیں۔ اور ظاہر ہے وہ دونوں نورِ عینِ رسول اللہ تھیں۔ دوسری وجہ یہ بیان کی گئی کہ آپ رضی اللہ عنہ وتر میں قرآن ختم کر لیتے تھے تو قرآن ایک نور ہے اور قیام اللیل دوسرا۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ جنت میں آپ کو دو نور ملیں گے (۵)۔

---

(١) الطبقات الكبرى لابن سعد: ٥٣/٣

(٢) الطبقات الكبرى لابن سعد: ٥٤/٣

(٣) فتح الباري: ٦٧/٩

(٤) فتح الباري: ٦٧/٩

(٥) إرشاد الساري: ١٨٤/٨

جہاں تک تعلق ہے حضرت عثمان کا والدہ کی طرف سے نسب کا تو ان کی والدہ کا نام اُروی بنت کُریز بن ربیعۃ بن حبیب بن عبد شمس بن عبد مناف ہے اور آپ کی والدہ کی والدہ ام حکیم البیضاء بنت عبدالمطلب ہے جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کی سگی بہن ہیں تو حضرت عثمان گویا ماں کی جانب سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھانجے ہیں (پھوپھی زاد بہن کے بیٹے) (۱)۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی والدہ نے اسلام قبول کیا تھا اور انہوں نے اپنے بیٹے کے دورِ خلافت میں وفات پائی، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ہی ان کو دفنایا۔ جب کہ والد آپ کے جاہلیت میں ہی وفات پائے تھے (۲)۔

مَنْ يَحْفِرْ بِئْرَ رُومَةَ فَلَهُ الْجَنَّةُ

اس تعلیق کو امام بخاری نے کتاب الوصایا میں موصولاً روایت کیا ہے (۳)۔

مَنْ جَهَّزَ جَيْشَ الْعُسْرَةِ

یہ بھی اسی (کتاب الوصایا کی) روایت بالا میں مذکور ہے (۴)۔

فَجَهَّزَهُ عُثْمَان

"جیش العسرة" سے غزوہ تبوک مراد ہے اور عبدالرحمٰن بن حباب السلمی سے منقول ہے کہ اس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تین سو اونٹ دے کر اپنا حصہ ملایا (۵)۔

جب کہ عبدالرحمٰن بن سمرہ سے مروی ہے کہ اس میں حضرت عثمان نے ایک ہزار دینار لا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جھولی میں ڈال دیئے تھے (۶)۔

ابن عدی کی ایک روایت میں دس ہزار دینار کا ذکر ہے مگر اس کی سند کمزور ہے۔ روایت کے الفاظ ہیں

---

(۱) فتح الباري: ۶۸/۹

(۲) فتح الباري: ۶۸/۹

(۳) دیکھئے، صحيح البخاري، كتاب الوصايا، باب إذا وقف أرضاً أو بئراً، رقم: ۲۷۷۸

(٤) صحيح البخاري، رقم: ۲۷۷۸

(٥) جامع الترمذي، أبواب المناقب، باب مناقب عثمان بن عفان: ۲۱۱/۲

(٦) جامع الترمذي، أبواب المناقب، باب مناقب عثمان بن عفان: ۲۱۱/۲

"فجاء عثمان بعشرة الاف دينار"(۱)۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں ہوسکتا ہے وہ دس ہزار درہم (دینار نہیں) کہہ رہے ہوں۔

چنانچہ یہ پھر اس روایت کے مطابق ہوگا جس میں ہزار دینار کا ذکر ہے۔ کیونکہ ہزار دینار دس ہزار درہم کے برابر ہوتے ہیں(۲)۔

اس باب میں مصنف نے پانچ حدیثیں ذکر کی ہیں۔

٣٤٩٢ : حدّثنا سُلَيمانُ بْنُ حَرْبٍ : حَدَّثَنَا حَمَّادٌ ، عَنْ أَيُّوبَ ، عَنْ أَبِي عُثْمَانَ ، عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ حائِطًا وَأَمَرَنِي بِحِفْظِ بَابِ الحَائِطِ ، فَجَاءَ رَجُلٌ يَسْتَأْذِنُ ، فَقَالَ : (ائْذَنْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالجَنَّةِ) . فَإِذَا أَبُو بَكْرٍ ، ثُمَّ جاءَ آخَرُ يَسْتَأْذِنُ ، فَقَالَ : (ائْذَنْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالجَنَّةِ) . فَإِذَا عُمَرُ ، ثُمَّ جاءَ آخَرُ يَسْتَأْذِنُ ، فَسَكَتَ هُنَيْهَةً ثُمَّ قالَ : (ائْذَنْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالجَنَّةِ ، عَلَى بَلْوَى سَتُصِيبُهُ) . فَإِذَا عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ .

قالَ حَمَّادٌ : وَحَدَّثَنَا عاصِمٌ الأَحْوَلُ ، وَعَلِيُّ بْنُ الحَكَمِ : سَمِعَا أَبَا عُثْمَانَ يُحَدِّثُ ، عَنْ أَبِي مُوسَى بِنَحْوِهِ ، وَزَادَ فِيهِ عاصِمٌ : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كانَ قاعِدًا في مَكانٍ فِيهِ ماءٌ ، قَدِ انْكَشَفَ عَنْ رُكْبَتَيْهِ ، أَوْ رُكْبَتِهِ ، فَلَمَّا دَخَلَ عُثْمَانُ غَطَّاهَا . [ر : ٣٤٧١]

تراجم رجال

سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ

یہ ابوایوب سلیمان بن حرب بن بُجَیل ازدی واشحی بصری ہیں، ان کے احوال كتاب الإيمان، باب "مَن كَره أن يعود في الكفر كما يكره أن يلقى في النار، من الإيمان" میں گزر چکے ہیں(۳)۔

---

(۱) كنز العمال، رقم؛ ٣٦١٨٩: ١٣/٣٨، مؤسسة الرسالة

(۲) فتح الباري: ٩/٦٧

(٣٤٩٢) الحديث سبق تخريجه في باب قول النبي لو كنت متخذا خليلا......، رقم: ٣٦٧٤

(۳) كشف الباري: ٢/١٠٥

حَمَّادٌ

یہ حماد بن زید بن درہم ازدی بصری ہیں، ان کے احوال کتاب الإیمان، باب "وإن طائفتان من المؤمنين اقتتلوا فأصلحوا بينهما، سمّاهم المؤمنين" کے تحت گزر چکے ہیں (۱)۔

أَيُّوبَ

یہ ایوب بن ابی تمیمہ کیسان سختیانی بصری ہیں، ان کے احوال کتاب الإیمان، باب "حلاوة الإيمان" کے تحت گزر چکے ہیں (۲)۔

أَبِي عُثْمَانَ

یہ ابوعثمان عبدالرحمٰن بن ملی النہدی ہیں، ان کے احوال کتاب مواقیت الصلاة، باب "الصلاة كفارة" میں گزر چکے ہیں......۔

أَبِي مُوسَى

یہ صحابی رسول حضرت ابوموسیٰ عبداللہ بن قیس الأشعری ہیں، ان کے احوال کتاب الإیمان، باب "أيّ الاسلام أفضل" کے تحت گزر چکے ہیں (۳)۔

دَخَلَ حَائِطًا

حائط سے مراد بستان، باغ وغیرہ ہے (۴)۔

باب سابق میں "مِن حِيطان المدينةِ" کے الفاظ بھی ہیں (۵)۔

---

(۱) كشف الباري: ۲/۲۱۹

(۲) دیکھئے، كشف الباري: ۲/۲۶

(۳) دیکھئے، كشف الباري: ۱/۶۹۰

(٤) إرشاد الساري: ۸/۱۸۵

(٥) دیکھئے، حدیث: ۳٦۹۳

فَسَكَتَ هُنَيْهَةً

هنيهة بضم الهاء وفتح النون تصغير ہے، معنی ہے قلیلا (۱)۔

''حماد'' سے کون مراد ہے؟

قَالَ حَمَّادٌ وَحَدَّثَنَا عَاصِمٌ...... حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حماد سے حماد بن زید راویٔ حدیثِ باب ہی مراد ہیں، جب کہ ابوذر کی روایت میں ''حماد بن سلمہ'' کا ذکر ہے، مگر صحیح پہلا ہے۔

چنانچہ حافظ ابن حجر نے طبرانی سے یوسف القاضی عن سلیمان بن حرب کے طریق سے "حدثنا حماد بن زید عن ایوب" کے الفاظ کے ساتھ یہ حدیث ذکر کی ہے اور آخر میں کہا ہے:

"قال حماد فحدثني علي ابن الحكم وعاصم انهما سمعا أبا عثمان يحدّث عن ابي موسىٰ نحوا من هذا، غير أن عاصماً زاد ......"(۲).

حافظ فرماتے ہیں ہمیں حماد بن سلمہ کی روایت بھی ملی ہے جسے ابن ابی خیثمہ اپنی تاریخ میں موسیٰ بن اسماعیل سے روایت کرتے ہیں، لیکن وہ صرف علی بن الحکم سے ہے (اور عاصم کا ذکر اس میں نہیں ہے) (۳)۔

اور طبرانی نے بھی حجاج بن منہال اور ہدبۃ بن خالد کے طریق سے حماد بن سلمۃ سے روایت کی ہے مگر وہ بھی صرف علی بن الحکم سے ہے اور اس میں مذکورہ بالا اضافہ اور زیادت نہیں ہے (۴)۔

تاہم یہ سب ذکر کرنے کے بعد حافظ صاحب فرماتے ہیں:

"ثم وجدته في نسخة الصنعاني مثل رواية أبي ذر"(۵).

یعنی نسخۂ صنعانی میں ''حماد بن سلمہ'' کا ہی ذکر ہے، جیسا کہ ابوذر کے نسخے میں ہے۔

---

(۱) إرشاد الساري: ۱۸۵/۸

(۲) فتح الباري: ۶۸/۹

(۳) فتح الباري: ۶۸/۹

(٤) فتح الباري: ۶۸/۹

(٥) فتح الباري: ۶۸/۹

وَزَادَ فِيهِ عَاصِمٌ

اس قولِ حماد سے مقصود دراصل عاصم الأحول کی اس زیادت کو بیان کرنا ہے جو ایوب کے طریق میں نہیں ہے۔

ابن التین کہتے ہیں کہ داودی نے اس زیادت کا انکار کیا ہے اور کہا یہ دراصل راویوں نے ایک حدیث دوسری میں داخل کردی ہے۔

اور یہ الفاظ ایک دوسری حدیث کے ہیں، جس میں یہ منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف فرما تھے اور آپ کا فَخِذ (ران) مبارک کھلا ہوا تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے، پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ران مبارک ڈھانک لیا(۱)۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں داودی کے اس قول میں دراصل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک حدیث کی طرف اشارہ ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

"كان رسولُ الله صلى الله عليه وسلم مضطجعاً في بيته كاشفاً عن فخذَيه او ساقَيه فاستأذن ابوبكر فأذن له وهو على تلك الحالة".

رسول اللہ گھر میں دونوں ران یا پنڈلیاں کھولے لیٹے تھے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اجازت مانگی جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی حالت تھی......۔

پھر آگے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہیں اور ان کے یہ الفاظ ہیں:

"ثم دخل عثمان فجلَستَ وسويتَ ثيابك فقال: ألا استحيي من رجلٍ تستحيي منه الملائكة"(۲).

یعنی پھر جب حضرت عثمان داخل ہوئے تو آپ بیٹھ گئے اور اپنے کپڑے برابر کرلئے......؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں اس آدمی سے نہ شرماؤں جس سے

(۱) فتح الباري: ۶۸/۹

(۲) صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل عثمان: ۲۷۷/۲، رقم: ۲٤۰۱

فرشتے شرماتے ہیں؟

اور مسلم کی روایت میں حضرت عائشہ کے سوال کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ منقول ہیں:

"ان عثمان رجل حيي وإني خشيت إن أذنت له على تلك الحالة لا يبلغ الي في حاجته"(١).

یعنی عثمان انتہائی باحیا آدمی ہے اور مجھے اندیشہ تھا کہ اگر میں اسی حالت میں اسے آنے دوں تو وہ اپنی ضروریات کے لئے مجھ تک (ازراہ حیا) نہیں پہنچ پائیں گے۔

لیکن داودی کا یہ قول اور اعتراض اس لئے درست نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عثمان کے مابین اس طرح کا واقعہ متعدد مرتبہ بھی تو پیش آسکتا ہے۔

لہٰذا اس سے عاصم کی روایت بالا کی تغلیط لازم نہیں آتی، خاص کر جب مواقع بھی متعدد ہوں اور مخارج بھی مختلف ہوں چنانچہ یہاں ایسا ہی ہے کہ مخرج متفرق ہیں (۲)۔

اختلافِ مخارج کی صورت میں ایک حدیث کے دوسرے میں داخل ہونے کا قول بلا دلیل اور بلا جواز ہے (۳)۔

٣٤٩٣ : حدّثني أَحْمَدُ بْنُ شَبِيبِ بْنِ سَعِيدٍ قالَ : حَدَّثَنِي أَبِي ، عَنْ يُونُسَ : قالَ ٱبْنُ شِهَابٍ : أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ : أَنَّ عُبَيْدَ ٱللهِ بْنَ عَدِيِّ بْنِ ٱلْخِيَارِ أَخْبَرَهُ : أَنَّ الْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ وَعَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ الْأَسْوَدِ بْنِ عَبْدِ يَغُوثَ قالَا : ما يَمْنَعُكَ أَنْ تُكَلِّمَ عُثْمانَ لِأَخِيهِ الْوَلِيدِ ، فَقَدْ أَكْثَرَ

(١) صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل عثمان: ٢/٢٧٧

(٢) فتح الباري: ٩/٦٨

(٣) فتح الباري: ٩/٦٨

(٣٦٩٦) الحديث أخرجه البخاري ايضاً في (١/٥٤٦) كتاب مناقب الأنصار، باب هجرة الحبشة، رقم: ٣٨٧٢، و(١/٥٥٩)، باب مقدم النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه المدينة، رقم: ٣٩٢٧، ومسلم في صحيحه (٢/٧٢)، كتاب الحدود، باب حد الخمر، رقم: ١٧٠٦

النَّاسُ فِيهِ ، فَقَصَدْتُ لِعُثْمَانَ حِينَ خَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ ، قُلْتُ : إِنَّ لِي إِلَيْكَ حَاجَةً ، وَهِيَ نَصِيحَةٌ لَكَ ، قَالَ : يَا أَيُّهَا الْمَرْءُ مِنْكَ – قَالَ مَعْمَرٌ : أُرَاهُ قَالَ : أَعُوذُ بِاللهِ مِنْكَ – فَانْصَرَفْتُ ، فَرَجَعْتُ إِلَيْهِمْ إِذْ جَاءَ رَسُولُ عُثْمَانَ فَأَتَيْتُهُ ، فَقَالَ : مَا نَصِيحَتُكَ ؟ فَقُلْتُ : إِنَّ اللهَ سُبْحَانَهُ بَعَثَ مُحَمَّدًا ﷺ بِالْحَقِّ ، وَأَنْزَلَ عَلَيْهِ الْكِتَابَ ، وَكُنْتَ مِمَّنِ اسْتَجَابَ لِلّٰهِ وَلِرَسُولِهِ ﷺ ، فَهَاجَرْتَ الْهِجْرَتَيْنِ ، وَصَحِبْتَ رَسُولَ اللهِ ﷺ ، وَرَأَيْتَ هَدْيَهُ ، وَقَدْ أَكْثَرَ النَّاسُ فِي شَأْنِ الْوَلِيدِ . قَالَ : أَدْرَكْتَ رَسُولَ اللهِ ﷺ ؟ قُلْتُ : لَا ، وَلٰكِنْ خَلَصَ إِلَيَّ مِنْ عِلْمِهِ مَا يَخْلُصُ إِلَى الْعَذْرَاءِ فِي سِتْرِهَا ، قَالَ : أَمَّا بَعْدُ ، فَإِنَّ اللهَ بَعَثَ مُحَمَّدًا ﷺ بِالْحَقِّ ، فَكُنْتُ مِمَّنِ اسْتَجَابَ لِلّٰهِ وَلِرَسُولِهِ ، وَآمَنْتُ بِمَا بُعِثَ بِهِ ، وَهَاجَرْتُ الْهِجْرَتَيْنِ كَمَا قُلْتَ ، وَصَحِبْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ وَبَايَعْتُهُ ، فَوَاللهِ مَا عَصَيْتُهُ وَلَا غَشَشْتُهُ حَتَّى تَوَفَّاهُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ ، ثُمَّ أَبُو بَكْرٍ مِثْلُهُ ، ثُمَّ عُمَرُ مِثْلُهُ ، ثُمَّ اسْتُخْلِفْتُ ، أَفَلَيْسَ لِي مِنَ الْحَقِّ مِثْلُ الَّذِي لَهُمْ ؟ قُلْتُ : بَلَى ، قَالَ : فَمَا هٰذِهِ الْأَحَادِيثُ الَّتِي تَبْلُغُنِي عَنْكُمْ ؟ أَمَّا مَا ذَكَرْتَ مِنْ شَأْنِ الْوَلِيدِ ، فَسَنَأْخُذُ فِيهِ بِالْحَقِّ إِنْ شَاءَ اللهُ . ثُمَّ دَعَا عَلِيًّا ، فَأَمَرَهُ أَنْ يَجْلِدَهُ ، فَجَلَدَهُ ثَمَانِينَ . [٣٦٥٩ ، ٣٧١٢]

رجال حدیث

أَحْمَدُ بْنُ شَبِيبِ بْنِ سَعِيدٍ

یہ احمد بن شبیب بن سعید التمیمی البصری ہیں، ان کے احوال کتاب الوضوء، باب "إذا شرب الكلب في إناء أحدكم فليغسله سبعاً" میں گزر چکے ہیں......۔

یُونُس

یہ ابو یزید یونس بن یزید ایلی ہیں، ان کے احوال کتاب العلم، باب "من یرد اللّٰه به خیراً یفقّهه في الدین" میں گزر چکے ہیں(۱)۔

---

(۱) کشف الباري: ۳/۲۸٤

ابْنُ شِهَابٍ

ابوبکر محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن شہاب الزہری ہیں۔ان کے احوال كتاب بدء الوحي میں حدیث ثالث کی ذیل میں اختصار کے ساتھ گزر چکے ہیں(۱)۔

عُرْوَةُ

یہ عروۃ بن الزبیر مشہور تابعی ہیں، جو زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں، ان کے احوال كتاب الإيمان، باب "أحب الدين إلى الله أدومُه" کے تحت گزر چکے ہیں(۲)۔

عُبَيْدَ اللّٰهِ بْنَ عَدِيِّ بْنِ الْخِيَارِ (النوفلی)

ان کے احوال كتاب الاذان، باب "إمامة المفتون والمبتدع" میں گزر چکے ہیں۔

الْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ

یہ مسور بن مخرمۃ بن نوفل ہیں، ان کے احوال كتاب الوضوء، باب "استعمال فضل وضوء الناس" کے تحت گزر چکے ہیں۔

عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ الْأَسْوَدِ بْنِ عَبْدِ يَغُوثَ

ان کا تذکرہ كتاب المناقب، باب "مناقب قريش" میں گزر چکا ہے......۔

الوليد

یہ ولید بن عقبہ ہیں، جیسا کہ معمر کی روایت میں اس کی تصریح ہے(۳)۔

حضرت سعد کی معزولی اور ولید کا تقرر

حافظ ابن حجر کہتے ہیں ان کا سلسلۂ نسب کچھ یوں ہے: وليد بن عقبة بن أبي معيط بن أبيَ عمرو ابن أمية بن عبد شمس. یہ حضرت عثمان کے ماں شریک بھائی ہیں۔

---

(۱) كشف الباري: ۱/۳۲۶

(۲) كشف الباري: ۲/۴۳۶

(۳) دیکھئے، حديث: ۳۸۷۲

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بعد کوفہ کا گورنر بنایا تھا جب وہ حضرت عمر کی وصیت سے ولی الأمر بنے تھے تو پہلے انہوں نے حضرت سعد کو گورنر بنایا، جو حضرت عمر کے زمانے میں بھی گورنر تھے، پھران کو ہٹا کر انہوں نے اپنے بھائی ولید کو گورنر بنایا۔

یہ ۲۵ ہجری کی بات ہے۔ اور اس تبدیلی کا سبب یہ بتایا گیا ہے کہ سعد رضی اللہ عنہ امیر تھے اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیت المال کے ذمہ دار تھے حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن مسعود سے قرض لیا۔ عبداللہ بن مسعود نے اس کا مطالبہ کیا، جس پر دونوں حضرات کی منہ ماری ہوئی، یہ بات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو پتہ چلی تو انہوں نے دونوں پر سخت غصے کا اظہار کیا اور حضرت سعد کو معزول کر دیا اور ولید جو جزیرہ کا گورنر تھا، انہیں بلایا اور کوفہ کا گورنر مقرر کیا (۱)۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں کوفہ کے گورنر تھے، ۱۷ ہجری سے ۲۰ یا ۲۱ ہجری تک۔ پھر اہل کوفہ نے آکر حضرت عمر خلیفۃ المسلمین سے ان کی شکایت کی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی شکایات کے پیش نظر حضرت سعد کو معزول کر دیا اور ان کی جگہ حضرت عمار بن یاسر کو گورنرِ کوفہ بنا دیا بعد میں حضرت عمر نے ان شکایات کی تفتیش کی تو معلوم ہوا کہ وہ تینوں شکایتیں غلط اور بے بنیاد تھیں، شکایت کرنے اور حضرت سعد پر الزامات لگانے والے اصل سرغنے (جس کا نام ابوسعدہ تھا) کو حضرت سعد نے بددعا دی اور جیسا انہوں نے کہا تھا، وہ آدمی ایسا ہی ہو گیا۔

کتاب الصلوۃ میں ان کے اس واقعے سے متعلق تفصیلی حدیث مذکور ہے (۲)۔

حضرت عمر نے بھی تفتیش اور معلومات کے بعد فرمایا تھا:

"فإني لم أعزله من عجز ولا خيانة" (۳).

میں نے انہیں کوتاہی اور بددیانتی کی وجہ سے معزول نہیں کیا تھا۔

اس بے بنیاد معزولی کی تلافی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یوں فرمائی کہ اپنے بعد آنے والے خلیفہ کو ان

---

(۱) فتح الباري: ۶۹/۹

(۲) دیکھئے، کتاب الصلاة، باب وجوب القراءة للإمام والمأموم ......، رقم: ۷۵۵

(۳) فتح الباري: ۳۰۲/۳

الفاظ میں وصیت کی:

"أوصي الخليفة من بعدي أن يستعمل سعدَ بن أبي وقاص فاني لم أعزله عن سوء"(۱).

یعنی میں اپنے بعد آنے والے خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ حضرت سعد کو عامل بنائے کیونکہ میں نے انہیں کسی برائی کے سبب معزول نہیں کیا۔

چنانچہ حضرت عثمان نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اس وصیت کی تعمیل کرتے ہوئے حضرت مغیرۃ بن شعبہ کو معزول کر کے ان کی جگہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو گورنرِ کوفہ مقرر کیا اور طبری کہتے ہیں:

"وكان أول عاملٍ بعث به عثمان سعد بن أبي وقاص على الكوفة"(۲).

یعنی پہلا عامل جسے حضرت نے بھیجا وہ یہی حضرت سعد تھے جسے کوفے کا گورنر بنایا گیا۔

حضرت سعد کب گورنرِ کوفہ بنے تھے؟

حضرت سعد کو کب عامل کوفہ بنایا گیا، اس میں دو قول ہیں:

ایک قول تو یہ ہے کہ ۲۴ ہجری میں جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا تو اسی سال انہوں نے حضرت مغیرہ کو معزول کر کے سعد رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا گورنر بنایا۔ جب کہ دوسرا قول واقدی کا ہے، وہ کہتے ہیں حضرت عمر نے یہ وصیت کی تھی کہ ان کے مقرر کردہ عاملین کو ایک سال تک رہنے دیا جائے۔لہٰذا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک سال بعد حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو گورنر بنایا، یعنی ۲۵ ہجری کو(۳)۔

پھر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ گورنر بنے تو انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے قرض

---

(۱) تاريخ الطبري: ۲/ ۵۹۰

(۲) تاريخ الطبري: ۲/ ۵۹۰

(۳) تاريخ الطبري: ۲/ ۵۹۰

لیا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وزیرِ بیت المال تھے اور انہوں نے جب بعد میں ان (سعد) سے قرض مانگا تو سعد نے کہا، اس کا بندوبست نہیں ہوا ہے، اس پر دونوں میں تلخ کلامی ہوئی، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے لوگوں کو سعد سے قرضہ لینے میں مدد کے لئے پکارا اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مزید مہلت مانگنے کے لئے بلایا۔

طبری کہتے ہیں سعد بن ابی وقاص کے بھتیجے ہاشم بن عتبہ کے سامنے دونوں حضرات کے درمیان تلخ جملوں کا تبادلہ ہوا، جس پر ہاشم نے کہا:

"والله إنكما لصاحبا رسول الله صلى الله عليه وسلم يُنظر إليكما".

یعنی بخدا! آپ دونوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہو اور آپ کے عمل کو دیکھا جاتا ہے۔

اس پر حضرت سعد نے ایک لکڑی لی اور حضرت ابن مسعود پر دے ماری اور پھر بددعا کے لئے اتھ اٹھا دیئے۔ حضرت سعد مستجاب الدعوات تھے اس لئے ابن مسعود نے کہا:

"ويلك قل خيراً ولا تلعن". تیرا ستیاناس ہو بھلی بات کرو اور لعنت نہ بھیجو۔

سعد نے کہا:

"أما والله ولولا اتّقاء الله لدعوتُ عليك دعوةً لا تخنطئك"(١).

واللہ! اگر خوفِ خدا نہ ہوتا تو میں تجھے ایسی بددعا دیتا کہ جو تجھ سے خطا نہ جاتی۔

اس پر ابن مسعود رضی اللہ عنہ تیزی سے نکل گئے۔

یہ سارا ماجرا امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو ڈانٹا اور عہدے پر باقی رکھا جب کہ حضرت سعد کو معزول کر دیا۔

اور ولید بن عقبہ کو جزیرہ سے بلا کر گورنر بنایا، ۵ سال تک وہ گورنر رہے۔

ولید پر الزامات کی حقیقت

ان کے متعلق تاریخ میں یہ الفاظ منقول ہیں:

(١) تاريخ الطبري: ٢/٥٩٦

"كان أحب الناس في الناس وأرفقهم بهم، فكان كذلك خمس سنين وليس على داره باب"(۱).

یعنی وہ لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب اور لوگوں سے سب سے زیادہ نرمی سے پیش آنے والے تھے پانچ برس تک وہ ایسے ہی رہے اور ان کے گھر کا کوئی دروازہ نہیں تھا۔

پھر کچھ لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ان کی شکایت کی اور کہا کہ انہوں نے شراب پی ہے، یہ بات پھیل گئی اور اس کے باعث حضرت عثمان پر بھی لوگوں نے طعن وتشنیع شروع کردی۔

مخالفین نے انہیں جرائم پروری اور اقرباپروری وغیرہ کے الزامات سے متہم کیا۔

اس الزام کی حقیقت تو اللہ ہی جانے تاہم تاریخ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ذاتی رنجش کی بناء پر لوگوں نے ان کے خلاف یہ کہانی گھڑی تھی اور دوسری بات یہ تھی کہ خواص ان (ولید) کے مخالف اور عوام حق میں تھے۔

طبری کہتے ہیں:

"كان الناس في الوليد فرقتين، العامة معه والخاصة عليه"(۲).

یعنی لوگ ان کے حوالے سے دو گروہوں منقسم تھے، عوام ان کے ساتھ اور خواص مخالف تھے۔

بہر حال لوگوں کے اصرار اور مطالبے پر ولید کو حضرت عثمان نے معزول کیا، ان پر حد جاری کردی اور سعید بن العاص کو گورنر مقرر کیا۔

ولید بن عقبہ سخی بھی بہت تھے اور عوام پر خرچ کرنے میں بڑی دریا دلی سے کام لیتے تھے۔ چنانچہ ان کے متعلق لوگ کچھ اس طرح اپنے جذبات کا اظہار کرتے رہے:

يا ويلنا قد عزل الوليدُ وجاءَنا مجوّعاً سعيدُ

ينقص في الصاع ولا يزيدُ فجوّع الاماءُ والعبيدُ(۳)

(۱) تاريخ الطبري: ۲/۵۹۶

(۲) تاريخ الطبري: ۲/۶۱۲

(۳) تاريخ الطبري: ۲/۶۱۲

ما يمنعك أن تكلم عثمان

معمر کی زہری سے جو روایت ہے، باب "هجرة الحبشة" میں، اس میں یہ الفاظ ہیں: "ما يمنعك أن تكلم خالك عثمانَ في أخيهِ الوليدِ بن عقبةَ"(١) یعنی مسور بن مخرمہ اور عبدالرحمٰن بن الاسود نے عبیداللہ بن عدی بن الخیار سے کہا کہ آپ اپنے ماموں (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) سے ولید کے متعلق بات کیوں نہیں کر لیتے ہیں؟

حضرت عثمان عبیداللہ بن عدی بن خیار کے ماموں کیسے بنتے تھے تو اس کی تفصیل یوں ہے کہ عبیداللہ کی والدہ تھیں ام قتال بنت الأسد بن ابي العاص بن امیہ اور وہ حضرت عثمان کی چچازاد بہن تھیں اور اقاربِ والدہ پر خال کا اطلاق تو ظاہر ہے ہوتا ہی ہے، لہٰذا حضرت عثمان عبیداللہ بن عدی کے ماموں ہوئے (٢)۔

لأخيهِ

لام تعلیلیہ ہے یعنی ان کے بھائی کے سبب، یا بمعنی "عن" ہے یعنی ان کے بارے میں (٣) اور "هجرة الحبشة" والی روایت میں "في أخيه" کے الفاظ ہیں، یعنی بھائی کے بارے میں، ان کے متعلق (٤)۔

ولید بن عقبہ کے حوالے سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر طعن

فَقَدْ أَكْثَرَ النَّاسُ فِيهِ...... یعنی لوگوں نے ولید بن عقبہ سے متعلق بکثرت چہ مگوئیاں شروع کی ہیں، مثلاً یہ کہا جا رہا ہے کہ انہوں نے فجر کی چار رکعتیں پڑھیں اور پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا "أزيدكم؟" کیا مزید پڑھاؤں؟ یہ وہ نشے کے عالم میں کہہ رہا تھا، وہ شراب پی چکا تھا اور اس پر لوگ سخت برہم تھے۔

یہ تو اس صورت میں معنی ہے جب "فيه" کی ضمیر مجرور کا مرجع ولید ہوں (٥)۔

---

(١) دیکھئے، باب هجرة الحبشة، رقم: ٣٨٧٢

(٢) فتح الباري: ٦٨/٩

(٣) فتح الباري: ٦٩/٩

(٤) باب هجرة الحبشة، رقم: ٣٨٧٢

(٥) إرشاد الساري: ١٨٦/٨

جب کہ معمر بن راشد کی روایت میں "وكان أكثرَ الناسُ في ما فعل به".

اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ حضرت عثمان نے ولید کے ساتھ جو معاملہ کیا تھا، اس کے متعلق لوگ کثرت سے باتیں کر رہے تھے، مثلاً یہ کہا جارہا تھا کہ انہوں نے ولید پر حدِّ خمر کیوں جاری نہیں کی، یہ اعتراض کیا جارہا تھا کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جیسے صحابی کو ہٹا کر انہیں (ولید کو) عامل بنایا حالانکہ سعد عشرہ مبشرہ میں سے تھے، اہل شوری میں سے تھے، اور ان کو سبقت الی الاسلام اور علم و دین میں کمال کی ایسی ایسی فضیلتیں حاصل ہیں کہ اس کا عشر عشیر بھی ولید کو حاصل نہیں۔

جب کہ حضرت عثمان کا اس سلسلے میں عذر اور جواب یہ تھا کہ حضرت سعد کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی تو معزول کر دیا تھا جیسے کہ کتاب الصلوۃ میں گزر چکا ہے(۱)۔ اور دوبارہ جو انہیں گورنر بنایا گیا وہ تو صرف اسی لئے کہ حضرت عمر نے ان کے لئے وصیت فرمائی تھی اور کہا تھا "لأني لم أعزله عن خيانةٍ ولا عجزٍ".

جیسے کہ باب "مَقتل عمر" میں آرہا ہے(۲)۔ اور اس وصیت میں بھی حضرت عمر نے "فإن أصابت الامرةُ سعداً فهو ذاك وإلا فليستعن به أيكم ما أمِّر" کے الفاظ کہے جو امیر المؤمنین بنائے جانے والے کے صوابدیدی اختیار کا پتہ دیتے ہیں، نہ کہ ان پر لازم ہونے کا۔

چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وفاداری اور وضعداری کا ثبوت دیتے ہوئے سابق خلیفہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بات کا لحاظ رکھا اور انہیں (سعد کو) گورنر بنا دیا مگر پھر حضرت عثمان نے ابن مسعود سے قرض کی بابت جھگڑے کے باعث انہیں دوبارہ معزول کیا، تو گویا جب حضرت سعد کی دوبارہ تقرری کی سفارش تھی تو عثمان نے وہ قبول کی اور پھر جب ان کی شکایت آگئی تو شکایت ہی کے باعث انہیں دوبارہ معزول بھی کرنا پڑا، یعنی ان کو لانے کی وجہ تھی تو ہٹانے کی بھی وجہ تھی۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اگر اپنے اختیارات استعمال کرتے ہوئے حضرت سعد کو گورنر بنانے پر قابل تعریف و تحسین ہیں تو ان کو ہٹانے پر بھی ان پر کوئی اعتراض نہ ہونا چاہیے۔ اور پھر ان کے بعد ولید کو لانے کا جہاں تک تعلق ہے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عثمان اپنے رشتہ دار کو لا کر اقربا پروری نہیں صلہ رحمی چاہتے تھے۔ اور ان (ولید) کا استحقاق بعد میں ان کی کارکردگی اور لوگوں کے ان پر اعتماد

---

(۱) كتاب الصلاة، باب وجوب القراءة...... رقم: ۷۵۵

(۲) دیکھئے، حدیث: ۳۷۰۰

واطمینان سے واضح ہوگیا جیسا کہ ابھی کچھ پہلے اس کا تذکرہ آگیا ہے(۱)۔

لہٰذا حضرت عثمان کو موردِ الزام اور ہدفِ ملام بنانا کسی بھی طرح جائز نہیں، خاص کر جب ولید کے متعلق لوگوں میں خاصی تشویش پھیل گئی اور ان کا بعض جرائم میں ملوث ہونا تقریباً واضح اور ثابت ہوگیا تب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان پر حد بھی لگوائی۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ قرابت داری کی رعایت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس حد تک جانے کے لئے بالکل تیار نہ تھے، جس سے اللہ کے دین کی حدود پامال ہوں۔

چنانچہ حافظ صاحب کے یہ الفاظ اس معاملے کو کافی حد تک واضح کرتے ہیں:

”فلمّا ظَهر له سوء سِيرته عزلَه، وإنما أَخّر إقامةَ الحدّ عليه ليكشف عن حال مَن شَهد عليه بذلك، فلما وضح له الأمر أمر بإقامة الحد عليه، وروى المدائني من طريق الشعبي أن عثمان لما شهد واعنده على الوليد حبسه“(۲).

یعنی جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے ولید کی بری سیرت ظاہر ہوئی تو انہوں نے اس کو معزول کر دیا، اور اس پر حد قائم کرنے کو اس لئے مؤخر کیا تاکہ اس کے خلاف گواہی دینے والوں کے احوال کی جانچ پڑتال کرے، پھر جب معاملہ واضح ہوا تو اقامتِ حد کا حکم دے دیا اور مدائنی نے شعبی کے طریق سے روایت کیا ہے کہ جب عثمان کے سامنے گواہیاں دی گئیں تو انہوں نے ولید کو گرفتار کیا۔

فَقَصَدْتُ لِعُثْمَانَ حَتَّى خَرَجَ

یہاں ”حتی خرج“ کے الفاظ ہیں، جب کہ کشمیہنی کی روایت میں ”حین خرج“ کے الفاظ ہیں، ”حتیٰ“ چونکہ انتہائے غایہ کے لئے ہے، اس لئے اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ قصد کا غایہ اور آخری حد تھی خروجِ عثمان۔ اور دوسری صورت میں معنی یہ ہوگا کہ قصد عثمان کے ساتھ ہی خروجِ عثمان کا اتفاق ہوگیا یعنی ان کا قصد ہی کیا گیا تھا کہ اتفاق سے وہ نکل بھی آئے اور پہلی صورت میں یعنی ”حتی خرج“ کی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ

---

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے، فتح الباري: ۶۹/۹

(۲) فتح الباري: ۶۹/۹

قصد کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ کا انتظار کیا گیا یہاں تک کہ وہ نکل آئے۔

حتی والی روایت کی تائید معمر کی روایت میں "فانتصبت لعثمان حین خرج"(۱) سے بھی ہوتی ہے(۲)۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مقصد کسی بھی شر سے بچنا تھا

یَـا أَیُّهَـا الْمَرْءِ مِنْكَ...... معمر کی روایت میں "أعوذ بالله منك" کے الفاظ ہیں(۳) یعنی میں آپ سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔

بعض نسخوں میں معمر کے قول کے ساتھ "أراه" یعنی میرا خیال ہے، کے الفاظ بھی ہیں(۴)۔

اور اس استعاذہ کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خدشہ تھا کہ کہیں وہ (عبیداللہ بن عدی) ان سے ایسی کوئی بات نہ کہہ دے جس کو پورا کرنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے ممکن نہ ہو اور ایسا کوئی مطالبہ ان سے نہ کیا جائے جسے انہیں رد کرنا پڑے اور اس کے باعث پھر ان کو افسوس اور تنگدلی کا احساس ہو، چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے کہا آپ کی باتوں اور اس میں ممکنہ شر سے اللہ کی پناہ۔ بعد میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خیال آیا ہوگا کہ ان کی بات سننے میں کیا حرج تھا شاید ان کی کوئی اور حاجت ہو، ان کی بات میں شر کی بجائے خیر ہو تو پیامبر ان کے پاس بھیجا اور انہیں بلوایا۔

چنانچہ عبیداللہ بن عدی کہتے ہیں "فانصرفت فرجعت الیهما" میں عثمان کے ہاں سے واپس آ گیا اور جا کر مسور بن مخرمہ اور عبدالرحمن بن الاسود کو اپنے اور حضرت عثمان کے درمیان ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتایا۔ یہاں تو صرف انصراف اور رجوع کا ذکر ہے جب کہ معمر کی روایت میں یہ الفاظ مروی ہیں:

"فحدثتهما بالذي قلت لعثمان وقال لي، فقالا: قد قضيت الذي كان عليك"(۵).

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب مناقب الأنصار، باب هجرة الحبشة رقم: ۳۸۷۲

(۲) فتح الباري: ۶۹/۹

(۳) صحيح البخاري، باب هجرة الحبشة رقم: ۳۸۷۲

(٤) إرشاد الساري: ۱۸۷/۸

(٥) صحيح البخاري، رقم: ۳۸۷۲

یعنی (ان دونوں نے کہا) تو نے وہ حق ادا کر دیا جو تجھ پر لازم تھا اور اب تم بری الذمہ ہوگئے ہو چاہے وہ آپ کی بات تفصیل سے سنے یا نہ سنے۔

اس دوران حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا پیام بر آیا

إِذْ جَاءَ رَسُولُ عُثْمَانَ...... معمر کی روایت میں ان الفاظ کا اضافہ ہے:

"فبينما أنا جالس معهما إذ جاء ني رسولُ عثمان، فقالا لي: قد ابتلاك الله فانطلقت".

یعنی اس دوران کہ میں ان دونوں حضرات کے پاس بیٹھا تھا میرے پاس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا پیامبر آیا، اس پر ان دونوں حضرات نے مجھ سے کہا، اللہ تعالیٰ نے تجھے آزمائش میں ڈال دیا...... خیر میں چلا گیا۔

حضرت عثمان کے پاس جانے کے بعد انہوں نے اپنا مدعیٰ پیش کیا اور اس کے لئے تمہید کے طور پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب کا ذکر کیا، جن میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ اسلام پر لبیک کہنا، رسول اللہ کی طویل صحبت پانا، دو ہجرتوں (ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ) کی سعادت حاصل کرنا وغیرہ داخل ہیں۔

أَكْثَرَ النَّاسُ فِي شَأْنِ الْوَلِيدِ

ولید بن عقبہ کی شان میں لوگ بکثرت باتیں کر رہے ہیں...... یہاں تو صرف اتنی ہی بات کا ذکر ہے جب کہ روایت معمر میں یہ الفاظ بھی منقول ہیں: "فحق عليك أن تقيم عليه الحد" (۱). تو آپ کا حق بنتا ہے کہ اس پر حد جاری کردو۔

عبید اللہ بن عدي کی ولادت رسول اللہ کی حیات میں ہوئی

قَالَ أَدْرَكْتَ رَسُولَ اللّٰهِ؟...... حضرت عثمان نے عبید اللہ بن عدی سے کہا، کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا، یعنی کیا رسول اللہ سے تم نے کچھ سنا ہے، اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام سے کچھ حاصل کیا ہے

(۱) صحیح البخاري، رقم: ۳۸۷۲

(علم، دین اور ہدایت میں سے) ادراک سے مراد یہ نہیں ہے کہ کیا وہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں پیدا ہوئے ہیں، اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی زندگی کو انہوں نے پایا یا نہیں؟ کیونکہ اگر یہ سوال ہوتا تو اس کا جواب حضرت عبیداللہ "لا" سے نہ دیتے، کیونکہ عبیداللہ بن عدی کی جب ولادت ہوئی، تب اللہ کے رسول بقید حیات تھے، جیسا کہ مغازی کے باب "قتل حمزة بن عبدالمطلب" میں آرہا ہے(۱)۔

چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ومراده بالإدراك إدراك السماع منه والأخذ عنه وبالرؤية رؤية المميزله ولم يرد هنا الإدراك بالسن فانه ولد في حياة النبي صلى الله عليه وسلم فسيأتي في المغازي في قصة مقتل حمزة من حديث وحشي ابن حرب ما يدل على ذلك"(۲).

سوال کا منشاء

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عبیداللہ بن عدی کی شکایت سن کر ان سے یہ سوال کیوں فرمایا کہ کیا انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سنا ہے؟

ابن التین کہتے ہیں:

"لينبّهه على أن الذي ظنه من مخالفة عثمان ليس كما ظنه"(۳).

یعنی آپ رضی اللہ عنہ عبیداللہ کو اس بات پر متنبہ کرنا چاہ رہے تھے کہ انہوں نے جو یہ گمان کیا اور سمجھ رکھا ہے کہ عثمان غلط کر رہے ہیں، ایسا ہے نہیں۔

حافظ صاحب کہتے ہیں حضرت کے اس منشائے سوال کی تائید امام احمد کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے "سماك بن حرب عن عبادة بن زاهر" کے طریق سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے:

"سمعتُ عثمانَ خطب فقال: أنا والله قد صحبنا رسول الله في السَّفر

(۱) صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب قتل حمزة بن عبدالمطلب، رقم: ٤٠٧٢

(۲) فتح الباري: ۷۰/۹

(۳) فتح الباري: ۷۰/۹

والحضر وإنَّ ناساً يعلّموني سنّته عسى أن لا يكون أحدهم راه قط"(۱).

یعنی ہم نے تو بخدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سفر وحضر میں صُحبت وہمراہی اختیار کی اور اب کچھ ایسے لوگ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سکھا رہے ہیں جنہوں نے شاید رسول اللہ کو سرے سے دیکھا ہی نہیں ہے۔

عَدِي بن خيار کے متعلق اختلاف

روایت میں عبیداللہ بن عدی بن خیار کا ذکر ہے، جن کے متعلق یہ بھی ذکر ہوا کہ وہ مکہ مکرمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں پیدا ہوا تھا، یہاں بعض حضرات نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ مذکورہ قصہ عبیداللہ بن عدی کا نہیں بلکہ خود عدی بن خیار کا ہے(۲)۔

اسی طرح عدی بن خیار کے متعلق ابن ماکولا وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ وہ بحالت کفر مارے گئے اور مشرف بہ اسلام نہیں ہوئے(۳)۔

جب کہ حافظ ابن حجر وغیرہ فرماتے ہیں کہ یہ درست نہیں ہے بلکہ وہ مسلمان ہو گئے تھے جیسا کہ ابن سعد نے ان کا "فتحیین" میں ذکر کیا ہے(۴)۔

وَلَكِنْ خَلَصَ

(بفتح الخاء وضم اللام یا بفتح اللام والصاد بمعنی وَصَـــلَ) یعنی عبیداللہ بن عدی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے

---

(۱) فتح الباری شرح صحیح البخاری میں یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ منقول ہے، جب کہ مسند احمد میں یوں مروی ہے:"سمعت عثمان يخطب فقال: إنا والله قد صحبنا رسول الله في السفر و الحضر، فكان يعود مرضانا، ويتبع جنائزنا، ويغزو معنا، ويواسينا بالقليل والكثير، وإن ناساً يعلمون به عسى أن لا يكون أحدهم راه قط. مسند احمد، مسند عثمان بن عفان، رقم: ٥٠٤

(۲) فتح الباري: ۷۰/۹

(۳) الإكمال لابن ماكولا: ۴۳/۲

(۴) الإصابة في تمييز الصحابة الترجمة: ۵۴۸۲، والجزء المتمم لطبقات بن سعد، الطبقة الرابعة ممن أسلم عند فتح مكة، ومن بني نوفل بن عبد مناف ......

جواب میں کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات تو یقیناً انہوں نے نہیں سنی مگر آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی تعلیمات وارشادات مجھے اتنی ہی خالص اور اصلی شکل میں پہنچے جتنی خالصیت اور اصلیت کے ساتھ پردہ نشین دوشیزاؤں کو پہنچے، مراد یہ ہے کہ اللہ کے رسول کے اقوال وافعال اللہ کی رضا اور قضاء کے مطابق ہر دور ونزدیک کو پہنچے حتیٰ کہ پردے میں مستور خواتین کو بھی، تو پھر مجھ ایسے اس کے طالب اور خواہش مند سے وہ کیونکر مخفی رہتے (۱)۔

ثُمَّ أَبُو بَكْرٍ مِثْلُهُ ثُمَّ عُمَرُ مِثْلُهُ

معنی یہ ہے کہ حضرت عثمان نے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہا کہ میں نے آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی نافرمانی نہیں کی، آپ کو دھوکہ نہیں دیا یہی کچھ حضرت ابوبکر اور پھر حضرت عمر کے متعلق بھی فرمایا، یعنی "ما عصيته ولا غششته" جیسے کہ روایت معمر میں اس کی تصریح ہے (۲)۔

أَفَلَيْسَ لِي مِنَ الْحَقِّ......؟

حضرت عثمان کہتے ہیں کہ کیا انہیں اس کا حق نہیں ہے جس کا ان (رسول اللہ اور آپ کے دونوں صحابہ) کو تھا، یعنی اطاعت، تائید اور وفاداری کا حق، جو حضرت عثمان نے اپنے پیش رووں کا خود پر لازم سمجھا اور اسے ادا بھی کیا اسی طاعت وفرمانبرداری کی وہ اپنے ماتحتوں سے خواہش رکھتے تھے چنانچہ معمر کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

"أفلَيسَ لي عليكم مثلُ الذي كان لهم عليَّ؟" (۳). کیا میرا تم پر اتنا حق نہیں ہے جتنا کہ اُن کا مجھ پر تھا؟

فَمَا هَذِهِ الْأَحَادِيثُ؟

مراد عبید اللہ بن عدی کی بات اور اس جیسی دوسری چہ مگوئیاں ہیں جو مختلف ذرائع سے حضرت عثمان کو پہنچتی رہیں، اور وہ یہی تھیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، ولید کو معزول کیوں نہیں کرتے، سزا کیوں نہیں دے رہے، اور حضرت سعد ابن ابی وقاص کو کیوں معزول کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔

اور ان تمام اعتراضات کے حوالے سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا موقف کیا تھا، وہ کیا جواب دیتے

---

(۱) فتح الباري: ۹/۷۰

(۲) صحيح البخاري، باب هجرة الحبشه، رقم: ۳۸۷۲

(۳) صحيح البخاري، رقم: ۳۸۷۲

تھے یہ ابھی مختصراً بیان کیا جا چکا ہے۔ تو یہاں انہوں نے رعایا سے طاعت و وفاداری کی خواہش ظاہر کی، شورش بپا کرنے پر شکایت کی اور فرمایا یہ کیا باتیں اور کیا کہانیاں ہیں؟(۱)۔

فَأَمَرَهُ أَنْ يَجْلِدَهُ

کشمیہنی کی روایت میں "أن يجلده" بالضمير ہے(۲).

جب کہ ابوذر عن الحموي والمستملي کے نسخوں میں اسقاطِ ضمیر کے ساتھ ہے یعنی بغیر ضمیر منصوب کے(۳)۔

حضرت عثمان نے حد میں تاخیر اس لئے فرمائی تھی کہ وہ تحقیق اور تفتیش کرنا چاہ رہے تھے اور جب تحقیق سے معلوم ہوا کہ ولید نے اس فعل کا ارتکاب کیا ہے تو حد جاری کر دی (۴)۔ قسطلانی فرماتے ہیں:

"وإنما أخّر عثمان إقامة الحد عليه ليكشف عن حال من شهد عليه بذالك فلما وضح له ذلك الأمر عزله وأمر علياً بإقامة الحد عليه"(۵).

ولید کے خلاف گواہی کس نے دی؟

ولید کے خلاف جن دو افراد نے گواہی دی تھی ان میں سے ایک عمران مولی عثمان تھے اور دوسرے الصعب بن جثامة یا جثامة بن الصعب بن جثامہ اور یہ صحابی تھے(۶)۔

دوسرا قول یعنی جثامة بن صعب بن جثامة کا قول طبری نے ذکر کیا ہے، جب کہ ایک اور روایت یہ ہے کہ گواہی دینے والوں میں سے ابوزینب بن عوف الاسدی اور ابومورع الأسدی بھی ہیں اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ابوزینب، ابومورع، جندب ابن زہیر الازدی اور سعد بن مالک الاشعری یہ سب گواہی دینے والوں میں شامل

---

(۱) فتح الباري: ۷۰/۹

(۲) فتح الباري: ۷۰/۹

(۳) إرشاد الساري: ۱۸۸/۸

(۴) اگرچہ بعض محققین کا کہنا ہے کہ ولید پر بعض اہل کوفہ نے از راہِ تعصب الزام لگایا تھا جب کہ ابن عبدالبر نے اس کی تردید کی ہے۔ دیکھئے، بذل المجهود في حل أبي داود: ۵۷۲/۱۲.

(۵) إرشاد الساري: ۱۸۸/۸

(۶) فتح الباري: ۷۱/۹، وإرشاد الساري: ۱۸۸/۸

ہیں(۱)۔

کوڑوں کی تعداد میں اختلاف

یہاں اس روایت میں "فجلَدہ ثمانین" کے الفاظ ہیں یعنی اسّی کوڑے مارے جب کہ معمر کی باب "هجرة الحبشة" والی روایت میں الفاظ ہیں، "فجلَد الولید أربعینَ جلدة" یعنی ولید کو چالیس کوڑے لگائے(۲).

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ، معمر والی روایت کو راجح قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وهذه الرواية أصح من رواية يونس، والوهم فيه من الرواي عنه شبيب بن سعيد"(۳).

یعنی معمر والی روایت زیادہ صحیح ہے اور یہاں جو "ثمانین" کا ذکر ہے تو یہ دراصل یونس سے روایت کرنے والے یعنی شبیب بن سعید کو وہم ہوا ہے، معمر کی روایت کی تائید مسلم کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے، یہ روایت ابوساسان سے مروی ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں:

"شهدتُ عثمانَ بن عفان، أتي بالوليد قد صلّى الصبحَ ركعتين ثم قال أزيدُكم؟ فشهد عليه رجلان: أحدهما حُمران أنه شرِب الخمر وشهد اٰخر أنه رأه يتقيأ، فقال عثمان: إنه لم يتقيأ حتى شربها، فقال: يا علي! قم فاجلِده، فقال علي قم يا حسَن! فاجلده. فقال الحسن: ولِّ حارَّها من تولى قارَّها! فكأنه وجد عليه. فقال: قم يا عبد الله بن جعفر! قم فاجلِده، فجلَده وعلي يعُدُّ حتى بلغ أربعين، فقال: أمسك، ثم قال: جلَد النبيُّ صلى الله عليه وسلم أربعين، وأبو بكرٍ أربعين، وعمرُ ثمانين(۱)، وكلٌّ سنةٌ وهذا أحب إليَّ"(۲).

---

(۱) تاريخ الطبري: ۶۱۱/۲، وفتح الباري: ۷۱/۹

(۲) دیکھئے، صحيح البخاري، رقم: ۳۸۷۳

(۳) فتح الباري: ۷۱/۹

(۱) حضرت عمر کے زمانے تک اس کی کوئی حد متعین نہ تھی پھر حضرت عمرؓ نے صحابہ سے مشورہ لیا حضرت علیؓ نے انہیں ۸۰ کوڑے =

ابوساسان کہتا ہے میں حضرت عثمان کے پاس حاضر تھا کہ ولید بن عقبہ کو لایا گیا جس نے صبح کی نماز پڑھی تھی اور دو رکعتیں پڑھنے کے بعد کہا تھا کہ کیا مزید نماز پڑھاؤں؟ (اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ نہ جانتا تھا کہ فجر کی دو ہی رکعتیں ہوتی ہیں اور یہ نہ جاننا ظاہر ہے اسی لئے تھا کہ انہیں ہوش نہ رہا تھا اور ان کا توازن بگڑ گیا تھا)۔

چنانچہ دو آدمیوں نے ان کے خلاف گواہی دی ایک تو حمران نے گواہی دی کہ انہوں نے شراب پی ہے، اور ایک دوسرے آدمی نے یہ گواہی دی کہ انہوں نے قے کی کوشش کرتے ہوئے انہیں دیکھا ہے، عثمان نے کہا انہوں نے قے کی کوشش اسی لئے کی ہے کہ انہوں نے شراب پی ہے، اس لئے انہوں نے کہا، علی کھڑے ہو کر ان کو کوڑے مارو! علی رضی اللہ عنہ نے (اپنے بیٹے) حسن سے کہا، اٹھ کر انہیں کوڑے مارو۔

حضرت حسن نے ان پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اس کی گرمی بھی اب اسے برداشت کرنے دے جو اس کی سردی سے فائدہ اٹھاتا رہا، یعنی ان کے بھلے دنوں اور حکومت سے مستفید ہونے والے ہی اب اس برے وقت میں بھی ان کے حوالے سے اپنی ناخوشگوار اور کڑوی ذمہ داریاں پوری کریں، حضرت عثمان وغیرہ پر تعریض تھی کہ انہوں نے جب قرابت داری یا کسی اور وجہ سے ولید کو گورنر بنایا تو اب ان کا جرم ثابت ہونے پر سزا بھی وہ خود ہی دیں، ہم کیوں دیں کہ مزوں کے لئے تو خود ہوں اور سزاؤں کے لئے پھر ہم؟

پھر حضرت علی نے عبداللہ بن جعفر کو حکم دیا تو انہوں نے کھڑے ہو کر کوڑے مارنے شروع کر دیئے اور حضرت علی کوڑے گنتے رہے۔ یہاں تک کہ جب انہوں نے چالیس کوڑے مارے تو حضرت علی نے کہا، اب رک جاؤ۔ پھر کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس کوڑے مارے ہیں، ابوبکر نے بھی چالیس ہی کوڑے مارے اور عمر نے اَسّی کوڑے مارے، لہٰذا دونوں سنت سے ثابت ہیں۔ اور مجھے یہی (چالیس کوڑے) پسند ہیں۔

حدِّ شُربِ خمر میں شوافع کا مذہب

حافظ صاحب نے بڑے واضح طور پر چالیس کوڑوں والی روایت کو ترجیح دی ہے اور ان کے صنیع سے یہ

=لگانے کا مشورہ دیا۔

قال مالك ...... ان عمر بن الخطاب استشار في الخمر يشربها الرجل فإنه إذا اشرب سكر ...... فجلد عمر في الخمر ثمانين (أوجز المسالك: ۱۵/۵۰۸)

(۲) صحيح مسلم، كتاب الحدود، باب حد الخمر، رقم: ۴۴۵۷

بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک چالیس کوڑے ہی شُربِ خَمر کی حد ہے، یہی امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب ہے جیسا کہ قسطلانی نے بھی کہا ہے اور ان کا مُستدل معمر کی متذکرہ بالا روایت ہے۔ قسطلانی کہتے ہیں:

"ومذهب الشافعي أن حدَّ الخَمرِ أربعون لِمَا سبقَ في رواية معمر، وحديث مسلم عن أنس كان النبي صلى الله عليه وسلم يضرب في الخمر بالجريد والنعال أربعين نعم للإمام أن يزيد على الأربعين قدرها إن راه، لما سبق عن عُمر وراه علي حيث قال: وهذا أحب إلي كما في مسلم"(۱).

یعنی امام شافعی کے ہاں حد خمر چالیس کوڑے ہیں جیسا کہ معمر کی روایت میں ہے، اور مسلم کی حدیث ہے جو انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شراب کی سزا جرید اور جوتوں سے چالیس ضربیں لگا کر دیتے تھے۔ ہاں! امام (خلیفہ) اگر مناسب جانے تو اس میں اضافہ بھی کر سکتے ہیں جیسا کہ حضرت عمر کے حوالے سے تفصیل آگئی ہے کہ انہوں نے اسّی کوڑے لگائے اور (ایک قول کے مطابق) حضرت علی نے بھی اسی کے متعلق فرمادیا کہ یہ مجھے زیادہ پسند ہیں۔

یعنی چالیس سے زائد کوڑے حد تو نہیں ہے البتہ میری رائے میں یہ زیادہ بہتر ہے کہ اسّی کوڑے ہوں نہ کہ چالیس، معلوم ہوا کہ یہ چالیس سے زائد کی مقدار رائے پر ہے اور امیر کا صوابدیدی عمل ہے۔

قسطلانی مذہبِ شافعی کی مزید توضیح وتوجیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"لأنه إذا شرِب سكر وإذا سكر هذي وإذا هذى افترى وحد الافتراء ثمانون"(۲).

یعنی اسّی کوڑے اس لئے ہیں کہ شراب پینے والا جب پیتا ہے تو اسے نشہ ہو جاتا ہے اور نشے والا پھر الٹی سیدھی باتیں کرتا ہے اور الٹی سیدھی باتیں کرنے والا جھوٹ بولتا ہے

(۱) إرشاد الساري: ۱۸۸/۸

(۲) إرشاد الساري: ۱۸۸/۸

اور جھوٹ کی سزا (قذفِ محصنات کی حد) اسّی کوڑے ہیں، اس لئے اسے بھی اسّی کوڑے لگنے چاہئیں۔

پھر امام شافعی کے ان دونوں اقوال - چالیس کوڑے والے اور اسّی کوڑے والے - میں تطبیق یوں بیان کی گئی ہے کہ چالیس کوڑے تو حد ہیں، جب کہ بقیہ چالیس تعزیر کے طور پر لگائے جائیں گے۔ یعنی اگر امام اس کی ضرورت محسوس کرتا ہے تو یہ بھی جاری کردے اور نہ محسوس کرے تو نہ لگوائے۔

امام شافعی کے اس قول کو قسطلانی نے ذکر کیا ہے اور فرمایا:

"وهذه الزيادة على الحدّ تعازير لا حدّ وإلا لَمَا جاز تركُه"(١). یہ زیادت جو حد پر ہے یہ تعزیر ہے نہ کہ حد، ورنہ اس کو چھوڑنا پھر جائز نہ ہوتا۔

اور نووی، امام شافعی اور دوسرے فقہائے امت کے مذاہب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"واختلف العلماء في قدر حد الخمر، فقال الشافعي وأبو ثور وداود وأهل الظاهر واخرون: حده أربعون. قال الشافعي رضى الله عنه : وللإمام أن يبلغ به ثمانين، وتكون الزيادة على الأربعين تعزيرات على تسببه في إزالة عقله، وفي تعرضه للقذف، والقتل وانواع الإيذاءِ وترك الصلاة وغيرِ ذلك ...... ونقل القاضى عن الجمهور من السلف والفقهاء منهم: مالك وأبو حنيفةَ والأوزاعيُ والثوريُ وأحمدُ واسحاقُ رحمهم الله تعالىٰ إنهم قالوا حده ثمانون، واحتجوا بأنه الذي استقر عليه إجماع الصحابة وأن فعل النبي صلى الله عليه وسلم لم يكن للتحديد ولهٰذا قال في الرواية الأولىٰ نحو أربعين"(٢).

امام نووی نے امام شافعی، ابوثور، داود ظاہری وغیرہ کے حوالے سے ایک بات تو یہ کہہ دی ہے کہ ان کے نزدیک حدِّ خمر چالیس کوڑے ہیں، دوسری بات یہ کردی کہ چالیس سے زائد کے بھی وہ قائل ہیں، مگر وہ امام کی صوابدید پر ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ حد نہیں بلکہ تعزیر ہیں۔

---

(١) إرشاد الساري: ١٨٨/٨

(٢) صحيح مسلم بحاشية النووي: ٢١٤/١١

حنفیہ اور جمہور کا مذہب

جب کہ امام ابوحنیفہ، مالک، اوزاعی، سفیان ثوری، امام احمد، امام اسحاق وغیرہ کے نزدیک اسّی کوڑے ہی حد خمر ہے، اسے قاضی عیاض نے جمہور کا قول قرار دیا ہے اور اسی کو ثابت باجماع الصحابہ کہا ہے۔ اور جہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے منقول ہے کہ آپ نے چالیس کوڑے لگائے تو یہ تحدید اور تعیین کے لئے نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ ایک روایت میں "نحو أربعين" کے الفاظ ہیں یعنی چالیس کے لگ بھگ۔

جب کہ امام شافعی وغیرہ کی دلیل یہی چالیس کی عدد کی تصریح ہے۔ اور حضرت عمر کے چالیس مزید کوڑوں کو امام شافعی اس لئے تعزیر فرماتے ہیں کہ اس کا امام کو اختیار ہے چنانچہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر سے چالیس کوڑے لگانا ہی منقول ہے اور حضرت عمر سے اسّی۔ سو نبی علیہ الصلاۃ والسلام اور حضرت ابوبکر کا یہ چالیس مزید کوڑے چھوڑنا اور عمر کا اسے اختیار کرنا اس حوالے سے امام کے اختیار اور صوابدید کی دلیل ہے۔

نووی اسی تفصیل کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"وحجة الشافعي وموافقيه، أن النبي صلى الله عليه وسلم إنَّما جلَد أربعين كما صرح به في الرواية الثانية وأما زيادة عمر فهي تعزيرات، والتعزير إلى رأي الإمام إن شاء فعَله وان شاء تركَه بحسب المصلحة في فعلِه وتركِه فرأه عمرُ ففعَله ولم يره النبيُّ صلى الله عليه وسلم ولا أبو بكر ولا عليٌّ فتركوه، وهكذا يقول الشافعي رضى الله عنه: ان الزيادة إلى رأي الإمام"(۱).

امام شافعی اور ان کی موافقت کرنے والوں کی رائے کی حجت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس کوڑے لگائے جیسا کہ دوسری روایت میں اس کی تصریح ہے، اور جہاں تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس میں اضافے کا تعلق ہے تو وہ تعزیرات میں سے ہے اور تعزیر امام کے صوابدید پر ہوتی ہے اگر وہ چاہے تو کر دے اور چاہے تو چھوڑ دے

(۱) صحیح مسلم: ۱۱/ ۲۱۵

چاہے کرنے میں مصلحت ہو یا چھوڑنے میں، چنانچہ عمر کی رائے یہ ہوئی کہ ہونی چاہیے سو انہوں نے جاری کردی اور رسول اللہ، حضرت ابوبکر اور علی کی رائے یہ ہوئی کہ نہ ہونی چاہیے سو انہوں نے ترک کردی۔ اسی طرح امام شافعی فرماتے ہیں کہ زیادت (عن الحد) امام (المسلمین) کی رائے پر ہے۔

جہاں تک تعلق ہے مذہب حنفیہ کا تو وہ جیسا کہ بیان کیا گیا ہے مکمل اسّی کوڑوں کو حد قرار دینے کا ہے اور ان میں کچھ کے حد ہونے اور بقیہ کے تعزیر ہونے کو امام ابوحنیفہ اور دوسرے ائمہ متبوعین تسلیم نہیں کرتے۔

حنفیہ کے دلائل

حنفیہ کی دلیل اجماعِ صحابہ ہے جیسا کہ یہاں قاضی عیاض اور نووی کے حوالے سے بھی کہا گیا ہے اور صاحب ہدایہ بھی کہتے ہیں:

”وحدُّ الخمرِ والسکرِ في الحرّ ثمانون سوطاً لإجماع الصحابة“(۱).

یعنی شراب اور نشے کی حد آزاد آدمی کے لئے اسّی کوڑے ہیں، اجماع صحابہ کی بناء پر۔

اس اجماع کی تفصیل یہ ہے کہ شُربِ خمر کی حد پہلے تھی چالیس کوڑے، بلکہ جوتوں، گھونسوں اور کپڑوں وغیرہ سے مارنے کو کافی سمجھا جاتا تھا پھر حضرت عمر کے زمانے میں انہوں نے چالیس کوڑے مقرر کئے اور پھر جب ان کے عہدِ خلافت کے اخیر میں اس میں لوگوں کے بکثرت مبتلا ہونے کا سلسلہ شروع ہوا تو حضرت عمر نے اَسّی کوڑے مارنا شروع کردیا اور یہ چونکہ صحابہ کے سامنے اور ان کی موجودگی میں تھا اور اس پر کسی نے اعتراض بھی نہ کیا اس لئے اسے ثابت بالاجماع قرار دیا گیا۔

امام بخاری نے سائب بن یزید کی روایت نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں:

”کنا نُؤتیٰ بالشارب علی عهدِ رسولِ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم وإمرة أبي بکر وصدراً مِن خلافةِ عمر، فنقوم إلیه بأیدِینا ونعالِنا وأر دیتِنا حتی

---

(۱) الهداية: ۱۱۶/٤

كان اخر إمرةِ عمر فجلَد أربعين حتى إذا عتوا وفسقوا جَلد ثمانين"(۱).

یعنی عہد نبوی میں ہمارے پاس شاربِ خمر کولایا جاتا تھا پھر ابوبکر کے دورِ امامت میں اور خلافتِ عمر کے کچھ ابتدائی حصے میں تو ہم اٹھ کر اسے ہاتھوں (گھونسوں)، جوتوں اور چادروں سے مارتے یہاں تک کہ جب عمر کی خلافت کا آخری دور آیا تو انہوں نے چالیس کوڑے مارے، پھر جب لوگ سرکشی اور فسق میں مبتلاء ہوئے تو انہوں نے اسّی کوڑے لگائے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

"جـلَـد ثمانين بحضرة أصحابِ رسول الله صلى الله عليه وسلم فلَم يُنكر عليه أحد منهم فحمل الإجماع"(۲).

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسّی کوڑے صحابۂ رسول کی موجودگی میں مارے اوران میں سے کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا لہٰذا اسے اجماع قرار دیا گیا۔

اسی طرح امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں:

"أن نبيَّ الله صلى الله عليه وسلم جَلَد في الخمر بالجريد والنعال ثم جـلَـد أبـو بـكـر أربعين، فلمّا كان عمرُ ودنا الناس من الرّيف والقرى، قال ما تـرون فـي جـلـد الـخمر؟ فقال عبد الرحمن بن عوف أرى أن تجعلها كأقل الحدود قال فجلَد عمر ثمانين"(۳).

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جوتوں وغیرہ سے سزا دیتے تھے پھر ابوبکر نے چالیس کوڑے مارنے شروع کردیئے اور جب سیدنا عمر کا زمانہ آیا اور لوگ دیہاتوں وغیرہ تک پھیل گئے تو انہوں (عمر) نے لوگوں سے کہا کہ حدِ خمر آپ کی رائے میں کتنی ہونی

---

(۱) صحيح البخاري، كتابُ الحدود، باب الضرب بالجريد والنعال، رقم: ٦٧٧٩

(۲) البناية شرح الهداية: ٦/٣٥٦

(۳) صحيح مسلم، كتاب الحدود، باب حد الخمر، رقم: ٤٤٥٤

چاہیے؟ اس کے جواب میں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا، سب سے کم حد کی مقدار اسّی کوڑے ہیں، سو اسّی کوڑے ہی ہوں، اور حضرت عمر نے اسّی کوڑے جاری کردیئے۔

مذہبِ شافعی پر اعتراض

امام شافعی اور ان کے ہم رائے فقہاء پر ایک اعتراض تو یہ ہوتا ہے کہ ان کے ہاں چالیس کوڑے تعزیر کے قرار دیئے جارہے ہیں جب کہ تعزیر کے متعلق امام مسلم نے باب "قدر أسواط التعزير" کے تحت ابو بردۃ الأنصاری رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

"لا يُجلَد أحدٌ فوق عشرة أسواطٍ إلا في حدٍّ من حدود الله"(۱).

یعنی حد کے علاوہ کسی کو (تعزیراً) دس سے زیادہ کوڑے نہ مارے جائیں۔

دوسرا اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ تعزیر کی مقدار تو حد سے لازمی طور پر کم ہونی چاہیے جب کہ یہاں وہ اس کے برابر ہے؟

شوافع کا جواب

اس کے جواب میں یہ کہا گیا ہے کہ یہاں چونکہ جنایتیں زیادہ ہیں اس لئے تعزیرات بھی ایک سے زیادہ ہیں، مگر یہ جواب اس لئے تسلی بخش نہیں ہے کہ اس طرح تو پھر اسّی سے زیادہ کوڑے مارنا بھی تعزیراً جائز ہونا چاہیے کیونکہ جنایتوں کی کوئی حد نہیں، حالانکہ وہ (اسّی سے زیادہ کوڑے تعزیر میں) ممنوع ہیں۔

اس لئے دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ وہ واحد حد ہے جس کی کچھ مقدار (یعنی چالیس کوڑے) تو حتمی ہے جب کہ کچھ امام کی صوابدید پر معلق ہے(۲)۔

مذہبِ حنفی کی تائید وترجیح

جب کہ مذہب حنفیہ کی ایک تو اس بات سے تائید ہوتی ہے کہ حضرت علی کا ارشاد ہے:

---

(۱) صحيح مسلم، كتاب الحدود، باب قدر اسواط التعزير، رقم: ٤٤٦٠

(۲) إرشاد الساري: ۱۸۸/۸

"ما كنتُ أقيم على أحد حداً فيموت فيه فأجد منه في نفسي إلا حدَّ الخمر لأنه إن مات وديتُه لأن رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يسنه"(۱).

"میں کسی بھی (مجرم) پر اگر حد جاری کر دوں اور وہ مر جائے تو مجھے کوئی قلق نہ ہوگا البتہ اگر شرابی کو حد کے دوران موت آجائے تو میں اس کی دیت ادا کروں گا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی کوئی حد مقرر نہیں کی ہے"۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چالیس کوڑے بطور حد مقرر ہونا ہی محل نظر ہے لہٰذا چالیس اور اسّی کوڑوں میں تطبیق کی یہ صورت تو قابل قبول نہیں ہے کہ بعض کو حد اور بعض کو تعزیر کہا جائے یا بعض کو حتمی اور بعض کو صوابدیدی قرار دیا جائے ہاں یہ تاویل اور توجیہ قرینِ قیاس ہے کہ پہلے اس کی کوئی حد مقرر نہیں تھی پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مشاورت سے اس کی مقدار متعین کر دی اور اسے اجماعِ صحابہ نے قطعی اور معتبر بھی بنا دیا۔

دوسری اس بات سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ کم سے کم حد کی مقدار اسّی کوڑے ہی ہے جیسا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے حوالے سے نقل کیا گیا لہٰذا اس سے کم سزا کو حد نہیں قرار دیا جا سکتا (۲)۔

اور تیسری بات یہ ہے کہ جہاں چالیس کوڑوں کا ذکر ہے وہ بھی دراصل اسّی ہی کوڑے تھے جیسا حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت مسلم نے نقل کی ہے:

"فجلَده بجريد تَين نحو أربعين"(۳). دو ٹہنیوں سے اس کو چالیس ضربیں لگائیں۔

اس کا اگرچہ بعض حضرات نے یہ معنی کیا ہے کہ دو جریدوں سے کچھ کچھ ضربیں مار کر چالیس کوڑے پورے کئے، تاہم ہمارے حضرات اس کا مطلب یہ بتاتے ہیں کہ دو جریدوں سے چالیس چالیس کوڑے لگائے اور دونوں کا مجموعہ اسّی تک پہنچا (۴)۔

آثار صحابہ سے مذہب حنفی کی تائید

ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں حضرت علی کا اثر نقل کیا ہے:

---

(۱) صحيح مسلم، كتاب الحدود، باب حد الخمر، رقم: ٤٤٥٨

(۲) دیکھئے، صحيح مسلم، كتاب الحدود، باب حد الخمر، رقم: ٤٤٥٤

(۳) صحيح مسلم، كتاب الحدود، باب حد الخمر، رقم: ٤٤٢٧

(٤) شرح النووي على مسلم: ١١/٢١٥.

"حدُّ النبيذ ثمانون"(١). نبیذ پینے کی حد اسّی کوڑے ہیں۔

اور حضرت عمر کے متعلق نقل کیا ہے:

"أن عمر ضرب في الخمر ثمانين"(٢). کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شراب پینے کی سزا اسّی کوڑے مار کردی۔

ابن عباس کا اثر نقل کیا ہے:

"في السكر من النبيذ ثمانون"(٣). نبیذ پینے سے نشہ ہو جائے تو اس میں اسّی کوڑے ہیں۔

شقیق الضبي سے روایت کیا ہے:

"فيه الحد يضرب ثمانين"(٤). اس میں حد ہے، جس کی مقدار اسّی کوڑے ہیں(٥)۔

٣٤٩٤ : حدّثني مُحَمَّدُ بْنُ حاتِمِ بْنِ بَزِيعٍ : حَدَّثَنَا شَاذَانُ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ الْمَاجِشُونُ ، عَنْ عُبَيْدِ ٱللهِ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنِ ٱبْنِ عُمَرَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا قَالَ : كُنَّا فِي زَمَنِ النَّبِيِّ ﷺ لَا نَعْدِلُ بِأَبِي بَكْرٍ أَحَدًا ، ثُمَّ عُمَرَ ، ثُمَّ عُثْمَانَ ، ثُمَّ نَتْرُكُ أَصْحَابَ النَّبِيِّ ﷺ لَا نُفَاضِلُ بَيْنَهُمْ . تَابَعَهُ عَبْدُ ٱللهِ ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ . [ر : ٣٤٥٥]

---

(١) مصنّف ابن ابي شيبة: ١٤/٤٣١، رقم: ٢٨٩٩٠

(٢) مصنّف ابن ابي شيبة: ١٤/٤٣٣، رقم: ٢٨٩٩٩

(٣) مصنّف ابن ابي شيبة: ١٤/٤٣٢، رقم: ٢٨٩٩٥

(٤) مصنّف ابن ابي شيبة: ١٤/٤٣٢، رقم: ٢٨٩٩٦

(٥) یہاں حنفیہ، شافعیہ اور مالکیہ کے درمیان یہ بھی ایک اختلاف ہے کہ شراب کی قے کی بنیاد پر حد جاری کی جائے گی یا نہیں حنفیہ اور شافعیہ کہتے ہیں نہیں اور مالکیہ کا کہنا ہے جاری ہوگی حدیث باب امام مالک کی دلیل ہے۔

انظر بذل المجهود: ١٢/٥٧٠

(٣٦٩٨) الحديث مر تخريجه في فضل أبي بكر بعد النبي صلى الله عليه وسلم، رقم: ٣٧٦٦

تراجم رجال

مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ

یہ محمد بن حاتم بن بزیع البصری ہیں، ان کے احوال كتاب الصلاة، باب "الصلاة إلى العنزة" کے تحت گزر چکے ہیں۔

شَاذَانُ

یہ الاسود بن عامر الشامی البغدادی ہیں۔ "شاذان" کے لقب سے ملقب ہیں، ان کے احوال كتاب الوضوء، باب "حمل العنزة مع الماء في الاستنجاء" کے تحت گزر چکے ہیں۔

عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ الْمَاجِشُونُ

ان کے احوال كتاب العلم، باب "السؤال والفُتيا عند رمي الجمار" کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔ الماجشون بضم النون بھی ہوسکتا ہے اور اس طرح یہ عبدالعزیز کی صفت ہوگی، اور بکسر النون ہوتو ابی سلمہ کی صفت ہوگی اور ویسے دونوں ہی اس سے متصف ہوئے ہیں (۲)۔

عُبَيْدِ اللّٰهِ

یہ عبیداللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن عمر العمری ہیں، ان کے احوال كتاب الوضوء، باب "التبرز في البيوت" کے تحت گزر چکے ہیں۔

نَافِع

یہ نافع مولی عبداللہ بن عمر مشہور تابعی ہیں، ان کے احوال كتاب العلم، باب "ذكر العلم والفُتيا في المسجد" کے تحت گزر چکے ہیں (۳)۔

---

(۱) كشف الباري: ٤/٥١٨

(۲) إرشاد الساري: ٨/١٨٨، وعمدة القاري: ١٥/٢٠٥

(۳) كشف الباري: ٤/٦٥١

ابْنِ عُمَرَ

یہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ صحابی رسول ہیں، ان کے احوال کتاب الإیمان، باب " الإیمان وقول النبي صلی اللہ علیه وسلم "بني الإسلام علی خمس" کے تحت گزر چکے ہیں (۱)۔

خلفائے اربعہ میں فضیلت کا مسئلہ اور حضرت علی کا مرتبہ

یہ حدیث فضائل ابی بکر میں گزر چکی ہے اور وہیں اس کی ضروری تشریح بھی آ گئی ہے، خلفاء ثلاثہ یعنی حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان کی اسی ترتیبِ ذکری کے مطابق افضلیت کا جہاں تک تعلق ہے، تو اس میں تو کوئی مسئلہ نہیں ہے اور یہ اہل سنت والجماعت کا متفقہ مؤقف ہے کہ ابوبکر افضل الصحابہ ہیں، ان کے بعد عمر اور پھر عثمان رضی اللہ عنہ اور اس حوالے سے حدیثِ باب کے علاوہ ترمذی کی بھی روایت ہے، جسے انہوں نے ''صحیح غریب'' کہا ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں: "کنا نقول ورسول اللہ حيٌّ، أبوبکر وعمر وعثمان (۲)۔ اور طبرانی کی روایت اس سے بھی زیادہ صریح ہے۔ جس کے الفاظ ہیں:

"کنا نقول: ورسول اللہ حيٌّ، أفضل هذه الأمة بعد نبیها أبوبکر وعمر وعثمان، فیسمع ذلك رسول اللہ فلا ینکره"(۳).

مگر سوال یہ ہے کہ اس ظاہری مفہوم کا بیان ہی اگر اس حدیث کا منشاء ومراد ہے تو پھر تو حضرت علی کسی شمار میں ہی نہیں ہیں، حالانکہ ان کا چوتھا مرتبہ تو اہل سنت کے ہاں مسلَّم ہے......؟ اس کے متعلق علامہ خطابی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"إنما لم یذکر ابنَ عمر علیاً لأنه أراد الشیوخَ وذوي الاسنان الذین کان رسول اللہ إذا حزبه أمرٌ شاورَهم وکان علي في زمانه حدیثَ السن ولم یُرد ابن عمر الازراء بعلي ولا تأخُّرَه ورفعَه عن الفضیلة بعد عثمان، فضله مشهور لا ینکره

(۱) کشف الباري: ۱/۶۳۷

(۲) فتح الباري: ۹/۷۲

(۳) سنن الترمذي، باب في مناقب عثمان، رقم: ۳۷۰۷

ابن عمر ولا غيره من الصحابة وإنما اختلفوا في تقديم عثمان عليه"(١).

یعنی حضرت ابن عمر راویٔ حدیث نے جو حضرت علی کا ذکر نہیں کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ ابن عمر بڑی عمر والے ان حضرات کا ذکر کرنا چاہ رہے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتے تھے اور آپ کو جب کوئی اہم مسئلہ درپیش ہوتا تو آپ ان سے مشاورت کرتے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اس وقت نوعمر تھے اور اس قابل نہ تھے کہ ان سے رائے لی جائے۔ لہٰذا حضرت علی کا نام اس لئے ترک نہیں کیا گیا کہ وہ صاحب فضیلت یا اپنے بعد والے صحابہ سے افضل نہ تھے اور نہ ابن عمر اُن کی توہین وتحقیر کرنا چاہتے تھے۔ بلکہ صرف نوعمر ہونے کی وجہ سے ان کا ذکر نہیں کیا گیا۔ ورنہ ان کی فضیلت تو مشہور ہے اس کا ابن عمر یا کوئی اور انکار نہیں کرسکتا، اختلاف اگر ہے تو وہ اس میں ہے کہ علی کیا عثمان سے بھی افضل ہیں یا عثمان افضل ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے خطابی کی اس رائے کو مسترد کیا اور فرمایا، حضرت علی کا ذکر نہ کرنے کی وجہ صرف ان کی نوعمری کو قرار دینا درست نہیں ہے، کیونکہ عمر کا افضلیت میں کوئی اثر اور دخل نہیں ہوتا اور چونکہ جمہور اہل سنت کے ہاں حضرت عثمان کے بعد حضرت علی ہی کا سب سے افضل ہونا، پھر عشرہ مبشرہ کا بقیہ تمام صحابہ سے اور اہل بدر کا دوسروں (غیرِ بدریین) سے افضل ہونا محقق اور مسلَّم ہے اس لئے وہ (جمہور اہل سنت) اس روایت کی تاویل پر متفق ہیں، چنانچہ ایک تاویل تو یہ کی گئی ہے کہ حضرت ابن عمر نے جو حضراتِ اصحاب ثلاثہ کے درمیان تفضیل کی ترتیب ذکر کی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ صحابہ تفضیل کے باب میں اجتہاد کرتے تھے تو ان تین حضرات کی فضیلت بہ ترتیبِ مذکور تو بالکل واضح ہوتی تھی، چنانچہ اسے بالجزم ذکر کیا جاتا تھا جب کہ دوسرے حضرات کا درجہ بالجزم ذکر نہیں کیا جاتا اور تنصیص اس وقت کسی کی افضلیت پر نہیں ہوئی تھی (۲)۔

اس کی تائید بزار کی ایک روایت سے ہوتی ہے جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں:

---

(١) المعجم الكبير: ٢٨٥/١٢، رقم: ١٣١٣٢

(٢) فتح الباري: ٧٢/٩

"كنا نتحدث أن أفضل أهل المدينة علي بن أبي طالب"(۱).

ہم کہا کرتے تھے کہ مدینہ والوں میں سب سے بہتر علی بن ابی طالب ہیں۔

یہاں یہ تصریح کی گئی ہے کہ یہ صحابہ کی آپس کی بات ہوتی تھی اور وہ اپنی آراء کا اظہار کرتے ہوئے یہ کہا کرتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے افضل الصحابہ ہونے کا تاثر

پھر اگر یہ کہا جائے کہ اس سے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سب سے افضل ہونا معلوم ہوتا ہے جب کہ روایتِ باب میں حضرت ابوبکر کی افضلیت مذکور ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود کے اس قول کا تعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد کے زمانے سے ہے۔ اور اس زمانے میں موجود لوگوں میں حضرت علی کے افضل ترین قرار دیئے جانے میں کوئی تشویش کی بات نہیں ہے (سوائے اس کے کہ اُن کا عثمان سے افضل ہونا لازم آئے گا اور اس کا ذکر آگے آرہا ہے)۔

بہرحال ابن عمر کی حدیثِ باب سے صحابہ میں ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کا یکے بعد دیگرے افضل الصحابہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔

رہی یہ بات کہ حضرت علی بھی تو اہل سنت کے ہاں اصحاب ثلاثہ کے بعد دوسروں سے افضل ہیں، جب کہ یہاں ان کا ذکر ہی نہیں ہے تو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اصحابِ ثلاثہ کی ترتیبِ فضیلت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایتِ باب جیسی روایات سے ثابت ہے جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا چوتھا نمبر سفینہ کی مرفوع روایت سے ثابت ہوتا ہے، جس میں "الخلافة ثلاثون سَنَة ثم تصير مُلكا" کے الفاظ آئے ہیں یعنی خلافت (راشدہ) تیس سال ہوگی پھر بادشاہت آئے گی (۲)۔

حضرت عثمان اور علی میں افضلیت کا مسئلہ

جہاں تک تعلق ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان تفاضل کا تو اس حوالے سے علامہ کرمانی نے امام شافعی اور احمد سے تفضیلِ عثمان کا قول نقل کیا ہے اور فرمایا، امام شافعی رحمہ اللہ

---

(۱) مسند البزار: ۵/۵۵، رقم: ۱۶۱۶

(۲) مسند احمد، رقم: ۲۱۹۲۸، وسنن الترمذي، باب ماجاء في الخلافة، رقم: ۲۲۲۶

نے اس کو اجماعِ صحابہ وتابعین سے ثابت شدہ قرار دیا ہے جب کہ امام مالک کا قولِ مشہور بھی یہی ہے اور پھر فرماتے ہیں:

"...... وكافةِ أئمةِ الحديث والفقه وكثير من المتكلمين".

کہ یہی تمام ائمۂ حدیث وفقہ اور بہت سارے متکلمین کا بھی مذہب ہے اور یہی ابوالحسن اشعری اور قاضی ابوبکر باقلانی کا بھی مذہب ہے، تاہم ان دونوں میں اس بات میں اختلاف ہے کہ کیا یہ تفضیلِ عثمان قطعی ہے یا ظنی؟ تو اشعری قولِ اول یعنی قطعیت کی طرف مائل ہیں جب کہ باقلانی اور امام الحرمین کا دوسرے قول (ظنیت) کی طرف میلان ہے(۱)۔

قسطلانی اس کے ظنی ہونے کے قائلین کا مذہب ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"لم يقم عندنا دليل قاطعٌ على تفضيل بعض الأئمة على بعض إذ العقل لا يدل على ذلك والأخبار الواردة في فضائلهم متعارضة ولا يمكن تلقي التفضيل ممن صنَع امامة المفضول ولكن الغالب على الظن أن أبابكر رضي الله عنه أفضل الخلائق بعد الرسول ثم عمر أفضلهم بعده وتتعارض الظنون في عثمان وعلي".

یعنی ہمارے پاس بعض ائمہ کی بعض کے مقابلے میں افضلیت کی کوئی قطعی دلیل نہیں ہے؛ کیونکہ ظاہر ہے عقل تو اس کا تقاضا اور اس پر دلالت نہیں کرتی اور اخبار اس حوالے سے متعارض ہیں، اور غالب گمان یہی ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد أفضل الخلائق ہیں، ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ افضل ہیں اور پھر عثمان رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت میں ظنون (اور آراء) مختلف اور متعارض ہیں (لہٰذا یہ امرِ ظنی ہوا)(۲)۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے روایتِ باب میں افضلیت کے سلسلے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ذکر نہ

---

(۱) إرشاد الساري: ۱۸۹/۸

(۲) إرشاد الساري: ۱۸۹/۸

کئے جانے کے متعلق مزید فرمایا کہ اصولیین "كنا نفعل" (مثبت) کے صیغے سے تو تقریر ثابت کرتے ہیں اور اس صیغے میں تو اختلاف ہے جب کہ "كنا لا نفعل" (منفی) سے تو کسی کے ہاں تقریر ثابت نہیں ہوتی اور یہاں "ثم نترك" کا "كنا لا نعدل" پر عطف ہے جس کی تقدیر یہ ہوگی "كنا نترك"۔ اور "كنا نترك"، عدمِ فعل پر دال ہونے کی وجہ سے "كنا لا نفعل" کی طرح ہے لہٰذا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ صحابہ نے بارہا اصحاب ثلاثہ کے بعد بقیہ صحابہ میں تفاضل کو چھوڑا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو دیکھ اور سن کر خاموش ہوئے لہٰذا معلوم ہوا کہ ان کے بعد کسی شخص کو بھی دوسروں سے افضل قرار دینا درست نہیں۔

یہ کہنا (کہ ترکِ تفاضل بالاستمرار سے عدم جوازِ تفاضل ثابت ہوتا ہے) اس لئے درست نہیں ہے کہ رسول اللہ کے سکوت علی استمرار الفعل سے تقریر ثابت ہوتی ہے نہ کہ سکوت علی استمرار الترک سے۔

اور اگر بالفرض ثابت بھی ہو جائے تو چونکہ وہ عملیات کے قبیل سے نہیں ہے بلکہ اعتقادیات کے قبیل سے ہے لہٰذا اس میں "ظن" کافی نہیں ہے۔ یقینی دلیل ہونی چاہیے۔ اور اگر ظنی دلیل کو بھی تسلیم کیا جائے تو پھر اس سے اَقوی دلیل اس سے معارض ہے جس کی بناء پر یہ نا قابلِ اعتبار ہے۔

اور پھر صحابہ کا یہ عمل جس کا حضرت ابن عمر نے ذکر فرمایا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی زمانے میں ہوا ہوگا لیکن اس سے یہ کیسے لازم آتا ہے کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے زمانے میں بعد میں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دوسروں سے افضلیت کا ذکر ہی نہیں آیا، ضرور آیا ہوگا خصوصاً جب کہ اس کا ذکر منقول بھی ہے۔ اور اگر ہم یہ بھی تسلیم کریں کہ ذکر نہیں آیا ہوگا تو یہ بھی مضر نہیں ہے کیوں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر اجماع ہے(۱)۔

شارحین حدیث کی ان تفصیلات سے یہ تو ضرور معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تفضیل میں بعض اہل سُنت کو تردد اور تامل ہے، یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تفضیل علیٰ عثمان کے بھی بعض اہل سنت قائل ہیں، یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی علی رضی اللہ عنہ سے افضلیت اس قطعیت سے ثابت نہیں ہے جس سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت ثابت ہے، چنانچہ علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"قلت في دعواه (اي: الكرماني) الإجماع نظر؛ لأن جماعة من

---

(۱) فتح الباري: ۷۲/۹

أهل السنة يقدمون عليا على عثمان رضى الله عنه "(١)

یعنی میں کہتا ہوں کرمانی کے دعوائے اجماع میں نظر واشکال کی گنجائش ہے کیونکہ اہل سنت ہی کی ایک جماعت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر مقدم کرتی ہے۔

تاہم یہ بات پھر بھی ذہن میں رہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ ہی افضل ہیں اور اس پر ہی اہل سنت والجماعت کا تقریباً اتفاق ہے۔

چنانچہ شارح العقیدۃ الطحاویۃ علامہ ابن ابی العز الحنفی کہتے ہیں:

"وترتيب الخلفاء الراشدين رضي الله عنهم أجمعين في الفضل كترتيبهم في الخلافة"(٢).

یعنی جو ترتیب خلافت ہے ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم میں وہی فضیلت کی بھی ترتیب ہے (۳)۔

اور آگے فرماتے ہیں:

"وقد روي عن أبي حنيفة تقديم علي على عثمان، ولكن ظاهر مذهبِه تقديم عثمان (على علي) وعلى هذا عامّة اهل السنة"(٤).

امام ابوحنیفہ سے ایک روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کی منقول ہے لیکن ظاہر مذہب ان کا بھی تقدیم عثمان کا ہے اور یہی عام اہل سنت کا مذہب ہے۔

تابعه عبدالله بن صالح

یعنی شاذان کی متابعت عبداللہ بن صالح نے بھی کی ہے اور ابن صالح سے مراد عبداللہ بن صالح الجہنی المصری ہیں جو لیث کے کاتب ہیں، جب کہ ایک قول یہ ہے کہ یہ عبداللہ ابن صالح بن مسلم العجلی الکوفی ہیں، جو

---

(١) عمدة القاري: ١٦/ ٢٠٦

(٢) شرح العقيدة الطحاوية، ص: ٤٨٥

(٣) شرح العقيدة الطحاوية، ص: ٤٨٥

کتاب الثقات کے مؤلف ہیں اور یہ دونوں امام بخاری رحمہ اللہ کے شیوخ ہیں (۱)۔

امام بخاری رحمہ اللہ کی اس تعلیق کا مقصد یہ ہے کہ شاذان کی عبدالعزیز بن ابی سلمۃ الماجشون سے روایت ثابت ہے، کیونکہ یہی روایت ابن صالح بھی عبدالعزیز بن ابی سلمہ سے روایت کرتے ہیں۔

اور شاذان کی عبدالعزیز سے روایت ثابت کرنے کی ضرورت اس لئے پڑی کہ عباس الدوی نے یہ روایت شاذان سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے:

"عن الفرج بن فضالة عن يحيى بن سعيد عن نافع".

جس سے یہ وہم پیدا ہو سکتا تھا کہ شاذان نے شاید عبدالعزیز سے روایت نہیں لی ہے، تو امام بخاری نے متابع ذکر کر کے اس کی توثیق کر دی کہ عبدالعزیز بن ابی سلمۃ سے اس حدیث کی روایت درست ہے۔

اور گویا شاذان کے اس روایت میں دو شیوخ ہیں، عبدالعزیز اور فرج بن فضالہ۔ اسماعیلی نے بھی ابو عمار، الرمادی، عثمان بن ابی شیبہ اور کئی دوسرے حضرات کے طریق سے اسود بن عامر (یعنی شاذان) سے اسے روایت کیا ہے۔ اسی طرح عبدالعزیز سے اس کے غلام ابوسلمۃ الخزامی اور حجین بن المثنی نے اسے روایت کیا ہے (۲)۔

ترجمۃ الباب سے مناسبت

حدیث اور ترجمۃ الباب میں مطابقت یوں ہے کہ حدیث سے شیخین کے بعد حضرت عثمان کی افضلیت معلوم ہوتی ہے اور باب بھی "مناقب عثمان" کا ہے (۳)۔

٣٤٩٥ : حدَّثنا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ : حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ : حَدَّثَنَا عُثْمَانُ ، هُوَ ٱبْنُ مَوْهَبٍ ، قَالَ : جَاءَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ مِصْرَ وَحَجَّ الْبَيْتَ ، فَرَأَى قَوْمًا جُلُوسًا ، فَقَالَ : مَنْ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمُ ؟ فَقَالُوا : هٰؤُلَاءِ قُرَيْشٌ ، قَالَ : فَمَنِ الشَّيْخُ فِيهِمْ ؟ قَالُوا : عَبْدُ ٱللهِ بْنُ عُمَرَ ، قَالَ : يَا ٱبْنَ

---

(۱) عمدة القاري: ٢٠٦/١٦

(۲) دیکھئے، فتح الباري: ٧٢/٩، تغليق التعليق على صحيح البخاري: ٦٧/٤

(۳) عمدة القاري: ٢٠٥/١٦

(٣٦٩٩) الحديث مرَّ تخريجه في كتاب فرض الخمس، باب إذا بعث الإمام رسولاً في حاجة أو أمره بالمقام هل يسهم له.

عُمَرَ ، إِنِّي سَائِلُكَ عَنْ شَيْءٍ فَحَدِّثْنِي ، هَلْ تَعْلَمُ أَنَّ عُثْمَانَ فَرَّ يَوْمَ أُحُدٍ ؟ قَالَ : نَعَمْ . فَقَالَ : تَعْلَمُ أَنَّهُ تَغَيَّبَ عَنْ بَدْرٍ وَلَمْ يَشْهَدْ ؟ قَالَ : نَعَمْ . قَالَ : تَعْلَمُ أَنَّهُ تَغَيَّبَ عَنْ بَيْعَةِ الرُّضْوَانِ فَلَمْ يَشْهَدْهَا ؟ قَالَ : نَعَمْ . قَالَ : اللهُ أَكْبَرُ . قَالَ ابْنُ عُمَرَ : تَعَالَ أُبَيِّنْ لَكَ ، أَمَّا فِرَارُهُ يَوْمَ أُحُدٍ ، فَأَشْهَدُ أَنَّ اللهَ عَفَا عَنْهُ وَغَفَرَ لَهُ ، وَأَمَّا تَغَيُّبُهُ عَنْ بَدْرٍ فَإِنَّهُ كَانَتْ تَحْتَهُ بِنْتُ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَكَانَتْ مَرِيضَةً ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ : (إِنَّ لَكَ أَجْرَ رَجُلٍ مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا وَسَهْمَهُ) . وَأَمَّا تَغَيُّبُهُ عَنْ بَيْعَةِ الرُّضْوَانِ ، فَلَوْ كَانَ أَحَدٌ أَعَزَّ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ عُثْمَانَ لَبَعَثَهُ مَكَانَهُ ، فَبَعَثَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عُثْمَانَ ، وَكَانَتْ بَيْعَةُ الرُّضْوَانِ بَعْدَ مَا ذَهَبَ عُثْمَانُ إِلَى مَكَّةَ ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِيَدِهِ الْيُمْنَى : (هٰذِهِ يَدُ عُثْمَانَ) . فَضَرَبَ بِهَا عَلَى يَدِهِ ، فَقَالَ : (هٰذِهِ لِعُثْمَانَ) . فَقَالَ لَهُ ابْنُ عُمَرَ : اذْهَبْ بِهَا الْآنَ مَعَكَ . [ر : ۲۹۶۲۰]

تراجم رجال

مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ

یہ موسی بن اسماعیل التبوذکی ہیں، ان کے احوال کتاب بدء الوحي، حدیث رابع کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

أَبُو عَوَانَةَ

یہ ابوعوانہ، وضاح بن عبداللہ الیشکری ہیں، ان کے احوال بھی کتاب بدء الوحی، حدیث رابع میں گزر چکے ہیں(۲)۔

عُثْمَانُ

یہ عثمان بن عبداللہ بن موہب الأعرج مولی بن تمیم البصری ہیں۔ ان کے احوال کتاب الزکاۃ، باب "وجوب الزكاة" کے تحت گزر چکے ہیں۔

---

(۱) كشف الباري: ۱/۴۳۳

(۲) كشف الباري: ۱/۴۳۴

ایک اور عثمان بن موہب بھی ہیں، جو اُن سے چھوٹے ہیں، اور انس سے روایت کرتے ہیں، ان کے راوی ہیں(۱)۔

رَجُلٌ مَنْ أَهْلِ مِصْرَ

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں میں اس آدمی کے نام سے، اس کو جواب دینے والے اور "قوم" کے ناموں سے واقف نہیں ہوسکا ہوں تاہم اس حوالے سے علاء بن عرار اور حکیم کے نام بتائے گئے ہیں اور ان ناموں کو اُقرب الی الصواب قرار دیا گیا ہے(۲)۔

"مَنِ الشیخ" کا معنی ہے من الشیخ الکبیر؟ یعنی ان میں مرجع کی حیثیت کے بڑے شیخ کون ہیں؟

سائلِ مذکور حضرت عثمان کا سخت مخالف تھا، ابن عمر نے اس کی اُمیدوں پر پانی پھیر دیا

حضرت ابن عمر نے جب سائل مذکور کو اس کے سوالات اور اعتراضات کا اثبات میں جواب دیا اور تمام اعتراضات کو ایک طرح سے تسلیم کیا تو سائل نے اللہ اکبر! کا نعرہ لگا کر اپنی خوشی اور مطلوب میں کامیابی کے خیال کا اظہار کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے سخت تعصب رکھتا تھا اور ان کے خلاف فضاء بنانے اور شرارتیں کرنے پر تُلا ہوا تھا(۳)۔

چنانچہ کتاب التفسیر میں اس سے ملتا جلتا قصہ مذکور ہے، جس میں یہ الفاظ بھی ہیں:

"فلما رأى أنه لا يوافقه فيما يريد قال: فما قولك في علي وعثمان"(٤).

یعنی جب اس آدمی کو اندازہ ہوا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اس کے مطلب کی کوئی بات نہیں کر رہے ہیں، تو اس نے دوسرا سوال داغ دیا اور اس کے جواب میں بھی حضرت ابن عمر نے عجیب جملہ ارشاد فرما کر اس کا

---

(١) فتح الباري: ٧٢/٩

(٢) فتح الباري: ٧٣/٩

(٣) فتح الباري: ٧٣/٩

(٤) كتاب التفسير، باب وقاتلوهم حتى لا تكون فتنة، رقم: ٤٦٥٠

منہ بند کردیا۔ فرمایا:

"أما عثمان فكان الله قد عفا عنه فكرهتم أن تعفوا عنه"(١).

عثمان کا معاملہ یہ ہے کہ انہیں اللہ نے تو معاف کردیا تم معاف کرنے کے لئے تیار نہیں ہو!

بظاہر یہ ایک قصہ ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آدمی کو عثمان سے تعصب تھا۔

اور یہاں بھی جو اخیر میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اذهب بها الآن معك".

اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ اُن اعتراضات اور جوابات کے ساتھ یہ تاویلات وتوجیہات بھی ملا کر جا، تاکہ تیرا مطلب پھر بھی حاصل نہ ہو اور ان اُعذار کے بعد حضرت عثمان پر تیرے اعتراضات اور میرے جوابات میں تیرے واسطے کوئی حجیت نہ رہے۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"قال له ابن عمر تهكماً به أي توجَّه بما تمسكتَ به فإنه لا ينفعك بعد ما بينتُ لك"(٢).

یعنی حضرت ابن عمر نے اس آدمی سے استہزاءً اور تہکماً کہا کہ جا! اب مذکورہ واقعات سے میرے اس بیان کے بعد تیرے لئے استدلال ممکن نہیں رہا اور گویا فرمایا تم کو ان (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) پر اعتراضات کی تصویب چاہیے تو لو میں تصویب کئے دیتا ہوں اور تم شوق سے اس سے استدلال کرو (حالانکہ اس کے لئے استدلال کی کوئی گنجائش نہ رہی تھی)۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی توجیہات

حدیث کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عمر نے شروع میں تو اس آدمی کا مقصد نہیں سمجھا تھا اور اس لئے اس کے سوالات کے جوابات بغیر کسی شرط اور قید کے دے دیئے، مگر جب اس نے اللہ اکبر کا نعرہ لگا دیا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ اس آدمی کا مقصد محض معلومات حاصل کرنا نہیں ہے بلکہ کچھ اور ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، "تعال أبيّن لك" آؤ! میں تجھے اس کی وجوہات بتلا دیتا ہوں اور پھر انہوں

(١) كتاب التفسير، باب وقاتلوهم حتى لا تكون فتنة، رقم: ٤٦٥٠

(٢) فتح الباري: ٧٤/٩، وشرح الطيبي بلفظ غير هذا ...... شرح الطيبي: ٢٥٨/١١

نے ہر اعتراض کو معقول عذر اور مناسب توجیہ کے ذریعے دفع کر دیا۔ اگر انہیں شروع سے سائل کے مقصد اور اس کی نیت کا اندازہ ہوتا تو وہ اس کے ہر اعتراض کا جواب دیتے ہوئے اس کے ساتھ عذر بھی بیان کر دیتے۔

دیکھئے حضرت ابن عمر نے کیا خوب جوابات دیئے:

جہاں تک غزوۂ احد سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فرار کے واقعہ کا تعلق ہے تو اس کے جواب میں کہا:

"فأشهد أن الله عفا عنه وغفر له". یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا اور بخش دیا۔

آپ رضی اللہ عنہ کا ارشاد اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿إن الذين تولوا منكم يوم التقى الجمعانِ إنما استزلهم الشيطان ببعض ما كسبوا ولقد عفا الله عنهم، إن الله غفور حليم﴾(۱) کی طرف ہے۔

اور رہا غزوہ بدر سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے تخلف کا معاملہ تو فرمایا، غزوہ بدر میں شرکت کرنے والوں کو ایک تو دنیوی فائدہ ہوا اور دوسرا اُخروی اجر ملا اور وہ دونوں چیزیں حضرت عثمان کو شرکت کئے بغیر ہی مل گئیں، جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"إن لك أجرَ رجل ممن شهد بدراً وسهمه". تیرے لئے بدر میں شرکت کرنے والے کسی بھی آدمی کے برابر اَجر اور اتنا ہی حصہ ہے (غنیمت میں سے)۔

حافظ نے اس حوالے سے حاکم کی ایک روایت ذکر کی ہے جو مستدرک حاکم میں منقول ہے:

یہ حماد بن سلمہ عن ہشام بن عروۃ عن أبیہ کے طریق سے روایت ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں:

"خلف النبي صلى الله عليه وسلم عثمانَ وأسامةَ بن زيد على رقية في مرضها لما خرج إلى بدر فماتت رقية حين وصل زيد بن حارثه بالبشارة، وكان عمرُ رقية لما ماتت عشرين سنة"(۲).

اب جب حضرت عثمان کا پیچھے رہ جانا اپنی کسی ساتھ ذاتی غرض، خوف یا کسی بھی دوسری کمزوری کی وجہ سے نہ تھا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت اور حکم سے آپ کی لاڈلی صاحبزادی کی خاطر تھا، تو اس میں

---

(۱) سورة آل عمران، آیت: ۱۵۵

(۲) المستدرك على الصحيحين للحاكم: ٤/٥١، رقم: ٦٨٥١

قیل وقال اور نقد وجرح کی کیا گنجائش ہے۔

رہا حضرت عثمان کا بیعۃ الرضوان میں شریک نہ ہونا تو یہ اعتراض بھی کس قدر بے بنیاد ہے؟ ایک تو یہ دیکھنا چاہیے کہ اگر وادی میں حضرت عثمان سے زیادہ معزز آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں کوئی اور ہوتا تو آپ اسے ہی بھیج دیتے مگر نہیں تھا، اس لئے انہی (عثمان) کو بھیجا، تو جو بات ان پر اعتراض کے لئے کہی گئی، اس سے اُن کی مزید فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

دوم یہ کہ اس بیعت میں اگر حضرت عثمان شریک نہ ہوئے اور ان کا ہاتھ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے دست مبارک کی طرف بیعت کے لئے نہیں بڑھا تو اس سے ان کی حیثیت گھٹی نہیں بلکہ مزید بڑھی؛ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہی دوسرا دستِ مبارک ان کی طرف سے ملایا چنانچہ خود عثمان رضی اللہ عنہ اس پر فخر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں "فشمال رسول الله صلى الله عليه وسلم خير لي من يميني" (۱). رسول اللہ کا بائیاں ہاتھ میرے اپنے دائیں ہاتھ سے میرے لئے بہتر ہے۔

اور سوم یہ کہ بیعت رضوان کی تو ضرورت ہی اس لئے پڑی تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام لے کر گئے تھے کہ اُدھر اُن کے قتل وغیرہ کی افواہ اُڑی جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لینے کے لئے بیعت لی، اب اس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے قابلِ ملامت بات کون سی ہے؟ یہ تو ان کے لئے اعزاز کی بات ہے (۲)۔

روایت کی ترجمۃ الباب سے مناسبت واضح ہے، کیونکہ یہاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مغفور، معفو عنہ اور کم سے کم معذور ہونے کا ذکر ہے (۳)۔

۳۴۹۶ : حدّثنا مُسَدَّدٌ : حَدَّثَنَا يَحْيَى ، عَنْ سَعِيدٍ ، عَنْ قَتَادَةَ : أَنَّ أَنَسًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ حَدَّثَهُمْ قَالَ : صَعِدَ النَّبِيُّ ﷺ أُحُدًا ، وَمَعَهُ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ ، فَرَجَفَ ، فَقَالَ : (اسْكُنْ

(۱) مسند البزار، مسند لعبد ابن المسيب، رقم: ۳۸۰

(۲) تفصیل کے لئے دیکھئے، فتح الباري: ۷۴/۹، وعمدة القاري: ۲۰۷/۱۶

(۳) عمدة القاري: ۲۰۶/۱۶

(۳۶۹۷) الحديث مرّ تخريجه في (۳۶۷۵)

أُحُدُ – أَظُنُّهُ : ضَرَبَهُ بِرِجْلِهِ – فَلَيْسَ عَلَيْكَ إِلَّا نَبِيٌّ ، وَصِدِّيقٌ ، وَشَهِيدَانِ) . [ر : ٣٤٧٢]

تراجم رجال

مُسَدَّدٌ

یہ مُسدَّد بن مُسرہد اَسدی ہیں، ان کے احوال کتاب الإیمان، باب "مِن الإیمان أن یحب لأخیه ما یحب لنفسه" میں گزر چکے ہیں (۱)۔

يَحْيَى

یہ یحییٰ بن سعید القطان ہیں (۲)۔

ان کے احوال بھی مختصراً "کتاب الإیمان، باب "من الإیمان أن یحب لأخیه ما یحب لنفسه" کے تحت گزر چکے ہیں (۳)۔

سَعِيدٍ

یہ سعید بن ابی عروبہ ہیں۔ ان کے احوال کتاب الغسل، باب "إذا جامع ثم عاد......" میں گزر چکے ہیں۔

قَتَادَةَ

یہ مشہور تابعی قتادۃ بن دعامہ ہیں، ان کے احوال بھی اختصار کے ساتھ کتاب الإیمان، باب "مِن الإیمان أن یحب لأخیه مایحب لنفسه" میں گزر چکے ہیں (۴)۔

أَنَس

صحابیٔ رسول حضرت انس بن مالک مراد ہیں، ان کے احوال بھی کتاب الإیمان، باب "من

(۱) كشف الباري: ۲/۲

(۲) كما يتضح من حديث رقم: ۳٦٧٥، انظر شرح القسطلاني: ۱٦٧/۸

(۳) دیکھئے، كشف الباري: ۲/۲

(٤) دیکھئے، كشف الباري: ۳/۲

الإيمان أن يحب لأخيه مايحب لنفسه" کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

اسْكُنْ أُحُدُ

"أحد" بضم الدال منادی مفرد ہے اور حرف نداء محذوف ہے۔

اُحد اور حراء دونوں پر یہ واقعہ ہوا

بعض روایات میں "أحد" کی بجائے "حراء" کا لفظ ہے اس پر فضائل ابی بکر میں ضروری گفتگو ہو چکی ہے اور اس میں یہ بات بھی آگئی ہے کہ یہ متعدد واقعات ہیں چنانچہ جہاں أحد کا ذکر ہے وہ بھی صحیح ہے اور اس میں اس واقعے کا ذکر ہے جو اُحد پہاڑی پر ہوا اور جس میں حراء کا ذکر ہے وہ بھی درست ہے اور اس میں اس واقعے کا ذکر ہے جو غار حراء کے قریب واقع ہوا اور احد والے واقعے سے ملتا جلتا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کو ذکر کیا ہے اور کئی دوسری روایات اس کی تائید میں نقل کی ہیں ایک تو امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے:

"أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان على جبل حراء فتحرك، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم "أسكن حراء فما عليك الا نبي أو صديق أو شهيد"(۲).

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جبل حراء پر تھے تو وہ حرکت کرنے لگا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، حراء ٹھہر جا کہ تجھ پر تو نبی یا صدیق یا شہید ہی ہیں۔

یہاں اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ اصحاب ثلاثہ کے علاوہ دوسرے حضرات کے ہونے کا بھی ذکر ہے جیسا کہ اسی روایت میں آگے یہ الفاظ بھی ہیں:

"وعليه النبي صلى الله عليه وسلم وأبوبكر وعمر وعثمان وعلي وطلحة والزبير وسعد بن ابي وقاص رضي الله عنهم"(۳).

---

(۱) كشف الباري: ۴/۲

(۲) صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب فضائل طلحة والزبير، رقم: ٦٢٤٨

(۳) صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب فضائل طلحة والزبير، رقم: ٦٢٤٨

یعنی ...... اور اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاص تھے۔

تاہم خطاب کے الفاظ یہی ہیں، یعنی "ما عليك إلا نبي أو صديق أو شهيد".

جب کہ مسلم ہی میں اس سے پچھلی روایت میں "فتحركت الصخرة" اور پھر "اسكن" کی بجائے "اهدأ" کا لفظ ہے اور اس میں سعد کا ذکر بھی نہیں ہے (۱)۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو امام ترمذی نے بھی نقل کیا ہے اور اس کے ایک شاہد کا بھی "وفي الباب" کے عنوان سے ذکر کیا ہے جو سعید بن زید کی روایت ہے (۲)۔

جب کہ روایتِ باب جس میں اصحاب ثلاثہ کا ذکر ہے اور پھر اُحد کا نام ہے نہ کہ حراء کا یہ بھی امام ترمذی نے اس کے متصلاً بعد ذکر کی ہے (۳)۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ یہاں دو شہیدوں کا ذکر ہے، جن سے مراد حضرت عمر اور حضرت عثمان ہیں، یہی حضرت عثمان کی فضیلت و منقبت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی حیات ہی میں انہیں شہید قرار دیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی شہادت کی خبر رسول اللہ کو بذریعۂ وحی معلوم ہوگئی تھی اور یہی پھر ان کی شہادت کی قبولیت کی بھی دلیل ہے۔ رضی اللہ عنہ وأرضاہ۔

روایت کی تقدیم وتاخیر میں نسخوں کا فرق

یہ روایت اکثر کے ہاں تو یہیں یعنی موسی بن اسماعیل کی روایت کے بعد ہے جب کہ ابوذر کے نسخے میں یہ محمد بن حاتم کی روایت سے قبل ہے۔

صحیح بخاری کا جو نسخہ متداول ہے اور ہمارے سامنے ہے، اس میں یہ محمد بن حاتم کی راویت سے قبل ہی

---

(۱) صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب فضائل طلحة والزبير، رقم: ٦٢٤٧

(۲) دیکھئے، جامع الترمذي، كتاب المناقب، باب في مناقب عثمان بن عفان، رقم: ٣٦٩٦

(۳) جامع الترمذي، كتاب المناقب، باب مناقب عثمان، رقم: ٣٦٩٧

ہے۔ اسی کو ابن حجر نے بھی اختیار کیا ہے(۱)۔ جب کہ دوسرے شُرّاحِ صحیح بخاری نے اس کو بابِ ہذا کی آخری روایت قرار دیا ہے(۲)۔

٨ - باب : قِصَّةُ الْبَيْعَةِ ، وَالِاتِّفَاقُ عَلَى عُثْمانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ .

٣٤٩٧ : حدّثنا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ : حَدَّثَنَا أَبُو عَوانَةَ ، عَنْ حُصَيْنٍ ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ قالَ : رَأَيْتُ عُمَرَ بْنَ الخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَبْلَ أَنْ يُصَابَ بِأَيَّامٍ بِالْمَدِينَةِ ، وَقَفَ عَلَى حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمانِ وَعُثْمانَ بْنِ حُنَيْفٍ قالَ : كَيْفَ فَعَلْتُما ، أَتَخَافَانِ أَنْ تَكُونَا قَدْ حَمَّلْتُما الْأَرْضَ ما لَا تُطِيقُ ؟ قالَا : حَمَّلْنَاهَا أَمْرًا هِيَ لَهُ مُطِيقَةٌ ، ما فِيهَا كَبِيرُ فَضْلٍ . قالَ : انْظُرَا أَنْ تَكُونَا حَمَّلْتُما الْأَرْضَ ما لَا تُطِيقُ ، قالَ : قالَا : لَا ، فَقالَ عُمَرُ : لَئِنْ سَلَّمَنِي اللهُ ، لَأَدَعَنَّ أَرامِلَ أَهْلِ الْعِرَاقِ لَا يَحْتَجْنَ إِلَى رَجُلٍ بَعْدِي أَبَدًا ، قالَ : فَمَا أَتَتْ عَلَيْهِ إِلَّا رَابِعَةٌ حَتَّى أُصِيبَ ، قالَ : إِنِّي لَقَائِمٌ ما بَيْنِي وَبَيْنَهُ إِلَّا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبَّاسٍ غَدَاةَ أُصِيبَ ، وَكَانَ إِذَا مَرَّ بَيْنَ الصَّفَّيْنِ قالَ : اسْتَوُوا ، حَتَّى إِذَا لَمْ يَرَ فِيهِمْ خَلَلًا تَقَدَّمَ فَكَبَّرَ ، وَرُبَّمَا قَرَأَ سُورَةَ يُوسُفَ أَوِ النَّحْلَ أَوْ نَحْوَ ذٰلِكَ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى حَتَّى يَجْتَمِعَ النَّاسُ ، فَمَا هُوَ إِلَّا أَنْ كَبَّرَ فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ : قَتَلَنِي - أَوْ أَكَلَنِي - الْكَلْبُ ، حِينَ طَعَنَهُ ، فَطَارَ الْعِلْجُ بِسِكِّينٍ ذَاتِ طَرَفَيْنِ ، لَا يَمُرُّ عَلَى أَحَدٍ يَمِينًا وَلَا شِمالًا إِلَّا طَعَنَهُ ، حَتَّى طَعَنَ ثَلَاثَةَ عَشَرَ رَجُلًا ، ماتَ مِنْهُمْ سَبْعَةٌ ، فَلَمَّا رَأَى ذٰلِكَ رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ طَرَحَ عَلَيْهِ بُرْنُسًا ، فَلَمَّا ظَنَّ الْعِلْجُ أَنَّهُ مَأْخُوذٌ نَحَرَ نَفْسَهُ ، وَتَنَاوَلَ عُمَرُ يَدَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ عَوْفٍ فَقَدَّمَهُ ، فَمَنْ يَلِي عُمَرَ فَقَدْ رَأَى الَّذِي أَرَى ، وَأَمَّا نَوَاحِي الْمَسْجِدِ فَإِنَّهُمْ لَا يَدْرُونَ ، غَيْرَ أَنَّهُمْ قَدْ فَقَدُوا صَوْتَ عُمَرَ ، وَهُمْ يَقُولُونَ : سُبْحَانَ اللهِ سُبْحَانَ اللهِ ، فَصَلَّى بِهِمْ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ

---

(١) فتح الباري: ١١/٩

(٢) إرشاد الساري: ١٩١/٨، وعمدة القاري: ٢٠٧/١٥

(٣٤٩٧) الحديث قد مرَّ تخريجه في كتاب الجنائز، باب ماجاء في قبر النبي صلى الله عليه وسلم وأبي بكر وعمر، رقم: ١٣٩٢

صَلاةً خَفِيفَةً ، فَلَمَّا انْصَرَفُوا قالَ : يَا ابْنَ عَبَّاسٍ ، انْظُرْ مَنْ قَتَلَنِي ، فَجالَ سَاعَةً ثُمَّ جاءَ ، فَقالَ : غُلَامُ المُغِيرَةِ ، قالَ : الصَّنَعُ ؟ قالَ : نَعَمْ ، قالَ : قَاتَلَهُ اللّٰهُ ، لَقَدْ أَمَرْتُ بِهِ مَعْرُوفًا ، الحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي لَمْ يَجْعَلْ مِيتَتِي بِيَدِ رَجُلٍ يَدَّعِي الْإِسْلَامَ ، قَدْ كُنْتَ أَنْتَ وَأَبُوكَ تُحِبَّانِ أَنْ تَكْثُرَ الْعُلُوجُ بِالْمَدِينَةِ – وَكانَ الْعَبَّاسُ أَكْثَرَهُمْ رَقِيقًا – فَقالَ : إِنْ شِئْتَ فَعَلْتُ ، أَيْ : إِنْ شِئْتَ قَتَلْنَا ؟ قالَ : كَذَبْتَ ، بَعْدَ ما تَكَلَّمُوا بِلِسَانِكُمْ ، وَصَلَّوْا قِبْلَتَكُمْ ، وَحَجُّوا حَجَّكُمْ . فَاحْتُمِلَ إِلَى بَيْتِهِ ، فَانْطَلَقْنَا مَعَهُ ، وَكَأَنَّ النَّاسَ لَمْ تُصِبْهُمْ مُصِيبَةٌ قَبْلَ يَوْمَئِذٍ ، فَقَائِلٌ يَقُولُ : لَا بَأْسَ ، وَقَائِلٌ يَقُولُ : أَخافُ عَلَيْهِ ، فَأُتِيَ بِنَبِيذٍ فَشَرِبَهُ ، فَخَرَجَ مِنْ جَوْفِهِ ، ثُمَّ أُتِيَ بِلَبَنٍ فَشَرِبَهُ ، فَخَرَجَ مِنْ جُرْحِهِ ، فَعَلِمُوا أَنَّهُ مَيِّتٌ ، فَدَخَلْنَا عَلَيْهِ ، وَجاءَ النَّاسُ ، فَجَعَلُوا يُثْنُونَ عَلَيْهِ ، وَجاءَ رَجُلٌ شابٌّ فَقالَ : أَبْشِرْ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ بِبُشْرَى اللّٰهِ لَكَ ، مِنْ صُحْبَةِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ ، وَقَدَمٍ فِي الْإِسْلَامِ مَا قَدْ عَلِمْتَ ، ثُمَّ وَلِيتَ فَعَدَلْتَ ، ثُمَّ شَهَادَةٌ . قالَ : وَدِدْتُ أَنَّ ذٰلِكَ كَفَافٌ لَا عَلَيَّ وَلَا لِي ، فَلَمَّا أَدْبَرَ إِذَا إِزَارُهُ يَمَسُّ الْأَرْضَ ، قالَ : رُدُّوا عَلَيَّ الْغُلَامَ ، قالَ : ابْنَ أَخِي ارْفَعْ ثَوْبَكَ ، فَإِنَّهُ أَنْقَى لِثَوْبِكَ ، وَأَتْقَى لِرَبِّكَ . يَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ ، انْظُرْ ما عَلَيَّ مِنَ الدَّيْنِ ، فَحَسَبُوهُ فَوَجَدُوهُ سِتَّةً وَثَمانِينَ أَلْفًا أَوْ نَحْوَهُ ، قالَ : إِنْ وَفَى لَه مالُ آلِ عُمَرَ فَأَدِّهِ مِنْ أَمْوَالِهِمْ ، وَإِلَّا فَسَلْ فِي بَنِي عَدِيِّ بْنِ كَعْبٍ ، فَإِنْ لَمْ تَفِ أَمْوَالُهُمْ فَسَلْ فِي قُرَيْشٍ ، وَلَا تَعْدُهُمْ إِلَى غَيْرِهِمْ ، فَأَدِّ عَنِّي هٰذَا الْمَالَ . انْطَلِقْ إِلَى عائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ ، فَقُلْ : يَقْرَأُ عَلَيْكِ عُمَرُ السَّلَامَ ، وَلَا تَقُلْ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ ، فَإِنِّي لَسْتُ الْيَوْمَ لِلْمُؤْمِنِينَ أَمِيرًا ، وَقُلْ : يَسْتَأْذِنُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ أَنْ يُدْفَنَ مَعَ صَاحِبَيْهِ . فَسَلَّمَ وَاسْتَأْذَنَ ، ثُمَّ دَخَلَ عَلَيْهَا ، فَوَجَدَهَا قاعِدَةً تَبْكِي ، فَقالَ : يَقْرَأُ عَلَيْكِ عُمَرُ بْنُ الخَطَّابِ السَّلَامَ ، وَيَسْتَأْذِنُ أَنْ يُدْفَنَ مَعَ صَاحِبَيْهِ . فَقالَتْ : كُنْتُ أُرِيدُهُ لِنَفْسِي ، وَلَأُوثِرَنَّ بِهِ الْيَوْمَ عَلَى نَفْسِي ، فَلَمَّا أَقْبَلَ ، قِيلَ : هٰذَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ قَدْ جاءَ ، قالَ : ارْفَعُونِي ، فَأَسْنَدَهُ رَجُلٌ إِلَيْهِ ، فَقالَ : ما لَدَيْكَ ؟ قالَ : الَّذِي تُحِبُّ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ أَذِنَتْ ، قالَ : الحَمْدُ لِلّٰهِ ، ما كانَ مِنْ شَيْءٍ أَهَمَّ إِلَيَّ مِنْ ذٰلِكَ ، فَإِذَا أَنَا قَضَيْتُ فَاحْمِلُونِي ، ثُمَّ سَلِّمْ ، فَقُلْ :

يَسْتَأْذِنُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ ، فَإِنْ أَذِنَتْ لِي فَأَدْخِلُونِي ، وَإِنْ رَدَّتْنِي رُدُّونِي إِلَى مَقَابِرِ الْمُسْلِمِينَ .

وَجَاءَتْ أُمُّ الْمُؤْمِنِينَ حَفْصَةُ وَالنِّسَاءُ تَسِيرُ مَعَهَا ، فَلَمَّا رَأَيْنَاهَا قُمْنَا ، فَوَلَجَتْ عَلَيْهِ ، فَبَكَتْ عِنْدَهُ سَاعَةً ، وَاسْتَأْذَنَ الرِّجَالُ ، فَوَلَجَتْ دَاخِلاً لَهُمْ ، فَسَمِعْنَا بُكَاءَهَا مِنَ الدَّاخِلِ ، فَقَالُوا : أَوْصِ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ اسْتَخْلِفْ ، قَالَ : مَا أَجِدُ أَحَدًا أَحَقَّ بِهٰذَا الْأَمْرِ مِنْ هٰؤُلَاءِ النَّفَرِ ، أَوِ الرَّهْطِ ، الَّذِينَ تُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَهُوَ عَنْهُمْ رَاضٍ ، فَسَمَّى عَلِيًّا وَعُثْمَانَ وَالزُّبَيْرَ وَطَلْحَةَ وَسَعْدًا وَعَبْدَ الرَّحْمٰنِ ، وَقَالَ : يَشْهَدُكُمْ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ ، وَلَيْسَ لَهُ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ - كَهَيْئَةِ التَّعْزِيَةِ لَهُ - فَإِنْ أَصَابَتِ الْإِمْرَةُ سَعْدًا فَهُوَ ذَاكَ ، وَإِلَّا فَلْيَسْتَعِنْ بِهِ أَيُّكُمْ مَا أُمِّرَ ، فَإِنِّي لَمْ أَعْزِلْهُ عَنْ عَجْزٍ وَلَا خِيَانَةٍ .

وَقَالَ : أُوصِي الْخَلِيفَةَ مِنْ بَعْدِي ، بِالْمُهَاجِرِينَ الْأَوَّلِينَ ، أَنْ يَعْرِفَ لَهُمْ حَقَّهُمْ ، وَيَحْفَظَ لَهُمْ حُرْمَتَهُمْ ، وَأُوصِيهِ بِالْأَنْصَارِ خَيْرًا ، الَّذِينَ تَبَوَّؤُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ ، أَنْ يُقْبَلَ مِنْ مُحْسِنِهِمْ ، وَأَنْ يُعْفَى عَنْ مُسِيئِهِمْ ، وَأُوصِيهِ بِأَهْلِ الْأَمْصَارِ خَيْرًا ، فَإِنَّهُمْ رِدْءُ الْإِسْلَامِ ، وَجُبَاةُ الْمَالِ ، وَغَيْظُ الْعَدُوِّ ، وَأَنْ لَا يُؤْخَذَ مِنْهُمْ إِلَّا فَضْلُهُمْ عَنْ رِضَاهُمْ . وَأُوصِيهِ بِالْأَعْرَابِ خَيْرًا ، فَإِنَّهُمْ أَصْلُ الْعَرَبِ ، وَمَادَّةُ الْإِسْلَامِ ، أَنْ يُؤْخَذَ مِنْ حَوَاشِي أَمْوَالِهِمْ ، وَيُرَدَّ عَلَى فُقَرَائِهِمْ ، وَأُوصِيهِ بِذِمَّةِ اللهِ تَعَالَى ، وَذِمَّةِ رَسُولِهِ ﷺ أَنْ يُوفَى لَهُمْ بِعَهْدِهِمْ ، وَأَنْ يُقَاتَلَ مِنْ وَرَائِهِمْ ، وَلَا يُكَلَّفُوا إِلَّا طَاقَتَهُمْ .

فَلَمَّا قُبِضَ خَرَجْنَا بِهِ ، فَانْطَلَقْنَا نَمْشِي ، فَسَلَّمَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ قَالَ : يَسْتَأْذِنُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ ، قَالَتْ : أَدْخِلُوهُ ، فَأُدْخِلَ ، فَوُضِعَ هُنَالِكَ مَعَ صَاحِبَيْهِ ، فَلَمَّا فُرِغَ مِنْ دَفْنِهِ اجْتَمَعَ هٰؤُلَاءِ الرَّهْطُ ، فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ : اجْعَلُوا أَمْرَكُمْ إِلَى ثَلَاثَةٍ مِنْكُمْ ، فَقَالَ الزُّبَيْرُ : قَدْ جَعَلْتُ أَمْرِي إِلَى عَلِيٍّ ، فَقَالَ طَلْحَةُ : قَدْ جَعَلْتُ أَمْرِي إِلَى عُثْمَانَ ، وَقَالَ سَعْدٌ : قَدْ جَعَلْتُ أَمْرِي إِلَى عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ . فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ : أَيُّكُمَا تَبَرَّأَ مِنْ هٰذَا الْأَمْرِ ، فَنَجْعَلُهُ إِلَيْهِ وَاللهُ عَلَيْهِ وَالْإِسْلَامُ ، لَيَنْظُرَنَّ أَفْضَلَهُمْ فِي نَفْسِهِ ؟ فَأُسْكِتَ الشَّيْخَانِ ، فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ : أَفَتَجْعَلُونَهُ

إِلَيَّ وَٱللهُ عَلَيَّ أَنْ لَا آلُو عَنْ أَفْضَلِكُمْ ؟ قالَا : نَعَمْ ، فَأَخَذَ بِيَدِ أَحَدِهِما فَقَالَ : لَكَ قَرَابَةٌ مِنْ رَسُولِ ٱللهِ ﷺ وَٱلْقَدَمُ في ٱلْإِسْلَامِ ما قَدْ عَلِمْتَ ، فَاللهُ عَلَيْكَ لَئِنْ أَمَّرْتُكَ لَتَعْدِلَنَّ وَلَئِنْ أَمَّرْتُ عُثْمانَ لَتَسْمَعَنَّ وَلَتُطِيعَنَّ ، ثمَّ خَلَا بِالآخَرِ فَقَالَ لَهُ مِثْلَ ذٰلِكَ ، فَلَمَّا أَخَذَ المِيثَاقَ قالَ : ٱرْفَعْ يَدَكَ يَا عُثْمانُ ، فَبَايَعَهُ ، فَبَايَعَ لَهُ عَلِيٌّ ، وَوَلَجَ أَهْلُ ٱلدَّارِ فَبَايَعُوهُ . [ر : ١٣٢٨]

تراجم رجال

مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ

یہ موسیٰ بن اسماعیل التبوذ کی ہیں، ان کے احوال کتاب بدء الوحي کی چوتھی حدیث کے تحت گزر چکے ہیں (۱)۔

أَبُو عَوَانَةَ

یہ ابوعوانہ وضاح بن عبداللہ الیشکری ہیں، ان کے احوال بھی کتاب بدء الوحی، کی چوتھی حدیث میں گزر چکے ہیں (۲)۔

حُصَيْنٍ

یہ حصین بن عبدالرحمٰن الکوفی ہیں، ان کے احوال کتاب مواقیت الصلاۃ باب "الأذان بعد ذهاب الوقت" کے تحت گزر چکے ہیں۔

عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ

یہ عمرو بن میمون الأزدي ابویحیٰ الکوفی ہیں، ان کے احوال کتاب الوضوء، باب "إذا ألقي على ظهر المصلي قذرٌ أو جيفة لم تفسد عليه صلاته" کے تحت گزر چکے ہیں۔

مقصدِ ترجمہ

"باب قصة البيعة" کا مطلب یہ ہے کہ اس باب میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعتِ خلافت اور

---

(۱) كشف الباري: ۱/۴۳۳

(۲) كشف الباري: ۱/۴۳۴

صحابہ کرام کے اس پر اتفاق کا ذکر ہے۔

اور سرخسی کے نسخے میں "مقتل عمر بن الخطاب" کا بھی اضافہ ہے۔ اور ظاہر ہے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا یہاں تفصیلی ذکر ہے تو باب میں ان کا تذکرہ بھی مناسب ہے۔

"بیعۃ" کا معنی ہے معاقدہ اور معاہدۂ خلافت۔ اس معاہدے کو بیعت اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں فریقین میں سے ہر ایک اپنا آپ دوسرے کو فروخت کرتا ہے۔ علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"فإن كلَّ واحد منهما باعَ ما عنده مِن صاحبه وأعطاه خالصة نفسه وطاعته ودخيلةَ أمره"(۱).

کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک نے دوسرے کو وہ سب بیچ دیا جو اُس کے پاس ہے اور اس کو خالص جان اور طاعت گزاری اور معاملے میں دخل کا اختیار سپرد کر دیا۔

حدیث اور باب میں مطابقت بھی ظاہر ہے۔

رَأَيْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَبْلَ أَنْ يُصَابَ بِأَيَّامٍ

یعنی قتل اور شہید کئے جانے سے چند دن قبل میں نے ان کو دیکھا۔

حضرت عمر پر حملہ کس تاریخ کو ہوا؟

آگے ارشاد "فما أتت عليه إلا رابعة" سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رؤیت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت بلکہ ان پر حملے سے چار روز پہلے کی بات ہے، اور حملے کی تاریخ بعض حضرات نے ۲۶ ذوالحجہ ۲۳ ہجری بتائی ہے اور ۲۴ ہجری محرم سے پہلے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بن جانے کا کہا ہے (۲)۔

جب کہ دوسرا قول یکم محرم کو ان کی شہادت واقع ہونے کا ہے۔

طبری رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں ۲۳، ۲۴، ۲۵ ذی الحجہ کو مارے جانے کے مختلف اقوال ذکر کئے ہیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے متعلق بھی ۲۹ ذی الحجہ، ۳ محرم، ۴ محرم وغیرہ کے مختلف اقوال ذکر

(۱) عمدة القاري: ۱۶/۲۰۷

(۲) عمدة القاري: ۱۶/۲۱۰، تاريخ الطبري: ۲/۵۶۰

کئے ہیں (۱)۔

اکثر حضرات نے محرم سے قبل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بن چکنے کا لکھا ہے اور اسے راجح کہا ہے (۲)۔

ابو لُؤلؤة

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جس بدبخت نے قتل کیا تھا، اس کا نام فیروز اور کنیت ابولؤلؤ ۃ تھی، یہ حضرت مغیرۃ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا غلام تھا، اس کا تعلق نہاوند سے تھا اور اکثر حضرات نے اسے مجوسی قرار دیا ہے جب کہ بعض سے نصرانی ہونے کا قول بھی منقول ہے۔

ابولؤلوہ کی مدینہ آمد اور حضرت عمر پر حملے کا قصہ

عجیب بات یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اسلام کی اشاعت اور اسلامی فتوحات جس برق رفتاری سے ہوئی وہ جہاں اسلام کی زرین تاریخ کا حصہ ہے وہاں سیدنا فاروق اعظم کی کامیاب تدبیر، فراست اور بصیرت کی بھی واضح دلیل ہے، حضرت عمر اپنی اس فراست اور دوراندیشی کی بدولت مدینۃ الرسول (علی صاحبہا الصلوات والتسلیمات) میں ان مفتوحہ علاقوں میں اسلامی فوجوں کے ہاتھوں گرفتار کئے گئے غیر مسلم قیدیوں کو لانے کی سخت مخالفت کرتے تھے اور ان کی مدینہ میں موجودگی کے حق میں بالکل بھی نہ تھے، مگر دوسرے بعض حضرات اس معاملے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مخالفت کرتے تھے اور مدینہ منورہ میں ان لوگوں کے آنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے، ان حضرات میں حضرت عباس اور ان کے صاحبزادے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے غلام بھی زیادہ ہوتے تھے۔

ادھر حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ جو کوفہ کے گورنر تھے، انہوں نے ابولؤلؤہ نامی اس غلام کے لئے حضرت عمر کو لکھا کہ انہیں مدینہ میں آنے دیا جائے، کیونکہ یہ بڑا زبردست کاریگر اور ماہر کارپینٹر ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مغیرہ بن شعبہ جیسے ذمہ دار اور ممتاز صحابی کی بات ماننا پڑی اور ابولؤلؤہ کو اجازت مل گئی، اس نے یہاں آکر اپنا کام شروع کردیا، حضرت مغیرہ بن شعبہ اس سے یومیہ چار درہم یعنی مہینے کے ۱۲۰ درہم محصول لیا کرتا تھا،

(۱) تاريخ الطبري: ۲/۵۶۰، ۵۶۱

(۲) دیکھئے، طبقات ابن سعد: ۳/۳۳۲-۳۵۰

ابولؤلؤہ اس پر راضی نہیں تھا اور ابن سعد نے نقل کیا ہے:

"كـان خبيثاً إذا نظر إلى السبي الصغار يأتي فيمسح رُؤوسَهم ويبكي ويقول: إن العرب أكلت كبدي"(١).

وہ بڑا خبیث آدمی تھا اور جہاں کہیں چھوٹی عمر کے غلاموں کو دیکھتا آ کران کے سروں پر ہاتھ پھیرتا اور روتا ہوا کہتا، عربوں نے میرا جگر کھالیا۔

ایک دن اس نے امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بازار کا دورہ کرتے ہوئے دیکھا تو آ کر کہا، میرا آقا حضرت مغیرہ مجھ سے ناقابل برداشت حد تک ٹیکس لیتا ہے، عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، کتنا لیتا ہے؟ اس نے کہا، چار درہم یومیہ! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، تم کام کیا کرتے ہو؟ کہا چکیاں بناتا ہوں، ابن سعد کہتے ہیں، "وسكتَ عن سائر أعماله"(٢). اپنے دوسرے کام نہیں بتائے۔

جب کہ ابن کثیر فرماتے ہیں:

"كـان المغيرةُ قد ضرب عليه في كل يوم درهمَين، ثم سأل من عمر أن يـزيـد فـي خـراجه فإنه نجّار، نقّاش، حدّاد فزاد في خراجه إلى ستمأة في كل شهر"(٣).

حضرت مغیرہ نے اس پر دو درہم یومیہ خراج رکھا تھا، پھر اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا، اس میں اضافہ کردے کیونکہ وہ بڑھئی بھی ہے، رنگریز بھی اور لوہار بھی، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے خراج میں چھ سو درہم تک اضافہ کیا۔

اکثر حضرات نے پہلے قول (یعنی ۱۲۰ درہم ماہانہ) کو ذکر کیا ہے اور یہی درست معلوم ہوتا ہے، ابن سعد کی روایت میں اس کے بعد یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا، تم چکی کتنے میں بنا لیتے ہو؟ اس نے بتادیا، فرمایا، کتنے میں بیچتے ہو؟ اس نے وہ بھی بتادیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

---

(١) الطبقات الكبرى لابن سعد: ٣٤٧/٣

(٢) طبقات ابن سعد: ٣٤٧/٣

(٣) البداية والنهاية: ١٣٣/٧

"لقد كلّفك يسيراً، انطلق فأعط مولاك ما سألكَ"(١).

''یہ زیادہ نہیں ہے جا اور تیرا آقا تجھ سے جو مانگے، اسے دو''۔

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا، میرے لئے چکی نہیں بناؤ گے؟ اس نے کہا:

"بلى أجعل لك رحى يَحدث بها الأمصار"(٢).

ضرور! میں تمہارے لئے تو ایسی چکی بناؤں گا کہ ملکوں میں لوگ اس کا تذکرہ کریں گے''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کا مطلب سمجھ گئے، آپ کے ہمراہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے، آپ نے ان سے کہا، آپ کیا سمجھتے ہیں، اس کا کیا ارادہ ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا، امیر المؤمنین! اس نے آپ کو دھمکی دی ہے! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

"يكفيناه الله، قد ظننتُ أنه يريد بكلمة غوراً"(٣).

اللہ ہی اس سے ہمیں بچائے گا، میرا گمان بھی یہ تھا کہ اس بات سے اس کا کوئی گہرا مطلب ہے''۔

ابن سعد نافع کی روایت نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں:

عبدالرحمٰن بن عوف نے جب وہ چھری دیکھی جس سے حضرت عمر کو شہید کیا گیا تھا، تو فرمایا، یہ چھری تو میں نے کل ہُرمزان اور جُفینہ کے پاس دیکھی تھی اور میں نے ان سے پوچھا، تم اس پہ کیا کرتے ہو؟ تو انہوں نے کہا، ہم اس سے گوشت کاٹتے ہیں، کیونکہ ہم لوگ گوشت کو ہاتھ نہیں لگاتے!

عبیداللہ بن عمر کا شدید ردعمل

عبیداللہ بن عمر نے یہ بات سنی، تو کہا، "أنتَ رأيتَها معهما؟" تو نے سچ مچ اسے ان کے پاس دیکھا

---

(١) طبقات ابن سعد: ٣٤٧/٣

(٢) طبقات ابن سعد: ٣٤٧/٣

(٣) طبقات ابن سعد: ٣٤٧/٣

ہے؟انہوں نے کہا، جی دیکھا ہے۔عبیداللہ نے تلوار لی اور جا کر ان دونوں کو قتل کر دیا(۱)۔

ایک اور روایت انہوں نے سعید بن المسیب رحمہ اللہ سے نقل کی ہے، جس میں عبدالرحمن ابن أبی بکر رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے، وہ فرماتے ہیں: ابولؤلؤۃ پر میرا گزر ہوا، اس کے ساتھ جُفینہ اور ہرمزان بھی تھے اور کھڑے کوئی راز و نیاز میں بات کر رہے تھے، میں اچانک آ گیا تو وہ گھبرا گئے اور ان سے ایک خنجر گرا جس کے دو سرے تھے اور دستہ درمیان میں تھا، لہٰذا تم ذرا یہ خنجر دیکھو، جس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا ہے؟ انہوں نے دیکھا، تو وہ اسی طرح کا تھا جس طرح عبدالرحمن بن ابی بکر نے بتایا تھا، اسے سن کر عبیداللہ بن عمر تلوار لے کر اٹھے اور ہرمزان کے پاس پہنچے، اسے باہر نکالا اور فرمایا، چلو میرا ایک گھوڑا ہے، اسے دیکھ لیتے ہیں!

جب دونوں روانہ ہوئے تو راستے میں عبیداللہ بن عمر نے ان پر تلوار اٹھائی، عبیداللہ کہتے ہیں جب اسے تلوار یوں نظر آئی تو کہا، لآ الٰہ إلا اللہ۔

کہتے ہیں پھر میں نے جُفینہ کو بلایا، جو حیرہ کا نصرانی تھا، سعد بن ابی وقاص کا سوتیلا باپ تھا اور ان کے ساتھ کسی معاملہ کی غرض سے مدینہ منورہ آیا تھا۔عبیداللہ بن عُمر کہتے ہیں جب میں نے اس پر تلوار اٹھائی تو اس نے اپنی آنکھوں کے سامنے صلیب کی نشانی بنائی، پھر عبیداللہ نے جا کر ابولؤلؤۃ کی بیٹی کو قتل کر دیا اور آگے کہتے ہیں:

"وأراد عبيدُ الله أن لا يترك سبياً بالمدينة إلا قتلَه"(۲).

عبیداللہ نے ارادہ کیا کہ مدینہ میں جتنے قیدی (غلام) ہیں سب کو قتل کر دیں گے۔

عبیداللہ کا غصہ بجا تھا، کیونکہ ان کے والد گرامی نے پہلے ہی خدشہ ظاہر کیا تھا کہ یہ لوگ کچھ بھی کر سکتے ہیں، چنانچہ حدیث باب میں سیدنا عمر کے وہ الفاظ موجود ہیں جن سے انہوں نے عبداللہ بن عباس کو خطاب کیا:

"قد كنتَ أنت وأبوك تحبان أن تكثر العلوج بالمدينة"(۳). تم اور تمہارے والد (عباس) مدینہ میں گنواروں کی کثرت پسند کرتے تھے۔

عُلُوج، عِلْج کی جمع ہے اکھڑ، خشک مزاج اور گنوار کو کہتے ہیں، مراد اساریٰ (جمعِ اسیر) ہیں، دوسری

---

(۱) طبقات ابن سعد: ۳/۳۵۰

(۲) طبقات ابن سعد: ۳/۳۵٦

(۳) حديث باب......

جگہ ان کے الفاظ ہیں (حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا):

"هـذا عَـمـلُ أصحـابِك، كـنتُ أريد أن لا يدخلها علج من السبي فغلبتموني على أن غُلِبتُ على عقلي"(۱).

یعنی یہ تیرے لوگوں کا عمل ہے، میں تو چاہتا تھا کہ مدینہ میں کوئی گنوار غلام داخل نہ ہو مگر تم (اس پر صبر کر کے) مجھ پر غالب آگئے اور میں اپنی عقل پر غالب آ گیا (اور میری عقل مغلوب ہوگئی، تو میں بھی خاموش ہوا)۔

اور ایک جگہ یہ الفاظ ہیں:

"ألم أقل لكم لا تجلبوا علينا من العلوج أحدا؟ فغلبتموني"(۲).

اور ایک جگہ یہ الفاظ ہیں:

"قد نهيتكم أن تجلبوا علينا من علوجهم أحداً فعصيتموني"(۳).

عبیداللہ بن عمر نے اپنے والد ماجد کی انہیں خدشات کے اظہار اور اس پر عمل درآمد نہ ہونے کے باعث شدید غصے اور سخت ردعمل کا اظہار کیا اور سارے غلاموں کو ختم کرنے کا ارادہ کیا، اس پر حضرت عثمان اور دیگر صحابہ نے ان کی گرفت کی، سختی سے انہیں معاہدین کو مارنے سے روکا اور انہیں قید تک کرنے کی روایات ہیں بلکہ قصاصاً انہیں قتل کرنے کی بھی بات ہوئی، مگر عبدالرحمن بن عوف نے اس میں کردار ادا کیا اور اسے رفع دفع کیا (۴)۔

حضرت عمر کی دعا

ابن سعد نے سعید بن المسیب سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر نے (دورانِ حج) منیٰ میں ایک ٹیلے پر آ کر پڑاؤ ڈالا اور چت لیٹ کر آسمان کی طرف اپنے ہاتھ اٹھائے اور پھر یہ دعا فرمائی:

"اللّٰهم كبُرت سِنّي وضعفت توقي، وانتشرت رعيتي فاقبضني إليك

---

(۱) طبقات ابن سعد: ۳/۳۵۲

(۲) طبقات ابن سعد: ۳/۳۴۹

(۳) طبقات ابن سعد: ۳/۳۵۰

(۴) طبقات ابن سعد: ۳/۳۵۲

غير مضيع ولا مفرّط"(۱).

اے اللہ! میری عمر زیادہ ہوگئی اور قوت کم، اور رعایا میری پھیل گئی ہے سو مجھے اپنے پاس اس حال میں بلا لیجئے کہ نہ تو میں ضیاع کا مرتکب ہوں اور نہ زیادتی کا"۔

دوسری جگہ یہ الفاظ ہیں:

"كبُرت سِنّي ورقَّ عظمي وخشيتُ الانتشار من رعيتي فاقبض إليك غير عاجز ولا ملوم"(۲).

یعنی میری عمر بڑھ گئی اور ہڈیاں کمزور ہوئیں اور مجھے اپنی رعایا کے منتشر ہونے کا خدشہ ہے سو مجھے اپنے پاس بلایئے ایسا کہ نہ میں عاجز و ناتواں ہو کر مروں اور نہ قابلِ ملامت۔

یہ اس حج کی بات ہے جو انہوں نے اسی ذی الحجہ میں ادا کیا تھا، جس کے اخیر میں ان کی شہادت ہوئی۔

دوسری روایت سعید بن ابی ہلال سے نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جمعے کا خطبہ ارشاد فرمایا اور اس میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد کہا:

"أما بعد! يا ايها الناس إني أريتُ رؤيا لا أراها إلا لحضور أجلي، رأيتُ أن ديكاً أحمر نقرني نقرتين فحدثتها اسماء بنت عميس فحدثتني أنه يقتلني رجل من الأعاجم"(۳).

"فرمایا، لوگو! میں نے ایک خواب دیکھا ہے جس کا مطلب یہی ہے کہ میری موت کا وقت مقرر آپہنچا ہے، میں نے ایک سرخ مرغ دیکھا ہے جس نے مجھے دو ٹھونگے مارے ہیں، میں نے یہ خواب اسماء بنت عمیس کو سنایا، تو اس نے کہا، مجھے ایک عجمی مرد قتل کرے گا"۔

---

(۱) الطبقات الكبرى لابن سعد: ۳۳٤/۳

(۲) طبقات ابن سعد: ۳۳۵/۳

(۳) طبقات ابن سعد: ۳۳۵/۳

کعب احبار کی پیش گوئی

ایک اور واقعہ یہ پیش آیا کہ وفات سے تین دن قبل حضرت کعب احبار نے ان (عمر) سے کہا کہ آپ تین دن میں وفات پا جائیں گے، پھر دوسرے دن آیا اور کہا دو دن رہ گئے، تیسرے دن آیا اور کہا ایک دن رہ گیا اور پھر اگلے روز ان کی شہادت واقع ہوئی۔ یہ واقعہ مختلف روایات میں مختلف الفاظ کے ساتھ منقول ہے۔ ابن سعد نے ایک جگہ یوں ذکر کیا ہے:

"أن عمر بن الخطاب دعا أمَّ كلثوم بنت علي بن ابی طالب، وكانت تحته فوجدَها تبكي فقال: ما يبكيكِ؟ فقالت: يا اميرَ المؤمنين! هذا اليهودي تعني كعب الاحبار، يقول: إنك على باب من ابواب جهنم، فقال عمر: ما شاء الله، والله إني لأرجو أن يكون ربي خلقني سعيداً، ثم أرسل إلى كعب فدعاه، فلما جاء ه كعب قال: يا اميرَ المؤمنين! لا تعجل علي، والذي نفسي بيده لاينسلخ ذوالحج حتى تدخل الجنة، فقال عمر: أي شيء هذا؟ مرة في الجنة ومرة في النار. فقال يا امير المؤمنين والذي نفسي بيده إنا لنجدك في كتاب الله على باب من أبوابِ جهنم تمنع الناسَ أن يقعوا فيها فإذا متَّ لم يزالوا يقتحمون فيها إلى يوم القيامة" (۱).

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی اہلیہ ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب کو بلایا تو دیکھا کہ وہ رو رہی ہیں پوچھا کیوں رو رہی ہو؟ اس نے کہا، امیر المومنین! یہ یہودی یعنی کعب احبار کہتا ہے کہ آپ (عمر) جہنم کے ایک دروازے پر ہو۔ عمر نے کہا، جو اللہ کو منظور ہو۔ البتہ میں امید رکھتا ہوں کہ میرے رب نے مجھ سعادت مند پیدا کیا ہے، پھر انہوں نے کعب کو بلوایا، جب وہ آئے تو کہنے لگے، امیر المؤمنین! میرے حوالے سے جلد بازی نہ کریں قسم ہے خدا کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، کہ ذوالحجہ جیسے ہی ختم ہوگا آپ

---

(۱) طبقات ابن سعد: ۳۳۲/۳

جنت میں داخل ہوئے ہوں گے، عمر نے کہا، یہ کیا ہے کہ کبھی جنت میں اور کبھی آگ میں؟
انہوں نے کہا، امیر المؤمنین! قسم ہے خدا کی! ہم اللہ کی کتاب میں آپ کو جہنم کے ایک دروازے پر کھڑا لوگوں کو اس سے روکتا ہوا دیکھتے ہیں اور جب آپ کو موت آتی ہے تو پھر وہ مسلسل اس میں داخل ہوتے ہیں قیامت کے روز تک۔

حضرت حذیفہ اور عثمان بن حنیف سے گفتگو

حضرت حذیفۃ بن الیمان اور حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر فاروق نے ارض عراق بھیجا، جہاں انہیں اسلام کے زیرنگین آنے والی زمین پر خراج مقرر کرنے اور یہاں کے لوگوں پر جزیہ مقرر کرنے کا حکم دیا تھا، چنانچہ یہاں اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان دونوں حضرات سے پوچھ رہے ہیں کہ کیا آپ حضرات نے جو جزیہ اور خراج مقرر کیا ہے، اس حوالے سے آپ کو کوئی خدشہ اور مسئلہ تو نہیں ہے۔

"کیف فعلتما" کا معنی یہ ہے کہ جو تم دونوں نے سواد عراق کی پیائش کی ذمہ داری لی تھی، اس کا کیا ہوا کیا پیائش ہوگئی؟

لوگوں پر زیادہ ٹیکس مقرر کرنے کا حضرت عمر کو خدشہ

أَتَخَافَانِ أَنْ تَكُونَا قَدْ حَمَّلْتُمَا الْأَرْض...... "أن تكونا" بتاویل "مِن کونِکُما" ہے۔ اور "مـالا تُـطيـق" حَـمـلـتـمـا کے لئے مفعول ثانی ہے یعنی کیا تم کو یہ خوف وخدشہ ہے کہ مذکورہ زمین اور اس کے باشندوں پر تم نے اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈال دیا ہے؟

انہوں نے کہا، نہیں، اتنا بوجھ ڈالا ہے جس کا وہ تحمل کر سکتے ہیں۔

ابن ابی شیبہ نے محمد بن فضیل عن حصین سے اسی سند کے ساتھ یہ الفاظ نقل کئے ہیں:

"فـقـال حُـذيفة لو شئتُ لأضعفتُ أرضي، وقال عثمان: لقد حمَّلتُ أرضـي أمـرا هـي لـه مطيقة، وما فيها كبير فضل، فقال: أنظرا ما لدَيكما: إن تكونا حملتما الأرض ما لا تطيق"(١).

---

(١) مصنَّف ابن ابي شيبة: ٢/٥٨٧

"أضعفت أرضي" کا معنی ہے "جعلت خراجها ضعفين" یعنی میں اس کا خراج دوگنا کردیتا۔

اور ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں:

"ان عمر قال لعثمان بن حنيف: لئن زدت على كل رأس درهمين وعلى كل جريب درهما وقفيزا من طعام لأطاقوا ذلك؟ قال: نعم"(۱).

یعنی اگر ان میں سے ہر فرد پر دو درہم اور ہر جریب پر ایک درہم اور ایک قفیز طعام کا زیادہ کیا جائے تو کیا ان میں اس کی طاقت ہے؟

کہا، ہاں!

قال: أنظرا!

حضرت عمر نے کہا، دیکھ لو زیادہ لازم نہ کیا ہو، یا "انظرا" حذر سے کنایہ ہے یعنی زیادتی سے بچو(۲)۔

مَا بَيْنِي وَبَيْنَهُ إِلَّا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبَّاسٍ

یعنی میرے اور حضرت عمر کے درمیان صرف عبداللہ بن عباس تھے، ابواسحاق کی روایت میں "إلا رجلان" کے الفاظ ہیں یعنی ہمارے درمیان دو ہی آدمی تھے(۳)۔

بعض نسخوں میں "أتخافا" بدون النون آیا ہے، اور اس طرح بغیر ناصب و جازم کے نون کا سقوط تخفیف کے لئے جائز بھی ہے(۴)۔

حتى إذا لم يَرَ فيهن

"هن" کا مرجع صفوف ہے، یعنی جب انہیں صفوں میں خلل دیکھنے کو نہیں ملا......

کشمیہنی کی روایت میں "لم يَرَفيهم" (ضمیر جمع مذکر کے ساتھ) ہے یعنی صفوں والے مراد ہیں۔

اور اسماعیلی کی روایت میں جریر عن حصین کے طریق سے یہ الفاظ مروی ہیں:

---

(۱) فتح الباري: ۷۷/۹

(۲) فتح الباري: ۷۷/۹، وعمدة القاري: ۲۱۰/۱۶

(۳) فتح الباري: ۷۷/۹

(٤) عمدة القاري: ۲۱۰/۱۶

"وكان إذا دخل المسجدَ وأقيمت الصلاة، تأخر بين كل صفين فقال: استووا حتى لا يرى خللاً، ثم يتقدم ويكبر"(١).

حضرت عمر جب مسجد میں داخل ہوتے تھے اور اقامت ہوجاتی تھی تو آپ پیچھے ہوکر ہر دو صفوں کے درمیان کھڑے ہوتے اور صفیں سیدھی کرنے کے لئے کہتے تھے، یہاں تک کہ جب خلل نہ رہتا تو آگے بڑھ کر تکبیر کہتے۔

ابواسحاق عمرو بن میمون سے نقل کرتے ہیں کہ وہ سیدنا عمر کے ہاں ان پر حملہ ہونے کے دن حاضر تھے اور صفِ اول میں صرف اس لئے نہیں جاسکے تھے کہ حضرت کی ہیبت کا سامنا نہیں کرسکتے تھے، کیونکہ حضرت عمر بڑے بارعب آدمی تھے، (فرمایا) اسی لئے میں دوسری صف میں تھا اور حضرت عمر تکبیر سے پہلے اگلی صف کی طرف متوجہ ہوکر دیکھتے اور اگر اس میں کسی کو آگے یا پیچھے ہوا ہوا دیکھتے تو اسے درہ سے مار دیتے تھے، اسی نے مجھے اگلی صف سے روکے رکھا تھا (٢)۔

قَتَلَنِي الْكَلْبُ

تکبیر کہتے ہی حضرت عمر پر ابولؤلؤہ مجوسی نے حملہ کیا، حضرت عمر نے اندازہ لگالیا کہ ان پر قاتلانہ حملہ ہوا ہے، چنانچہ انہوں نے کافر حملہ آور کو کتا کہہ کر کہا "قتلني" اس نے مجھے قتل کردیا یا "أكلني" اس نے مجھے کھالیا (کاٹ لیا)، ظاہر ہے أكل سے مراد بھی قتل ہے تاہم قاتل کو کتا قرار دینے کی وجہ سے اس کے لئے وہ فعل ثابت کیا گیا جو کتے کے لئے مناسب ہے اور جس سے کتا کسی کو ہلاک کرسکتا ہے اور وہ ہے کاٹنا۔

قتلني أو أكلني، یہ راوی کا شک ہے جیسا کہ "سورة يوسف أو النحل" میں بھی راوی کو شک ہے (٣)۔ چنانچہ ابن سعد نے تصریح کی ہے، "ما أدري أيهما قال" معلوم نہیں ان میں سے کون سا لفظ ہے (٤).

---

(١) فتح الباري: ٧٧/٩

(٢) فتح الباري: ٧٧/٩

(٣) عمدة القاري: ٢١٠/١٦

(٤) طبقات ابن سعد: ٣٣٧/٣

اور ایک قول یہ ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کو حقیقت میں یہ گمان ہوا تھا کہ کتے نے انہیں کاٹا ہے، "وقيل: ظنَّ أنه كلب عضَّه"(۱).

کتنے افراد مارے گئے اور حضرت عمر کو کتنی ضربیں لگیں

حَتَّى طَعَنَ ثَلَاثَةَ عَشَرَ رَجُلاً ...... ابولؤلوہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر خنجر کے تین وار کئے، جیسا کہ ابن سعد نے ذکر کیا ہے:

"كمِن في زاوية من ذوايا المسجدِ في الغلس فلم يزل هناك حتى خرج عمر يوقظُ الناس: الصلاة الصلاة، وكان عمر يفعل ذلك، فلما دنا منه عمر وثب إليه فطعنه ثلاث طعنات إحداهن تحت السُّرة قد خرقت الصفاق وهي التي قتلته"(۲).

ابولؤلوہ مجوسی مسجد کے ایک کونے میں چھپ گیا اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو نماز کے لئے اٹھانا شروع کر دیا اور اس کے قریب آگئے تو اس نے لپک کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا اور تین وار کئے، جن میں سے ایک ناف کے نیچے تھا اور اس وار نے جلد مبارک کے نیچے جھلی کو چیرا اور اسی سے آپ رضی اللہ عنہ کی موت واقع ہوئی۔

تین ضربوں کا ہی اکثر حضرات نے ذکر کیا ہے اور اس کی تائید حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس خواب سے بھی ہوتی ہے جس کو آپ رضی اللہ عنہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"ورأيتُ ديكاً نقرني ثلاث نقرات ولا أراه الا حضور أجلي"(۳).

یعنی مرغ نے مجھے تین ٹھونگے مارے، اور اسے میں موت کا وقت قریب آنا سمجھتا ہوں۔

جب کہ ایک اور روایت میں ابن عمر کا قول، مبارک بن فضالہ نقل کرتے ہیں، جس کے الفاظ یہ ہیں:

---

(۱) إرشاد الساري: ۱۹٤/۸

(۲) الطبقات الكبرى: ۳٤٥/۳

(۳) مسند البزار، رقم: ۳۱٤

"طعن ابو لؤلؤة عمرَ طعنتين"(١).

یعنی ابولؤلؤہ نے عمر کو دوضربیں لگائیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اول کوترجیح دی ہے اور دوم کی یہ توجیہ کی ہے کہ اس میں "طعنة ثالثة" کا ذکر نہیں کیا گیا ہے(۲)، جس سے آپ کی شہادت واقع ہوئی تھی۔

ابن حجر کی اس توجیہ کی تائید ابن سعد کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے:

"عن سالم بن عبد الله عن أبيه قال سمعت عمر يقولُ طعنني ابو لؤلؤة وما أظنه الا كلباً حتى طعنني الثالث"(٣).

یعنی مجھے ابولؤلؤہ نے دوضربیں ماریں اور میں اسے کتا سمجھ رہا تھا یہاں تک کہ اس نے تیسرا وار کیا مجھ پر۔

حضرت عمر پر حملہ کس وقت ہوا؟

دوسری بات ابن سعد کی روایتِ بالا سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ ابولؤلوہ نے حملہ اس وقت کیا جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو نماز کے لئے جگا رہے تھے، جب کہ حدیثِ باب اور دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے جب تکبیر تحریمہ کہی تو آپ پر حملہ کیا گیا، چنانچہ یہاں الفاظ ہیں:

"فما هو إلا أن كبَّر، فسمعته يقول قتلني......". یعنی انہوں نے تکبیر کہی ہی تھی کہ میں نے سنا وہ کہہ رہے تھے مجھے قتل کر دیا۔

اور ابن سعد کی ایک روایت میں "فلما كبَّر طعن"(٤) یعنی "جب تکبیر کہی تو اس نے مارا" کے الفاظ آئے ہیں۔

جب کہ دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں:

---

(١) الطبقات الكبرى: ٣٢٩/٩

(٢) فتح الباري: ٧٧/٩

(٣) طبقات ابن سعد: ٣٤٨/٣

(٤) طبقات ابن سعد: ٣٣٧/٣

"فأقبل عمرُ فعرض له ابولؤلؤة غلام المغيرة بن شعبة فناجى عمر غير بعيد ثم طعنه ثلاث طعنات"(۱).

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ صفیں سیدھی فرما رہے تھے اور صف اول کی طرف متوجہ تھے کہ قاتل آپ کے سامنے آیا، عمر نے تھوڑی سے سرگوشی فرمائی ہوگی کہ ابولؤلوہ نے ان پر تین ضربیں لگائیں۔

ان دونوں روایتوں میں مکان کا تو نہیں البتہ کیفیت کا اختلاف اور فرق ہے، یعنی دونوں میں نماز کے لئے کھڑے ہونے کے وقت حملے کا ذکر ہے نہ کہ اس سے پہلے۔

ابن سعد نے عمرو بن میمون کی روایت کو ان الفاظ میں بھی ذکر کیا ہے۔

شهدتُ عمرَ حين طعِنَ، قال أتاه ابولؤلؤة وهو يسوّى الصفوف فطعنَه وطعن اثني عشر معه هو ثالث عشر، قال: فأنا رأيت عمر باسطاً يده وهو يقول: أدرِكوا الكلبَ فقد قتلني ...... فمات منهم سبعة أو ستة(۲).

اس روایت سے ایک بات تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہاں راوی اپنے مشاہدے کی بات کر رہا ہے۔ دوسری بات یہ کہہ رہے ہیں کہ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ صفیں درست کر رہے تھے۔ تیسری بات یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہاتھ پھیلا کر "کتے" کو پکڑنے کا حکم دیا، "باسطاً يده" اور "أدرِكوا الكلب" اسی پر دال ہے۔ چوتھی بات یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ بارہ اور آپ سمیت تیرہ آدمی مارے گئے تھے۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

"فسمعتُ عمر وهو يقول: هكذا بيده، قد بسطَها دونكم الكلب قد قتَلني" یعنی میں نے عمر کو یوں ہاتھ پھیلائے یہ کہتا ہوا سنا کہ تمہارے سامنے کتا ہے اس نے مجھے مار دیا(۳)۔

پانچویں بات یہ کہ چھ یا سات آدمی مر گئے اور باقی بچ گئے تھے۔ راوی کو اس تعداد میں شک ہے۔ اس

(۱) طبقات ابن سعد: ۳/۳٤۱

(۲) طبقات ابن سعد: ۳/۳٤۰

(۳) طبقات ابن سعد: ۳/۳٤۰

تفصیل سے مندرجہ ذیل باتیں حل ہوتی ہیں:

۱-نماز کے لئے جگاتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر حملہ ہونے کی جو روایت ہے، وہ ابن شہاب زہری کی روایت ہے، جو ظاہر ہے مرسل ہے، کیونکہ ابن شہاب تو زیادہ سے زیادہ صغار تابعین میں سے ہیں جن کی روایات صغار صحابہ اور یا پھر کبار تابعین سے ماخوذ ہیں، اس بناء پر وہ قبول نہیں کیا جائے گا، بلکہ اسے راوی کا خیال قرار دیا جائے گا اور راجح وہیں روایات ہوں گی جن میں رؤیت اور مشاہدے کا ذکر ہے اور وہ وہی ہیں جن میں عند التکبیر حملے کا ذکر ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایقاظ اور تکبیر میں زیادہ فاصلہ نہ ہو اس لئے کسی نے اِس کا ذکر کیا اور کسی نے اُس کا۔

۲-جن روایات میں تیرہ افراد کے مارے جانے کا ذکر ہے، جیسے حدیث باب وغیرہ......ان میں خود عمر رضی اللہ عنہ بھی مراد اور شمار ہیں اور جن میں گیارہ یا بارہ افراد کا ذکر ہے، ان میں عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ دوسرے حضرات ذکر کئے گئے ہیں عمر رضی اللہ عنہ ان میں شمار نہیں ہوئے۔

جیسے کہ ابن سعد کی ایک روایت میں "حتی طعن سوی عمر أحدَ عشر رجلاً"(۱). کا ذکر ہے۔یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ گیارآدمی ماردیئے۔

اور ابواسحاق کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

"اثنی عشر رجلاً معه وهو ثالث عشر"(۲). یعنی اُن (عمر) کے ہمراہ بارہ دوسرے افراد مارے اور وہ تیرہویں تھے۔

ابن سعد نے ابراہیم تیمی کے حوالے سے اس کا بھی اضافہ نقل کیا ہے:

"وعلى عمر إذارٌ أصغر قد رفعه على صدره فاهوى وهو يقول: وكان أمر الله قدرا مقدوراً"(۳).

یعنی حضرت عمر پر چھوٹا سا ازار تھا جسے وہ سینے تک اٹھائے ہوئے تھے۔وہ گر گئے

---

(۱) طبقات ابن سعد: ۳۴۵/۳

(۲) فتح الباري: ۷۸/۹

(۳) طبقات ابن سعد: ۳۴۸/۳

اور یہ کہہ رہے تھے، "وكان أمر الله قدرا مقدوراً".

اسی روایت میں یہ الفاظ بھی منقول ہیں:

"فجاء فقال: الصلاة عبادَ الله، استووا، ثم كبَّر". یعنی وہ تشریف لائے اور کہنے لگے اللہ کے بندو! نماز کے لئے اٹھو، صفیں سیدھی کرو، اور پھر تکبیر کہی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے لئے جگانے کی صورت یہی تھی کہ آپ رضی اللہ عنہ "الصلاة عباد الله" کی آواز لگا رہے تھے اور اس کے ساتھ "استووا" کہہ کر صفیں بھی سیدھی کر رہے تھے، لہٰذا کسی نے تو یہ ذکر کیا کہ آپ لوگوں کو جگا رہے تھے، کسی نے یہ ذکر کیا کہ صفیں درست کر رہے تھے اور کسی نے تکبیر تحریمہ کا ذکر کیا، جب کہ بعض نے تینوں کا ذکر کیا۔

اصل واقعہ شہادتِ عمر کا تھا، اس لئے باقی حضرات کی تعداد معلوم نہیں

مات منهم سبعة...... حضرت عمر سمیت تیرہ افراد جن پر حملہ ہوا، ان میں کچھ افراد تو وفات پا گئے جب کہ کچھ زندہ بچ گئے، یہاں سات افراد کی موت کا ذکر ہے، جب کہ بعض روایات میں چھ اور بعض میں چار جب کہ بعض میں نو کے مرجانے (شہادت پانے) کا ذکر ہے(۱)۔

اس میں بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ بعض نے حضرت عمر سمیت جام شہادت پانے والوں کا ذکر کیا جو سات ہیں، جب کہ بعض نے ان کے بغیر، جو چھ ہیں۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ پہلے کم افراد مثلاً چار کی موت ہوئی، یہ تعداد بعد میں بڑھ کر چھ ہوگئی، یا سات یا ۹ تک پہنچی مگر چونکہ اصل اور اہم واقعہ شہادتِ عمر کا تھا، اس لئے باقی حضرات کی موت میں یقینی معلومات کا پتہ نہ چلنا ایک قدرتی بات ہے جیسے کہ ابن سعد کی روایت میں "ومال على الناس فقتل وجرح بضع عشر"(۲) کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے۔ یعنی عمر پر حملے کے بعد وہ دوسرے لوگوں کی طرف مڑا اور کئی افراد کو ہلاک وزخمی کر دیا۔

کُلیب لیثی کی شہادت بھی ہوئی

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ان دوسرے وفات پانے والے افراد میں سے صرف ایک فرد کا

---

(۱) طبقات ابن سعد: ۳/۳۴۸، ۳۴۹

(۲) طبقات ابن سعد: ۳/۳۴۸

نام معلوم ہوا ہے، جو کلیب بن البکیر اللیثی ہیں، یہ اور ان کے بھائیوں عاقل، عامر اور ایاس کو صحابیت کا شرف حاصل ہے۔

چنانچہ حافظ صاحب "جزء ابي الجهم" کے حوالے سے بہ سند صحیح ابن عمر کی روایت نقل کرتے ہیں:

"كان مع عمر صادرا من الحج، فمر بامرأة فدفنها كليب الليثي فكبر له عمر وقال: أرجو أن يدخله الله الجنة، قال فطعنه ابو لؤلوة لما طُعن عمر فمات"(١).

یعنی یہ (کلیب) حضرت عمر کے ہمراہ حج کے لئے جانے والوں میں شامل تھے، پھر ان کا گزر ایک عورت پر ہوا جسے کلیب لیثی نے دفنایا اور عمر نے اس پر تکبیر کہی اور فرمایا، میں اللہ سے امید رکھتا ہوں کہ اللہ اسے جنت میں داخل کریں گے راوی کہتا ہے اسے (کلیب کو) بھی ابولؤلؤ نے اس وقت مارا جس وقت عمر رضی اللہ عنہ مارے گئے۔

اسی طرح عبدالرزاق نے نافع کے طریق سے اسی بات کو نقل کیا ہے۔ اور بطریق زہری وہ یہ الفاظ روایت کرتے ہیں:

"طعن ابو لؤلؤة اثنى عشر رجلاً فمات منهم عُمر وَكليب"(٢).

جب کہ ابن ابی شیبہ، ابوسلمہ اور یحییٰ بن عبدالرحمٰن کے طریق سے روایت کرتے ہیں، جس کے الفاظ ہیں:

"فطعَن أبو لؤلؤة كليبَ بن البكيرفا جهز عليه"(٣).

ابولؤلؤة کو کس نے پکڑا؟

روایت میں "فلما رأى ذلك رجلٌ من المسلمين طرح عليه بُرنساً" میں جس "رجل" کا ذکر ہے اس حوالے سے ایک تو ابن سعد کی روایت ہے جس کے الفاظ ہیں:

---

(١) فتح الباري: ٧٨/٩

(٢) مصنف عبد الرزاق حديث أبي لؤلؤة قاتل عمر رقم (٥٧٧٥)

(٣) مصنف ابن ابي شيبة: ٥٩٧/٢، رقم: ٣٨٢٢٩

"فطعن نفراً فأخذ أبا لؤلؤة رهطٌ من قريش: عبد الله بن عوف الزهري، وهاشم بن عتبة بن أبي وقاص، ورجل من بني سهم فطرح عليه عبد الله بن عوف خميصةً كانت عليه فانتحر بالخنجر حين أُخذ"(١).

اس روایت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن عوف اور ہاشم بن عقبہ اور ایک اور آدمی نے انہیں پکڑا تھا اور پھر عبداللہ بن عوف نے اس پر اپنی چادر پھینک کر اسے پکڑا تھا اور اس نے اپنا برا انجام دیکھ کر خودکشی کر لی تھی۔ لیکن حافظ صاحب نے اسے ضعیف اور منقطع قرار دے کر ایک اور سعید بن یحیٰی الاموی کی روایت کو ترجیح دی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

"فلما رأى ذلك رجلٌ من المهاجرين يقال له حطّان التميمي اليربوعي طرح عليه برنساً"(٢).

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابولؤلؤہ کو پکڑنے اور اس پر کپڑا ڈالنے والے حطان التمیمی تھے۔

حافظ صاحب نے ابن سعد کی روایت کے ثابت اور صحیح ہونے کی صورت میں اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ ان سب (مذکورہ حضرات) نے مل کر اسے پکڑا ہوگا جب کہ عبداللہ بن عوف کے حوالے سے یہ بھی منقول ہے "احتز عبدُ الله بن عوف الزهري رأسَ أبي لُولؤة"(٣).

کہ اس (عبداللہ بن عوف) نے ابولؤلوۃ کا سر کچل دیا تھا۔

ایک روایت میں "إنما طعن نفسَه به حتى قتل نفسه"(٤). یعنی اس نے اپنے آپ کو بھی اس خنجر سے مار کر قتل کر دیا۔

اور ایک اور روایت میں "فاتكأ على خنجره فقتل نفسه"(٥) یعنی "پھر اس نے اپنے خنجر پر تکیہ لگا

---

(١) طبقات ابن سعد: ٣٤٧/٣

(٢) الاصابة، رقم الترجمة: ١٧٦٦، حطان التميمي اليربوعي

(٣) طبقات ابن سعد: ٣٤٨/٣

(٤) طبقات ابن سعد: ٣٤٨/٣

(٥) طبقات ابن سعد: ٣٤٨/٣

کر خود کو قتل کر دیا'' کے الفاظ آئے ہیں۔

المناک سانحہ اور نماز کی ادائیگی

حضرت عمر کا کمالِ ایمان دیکھئے کہ اپنی ذات کے حوالے سے پیش آنے والے اس المناک حادثے سے زیادہ ان کو نماز کی فکر تھی، چنانچہ انہوں نے عبدالرحمٰن بن عوف کا ہاتھ پکڑ کر انہیں آگے کیا اور انہوں نے مختصر سی نماز پڑھائی۔ ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ قرآن کی مختصر ترین سورتوں یعنی سورۂ کوثر اور سورۂ نصر پڑھ کر انہوں نے نماز پڑھائی(۱)۔

جب کہ ابن سعد کی روایت میں سورۂ عصر اور سورۂ کوثر کا ذکر ہے(۲)۔

ابن سعد نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ان الفاظ میں نقل کی ہے:

''لما طُعن عمر حُمل فغُشي عليه فأفاق فأخذناه بيده، قال ثم أخذ عمرُ بيدي فأجلسني خلفه وتساند إلي وجِراحُه تثعَبُ دماً إني لاضع إصبعي هذه الوسطى فماسد الرَّتق، فتوضأ ثم صلى الصبح فقرأ في الأولىٰ، والعصر، وفي الثانية، قل يا ايها الكافرون''(۳).

یعنی جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا گیا تو انہیں اٹھایا گیا اور اس کے ساتھ ہی ان پر غشی طاری ہوگئی، پھر ان کو افاقہ ہوا تو ہم نے ان کا ہاتھ پکڑا، پھر انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اپنے پیچھے بٹھایا اور مجھ پر ٹیک لگایا جب کہ ان کے زخم سے خون رس رہا تھا اور میں اپنی یہ درمیانی انگلی ان کے زخم پر رکھتا مگر اس سے سراخ بند نہیں ہو پا رہا تھا پھر انہوں نے وضو کر کے نماز پڑھی اور اس میں سورۂ عصر اور سورۂ کافرون پڑھی۔

ابن سعد نے مسوَر بن مخرمہ کی یہ روایت بھی نقل کی ہے:

''أنَّ عمر لما طُعن جعل يُغمىٰ عليه، فقيل انكم لن تفزعوه بشيء

(۱) فتح الباري: ۷۹/۹

(۲) طبقات ابن سعد: ۳۴۰/۳

(۳) طبقات ابن سعد: ۳۴۹/۳

مثل الصلاة إن كانت به حياة، فقال: الصلاة يا أمير المؤمنين! الصلاة قد صلّيت، فانتبه فقال: الصلاة هاء الله إذا ولا حظ في الإسلام لمن ترك الصلاة، قال فصلى وإنّ جُرحه ليثعب دماً"(۱).

یعنی جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حملہ کر کے شدید زخمی کیا گیا اور ان پر بے ہوشی طاری تھی تب لوگوں نے کہا کہ اگر ان میں زندگی کی رمق ہو تو نماز کا ذکر کر کے ہی انہیں فکر مند کیا جاسکتا اور بیدار کیا جاسکتا ہے، چنانچہ جب نماز کی آواز آپ رضی اللہ عنہ نے سنی تو چونک کر اٹھ گئے اور کہا اللہ! اسلام میں اس آدمی کا کوئی حصہ نہیں ہے جو نماز چھوڑتا ہے۔ اور پھر اٹھ کر نماز پڑھ لی۔ جب کہ ان کے زخموں سے خون رس رہا تھا۔

ابن ابی شیبہ عمرو بن میمون کی روایت ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں:

"لما طعن عمر ماج الناس بعضهم في بعض، حتى كادت الشمس أن تطلع، فنادى مناد: الصلاة، فقدموا عبد الرحمن بن عوف فصلى بهم، فقرأ بأقصر سورتين في القرآن ﴿انا أعطيناك الكوثر﴾ و﴿اذا جاء نصر الله﴾"(۲).

حضرت عمر نے مسلمان کے ہاتھوں قتل نہ ہونے پر شکھ کا سانس لیا

انظُرْ مَنْ قَتَلَنِي...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ ان پر قاتلانہ حملہ ہوا ہے اور پھر یہ بھی اندازہ ہوا کہ یہ جان لیوا ثابت ہوگا تو آپ رضی اللہ عنہ کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ کہیں اس میں مسلمان تو ملوث نہیں ہیں۔

چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو اس حوالے سے معلومات کرنے کے لئے فرمایا۔ چنانچہ یہاں الفاظ ہیں: "انظر مَن قتلني" دیکھو کہ کس نے مجھے قتل کیا ہے؟ اور ابو اسحاق کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

---

(۱) الطبقات الكبرىٰ: ۳/۳۵۰

(۲) مصنف ابن ابی شيبة: ۵۹٤/۲۰

"فقال عمر: يا عبدَ الله بن عباس! اخرج فناد في الناس: أعَن ملأ منكم كان هذا؟ فقالوا: معاذ الله ما علِمنا ولا اطلعنا".

"یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا، لوگوں میں آواز لگاؤ کہ کیا یہ تمہارے مشورے سے ہوا ہے؟ انہوں نے آواز لگائی ہوگی جس کے جواب میں لوگوں نے کہا، اللہ کی پناہ! ہمیں کوئی علم ہے اور نہ اطلاع"۔

مبارک بن فضالہ سے یہ بھی مروی ہے:

"فظن عمر أن له ذنباً إلى الناس لا يعلمه، فدعا ابن عباس -وكان يُحبه ويُدنيه- فقال: أُحب أن تعلم عن ملأ من الناس كان هذا؟ فخرج لا يمر بملأ من الناس إلا وهم يبكون، فكأنما فقدوا أبكار اولادهم، فقال ابن عباس فرأيت البشرفي وجهه"(۱).

حضرت عمر کو گمان ہوا کہ شاید انہوں نے لوگوں کے ساتھ کوئی ایسی زیادتی کی ہو، جس کا انہیں علم وشعور نہ ہو، اس لئے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بلوایا جن سے وہ بڑی قربت اور محبت رکھتے تھے اور ان سے کہا، میں چاہتا ہوں تم جا کر یہ معلوم کرلو کہ کیا لوگوں کے باہمی مشورے سے ایسا ہوا ہے؟ وہ نکل گئے اور لوگوں میں جس پر بھی ان کا گزر ہوا وہ روتا ہوا پایا گیا، جیسے اس نے اپنی جوان اولاد گنوائی ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں (یہ صورت حال میں نے انہیں بتائی) تو میں نے ان کے چہرے پر بشاشت پھیلتی ہوئی دیکھی۔

ابن ابی شیبہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

"فقالوا معاذ الله لودِدنا أنا فديناك بأباء نا، وزدنا في عمرك من أعمارنا"(۲).

---

(۱) فتح الباري: ۷۹/۹

(۲) مصنف ابن ابی شیبة: ۵۹۹/۲۰

یعنی لوگوں نے کہا، اللہ کی پناہ! (اس بات سے کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کی سازش میں شریک ہوئے ہوں) ہم تو آپ پر اپنے ماں باپ قربان کرنا چاہتے ہیں اور آپ کو اپنی عمریں لگانا چاہتے ہیں۔

"الصَّنع" کا معنی

"الصنع" بفتح الصاد المهملة والنون الخفيفة.

جب کہ ابن ابی شیبہ نے ابن فضیل عن حصین کے طریق سے روایت نقل کی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

"فجال ساعةً، ثم جاء فقال: غلام المغيرة الصنّاع، وكان نجاراً" (١).

الصَّنَع یا الصنّاع کا معنی ہے کاریگر، صنعت کار، ابولؤلؤہ مشہور مجوسی کاریگر تھا، حضرت عمر نے جب "غلام المغيرة" کے الفاظ سنے تو چونک کر کہا، وہ کاریگر؟

چونکہ اس کا کافر ہونا معلوم تھا، جیسا کہ ابن شیبہ کی روایت میں فجاء ابولؤلؤة الكافر المجوسي کے الفاظ ہیں (۲)، اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی موت کسی کلمہ گو کے ہاتھوں نہیں فرمائی۔ اہل لغت سے ایک قول تو یہ منقول ہے کہ "رجل صَنَع اليد واللسان وامرأة صَنَاع اليد واللسان" جب کہ دوسرا قول یہ ہے کہ صَنَاع اور صَنَع، دونوں کا اطلاق مرد اور عورت دونوں پر ہوتا ہے (۳)۔

نام نہاد مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہونے سے بھی عمر کو رنج ہوتا

بِيَدِ رَجُلٍ يَدَّعِي الإِسْلَامَ...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بڑے معنی خیز الفاظ ارشاد فرمائے، کیونکہ آپ جیسے صحابیٔ جلیل، خلیفۂ راشد اور امیر المؤمنین کو قتل کرنے والا اگر کوئی مسلمان ہوتا تو یقیناً وہ فقط مدعی اسلام ہوتا نہ کہ حقیقی مسلمان، تاہم مدعی اسلام اور اسلام کے ساتھ نام نہاد وابستگی کا اظہار کرنے والے کے

---

(١) مصنف ابن ابی شیبة: ٢٠/٥٨٨

(٢) مصنف ابن ابی شیبة: ٢٠/٥٩٧

(٣) فتح الباري: ٩/٧٩

ہاتھوں بھی اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ مارے جاتے تو یہ بھی ان کے لئے بڑے رنج وغم کا باعث ہوتا، ایک تو اس لئے کہ مسلمان رعایا میں اپنے حوالے سے پائے جانے والے اس قسم کے منفی جذبات واحساسات سے آپ کو کوفت ہوتی۔

اور دوم روز قیامت اللہ جل شانہ کے سامنے جب آپ رضی اللہ عنہ کا مقدمہ پیش ہوتا تو دوسری جانب بھی ایک مدعیٔ اسلام ہوتا جو اسلام کی وجہ سے قابلِ رعایت ہوتا جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یقیناً دشمنانِ اسلام کے ہاتھوں شہید ہو کر پوری طرح ماجور ہونے اور اپنے قاتل کے واصلِ جہنم ہونے کے متمنی ہوتے ہوں گے، مختلف روایات میں وارد مندرجہ ذیل الفاظ سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ ابن ابی شیبہ کی روایت ہے:

"فدخل عليه ابن عباس وكان يعجب به. فقال: اخرج فانظر من صاحبي؟ ثم خرج فجاء فقال: أبشر يا امير المؤمنين! صاحبك ابو لؤلؤة المجوسي غلام المغيرة بن شعبة، فكبر حتى خرج صوته من الباب ثم قال: الحمدلله الذي لم يجعله رجلاً من المسلمين، يحاجني بسجدة سَجدها لله يومَ القيامة"(۱).

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت ابن عباس آئے جن کو آپ بڑا پسند کرتے تھے، تو عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا جا کر دیکھو، میرے ساتھ یہ معاملہ کرنے والا کون ہے؟ وہ نکلے اور پھر واپس آ کر کہنے لگے، امیر المؤمنین! خوشخبری سن لو، آپ کو مارنے والا مغیرہ بن شعبہ کا غلام، ابولؤلؤہ مجوسی ہے، حضرت عمر نے "اللہ اکبر" اتنے زور سے کہا کہ دروازے کے باہر تک آواز سنائی دی۔

پھر کہا اللہ کا شکر ہے جس نے ایسا آدمی میرا قاتل نہیں بنایا جو مسلمانوں میں شمار ہوتا ہو اور قیامت کے روز اس سجدے کے ساتھ مجھ سے جھگڑے جو اس نے اللہ کے لئے کیا ہو۔

ابن شہاب کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

"فقال: الحمدلله الذي لم يجعل قاتلي يحاجني عند الله بسجدة

(۱) مصنف ابن ابی شیبة: ۵۹۹/۲۰

سجدها له قط"(١).

اور مبارک بن فضالہ سے یہ الفاظ منقول ہیں:

"يحا جني بقول لا إله إلا الله"(٢).

ایک اور روایت میں یہ الفاظ منقول ہیں:

"قاتله الله لقد أمرت به معروفاً"(٣).

اللہ اسے تباہ کردے میں نے تو اس کو اچھی بات کہی تھی۔

حضرت جابر کی روایت ہے:

"فقال عمر: لا تعجلوا على الذي قتلني، فقيل: انه قتل نفسه، فاسترجع عمر، فقيل له إنه ابو لؤلؤة، فقال: الله اكبر"(٤).

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرے قاتل کے معاملے میں جلدی نہ کرو، کسی نے کہا اس نے تو خود کو مار دیا (خودکشی کرلی) ہے، حضرت عمر نے کہا "إنا لله وإنا إليه راجعون" پھر کسی نے کہا وہ تو ابولؤلؤہ (کافر) ہے (اس کے لئے استرجاع کیسے؟) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، اللہ اکبر۔

قتلِ عمد کے مرتکب مسلمان کے لئے مغفرت کا ثبوت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس بات سے قتلِ عمد کا ارتکاب کرنے والے مسلمان کے لئے عند اللہ معافی کے ثبوت وجواز پر استدلال کیا گیا ہے، چنانچہ اہل سنت والجماعت کا مذہب قاتلِ عمد اور دوسرے مرتکبِ کبائر مسلمانوں کے متعلق یہی ہے کہ وہ مخلّد فی النار اور خارج از اسلام نہیں ہوں گے۔ بخلاف بعض دوسرے فِرق باطلہ (مثلِ خوارج) کے کہ ان کے ہاں قاتل عمد کے لئے کوئی معافی نہیں، وہ کافر اور مخلّد فی النار ہے۔

ہمارا (اہل سنت والجماعت کا) طریق استدلال یوں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اللہ کا شکر

(١) فتح الباري: ٨٠/٩

(٢) فتح الباري: ٨٠/٩

(٣) فتح الباري: ٨٠/٩

(٤) فتح الباري: ٨٠/٩

ہے کہ مجھے قتل کرنے والا مسلمان نہیں ہے ورنہ وہ اللہ کے ہاں مجھ سے کلمے اور سجدے کی بنیاد پر جھگڑتا، مراد یہی ہے کہ کافر قاتل نہیں جھگڑے گا، اور اگر کوئی مسلمان قتل عمد کی وجہ سے اسلام سے خارج ہوتا تو قاتلِ عمر بھی یقیناً اسلام سے خارج ہوتا اور کافروں میں داخل ہوتا اور پھر مسلمان اور غیر مسلم قاتل میں کوئی فرق نہ ہوتا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ادائے شکر کا بھی کوئی معنی نہ ہوتا (۱)۔

حضرت عمر کی غیر مسلموں سے احتیاط کی سوچ صحیح ثابت ہوئی

قَدْ كُنْتَ أَنْتَ وَأَبُوكَ...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب مجوسی غلام کے ہاتھوں مارے گئے تو آپ نے اپنے اس خدشے کا تذکرہ کیا، جو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی خداداد بصیرت کی بنیاد پر غیر مسلم غلاموں کی مدینہ میں کثرت کے حوالے سے ظاہر کیا تھا اور حضرت عباس اور عبداللہ بن عباس وغیرہ صحابہ نے اسے غیر ضروری قرار دیا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کو اس موقعے پر وہ خدشہ یاد دلایا جس کی صحت اور توجہ طلبی اب پوری طرح واضح ہو چکی تھی، اور مسلمان اپنے سب سے قیمتی سرمائے کو اس کی بناء پر گنوا چکے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے جس اعتذار اور استدلال کے باعث خاموش ہو گئے تھے وہ یہ تھا کہ مدینہ منورہ کا سخت کام غیر مسلموں کے علاوہ کوئی کر ہی نہیں سکتا۔ چنانچہ عمرو بن شیبہ کی روایت ہے ابن سیرین کے طریق سے، وہ فرماتے ہیں:

"بلغني أن العباس قال لعمر: لما قال: لا تدخلوا علينا من السبي إلا الوصفاء، إن عمل المدينة شديد لا يستقيم الا بالعلوج"(۲).

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب حضرت عباس سے فرمایا کہ ان قیدیوں میں سے نوعمر خادموں کے علاوہ کسی کو بھی مدینہ منورہ نہ لایا کرو، تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کو جواب میں کہا کہ مدینہ کا کام بہت سخت ہے، جسے ان گواروں کے علاوہ کوئی نہیں کر سکتا۔

---

(۱) انظر، فتح الباري: ۹/۸۰

(۲) فتح الباري: ۹/۸۰.

حضرت عمر نے جنگی قیدیوں کے قتل سے روکا

قَالَ كَذَبْتَ ...... حضرت ابن عباس مع اپنے والد (عباس) کے مسلمانوں کے ہاتھوں اسیر بن جانے والے لوگوں کے لئے جو نرم گوشہ رکھتے تھے، اس کے باعث ان لوگوں کی غلاموں کی صورت میں مدینہ منورہ میں کثرت تھی، حضرت عباس تو تھے ہی "أكثرهم رقيقاً" (سب سے زیادہ غلاموں والے) دوسرے لوگوں کے ہاں بھی یہ لوگ نومسلم یا غیر مسلم نوکروں اور غلاموں کی شکل میں بکثرت پائے جاتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ بجا طور پر ان کی کثرت اور بہتات پر خدشات وتحفظات رکھتے تھے اور اب جب آپ رضی اللہ عنہ کی ذات مبارک ان کا شکار بنی تھی تو حضرت عمر نے اسے آڑے ہاتھوں لیا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو ان کی بے احتیاطی کے نتائج سے آگاہ کررہے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس ظاہر ہے اس کے علاوہ کوئی جواب نہ تھا کہ اگر آپ چاہو تو ہم ان لوگوں کو قتل کردیتے ہیں! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، "كذبتَ" شارحین نے اس کا ترجمہ کیا ہے، "أخطأتَ" کے ساتھ، یعنی یہ لوگ جب آپ کی طرح قبلہ رخ ہو کر نماز پڑھتے ہیں تو آپ ان کو کیا قتل کروگے، مراد یہ ہے کہ ایسی صورت میں ان کے قتل کو جائز سمجھنا اور اس کا ارادہ کرنا غلط اور شرعاً نادرست ہے۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

"أبعد ما تكلموا بكلامكم وصلّوا بصلاتكم ونسكوا نُسككم؟"(١).

یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان کی مشیت پر موقوف کر کے ان لوگوں کے قتل کا ارادہ اس لئے ظاہر کیا تھا کہ انہیں علم تھا کہ عمر رضی اللہ عنہ انہیں ایسی صورت میں قتل کرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔

اور عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے جواب میں "كذبتَ" کا سخت انداز اس لئے اختیار کیا تھا کہ ان کا جلالی مزاج ہی ایسا سخت اور دوٹوک تھا کہ ان سے صاف کہا جھوٹ بول رہے ہو، کوئی قتل کرنے کا ارادہ نہیں ہے تمہارا ......اور یا پھر یہ اخطأتَ کے معنی میں ہے۔

---

(١) طبقات ابن سعد: ٣٣٨/٣

ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول "ان شئت فعلت" کی دوسری توجیہ یہ کی گئی ہے کہ وہ غیر مسلم غلاموں کے قتل کا ارادہ رکھتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سمجھا تھا کہ وہ سب کو بلاتفریق قتل کرنا چاہتے ہیں (۱)۔

سو فرمایا یہ درست نہیں ہے، غلط سوچا ہے تم نے۔

فَأُتِيَ بِنَبِيذٍ فَشَرِبَهُ

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر شدید چوٹیں آئیں تھیں اور لوگ طرح طرح کے تبصرے کر رہے تھے کوئی کہہ رہا تھا کہ آپ ٹھیک ہیں اور جلد روبصحت ہوں گے جب کہ بعض حضرات ناامیدی کا اظہار کر رہے تھے، اسی کا اندازہ لگانے کے لئے آپ کو نبیذ پلایا گیا جو آپ کے پیٹ سے نکل گیا۔ پھر دودھ پلایا گیا، تو وہ بھی زخم سے نکلا۔

ابورافع کی روایت میں "لینظر ما قدرُ جرحه" (۲) کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ شرب نبیذ کی غرض زخم کی مقدار معلوم کرنا تھی۔

طبیب کی آمد اور حالت کی نزاکت کا اندازہ

اور ابواسحاق کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

"فلما أصبح دخل عليه الطبيب فقال: أي الشراب أحب اليك؟ قال: النبيذ، فدعا بنبيذ فشرب فخرج من جرحه، فقال: هذا صديد اسقوني بلبن، فأتي بلبن فشربه فخرج من جرحه، فقال الطبيب: أو ص فإني لا أظنك إلا ميتاً من يومك أو من غدٍ" (۳).

اس عبارت میں واضح طور پر یہ مذکور ہے کہ طبیب نے آپ رضی اللہ عنہ کو خواہش ظاہر کرنے پر نبیذ پلوایا، وہ آپ رضی اللہ عنہ کے زخموں سے نکلا تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، یہ تو کچ لہو ہے، مجھے دودھ لادو، دودھ لایا

---

(۱) فتح الباري: ۸۰/۹

(۲) فتح الباري: ۸۰/۹

(۳) فتح الباري: ۸۰/۹

گیا اور آپ رضی اللہ عنہ نے نوش فرمایا تو وہ بھی زخموں سے رسنے لگا، تب طبیب نے کہا، وصیت کرلو۔ کیونکہ آج یا کل آپ وفات پا جائیں گے۔

بعض نسخوں میں "فخرج من جوفه" کے الفاظ ہیں، جب کہ کشمیہنی کے نسخے میں "من جُرحه" کے الفاظ ہیں اور اسے ہی زیادہ صحیح قرار دیا گیا ہے(۱) جوف سے مراد پیٹ اور جرح سے مراد زخم ہے اگرچہ زخم پیٹ ہی میں تھا مگر لفظ "جُرح" کا راجح ہے نہ کہ "جوف" کا۔

ابورافع کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

"فخرج النبيذ فلم يدر أهو نبيذ أم دم"(۲).

اور اسی روایت میں یہ بھی الفاظ ہیں:

"فقالوا لا بأس عليك يا امير المؤمنين، فقال: إن يكن القتل بأسًا فقد قتلِتُ"(۳).

لوگوں نے (آپ رضی اللہ عنہ کو تسلی دیتے ہوئے) کہا کوئی حرج نہیں ہے، امیر المؤمنین! آپ نے فرمایا اگر قتل کوئی حرج ہے تو مجھے قتل تو کر دیا گیا ہے۔ کہنے کا معنی یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کو اندازہ تھا کہ وہ بچ نہیں سکیں گے اور یہ زخم اور چوٹ آپ کے لئے جان لیوا ثابت ہوگی۔

متعدد طبیبوں کو بلائے جانے کا قول

بعض روایات میں دودھ اور نبیذ پلانے والے دو مختلف طبیب ظاہر کئے گئے ہیں، چنانچہ ابن شہاب کی روایت ہے، وہ کہتے ہیں:

"أخبرني سالم قال: سمعت ابن عمر يقول: فقال عمر: أرسلوا إلى طبيب ينظر إلى جرحي، قال: فأرسلوا إلى طبيب من العرب فسقاه نبيذا،

(۱) فتح الباري: ۸۰/۹

(۲) فتح الباري: ۸۰/۹

(۳) فتح الباري: ۸۰/۹

فشبه النبيذ بالدّم حين خرج من الطعنة التي تحت السرة، قال فدعوت طبيباً اخر من الأنصار فسقاه لبناً فخرج اللبن من الطعنة أبيض فقال اعهد يا أمير المؤمنين، فقال عمر: صدقني، ولو قال غيرَ ذلك لكذبته"(۱).

یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، کسی طبیب کو بلا لاؤ کہ میرا زخم دیکھ لے، انہوں نے ایک عرب طبیب کو بلا لیا، اس نے آکر حضرت کو نبیذ پلایا، وہ آپ کے زیر ناف لگے زخم سے خون آلود شکل میں نکل گیا، ابن عمر فرماتے ہیں پھر میں نے ایک انصاری طبیب کو بلایا، اس نے آکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دودھ پلایا وہ آپ کے زخموں سے بالکل سفید شکل میں نکل گیا تب اس طبیب نے کہا، امیر المؤمنین! آپ وصیت کردو! (یعنی بچاؤ کی کوئی صورت نہیں ہے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، اس نے مجھ سے سچی بات کہی ہے اور اگر یہ کچھ اور کہتا (مثلاً یہ کہ میں بچ گیا ہوں) تو میں اسے جھوٹا سمجھتا۔

مبارک بن فضالہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

"ثم دعا بشربة من لبن فشربها فخرَج مشاش اللّبن من الجرحين فعرف أنه الموت فقال: الآن لو أن لي الدنيا كلها لا فتديت به من هول المطلع، وما ذاك والحمد لله أن أكون رأيت الاخيراً"(۲).

یعنی پھر اس نے دودھ کا شربت منگوایا اور اسے پیا تو اس کے چھینٹے دونوں زخموں سے ظاہر ہوئے جس سے وہ سمجھ گئے کہ یہ موت کی علامت ہے، اس پر انہوں نے کہا ابھی تو اگر ساری دنیا میری ہو جائے تو میں اسے قیامت کی ہولناکی کے بدلے میں دے دوں...... اور اللہ کا شکر ہے کہ میں بہتری ہی دیکھ رہا ہوں۔

"نبیذ" کی مزید تفصیل تو "کتاب الاشربہ" میں آئے گی۔

---

(۱) فتح الباري: ۸۰/۹

(۲) فتح الباري: ۸۰/۹

البتہ اتنی بات یادرکھی جائے کہ یہاں نبیذ سے مراد ہے"تمرات نُبذت في ماء أي نقعت" یعنی کھجور کے چند دانوں کو میٹھا کرنے کے لئے پانی میں ڈال دینا اور منقع بنانا۔

مختلف وفود کی آمد شروع ہوئی

وَجَاءَ النَّاسُ يُثْنُونَ عَلَيْهِ...... لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آ آ کر آپ کی تعریف کرتے رہے۔ کشمیہنی کی روایت میں"فجعلوا يُثنون عليه" کے الفاظ آئے ہیں، مختلف روایات میں متعدد لوگوں کا نام بھی مذکور ہے، جو آپ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور آپ سے گفتگو کی۔

ابن سعد کی ایک روایت ہے جویریہ بن قدامہ کے طریق سے جس کے الفاظ یہ ہیں:

"فدخل عليه الصحابة، ثم أهل المدينة، ثم أهل الشام، ثم أهل العراق فكلما دخل عليه قوم بكوا وأثنوا عليه"(۱).

"یعنی مختلف صحابہ آپ کے پاس آئے، اہل مدینہ آئے، پھر اہل شام اور اہل عراق آئے اور جو بھی آیا روتا رہا اور آپ رضی اللہ عنہ کی تعریف وستائش کرتا رہا"۔

بعض روایات میں عبدالرحمٰن بن عوف، بعض میں مغیرۃ بن شعبہ اور بعض میں کعب احبار رضی اللہ عنہم کی آمد کا بھی ذکر ہے(۲)۔

حضرت کعب نے داخل ہوتے ہی آپ سے کہا:

"ألم أقل لك إنك لا تموت إلا شهيداً وأنت تقول من أين وأنا في جزيرة العرب؟"(۳).

یعنی کیا میں آپ سے نہ کہتا تھا کہ آپ کی موت شہادت کی ہوگی اور آپ کہتے تھے۔ کیسے جب کہ میں تو جزیرۃ العرب میں ہوں......؟ (جہاں کوئی دشمن نہیں ہے)

---

(۱) الطبقات الكبرى: ۳۳۶/۳

(۲) فتح الباري: ۸۱/۹

(۳) الطبقات الكبرى: ۳۴۰/۳

نوجوان کون تھا؟

وَجَاءَ رَجُلٌ شَابٌّ...... ایک نوجوان آیا، یہ نوجوان کون تھا؟ کتاب الجنائز میں جریر کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں:

"وولج عليه شاب من الأنصار"(۱) یعنی ایک انصاری جوان آپ کے پاس آیا اور اس نے آپ رضی اللہ عنہ کی مدح کی، آپ کے فضائل ومناقب کا ذکر کیا، جیسے کہ یہاں مذکور ہے۔

ابن سعد کی ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی اس طرح کے ذکرِ مناقب وفضائلِ عمر منقول ہے اور اس کے جواب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہی باتیں فرمائیں جو اس نوجوان کے جواب میں آپ رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر اس روایت (کتاب الجنائز) میں "من الانصار" کے الفاظ نہ ہوتے تو "شابٌ" مبہم کی تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نام سے کی جاسکتی تھی مگر چونکہ روایات میں "من الانصار" کی تصریح ہے اس لئے یہ کہا جائے گا کہ ابن عباس کا قصہ الگ ہے اور انصاری جوان کا الگ، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تعریف کرنے والوں کے تعدد اور ان کے جواب میں ایک ہی قسم کے الفاظ وارد ہونے سے کوئی امر مانع نہیں ہے۔ لہٰذا روایاتِ متعددہ کو اختلاف نہیں تعدُّد پر حمل کیا جائے گا۔

تعدد کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ یہاں جس نوجوان کا ذکر ہے، اس کے متعلق یہ بھی آیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے جاتے ہوئے اس نوجوان کی تہبند کو زمین پر گھسیٹتا ہوا دیکھا اور اس پر نکیر فرمائی، جب کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قصے میں اس کا ذکر نہیں ہے۔

حضرت عمر زندگی کے آخری لمحات میں بھی امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتے رہے

پھر یہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ان المناک گھڑیوں میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت یا کسی دوسرے نوجوان پر نکیر وتنقید سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی زبردست صلابت دین کا بھی اندازہ ہوتا ہے اور اس کا مطلب یہ ہوا کہ عمر رضی اللہ عنہ کو موت بھی امر بالمعروف سے نہیں روک سکتی تھی (۲)۔

---

(۱) كتاب الجنائز، باب ماجاء في قبر النبي وأبي بكر وعمر ......، رقم: ۱۳۹۲

(۲) فتح الباري: ۸۱/۹

"ما قد علمت" مبتدا، مؤخر اور "لك" خبر مقدم ہے(۱)۔

قدم بفتح القاف بھی منقول ہے جس کا معنی ہے فضیلت اور شرف، اور بکسر القاف بھی مروی ہے، جس کا معنی ہے سبقت وتقدم (۲)۔

عمر کو فضیلت بھی حاصل تھی اور سبقت بھی۔

"ثُمَّ شَهَادَةٌ" کا اعراب

"شهادة" مرفوع بھی ہوسکتا ہے اور اس صورت میں یہ "ماقد علمت" پر عطف کی وجہ سے مرفوع ہوگا، اور مجرور بھی ہوسکتا ہے اور وجہ جر "صحبة" پر عطف ہوگی۔ مفعول مطلق ہونے کی بناء پر اس کے منصوب ہونے کو بھی جائز کہا گیا ہے مگر راجح قول اول یعنی رفع اور جر کا احتمال ہے۔

ابن جریر کی روایتِ جنائز میں "ثم الشهادة بعد هذا كلِه" کے الفاظ آئے ہیں (۳)۔

لَا عَلَيَّ، وَلَا لِي

کہ نہ خطاؤں کی وجہ سے سزا ہو اور نہ بھلائیوں کی وجہ سے ثواب۔ چنانچہ ایک روایت میں یہ الفاظ منقول ہیں:

"ليتني أخرج منها كفافاً لا أجر ولا وزر". یعنی کاش میں اس سے اس طرح برابر سرابر نکلوں کہ نہ اجر ہو اور نہ گناہ کا بوجھ۔

ایک اور روایت میں "لوَ دِدت أني أنجو منه لا أجرَ ولا وزرَ" کے الفاظ ہیں (۴)۔

أنقى لثوبك

اکثر نسخوں میں نون کے ساتھ ہے، نقاوة سے اسم تفضیل ہے، زیادہ صفائی ستھرائی کا باعث، جب کہ

---

(۱) فتح الباري: ۸۱/۹

(۲) فتح الباري: ۸۱/۹

(۳) صحيح البخاري، كتاب الجنائز، رقم: ۱۳۹۲

(٤) طبقات ابن سعد: ۳۵۱/۳

کشمیہنی کے نسخے میں "أبقی" بالباء ہے، بقاء سے(۱)۔

سادات صحابہ کو عمر کے امتیازات کا علم واعتراف تھا

مبارک بن فضالہ کی روایت میں حضرت ابن عباس کا یہ قول مروی ہے:

"وإن قلتَ ذلك فجزاك خيرًا، أليس قد دعا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يعز الله بك الدّينَ والمسلمينَ الذين إذيخافون بمكة، فلما اسلمتَ كان إسلامك عزاً، وظهر بك الإسلام، وهاجرتَ فكانت هجرتك فتحاً، ثم لم تغب عن مشهد شهده رسول الله صلى الله عليه وسلم من قتال المشركين، ثم قبض وهو عنك راضٍ، ووَازرتَ الخليفة بعده على منهاج النبي فضربتَ من أدبر بمن أقبل، ثم قبض الخليفة وهو عنك راضٍ، ثم وُلِّيت بخير ما ولي الناس: مصَّر الله بك الأمصار، وجبابك الاموال، ونفى بك العدو، وأدخل بك على أهل بيت من سيوسّعهم في دينهم وأرزاقهم ثم ختم لك بالشهادة فهنيئاً لك. فقال: والله إن المغرور من تغرُّونه. ثم قال: أتشهد لي يا عبد الله عند الله يوم القيامة، فقال: نعم. فقال: اللّهم لك الحمد"(۲).

یعنی ابن عباس نے اس موقع پر کہا اگر آپ نے یہ بات کہی ہے تو اللہ آپ کو اچھا بدلہ دے، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا نہیں کی تھی کہ اللہ آپ سے دین اور مسلمانوں کو عزت دے، جب وہ مکہ مکرمہ میں ڈر رہے تھے پھر جب آپ نے اسلام قبول کیا تو آپ کا اسلام لوگوں کے لئے عزت کا باعث تھا، اور آپ کے ذریعے اللہ نے اسلام کو غالب کردیا، اور آپ نے ہجرت کی تو آپ کی ہجرت فتح کا سبب بنی، پھر آپ کسی غزوے میں مشرکین سے لڑنے سے غائب نہیں ہوئے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شریک ہوئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حال میں وفات پائی کہ وہ آپ سے راضی تھے اور

(۱) فتح الباري: ۸۱/۹

(۲) المعجم الكبير للطبراني: ۱۶۲/۱۱، وفتح الباري: ۸۲/۹

آپ نے ان کے بعد ان کے طریقے پر خلیفہ بننے والے کی پشت پناہی کی، تو اسلام قبول کرنے کے لئے آنے والوں کے ذریعے پیچھے ہٹنے والوں کو مارا، پھر خلیفۃ الرسول کو موت آئی اور وہ آپ سے راضی تھے، پھر آپ اس بہترین طریقے پر ولی الأمر بنا دیئے گئے جس پر لوگ بناتے ہیں، اللہ نے آپ کے ذریعے کئی شہر بنائے اور آپ کے ذریعے مسلمانوں کو اموال دلائے، اور آپ کے ذریعے دشمن کو جلاوطن کرایا اور آپ کے ذریعے اہل بیت کے پاس ایسوں کو لایا جو ان کے لئے دین میں اور رزق میں وسعت کا ذریعہ بنے گا۔ پھر اللہ نے آپ کا خاتمہ شہادت پر کر دیا سو آپ کے لئے خوشخبری ہو۔ آپ (عمر) نے کہا، بے شک دھوکے میں پڑا وہ شخص جسے تم دھوکہ دیتے ہو۔ پھر انہوں نے ابن عباس سے کہا، عبداللہ کیا آپ اس کی گواہی دو گے اللہ کے ہاں قیامت کے دن؟ انہوں نے کہا، ہاں! عمر بولے اللہ تیرا شکر ہے۔

اور ابن سعد کی ایک روایت میں حضرت ابن عباس کا امیر المؤمنین سیدنا عمر کو ان الفاظ کے ساتھ مخاطب کرنا منقول ہے:

"يا أمير المؤمنين والله إن كان إسلامك لعزاً، وان كانت إمامتك لفتحاً، والله لقد ملأت امارتك الأرض عدلاً، ما من اثنين يختصمان إليك إلا انتهيا إلى قولك. قال فقال عمر: أجلِسوني، فلما جلَس قال لابن عباس: أعد علي كلامك، فلما أعاد عليه قال: أتشهد لي بذالك عند الله يوم تلقاه؟ فقال ابن عباس: نعم! قال ففرح بذالك عمرُو أعجبه"(۱).

فرمایا آپ کا قبول اسلام مسلمانوں کی مدد و فتح کا باعث بنا، آپ کی امامت فتح کا باعث تھی، اور بخدا آپ کی امارت نے روئے زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیا، جب بھی دو آدمی لڑے انہیں آپ کے فیصلے پر معاملہ ختم کرنا پڑا، یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حاضرین سے فرمایا، مجھے بٹھا دو، جب بیٹھے تو ابن عباس سے کہا، اپنی بات دہرا دو، انہوں

(۱) طبقات ابن سعد: ۳۵٤/۳

نے دہرادی، تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا آپ اللہ سے مل کر میرے حق میں یہ گواہی دیں گے؟ ابن عباس نے فرمایا، جی ہاں! یہ (جواب) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بڑا پسند آیا اور انہوں نے اس پر خوشی کا اظہار کیا۔

اپنے ذمے حقوق کے حوالے سے فکرمندی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر خوفِ خدا اور خشیتِ الٰہی طاری ہونے کا یہ عالم تھا کہ انہیں مرنے کی فکر نہ تھی تاہم وہ اللہ کے پاس جانے سے پہلے اپنے مختلف اخروی معاملات بے باق کرنے میں مشغول تھے، امارت کے حوالے سے آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے اَعمال واَشغال کو مسلمانوں پر پیش کیا اور اس میں اپنے اجلے کردار کو طشت از بام کر کے جب یہ تسلی کر لی کہ رعایا ان سے راضی ہے تو اللہ کا شکر ادا کیا، اجتماعی معاملات کے بعد انہوں نے اپنے ذاتی مسائل کے متعلق اپنے صاحبزادے کو جو تفصیلی ہدایت کی، وہ حدیث ہذا میں مذکور ہے۔

یہاں ۸۶ ہزار کا ذکر ہے جب کہ "اخبار المدينه" میں محمد بن الحسن بن زبالہ کی روایت میں ۲۶ ہزار کا ذکر ہے، قاضی عیاض نے اسی کو راجح قرار دیا ہے، تاہم پہلا قول ہی صحیح ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسی (قولِ اول) کو معتمد قرار دیا ہے(۱)۔

ابن سعد نے عثمان بن عروہ کی روایت نقل کی ہے، وہ کہتے ہیں:

"كان عمر بن الخطاب قد استسلف من بيت المال ثمانين ألفاً، فدعا عبدَ الله ابن عمر فقال: بع فيها أموالَ عمر فإن وفت وإلا فسل بني عدي......"(۲).

یعنی عمر بن الخطاب نے بیت المال سے ۸۰ ہزار قرض لیا تھا، اب انہوں نے عبداللہ بن عمر کو بلا کر کہا، اس کو ادا کرنے کے لئے عمر کے سارے اموال بیچ دو اگر وہ (قرضہ) ان اموال سے ادا ہو جائے تو ٹھیک ہے اور نہیں تو بنو عدی (حضرت عمر کے اہل قرابت) سے مانگ کر وہ حق ادا کر دو۔

(۱) فتح الباري: ۸۲/۹

(۲) طبقات ابن سعد: ۳۵۸/۳

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے بیت المال سے اسّی ہزار روپے ادھار لئے تھے۔ یہاں ۸۰ ہزار کا ذکر کر کے راوی نے شاید کسور کا اعتبار نہیں کیا، لہٰذا اس میں اور ۸۶ ہزار والی روایت میں کوئی منافات نہیں۔

جابر کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

"ثم قال: يا عبدَ الله، أقسمتُ عليك بحق الله وحق عمر إذا متُّ فدفنتني أن لا تغسل رأسَك حتى تبيع من رباع آل عمر بثمانين الفاً فتضعها في بيت المسلمين، فسأله عبد الرحمن ابن عوف، فقال: أنفقتها في حجج حججتها، وفي نوائب كانت تنوبني"(۱).

عبداللہ تجھے اللہ کے اور عمر (تیرے والد) کے حق کی قسم ہو، کہ جب میں مر جاؤں اور تم مجھے دفنا دو تو اپنا سر دھونے (اور مٹی سے صاف کرنے) سے پہلے ہی آل عمر کی جائیداد اسّی ہزار کے عوض فروخت کر کے وہ (اسّی ہزار) مسلمانوں کے بیت المال میں جمع کر دو۔

عبدالرحمٰن نے پوچھا (کہ کس سلسلے میں آپ نے لیا ہے) تو فرمایا، یہ میں نے اپنے حج پر خرچ کئے ہیں، جو میں نے متعدد مرتبہ کیا ہے۔ یا دوسرے عوارض میں جو مجھے لاحق ہوتے رہے۔

ابن التین کہتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ اس کا تاوان ان پر لازم نہیں ہے مگر پھر بھی اسے ادا کر دیا اس لئے کہ وہ اپنے اعمال کا بدلہ دنیا میں بالکل نہیں لینا چاہتے تھے(۲)۔ اور بیت المال سے پیسے لینا ایک طرح سے امارت اور خدمت خلق کا معاوضہ تھا۔

إِنْ وَفَى لَهُ مَالُ آلِ عُمَرَ

آل عمر سے یا تو خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ مراد ہیں، چنانچہ "آل فلان" خود فلان کے لئے بکثرت استعمال ہوتا ہے، اور یا پھر ان کے گھر والے بیوی بچے مراد ہیں یا خاندان والے، جب کہ بنی عدی بن کعب وہ برادری ہے جس سے آپ (رضی اللہ عنہ) کا تعلق ہے اور قریش آپ رضی اللہ عنہ کا قبیلہ ہے(۳)۔

---

(۱) فتح الباري: ۸۲/۹

(۲) فتح الباري: ۸۲/۹

(۳) فتح الباري: ۸۲/۹

لا تعدهم

یعنی ان سے آگے نہ بڑھو، تجاوز و تعدی نہ کرو۔ بلکہ ان خاندان والوں پر ہی اکتفاء کرو۔

کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ذمے قرضے نہیں تھے؟

یہاں ابھی یہ ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے سے اپنے ذمے واجب الاداء حقوق کے متعلق فرمایا کہ ان کی ادائیگی کا جلد از جلد بندوبست کیا جائے اور ابن سعد کی ایک روایت میں یہ الفاظ منقول ہیں:

"وما مضت جمعةٌ بعد أن دُفن عمرُ حتى حمل ابن عمر المال الى عثمان بن عفان وأحضر الشهودَ على البراء ة بدفع المال"(۱).

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تدفین کے بعد ابھی ایک ہفتہ بھی نہیں گزرا تھا کہ ابن عمر نے وہ سارا مال نومنتخب خلیفہ، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کر دیا اور اس سے بری الذمہ ہونے پر گواہ بھی بنا دیئے۔

لیکن اس کے باوجود بعض حضرات کا خیال ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر کوئی قرضے نہ تھے، چنانچہ نافع مولی عمر اس کا انکار کرتے ہیں اور ان کے یہ الفاظ منقول ہیں:

"من أين يكون على عمر دَين وقد باع رجل من ورثته ميراثه بمأة الف"(۲).

حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر قرضے کہاں سے آ گئے، جب کہ ان کے ورثاء میں سے ایک آدمی نے ان کی میراث ایک لاکھ میں فروخت کی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، نافع کے اس استدلال سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر قرضے نہیں تھے، اس سے تو زیادہ سے زیادہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تنگ دستی نہیں خوشحالی کی حالت میں دنیا سے گئے تھے، چنانچہ آپ کا ترکہ اور چھوڑی گئی میراث جو ورثاء کو ملی وہ انہوں نے

---

(۱) طبقات ابن سعد: ۳۵۸/۳

(۲) فتح الباري: ۸۲/۹

لاکھوں میں فروخت کی۔

مگر مالداری اور قرضوں میں تو کوئی تضاد نہیں، مالدار آدمی بھی بعض دفعہ مختلف وجوہ کی بناء پر قرضے لیتا ہے اور اس کا ہر زمانے میں مشاہدہ رہا ہے۔

پھر فرماتے ہیں:

"فلعل نافعاً أنكر أن يكون دَينه لم يقض"(۱).

یعنی نافع نے جو یہ بات کہی ہے اس کا معنی شاید یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ذمے جو قرضے تھے، ان کی عدم ادائیگی کا خیال درست نہیں ہے بلکہ ان کی ادائیگی ہوگئی تھی اور کیوں نہ ہوتی، جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ وافر مقدار میں مال چھوڑ کر دنیا سے گئے تھے۔

حضرت عمر نے اپنی امارت کی نفی کیوں کی؟

فَإِنِّي لَسْتُ الْيَوْمَ لِلْمُؤْمِنِينَ أَمِيرًا...... ابن التین کہتے ہیں یہ الفاظ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس وقت فرمائے، جب آپ رضی اللہ عنہ کو اپنی موت کا یقین ہوگیا تھا اور ظاہر ہے مرنے کے بعد امارت وخلافت بھی دوسرے مناصب کی طرح ختم ہو جاتی ہے، لیکن شارحین فرماتے ہیں آپ رضی اللہ عنہ کے اس قول کا مطلب یہ نہ تھا کہ جب میری موت یقینی ہوگئی ہے تو اب مجھے امیر المؤمنین نہ کہا جائے بلکہ اس کا ایک اہم مطلب تھا اور وہ یہ کہ حضرت عمر یہ نہیں چاہ رہے تھے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کی امارت وخلافت کی وجہ سے زبانی طور پر یا از راہِ حیاء تو ان کی تدفین کی اجازت دے دیں اور دل سے وہ اس پر رضامند نہ ہوں، یا اب اجازت دیں اور زندگی اور خلافت ختم ہونے کے بعد بوقت تدفین انہیں اس پر ندامت ہو، اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ تصریح کردی کہ میں اب امیر نہیں رہا اور خلافت وامارت سے ہٹ کر حضرت عائشہ مجھے جگہ مرحمت فرمائے یا نہ دینے کا فیصلہ فرمائیں اور یہی نہیں فاروق اعظم نے تو یہ بھی وصیت فرمادی تھی:

"يا بُني إني قد أرسلتُ إلى عائشة أستأذنها أن أدفن مع أخوي فأذنت لي وأنا أخشى أن يكون ذلك لمكان السلطان، فإذا أنا متُّ فاغسلني وكفنني ثم احملني حتى تقف بي على باب عائشة فتقول: هذا عمر يستأذن .

(۱) فتح الباري: ۸۲/۹

يقول ...... فإن اذنَت لي فادفني معها وإلا فادفني با لبقيع. قال ابن عمر: فلما مات أبي حملناه حتى وقفنا به على باب عائشة فاستأذننا في الدخول فقالت: ادخل بسلام"(۱).

فرمایا، بیٹے میں نے (سیدہ) عائشہ رضی اللہ عنہا سے اپنے دونوں بھائیوں (رسول اللہ اور سیدنا ابوبکر) کے ساتھ تدفین کی اجازت طلب کی جوانہوں نے مجھے دے دی لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں یہ اجازت میرے مقامِ سلطنت کی وجہ سے نہیں ملی ہو؟ سو (اس پر اُن کی دلی رضامندی معلوم کرنے کے لئے یہ کیا جائے کہ) جب میں مرجاؤں تو مجھے غسل دینے اور کفن پہنانے کے بعد اٹھا کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دروازے پر لے جایا جائے اور پھر آپ ان سے کہو کہ یہ عمر ہیں، جواَب پھر بھی آپ سے اجازت طلب کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ انہیں اپنے ساتھیوں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ دفنائے جانے کی اجازت دیجئے! اگر انہوں نے (ایک مرتبہ پھر) اجازت دے دی تو مجھے وہاں دفنایا جائے وگرنہ بقیع میں دفنایا جائے! ابن عمر فرماتے ہیں جب آپ وفات پاگئے تو ہم نے حسب ہدایات ووصیت آپ رضی اللہ عنہ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دروازے پر لے جا کر ان سے اجازت لی، آپ رضی اللہ عنہا نے کہا، اللہ کی طرف سے سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔

وفات پانے کے بعد دوبارہ اجازت لینے کی بات یہاں بھی مذکور ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"فيحمل هذا النفي على ما أشار اليه ابن التين انه أراد أن يُعلم أن سؤاله لها بطريق الطلب لا بطريق الأمر"(۲).

خود سے امیر المؤمنین ہونے کی نفی کی وجہ وہی ہوگی جس کی طرف ابن التین نے اشارہ کیا ہے اور وہ یہ

(۱) طبقات ابن سعد: ۳۶۳/۳

(۲) فتح الباري: ۸۲/۹

کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ چاہ رہے تھے کہ یہ سب کو معلوم ہو جائے کہ آپ رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو (خلیفہ کی حیثیت سے) حکم نہیں دے رہے ہیں بلکہ اُن سے درخواست کرتے ہیں جس کو قبول اور رد کرنے دونوں کا انہیں اختیار ہوگا چنانچہ فرمایا: آج تو میں امیر المؤمنین ہی نہیں رہا ہوں تو پھر آمرانہ (یا امیرانہ) حکم کا کیسے تصور ہو سکتا ہے۔

کیا مکان حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ملکیت تھا؟

علماء نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے استیذان اور اس کے جواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ارشاد "ولأوثرن به اليوم على نفسي" (میں آج حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خود پر ترجیح دوں گی) سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ یہ مکان حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ذاتی ملکیت تھا، اسی لئے وہ خود اس میں دفن ہونا چاہ رہی تھیں اور پھر اسے حضرت عمر کو عطا کر دیا، ظاہر ہے تملیک ملکیت کے بعد ہی ہو سکتی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کی اجازت کا احتیاج اس لئے تھا کہ وہ ان کا ذاتی مکان تھا۔

تاہم حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "وفيه نظر" کہہ کر اسے تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے، وہ فرماتے ہیں واقعہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس گھر کے منافع کی ملکیت تو رکھتی تھیں، کہ خود اس میں رہیں یا کسی اور کو اس میں ٹھہرائیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث کے طور پر انہیں اس کی ملکیت حاصل نہ تھی اور اس لئے ان کا کوئی وارث بطور ارث کے اس کا مالک بھی نہیں بن سکتا تھا۔ تاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات چونکہ آپ کے بعد کسی اور سے شادی نہیں کر سکتیں اس لئے وہ ہمیشہ معتدات کے حکم میں رہیں گی۔ اور معتدہ تا انتہائے عدت شوہر کے گھر میں رہ سکتی ہے (۱)۔ اسے حق سکونت حاصل ہوتا ہے بس۔

حضرت عائشہ روضۂ رسول میں دفنائے جانے کی خواہش سے کیوں دستبردار ہوئیں؟

پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہاں جو جملہ نقل کیا گیا ہے:

"كنتُ أريده لنفسي ولأوثرنّه به اليوم على نفسي".

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ام المؤمنین نے اس مخصوص جگہ کو اپنی تدفین کے لئے مختص کر دیا تھا اور پھر

---

(۱) فتح الباري: ۸۲/۹

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ جگہ ان سے طلب کی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے دو ہی صورتیں تھیں، ایک یہ کہ وہ جگہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نہ دیں اور حضرت عمر کو عام مقبرے میں ہی لے جا کر دفنایا جائے اور دوسری صورت یہ تھی کہ آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خود پر ترجیح دیتے ہوئے وہ جگہ انہیں مرحمت فرمائیں اور خود کسی اور مقبرے میں دفنائے جانے کے لئے آمادہ ہو جائیں۔ حضرت ام المؤمنین نے دوسری صورت اختیار کر دی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ترجیح دی اور یوں آپ رضی اللہ عنہا کو اپنے سرتاج سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور والد نامدار سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ہمسائیگی نہ مل سکی، کیونکہ قبر کی جگہ ایک ہی تھی، جس میں یا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ دفنائے جاتے اور یا پھر سیدہ عائشہ (رضی اللہ عنہم)۔ چنانچہ عینی اس جملے "ولأوثرنه......" کی شرح ان الفاظ میں کرتے ہیں: "أي أخصه بمسأله من الدفن عند النبي وأترك نفسي"(۱).

جگہ ہونے کے باوجود سیدہ عائشہ نے یہاں دفنائے جانے کو پسند نہیں کیا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے دوسری جگہ یہ منقول ہے کہ انہوں نے وصال کے قریب عبداللہ بن زبیر کو یہ وصیت فرمائی تھی کہ "لا تدفني عندهم"(۲) مجھے اُن کے ساتھ مت دفنانا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جگہ تھی مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بعد میں وہاں دفنائے جانے کو پسند نہیں فرماتی تھیں، کیونکہ اگر جگہ ہی نہ ہوتی تو پھر نہ دفنائے جانے کی ہدایات کی کیا ضرورت تھی، کیونکہ نہ دفنایا جانا تو ایسے میں متعین تھا۔ بلکہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا پہلے اس جگہ کو اپنے لئے مخصوص کرنے کا تقاضا تو یہ تھا کہ آپ مرتے وقت بھی یہ اظہار کرتیں کہ کاش جگہ ہوتی اور مجھے یہیں دفنایا جاتا۔

اس کا جواب یا حل یہ ہے کہ جگہ تو تدفینِ عمر کے بعد بھی تھی مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس میں دفن ہونا پسند نہیں فرماتی تھیں، کیونکہ پہلے تو اس جگہ (حجرۂ عائشہ میں) صرف دو شخصیات مدفون تھیں ایک تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے ہوتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہاں دفن ہونے کی خواہش مند تھیں، مگر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ دفنائے گئے تو ام المؤمنین نے غیر محرم کے اس احاطے میں آنے کی وجہ سے اس جگہ کا خیال دل سے نکال دیا اس لئے نہیں کہ جگہ نہ تھی بلکہ اس لئے کہ ایک اجنبی

---

(۱) عمدة القاري: ۲۱۲/۱٦

(۲) صحيح البخاري، رقم: ۱۳۹۱

شخص وہاں تشریف لائے تھے۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے "لَمْ أضع ثيابي عني منذ دفن عمر في بيتي(۱).

مسند احمد کی ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں: "فلما دفن عمر معهم فوالله ما دخلته إلا وأنا مشدودة علي ثيابي، حياءً من عمر"(۲).

جب سے عمر رضی اللہ عنہ میرے حجرے میں مدفون ہیں، میں نے اپنے زائد کپڑے نہیں اتارے۔

یعنی حضرت عائشہ پردہ فرماتی رہیں اور جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بقید حیات ہونے کی حالت میں سپرد خاک ہونے والے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پردہ کو ضروری سمجھتی ہیں تو مرنے کے بعد بھی وہ ایک اجنبی سے متصل دفنائے جانے کو ناپسند کرتی ہوں گی اور ظاہر ہے مرنے کے بعد بھی انسان ختم تو نہیں ہوتا لہذا مردہ انسان اور اس کی قبر سے شرمانا ایک معنی رکھتا ہے۔ اور اسی کی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہاں دفنائے جانے سے منع کیا۔

حضرت عائشہ کے لئے جگہ نہ رہنے کا قول

اور اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول "ولأ وثرنه به علي نفسي" سے کسی کو یہ تاثر ملتا ہے کہ جگہ ایک ہی قبر کی تھی، مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں بجائے اس کے کہ میں اس جگہ کو اپنے لئے ہی مختص رکھوں، اسے میں حضرت عمر کو دوں گی اور ضرور اس جگہ کے سلسلے میں انہیں خود پر ترجیح دے کر رہوں گی، تو یہ اس لئے درست نہیں ہے کہ ایثار اور ترجیح کی یہاں یہ صورت بھی ہو سکتی ہے اور ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بوجہ ان (عمر) کے اجنبیت کے نہ کہ جگہ نہ ہونے کے سبب اس جگہ سے دستبردار ہو رہی ہیں اور یہ جگہ عمر رضی اللہ عنہ کو دے کر اس کے ساتھ متصل جگہ سے بھی خود کو محروم کر رہی ہیں یہ بھی ایثار کی ایک اعلیٰ اور بے مثال صورت ہے۔

تطبیق کی صورت

تطبیق کی دوسری صورت یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت سے قبل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

---

(۱) فتح الباري: ۸۲/۹

(۲) مسند احمد، رقم: ۲۵۶۶۲، المستدرك على الصحيحين: ٤٤٢

کا خیال یہ تھا کہ یہاں صرف ایک آدمی کی قبر کی گنجائش ہے، لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد آپ ہی وہ تیسری میت ہوں گی جو یہاں دفن ہوں گی اور پھر کوئی جگہ نہیں بچے گی۔ مگر تدفین عمر رضی اللہ عنہ کے بعد انہیں اندازہ ہوا کہ وہاں تو ایک قبر کی مزید بھی گنجائش ہے تاہم اب مسئلہ یہ آ گیا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے متصل آپ رضی اللہ عنہا دفنائے جانے کو پسند نہیں فرما رہی تھیں لہٰذا پہلے جو "ولأوثرنه......" فرمایا وہ بھی بجا تھا یعنی اس کی بھی وجہ تھی اور بعد میں "لا تدفني معهم" جو فرمایا، وہ بھی درست ہے(۱)۔

حضرت عیسیٰ کی قبر کہاں ہوگی؟

یہاں پھر بعض روایات میں حضرت عیسی علیہ السلام کی قبر کا بھی ذکر ہے، چنانچہ ایک روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب ہے، جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے پہلو میں دفن ہونے کی اجازت طلب کرتی اور آپ ان الفاظ میں انہیں جواب دیتے ہیں:

"وأنى لك بذالك، وليس في ذلك الموضع إلا قبري وقبر أبي بكر وعمر وعيسى بن مريم"(۲).

نہیں یہاں آپ کو کیسے جگہ مل سکتی ہے جب کہ یہاں تو صرف میری، ابوبکر، عمر اور عیسیٰ بن مریم ہی کی قبریں ہوں گی۔

تاہم اس روایت کو حافظ ابن حجرؒ نے "حديث لا يثبت" کہہ کر نا قابل استدلال واعتبار قرار دیا ہے۔

اسی طرح عمرو بن شبہ نے "اخبار المدينة" میں سعید بن المسیب سے نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"وهناك موضع قبر يدفن فيه عيسىٰ عليه السلام"(۳).

اس کو بھی "من وجه ضعيف" کہہ کر حافظ ابن حجر عسقلانی نے کمزور قرار دیا ہے۔ تاہم کوئی قوی السند روایت نہ بھی ہو پھر بھی حضرت عیسی علیہ السلام کے رسول اللہ کے پہلو میں دفن ہونے کا انکار اس لئے معتبر نہیں

---

(۱) فتح الباري: ۳/ ۳۳۰، ۹/ ۸۲، ۸۳

(۲) كنز العمال، كتاب القيامة، باب نزول عيسىٰ، رقم: ۲۹۷۲۸

(۳) فتح الباري: ۹/ ۸۲، اور ترمذی کی ایک روایت میں یہ الفاظ منقول ہیں: "مكتوب في التوراة صفة محمد وعيسى بن مريم يُدفن معه قال: فقال أبو مودود: وقد بقي في البيت موضع قبر، رقم الحديث: ۳۶۶۷

ہے کہ اس کی کوئی دلیل نہیں ہے، اور یہاں دفن ہونے پر اگر کوئی ضعیف روایت ہو تو بھی کافی ہے۔

کیا آپ کو سہارا دینے والے ابن عباس تھے

فأسنده رجل...... "ارفعوني" کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ لیٹے ہوئے تھے اور آپ نے یہاں بیٹھے ہوئے لوگوں سے فرمایا، مجھے بٹھا دو چنانچہ ایک آدمی نے اٹھا کر اپنا سہارا آپ رضی اللہ عنہ کو فراہم کیا۔ یہ رجل کون تھا؟ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "لم أقف على اسمه" میں اس کے نام سے واقف نہیں ہو سکا، مگر پھر فرماتے ہیں یہ ابن عباس ہو سکتے ہیں اور اس کی تائید، مبارک بن فضالہ کی روایت میں ان الفاظ سے ہوتی ہے:

"فقال له عمر: ألصق خدي بالأرض يا عبد الله بن عمر، قال ابن عباس: فوضعت من فخذي على ساقي فقال: ألصق خدي بالارض، فوضعته حتى وضع لحيته وخده بالأرض فقال ويلك عمر إن لم يغفر الله لك"(۱).

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، عبداللہ بن عمر میرے گال زمین سے ملا دو، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے اسے ران سے اتار کر اپنی پنڈلی پر رکھ دیا، اس پر انہوں نے فرمایا، میرے گال زمین سے ملا دو! تب میں نے آپ کا سر زمین پر رکھا حتی کہ آپ نے اپنی داڑھی اور گال زمین پر رکھ کر کہا، عمر تیرا ستیاناس ہوا اگر اللہ نے تجھے بخشا نہیں۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ "رجل" سے مراد ابن عباس ہیں؛ کیونکہ اگر آپ رضی اللہ عنہ کو زمین پر لٹانے والے ابن عباس ہیں تو ظاہر ہے اٹھا کر خود سے ٹیکنے والے بھی ابن عباس ہی ہو سکتے ہیں۔

علامہ عینی نے "رجل" سے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے مراد ہونے کے احتمال کو بے بنیاد قرار دیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

"إن كان مستند هذا القائل في الاحتمال المذكور كونَ ابن عباس

---

(۱) فتح الباري: ۸۳/۹، وفي طبقات ابن سعد، ويلي وويل أمي ان لم يغفر الله لي: ۲۷٤/۳، وعند الطبراني ويلَك وويلَ امّك يا عمر إن لم يغفر الله لك. المعجم الأوسط، رقم: ۵۷۹

في القضية فلِغيرِه أن يقول يحتمل أن يكون عمرَو بن ميمون لقوله في مامضى "فانطلقنا معه"(١).

اگراس قول کے قائل (ابن حجر) نے مذکورہ احتمال کا اظہار اس لئے کیا ہو کہ اس مسئلے میں ابن عباس کا بھی ذکر ہے تو یہ اس لئے درست نہیں ہے کہ اس میں عمرو بن میمون کا بھی تو ذکر ہے، جیسے کہ اس کے الفاظ "فانطلقنا معه" گزرے ہیں۔ (پھر تو رجل سے وہ بھی مراد ہوسکتے ہیں)

تاہم حافظ ابن حجر کی ذکر کردہ روایتِ بالا سے اگر ابن عباس رضی اللہ عنہ کے مراد ہونے کو ثابت کیا جاتا ہے تو اس پر عینی کا اشکال وارد نہیں ہوسکتا۔

"صالحین" کے قریب دفن ہونے کی فضیلت

مَا كَانَ مِنْ شَيْءٍ أَهَمُّ إِلَيَّ ...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس سے زیادہ اہم چیز میرے لئے کوئی نہیں کہ جوارِ رسول میں تدفین کے لئے جگہ مل جائے اور وہ بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خوشی سے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صالحین کے ساتھ مدفون ہونے کی بھی بڑی اہمیت اور برکات ہیں، اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شدید تکلیف کی ان گھڑیوں میں اور موت کی یقینی آمد کے وقت بھی اس قربت اور معیت کی کتنی فکر تھی اور پھر اس پر کیسے انہوں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور اس کی اہمیت کی تصریح کی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وفيه الحرص على مجاورة الصالحين في القبور طمعاً في إصابة الرحمة إذا نزلت عليهم وفي دعاء من يزورهم من اهل الخير"(٢).

اس واقعۂ عمر سے قبروں میں صالحین کی ہمسائیگی کی اہمیت اور قابلِ حرص امر ہونے کا بھی اندازہ ہوتا ہے اور (ایک مسلمان کو) اس کی خواہش اس لئے ہوگی کہ صالحین پر نازل ہونے والی رحمت سے بہرہ ور ہوا جائے اور ان کی زیارت کے لئے آنے والے اہلِ خیر کی دعاؤں سے فیض یاب ہوا جائے۔

---

(١) عمدة القاري: ١٦/٢١٢

(٢) فتح الباري: ٤/٣٣٠

حضرت حفصہ کے رونے پر سیدنا عمرؓ کی ناگواری

فَوَلَجَتْ عَلَيْهِ ...... اس کے بعد ام المؤمنین حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا تشریف لائیں اور اپنے والد گرامی امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے کمرے میں داخل ہوکر رونے لگیں "فمكثت" کے الفاظ بعض نسخوں میں آئے ہیں اور بعض میں "فبکت" کے (۱)۔

"فبکت" کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ابن سعد نے مقدام بن معدیکرب سے نقل کیا ہے کہ حضرت حفصہ نے آکر فرمایا:

"يا صاحبَ رسول الله، يا صهرَ رسول الله، يا أميرَ المؤمنين فقال عمر: لا صبر لي على ما أسمع، أحرج عليكِ بمالي عليكِ من الحق أن تندبيني بعد مجلسك هذا، فأما عينك فلن أملكهما"(۲).

اے اللہ کے رسول کے ساتھی! اے رسول اللہ کے سُسر! اے مسلمانوں کے امیر! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (اپنی لاڈلی صاحبزادی سے پیار اور غم بھرے یہ الفاظ سن کر) فرمایا میں جو سن رہا ہوں اسے سننے کی تاب نہیں رکھتا، میں اپنے اس حق کا واسطہ دے کر تجھے اس مجلس کے بعد رونے سے منع کرتا ہوں جو حق میرا تیرے اوپر ہے، ہاں تیری آنکھوں کا مجھے (اور تجھے) اختیار نہیں ہے (سو آنسو بہانے سے نہیں روکتا)۔

حضرت عمر کا عدمِ استخلاف اور اس کی وجہ

"فَقَالُوا أَوْصِ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ" (انہوں نے کہا وصیت کرلو) سیاق حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان لوگوں کا قول ہے جو اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عیادت اور زیارت کے لئے آئے تھے اور جن کا "واستأذن الرجال" کے ساتھ یہاں ذکر آیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قائل ابن عمر تھے جیسے "کتاب الاحکام" سے معلوم ہوتا ہے (۳)۔

---

(۱) فتح الباري: ۸۳/۹

(۲) الطبقات الكبرى ذكر استخلاف عمر: ۲۷۵/۳

(۳) فتح الباري: ۸۳/۹

ایک اور روایت جسے عمرو بن شبہ نے نقل کیا ہے اور اس میں انقطاع بھی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلم مولیٰ عمر کو جب معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کسی کو خلیفہ مقرر نہیں کیا ہے تو کہا "يا أمير المؤمنين! ما يمنعك أن تصنع كما صنع أبوبكر"(۱).

امیر المؤمنین! آپ کیوں اس طرح (خلیفہ مقرر) نہیں کرتے جس طرح ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔

حافظ صاحب کہتے ہیں یہ بھی احتمال ہے کی یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ابولؤلؤہ کے ہاتھوں زخمی ہونے سے پہلے کی بات ہو، چنانچہ احمد نے معدان بن ابی طلحہ کے طریق سے روایت نقل کی ہے کہ سیدنا عمر نے مارے جانے سے قبل اپنے خطبہ میں کہا:

"إنَّ أقواماً يأمرونني أن أستخلف"(۲).

کچھ لوگ مجھے یہ کہہ رہے ہیں کہ میں خلیفہ مقرر کروں۔

مارے جانے سے پہلے آپ سے پوچھا گیا ہو یا بعد میں بہرحال آپ رضی اللہ عنہ نے اس کی دو وجوہات بتائیں:

۱-خلیفہ نامزد کرنا بھی مجھ سے بہتر یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے اور نہ کرنا بھی مجھ سے (بلکہ سب سے) بہتر یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

۲- میں نہیں چاہتا کہ زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی امرِ خلافت کے حوالے سے ذمہ داری اٹھائے رکھوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وصیت

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تفصیلی وصیت فرمائی اور اس میں نہ صرف یہ کہ خلافت کے حوالے سے مسلمانوں کی رہنمائی فرمائی بلکہ مختلف جہتوں سے رہنما ہدایات دے کر دنیا سے رخصت ہوئے، خلافت کی ذمہ داریاں آپ نے کسی متعین فرد کو سپرد کرنے کی بجائے اس کو شوریٰ کی صوابدید پر چھوڑا۔ شوریٰ میں آپ رضی اللہ عنہ نے کن لوگوں کو چُنا اور دوسروں پر انہیں ترجیح کیوں دی، پھر انہیں انتخابِ خلیفہ کے سلسلے میں کن

---

(۱) فتح الباري: ۸۳/۹

(۲) مسند احمد، مسند عمر بن الخطاب، رقم: ۱۸۶

ضوابط وہدایات کا پابند بنایا، ان سارے معاملات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیف ما اتفق کوئی سرسری بات نہیں کی، بلکہ ایک عظیم فلسفہ اور اسلام کی روح کی عکاس ہدایات واشارات کے ذریعے اپنا فرض منصبی ادا فرمایا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہلے تو اس بات کی وضاحت ضروری سمجھی کہ خلیفہ کی نامزدگی کی شرعی حیثیت کیا ہے اور انہیں کیا ہر صورت خلیفہ مقرر کرنا ہی ہے؟

چنانچہ "استخلف" کے جواب میں آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"ما أجد أحق بهذا الأمر من هؤلاء النفر -أو الرهط- الذين توفي رسول الله وهو عنهم راض فسمىٰ علياً وعثمان والزبير وطلحة وسعداً وعبدالرحمن"(۱).

یعنی میں اس معاملے کا اس گروہ سے زیادہ حق دار کسی کو نہیں پاتا۔ جن سے رسول اللہ اس حال میں رخصت ہوئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے راضی تھے، پھر آپ رضی اللہ عنہ نے علی، عثمان، زبیر، طلحہ، سعد اور عبدالرحمٰن کا نام لیا۔

ابن سعد کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:

"فأيُّهم استخلف فهو الخليفة من بعدي"(۲).

ان میں سے جس کو بھی خلیفہ بنایا گیا وہ ہی میرے بعد خلیفہ ہوں گے۔ ہزاروں صحابہ اور لاکھوں مسلمانوں میں انہی چھ افراد کی شوریٰ آپ رضی اللہ عنہ نے کیوں بنائی، اس کی وجہ بھی آپ رضی اللہ عنہ نے خود ہی بتائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے رضامندی اور خوشی کی حالت میں دنیا سے گئے ہیں اور اس بات میں کوئی شبہ اور ابہام بھی نہیں ہے چنانچہ یہ حضرات جنت کی خوشخبری پانے والے دس حضرات عشرہ مبشرہ میں بھی شمار ہوتے ہیں، اللہ کے رسول کی ان سے رضامندی بھی اللہ تعالیٰ کی ان سے رضا کے مترادف ہے اور مبشر بالجنة ہونا بھی ان کی اللہ کے ہاں قبولیتِ ایمان واعمال کی دلیل ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اسلام میں استحقاقِ خلافت اور اہلیتِ حکمرانی کے لئے دین داری اور خدا ترسی میں فائق وممتاز ہونا ضروری ہے۔

---

(۱) حديث باب ......

(۲) الطبقات الكبرى لابن سعد: ۳۲۸/۳

خلافت کے حوالے سے دواہم ہدایات

اپنے بعد خلیفہ کے تقرر کے سلسلے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جو طرز عمل اور نقطہ نظر آپ رضی اللہ عنہ کے فرمودات وہدایات سے معلوم ہوتا ہے اس میں دو چیزیں اہم ہیں:

۱-تقوی اور للہیت: جس کی دلیل یہ ہے کہ اس معاملے کو دینداری میں سب سے ممتاز دس افراد تک محدود رکھا گیا ہے اور ان کے علاوہ کسی کو بھی اس میں حصہ لینے اور دلچسپی لینے کی اجازت نہیں دی۔

۲-شورائیت کو بنیادی حیثیت دی، بالفاظ دیگر شرطِ خلافت ایمان وتقوی کو قرار دیا گیا اور طرز خلافت شورائیت کو۔

ابن سعد کی ایک روایت سے اس کی مزید وضاحت ہوتی ہے، جس میں سعید بن زید حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہتے ہیں، اگر آپ کسی مسلمان کی نامزدگی کا اشارہ دیں گے تو لوگ اس پر اعتماد اور رضامندی کا اظہار کریں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

"قد رأيت من أصحابي حرصاً سيئاً وإني جاعل هذا الامر إلى هؤلاء النفر الستة الذين مات رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو عنهم راضٍ"(۱).

میں نے اپنے ساتھیوں کی طرف سے بدترین حرص کا مظاہرہ دیکھا، جب کہ میں اس امرِ خلافت کو انہی چھ افراد میں رکھ رہا ہوں، جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے جاتے ہوئے راضی تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے لوگ بھی خلافت کے امیدوار اور متمنی تھے، مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو سختی سے منع کیا اور انہی چھ بزرگوں کی شوری بنائی۔

اور جہاں تک نامزدگی اور اپنی شخصی رائے کی بجائے شورائیت کو بنیادی حیثیت دینے کا تعلق ہے تو اس حوالے سے بھی ابن سعد کی ایک مفصل روایت میں یہ الفاظ وارد ہیں:

---

(۱) طبقات لابن سعد: ۳/۳٤۲، ۳٤۳

"وليخلُ هٰولاء القوم في بيت، فإذا اجتمعوا على رجل فمَن خالفَهم فاضربوا رأسه فلما خرجوا من عند عمر قال عمر: لو ولّوها الا جلح سلك بهم الطريق فقال له ابن عمر: فما يمنعك يا امير المؤمنين؟ قال أكره أن اتحمّلها حياً وميّتاً"(۱).

فرمایا، یہ لوگ (اصحاب ستہ) کسی گھر میں اپنی خفیہ میٹنگ کریں اور جب وہ کسی پر متفق ہو جائیں تو جو کوئی ان کی مخالفت کرے اس کا سر اڑا دو۔ جب یہ حضرات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں سے نکلے تو آپ رضی اللہ عنہ نے کہا، اگر یہ لوگ کسی بے سینگ جانور کو بھی مقرر کردیں تو وہ بھی ان کو راہ راست پر لے چلے گا (یعنی اب اس شوری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت شامل حال رہے گی) ابن عمر نے کہا، آپ کیوں کسی کو مقرر نہیں کررہے ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، مجھے زندگی میں اور مرنے کے بعد بھی اس کی ذمہ داریاں اٹھانا پسند نہیں۔

دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں:

"فمن تأمر منكم على غير مشورة من المسلمين فاضربوا عنقه"(۲).

یعنی جو کوئی تم میں سے بغیر مسلمانوں کے مشورے کے امیر بنا تو اس کی گردن مارو۔

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک اور بات کی وضاحت بھی کی وہ یہ کہ اگر آپ (عمر) خلیفہ مقرر کرتے ہیں تو یہ بھی درست ہے کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی مقرر کیا تھا اور اگر نہیں کرتے تو یہ بھی صحیح ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو مقرر نہیں کیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

"إن أستخلف فسنة وإلا أستخلف فسنة، توفي رسول الله صلى الله عليه وسلم ولم يستخلف وتوفي ابوبكر فاستخلف"(۳).

---

(۱) طبقات ابن سعد: ۳/۳٤۲

(۲) طبقات ابن سعد: ۳/۳٤٤

(۳) طبقات ابن سعد: ۳/۳٤۲

اگر میں خلیفہ مقرر کرتا ہوں تو یہ بھی سنت ہے اور اگر نہیں مقرر کرتا تو یہ بھی سنت ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پائے جب کہ خلیفہ مقرر نہیں فرمایا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ وفات پائے تو خلیفہ مقرر کیا۔

دونوں باتوں کی گنجائش موجود ہے۔

تقرر خلیفہ کے تین طریقے

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلام میں بھی ان دونوں بلکہ تینوں طریقوں کی گنجائش ہے:

۱- یہ کہ خلیفہ کا تقرر مسلمان آپس کے وسیع تر مشورے اور اتفاق رائے سے کریں جیسے خلافت ابی بکر میں ہوا۔

۲- یہ کہ خلیفہ اپنا جانشین خود مقرر کرے، بشرطیکہ وصیت کرنے والا خلیفہ بھی دینی اعتبار سے قابل اعتماد اور حاملِ تقوی وتدیُّن ہو اور اس کا ممکنہ جانشین بھی، جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی۔

۳- یہ کہ منتخب اور چُنے ہوئے افراد کی مختصر شوری تشکیل دی جائے اور وہ اس کا فیصلہ کرے۔ جیسے یہاں خلافت عثمان کے سلسلے میں ہوا۔

تقررِ خلیفہ کے حوالے سے حضرت عمر اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان ایک دلچسپ مکالمہ بھی ابن سعد نے نقل کیا ہے، فرماتے ہیں: ابن عمر نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا،

لو استخلفتَ، اگر آپ خلیفہ مقرر کرتے تو اچھا نہ ہوتا؟ حضرت عمر نے فرمایا، من؟ کس کو؟

ابن عمر نے کہا:

"تجتهد فانك لست لهم برب تجتهد، أرأيت لو أنك بعثتَ إلى قيم أرضك ألم تكن تحب أن يستخلف مكانه حتى يرجع إلى الارض؟ قال بلى، قال: أرأيت لو بعثت إلى راعى غنمك ألم تكن تحب أن يستخلف رجلاً حتى يرجع؟"(۱)

(۱) الطبقات الكبرى لابن سعد: ۳۴۳/۳

حماد بن زید راوی کہتے ہیں:

"فسمعت رجلاً يحدث أيوب انه قال: إن أستخلف فقد استخلَفَ مَن هو خير مني، وإن أترك فقد ترَكَ مَن هو خير مني فلما عرَّض بهذا ظننت انه ليس بمستخلف"(۱).

فرمایا اگر میں نے خلیفہ مقرر کیا تو مجھ سے بہتر (یعنی ابوبکر) نے مقرر کیا ہے اور چھوڑ دیا ہے تو مجھ سے بہتر (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے بھی چھوڑا ہے، راوی کہتا ہے آپ کی اس تعریض سے میں یہ سمجھنے لگا کہ آپ خلیفہ مقرر کرنا نہیں چاہتے۔

عشرہ مبشرہ میں سے بعض کو ذکر نہ کرنے کی وجہ

یہاں یہ ایک سوال ہوسکتا ہے کہ عشرہ مبشرہ میں سے صرف چھ کا ہی کیوں انتخاب کیا گیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ عشرہ مبشرہ میں سے دو تو حضرات یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور خود عمر رضی اللہ عنہ تھے اور یہ دونوں ظاہر ہے شاملِ مشاورت نہیں ہو سکتے تھے، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو خود ہی صاحبِ معاملہ ہیں اور ان کی خلافت شہادت کے ساتھ ختم ہو رہی ہے جب کہ ابوبکر کا ان سے بھی پہلے وصال ہو چکا ہے۔

رہے ابوعبیدۃ بن الجراح تو اُن کا بھی انتقال ہو چکا تھا(۲)۔

سعید بن زید کو شوریٰ میں کیوں نہیں لیا گیا؟

اب بقیہ سات حضرات میں سے صرف سعید بن زید رضی اللہ عنہ ہی بچے، تو ان کا نام نہ لینے کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ حضرت عمر اقربا پروری اور اس کے الزام سے بچنا چاہ رہے تھے اور حضرت سعید ابن زید چونکہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے چچازاد اور بہنوئی تھے سو اُن کو شاملِ مشورہ کرنے پر اور خلافت کا امیدوار بنانے پر اعتراض ہوسکتا تھا۔

اور ممکن ہے کسی اور سبب کی بناء پر ان کو خلافت کے لئے ناموزوں قرار دیا گیا ہو۔ علامہ عینی کہتے ہیں:

"اما سعيد فهو ابن عمّ عُمر رضى الله عنه فلعلّه لم يذكره لذلك او لأنه لم يره أهلاً لها بسببٍ من الأسباب"(۳).

---

(۱) الطبقات الكبرى: ۳۴۳/۳

(۲) فتح الباري: ۸۴/۹

(۳) عمدة القاري: ۲۱۲/۱۶، وفتح الباري: ۸۴/۹

لیکن خلافت کے لئے نااہل قرار دینے کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ حضرت سعید بن زید عشرہ مبشرہ میں بھی نہیں رہے تھے یا ان کے مقام ومرتبے میں کوئی کمی آئی تھی، چنانچہ مدائنی کی روایت ہے، جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سعید بن زید کا ان لوگوں میں شمار کیا ہے، جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہوتے وقت راضی تھے، مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شوری خلافت سے ان کو قرابت داری کی وجہ سے مستثنیٰ فرمایا تاکہ آپ رضی اللہ عنہ پر اقربا پروری کا الزام نہ لگے، چنانچہ اس روایت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ مروی ہیں:

"لا أرب لي في أموركم فأرغب فيها لأحد من أهلي"(١).

مجھے تمہارے (خلافت وغیرہ) امور کی کوئی حاجت وضرورت ہی نہیں ہے کہ اپنے کسی رشتہ دار کے لئے اس میں دلچسپی لوں۔

ابن عمر کو شوری میں شامل نہ کرنے کی وجہ

چنانچہ حضرت عُمر نے اپنے صاحبزادے اور جلیل القدر صحابی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو بھی شوری میں شامل نہیں کیا جب کہ اہلیت واہمیت کے ساتھ ساتھ وہ ہمدردی اور دلجوئی کا بھی حق رکھتے تھے، مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی بس اتنی سی خاطرداری کی کہ فرمایا، "يشهدكم عبد الله بن عمر".

عبداللہ بن عمر بھی تمہارے پاس حاضر ہوا کریں گے۔

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"أي يحضركم، ولكن ليس له من الأمر شيء، وإنما قال هذا مع أهليته لأنه رأى غيره أولى منه"(٢).

یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ حاضر تو ہوا کریں گے مگر ان کے پاس کسی چیز کا اختیار نہیں ہوگا۔ اور یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس لئے فرمائی کہ آپ دوسروں کو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ اہل سمجھتے تھے، اگرچہ اہلیت تو ابن عمر رضی اللہ عنہ میں بھی تھی مگر دوسروں میں زیادہ ہوتی ہوگی۔ بعض روایات میں یہ

(١) فتح الباري: ٨٤/٩

(٢) عمدة القاري: ٢١٢/١٦

بھی آیا ہے کہ بعض حضرات نے ابن عمر کو ذمہ داریاں دینے کے حوالے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بات بھی کی تھی، چنانچہ روایتِ ابن سعد میں الفاظ آئے ہیں:

"قال عمر مَن أستخلِف؟، لو كان ابو عبيدة بن الجراح، فقال له رجل: يا أمير المؤمنين! فاين أنت من عبد الله بن عمر؟ فقال قاتلك الله والله ما أردت الله بهذا، أستخلف رجلاً ليس يحسن يطلق امرأته"(۱).

فرمایا اگر ابوعبیدہ بن الجراح ہوتے تو کیا ہی اچھا ہوتا، میں انہی کو خلیفہ مقرر کرتا اب کس کو کروں؟ ایک آدمی نے کہا، امیر المؤمنین! آپ ابن عمر کو کیوں بھول رہے ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، تیرا بیڑا غرق ہو، یہ تم اللہ کے لئے نہیں (مجھے خوش کرنے یا کسی اور مقصد کے لئے) کہہ رہے ہو۔ کیا میں ایک ایسے آدمی کو خلیفہ بناؤں، جو صحیح طریقے سے اپنی بیوی کو طلاق دینا بھی نہیں جانتا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اپنے والد گرامی کی ان سے خیر خواہی، اور خلافت کی بھاری ذمہ داریوں سے انہیں بچانے کی حکمت و مصلحت سمجھ رہے تھے، یہی وجہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے حوالے سے وصیتِ مذکورہ کے بعد جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو شریکِ مشاورت وخلافت کرنے کی غرض سے بلایا جاتا رہا تو ابن عمر رضی اللہ عنہ اس سے معذرت کرتے رہے، اور وجہ وہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے ممانعت بتاتے رہے، کیونکہ عمر رضی اللہ عنہ کی رائے ان کے نزدیک فراست سے خالی نہ تھی، یہی مضمون ابن سعد کی مندرجہ ذیل روایت میں مذکور ہے۔ راوی عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں:

"ثم قال: قوموا فتشاوروا، فأمّروا أحدكم. قال عبد الله بن عمر: فقاموا يتشاورون، فدعاني عثمان مرةً أو مرتين ليُدخلَني في الأمر ولا والله ما أحب أني كنت فيه؛ علماً أنه سيكون في أمرهم ما قال أبي، والله لقلَّ ما رأيته يحرك شفتيه بشيء قط إلا كان حقا. فلما أكثر عثمان عليَّ قلت ألا تعقلون؟ أتومرون وامير المؤمنين حيٌّ"(۲).

---

(۱) طبقات ابن سعد: ۳۴۳/۳

(۲) طبقات ابن سعد: ۳۴٤/۳

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، اب تم شوری والے جاؤ اور مشورے سے اپنے میں سے کسی کو امیر بنادو! عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، چنانچہ یہ حضرات کھڑے ہوکر مشورہ کرنے چلے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مجھے بھی ایک دومرتبہ بلایا تاکہ مجھے بھی شاملِ مشاورت وحکومت کرے، لیکن نہیں، بخدا میں اس میں نہیں آنا چاہ رہا تھا کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ اس میں ضرور وہ کچھ ہوگا جس کا میرے والد نے کہہ دیا ہے۔ اور قسم ہے اللہ کی! میں نے کم ہی ایسا دیکھا ہوگا کہ میرے والد نے کسی چیز کے متعلق ہونٹ ہلائے ہوں اور وہ نہ ہوا ہو۔ (بلکہ جو وہ کہتے ضرور وہی ہوکر رہتا) پھر جب عثمان رضی اللہ عنہ نے کچھ زیادہ ہی اصرار کیا تو میں نے کہا، کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟ امیر المؤمنین ابھی حیات ہیں اور تم امیر بنارہے ہو (تب میری جان چھوٹی)۔

كهيئة التعزية له

یعنی جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر کو شوریٰ خلافت سے نکالا تو ان کی خاطر داری اور دلجوئی کے لئے انہیں اہل مشورہ میں شامل وداخل کرلیا۔

تعزیت کا معنی ہے صبر کی تلقین اور تسلی دینا، یا یہ ان کے والد کی وفات پر اہل حل وعقد کی طرف سے ان سے تعزیت کے مترادف تھا، اس لئے فرمایا، "كهيئة التعزية". تعزیت کے طور پر۔

کرمانی رحمہ اللہ نے خیال ظاہر کیا ہے کہ "كهيئة التعزية" کے الفاظ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نہیں، بلکہ کسی راوی کے ہیں (۱)۔

لیکن ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"لم أعرف من أين تهيأله الجزم بذلك مع الاحتمال" (۲).

معلوم نہیں ان کو کہاں سے یہ جزم حاصل ہوا، حالانکہ یہ محض ایک احتمال ہے کہ یہ راوی کا اضافہ ہو۔

حافظ صاحب نے مدائنی کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شوری والوں سے یہ الفاظ فرمائے تھے:

"إذا اجتمع ثلاثة على رأي فحكموا عبدَ الله بن عمر، فإن لم ترضوا

---

(۱) شرح الكرماني: ۱۴/۲۳۹

(۲) فتح الباري: ۹/۸۴

بحكمه فقدّموا من معه عبد الرحمن بن عوف"(۱).

جب تین آدمی ایک رائے پر مجتمع ہو جائیں تو ان کا حکم اور فیصل عبداللہ بن عمر کو بنائیں اور اگر ان کے فیصلے پر تم راضی نہیں ہوتے تو اس کو ترجیح دو جس کے ساتھ عبدالرحمٰن بن عوف ہے۔

حضرت سعد کے لئے خصوصی سفارش

فَإِنْ أَصَابَتِ الإِمْرَةُ سَعْدًا...... اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بطور خاص حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا نام لیا، اور فرمایا اگر تم ان پر اتفاق کر لیتے ہو تو ٹھیک ہے وہ خلیفہ رہیں اور وہ اس کے اہل ہیں، اور اگر کسی اور پر اتفاق ہوتا ہے تو پھر وہ جو بھی ہو، اسے سعد سے امور خلافت میں ضرور مدد لینی چاہیے۔

اس تصریح کی وجہ بھی عمر رضی اللہ عنہ نے خود ہی بتادی اور وہ یہ کہ اس سے قبل آپ رضی اللہ عنہ نے انہیں کوفہ کی گورنری سے معزول کیا تھا، جس سے کسی کو یہ گمان ہو سکتا تھا کہ یہ ان (سعد) کی نااہلی کی وجہ سے ہوا ہوگا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسی کسی بھی بات کی نفی کر دی۔ عجز سے مراد عجز في التصرف اور خيانة سے خیانت في المال مراد ہے(۲)۔ یہاں اس نسخے میں "إمرة" کا لفظ آیا ہے، جب کہ کشمیہنی کے نسخے میں "إمارة" بالالف آیا ہے(۳)۔

مدائنی کی روایت میں یہ اضافہ ہے:

"وما أظن أن يلي هذا الأمر إلا علي أو عثمان فإن ولي عثمان فرجل فيه لين، وإن ولي علي فتختلف عليه الناس، وإن ولي سعد...... وإلا فليستعن به الوالي"(٤).

میرا یہی خیال ہے کہ اس معاملہ (خلافت) کو حضرت علی رضی اللہ عنہ یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہی سنبھال لیں گے، اگر عثمان رضی اللہ عنہ کو اس کی ذمہ داری ملتی ہے تو وہ ایک ایسا آدمی ہے جس میں نرمی ہے اور اگر

---

(١) فتح الباري: ٨٤/٩

(٢) عمدة القاري: ٢١٢/١٦

(٣) فتح الباري: ٨٤/٩، وعمدة القاري: ٢١٢/١٦

(٤) فتح الباري: ٨٥/٩

علی رضی اللہ عنہ خلیفہ بنتے ہیں تو ان میں لوگ اختلاف کریں گے، اور اگر سعد خلیفہ بنتے ہیں تو ٹھیک وگرنہ والی (جو بھی بنے) ان سے مدد لے۔

پھر ابوطلحہ انصاری سے بطور خاص بولا کہ اللہ تعالیٰ نے تم انصار کے ذریعے اسلام کی مدد ونصرت فرمائی، سو آپ انصار میں سے پچاس افراد کو چنو اور انہیں ترغیب دو کہ وہ پھر اپنے میں سے کسی آدمی کو منتخب کرلیں (۱)۔

اگلے خلیفہ اور دیگر حضرات کو وصیتیں

وقال أوصي الخليفة...... پھر آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد آنے والے ممکنہ خلیفہ کو مختلف وصیتیں فرمائیں۔ جب کہ ابواسحاق عمرو ابن میمون سے جو روایت نقل کرتے ہیں، اس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام لے کر آپ نے انہیں مخاطب کیا اور یہ ہدایات اور وصیتیں ان کی گوش گزار فرمائیں۔ چنانچہ کہتے ہیں:

"فقال: ادعوا لي علياً، وعثمان، وعبد الرحمن، وسعداً، والزبير، وكان طلحة غائباً"(۲).

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ غائب تھے اور ان کے علاوہ سب اہل شوریٰ عثمان، علی، عبدالرحمٰن، سعد، زبیر کو بلایا۔ راوی کہتا ہے پھر عثمان رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی سے بھی بات نہیں کی۔

چنانچہ فرمایا:

"يا علي، لعل هؤلاء القوم يعلمون لك حقك وقرابتك من رسول الله وصهرك وما أتاك الله من الفقه والعلم فإن وليت هذا الأمر فاتق الله فيه"(۳).

فرمایا، علی! یہ لوگ شاید آپ کے حق کو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ

---

(۱) فتح الباري: ۸۵/۹

(۲) فتح الباري: ۸۵/۹

(۳) طبقات ابن سعد: ۳۴۱/۳

کی رشتہ داری اور سسرالی تعلق کو، اور اس علم وفقہ کو جانتے ہوں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کیا ہے۔ لہٰذا اگر آپ خلیفہ بن جاتے ہیں تو اس (خلافت) کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہیے۔

پھر آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان سے بھی تقریباً وہی باتیں کیں، چنانچہ اسرائیل عن ابی اسحاق کی اسی روایت میں یہ الفاظ منقول ہیں:

"يا عثمان لعل هولاء القوم يعرفون لك صهرك من رسول الله وسنّك وشرفَك فإن ولّوك هذا الأمر فاتق الله فيه ولا تحملن بني ابي معيط على رقاب الناس"(١).

عثمان! اگر لوگ یہ معاملہ (خلافت) آپ کے سپرد کرتے ہیں تو آپ اس میں اللہ سے ڈرتے رہئے اور بنو ابی معیط کو لوگوں کی گردنوں پر سوار نہ کریں۔

ایک اور روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی ان الفاظ میں خطاب کرنے کا ذکر ہے:

"إن وليتَ من أمر المسلمين شيئا فلا تحملن بني عبد المطلب على رقاب الناس"(٢).

یعنی اگر تمہیں خلافت کی ذمہ داریاں سونپی جاتی ہیں تو بنو عبد المطلب کو لوگوں کے سروں پر سوار نہ کرو۔

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے اسی روایت میں ہے:

"ثم قال ادعوا لي صهيباً، فدعي فقال: صلِّ بالناس ثلاثاً وليخل هولاء القوم في بيت فإذا اجتمعوا على رجل فمن خالفَهم فاضربوا عنقه"(٣).

---

(١) طبقات ابن سعد: ٣٤١/٣

(٢) طبقات ابن سعد: ٣٤١/٣

(٣) طبقات ابن سعد: ٣٤١/٣

فرمایا، صہیب کو میرے پاس بلاؤ، بلایا گیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، تین دن تک لوگوں کو نمازیں پڑھاتے رہو اور یہ لوگ ایک گھر میں جمع ہوں اور جس آدمی پر ان کا اتفاق ہو جائے، اس کا جو بھی خلاف کرے، اس کی گردن اڑاؤ۔

ابن سعد کی ایک اور روایت میں حضرت عثمان و علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ دوسرے حضرات کو بھی وصیت کی گئی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

"فقال: إني قد نظرت لكم في أمر الناس فلم أجد عند الناس شقاقاً إلا أن يكون فيكم، فإن كان شقاق فهو فيكم وإنما الأمر إلى ستة، إلى عبدِ الرحمن، وعثمان، وعلي، والزبير، وطلحة، وسعيد، وكان طلحة غائباً في أمواله بالسراة -ثم إن قومكم إنما يؤمّرون أحدَكم أيها الثلاثة- لعبدِ الرحمن وعثمان وعلي- فإن كنت على شيء من أمر الناس يا علي فلا تحملنَّ بني هاشم على رقاب الناس"(١).

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے لوگوں کے اس معاملے میں دیکھا تو مجھے ان میں نہیں، تم میں اختلاف نظر آیا، اختلاف اگر ہے تو وہ تم میں ہے۔ یہ معاملہ ویسے تو تم چھ افراد عبدالرحمٰن، علی، عثمان، زبیر، طلحہ اور سعد کے سپرد ہے۔ جب کہ طلحہ اپنے اموال کے سلسلے میں غائب تھا۔ پھر تمہاری قوم تم تینوں میں سے کسی کو خلیفہ بنائے گی اے عبدالرحمٰن، عثمان اور علی! لہٰذا عبدالرحمٰن اگر تجھے کچھ ملتا ہے تو تم اپنے رشتے داروں کو لوگوں کی گردنوں پر سوار نہ کرو، عثمان! تم ابو معیط کی اولاد کو اور علی! تم بنو ہاشم کو لوگوں کی گردنوں پر سوار نہ کرو۔

بِالْمُهَاجِرِينَ الْأَوَّلِينَ

اس کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مہاجرین، انصار، اہل امصار اور اعراب جیسے مختلف شناخت کے

(١) طبقات ابن سعد: ٣/٣٤٤

حامل مسلمانوں میں سے ہر ایک کی خصوصیت اور امتیازی شان بیان کر کے ان کا خیال رکھنے کی وصیت فرمائی۔

مہاجرین اولین سے کون مراد ہیں

بعض حضرات کہتے ہیں، وہ حضرات مراد ہیں جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی۔ یعنی تحویلِ قبلہ سے پہلے ہی جو مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ بیعۃ الرضوان میں شریک حضرات مراد ہیں اور یہ حضرات ترکِ وطن کر کے دار الہجرہ اور مدینۃ الرسول تشریف لائے۔ علامہ عینی رحمہ اللہ نے قولِ اول سعید بن مسیب کی طرف اور دوم شعبی کی طرف منسوب کیا ہے(۱)۔

"انصار" کے معنی ومصداق

جب کہ انصار وہ ہیں جو "دار" یعنی مدینہ منورہ میں پہلے سے سکونت پذیر تھے۔ اور اسلام کی خاطر ہجر (ترکِ) وطن کرنے والوں کی جنہوں نے نصرت کی، وہی حضرات مراد ہیں۔

"تبوّؤا الدار و الإيمان مِن قبلهم" کا معنی یہ ہے کہ انصار مدینہ منورہ میں مہاجرین سے قبل آئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہاں تشریف آوری سے دو سال پہلے انہوں نے مسجدیں بنائی تھیں، یہ معنی نہیں ہے کہ مہاجرین سے قبل وہ ایمان لائے تھے کیونکہ ایمان اور ہجرت میں سابقیت مہاجرین کو ہی حاصل تھی(۲)۔

اور جہاں تک "والإيمان" کا تعلق ہے تو اس کے متعلق ایک قول تو یہ ہے کہ یہ بھی مدینہ منورہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے اور یہ گویا "دار" سے بدل ہے مگر اس قول کو بعید اور دور از کار قرار دیا گیا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"والراجح، أنه ضمن "تبوّأ" معنى لزم، أو عاملُ نصبهِ محذوف وتقديره واعتقدوا، أو أن الإيمان لشدة ثبوته في قلوبهم كأنه أحاط بهم وكأنهم نزلوه والله أعلم"(۳).

---

(۱) فتح الباري: ۸۵/۹، وعمدة القاري: ۲۱۲/۱۶

(۲) عمدة القاري: ۲۱۳/۱۶

(۳) فتح الباري: ۸۵/۹

کہتے ہیں راجح یہ ہے کہ "تبوؤا" لَزِم کے معنی کو متضمن ہے اور معنی ہے وہ لوگ جنہوں نے مدینہ منورہ اور ایمان کو لازم پکڑا، دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس کا عاملِ ناصب محذوف ہے اور تقدیر عبارت ہے، "واعتقدوا الإيمان" تیسرا احتمال یہ ہے کہ ایمان کے ان کے دلوں میں رسوخ وثبوت کے باعث گویا کہ اس (ایمان) نے ان کے دلوں کو گھیرے میں لے رکھا ہے اور وہ گویا ایمان کے پاس احاطے میں اتر رہے ہیں۔

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"والإيمان فيه إضمار أي وآثروا الإيمان، من باب علفتها تبناً وماءً ا بارداً، لأن الإيمان ليس بمكان فيتبوؤا فيه، والتبوُّؤ التمكن والاستقرار وليس المراد أن الأنصار آمنوا قبل المهاجرين بل قبل مجيئ النبي صلى الله عليه وسلم إليهم"(۱).

یعنی "الدار" کے بعد جو لفظ "الإيمان" آیا ہے اس کا فعل مضمر ہے اور وہ یہاں "آثروا" ہو سکتا ہے اور یوں یہ عبارت "علفتها تبناً وماءً ا بارداً" کے قبیل سے ہو جائے گی، اس اضمار کی وجہ یہ ہے کہ ایمان کوئی مکان نہیں ہے کہ اسے ٹھکانہ بنایا جائے کیونکہ تبوُّء کا معنی ہے مکان بنانا اور قرار پکڑنا۔ پھر قبلھم سے بھی یہ نہ سمجھا جائے کہ انصار نے مہاجرین سے پہلے اسلام قبول کیا تھا، بلکہ معنی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی یہاں تشریف آوری سے پہلے ہی انہوں نے ایمان قبول کیا اور مدینہ کو ٹھکانہ بنا دیا تھا۔

عام شہریوں کے لئے وصیت

انصار ومہاجرین سے متعلق وصیت کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عام شہریوں کے متعلق وصیت فرمائی اور ان کی قدر ومنزلت واہمیت بتائی۔

"ردء الاسلام" بکسر الراء یعنی اسلام کے مددگار اور اس کا دفاع کرنے والے۔

"جُباةُ الاموال" جباة، جابي کی جمع ہے جیسے قُضاة قاضِی کی اور غُلاة غالِی کی جمع ہے معنی ہے مال جمع کرنے والے۔ غیظ العدو یعنی اپنی کثرت کے باعث دشمنوں کو غصہ دلاتے اور انہیں جلن میں مبتلا

(۱) عمدة القاري: ۲۱۳/۱٦

کرتے ہیں۔ وأن لا یؤخذ منہم..... یعنی ان سے صرف زائد از ضرورت مال لیا جائے اور وہ بھی ان کی رضامندی سے۔

کشمیہنی کی روایت میں "ویؤخذ منہم" کے الفاظ آئے ہیں، بغیر "لا" کے لیکن صحیح اول کو قرار دیا گیا ہے(۱)۔

پھر اعراب کے متعلق وصیت فرمائی، ان کو اہلِ عرب قرار دیا اور فرمایا، ان سے حواشی اموال لیا جائے، یعنی غیر عمدہ۔

ذمة الله ورسوله سے مراد ذمی ہیں کیونکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے ذمے میں ہوتے تھے، ان کے ورے قتال سے مراد یہ ہے کہ اگر دشمن ان کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے تو ان کی مسلمانوں کی طرح حفاظت کی جائے۔

تمام طبقات کے لئے وصیت

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں سارے لوگوں کے متعلق مفصل اور جامع وصیت فرمائی، جس میں ہر طبقے کی خصوصیات اور امتیازات ذکر کر کے اس کے حقوق، اہمیت اور قدر و قیمت کو اجاگر کیا، چنانچہ لوگ ابتداءً یا تو کافر ہوں گے یا مسلمان، پھر کافر حربی ہوگا یا ذمی، حربی تو خارج از بحث ہے اور اس کے لئے تو وصیت نہیں ہوسکتی۔ ذمی چونکہ اللہ اور رسول کے ذمے داری پر دار الاسلام میں آزاد اور محفوظ ہو کر رہتا ہے اس لئے اس کے لئے وصیت فرمادی۔ پھر مسلمان یا تو مہاجر ہوگا یا انصاری۔ باہر سے اسلام کے لئے ہجرت کر کے آنے والے اور ان کی مدد کرنے والے مقامی حضرات انتہائی اہم ہیں پھر وہ یا تو شہری ہوں گے اور یا دیہاتی دونوں کو ذکر فرمایا، جب کہ مدائنی کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں۔

"وأحسِنوا موازَرة مَن يلي أمرَكم وأعينوه وأدُّوا إليه الأمانة"(۲).

یعنی ولی الأمر کی خوب پشت پناہی کرو، اس کی مدد کرو اور امانت اس کے سپرد کرو۔

فانطلقنا ہم چلے۔ جب کہ کشمیہنی کی روایت میں فانقلبنا آیا ہے یعنی ہم لوٹے اور واپس

---

(۱) فتح الباري: ۸۵/۹

(۲) فتح الباري: ۸۵/۹

ہوئے (۱)۔

قبور ثلاثہ کی کیفیتِ وقوع

فوضع هنالك مع صاحبيه: پھر انہیں اپنے دونوں ساتھیوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ دفنایا گیا۔ اتنی بات تو متفق علیہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دونوں ساتھیوں کے ہمراہ ایک ہی بُقعہٴ مبارکہ اور ایک ہی احاطہ میں دفن ہیں البتہ قبور کی ہیئت و کیفیت میں اقوال مختلف ہیں۔

اکثر حضرات تو یہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر ہے پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اور پھر عمر رضی اللہ عنہ کی۔ بعض کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر قبلہ کی طرف ہے آپ کے کندھوں کے ساتھ ابوبکر اور ابوبکر کے کندھوں کے ساتھ عمر رضی اللہ عنہ کی قبر ہے۔ اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کی طرف ابوبکر کی قبر ہے اور پیروں کی طرف عمر کی۔ اور ایک قول یہ ہے کہ ابوبکر کی قبر رسول اللہ کے پیروں کے ساتھ ہیں اور عمر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیروں کے ساتھ ہیں۔ اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں (۲)۔

نئے امیر المؤمنین کا تقرر اور عبدالرحمٰن بن عوف کی دانشمندانہ حکمت عملی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تدفین کے بعد آپ کی وصیت کے مطابق نئے امیر المؤمنین کی تعیین وتقرر کا معاملہ شروع ہوا، چھ اصحاب کی شوریٰ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود بنائی تھی انہیں میں سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف بھی تھے، انہوں نے تمام حضرات کو جمع کر کے سب سے پہلے تو تین کو تین کے حق میں دستبردار ہونے کے لئے فرمایا، اسلام میں خلیفہ کی بھاری ذمہ داریوں اور حساس پوزیشن کے احساس کے سبب صحابہ کرام کے لئے یہ کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا کہ وہ اس طلبِ امارت سے دستبردار ہو جائیں بلکہ اس (خلافت) کے لئے تیار ہونا، ان کے لئے دشوار تھا چنانچہ زبیر، علی کے حق میں، طلحہ عثمان کے حق میں، اور سعد عبدالرحمٰن بن عوف کے حق میں دست بردار ہو گئے اور اب صرف تین میں سے ایک کا تقرر وتعیین چھ میں سے ایک کی بنسبت زیادہ آسان تھا، اس لئے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے چھ کو اپنا معاملہ تین میں کرنے کے لئے فرمایا، اب عبدالرحمٰن بن عوف تو متکلم تھے اور حضرت عثمان وعلی رضی

---

(۱) فتح الباري: ۸۵/۹

(۲) فتح الباري: ۸۵/۹، ۸۶

اللہ عنہما جیسے جلیل القدر شیوخِ اسلام سے بجا طور پر متوقع تھا کہ وہ اس عہدے سے معذرت کرلیں گے اور عبدالرحمٰن بن عوف جو خود ایک قدآور صحابیِ رسول تھے، ان کا آپ دونوں میں سے کسی ایک کے حق میں رائے دینے کا امکان تھا، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے ایک بصیرت افروز منطق سے کام لیا، فرمایا تم دونوں میں سے جو انکار کرے گا ہم اسی کو ذمہ داری سونپ دیں گے۔ اور اسلام کا مزاج اور حق کا دستور بھی یہ ہے کہ جو کوئی عہدہ طلب کرے گا وہ خود اس کا ذمہ دار ہوگا اور جو آمادہ نہیں ہوگا اور عہدہ اس کے حوالے ہوگا اس کی اللہ تعالیٰ مدد کریں گے۔

اب اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ میں سے کوئی بیزاری کا اظہار کرتا تو اسے امیر بنا لیا جاتا سو اس خوف سے ایک نے بھی براءت کا اظہار نہیں کیا۔

دوسری بات عبدالرحمٰن نے یہ فرمائی کہ تم میں سے ہر ایک اپنے دل اور اعتقاد میں، جس کو افضل سمجھے، اس کا نام لے، اور ظاہر ہے از راہِ دیانت وہ دونوں ہی اپنے اپنے مقام ومرتبے سے واقف تھے اور جانتے تھے کہ افضل تو وہ خود ہیں سو وہ کسی اور کو افضل قرار دینے کا خلافِ واقعہ اظہار کیسے کر سکتے تھے نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں حضرات خاموش ہو گئے۔

وَاللّٰهُ عَلَيْهِ وَالإِسْلَامُ

یہ ایک طرح کی قسم ہے، واللہ مبتداء اور "علیه" خبر ہے، یعنی واللہ رقیب علیه اور "الاسلام" کا لفظ اللہ پر عطف ہے یعنی اللہ تعالیٰ اور اللہ کے دین کو نگہبان مان کر فیصلہ کرو(۱)۔

لَيَنْظُرَنَّ أَفْضَلَهُمْ فِي نَفْسِهِ

لام کے فتحے کے ساتھ، جوابِ قسم ہے اور معنی یہ ہے کہ تمہیں اللہ کا واسطہ اور قَسم ہے کہ تم میں سے ہر ایک اسی آدمی کو دیکھے جو اس کی نظر میں سب سے افضل ہو اور یا پھر بکسر اللام امر غائب ہے اور معنی یہی ہے، "وفی نفسه" یعنی اپنے اعتقاد اور اپنے دل میں جسے بہتر جانے اور از راہِ دیانت جس کو خلافت کا اہل سمجھے، اس کو متعین کرے(۲)۔

ایک روایت میں ان الفاظ کا اضافہ ہے:

---

(۱) فتح الباري: ۸٦/۹، عمدة القاري: ۲۱۳/۱٦، إرشاد الساري: ۱۹۸/۸

(۲) فتح الباري: ۸٦/۹

”فقال عثمان: أنا أول مَن رضي وقال علي: أعطني مؤثقاً لتوثرن الحق ولا تخصَّنَّ ذا رحم، قال: نعم، ثم قال أعطوني مواثيقكم أن تكونوا معي على مَن خالف“(۱).

عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا میں وہ پہلا آدمی ہوں جو آپ کی بات پر راضی ہوں۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا، مجھے آپ عہد و پیمان کے ساتھ یقین دلائیں کہ آپ جو فیصلہ کریں گے، اس میں حق کو ترجیح دو گے اور کسی رشتہ دار کو مخصوص نہ کرو گے۔ انہوں نے فرمایا، جی میں عہد کرتا ہوں، پھر عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا، آپ بھی مجھ سے عہد کرو کہ جس نے اس (فیصلے) کی مخالفت کی اس کے خلاف میرا ساتھ دو گے۔

فأسكَتَ

ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ، مجہول کا صیغہ ہے معنی ہے انہیں خاموش کیا گیا، ”كأن مُسكِتاً أسكتهما“ جیسے کسی خاموش کرنے والے نے انہیں خاموش کیا، یا پھر بفتح الہمزہ أسكت بمعنی سكتَ، وہ خاموش ہو گئے۔

یعنی شیخین (حضرت علی وعثمان) دونوں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی بات سن کر بالکل خاموش ہو گئے(۲)۔

فَأَخَذَ بِيَدِ أَحَدِهِمَا

انہوں نے ان دونوں میں سے ایک کا ہاتھ پکڑ لیا۔

مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں، جیسے کہ آگے عبارت سے اندازہ ہوتا ہے اور روایتِ ابن فضیل میں اس کی تصریح بھی ہے(۳)۔

ما قد علمت به ...... والقِدَم سے بدل ہے یا اس کی صفت ہے(۴)۔

ثُمَّ خَلاَ بِالآخَرِ

پھر وہ دوسرے سے خلوت میں ملے۔

---

(۱) فتح الباري: ۸۶/۹

(۲) فتح الباري: ۸۶/۹

(۳) فتح الباري: ۸۶/۹

(٤) فتح الباري: ۸۶/۹، إرشاد الساري: ۱۹۸/۸

طبرانی رحمہ اللہ نے مدائنی کے طریق سے نقل کیا ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مقرر کرنے کا مشورہ دیا اور پھر ان دنوں اپنے احباب اور مدینہ میں جس جس سے ملتے انہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حوالے سے کہتے رہے(۱)۔

بعض فوائدِ حدیث

اس حدیث سے کئی فوائد اخذ کئے گئے ہیں: مثلاً:

۱-مسلمانوں پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شفقت اور ان کے ساتھ خیر خواہی۔

۲-ان میں سنت کی اقامت۔

۳-اللہ تعالیٰ کا خوف اور خشیت۔

۴-اپنے ذاتی معاملے سے زیادہ دین کے معاملے کا اہتمام۔

۵-اس طرح یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کسی کے سامنے اس کی تعریف کی ممانعت اس وقت ہے جب اس میں غلو، افراط تفریط یا خلافِ واقعہ کوئی بات ہو اور جب اس قسم کی قباحتیں نہ ہوں تو پھر اس میں حرج نہیں ہے: اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس نوجوان کو (جس کا حدیث ہذا میں ذکر ہے) اپنی روش سے منع نہیں کیا، جو آپ رضی اللہ عنہ کے سامنے آپ کی تعریف کر رہا تھا حالانکہ آپ رضی اللہ عنہ انہیں پائنچے اٹھانے کا حکم دے رہے ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس وقت بھی اپنی دینی ذمہ داریوں سے غافل نہ تھے۔

۶-یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس آخری وقت میں قرضوں کی ادائیگی کی وصیت کرنی چاہیے جیسے حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے وصیت فرمائی مگر تعریف کرنے سے نہیں روک رہے تھے۔

۷-یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اہل خیر وصلاح کے پاس مدفون ہونے کی بھی بڑی اہمیت ہے اور سلف صالحین اس کی بڑی فکر اور اہتمام کرتے تھے۔

۸-یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ خلیفہ کی تقرری کے سلسلے میں مشاورت ہونی چاہیے اور اس میں افضل (دوسروں سے بہتر) کو مقدم کرنا چاہیے اور امام کا تقرر بیعت سے ہوتا ہے(۲)۔

---

(۱) فتح الباري: ۸٦/۹

(۲) فتح الباري: ۸۷/۹

مفضول کو افضل کا خلیفہ بنانے کے جواز پر استدلال

ابن بطال رحمہ اللہ کہتے ہیں اس قصے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مفضول کو افضل کا امیر اور حاکم بنانا جائز ہے، کیونکہ اس کا جواز اگر نہ ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس معاملۂ خلافت کو چھ افراد کے شوریٰ میں لاعلی التعیین تفویض نہ کرتے، کیونکہ خلافت کو شوریٰ کے سپرد کرنے کا مطلب یہ تھا کہ ان میں سے کسی کو بھی متعین کرنا جائز ہے جب کہ اس میں افضل اور مفضول معلوم تھے (کیوں کہ افضل تو بالترتیب عثمان وعلی تھے) تو اگر صرف افضل کا یہ استحقاق ہوتا تو آپ رضی اللہ عنہ متعین طور پر ان میں سے افضل کے لئے وصیت کر دیتے اور مفضول کو اس شمار میں ہی نہ لاتے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے طرز عمل سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ مفضول کو افضل پر حاکم اور ''ولی الامر'' بنایا جاسکتا ہے کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا تھا:

''قد رضيتُ لكم أحدَ الرجلين عمر وأبي عبيدة''(۱). میں نے تمہارے لئے عمر اور ابو عبیدہ دونوں میں سے کسی ایک کو پسند کیا ہے۔

حالانکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ ان دونوں میں سے افضل کون ہیں اور مفضول کون۔

حضرت عمر کے طرزِ عمل پر اشکال اور اس کا جواب

افضل یا مفضول کو خلیفہ بنانے کے حوالے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس عمل پر بھی اشکال ہوا ہے جو انہوں نے خلافت کے سلسلے میں اختیار کیا اور وہ یوں کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ مفضول کو ولایت دینے کو جائز نہیں سمجھتے تھے تو پھر مطلب یہ ہوا کہ ان چھ افراد کے علاوہ آپ رضی اللہ عنہ دوسرے سب حضرات کو مفضول سمجھ رہے تھے اسی لئے ان کو الگ کر دیا کیونکہ اگر ان میں کوئی ایسا آدمی ہوتا جو مذکورہ چھ سے افضل ہوتا تو پھر تو اسی کو خلیفہ بنانا ضروری تھا، لیکن اشکال یہ ہے کہ اگر آپ رضی اللہ عنہ یہ جانتے تھے کہ یہ چھ حضرات بقیہ تمام سے افضل ہیں تو پھر یہ بھی یقیناً جانتے ہوں گے کہ ان چھ میں افضل کون ہے اور اگر یہ آپ جانتے ہیں تو پھر اس کو ہی متعین طور پر خلیفہ بنانا چاہیے تھا نہ یہ کہ اسے اور اسی سے مفضول حضرات کو اس میں برابر کے مستحق بنائیں۔

اور اگر آپ رضی اللہ عنہ مفضول کی خلافت کے بھی جواز کے قائل تھے تو پھر تو ان چھ میں سے اور ان کے علاوہ دوسرے حضرات میں سے کسی کو بھی خلیفہ بنانا ممکن تھا حالانکہ ایسا ہے نہیں، کیونکہ چھ افراد کے ساتھ اسے

---

(۱) فتح الباري: ۹/۸۷

مخصوص کرنے کا معنی یہ ہے کہ ان کے علاوہ کسی کو خلیفہ بنانا جائز نہیں تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے دو مثالیں تھیں، ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال تھی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو اپنا خلیفہ بنانے کی تصریح نہیں کی تھی اور اسے گویا اہل حل وعقد کی صوابدید پر چھوڑا تھا۔

اور دوسری مثال حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تھی جنہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا تھا، اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دونوں کی رعایت یوں رکھی کہ چھ اُفضل اور اُحق (زیادہ حقدار) افراد کو تو متعین کر دیا اور ایک طرح سے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرح خلیفہ کی تعیین کر دی مگر ان میں پھر اُفضل ترین جو ایک آدمی تھا، اس کی تعیین اور تخصیص نہیں کی تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترک تصریح وتعیین میں پیروی ہو(۱)۔

استخلاف اور ترک تعیین خلیفہ کو جمع کرنے کی اس صورت کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول سے بھی تائید ہوتی ہے: "لا أتحملها حياً وميتاً" (۲).

میں زندگی میں اور مرنے کے بعد بھی اس امر خلافت کی مسئولیت کا بوجھ نہیں اٹھانا چاہتا ہوں۔

حیّاً اور میتاً اس کا بوجھ اٹھانے کا مطلب یہ ہے کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسی کو خلیفہ متعین کرتے تو اس کے سارے افعال کی نسبت اجمالاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف بھی ہوتی اور یوں کہا جا سکتا تھا کہ عمر کے آدمی نے یوں کیا اور یوں کیا...... اور گویا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ذمہ خلافت کے بوجھ سے مرنے کے بعد بھی نہ چھوٹتا؛ اس لئے انہوں نے خلیفہ کی تعیین نہیں کی، بلکہ اہل حل وعقد کو تو متعین کر دیا اور باقی تعیینِ خلیفہ کی ذمہ داری انہیں پر ڈال دی اور اس میں باہمی مشاورت اور مناظرے کی گنجائش رکھی تاکہ جو آدمی متعین ہو، اس کی نسبت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف نہ ہو۔

بلکہ وہ موجود وحاضر حضرات کے اتفاق سے ہو اور غیر موجود حضرات ان کے تابع ہوں اور یوں سب رعایا کے اتفاق سے ان کا خلیفہ متعین ہو(۳)۔ تو گویا آپ نے خلیفہ مقرر بھی کیا اور نہیں بھی کیا۔

---

(۱) فتح الباري: ۸۷/۹

(۲) الطبقات الكبرى، ذكر استخلاف عمر: ۲۶۰/۳

(۳) فتح الباري: ۸۷/۹

٩ - باب : مَنَاقِبُ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ الْقُرَشِيِّ الْهَاشِمِيِّ ، أَبِي الْحَسَنِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ .
وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِعَلِيٍّ : (أَنْتَ مِنِّي وَأَنَا مِنْكَ) . [ر : ٤٠٠٥]

علی بن ابی طالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سگے چچازاد بھائی ہیں، آپ رضی اللہ عنہ کے والد ابوطالب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد دونوں عبدالمطلب کے بیٹے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولادت صحیح قول کے مطابق بعثت نبوی سے دس برس پہلے ہوئی اور ان کی تربیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی، چنانچہ بچپن سے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ومعیت اختیار کی اور پھر زندگی کے آخری لمحے تک اسے نہیں چھوڑا، آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام فاطمہ بنت اسد بن ہاشم ہے اور وہ آپ رضی اللہ عنہ کے والد کی پھوپھی کی بیٹی تھی اور یہ وہ پہلی ہاشمی خاتون ہے جس نے کسی ہاشمی کو جنم دیا (یعنی علی رضی اللہ عنہ کو) انہوں نے بھی اسلام قبول کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اختیار کی، کبار صحابیات میں شمار ہوئیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں وفات پائی (۱)۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوالحسن ہے اور یہ کنیت ان کو گھر والوں نے دی ہے (۲)۔ "قضية ولا أبا حسن لها" (مسئلہ ہے جس کے (حل کے) لیے کوئی ابوالحسن نہیں ہے) میں آپ رضی اللہ عنہ کی اسی کنیت کا ذکر ہے۔ جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کو "ابوتراب" کنیت عطا فرمائی (۳)۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ابوتراب کنیت کیوں پڑی؟

ابوالحسن کنیت تو ظاہر ہے اس لئے پڑی ہوگی کہ آپ کا بیٹا حسن تھا اور ویسے بھی تفاؤلاً (نیک شگونی کے طور پر) اس طرح کی کنیتیں اختیار کی جاتی ہیں، تاہم ابوتراب کی کنیت سے آپ رضی اللہ عنہ کیسے مکنی (موسوم) ہوئے یہ تھوڑا قابل غور ہے، اس سلسلے میں یہاں آگے تیسری روایت میں اس کا ذکر آرہا ہے۔

کثرت فضائل اور اس کی وجہ

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ، احمد، اسماعیل القاضی، امام نسائی اور ابوعلی النیسابوری کے حوالے سے

(١) فتح الباري: ٨٩/٩، عمدة القاري: ٢١٤/١٦، إرشاد الساري: ١٩٩/٨

(٢) عمدة القاري: ٢١٤/١٦

(٣) عمدة القاري: ٢١٤/١٦، إرشاد الساري: ١٩٩/٨

فرماتے ہیں:

”لم يرد في حق أحد من الصحابة بالأسانيد الجياد أكثر مما جاء في علي“(١).

صحابہ میں سے کسی کے حق میں عمدہ اسناد کے ساتھ اتنے فضائل وارد نہیں ہیں جتنے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق وارد ہیں۔

تاہم اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ (علي) تمام صحابہ سے افضل ہیں، جیسا کہ بعض لوگوں نے سمجھ لیا ہے بلکہ ان کی کثرت فضائل کی دوسری وجوہات ہیں۔ جن میں سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلفاء راشدین میں سب سے متأخر ہیں، مرتبے کے اعتبار سے بھی اور عہدِ خلافت کے حوالے سے بھی اور ان کے عہد خلافت میں اختلافات ونزاعات بھی کچھ زیادہ رہے۔

چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ کے عہد میں تین قسم کے لوگ تھے، ایک تو بنوامیہ کے لوگ جو آپ کے ناقِد اور مخالف تھے اور انہوں نے حضرت (علی رضی اللہ عنہ) کی مخالفت کی، آپ رضی اللہ عنہ پر لعن طعن کو وطیرہ بنایا اور اسے اپنے دین کا حصہ اور دینداری کا تقاضا جانا، مجلسوں محفلوں میں اور محراب ومنبر پر وہ اسے اچھالتے رہے۔

دوسری طرف فتنہ خروج میں مبتلا کچھ لوگوں نے بھی آپ رضی اللہ عنہ کو نقد وجرح کا نشانہ بنایا اور ایک طرح سے بنوامیہ کی تائید کی، بلکہ ان سے بھی دوقدم آگے نکل کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تکفیر کرنے لگے، اور ان کو اس حوالے سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ملا دیا۔

تیسری جماعت اہل سنت والجماعت کی تھی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب اور مقام ومرتبے سے واقف اور ان سے عقیدت واحترام کے تعلق کو جزوِ ایمان سمجھتے ہیں۔ اور جب مخالفین ومعاندین نے آپ رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی شروع کی تو حضرات اہل سنت والجماعت نے آپ رضی اللہ عنہ کے مناقب وفضائل پھیلانے کی ضرورت محسوس کی اور اس میں خاصی دلچسپی لینے لگے۔ اس وقت صحابہ کرام کی بڑی تعداد موجود تھی اور ان میں اس سلسلے میں جسے جو معلوم تھا، وہ بیان کیا اور یوں ہر طرف آپ رضی اللہ عنہ کے مناقب اور فضائل پھیل گئے اور زبان زدِ عام وخاص ہوگئے۔ اور خلفاء ثلاثہ کے فضائل گو فی نفسہ زیادہ تھے مگر ان کے شیوع

---

(١) فتح الباري: ٩/٨٩

اور فروغ کی یہ وجہ اور علت موجود نہ تھی اس لئے ان کو ذکر کرنے کی بھی زیادہ ضرورت نہیں پڑی (۱)۔

أنت منّي وأنا منك

یہ براء بن عازب کی ایک طویل حدیث کا حصہ ہے، جس کی تخریج امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الصلح، باب "كيف يكتب: هذا ما صالح فلانُ بن فلان، وفلانُ بن فلان وإن لم ينسبه إلى قبيلة......"(۲) میں کی ہے۔

وَقَالَ عُمَرُ : تُوُفِّيَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ وَهُوَ عَنْهُ رَاضٍ . [ر : ۳٤۹۷]

یہ تعلیق موصولاً ابھی گزشتہ باب میں گزر گئی ہے جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے خلیفہ کے تقرر کے سلسلے میں فرمایا، "ما أجد أحق بهذا الأمر من هؤلاء النفر او الرهط الذين توفي رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو عنهم راضٍ" اور پھر علی، عثمان، زبیر، طلحہ، سعد اور عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہم کا نام لیا (۳)۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ۳۵ ہجری کو ذوالحجہ کے اوائل میں خلیفہ بنایا گیا۔ مہاجرین وانصار اور تمام حاضرین نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی، پھر آفاق واطراف میں آپ رضی اللہ عنہ کی بیعت کا پیغام بھیجا گیا اور اکثر لوگوں نے اسے قبول کیا، سوائے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے، چنانچہ ان دونوں حضرات کے درمیان بعد میں جو کچھ پیش آیا، وہ اسی کا حصہ اور نتیجہ تھا (۴)۔

ترتیب خلافت قرابتِ نسبی کے برعکس تھی

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں خلافت راشدہ کی ترتیب میں اللہ رب العزت نے عجیب صورت

---

(۱) فتح الباري: ۸۹/۹

(۲) صحيح البخاري، كتاب الصلح، رقم: ۲٦۹۹

(۳) كتاب فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، باب قصة البيعة، رقم: ۲۷۰۰

(٤) فتح الباري: ۹۰/۹

رکھی ہے، جو جتنا رسول اللہ سے نسبت میں قریب ہے اس کی خلافت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی ہی دور ہے حضرت ابوبکر دور تھے تو ان کی خلافت پہلے پھر عثمان قریب تھے ان کا تیسرا نمبر ہے اور علی سب سے قریب النسب مگر سب سے بعد میں خلیفہ بنے، البتہ عمر کی خلافت میں یہ کلیہ صادق نہیں آتا (۱)۔

اس باب میں کل سات حدیثیں امام بخاری رحمہ اللہ نے ذکر کی ہیں۔

پہلی حدیث

٣٤٩٨ : حدّثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ ، عَنْ أَبِي حازِمٍ ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُ : أَنَّ رَسُولَ ٱللَّهِ ﷺ قالَ : (لَأُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلاً يَفْتَحُ ٱللَّهُ عَلَى يَدَيْهِ) . قالَ : فَبَاتَ النَّاسُ يَدُوكُونَ لَيْلَتَهُمْ أَيُّهُمْ يُعْطَاهَا ، فَلَمَّا أَصْبَحَ النَّاسُ غَدَوْا عَلَى رَسُولِ ٱللَّهِ ﷺ ، كُلُّهُمْ يَرْجُو أَنْ يُعْطَاهَا ، فَقَالَ : (أَيْنَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ) . فَقَالُوا : يَشْتَكِي عَيْنَيْهِ يَا رَسُولَ ٱللَّهِ ، قالَ : (فَأَرْسِلُوا إِلَيْهِ فَأْتُونِي بِهِ) . فَلَمَّا جاءَ بَصَقَ فِي عَيْنَيْهِ وَدَعا لَهُ ، فَبَرَأَ حَتَّى كَأَنْ لَمْ يَكُنْ بِهِ وَجَعٌ ، فَأَعْطَاهُ الرَّايَةَ ، فَقَالَ عَلِيٌّ : يَا رَسُولَ ٱللَّهِ ، أُقَاتِلُهُمْ حَتَّى يَكُونُوا مِثْلَنَا ؟ فَقَالَ : (انْفُذْ عَلَى رِسْلِكَ حَتَّى تَنْزِلَ بِسَاحَتِهِمْ ، ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ ، وَأَخْبِرْهُمْ بِمَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ مِنْ حَقِّ ٱللَّهِ فِيهِ ، فَوَٱللَّهِ لَأَنْ يَهْدِيَ ٱللَّهُ بِكَ رَجُلاً وَاحِدًا ، خَيْرٌ لَكَ مِنْ أَنْ يَكُونَ لَكَ حُمْرُ النَّعَمِ) . [ر : ٢٧٨٣]

تراجم رجال

قتيبة بن سعيد

یہ قتیبہ بن سعید الثقفی ہیں، ان کے احوال کتاب الإیمان، باب "إفشاء السلام من الإسلام" کے تحت گزر چکے ہیں (۲)۔

---

(۱) دیکھئے، الأبواب والتراجم، ص: ۲۲۲

(۳۷۰۱) الحديث مرَّ تخريجُه في كتاب الجهاد، باب دعاء النبي إلى الإسلام والنبوة ......"، رقم: ۲۹۴۲

(۲) کشف الباري: ۸/۱۸۹

عبد العزيز

یہ عبدالعزیز بن ابی حازم ہیں، ان کے اوران کے والد ابوحازم کے احوال گزرچکے ہیں(۱)۔

سَهل بن سعد

صحابی رسول سہل بن سعد الساعدی ہیں، ان کے احوال گزر چکے ہیں(۲)۔

اس حدیث کی کچھ تشریح تو کتاب الجہاد میں گزرچکی ہے(۳)۔

اور کچھ تشریح کتاب المغازی میں آرہی ہے(۴)۔

"یدو کون" "بالدال المهملة" یہ "باتَ" سے حال واقع ہے باتُوا یدو کُون دوکاً اس وقت کہا جاتا ہے جب آپس میں اختلاف اور لے دے رہے اور یا پھر "دوك" بمعنی الخوض ہے اور یدو کون کا معنی ہے یخوضون ویتحدثون یعنی مشغول اور مصروف گفتگو رہے۔

جب کہ بعض نسخوں میں یذکرون بالذال المعجمة والراء بھی آیا ہے، یعنی وہ رات بھر اس کا ذکر کرتے رہے(۵)۔

كلهم يرجو

ہر ایک کو یہ امید تھی کہ شاید وہ ہی مراد ہوں اور اسے ہی یہ سعادت ملے۔

بعض نسخوں میں یرجُو مفرد اور بعض میں یرجُون جمع وارد ہے، "یرجو" لفظِ کل کی وجہ سے ہے (جو مفرد ہے) اور "یرجون" معنیٰ کل کی وجہ سے ہوسکتا ہے اور "کل" معنیً جمع ہے(۶)۔

فأرسَلوا إليه

یہ دو طرح سے ضبط کیا گیا ہے:

---

(۱) كتاب الصلاة، باب نوم الرجال في المسجد ......

(۲) كتاب الوضوء، باب غسل المرأة أباها الدم عن وجهه ......

(۳) دیکھئے، كشف الباري، كتاب الجهاد والسير: ۲/ ٦٥

(٤) كتاب المغازي، ص: ٤٢٢، و٤٢٨

(٥) عمدة القاري: ١٦/ ٢١٥

(٦) دیکھئے، عمدة القاري: ١٦/ ٢١٥، وإرشاد الساري: ٨/ ١٩٩

۱-ماضی مبنی للفاعل، اس صورت میں فأتي به آئے گا اور معنی یہ ہوگا کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس پیغام بھیجا یا کچھ لوگوں کو بھیجا اور وہ لائے گئے۔

۲-اور یا پھر أرسلوا امر کا صیغہ ہوگا، اس صورت میں مابعد بھی فأتوني به صیغہ امر ہی کے ساتھ ہوگا اور معنی ہوگا ان کے پاس کسی کو بھیجو اور میرے پاس انہیں بُلا لاؤ(۱)۔

فأعطاه

بعض نسخوں میں ماضی معروف فاء کے ساتھ، بعض میں واؤ کے ساتھ آیا ہے اور بعض میں فأعطي مجہول آیا ہے(۲)۔

من حُمر النعم

حُمر بضم الحاء وسكون الميم، أحمر کی جمع ہے اور النعم بفتح النون والعين اونٹ کو کہا جاتا ہے، یہ ترتیب من قبيل إضافة الصفة الى الموصوف ہے یعنی سرخ اونٹ...... یہ عربوں میں بہت عمدہ اور قیمتی چیز سمجھی جاتی تھی۔

علامہ عینی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"وهي أحسن اموال العرب يضربون بها المثل في نفاسة الشيء، وليس عندهم شيء أعظم منه"(۳).

یہ عربوں کا سب سے عمدہ اور اعلیٰ مال تصور ہوتا ہے۔

اس کے ساتھ وہ کسی شے کی نفاست اور عمدگی کی مثال دیتے ہیں اور اس سے بڑی کوئی چیز ان کے ہاں نہیں ہوتی۔

اونٹوں کے ذکر کا مقصد

کسی کو اسلام کی دولت سے مالا مال کرنا اور ہدایت سے روشناس کرنا بہت بڑا کارِ خیر ہے اور اس کا بڑا

---

(۱) عمدة القاري: ۱۶/۲۱۵، وإرشاد الساري: ۸/۱۹۹

(۲) عمدة القاري: ۱۶/۲۱۵

(۳) عمدة القاري: ۱۶/۲۱۵

اجر وثواب ہے، مگر یہ ثواب بہرحال امر اخروی ہے، اس کی اونٹوں یا کسی اور دنیوی چیز کے ساتھ تشبیہ وتمثیل بظاہر اعلیٰ ترین کو ادنیٰ ترین سے تشبیہ دینے کے مترادف ہے۔ علامہ عینی رحمہ اللہ اس کے متعلق کہتے ہیں:

"وتشبيه أمور الآخرة بأعراض الدنيا انما هو للتقريب إلى الفهم والا فذرّة من الآخرة خير من الدنيا وما فيها بأسرها وأمثالها معها" (۱).

امور آخرت کی دنیوی اشیا کے ساتھ تشبیہ محض سمجھانے کے لئے ہے ورنہ تو آخرت کا ایک ذرہ دنیا ومافیہا اور اس کے ساتھ اتنی ہی اور چیزوں سے بھی بہتر اور افضل ہے۔

اور یا پھر حمر النعم سے مراد ہے سرخ اور عمدہ اونٹوں کا صدقہ، جیسے قسطلانی نے تتصدق بها کہہ کر اس کی طرف اشارہ کیا ہے (۲)۔

اس صورت میں یہ "تشبيه أمور الآخرة بأعراض الدنيا" کے قبیل سے ہوگا ہی نہیں بلکہ ایک بظاہر چھوٹے امرِ آخرت کی بڑے امرِ آخرت سے تشبیہ ہوگی بلکہ اس پر تفضیل ......۔

ترجمۃ الباب سے مطابقت

ترجمۃ الباب سے حدیث کی مطابقت واضح ہے کیونکہ باب فضائل ومناقب علی کے حوالے سے ہے اور حدیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت واضح طور پر یوں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں عَلَم بردار بنا کر اعزاز دیا اور پھر ان کی فضیلت وشجاعت یوں بھی ظاہر ہوئی کہ ان کے ہاتھوں خیبر فتح ہوا۔

اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ بھی سامنے آیا، آپ علیہ السلام نے پیش گوئی فرمائی تھی کہ خیبر کل فتح ہوگا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں فتح ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا بھی (۳)۔

دوسری حدیث

۳٤۹۹ : حدّثنا قُتَيْبَةُ : حَدَّثَنَا حاتِمٌ ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ ، عَنْ سَلَمَةَ قالَ : كانَ

---

(۱) عمدة القاري: ۲۱۵/۱٦

(۲) إرشاد الساري: ۲۰۰/۸

(۳) عمدة القاري: ۲۱۵/۱٦

(۳٤۹۹) الحديث قد مرّ تخريجه في كتاب الجهاد والسير، باب ما قيل في لِواء النبي، رقم: ۲۹۷۵

عَلِيٌّ قَدْ تَخَلَّفَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِي خَيْبَرَ ، وَكَانَ بِهِ رَمَدٌ ، فَقَالَ : أَنَا أَتَخَلَّفُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ ، فَخَرَجَ عَلِيٌّ فَلَحِقَ بِالنَّبِيِّ ﷺ ، فَلَمَّا كَانَ مَسَاءُ اللَّيْلَةِ الَّتِي فَتَحَهَا اللّٰهُ فِي صَبَاحِهَا ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : (لَأُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ – أَوْ لَيَأْخُذَنَّ الرَّايَةَ – غَدًا رَجُلًا يُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ ، أَوْ قَالَ : يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ ، يَفْتَحُ اللّٰهُ عَلَيْهِ) . فَإِذَا نَحْنُ بِعَلِيٍّ وَمَا نَرْجُوهُ ، فَقَالُوا : هٰذَا عَلِيٌّ ، فَأَعْطَاهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الرَّايَةَ ، فَفَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِ . [ر : ۲۸۱۲]

تراجم رجال

قُتَيْبَةُ

یہ قتیبۃ بن سعید ہیں، جن کا روایت بالا میں ذکر آیا ہے۔

حَاتِمٌ

حاتم بن اسماعیل الکوفی المدنی ان کے احوال کتاب الوضوء، باب "استعمال نفل وضوء الناس" میں گزر چکے ہیں۔

يَزِيدُ بْنُ أَبِي عُبَيْدٍ

ان کے احوال کتاب العلم، باب "اثم مَن كذب على النبي" کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

سَلَمَةَ

سلمۃ بن الأکوع صحابیِ رسول ہیں، ان کے احوال بھی اسی کتاب العلم، باب "اثم مَن كذب على النبي" کے تحت گزر چکے ہیں(۲)۔

حضرت علی کی طرف اللہ ورسول کی محبت کی نسبت کا مقصد

اس حدیث میں بھی وہی مضمون مذکور ہے جو حدیث سابق میں ذکر ہوا، یہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ

(۱) دیکھئے، كشف الباري: ۱۸۲/٤

(۲) كشف الباري: ۱۸۳/۹

کے متعلق جو یہ بات آئی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اللہ اور اللہ کے رسول سے محبت کرتے ہیں یا اللہ اور رسول، حضرت علی سے محبت کرتے ہیں، اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول سے محبت کی حقیقت اگر کسی میں پائی جاتی ہے تو وہ ہیں علی رضی اللہ عنہ ورنہ مطلق محبت میں تو دیگر حضرات بھی ان کے شریک وسہیم ہیں، مگر وہ کامل محبت والے ہیں۔

اور یا پھر اس سے بطور کنایہ کامل الاتباع مراد ہیں اور اس میں تلمیح ہے اللہ کے ارشاد ﴿قل إن كنتم تحبُّون الله فاتبعوني يحببكم الله﴾(۱) کی طرف، اور معنی یہ ہے کہ اللہ ورسول سے محبت کی علامت اتباع رسول ہے اور اتباع کرنے والے سے پھر اللہ تعالیٰ بھی محبت کرتے ہیں جیسا کہ "اتبعوني يحببكم الله" سے مترشح ہو رہا ہے۔

اب جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اللہ ورسول سے محبت کرنے والا قرار دیا تو ظاہر ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کامل الاتباع ہیں اور اگر دوسری صورت کو لیا جائے کہ اللہ ورسول آپ رضی اللہ عنہ سے محبت کرتے ہیں تو بھی اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کامل الاتباع ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حبِّ علی کو ایمان کی علامت کہا گیا ہے اور بغضِ علی (رضی اللہ عنہ) کو نفاق کی علامت! کیونکہ علی رضی اللہ عنہ سے محبت کا معنی یہ ہوگا کہ رسول اللہ کی اتباع اسے محبوب ہے اور آپ رضی اللہ عنہ سے بغض کا معنی یہ ہوگا کہ رسول اللہ کی اتباع اسے مبغوض ہے(۲)۔

جیسے کہ ایک روایت ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا:

"والذي خلق الحبة وبرأ النسمة انه لعهد النبي ان لا يحبك إلا مؤمن ولا يبغضك إلا منافق"(۳).

---

(۱) سورة آل عمران: ۳۱

(۲) فتح الباري: ۹/۹۰، وعمدة القاري: ۱٦/۲۱٦

(۳) شرح السنة للبغوي، باب فضائل علي بن أبي طالب، رقم: ۳۹۰۸، المعجم الأوسط: ۲۱۵٦، ٤۷۵۱، السنن الكبرى للنسائي الفرق بين المومن والمنافق: ۸٤۳۳، سنن الترمذي، باب مناقب علي بن أبي طالب: ۳۷۳٦، مسند احمد، مسند علي بن أبي طالب: ۱۰٦۲

لَأُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ، أَوْ لَيَأْخُذَنَّ ......

یہ راوی کو شک ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یا تو یہ الفاظ ارشاد فرمائے کہ میں اسے جھنڈا دوں گا اور یا یہ فرمایا کہ وہ جھنڈا لے گا۔

پہلی صورت میں "رجلاً" منصوب ہوگا، مفعول ہونے کی بناء پر اور دوسری صورت میں مرفوع ہوگا، یأخذنّ کے لئے فاعل ہونے کی بناء پر۔ اور ابوذر نے کشمیہنی سے "رجل" مرفوع ہی نقل کیا ہے(۱)۔ جب کہ دوسرے نسخوں میں منصوب وارد ہے۔

أَوْ قَالَ يُحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ

یہ بھی راوی کا شک ہے کہ یا تو اللہ کے رسول نے یہ فرمایا کہ اُن سے اللہ ورسول محبت کرتے ہیں اور یا یہ فرمایا کہ وہ اللہ اور رسول سے محبت کرتے ہیں (۲)۔

حضرت علی کی آنکھ دُکھنا اور رسول اللہ کی ان کے لئے دعا

سابقہ روایت میں یہ بھی مذکور تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعابِ دہن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آنکھ پر لگایا جس سے وہ صحت یاب ہوئے جب کہ یہاں سلمہ کی روایت میں اس کا ذکر نہیں ہے۔

ایک روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ الفاظ منقول ہیں:

"فوضع رأسي في حجره ثم بصق في الية راحتيه ثم ذلك بها عيني ثم قال: اللهم لا يشتكي حرًّا ولا قرًّا قال علي فما اشتكيت عيني لا حراً ولا قرًّا حتى الساعة"(۳).

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا سر اپنے گھر اپنے گود میں رکھا پھر لعاب اپنی دونوں ہتھیلیوں کے ابھرے ہوئے حصے پر لگا کر میری آنکھوں پر مَلا اور پھر فرمایا اللہ تعالیٰ اب یہ گرمی میں بھی نہ دکھے اور سردی میں بھی نا! حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس

---

(۱) إرشاد الساري: ۸/۲۰۰

(۲) عمدة القاري: ۱۶/۲۱۶

(۳) فتح الباري: ۹/۹۰

کے بعد سے اب تک میں نے اپنی آنکھ میں نہ گرمی میں کوئی شکایت محسوس کی اور نہ سردی میں۔

ایک اور روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

"دعا له بست دعوات: اللهم أعِنه واستعن به وارحمه وارحم به وانصُره وانصر به، اللّٰهم والِ مَن والاه وعادِ من عاداه"(۱).

اے اللہ! ان کی مدد کر اور ان کے ذریعے مدد کر، ان پر رحم کر اور ان کے ذریعے رحم کر، ان کی نصرت کر اور ان کے ذریعے نصرت کر، اے اللہ! تو دوستی کر اس سے جو اُن سے دوستی کرے اور دشمنی کر اس سے جو اُن سے دشمنی کرے۔

حضرت علی کا "علم" بردار ہونا

علامہ عینی حاکم کی "اکلیل" کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے خیبر کے ان بعض قلعوں کو فتح کرنے کے لئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھیجا، انہوں نے جا کر خوب قتال کیا مگر قلع قمع نہیں کر سکے پھر حضرت عمر کو بھیجا مگر ان کے ہاتھوں بھی فتح نہیں ہوئے، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جھنڈا دے کر بھیجا(۲)۔

ابن عباس کی ایک روایت میں یہ بھی الفاظ آئے ہیں:

"فكانت راية رسول الله صلى الله عليه وسلم بعد ذلك في المواطن كلِها مع علي رضى الله عنه "(۳).

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا اس کے بعد تمام مواقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ہی ہوتا تھا۔

اور جابر بن سمرہ کی روایت میں یہ بھی آیا ہے:

---

(۱) فتح الباري: ۹/ ۹۰

(۲) عمدة القاري: ۱۶/ ۲۱۶......

(۳) المعجم الكبير للطبراني: ۵۳۵۶

"قالوا يا رسول الله من يحمل رايتك يوم القيامة؟ قال من عسى أن يحملها يوم القيامة الا من كان يحملها في الدنيا، علي بن أبي طالب"(١).

لوگوں نے کہا، اللہ کے رسول قیامت کے روز آپ کا جھنڈا کون اٹھائے گا؟ آپ نے فرمایا کون اسے اٹھا سکتا ہے، سوائے اس کے جو دنیا میں اٹھاتا رہا اور وہ ہیں علی (رضی اللہ عنہ)۔

ایک اور روایت ہے جو ابوالقاسم البصری کی کتاب میں قیس بن الربیع کے حوالے سے ابوسعید سے منقول ہے، وہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، فرمایا "لأعطين الراية رجلاً كرّاراً غير فرار"(٢).

میں علم ایک ایسے آدمی کو دوں گا جو بار بار حملہ کرنے والا ہے اور بھاگنے والا نہیں ہے، اس پر حضرت حسان بن ثابت نے کہا، اللہ کے رسول کیا آپ مجھے علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں شعر کی اجازت دیں گے؟ آپ نے فرمایا، کہو! تو حسان نے کہا:

وكان علي أرمد العين ينبغي	دواءً فلما لم يحسن مداوياً
حباه رسول الله منه بتفلة	فبورك مرقيا وبورك راقياً
وقال سأعطي الراية اليومَ صارماً	فذاك محب للرسول مواتيا
يحب النبي والإله يحبه	فيفتح هاتيك الحصون التواليا
فاقضى بها دون البرية كلها	علياً وسماه الوزير المواخيا(٣)

علی آشوبِ چشم میں مبتلا تھے اور اس کے علاج کے خواہاں تھے اور جب انہیں کوئی اچھا علاج کرنے والا نہیں ملا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنا لعاب مبارک عطا کیا تو کیا ہی بابرکت دم کرنے والے ہیں، اور کیا ہی دم کئے جانے والے ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، آج میں ایک بہادر آدمی کو علم دوں گا۔ جو اللہ کے رسول سے

(١) مسند البزار: ١٠/١٩١، رقم: ٤٢٧٦، من حديث خيثمة: ١/١٩٩، دار الكتاب العربي لبنان

(٢) مناقب علي لابن المغازي، رقم: ٢١٥، دار الآثار صنعاء وفتح الباري: ٩/٩٣

(٣) عمدة القاري: ١٦/٢١٦

محبت کرنے والا اور آپ پر مر مٹنے والا ہے۔

نبی اُن سے محبت کرتے ہیں اور اللہ بھی ان سے محبت کرنے والے ہیں تو وہ ان
پے در پے قلعوں کو فتح کرے گا۔ وہ دنیا کا ساری دنیا سے زیادہ درست فیصلہ کرنے والا
ہے، وہ علی ہیں، جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا وزیر اور بھائی قرار دیا ہے۔

ترجمۃ الباب سے مطابقت

ترجمۃ الباب سے مطابقت بالکل واضح ہے، کیونکہ حضرت علی کی منقبت اور فضیلت کی یہاں تصریح ہے۔ اور یہی ترجمہ ہے۔

تیسری حدیث

٣٥٠٠ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي حازِمٍ ، عَنْ أَبِيهِ : أَنَّ رَجُلاً جاءَ إِلَى سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ فَقَالَ : هٰذَا فُلَانٌ ، لِأَمِيرِ الْمَدِينَةِ ، يَدْعُو عَلِيًّا عِنْدَ الْمِنْبَرِ ، قَالَ : فَيَقُولُ : مَاذَا ؟ قَالَ : يَقُولُ لَهُ : أَبُو تُرَابٍ ، فَضَحِكَ . قَالَ : وَٱللهِ مَا سَمَّاهُ إِلَّا النَّبِيُّ ﷺ ، وَمَا كَانَ وَٱللهِ لَهُ ٱسْمٌ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْهُ ، فَٱسْتَطْعَمْتُ الْحَدِيثَ سَهْلاً ، وَقُلْتُ : يَا أَبَا عَبَّاسٍ ، كَيْفَ ذٰلِكَ ؟ قَالَ : دَخَلَ عَلِيٌّ عَلَى فَاطِمَةَ ثُمَّ خَرَجَ ، فَٱضْطَجَعَ فِي الْمَسْجِدِ ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (أَيْنَ ٱبْنُ عَمِّكِ) . قَالَتْ : فِي الْمَسْجِدِ ، فَخَرَجَ إِلَيْهِ ، فَوَجَدَ رِدَاءَهُ قَدْ سَقَطَ عَنْ ظَهْرِهِ ، وَخَلَصَ التُّرَابُ إِلَى ظَهْرِهِ ، فَجَعَلَ يَمْسَحُ التُّرَابَ عَنْ ظَهْرِهِ ، فَيَقُولُ : (ٱجْلِسْ يَا أَبَا تُرَابٍ) . مَرَّتَيْنِ . [ر : ٤٣٠]

تراجم رجال

عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ

یہ عبداللہ بن مسلمہ بن قعنب قعنبی حارثی ہیں، ان کے احوال کتاب الإیمان، باب "من الدّین

(٣٥٠٠) الحديث قد مرَّ تخريجه في كتاب الصلاة، باب نوم الرجال في المسجد، رقم: ٤٤١

الفرار من الفتن" میں گزر چکے ہیں(۱)۔

عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي حَازِمٍ

ان کے احوال بھی گزر چکے ہیں (۲)۔

عَنْ أَبِيهِ

ابوحازم مراد ہیں، جن کا نام سلمة بن دینار مولی الاسود المدنی القاص ہیں، ان کے احوال بھی گزر چکے ہیں (۳)۔

أَنَّ رَجُلاً جَاءَ

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں لم أقف على اسمه (٤) مجھے ان کا نام معلوم نہ ہوسکا۔

هَذَا فُلاَنٌ، لأَمِيرِ الْمَدِينَةِ

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "أي: عنىٰ أميرَ المدينة" (٥). یعنی راوی "فلان" سے امیر المدینۃ کو مراد لے رہے ہیں۔

ارشاد الساری میں "عن أمير المدينة" (٦) کے الفاظ آئے، جس کا معنی ہے كناية عن أمير المدينة.

اور علامہ عینی رحمہ اللہ کے الفاظ ہیں: "كنى بفلان عن امير المدينة" (٧). لفظ "فلان" سے کنایتاً امیر المدینہ کو مراد لے رہے ہیں۔

---

(١) كشف الباري: ٢/٨٠

(٢) كتاب الصلاة، باب نوم الرجال في المسجد ......

(٣) كتاب الوضوء، باب غسل المرأة أباها الدم عن وجهه......

(٤) فتح الباري: ٩/٩٠

(٥) فتح الباري: ٩/٩٠

(٦) إرشاد الساري: ٨/٢٠١

(٧) عمدة القاري: ١٦/٢١٧

بہرحال فلان سے ''امیر المدینہ'' مراد ہیں۔

اور امیر المدینہ سے مروان بن الحکم مراد ہیں (۱)۔

اسماعیلی کے ہاں "هذا فكان فلان بن فلان" (۲) کے الفاظ آئے ہیں۔

يَدْعُو عَلِيًّا

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"أراد أنه يذكر علياً بشيء غير مرضي" (٣).

قائل کی مراد یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ناپسندیدہ باتوں کے ساتھ ذکر کرتا ہے اور برے القاب سے انہیں یاد کرتا ہے۔

فَيَقُولُ مَاذَا؟

حضرت سہل نے اس کہنے والے سے کہا، مثلاً وہ ان (علی) کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ رجل نے کہا، ابوتراب کے الفاظ سے انہیں موسوم کرتا ہے۔ طبرانی نے ایک اور طریق سے عبدالعزیز بن ابی حازم سے روایت نقل کی ہے جس میں "يدعوك لِتَسُبَّ علياً" (٤) کے الفاظ منقول ہیں۔

واللّٰهِ مَا سَمَّاهُ إِلَّا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کنیت پر اسم کا اطلاق بھی ہوتا ہے، بلکہ اسم اور کنیت دونوں کا ایک دوسرے پر اطلاق ہوتا ہے جیسے عینی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"والاسم يراد بالكنية وتطلق التسمية على التكنية" (٥).

---

(١) إرشاد الساري: ٨/٢٠١

(٢) فتح الباري: ٩/٩٠

(٣) عمدة القاري: ١٦/٢١٧

(٤) المعجم الكبير: ٥/٤٥٢، (٥٧٤٦)

(٥) عمدة القاري: ١٦/٢١٧

فَاسْتَطْعَمْتُ الْحَدِيثَ سَهْلًا

یعنی میں نے سہل سے اس بات اور قصے میں ذاتی دلچسپی کا اظہار کیا۔ کلام کو طعام کے ساتھ تشبیہ دی، یا طعام کا لفظ کلام کے لئے استعارہ کے طور پر استعمال کیا، اس لئے کہ دونوں کا اپنا اپنا ذائقہ ہوتا ہے، کلام کا معنوی اور طعام کا حسی (۱)۔

يَا أَبَا عَبَّاسٍ كَيْفَ

''ابوعباس'' حضرت سہل رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے۔ ابو حازم کہتے ہیں میں نے اس قصے میں دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے کہا، وہ کیسے؟

ابوذر کے نسخے میں ''كيف'' کے ساتھ ''ذلك'' کا بھی اضافہ ہے اور اسماعیلی نے ''كيف كان امره؟'' کے الفاظ نقل کئے ہیں (۲)۔

أَيْنَ ابْنُ عَمِّكِ

کتاب الصلاۃ کی روایت میں اس کی کچھ مزید تفصیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ کے گھر تشریف لائے دیکھا تو علی رضی اللہ عنہ نہیں تھے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا، تو انہوں نے کہا، ہمارے درمیان کوئی بات ہوئی جس پر وہ مجھ سے ناراض ہو کر چلے گئے اور میرے پاس قیلولہ نہیں کیا، ''كان بيني وبينه شيء فغاضبني فخرج فلم يقل عندي'' (۳) کے الفاظ ہیں۔ جس کا معنی ہے میرے اور اس کے درمیان کوئی معاملہ تھا جس نے مجھے غصے میں ڈالا تو وہ نکلے اور میرے پاس قیلولہ نہیں کیا۔

پھر یہاں روایتِ ''مناقب'' میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے مذکور ہے کہ انہوں نے فرمایا، ''مسجد میں ہیں''۔ اور کتاب الصلوۃ میں یہ ہے کہ ایک آدمی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جا کر انہیں تلاش کرو اور انہوں نے آکر کہا، وہ مسجد میں سو رہے ہیں۔

---

(۱) فتح الباري: ۹/۹۰، عمدة القاري: ۲۱۷/۱۶

(۲) إرشاد الساري: ۲۰۱/۸

(۳) كتاب الصلاة، باب نوم الرجال في المسجد، رقم: ٤٤١

تاہم ان دونوں میں کوئی تضاد اس لئے نہیں ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے مسجد کا بتایا ہوگا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تلاش کرنے کا فرمایا، اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مسجد میں کس جگہ ہے، یہ دیکھ لو۔

علی کو فاطمہ کا ''ابن عم'' کہنے کا جواز اور اس کی حکمت

یہاں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے یہ فرمایا کہ تیرا چچازاد کہاں ہیں؟ حالانکہ علی رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ کے نہیں بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عم زاد تھے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے رشتے کے چچا تھے۔

محدثین وشارحین نے اس سلسلے میں ایک بات تو یہ فرمائی کہ والد کے اقارب پر ابناء عم کا اطلاق ہوتا ہے، چاہے وہ حقیقی ابن عم نہ ہوں (۱)۔ چنانچہ ''أعمام'' اور ''عمومة'' کا اطلاق ددھیال پر اور والد کے رشتے داروں پر، اور اخوال وخؤولة کا والدہ کی طرف سے رشتے داروں اور ننھیال پر اطلاق عام اور معروف ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس وقت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے تھے، تو آپ علیہ السلام کو علی رضی اللہ عنہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کے درمیان ناچاقی کا پتہ چل گیا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا دل بہلانے کے لئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت واہمیت ان کے دل میں بٹھانے کے لئے ان کی آپس کی قرابت داری کا ذکر کرنا چاہ رہے تھے (۲)۔

اب ظاہر ہے اس کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اگر یہ فرماتے کہ میرا ابن عم کہاں ہے تو اس میں ابن عم کی فاطمہ کی طرف نسبت واضافت نہ ہوتی اور مطلوب یعنی دلداری حاصل نہ ہوتی اور اگر آپ یہ فرماتے کہ تیرا چچا کہاں ہے تو یہ بھی درست نہ ہوتا کیونکہ ''عم'' محرمات میں سے ہوتے ہیں اور علی رضی اللہ عنہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر تھے ''ابن عمکِ'' کی یہی ایک تعبیر ہی مناسب تھی۔

وَخَلَصَ التُّرَابُ إِلَى ظَهْرِهِ

خلص بمعنی ''وصل'' ہے یعنی مٹی آپ رضی اللہ عنہ کی کمر تک پہنچ گئی تھی۔

اسماعیلی کی روایت میں ہے:

---

(۱) فتح الباري: ۲/۵ ۴۰

(۲) فتح الباري: ۲/۵ ۴۰

"حتى تخلص ظهره الى التراب"(١) مٹی کمر تک پہنچنے یا کمر مٹی تک پہنچنے کا مطلب یہ ہے کہ شروع میں آپ رضی اللہ عنہ شاید ایسی جگہ سوئے تھے، جہاں مٹی نہ تھی پھر الٹتے پلٹتے آپ مٹی پر آ گئے تھے یا مٹی آپ کے جسم پر لگ گئی تھی (۲)۔

اجْلِسْ يَا أَبَا تُرَابٍ

علی رضی اللہ عنہ کی مذکورہ ہیئت و کیفیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عجیب لگی اور آپ نے "ابو تراب" کے نام سے مخاطب کرتے ہوئے ان سے دل لگی کی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ وہ پہلا موقعہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ کو "ابو تراب" کی کنیت دی، اور اس نام سے انہیں مخاطب فرمایا (۳)۔

جب کہ ابن اسحاق اپنے طریق سے اور امام احمد عمار بن یاسر سے روایت کرتے ہیں، عمار کہتے ہیں:

"نمتُ أنا وعلي في غزوة العسيرة في نخل فما أفقنا إلا بالنبي يحركنا برجله يقول لعلي قم يا أبا تراب! لما يرى عليه من التراب"(٤).

میں اور علی رضی اللہ عنہ غزوۂ عسیرہ میں کھجوروں کے ایک باغ میں سوئے اور پھر ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی بیدار کیا اور وہ یوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پاؤں سے ہمیں حرکت دی، آپ علی رضی اللہ عنہ کو "قم یا أبا تراب" کہہ کر بیدار کر رہے تھے، اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر مٹی لگی ہوئی دیکھ رہے تھے۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ابو تراب کی کنیت غزوۃ العُسیرۃ کے موقع پر دی تھی۔

حافظ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"وهذا إن ثبت حمل على أنه خاطبه بذلك في هذه الكائنة الأخرى"(٥).

---

(١) فتح الباري: ٩٠/٩

(٢) فتح الباري: ٩٠/٩

(٣) فتح الباري: ٩٠/٩

(٤) مسند احمد، مسند عمار بن ياسر، رقم: ١٨٣٤٧

(٥) فتح الباري: ٩١/٩

عمار بن یاسر کی یہ روایت اگر ثابت ہو جائے تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دوسری مرتبہ انہیں اس نام سے مخاطب کیا۔

علی رضی اللہ عنہ کی ناراضگی کی وجہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس لئے ناراض ہوئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوصحابہ میں مواخاۃ اور بھائی چارے کا رشتہ قائم کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا، جس پر وہ ناراض ہو کر مسجد میں جا کر لیٹ گئے جس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس گئے اور جا کر فرمایا، "قم فأنت أخي" کھڑے ہو جایئے اور ناراض نہ ہو جا کیونکہ آپ میرے بھائی ہیں اور آپ کی "مواخاۃ" مجھ سے ہے(۱)۔

اس کی تخریج طبرانی نے کی ہے اور اسی طرح کی جابر بن سمرہ کی روایت ابن عساکر نے بھی ذکر کی ہے(۲)۔

لیکن حدیث باب ہی زیادہ صحیح اور قابل اعتماد ہے اور جہاں تک جمع بین الروایات کا تعلق ہے تو وہ یہاں ممکن نہیں ہے کیونکہ مواخاۃ کا جو قصہ ہے وہ اس وقت کا ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع شروع میں مکہ سے مدینہ ہجرت کی تھی اور علی رضی اللہ عنہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کا رشتہ ازدواج میں منسلک ہونا بہت بعد کی بات ہے اور اس وقت علی کا مواخاۃ کی وجہ سے ناراض ہونا بہت مستبعد ہے(۳)۔

ترجمۃ الباب سے مطابقت

ترجمۃ الباب سے مطابقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی کے پاس گھر جاتے ہیں، پھر مسجد، ان کے بدن سے مٹی صاف کرتے ہیں، انہیں از راہ مزاح ابوتراب کہتے ہیں اور انہیں راضی کرتے ہیں، جو اُن کے علوّ شان کی دلیل ہے(۴)۔

---

(۱) المعجم الكبير: ۱۱/۴۹، (۱۳۳۷۳)

(۲) المعجم الكبير: ۱۱/۴۹، (۱۳۳۷۳)

(۳) فتح الباري: ۹/۹۱

(۴) عمدة القاري: ۱۶/۲۱۶

چوتھی حدیث

۳۵۰۱ : حدّثنا محمدُ بْنُ رَافِعٍ : حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ ، عَنْ زَائِدَةَ ، عَنْ أَبِي حَصِينٍ ، عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ قالَ : جاءَ رَجُلٌ إِلَى ٱبْنِ عُمرَ ، فَسَأَلَهُ عَنْ عُثْمانَ ، فَذَكَرَ عَنْ مَحَاسِنِ عمَلِهِ ، قالَ : لَعَلَّ ذَاكَ يَسُوؤُكَ ؟ قالَ : نعَمْ ، قالَ : فَأَرْغَمَ ٱللهُ بِأَنْفِكَ ، ثُمَّ سَأَلَهُ عَنْ عَلِيٍّ فَذَكَرَ مَحَاسِنَ عَمَلِهِ ، قالَ : هُوَ ذَاكَ بَيْتُهُ ، أَوْسَطُ بُيُوتِ النَّبِيِّ ﷺ ، ثُمَّ قالَ : لَعَلَّ ذَاكَ يَسُوؤُكَ ؟ قالَ : أَجَلْ ، قالَ : فَأَرْغَمَ ٱللهُ بِأَنْفِكَ ، ٱنْطَلِقْ فَٱجْهَدْ عَلَيَّ جَهْدَكَ .

تراجم رجال

مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ

یہ محمد بن رافع بن العماد القشیری ہیں، ان کے احوال گزر چکے ہیں (۱)۔

حُسَيْنٌ

یہ حسین ابن علی الجعفی الکوفی ہیں، ان کے احوال بھی گزر چکے ہیں (۲)۔

زَائِدَةَ

زائدۃ بن قدامہ مراد ہیں، ان کے احوال گزر چکے ہیں (۳)۔

أَبِي حَصِينٍ

یہ ابوحصین، عثمان بن عاصم بن حسین ہیں، ان کے احوال کتاب العلم، باب "إثم مَن كَذب على

(۳۷۰٤) الحديث مرَّ تخريجه في كتاب فرض الخمس، باب إذا بعث الإمام رسولاً في حاجة ...... رقم: ۳۱۳۰

(۱) كتاب الصلح، باب الصلح مع المشركين......

(۲) دیکھئے، كتاب الأذان، باب أهل العلم والفضل أحق بالإمامة ......، رقم: ٦٧٨

(۳) دیکھئے، كتاب الغسل، باب غسل المذي والوضوء منه ......، رقم: ٢٦٩

النبي“ کے تحت گزر چکے ہیں (۱)۔

سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ

یہ سعد بن عبیدہ ابوحمزۃ الکوفی ہیں، ان کے احوال گزر چکے ہیں (۲)۔

جَاءَ رَجُلٌ

یہ رجل نافع بن الأزرق ہیں، نہ کہ سکسکی (۳)۔

فَذَكَرَ عَنْ مَحَاسِنِ عَمَلِهِ

”ذكَرَ“ أخبَرَ کو متضمن ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے صلے میں ”عن“ لائے ہیں ورنہ ”ذکر“ کے صلے میں ”عن“ نہیں آتا (۴)۔

محاسن حُسن کی جمع غیر قیاسی ہے۔ اسماعیلی کی روایت میں ”فذكَر أحسنَ عمله“ (۵) کے الفاظ آئے ہیں۔ بہر حال معنی یہ ہے کہ ابن عمر نے عثمان کے اچھے یا سب سے اچھے اعمال کا ذکر کیا پھر یہی بات حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی ہوئی۔

عثمان وعلی رضی اللہ عنہما کے اچھے اعمال

یہاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے محاسن اعمال سے مراد ہیں جیش العُسرہ کے لئے اُن کا اِنفاق۔ بئر رومہ میں معاونت اور بنیادی کردار، اور بعض دیگر اعمال۔

جب کہ علی رضی اللہ عنہ کے اعمال حَسنہ سے مراد غزوہ بدر میں شرکت، خیبر کا ان کے ہاتھوں فتح ہونا اور مرحب یہودی کو قتل کرنا وغیرہ (۶)۔

(۱) کشف الباري: ۱۸۹/۲

(۲) كتاب الوضوء، باب فضل من بات على الوضوء، رقم: ۲٤۷

(۳) إرشاد الساري: ۲۰۲/۸

(٤) فتح الباري: ۹۱/۹

(٥) فتح الباري: ۹۱/۹

(٦) عمدة القاري: ۲۱۷/۱٦

مکانِ علي کے ''أوسط'' ہونے کے معنی

هـو ذاك بيته أوسط بيوت النبي...... حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا وہ تو وہ ہیں کہ ان کا گھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں درمیان کا گھر ہے، یا آپ کے گھروں میں سب سے بہترین اور عمدہ ترین گھر ہے۔

علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"يشير بذالك إلى أن لعلي منزلة عند النبي صلى الله عليه وسلم من حيث أن بيته أوسط بيوت النبي صلى الله عليه وسلم وقيل أحسنها بناءً"(١).

اس سے اس بات کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ایک خاص مقام ومرتبہ ہے اس لحاظ سے کہ ان کا گھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں کے بالکل درمیان میں ہے اور یا پھر أوسط سے أحسن مراد ہے، یعنی بناوٹ اور خوبصورتی میں سب سے بڑھ کر ہے، اس سے "أوسط" کے معنوں کی طرف اشارہ کیا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی ان دونوں معنوں کو ذکر فرمایا اور معنیٰ اول کو ترجیح دی چنانچہ ان کی عبارت ہے:

"أي: أحسنها بناء، وقال الداودي معناه إنه في وسطها وهو أصح"(٢).

یعنی بناوٹ میں سب سے خوبصورت۔ اور داودی کہتا ہے کہ ان کا گھر پیغمبر کے گھروں کے دمیان ہے اور یہ زیادہ صحیح قول ہے۔

نسائی، عطاء بن السائب کے طریق سے سعد بن عبیدہ سے روایت کرتے ہیں جس کے الفاظ ہیں:

"فقال لا تسأل عن علي ولكن انظر إلى بيتِه من بيوت النبي صلى الله عليه وسلم "(٣).

---

(١) عمدة القاري: ٢١٧/١٦

(٢) فتح الباري: ٩١/٩

(٣) السنن الكبرى للنسائي، كتاب الخصائص، باب ذكر منزلة علي بن أبي طالب وقربه من النبي ......

یعنی کہا علی کے بارے میں کچھ نہ پوچھ لیکن رسول اللہ کے گھروں کے ساتھ ان کا گھر دیکھو۔

اورعلاء بن العیزار سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے ابن عمر سے علی رضی اللہ عنہ کے متعلق پوچھا، تو انہوں نے کہا:

"انظر الی منزله من النبي الله صلى الله عليه وسلم ليس في المسجد غيرَ بيته"(۱).

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر ان کا گھر دیکھو کہ مسجد میں اس کے گھر کے علاوہ کوئی گھر نہیں ہے۔

دشمنِ صحابہ کے لئے بددعا

فَأَرْغَمَ اللّٰهُ بِأَنْفِكَ...... باء زائدہ ہے اور "أرغم الله أنفك" کا معنی ہے اللہ تیری ناک خاک آلود کردے۔ یہ ذلت اور رسوائی سے کنایہ ہے۔ رغام مٹی کو کہا جاتا ہے اور زمین پر گرنے والے کا چہرہ اور ناک چونکہ مٹی سے آلود ہوتے ہیں اس لئے گرنے اور ذلیل ہونے کے لئے یہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ یہاں چونکہ مخاطب اور سائل صحابہ خصوصاً عثمان وعلی (رضی اللہ عنہما) سے بغض رکھتا تھا، حضرت ابن عمر نے عثمان وعلی رضی اللہ عنہما کی تعریف پر اس کی ناراضگی پر اپنی ناگواری اور ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے اس کے لئے بددعا فرمائی اور کہا، اللہ تجھے ذلیل ورسوا کردے جو تو اِن حضرات (علی وعثمان) کو ناپسند کرتا ہے (۲)۔

ابن عمر نے صحابہ سے بغض رکھنے والے شر کی پرواہ نہیں کی

فَاجْهَدْ عَلَيَّ جَهْدَكَ...... حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے عثمان وعلی رضی اللہ عنہما کے اس مبغض کو بددعا دی اور اس کے طرزِ عمل اور سوچ پر قدغن لگا کر اسے ناراض کردیا۔ ظاہر ہے اس کے ردِ عمل میں وہ کچھ بھی کرسکتا اور کہہ سکتا تھا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو اس کا اندازہ تھا مگر انہوں نے اِحقاق واِظہارِ حق کا فریضہ انجام

= ۷/۴۴۷، رقم: ۸۴۳۸

(۱) فتح الباري: ۹۱/۹

(۲) فتح الباري: ۹۱/۹، وعمدة القاري: ۲۱۷/۱۶

دیا اور اسے صاف کہا تم جو کر سکتے ہو کرو، مجھے تیری پرواہ نہیں ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ان الفاظ کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"أي: ابلغ على غايتك في حقي، فإن الذي قلتُه لك الحق، وقائلُ الحق لا يبالي بما قيل في حقِه من الباطل"(١).

یعنی میرے حق میں جہاں تک تیری پہنچ ہے اور جو کر سکتا ہے کر لے، کیونکہ جو میں نے کہا ہے وہ حق ہے اور حق گو اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ کیا ہوتا ہے۔

اور عطاء بن السائب کی روایتِ بالا میں یہ الفاظ ہیں:

"فقال الرجل: فإني أبغضُه، فقال له ابن عمر: أبغضَك الله تعالىٰ"(٢).

اس آدمی نے کہا، میں تو انہیں ناپسند کرتا ہوں، ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، اللہ تجھے ناپسند کرے۔

ترجمۃ الباب سے مناسبت

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت یوں ہے کہ راوی کہتے ہیں، "ثم سألـه عن علي، فذكر محاسنَ عملِه" سائل نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے علی رضی اللہ عنہ کے متعلق دریافت کیا تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے علی رضی اللہ عنہ کے محاسن ذکر کئے اور پھر جب سائل نے اس پر ناگواری کا اظہار کیا تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کے لئے یہ دعا کی، اور فرمایا تو ذلیل ہو اور تیری ناک خاک آلود ہو یہ سب علی رضی اللہ عنہ کے مقامِ عالی پر دال ہیں(۳)۔

---

(١) فتح الباري: ٩١/٩

(٢) السنن الكبرى للنسائي، كتاب الخصائص، باب ذكر منزلة علي بن أبي طالب وقربه من النبي ......: ٤٤٧/٧، رقم: ٨٤٣٨

(٣) عمدة القاري: ٢١٧/١٦

۳۵۰۲ : حدَّثني مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ : حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنِ الحَكَمِ : سَمِعْتُ ٱبْنَ أَبِي لَيْلَى قالَ : حَدَّثَنَا عَلِيٌّ : أَنَّ فاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ شَكَتْ ما تَلْقَى مِنْ أَثَرِ الرَّحى ، فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ سَبْيٌ ، فَٱنْطَلَقَتْ فَلَمْ تَجِدْهُ فَوَجَدَتْ عائِشَةَ فَأَخْبَرَتْهَا ، فَلَمَّا جاءَ النَّبِيُّ ﷺ أَخْبَرَتْهُ عائِشَةُ بِمَجِيءِ فاطِمَةَ ، فَجاءَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَيْنَا وَقَدْ أَخَذْنَا مَضاجِعَنَا ، فَذَهَبْتُ لِأَقُومَ ، فَقَالَ : (عَلَى مَكانِكُمَا) . فَقَعَدَ بَيْنَنَا ، حَتَّى وَجَدْتُ بَرْدَ قَدَمَيْهِ عَلَى صَدْرِي ، وَقالَ : (أَلَا أُعَلِّمُكُمَا خَيْرًا مِمَّا سَأَلْتُمَانِي ، إِذَا أَخَذْتُمَا مَضَاجِعَكُمَا ، تُكَبِّرَانِ أَرْبَعًا وَثَلَاثِينَ ، وَتُسَبِّحَانِ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ ، وَتَحْمَدَانِ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ ، فَهْوَ خَيْرٌ لَكُمَا مِنْ خَادِمٍ) . [ر : ۲۹٤٥]

تراجم رجال

مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ

یہ محمد بن بشار بن عثمان عبدی بصری المعروف ''بندار'' ہیں، ان کے احوال كتاب العلم، باب "قول النبي رب مبلغ أوعى من سامع" کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

غُنْدَرٌ

یہ ابوعبداللہ محمد بن جعفر ہذلی ہیں جو غندر کے لقب سے معروف ہیں، ان کے احوال كتاب الإيمان، باب "ظلم دون ظلم" کے تحت گزر چکے ہیں(۲)۔

شُعْبَةُ

یہ امیر المؤمنین فی الحدیث شعبۃ بن الحجاج واسطی بصری ہیں، ان کے احوال كتاب الإيمان، باب

(۳۵۰۲) الحديث مرَّ تخريجه في كتاب فرض الخمس، باب الدليل على ان الخمس لنوائب رسول الله صلى الله عليه وسلم والمساكين، رقم: ۳۱۱۳

(۱) كشف الباري: ۲۵۸/۳

(۲) كشف الباري: ۲۵۰/۲

"المسلم من سلِم المسلمون من لسانِه ويدِه" کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

الْحَكَم

یہ الحکم بن عُتیبہ الکندی الکوفی ہیں، ان کے احوال كتاب العلم، باب "السمر في العلم" کے تحت گزر چکے ہیں(۲)۔

ابْنَ أَبِي لَيْلَى

یہ عبدالرحمٰن بن اَبی لیلی الانصاری الکوفی ہیں، ان کے احوال گزر چکے ہیں(۳)۔

مِنْ أَثَرِ الرَّحَا

"كتاب فرض الخُمس" میں بَدَلُ بنُ المحبَّر کی روایت میں "مما تطحَنُ" کا اس کے بعد اضافہ ہے(۴)۔

فَأَتَى النَّبِيَّ سَبْيٌ

اُتی معروف ہے، جب کہ ابوذر عن الکشمیہنی کی روایت میں "أتي" بنی للمفعول آیا ہے(۵)۔

ما سَأَلْتُمَانِي

امام احمد نے سائب بن علی کے طریق سے جو روایت نقل کی ہے، اس میں اضافہ ہے، "قالا بلى! قال: كلمات علّمنيهن جبريلُ"(٦).

---

(١) كشف الباري: ٦٧٨/١

(٢) كشف الباري: ٤١٤/٤

(٣) دیکھئے، كتاب الأذان، باب حد إتمام الركوع والاعتدال فيه ......، رقم: ٧٩٢

(٤) كتاب فرض الخمس، باب الدليل على أن الخمس لنوائب رسول الله صلى الله عليه وسلم، رقم: ٣١١٣

(٥) إرشاد الساري: ٢٠٣/٨

(٦) مسند أحمد، مسند علي بن أبي طالب، رقم: ٨٣٩

تُكَبِّرَا

تثنیہ کا صیغہ ہے حذف نون کے ساتھ، حذف یا تو تخفیف کے لئے ہے یا اس لئے کہ لفظ "إذا" شرط کے لئے ہے اور جازم للفعل ہے۔ اسی طرح تَسبِّحا و تحمدَا...... بھی حذف نون کے ساتھ ہے جب کہ بعض نسخوں میں اثباتِ نون کے ساتھ ہے اور بعض میں "فکبِّرا" اور "واحمدا" امر تثنیہ کے ساتھ آیا ہے (۱)۔

"ذکر" کی خیریت وافضلیت کا معنی

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تسبیح وتحمید کو جو خادم سے بہتر قرار دیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ خادم سے تمہیں جو راحت اور سہولت ملے گی، ان اذکار سے اس کے مقابلے میں زیادہ راحت وسہولت حاصل ہوگی اور تھکاوٹ واکتاہٹ کا اثر زائل ہوگا، کیونکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی تکلیف اور اذیت کی شکایت کی تھی، تو ظاہر ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حوالے سے اپنی صاحبزادی کی رہنمائی کی ہوگی۔ اس صورت میں یہ ان کلمات کی خاص تاثیر ہوگی۔

جب کہ قاضی عیاض فرماتے ہیں، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دنیوی تکلیف کا ذکر کرکے دنیوی راحت کے حصول کی خواہش ظاہر کی، رسول اللہ نے (اسلوب الحکیم کے طور پر) تسبیح وتحمید کا ذکر کرکے گویا یہ بتایا کہ دنیوی راحت وسہولت کے مقابلے میں اُخروی اجر وثواب کہیں زیادہ ہے اور تمہیں اسی میں دلچسپی رکھنی چاہیے (۲)۔

ترجمۃ الباب سے مناسبت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاں تشریف لائے ان کو اٹھنے کی بھی زحمت کرنے نہ دیا، پھر ان کے ساتھ بے تکلفی سے بیٹھ گئے اور پھر اپنی بیٹی کو اور انہیں ایک بہترین عمل کے بدلے میں بتایا اور گویا جو اپنی بیٹی کے لئے چاہا وہی علی کے لئے پسند کیا، ان تمام باتوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں علی رضی اللہ عنہ کی قدر ومنزلت اور علو مرتبت کا اندازہ ہوتا ہے (۳)۔

---

(۱) إرشاد الساري: ۲۰۳/۸

(۲) إرشاد الساري: ۲۰۳/۸

(۳) فتح الباري: ۹۱/۹

خادم نہ دینے کی وجہ

رہی یہ بات کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صاحبزادی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اذکارِ مذکورہ بھی ارشاد فرماتے اور خادم بھی مرحمت فرماتے تو انہیں دوگنا فائدہ ملتا......؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو غلام وغیرہ آتے تھے آپ ان سے اہل صفہ اور دوسرے فقراء کی مدد کرنا چاہتے تھے اور اپنے اہل وعیال کے لئے صبر کو پسند فرماتے تھے کیونکہ صبر کا اللہ تعالیٰ کے ہاں آخرت میں بہت بڑا مقام ومرتبہ ہے(۱)۔اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر اخروی فائدے پر تھی، دنیا میں "قوت لا یموت" ہی پر آپ گزارے کے قائل تھے۔

چھٹی حدیث

۳۵۰۳ : حدّثني مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ : حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ سَعْدٍ قالَ : سَمِعْتُ إِبْرَاهِيمَ بْنَ سَعْدٍ ، عَنْ أَبِيهِ قالَ : قالَ النَّبِيُّ ﷺ لِعَلِيٍّ : (أَما تَرْضَى أَنْ تَكُونَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَى) . [٤١٥٤]

تراجم رجال

مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، غُنْدَرٌ، شُعْبَةُ

محمد بن بشار، غندر اور شعبہ کے احوال روایتِ بالا میں گزر چکے ہیں۔

سَعْدٍ

یہ سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف ہیں۔ان کے احوال کتاب مواقیت الصلاۃ، باب

---

(۱) فتح الباري: ۹۲/۹

(۳۵۰۳) الحديث أخرجه البخاري ايضاً في صحيحه: (۶۳۳/۲)، في كتاب المغازي، باب غزوة تبوك، رقم: ۴۴۱۶، وكذا مسلم في صحيحه: (۲۷۸/۲)، كتاب فضائل الصحابه، باب من فضائل علي بن ابى طالب، رقم: ۲۴۰۴، والترمذي في جامعه: (۲۱۳/۲)، كتاب المناقب، باب بعث النبي يوم الأثنين وصلى علي يوم الثلاثاء، رقم: ۳۷۳۱

"وقت المغرب" میں گزر چکے ہیں۔

إِبْرَاهِيمَ بْنَ سَعْدٍ

ابراہیم بن سعد، یہ معروف صحابی رسول حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں، ایک ابراہیم بن سعد دوسرے ہیں جو سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف کے بیٹے ہیں اور سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف اِس ابراہیم بن سعد کے بھانجے ہیں۔

یہاں جو ابراہیم بن سعد راوی ہیں، یہ بخاری، مسلم اور نسائی وغیرہ کے راوی ہیں۔ اسامہ بن زید، خزیمۃ بن ثابت اور اپنے والد سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تابعی ہیں (۱)۔

جب کہ ابن سعد کہتے ہیں، انہوں نے علی بن ابی طالب سے بھی روایت کی ہے (۲)۔

عجلی نے ان کا اپنی کتاب "الثقات" میں ذکر کیا ہے اور فرمایا: "مدني تابعي، ثقة" (۳).

یعقوب بن شعبہ کہتے ہیں:

"ابراهيم معدود في الطبقة الثانية من فقهاء أهل المدينة بعد الصحابة وكان ثقة، كثير الحديث" (٤).

ابن سعد کہتے ہیں، "كان ثقة كثير الحديث" (٥).

حضرت علی کی حضرت ہارون سے تشبیہ کا مطلب

أَمَا تَرْضَى أَنْ تَكُونَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَى...... کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم میرے لئے ایسے ہو جاؤ جیسے موسیٰ کے لئے ہارون تھے؟

---

(۱) تهذيب الكمال: ٢/٩٤

(٢) الطبقات لابن سعد: ١٦٩/٥

(٣) الثقات: الورقة ٣

(٤) إكمال تهذيب الكمال: ٥٣/١

(٥) الطبقات لابن سعد: ١٦٩/٥

غزوہ تبوک کے موقع پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گھر میں چھوڑا اور جنگ کے لئے ساتھ لے کر نہیں گئے تو علی رضی اللہ عنہ نے شکایت کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا، "أتخلفني في الصبيان والنساء؟"(۱).

اللہ کے رسول کیا آپ مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑ رہے ہیں۔

علی رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ ہے کہ عورتوں اور بچوں کے ساتھ رہنا تو ایک معمولی کام ہے اور اس کی وجہ سے وہ جہاد جیسے اہم کام سے محروم رہ جائیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ کی شکایت دور کرتے اور ان کی دلجوئی کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ سے پہلے اس طرح کا کردار ایک جلیل القدر پیغمبر نے بھی انجام دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کوہِ طور پر جا رہے تھے تو پیچھے قوم کی دیکھ بھال کے لئے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو چھوڑا تھا، تو کیا آپ اس پر راضی نہیں ہو کہ میرے لئے بمنزلۂ ہارون کے ہو جائیں؟ ہارون پیغمبر بھی تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی بھی...... بنی اسرائیل میں رہ جانے میں ان کے لئے بے توقیری تھی اور نہ انہیں ایسی کوئی بات محسوس ہوئی تھی بلکہ یہ ان کے لئے اعزاز تھا کہ وہ حضرت موسیٰ کے جانشین بن کر رہ گئے تھے اور یہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے بھی یہ اعزاز کی بات تھی۔

بمنزلة هارون

شارحین کہتے ہیں یہاں باء زائدہ ہے اور تقدیر عبارت ہے "أن تكون مني نازلاً منزلة هارون من موسىٰ"(۲) منزلة گویا مفعول مطلق ہے شبہ فعل مقدر کے لئے۔

حضرت علی کا سوال کے بعد اطمینان

سعید بن المسیب کی سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے، جو احمد نے نقل کی ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں، "فقال علي: رضيتُ رضيتُ"(۳). میں راضی ہوں، راضی ہوں۔

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب غزوة تبوك، رقم: ٤٤١٦

(۲) فتح الباري: ۹/۹۲

(۳) السنن الكبرى للنسائي، رقم: ۸۳۸۲

اور براء بن عازب اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہما کی ایک روایت ہے، جس میں یہ الفاظ ہیں: "قال: بلی یا رسول الله، قال فانه كذلك"(١).

علی رضی اللہ عنہ نے کہا کیوں نہیں، اللہ کے رسول (میں اس پر راضی ہوں) رسول اللہ نے فرمایا، تو بات ایسی ہی ہے۔

اس روایت کے شروع میں یہ الفاظ آتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں:

"لا بد أن أقيم أو تُقيم، فأقام علي فسمع ناساً يقولون: إنما خلَفه لشيء كرهه منه، فاتبعه فذكر له ذلك، فقال له......"(٢).

ضروری ہے کہ یا تو میں رہوں اور یا آپ، چنانچہ علی رضی اللہ عنہ رہ گئے، پھر انہوں نے کئی لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علی (رضی اللہ عنہ) کو جو پیچھے چھوڑ دیا ہے، ضرور کوئی بات ہے جو اللہ کے رسول کو ناپسند ہے، جس کی بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ساتھ لے جانے کی بجائے پیچھے چھوڑ دیا ہے، علی رضی اللہ عنہ نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہی، تو آپ نے مذکور جواب ارشاد فرمایا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل پر استدلال اور اس کا جواب

بعض لوگوں نے اس حدیث سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ثبوت اور دوسروں کی خلافت کی نفی پر استدلال کیا ہے، اور کہا...... جیسے ہارون، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ تھے اور کوئی دوسرا اس میں اُن کا شریک نہیں ہے اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلاشرکت غیرے خلیفہ ہیں۔ اور ہارون کے ساتھ تشبیہ سے یہی مطلوب ہے۔

مگر یہ استدلال درست نہیں ہے بلکہ بعض ماؤف العقل لوگوں کو یہ اشتباہ ہوا ہے؛ کیونکہ حضرت ہارون علیہ السلام سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ بنے تھے، موسیٰ کی زندگی میں۔ نہ کہ ان کی موت کے بعد، اس لئے کہ موت تو حضرت ہارون کی سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے پہلے ہوئی تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ان سے مشابہت کا تقاضا یہ

(١) مسند أبي يعلى، مسند انس، رقم: ٢٧٨٢

(٢) مسند الروياني، رقم: ٤١٧

ہے کہ وہ بھی رسول اللہ کی حیات ہی میں ایک خاص موقع پر آپ کے خلیفہ بنے ہوں اور ہوا بھی ایسا ہی ہے۔

رہی رسول اللہ کی خلافت آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وصال کے بعد تو نہ یہاں اس کا ذکر ہے اور نہ اس کا اُس سے کوئی تعلق ہے(۱)۔

ہارون علیہ السلام کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خلافت کے متعلق علامہ عینی فرماتے ہیں:

"وإنما كان خليفته في حياته في وقت خاص فليكن كذلك الأمر فيمن ضرب المثل به"(۲).

ہارون موسیٰ کے خلیفہ تھے، ان کی حیات میں ایک خاص وقت کے لئے؛ لہٰذا جن کی تشبیہ ان کے ساتھ دی گئی ہے، ان کی خلافت بھی ایسی ہی ہونی چاہیے۔

اور وہ یہی ہے جس کا حدیث ہٰذا میں ذکر ہے۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت بھی واضح ہے۔

۳۵۰٤ : حدّثنا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ : أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ أَيُّوبَ ، عَنِ ابْنِ سِيرِينَ ، عَنْ عَبِيدَةَ ، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قالَ : اقْضُوا كما كُنْتُمْ تَقْضُونَ ، فَإِنِّي أَكْرَهُ الِاخْتِلَافَ ، حَتَّى يَكُونَ لِلنَّاسِ جَمَاعَةٌ ، أَوْ أَمُوتَ كما ماتَ أَصْحَابِي .

فكانَ ابْنُ سِيرِينَ يَرَى : أَنَّ عامَّةَ ما يُرْوَى عَنْ عَلِيٍّ الْكَذِبُ .

تراجم رجال

عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ

یہ ابوالحسن علی بن الجعد بن عبید جوہری ہیں، ان کے احوال كتاب الإيمان، باب "اداء الخمس من

(۱) فتح الباري: ۹/۹۳

(۲) عمدة القاري: ۱٦/۲۱۸

(۳۵۰٤) الحديث أخرجه البخاري ههنا وتفرد به ...... انظر جامع الأصول: ۱/۷۷، وكنز العمال، فضائل علي، رقم: ۳٦٤۰۹

الإيمان" میں گزر چکے ہیں(۱)۔

شُعْبَةُ

یہ شعبۃ بن الحجاج ہیں، ان کے احوال کتاب الإیمان، باب "المسلم من سلِم المسلمون من لسانه ويده" کے تحت گزر چکے ہیں(۲)۔

أَيُّوبَ

یہ ایوب بن ابی تمیمہ کیسان السختیانی ہیں۔ان کے احوال کتاب الإیمان، باب "حلاوة الإيمان" کے تحت گزر چکے ہیں(۳)۔

ابْنِ سِيرِينَ

یہ مشہور تابعی امام المعبرین ابوبکر محمد بن سیرین بصری ہیں۔ان کے احوال کتاب الإیمان، باب "اتباع الجنائز من الإيمان" کے تحت گزر چکے ہیں(۴)۔

عَبِيدَةَ

یہ عَبیدة بن عمرو السلمانی ہیں۔ان کے احوال کتاب الوضوء، باب "الماء الذي يغسل به شعر الانسان" کے تحت گزر چکے ہیں۔

اقْضُوا كَمَا كُنْتُمْ تَقْضُونَ

ابوذر کے نسخے میں کشمیہنی سے "اقضوا على ما كنتم تقضون قبل" کے الفاظ منقول ہیں(۵)۔

---

(۱) كشفِ الباري: ۲/۶۹۷

(۲) كشف الباري: ۱/۶۷۸

(۳) كشف الباري: ۲/۲۶

(٤) كشف الباري: ۲/٥۲٤

(٥) إرشاد الساري: ۸/۲۰٤

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ الفاظ کب ارشاد فرمائے؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ جب عراق تشریف لائے تو اہل عراق سے کہا کہ میری رائے عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے موافق تھی اور ہم سمجھتے تھے کہ امّ ولد کی بیع جائز نہیں ہے مگر اب میری رائے بدل گئی ہے اور میں کہتا ہوں امّ ولد سے "رق" (غلامی) زائل نہیں ہوتا اور اس کی بیع بدستور جائز ہوگی۔

عبیدۃ کہتے ہیں، اس پر میں نے ان سے کہا:

"رأيك ورأي عمر في الجماعة أحب إلي من رأيك وحدك في الفرقة"(۱).

آپ کی اور عمر رضی اللہ عنہ کی رائے دراں حالیکہ آپ جماعت میں ہوں یہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ آپ الگ ہوکر کوئی رائے قائم کرو۔ اور بعض حضرات نے یہ الفاظ ذکر کئے ہیں:

"رأيك يومئذٍ في الجماعة أحب الي من رأيك اليوم في الفرقة"(۲).

اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، "اقضوا كما كنتم تقضون".

اور ایک روایت میں عَبیدہ کی یہ تصریح منقول ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہی ان (عبیدہ) سے یہ الفاظ ارشاد فرمائے، چنانچہ حماد بن زید کی روایت جو ابن المنذر نے علی بن عبدالعزیز عن ابی نعیم کے طریق سے نقل کی ہے، اس میں یہ الفاظ ہیں:

"قال لي عَبيدة: بعث إلى علي وإلى شريح فقال: اني أبغض الاختلاف فاقضوا كما كنتم تقضون"(۳).

یعنی علی اور شریح کے پاس پیغام بھیجا تو انہوں نے کہا میں اختلاف پسند نہیں کرتا تم جیسے چاہو فیصلہ کرو۔

---

(۱) فتح الباري: ۹۲/۹

(۲) عمدة القاري: ۲۱۸/۱٦

(۳) فتح الباري: ۹۲/۹

اختلاف کو ناپسند کرنے کا مطلب

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول "فإني أكرهُ الاختلافَ" پر اعتراض ہوسکتا ہے کہ اختلاف تو ایک ناگزیر چیز ہے اور بعض دفعہ ضروری ہوتا ہے۔ اختلاف امت کو رحمت بھی کہا گیا ہے پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اسے ناپسند کیوں کرتے ہیں......؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ایک تو (حضرت علی کے اس قول میں) اختلاف سے مطلق اختلاف مراد نہیں بلکہ ابوبکر اور عمر سے اختلاف مراد ہے جیسے قسطلانی نے "علی الشیخین"(۱) کے الفاظ لاکر اور ابن حجر رحمہ اللہ نے "یعني مخالفةَ ابي بكر وعمرَ" کے الفاظ سے (۲) اور عینی نے "یعنی أن یخالف أبابکر وعمرَ رضی اللّٰه عنهما" کے لفظوں سے اس کی طرف اشارہ کیا ہے(۳)۔

دوم اختلاف سے مراد وہ اختلاف ہے جو نزاع اور فتنہ کا باعث بنے جس کی تائید آپ رضی اللہ عنہ کے ارشاد "حتی یکون للناس جماعة" سے ہوتی ہے، کیونکہ اس (عبارت،حتی یکون للناس جماعة) کی تقدیر یہ ہے:

"لا أزال علی ذلك حتی یكون للناس جماعة أو أموت"(٤).

یعنی میں برابر اس دفعِ اختلاف کی پالیسی پر قائم رہوں گا تاکہ لوگوں کی اجتماعیت برقرار رہے اور یا پھر میں مرجاؤں پر اس پر آنچ آنے نہ دوں۔

"أو أموت" میں "أموت" أنا مبتدأ مقدر کے لئے خبر اور اس کی بناء پر مرفوع ہے۔ اور یا یکون پر معطوف ہے اور منصوب بأن مقدر ہے أي حتی أن یكونَ للناس جماعة او أن أموتَ(۵)۔

لفظ "أو" پر اشکال وجواب

"أو أموت" پر یہ بھی اشکال کیا گیا ہے کہ اس میں لفظ "أو" جو آیا ہے یہ تو أحد الأمرین کے لئے آتا

---

(۱) إرشاد الساري: ۲۰٤/۸

(۲) فتح الباري: ۹۲/۹

(۳) عمدة القاري: ۲۱۹/۱٦

(٤) فتح الباري: ۹۲/۹

(۵) فتح الباري: ۹۲/۹

ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ میں اختلاف کو ناپسند کروں گا یہاں تک کہ یا تو جماعت برقرار رہے اور یا میں مرجاؤں حالانکہ یہ دونوں امور مطلوب ہیں۔

یعنی ترک اختلاف برائے قیامِ جماعت اور ترک اختلاف تادم مرگ، پھر "أو" کیوں لایا گیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ ان دونوں میں منافات نہیں ہے، بلکہ جمع ممکن ہے اس لئے أو یہاں أحد الأمرین کے لئے نہیں بلکہ کلا الأمرین کے لئے ہے(۱)۔

كما مات أصحابي

یعنی جیسے میرے ساتھ ابوبکر عمر وغیرہما نے جمعیتِ امت کی حفاظت فرمائی مرتے دم تک، میں بھی مرتے دم تک ایسا کروں گا۔

ابن سیرین کی بات کا مقصد

علامہ ابن سیرین کے حوالے سے حماد بن زید کی روایت میں ایوب سے یہ الفاظ منقول ہیں:

"سمعت محمداً يعني ابنَ سيرين يقول لابي معشر: إني أتَّهمكم في كثير مما تقولون عن علي"(۲).

میں تم پر ان بہت ساری چیزوں میں غلط بیانی کا گمان کرتا ہوں اور بجا طور پر الزام لگاتا ہوں جو تم علی رضی اللہ عنہ کے متعلق روایت کرتے ہو۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں، ابو معشر جس کا یہاں ذکر ہے اس سے زیاد بن کلیب الکوفی مراد ہیں۔ اور وہ ثقہ راوی ہیں چنانچہ مسلم نے اپنی صحیح میں ان کی روایات ذکر کی ہیں (۳)۔

اشکال ہوسکتا ہے کہ ابن سیرین پھر ایسے ثقہ آدمی کی روایات پر غلط بیانی کا گمان اور عدم اعتماد کا اظہار کیوں کرتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ابن سیرین زیاد بن کلیب کی ان روایات کی بات کر رہا ہے جو وہ حارث الاعور

---

(۱) عمدة القاري: ۲۱۹/۱٦

(۲) تاريخ ابن خيثمه: ۱۳۷/۵

(۳) صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب حكم المني، حديث (٦٩٦)

جیسے لوگوں سے روایت کرتے ہیں اور یہ الزام درحقیقت ان کا زیاد کے مروی عنہ افراد پر ہے (جن سے زیاد بن کلیب روایت کرتے ہیں) کیونکہ زیاد بعض مرتبہ ان حارث الأعور وغیرہ...... سے روایت کرتے تھے۔ جب کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق من گھڑت روایتیں کہتا تھا (۱)۔

حضرت علی سے مروی شیخین مخالف روایات مردود ہیں

يَرَى أَنَّ عَامَّةَ مَا يُرْوَى عَلَى عَلِيٍّ الْكَذِبُ...... ابن سیرین کی مراد وہ روایتیں ہیں، جو عموماً روافض روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب وہ اقوال ہوتے ہیں، جو حضرات شیخین کی مخالفت پر مشتمل ہوتے ہیں، وہ روایات ان (ابن سیرین) کی مراد نہیں ہیں جو احکام شرعیہ سے متعلق ہوتے ہیں کیونکہ ابن سعد بسند صحیح ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں:

"إذا حدّثنا ثقة عن علي بفتيا لم نتجاوزها" (۲).

جب کوئی ثقہ راوی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کوئی فتویٰ ہمارے سامنے روایت کرتا ہے تو ہم اس سے تجاوز نہیں کرتے، یعنی اُسے لے لیتے ہیں۔

بعض نسخوں میں "على علي" کے الفاظ ہیں، تاہم ابوذر ابوالوقت اور ابن عساکر وغیرہ نے "عن علي" کے الفاظ نقل کئے ہیں اور یہی زیادہ صحیح ہیں (۳)۔

علامہ عینی ابن سیرین کے اس قول کی توجیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وإنما قال ذلك لأنّ كثيراً من أهل الكوفة الذين يروون عنه ليس لهم ذلك، ولا سيّما الرافضة عنهم فإن عامة مايروون عنه كذب واختلاف" (٤).

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل کثیرہ

کتب حدیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دیگر متعدد مناقب وفضائل بھی مذکور ہیں چنانچہ مسلم اور

(١) فتح الباري: ٩٢/٩

(٢) فتح الباري: ٩٢/٩

(٣) عمدة القاري: ٢١٩/١٦، وإرشاد الساري: ٢٠٥/٨

(٤) عمدة القاري: ٢١٩/١٦

ترمذی عامر بن سعد بن ابی وقاص سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے کہا، "ما منعك أن تسبَّ أبا تراب؟" (١)

آپ کو علی کو برا بھلا کہنے سے کس چیز نے روکا ہوا ہے؟

سعد نے کہا

"أمّا ما ذكرتُ ثلاثاً قالهن له رسول الله صلى الله عليه وسلم فلن أسبه" (٢).

تین باتیں جو رسول اللہ نے ان کے متعلق فرمائیں اس کے بعد میں علی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا ہرگز نہیں کہہ سکتا۔ پھر تین باتوں میں سے ایک تو انہوں نے یہ حدیث ذکر کر کے بتائی، یعنی رسول اللہ کا ان سے یہ کہنا کہ آپ میرے لئے ایسے ہو، جیسے موسیٰ کے لئے ہارون تھے۔

دوسری بات یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لأ عطينَّ الراية رجلاً يحب الله ورسوله".

اور تیسری بات یہ کہ جب ارشاد باری تعالیٰ ﴿فقل تعالوا ندع أبناء نا وأبناء كم﴾ (٣) نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی، فاطمہ اور حسن وحسین کو بلا کر فرمایا "اللّٰهم هولاء أهلي" (٤) اے اللہ! میرے اہل وعیال تو یہ ہیں۔

اسی طرح ابویعلی نے حضرت سعد کی ایک روایت نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں:

"لو وضع المنشار على مفرقي على أن أسبَّ علياً ماسببته أبداً" (٥).

اگر میری مانگ (سر کے بیچ) پر آری رکھ دی جائے اور علی کو گالی دینے کے لئے کہا جائے تو بھی میں کبھی

---

(١) صحيح مسلم، باب من فضائل علی، رقم: ٦٣٧٣

(٢) جامع الأصول: ٨/ ٦٥٠، وصحيح مسلم، فضائل علي، رقم: ٦٣٧٣

(٣) سوره ال عمران: ٦١

(٤) مسند احمد مسند سعد بن ابي وقاص، رقم: ١٦٨٠

(٥) مسند أبي يعلى، مسند سعد بن ابی وقاص، رقم: ٧٧٧، المطالب العاليه: ٣٩٣٩، مجمع الزوائد: ١٤٧٣٩

اسے گالی نہ دوں گا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام احمد کا یہ قول بھی نقل کیا ہے:

"ما بلَغنا عن أحد من الصحابة ما بلَغنا عن علي بن أبي طالب"(۱).

علی رضی اللہ عنہ کے (فضائل کے) بارے میں ہمیں جتنی روایتیں پہنچیں ہیں، صحابہ میں سے کسی کے متعلق نہیں پہنچیں۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی روایت ابوذر کی روایت میں روایتِ عَبیدہ کے بعد واقع ہے جب کہ دوسرے نسخوں میں پہلے واقع ہے(۲)۔

۱۰ – باب: مَنَاقِبُ جَعْفَرِ بْنِ أَبِي طَالِبٍ الهَاشِمِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ.

وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: (أَشْبَهْتَ خَلْقِي وَخُلُقِي). [ر: ٤٠٠٥]

ابوذر کے نسخے میں تمام تراجم سے لفظ "باب" کو ساقط کیا گیا ہے جب کہ باقی حضرات (نسّاخ) کے ہاں لفظ "باب" ثابت ہے۔

حضرت جعفر طیار

جعفر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سگے بھائی ہیں اور ان سے دس سال بڑے ہیں، ان کی شہادت غزوہ موتہ میں ہوئی اور ان کی عمر چالیس برس سے متجاوز تھی (۳)۔

انہوں نے دو ہجرتیں فرمائیں، ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ (۴)۔

أَشْبَهْتَ خَلْقِي وَخُلُقِي

یہ ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے جو كتاب المغازي، باب عُمرة القضاء کے تحت حضرت براء بن

(۱) فتح الباري: ۹۳/۹

(۲) فتح الباري: ۹٤/۹

(۳) فتح الباري: ۹٤/۹

(٤) إرشاد الساري: ۲۰۵/۸

عازب رضی اللہ عنہ کی روایت میں مذکور ہے(۱)۔

خَلق بفتح الخاء کا معنی ہے خلقت، پیدائشی ہیئت، کیفیت اور خُلق اخلاق وعادات کو کہتے ہیں۔ جعفر رضی اللہ عنہ ان دونوں چیزوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت رکھتے تھے(۲)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشابہت متعدد حضرات کو حاصل تھی، اس پر مناقب حسنین میں انشاء اللہ مزید بات ہوگی۔

۳۵۰۵ : حدّثنا أَحْمَدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ دِينَارٍ ، أَبُو عَبْدِ ٱللهِ ٱلْجُهَنِيُّ ، عَنِ ٱبْنِ أَبِي ذِئْبٍ ، عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ : أَنَّ النَّاسَ كانُوا يَقُولُونَ : أَكْثَرَ أَبُو هُرَيْرَةَ ، وَإِنِّي كُنْتُ أَلْزَمُ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ بِشِبَعِ بَطْنِي ، حِينَ لَا آكُلُ الْخَمِيرَ وَلَا أَلْبَسُ الْحَبِيرَ ، وَلَا يَخْدُمُنِي فُلَانٌ وَلَا فُلَانَةُ ، وَكُنْتُ أُلْصِقُ بَطْنِي بِالْحَصْبَاءِ مِنَ الْجُوعِ ، وَإِنْ كُنْتُ لَأَسْتَقْرِئُ الرَّجُلَ الْآيَةَ ، هِيَ مَعِي ، كَيْ يَنْقَلِبَ بِي فَيُطْعِمَنِي ، وَكَانَ أَخْيَرَ النَّاسِ لِلْمِسْكِينِ جَعْفَرُ بْنُ أَبِي طَالِبٍ ، كانَ يَنْقَلِبُ بِنَا فَيُطْعِمُنَا ما كانَ في بَيْتِهِ ، حَتَّى إِنْ كانَ لَيُخْرِجُ إِلَيْنَا الْعُكَّةَ الَّتِي لَيْسَ فِيهَا شَيْءٌ ، فَنَشُقُّهَا فَنَلْعَقُ ما فِيهَا . [٥١١٦]

تراجم رجال

أَحْمَدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ

یہ ابومصعب أحمد بن أبي بكر القاسم بن الحارث بن زرارہ الزہری ہیں۔ ان کے احوال کتاب العلم، باب "حفظ العلم" کے تحت گزر چکے ہیں(۳)۔

مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ دِينَارٍ أَبُو عَبْدِ اللهِ الْجُهَنِيُّ

ان کے احوال بھی کتاب العلم، باب "حفظ العلم" کے تحت گزر چکے ہیں(۴)۔

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب عمرة القضاء، رقم: ٤٢٥١

(۲) كشف الباري، كتاب المغازي، ص: ٤٧٥

(۳۵۰۵) الحديث أخرجه البخاري ايضاً في كتاب الأطعمة، باب الحلوى والعسل، رقم: ٥٤٣٢

(۳) كشف الباري: ٤/٤٣٨

(٤) كشف الباري: ٤/٤٤١

ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ

یہ محمد بن عبدالرحمٰن بن المغیرۃ بن الحارث بن الجاذب القرشی العامری ہیں۔ان کے احوال بھی کتاب العلم، باب ''حفظ العلم'' کے تحت گزرے ہیں(۱)۔

سَعِيدِ الْمَقْبُرِيِّ

یہ ابوسعد سعید بن ابی سعید کیسان مقبری ہیں۔ان کے حالات کتاب الإیمان، باب ''صوم رمضان احتساباً من الإیمان'' کے تحت گزر چکے ہیں(۲)۔

ابو ہریرہ اور کثرتِ روایات

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ صحابہ میں وہ سعادت مند صحابی ہیں جن کی مرویات (روایت کردہ احادیث) سب سے زیادہ ہیں، اس (کثرت) پر بعض حضرات کو تعجب ہوتا ہے، صحابہ کے زمانے میں بھی یہ بات زیرِ بحث آئی۔

خود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی یہ کہا گیا ہے کہ ان کی حدیثیں اتنی زیادہ کیوں اور کیسی ہیں، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کے جوابات دیئے ہیں۔امام بخاری رحمہ اللہ نے اس مضمون پر مشتمل روایتیں مختلف جگہوں پر ذکر فرمائی ہیں۔

کتاب العلم میں اس پر کافی تفصیل سے بات ہو چکی ہے(۳)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ان جوابات کا خلاصہ یہ ہے کہ انصار و مہاجرین اپنی تجارتی اور کاروباری مصروفیات کے باعث زیادہ وقت نہیں نکال سکتے تھے جب کہ میں (ابو ہریرہ) ہمہ وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہتا تھا تو میں حدیثیں یاد نہ کرتا کیا کرتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ قرآن کریم کی کتمانِ حق سے متعلق وعیدوں پر مشتمل آیتوں نے مجھے اس پر مجبور کیا۔

---

(۱) كشف الباري: ٤/٤٤٢

(۲) كشف الباري: ٢/٣٣٦

(۳) دیکھئے، كشف الباري: ٤/٤٣١-٤٥٦

اور تیسری بات یہ کہ شروع میں میرا حافظہ کمزور تھا، بعد میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء کی برکت سے حافظہ کی قوت نصیب ہوئی، جو حفظِ احادیثِ کثیرہ کا باعث ہے(۱)۔

یہاں حدیث باب میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں اپنی حاضری کے التزام واہتمام کا ذکر کرتے ہوئے کچھ اپنی فاقہ مستیوں اور بعض اللہ کے نیک بندوں کی طرف سے ان کے ساتھ اکرام واحسان کے سلوک کو ذکر کیا ہے، جن میں سے سرفہرست حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اس حدیث کی ذیل میں کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا اشارہ ابن عمر کے قول جیسے اقوال کی طرف ہے، حضرت عبداللہ بن عمر نے اُس وقت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے متعلق "أكثر ابوهريرة علينا" (ابوہریرہ ہمیں کچھ زیادہ ہی حدیثیں سنا رہا ہے) کا جملہ ارشاد فرمایا تھا، جب اُن کے سامنے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت "من تبع جنازة فله قيراط" ذکر کی گئی (۲)۔

حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہما) کے اس قول کا منشاء یہ تھا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کچھ زیادہ ہی حدیثیں روایت کرنا شروع کی ہیں معلوم نہیں یہ انہوں نے رسول اللہ سے سنیں بھی ہیں یا نہیں۔ پھر جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت کی تصدیق فرمائی، تو حضرت ابن عمر نے جان لیا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے واقعی بہت حدیثیں رسول اللہ سے سن کر حفظ کرلی ہیں۔ اور پھر ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں وافر ثواب والے عمل سے شایانِ شان فائدہ نہ اٹھانے پر ندامت کا اظہار کیا، جو اُن کی روایت کی تصدیق کی مانند ہے (۳)۔

اسی طرح کی ایک روایت امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں اور ابویعلی نے بھی بسند حسن مالک بن ابی عامر کے طریق سے نقل کی ہے، مالک کہتے ہیں:

"كنتُ عند طلحة بن عبيد الله فقيل له: ماندري هذا اليماني أعلمُ برسول الله صلى الله عليه وسلم منكم، أو هو يقول على رسول الله، مالم يقل؟

---

(۱) دیکھیے، كشف الباري: ٤/٤٣١-٤٥٦

(۲) صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب فضل اتباع الجنائز، رقم: ١٣٢٣

(۳) صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب فضل اتباع الجنائز، رقم: ١٣٢٤

قـال فقال: والله مانشُك أنه سمع مالم نسمُع، وعلِم مالم نعلم، إنا كنَّا أقواما لنا بيعـات وأهـلـون وكـنـا نأتي النبي صلى الله عليه وسلم طرفَي النهار ثم نرجع، وكـان ابوهريرة مسكينا لا مال له ولا أهل إنما كانت يده مع يد النبي صلى الله عليه وسلم فكان يد ورمعه حيث دار، فما نشُك أنه قد سمع مالم نسمع"(١).

کہتے ہیں میں طلحہ بن عبیداللہ کے پاس تھا تو اس دوران ان سے کہا گیا ''ہم نہیں جانتے کہ یہ یمانی (ابو ہریرہ) تم سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جاننے والا ہے یا پھر یہ رسول اللہ کے متعلق ایسی باتیں کرتے ہیں جو آپ علیہ السلام نے نہیں کہیں؟'' راوی کہتا ہے طلحہ نے کہا، ہمارا خیال یہی ہے کہ انہوں نے وہ کچھ سنا ہے جو ہم نہ سن سکے اور وہ جان لیا ہے جو ہمارے علم میں نہیں آیا، کیونکہ ہم ایسے لوگ تھے کہ ہمارے گھر تھے اور اہل وعیال، اور ہم دن کے دونوں اطراف صبح اور شام میں ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تھے اور پھر چلے جاتے تھے اور ابو ہریرہ غریب آدمی تھا جس کا کوئی مال تھا اور نہ گھر والے، ان کا ہاتھ رسول اللہ کے ہاتھ میں تھا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جہاں جاتے وہ آپ کے ساتھ ہوتے تو ہمارا خیال یہی ہے کہ انہوں نے وہ کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن لیا جو ہم نے نہیں سنا۔

"مـا نشكُّ أنـه سمع مالم نسمع" کا معنی ہے ہمارا شک (اور خیال) نہیں ہے مگر یہ کہ انہوں نے (وہ) سنا جو ہم نے نہیں سنا۔ چنانچہ ترمذی نے یہ الفاظ نقل کئے ہیں: "ما نشك إلا أنه سمع......"(٢).

جب کہ بیہقی نے اشعث کے طریق سے طلحہ بن عبیداللہ کے ایک غلام سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں:

"كان أبوهريرة جالساً فمرَّ رجل بطلحة فقال له: لقد أكثر ابوهريرة، فقال طلحة: قد سمِعنا كما سَمع ولكنه حفِظ ونسيناً"(٣).

(١) مسند أبي يعلى، مسند طلحة بن عبد الله، رقم: ٦٣٦ والتاريخ الكبير: ١٣٣/٦

(٢) جامع الترمذي، باب مناقب أبي هريرة، رقم: ٣٨٣٧

(٣) السنن الكبرى للبيهقي، باب ماورد في الاضطجاع، رقم: ٤٦٦٦

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیٹھے تھے کہ ایک آدمی کا طلحہ بن عبیداللہ پر گزر ہوا، انہوں نے کہا، ابوہریرہ نے بہت حدیثیں روایت کی ہیں، طلحہ نے کہا ہم نے بھی ان کی طرح سنا مگر انہوں نے یاد رکھا اور ہم بھول گئے۔

اور ابن سعد نے اپنی ''طبقات'' میں "باب اهل العلم والفتوى من الصحابة" میں سعید بن عمرو بن سعید بن العاص سے بسند صحیح نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا:

"إنكَ لتحدّث عن النبي صلى الله عليه وسلم حديثاً ما سمعتُه منه،

قال: شغللكِ عنه يا أمه المرآة والمِكحلة وما كان يشغلني عنه شيء"(۱).

کہا آپ رسول اللہ سے ایسی حدیثیں بیان کرتے ہیں جو میں نے نہیں سنی، ابوہریرہ نے کہا، اماں جان! آپ کو آئینے اور سرمہ دانی نے مصروف رکھا، جب کہ مجھے رسول اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کام میں مصروف کرنے والی کوئی چیز نہ تھی۔

بِشِبَعِ بَطْنِي

کشمیہنی کی روایت میں "شبَعَ بطني" بدون الباء آیا ہے جو مفعول لہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور یا پھر یشبع مضارع کے ساتھ ہے (۲)۔

اور کتاب العلم میں "لِشبَع بطنه" آیا ہے (۳)۔

کہیں "على ملء بطني" بھی آیا ہے (۴)۔ معنی ومفہوم تمام صورتوں میں یہی ہے کہ پیٹ بھر کر کھانے کی قیمت پر میں آپ کے پاس رہتا تھا۔

حين لا آكل

بعض نسخوں میں "حين لا آكل" آیا ہے اور بعض میں "حتى لا آكل"(۵).

---

(۱) الطبقات الكبرى: ۳۶۴/۲، ترجمه: ۲۶۳۵

(۲) فتح الباري: ۹۵/۹

(۳) صحيح البخاري، كتاب العلم، باب حفظ العلم، رقم الحديث: ۱۱۸

(٤) كتاب البيوع، رقم: ۲۰٤۷

(٥) فتح الباري: ۹۵/۹

لَا آكُلُ الْخَمِيرَ وَلَا أَلْبَسُ الْحَبِيرَ

خمیر سے مراد خمیری روٹی ہے چنانچہ قسطلانی کہتے ہیں:

"أي: الخبز الذي جعل في عجينه الخمير"(١). وہ روٹی جس کے آٹے میں خمیر ڈالی گئی ہے۔

اور بعض نسخوں میں "الخبیز" آیا ہے جس کا معنی ہے "المأدوم" یعنی سالن ملی روٹی۔

کرمانی رحمہ اللہ اور عینی رحمہ اللہ وغیرہ نے یہاں "والخبزة الأدم"(٢) کے الفاظ بھی نقل کئے ہیں۔

الْحَبِيرَ

کشمیہنی کے نسخے میں "الحریر" کا لفظ ہے، لیکن راجح پہلا (یعنی "الحبیر") ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"والحبير من البرد ما كان موشى مخططا، يقال برد حبير وبرد حبَرة بوزن عنبة على الوصف والاضافة".

"حبیر" اس چادر کو کہا جاتا ہے جو مزیَّن اور دھاری دار ہو، برد حبیر اور برد حبرة موصوف صفت کے طور پر بھی مستعمل ہیں اور مضاف مضاف الیہ کے طور پر بھی (٣)۔

مِنَ الْجُوعِ

معنی یہ ہے کہ پیٹ پر ٹھنڈے پتھر باندھتا تھا تاکہ اس کی برودت کی وجہ سے بھوک کی وجہ سے ہونے والی حرارت زائل ہو اور کچھ اس کی شدت میں کمی آئے (۴)۔

شارحین کا اختلاف

لَأَسْتَقْرِئُ الرَّجُلَ...... حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس جملے کی تشریح میں فرماتے ہیں:

---

(١) إرشاد الساري: ٢٠٥/٨

(٢) شرح الكرماني: ٢/١٥، وعمدة القاري: ٢٠٦/١٦

(٣) فتح الباري: ٩٥/٩

(٤) إرشاد الساري: ٢٠٦/٨

"أي: أطلب منه القرى فيظن اني أطلب منه القراء ة"(۱).

یعنی میں (ابوہریرہ) کسی آدمی سے یہ طلب کرتا ہوں کہ مجھے کھانا کھلائے اور میری ضیافت کرے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں اس سے قرآن پڑھوانا چاہتا ہوں۔ اور اس معنی ومطلب کی تائید کے لئے حافظ صاحب نے حلیۃ الأولیاء میں مذکور ابونعیم کی ایک روایت سے استدلال کیا ہے روایت میں یہ ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا، تو اُن سے کہا، "أقرینی" انہوں نے سمجھا کہ میں قراءت کی اُن سے استدعاء کر رہا ہوں، چنانچہ انہوں نے مجھے قرآن پڑھایا اور کھانا نہیں کھلایا، "وإنما أردت منه الطعام" حالانکہ میں ان سے کھانا چاہ رہا تھا(۲)۔

علامہ عینی رحمہ اللہ نے حافظ کی اس رائے کو مسترد کیا اور کہا کہ لفظ "ایة" جو "استقرئ" کے ساتھ آیا ہے یہی بتاتا ہے کہ "استقراء" سے طلب ضیافت مراد نہیں ہے بلکہ اس سے طلبِ قراءت مقصود ہے۔

اور فرمایا یہ دو مختلف مسئلے ہیں ایک تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مخصوص ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ سے قِریٰ (ضیافت) طلب کی اور انہوں نے قراءت کی طلب سمجھ کر آیت پڑھی۔ اور یہاں حدیثِ باب میں جو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے یہ عام ہے(۳)۔

اب جہاں استقرئ بالہمزآئے گا یا جہاں ایة کی تصریح ہوگی تو اس سے طلبِ قراءت ہی مراد ہے اور جہاں تسہیلِ ہمزہ ہے، وہاں توریہ کا امکان ہے جیسے کہ روایت ابی نعیم سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ "اقرینی" سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ طلب قِریٰ مراد لے رہے ہوں اور عمر طلبِ قراءت سمجھے ہوں(۴)۔ اور حضرت ابوہریرہ لفظ ''استقراء'' اسی لئے استعمال کر رہے ہوں گے کہ اگر مخاطب کھانا کھلا دے تو وہ ہی مطلوب ہے اور اگر وہ برا مانے یا ''قراءت'' سمجھے تو ابوہریرہ کو شرمندگی نہ ہو اور وہ یہی ظاہر کرے کہ میں ''قراءت'' ہی کا طالب تھا۔

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے جو بات سمجھی ہے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو وہ

---

(۱) فتح الباري: ۹/۹۵

(۲) حلية الأولياء: ۱/۳۷۸

(۳) عمدة القاري: ۱٦/۲۲۰

(٤) إرشاد الساري: ۸/۲۰٦

مقصود نہیں ہے، یعنی یہ کہ وہ تو ضیافت طلب کر رہے ہوں اور اگلا طلب قراءت سمجھ کر قرآن پڑھ لیتا ہو، بلکہ ان (ابو ہریرہ) کا مقصد اس قول سے یہ ہے کہ کئی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ میں ایک آیت سمجھ رہا ہوتا ہوں اور پھر بھی کسی سے کہتا ہوں کہ وہ مجھے وہ آیت پڑھوائیں، اس سے میرا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ مجھے گھر لے چلے، کھانا کھلا دے گا اور میں کم از کم اس بہانے ہی کھانا کھالوں گا۔

قسطلانی کہتے ہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ روایت كتاب الأطعمة میں عبدالرحمن بن شيبه عن أبي الغُديك عن ابن ابي ذئب عن المقبُري کے طریق سے روایت کی ہے اور اس میں بھی "استقرئ" بالہمزہ اور اس کے ساتھ الآية کے الفاظ مذکور ہیں (۱)۔

اسی طرح امام ترمذی رحمہ اللہ نے کتاب المناقب میں ابوسعيد الاشج عن اسماعيل بن ابراهيم التيمي عن ابراهيم بن اسحاق المخزومي عن سعيد المقبري عن أبي هريرة کے طریق سے یہ روایت نقل کی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

"ان كنتُ لاستقرئ الرجل من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم عن الآية من القرآن وأنا أعلم بها منه، ما أسأله إلا ليطعمني شيئا فكنت إذا سألت جعفر بن ابي طالب لم يجبني حتى يذهب بي إلى منزله فيقول لامرأته: يا اسماء أطعمينا فإذا أطعمتنا أجابني"(۲).

ابو ہریرہ کہتے ہیں میں اصحاب النبی میں سے ایک آدمی سے کہتا تھا کہ مجھے قرآن کی یہ آیت پڑھائیں حالانکہ اس آیت کو میں اس آدمی سے زیادہ جانتا تھا مگر میں صرف اس لئے اس سے یہ کہتا تھا تا کہ وہ مجھے کچھ کھلا دے، چنانچہ یہ بات جب میں جعفر ابن ابی طالب سے کہتا تو وہ مجھے کوئی جواب نہ دیتے یہاں تک کہ گھر چلے جاتے اور اپنی بیوی اسماء سے کہتے، اسماء ہمیں کھانا کھلاؤ جب وہ کھلاتی تو حضرت جعفر تب مجھے جواب دیتے، (مثلاً آیت پڑھ لیتے) کیوں کہ انہیں اندازہ تھا کہ میرا سوال کسی اور مقصد کے لئے ہے۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر اور حضرت جعفر کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ کے پیش آنے

(۱) كتاب الأطعمة، رقم: ۵۴۳۲

(۲) سنن الترمذي، باب مناقب جعفر، رقم: ۴۱۳۱

والے یہ دونوں الگ الگ واقعات ہیں(۱)۔

اور یہاں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی جو بات مذکور ہے وہ یہ ہے کہ ان کا طلب قراءت کا کلام اس لئے ہوتا تھا تاکہ مخاطب اسے کھانا کھلائے۔ جب کہ ابونعیم کی روایت میں ایک خاص واقعہ کا ذکر ہے جس میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہہ رہے ہیں کہ میں نے لفظ "استقری" سے طلبِ قری (ضیافت) کا قصد کیا تھا اور عمر طلبِ قراءت سمجھے۔

وَكَانَ أَخْيَرَ

أخيرَ بوزن افضل بعض نسخوں میں آیا ہے، جب کہ بعض میں "خير" آیا ہے(۲)۔

حضرت جعفر کی افضلیت جزوی تھی

للمساكين...... کشمیہنی کی روایت میں "مسكين" مفرد آیا ہے جو ظاہر ہے جنس کے لئے ہوگا (یعنی جنسِ مسکین)۔ ترمذی اور حاکم وغیرہ نے ایک روایت ذکر کی ہے جو عکرمہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جعفر رضی اللہ عنہ کو سب سے افضل قرار دیا گیا ہے اس کے الفاظ ہیں:

"ما احتذى النعالَ ولا ركبَ المطايا بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم أفضل من جعفر بن أبي طالب"(۳).

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جعفر بن ابی طالب سے بہتر کوئی جوتے پہننے والا اور سواری پر سوار ہونے والا نہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اس روایت میں اگرچہ جعفر کی مطلق افضلیت کا ذکر ہے مگر یہ اس

---

(۱) إرشاد الساري: ۲۰٦/۸

(۲) فتح الباري: ۹٥/۹

(۳) السنن الكبرى للنسائي، رقم: ۸۱۰۱، والمستدرك على الصحيحين، كتاب المغازي، رقم: ٤۳٥۰، والجامع للترمذي، رقم: ٤۱۳۱، ۳۷٦٤، والمستدرك، باب مناقب جعفر، رقم: ٤۹۳٤، ومسند احمد، مسند أبي هريرة، رقم: ۹۳٤۲، والمعجم الكبير للطبراني، رقم: ۸۹۰

مقیّد روایت پر محمول ہوگی جو یہاں مذکور ہے، یعنی جعفر کی افضلیت مطلق نہیں بلکہ بہ اعتبار مساکین کی خیر خواہی اوران سے حسن سلوک کے ہے(۱)۔

تضاد کا تأثر اور اس کا جواب

إِنْ كَانَ لَيُخْرِجُ إِلَيْنَا الْعُكَّةَ...... یہاں بظاہر عبارت میں نقض اور منافات ہے کہ پہلے کہہ رہے ہیں جعفر وہ گھی کا مشکیزہ نکالتے جس میں کچھ نہ ہوتا تھا پھر وہ اسے شق فرما دیتے تھے اور جو کچھ اس میں ہوتا تھا ہم اسے چاٹ لیتے تھے، اور یہ بھی کہتے ہیں "ما فيها شيئ" اس میں کچھ نہ ہوتا تھا، یہاں "التي ليس فيها شيء" اور "ما فيها" میں تضاد ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ "ليس فيها شيء" کا معنی یہ ہے کہ اس میں نکالنے کے قابل کچھ نہ ہوتا تھا اور بعد میں جو یہ کہا کہ جو اس میں ہوتا تھا ہم اسے چاٹ لیتے تھے، اس کا معنی یہ ہے کہ اندر سے مشکیزے سے لگا جو کچھ تھوڑا بہت ہوتا تھا اور نکالا نہیں جا سکتا تھا، مشکیزہ پھاڑنے کے بعد ہم اسے منہ سے چاٹ لیتے تھے(۲)۔

حضرت جعفر سوال کا جواب کیوں دیتے تھے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور جعفر طیار کے درمیان یہ جو سلسلہ رہتا تھا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سوال کرتے اور جعفر اس وقت تک جواب نہ دیتے تھے جب تک وہ گھر جا کر اسماء سے کھانا نہ طلب کرتے اور اسماء کھانا پیش نہ کرتیں جیسے کہ ترمذی کی ایک روایت ابھی اوپر ذکر ہوئی ہے، اس میں ایک اشکال یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب جعفر کو معلوم تھا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا سوال صرف طلب ضیافت کے لئے ہوتا ہے تو پھر وہ کھانا کھلانے کے بعد سوال کا جواب کیوں دیتے تھے جب کہ اس کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔

اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ حضرت جعفر دو مصلحتیں جمع کرنا چاہتے تھے یعنی یہ کہ کھانا بھی ہو جائے اور آیت بھی پڑھی جائے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اگرچہ سوال سے غالباً کھانا مقصود ہوتا تھا مگر یہ بھی تو امکان تھا کہ انہوں نے آیت

---

(۱) فتح الباري: ۹/۹۵

(۲) فتح الباري: ۹/۹۶

پوچھی ہو اور وہ ہی ان کو مقصود ہو یا وہ بھی مقصود ہو(۱)۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جیسے ابوہریرہ شرمندگی سے بچنے کے لئے بظاہر قراءت طلب کرتے اور مقصود کھانا ہوتا تھا ایسا ہی جعفر کو بھی مقصود ابوہریرہ کو کھانا کھلانا ہوتا تھا مگر وہ بعد میں انہیں وہ آیت پڑھ کر جواب بھی دے دیتے تھے اور ان کی عزتِ نفس کا خیال رکھتے ہوئے یہ ظاہر کرتے کہ آپ کو مطلوب آیت ہی تھی کھانا تو میری طرف سے ضمن میں آ گیا۔

ترمذی کی روایت میں یہ بھی آتا ہے:

"وكان جعفر يحب المساكين ويجلس إليهم ويحدثهم ويحدثونه، وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يكنيه بأبي المساكين"(۲).

جعفر مساکین سے محبت کرتے تھے۔ اور ان کے ساتھ بیٹھ کر گپ شپ کرتے تھے اور رسول اللہ نے ان کی "ابوالمساکین" کنیت رکھی تھی۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت واضح ہے کیونکہ جعفر بن ابی طالب کی فضیلت و منقبت کا ذکر ہے۔

۳۵۰۶ : حدّثني عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ : حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ : أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي خَالِدٍ ، عَنِ الشَّعْبِيِّ : أَنَّ ٱبْنَ عُمَرَ رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُمَا : كَانَ إِذَا سَلَّمَ عَلَى ابْنِ جَعْفَرٍ قَالَ : السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا ٱبْنَ ذِي الْجَنَاحَيْنِ . [۴۰۱۶]

تراجم رجال

عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ

یہ عمرو بن علی بن بحر الباہلی الصیر فی الفلاس ہیں۔ ان کے احوال گزر چکے ہیں (۳)۔

---

(۱) فتح الباري: ۹۶/۹

(۲) سنن الترمذي، باب مناقب جعفر، رقم: ۳۷۶۶

(۳۵۰۶) الحديث أخرجه البخاري ايضاً في صحيحه: ۶۱۱/۲، في كتاب المغازي، باب غزوة موته من أرض الشام، رقم: ۴۲۶۴، والنسائي في سننه الكبرى، رقم: ۸۱۰۲

(۳) كتاب الوضوء، باب الرجل يوضّئ صاحبه، رقم: ۱۸۲

يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ

یہ یزید بن ہارون الواسطی ہیں۔ان کے احوال گزر چکے ہیں(۱)۔

إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي خَالِدٍ

یہ اسماعیل بن ابی خالد احمسی بَجَلی کوفی ہیں۔ان کے احوال کتاب الإیمان، باب "المسلم مَن سلِم المسلمون من لسانه ويده" کے تحت گزر چکے ہیں(۲)۔

الشَّعْبِيُّ

یہ عامر بن شراحیل الشعبی ہیں۔ان کے تفصیلی احوال کتاب العلم، باب "كتابة العلم" کے تحت گزر چکے ہیں(۳)۔

جب کہ مختصر تذکرہ کتاب الإیمان، باب "المسلم من سلِم المسلمون من لسانه ويده" کے تحت بھی آیا ہے(۴)۔

ان ابن عمر كان يسلّم......

ابن جعفر سے عبداللہ بن جعفر مراد ہیں۔

اسماعیلی کی روایت میں ہشیم عن اسماعیل بن ابی خالد کے طریق سے مروی ہے۔اسماعیلی کہتے ہیں:

"قلنا للشعبي كان ابن جعفر يقال له ابن ذي الجناحين؟

قال: نعم، رأيت ابن عمر أتاه يوما أو لقيه فقال: السلام عليك يابن ذى الجناحين"(۵).

---

(۱) كتاب الوضوء، باب التبرز في البيوت، رقم: ۱۴۹

(۲) كشف الباري: ۶۷۹/۱

(۳) كشف الباري: ۲۲۹/۴

(۴) كشف الباري: ۶۷۹/۱

(۵) فتح الباري: ۹۶/۹

ابن ذی الجناحین کہنے کی وجہ

شارحین فرماتے ہیں کہ ابن عمر اس لئے جعفر کے بیٹے کو ابن ذی الجناحین کہتے تھے کہ طبرانی نے بہ سند حسن عبداللہ بن جعفر سے روایت نقل کی ہے، وہ کہتے ہیں:

"قال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم هنيئاً لك أبوك يطير مع الملئكة في السماء"(١).

یعنی رسول اللہ نے مجھ سے کہا، تیرے لئے خوشخبری ہے کہ تیرا والد فرشتوں کے ساتھ آسمان میں اُڑ رہا ہے۔

اس طرح ترمذی اور حاکم ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"رأيتُ جعفر بن أبي طالب يطير مع الملئكة"(٢).

اس روایت کی سند میں ضعف ہے لیکن ابن سعد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک روایت نقل کی ہے وہ اس کی شاہد ہے(٣)۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک اور روایت ہے جسے ترمذی نے اور حاکم نے بشرطِ مسلم نقل کیا ہے، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ منقول ہیں:

"مرّبي جعفر الليلة في ملأ من الملئكة وهو مخضب الجناحين بالدم"(٤).

جعفر کا مجھ پر رات کو فرشتوں کی ایک جماعت میں گزر ہوا جب کہ ان کے دونوں بازو خون سے رنگین تھے۔ اس میں لفظ "جناحین" کی بھی صراحت ہے۔

طبرانی وغیرہ نے ابن عباس کی مرفوع روایت نقل کی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

---

(١) لم أجده بهذ اللفظ ...... والمعنى في المعجم الكبير، رقم: ١٤٤٣

(٢) جامع الترمذي، باب مناقب جعفر بن أبي طالب، رقم: ٣٧٦٣

(٣) الطبقات الكبرى لابن سعد: ٣٩/٤، ترجمه: ٤٧٩٦

(٤) المستدرك على الصحيحين، ذكر مناقب جعفر، رقم: ٤٩٤٣، وكتاب المغازي، رقم: ٤٣٥٢

"دخلت البارحة الجنة فرأيت فيها جعفراً يطير مع الملئكة"(١).

اور ایک طریق سے یہ الفاظ مروی ہیں:

"أن جعفراً يطير مع جبريل وميكائيل له جناحان عوضه الله من يديه"(٢).

جعفر جبرئیل ومیکائیل فرشتوں کے ساتھ اڑ رہے تھے اور ان کے دو پَر تھے جو انہیں اللہ نے شہید کئے گئے ان کے ہاتھوں کے عوض میں دیئے تھے۔

اس روایت کی سند بھی اچھی ہے مگر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی جو روایت حاکم نے علی شرط مسلم ذکر کی ہے وہ سب سے قوی ہے۔

ان تمام روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ جو غزوہ موتہ میں شہید کئے گئے تھے اور انہوں نے زید بن حارثہ کی شہادت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے جھنڈا پکڑا تھا تا آنکہ ان کے ہاتھ کاٹ دیئے گئے اور انہیں شہید کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں دونوں ہاتھوں کی جگہ ایسے دو بازو عطاء فرمائے کہ وہ ان کے ذریعے فرشتوں کے ساتھ جنت میں اڑتے ہیں ان دونوں جنتی بازوؤں کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس کے باعث جعفر ذوالجناحین اور طیّار ٹھہرے اور ان کا بیٹا ابن ذی الجناحین ٹھہرا۔

حدیث کا متبادر معنی تو یہی ہے البتہ نسفی کے نسخے میں یہاں ان الفاظ کا بھی اضافہ ہے:

"قال ابوعبدالله الجناحان كل ناحيتين يا "كل ذي ناحيتين".

اس کا معنی یہ ہے کہ "یا ابن ذی الجناحین" میں الجناحین کو امام بخاری حسی نہیں معنوی جناحین پر حمل کرتے ہیں، جو دو اطراف کے معنی میں ہیں (٣)۔

عینی کہتے ہیں:

---

(١) المعجم الكبير للطبراني، رقم: ١٤٤٨

(٢) المعجم الاوسط: ٨٦/٧، رقم: ٦٩٣٢

(٣) فتح الباري: ٩٥/٩

"أشار بهذا إلى أن الجناحين يطلقان لكل ناحيتين يعني لكل جنبين وعنه يقال: جنح الطريق جانبه وجنح القوم ناحيتهم"(١).

ترجمۃ الباب سے مطابقت

روایت کی ترجمۃ الباب سے مطابقت واضح ہے کہ حضرت جعفر کے بیٹے کو حضرت ابن عمر، "ابن ذی الجناحین" کہا کرتے تھے یعنی ان کے والد کی شہادت اللہ نے قبول فرمائی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جعفر کے بیٹے کو خوشخبری دی تھی کہ ان کے والد (جعفر) فرشتوں کے ساتھ جنت میں اڑ رہے ہیں، اور اسی بشارتِ نبوی کی بنیاد پر ہی ابن عمر عبداللہ بن جعفر کو ابن ذی الجناحین کہتے تھے، تو اصل منقبت اس میں جعفر رضی اللہ عنہ کی ہے(۲)۔

١١ - باب : ذِكْرُ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ .

حضرت عباس

عباس بن عبدالمطلب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو یا تین برس بڑے تھے، ان کی کنیت ابوالفضل ہے، بڑے خوبصورت گورے اور پرکشش تھے، میانہ قد تھے اور یا پھر قدرے دراز قد، ان کی بالوں کی دولٹیں ہوتی تھیں(۳)۔

ابن ابی حاتم کی ایک مرفوع روایت ہے، جس میں آپ رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ وارد ہے: "أجود قريش كفاً وأو صلها رحماً"(٤).

قریش کے سب سے سخی اور سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے تھے۔

اور ابو عمر نے ان الفاظ کا بھی اس کے ساتھ اضافہ کیا ہے:

---

(١) عمدة القاري: ٢٢١/١٦

(٢) عمدة القاري: ٢٢٠/١٦

(٣) إرشاد الساري: ٢٠٧/٨

(٤) مسند أحمد: ١٦١٠، مسند سعد بن أبي وقاص واتحاف الخيرة: ٦٧١٧

"وكان ذا رأي حسن ودعوة مرجوة"(١).

وہ بڑی عمدہ رائے والے اور مستجاب الدعوات تھے۔

حضرت عباس نے کب اسلام قبول کیا؟

مشہور یہ ہے کہ انہوں نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا، جب کہ ایک قول یہ ہے کہ فتح مکہ سے قبل اسلام قبول کیا(۲)۔

جب کہ ایک قول یہ ہے کہ اسلام انہوں نے بہت پہلے قبول کیا تھا مگر اسے ظاہر فتح مکہ کے دن کیا(۳)۔

بعض حضرات نے ابورافع کے قول "كأن الاسلام دخل علينا أهل البيت"(٤) سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ انہوں نے قصۂ بدر کے سلسلے میں کہا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عباس بدر کے موقع پر مسلمان تھے۔

ابن حجر عسقلانی نے اس رائے کی تردید کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے جب کہ غزوہ بدر کے موقع پر تو عباس مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار کئے گئے تھے اور پھر انہوں نے اپنا اور عقیل بن ابی طالب کا فدیہ دے کر رہائی حاصل کی تھی (۵)۔ اور اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو شوری میں داخل نہیں کیا تھا کہ وہ فتح مکہ سے قبل اسلام نہیں لایا تھا ورنہ تو عمر رضی اللہ عنہ ان کا بڑا خیال رکھتے تھے جیسا کہ حدیثِ توسُّل سے معلوم ہوتا ہے(۶)۔ تاہم فتح مکہ سے قبل اور بعد کے مسلمانوں میں فضیلت اور اہمیت کے اعتبار سے بڑا فرق ہے، جس کی بناء پر عباس شوری کے رُکن نہ بن سکے۔

---

(١) الاستيعاب في معرفة الأصحاب: ٢٤٥/١

(٢) عمدة القاري: ٢٢١/١٦

(٣) إرشاد الساري: ٢٠٧/٨

(٤) تهذيب التهذيب: ١٠٨/٥

(٥) كما هو مذكور في صحيح البخاري، كتاب بدء الوحي، رقم: ١٤٢

(٦) فتح الباري: ٩٧/٩

۳۵۰۷ : حدّثنا الحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ الْأَنْصَارِيُّ : حَدَّثَنِي أَبِي عَبْدُ ٱللهِ بْنُ الْمُثَنَّى ، عَنْ ثُمَامَةَ بْنِ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ أَنَسٍ ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ : أَنَّ عُمَرَ بْنَ الخَطَّابِ : كَانَ إِذَا قَحَطُوا ٱسْتَسْقَى بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ ، فَقَالَ : اللَّهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا ﷺ فَتَسْقِينَا ، وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا ، قَالَ : فَيُسْقَوْنَ . [ر : ۹٦٤]

تراجم رجال

الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ

یہ الحسن بن محمد بن الصباح الزعفرانی البغدادی ہیں۔ان کے احوال کتاب الاستسقاء، باب "سؤال الناس الإمام الاستسقاء" کے تحت گزر چکے ہیں۔

مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيُّ

ان کے احوال بھی اسی باب (باب سؤال الناس الإمام الاستسقاء) میں گزر چکے ہیں(۱)۔

أَبِی، عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُثَنَّى

عبداللہ بن المثنی بن عبداللہ بن انس بن مالک مراد ہیں، جو راوی مذکور محمد کے والد ہیں اور ان کے احوال بھی اسی باب میں گزر چکے ہیں (۲)۔

ثُمَامَةَ بْنِ عَبْدِ اللهِ

یہ ثمامہ بن عبداللہ بن انس بن مالک ہیں۔ان کے احوال کتاب العلم، باب "من أعاد الحديث ثلاثاً" کے تحت گزر چکے ہیں (۳)۔

(۳۵۰۷) الحديث سبق تخريجه في كتاب الاستسقاء، بابُ سؤال الناس الإمام الاستسقاء إذا قحطوا......

(۱) كتاب الاستسقاء باب سؤال الناس الإمام الاستسقاء، رقم: ۱۰۱۰

(۲) كتاب الاستسقاء باب سؤال الناس الإمام الاستسقاء، رقم: ۱۰۱۰

(۳) كشف الباري: ۵۸۲/۳

١٢ - باب : مَنَاقِبُ قَرَابَةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ ، وَمَنْقَبَةِ فاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ بِنْتِ النَّبِيِّ ﷺ .
وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (فاطِمَةُ سَيِّدَةُ نِسَاءِ أَهْلِ الجَنَّةِ) . [ر : ٣٤٢٦]

ابوذر کے نسخے میں "ومنقبة فاطمة بنت النبي" کے الفاظ کا بھی اضافہ ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول "فاطمة سيدة نساء أهل الجنة" کا یہاں ذکر اس نسخے کی تائید کرتا ہے حالانکہ یہ قولِ رسول اللہ "مناقب فاطمة" کے مستقل باب میں بھی آرہا ہے (۱)۔

قرابة الرّسول سے کیا مراد ہے؟

قرابت الرسول سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پانے یا آپ کی زیارت کرنے والے وہ مرد اور عورتیں ہیں جو آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے جدِّ اُقرب یعنی عبد المطلب کی طرف منسوب ہیں مثلاً:

۱-حضرت علی اور ان کی اولاد حسن، حسین، محسن اور ام کلثوم (جو فاطمہ کی اولاد ہیں)۔

۲-اسی طرح جعفر بن ابی طالب اور ان کی اولاد عبد اللہ، عون، محمد۔ اور ایک قول یہ ہے کہ جعفر کا احمد نامی ایک اور بیٹا بھی ہے۔

۳-اسی طرح عقیل بن ابی طالب اور ان کا بیٹا مسلم بن عقیل۔

۴-حمزہ بن عبد المطلب اور ان کی اولاد یعلی، عمارہ، امامہ۔

۵-عباس بن عبد المطلب اور ان کے دس بیٹے: افضل، عبد اللہ، قثم، عبید اللہ، حارث، معبد، عبد الرحمٰن، کثیر، عون، تمام۔ عباس کے ان دس بیٹوں کے متعلق ہی کسی نے کہا ہے:

تمّوا بـ "تمام" فصاروا عشرة ... يا رب فاجعلهم كراماً بررة

ان کی بیٹیاں بھی مراد ہیں یعنی ام حبیبہ، آمنہ، صفیہ اور اکثر اولادِ عباس ان کی اہلیہ لبابۃ اُمّ الفضل سے ہیں۔

۷-اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت میں معتب بن ابی لہب بھی ہیں۔

۸-عباس بن عتبۃ بن اَبی لہب جو آمنۃ بنت عباس کے شوہر ہیں۔

---

(١) فتح الباري: ٩٨/٩

۹-عبداللہ بن زبیر بن عبدالمطلب، اُن کی بہن ضباعة جومقداد بن الاسود کی بیوی ہیں۔

۱۰ابوسفیان بن الحارث بن عبدالمطلب اوران کے بیٹے جعفر۔

۱۱-نوفل بن الحارث بن عبدالمطلب اوران کے بیٹے مغیرہ اورحارث۔

۱۲-عبدالمطلب کی بیٹیاں اُروی، عاتکہ، اُمیمہ، صفیہ یہ سب مراد ہیں، ان (بناتِ عبدالمطلب) میں صفیہ کا اسلام اورصحبت ثابت ہےاور باقی میں اختلاف ہے(۱)۔

فاطمة سيدة نساء أهل الجنة

اس حدیث کوامام بخاری رحمہ اللہ نے كتاب علامات النبوة میں موصولاً ذکرکیا ہے،تاہم اس کے الفاظ یہ ہیں:

"أما ترضَين أن تكوني سيدة نساء أهل الجنة أو نساء المؤمنين"(۲).

۳۵۰۸ : حدّثنا أَبُو الْيَمَانِ : أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ : حَدَّثَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ ، عَنْ عائِشَةَ : أَنَّ فاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ أَرْسَلَتْ إِلَى أَبِي بَكْرٍ : تَسْأَلُهُ مِيرَاثَهَا مِنَ النَّبِيِّ ﷺ ،

---

(۱) فتح الباري: ۹۸/۹

(۲) صحيح البخاري، كتاب علامات النبوة، رقم: ۳۳۵۲، وكذا أخرجه البخاري في كتاب المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام بلفظ "سيدة نساء المومنين أو سيدة نساء هذه الأمة" رقم: ۵۹۲۸، وأخرجه الترمذي في مناقب الحسن والحسين بلفظ "أن فاطمة سيد نساء أهل الجنة رقم: ۳۷۸۱، وأحمد ايضاً بـ "فاطمة سيدة نساء اهل الجنة ...... انظر مسند أبي سعيد الخدري، رمق: ۱۱۷۷۳، والنسائي بهذا اللفظ انظر السنن الكبرى: ۸۲٤۰، و۸۳۰۷، ۸٤٦۱، وأبو يعلى في مسنده، (مسند ابى سعيد الخدري، رقم: ۱۱٦۹). والمستدرك: ٤۷۲۱

(۳۵۰۸) الحديث أخرجه البخاري ايضاً في صحيحه: (۶۰۹/۲)، في المغازي، باب "غزوة خيبر"، رقم: ٤۲٤۰، ومسلم في صحيحه: (۹۲/۲)، كتاب الجهاد، باب قول النبي لا نورث، رقم: ٤۵۸۰، وأبو داود في سننه: ۵٦/۲، كتاب الخراج، باب في صفايا رسول الله، رقم: ۲۹٦۸، والنسائي في سننه الكبرى، رقم الحديث: ٤٤۲۵، وابن ماجه في سننه، كتاب الفرائض، وأحمد في مسند أبي بكر الصديق، رقم: ۵۵، والبيهقي في السنن الكبرى: ۱۳۱۱۱، باب كان ماله بعد موته قائماً.

مِمَّا أَفَاءَ ٱللّٰهُ عَلَى رَسُولِهِ ﷺ ، تَطْلُبُ صَدَقَةَ النَّبِيِّ ﷺ الَّتِي بِالْمَدِينَةِ وَفَدَكٍ ، وَمَا بَقِيَ مِنْ خُمُسِ خَيْبَرَ ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ : إِنَّ رَسُولَ ٱللّٰهِ ﷺ قَالَ : (لَا نُورَثُ ، مَا تَرَكْنَا فَهُوَ صَدَقَةٌ ، إِنَّمَا يَأْكُلُ آلُ مُحَمَّدٍ مِنْ هٰذَا الْمَالِ – يَعْنِي مَالَ ٱللّٰهِ – لَيْسَ لَهُمْ أَنْ يَزِيدُوا عَلَى الْمَأْكَلِ) . وَإِنِّي وَٱللّٰهِ لَا أُغَيِّرُ شَيْئًا مِنْ صَدَقَاتِ النَّبِيِّ ﷺ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهَا فِي عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ ، وَلَأَعْمَلَنَّ فِيهَا بِمَا عَمِلَ فِيهَا رَسُولُ ٱللّٰهِ ﷺ ، فَتَشَهَّدَ عَلِيٌّ ثُمَّ قَالَ : إِنَّا قَدْ عَرَفْنَا يَا أَبَا بَكْرٍ فَضِيلَتَكَ ، وَذَكَرَ قَرَابَتَهُمْ مِنْ رَسُولِ ٱللّٰهِ ﷺ وَحَقَّهُمْ ، فَتَكَلَّمَ أَبُو بَكْرٍ فَقَالَ : وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ ، لَقَرَابَةُ رَسُولِ ٱللّٰهِ ﷺ أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ أَصِلَ مِنْ قَرَابَتِي . [ر : ٢٩٢٦]

تراجم رجال

أَبُو الْيَمَانِ

یہ ابوالیمان الحاکم بن نافع الحمصی البہرانی ہیں۔ان کے احوال كتاب بدء الوحي، باب: ٦، حدثنا أبواليمان میں گزر چکے ہیں(۱)۔

شُعَيْبٌ

یہ شعیب بن ابی حمزہ القرشی الأموی ہیں، ان کے احوال بھی بابِ بالا میں گزر چکے ہیں(۲)۔

الزُّهْرِيُّ

ابن شہاب زہری کے احوال گزر چکے ہیں(۳)۔

عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ

عروۃ بن الزبیر بن العوام مراد ہیں، جلیل القدر تابعی۔ان کے احوال گزر چکے ہیں(۴)۔

---

(١) كشف الباري: ١/٥٧٩

(٢) كشف الباري: ١/٥٧٩

(٣) كشف الباري: ١/٣٢٦

(٤) كشف الباري: ١/٢٩١، ٢/٤٢٦

أَنَّ فَاطِمَةَ - عَلَيْهَا السَّلاَمُ - أَرْسَلَتْ إِلَى أَبِي بَكْرٍ

حدیث میں اس معروف واقعہ کا ذکر ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد سیدنا ابو بکر اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت الرسول کے درمیان پیش آیا، حضرت فاطمہ خُمس اور غنائمِ خیبر وغیرہ میں سے اپنے حصے کا مطالبہ فرما رہی تھیں اور حضرت ابو بکر اس کے حق میں نہ تھے، اس مضمون کی روایت کتاب الخمس میں گزر چکی ہے اور وہیں اس پر تفصیلی گفتگو بھی آ گئی ہے (۱)۔

ترجمۃ الباب سے مطابقت

یہاں ترجمہ ہے، "مناقب قرابة رسول الله صلى الله عليه وسلم" اور حدیث میں اس کا ذکر ہے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے جب حضرت فاطمہ نے اولادِ رسول ہونے کی حیثیت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث کا مطالبہ کیا اور پھر حضرت علی نے بھی رسول اللہ سے اپنی قرابت داری کا ذکر کر کے حضرت ابو بکر سے میراث دینے کی توقع ظاہر کی، تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"لقرابة رسول الله أحب إلي أن أصل مِن قرابتي".

رسول اللہ کی قرابت کا خیال رکھنا مجھے اپنی قرابت داری کی رعایت سے زیادہ پسند ہے...... مگر بات قرابت کا خیال رکھنے یا نہ رکھنے کی نہیں بلکہ اللہ کے حکم اور اسلام کے قانون کی ہے۔

پھر چونکہ یہاں قرابت کا ذکر بطور خاص حضرت فاطمہ کے حوالے سے ہوا ہے اس لئے اسے مناقب فاطمہ میں سے قرار دینا بھی درست ہے اور حدیث کی جیسے ترجمہ کے متفق علیہ جزء سے مناسبت ہے، اسی طرح جزءِ ثانی یعنی "منقبة فاطمه بنت النبي" سے بھی اس کی مطابقت ہے۔

اور ابو بکر کا منشاء یہ ہے کہ قرابتِ رسول انہیں اپنی قرابت سے زیادہ عزیز ہے مگر رسول اللہ کا ترکہ تقسیم کرنا ان کے لئے ممکن نہیں ہے، کیونکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت نہیں دی (۲)۔

٣٥٠٩ : أَخْبَرَنِي عَبْدُ ٱللهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ : حَدَّثَنَا خالِدٌ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ وَاقِدٍ

---

(١) كتاب فرض الخمس، رقم: ٢٩٢٦

(٢) فتح الباري: ٩٨/٩

(٣٥٠٩) الحديث أخرجه البخاري أيضاً في صحيحه: (٥٧٦/٢)، في كتاب المغازي، حديث بني النضير: =

قالَ : سَمِعْتُ أَبِي يُحَدِّثُ ، عَنِ ٱبْنِ عُمَرَ ، عَنْ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُمْ قالَ : ٱرْقُبُوا مُحَمَّدًا ﷺ فِي أَهْلِ بَيْتِهِ . [٣٥٤١]

تراجم رجال

عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ

یہ عبداللہ بن عبدالوہاب الحجبی البصری ہیں، ان کے احوال کتاب العلم، باب "لیبلغ العلمَ الشاهدُ الغائب" میں گزر چکے ہیں(۱)۔

خَالِدٌ

یہ خالد بن الحارث بن عبید ہیں۔ ان کے احوال کتاب الصلاة، باب "فضل استقبال القبلة" کے تحت گزر چکے ہیں۔

شُعْبَةُ

یہ شعبۃ بن الحجاج واسطی بصری ہیں۔ ان کے احوال کتاب الإیمان، باب "المسلم من سلِم المسلمون من لسانه ويده" کے تحت گزر چکے ہیں (۲)۔

وَاقِدٌ

یہ واقد بن محمد بن زید بن عبداللہ بن عمر ہیں۔ ان کے اوران کے والد کے احوال کتاب الإیمان، باب "فإن تابوا وأقاموا الصلاة وآتوا الزكاة فخلوا سبيلهم" کے تحت گزر چکے ہیں (۳)۔

= ٤٠٣٦، وفي المغازي، باب غزوة خيبر، رقم: ٤٢٤٠، وأخرجه مسلم في صحيحه: (٢/٩٢)، في كتاب الجهاد والسير، باب قول النبي لا نُورَث ماتركنا فهو صدقة: ٤٦٧٩، وأخرجه أحمد في مسنده، مسند أبي بكر: ٥٥، وابن حبان في صحيحه، باب الغنائم وقسمتها، رقم: ٤٨٢٣، والبيهقي في سننه الكبرى، باب بيان مصرف اربعة اخماس: ١٣١١١

(١) كشف الباري: ١٣٨/٤

(٢) كشف الباري: ٦٤٨/١

(٣) كشف الباري: ١٣٥/٢

ارْقُبُوا مُحَمَّدًا(۱)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس روایت کی ذیل میں فرماتے ہیں:

"يخاطب بذالك الناس ويوصيهم به والمراقبة للشيء المحافظة عليه، يقول: احفظوه فيهم فلا تؤذوهم ولا تسيئوا إليهم"(۲).

مراقبہ کا معنی ہے خیال رکھنا اور رعایت رکھنا۔ یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ لوگوں کو مخاطب کر کے اور ان کو اہل بیت کے متعلق وصیت کر کے فرماتے ہیں کہ ان کے حوالے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام ومرتبہ اور آپ کے حقوق کا خیال رکھو، کیونکہ انہیں رسول اللہ سے قرابت داری کی بناء پر اہمیت حاصل ہے سو کہیں ان کے احترام میں کوتاہی کر کے اور ان کی تنقیص وگستاخی کر کے تم رسول اللہ کو ناراض نہ کر بیٹھو۔

اہل بیت کون ہیں؟

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وأهل بيته هم فاطمة والحَسن والحُسين لأنه صلى الله عليه وسلم لف عليهم كساءًا وقال هٰؤلاء أهل بيتي، أوهم مع ازواجه لانه هو المتبادر إلى الذهن عند الاطلاق"(۳).

رسول اللہ کے اہل بیت فاطمہ، حسن اور حسین ہیں کیونکہ مشہور روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جمع کیا پھر ان پر ایک چادر ڈال دی اور فرمایا، یہ میرے اہل بیت ہیں۔

یا پھر فاطمہ حسن حسین بھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج بھی اہلِ بیت ہیں، کیونکہ اہل بیت سے متبادر یہی ہے کہ آپ کے گھر والے یعنی بیویاں اور ان کی اولاد سب

---

(۱) الحديث أخرجه البخاري ايضاً في مناقب الحسن والحسين، رقم: ۳۷۵۱، والبيهقي في شعب الإيمان، رقم الحديث: ۱۴۹۱، وابن ابى شيبة في مصنفه، رقم الحديث: ۳۲۸۰۳

(۲) فتح الباري: ۹۹/۹

(۳) عمدة القاري: ۲۲۳/۱۶

اس سے مراد ہوں۔

احادیث مبارکہ میں حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں پر جابجا اہل بیت کا اطلاق ہوا ہے۔

چنانچہ صحیح بخاری میں واقعۂ اِفک کی ضمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت عائشہ کے حق میں یہ الفاظ منقول ہیں:

"من يعذِرنا في رجل بلغني أذاه في اهل بيتي"(۱) اور مناقب میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے متعلق ارشاد ہے:

"انك اول اهل بيتي لحاقاً بي"(۲).

اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں حضرت حصین بن سبرہ کا حضرت زید بن ارقم سے یہ سوال مذکور ہے، "مَن أهل بيته يا زيد، أليس نساء ه من أهل بيته؟". آپ کے اہل بیت کون ہیں، کیا آپ کی بیویاں آپ کے اہل بیت میں سے نہیں ہیں؟

اور زید اس کا جواب دیتے ہیں "نساء ه من اهل بيته"(۳). آپ کی ازواج آپ کے اہل بیت ہی میں سے ہیں۔

۳۵۱۰ : حدّثنا أَبُو الْوَلِيدِ : حَدَّثَنَا ٱبْنُ عُيَيْنَةَ ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ ، عَنِ ٱبْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ ، عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ : أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قالَ : (فاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّي ، فَمَنْ أَغْضَبَهَا أَغْضَبَنِي) .

[ر : ۸۸٤]

(۱) صحيح البخاري، كتاب الشهادات، باب إذا عدّل رجل رجلاً فقال لا نعلم إلا خيراً، رقم: ۲٦۳۷

(۲) كتاب المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام: ۳٦۲٤

(۳) مسلم، فضائل علي، رقم: ۲٤۰۸

(۳۵۱۰) الحديث أخرجه البخاري ايضاً في صحيحه، ذكر أصهار النبي صلى الله عليه وسلم منهم ابوالعاص بن الربيع : ۳۷۲۹، وفي باب مناقب فاطمة رضى الله عنها (۳۷٦۷)، وفي باب ذب الرجل عن ابنته في الغيرة والإنصاف، كتاب النكاح (۵۲۳۰)، وأخرجه مسلم في صحيحه، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل فاطمة بنت النبي، رقم (٦۳۰۸)، وأبو داود في سننه في كتاب النكاح، باب ما يكره أن يجمع بينهن من النساء، بلفظ إنما ابنتي بضعة مني رقم (۲۰۷۱)، والترمذي في جامعه في كتاب المناقب، باب ماجاء في =

تراجم رجال

أَبُو الْوَلِيدِ

یہ ابوالولید ہشام بن عبدالملک الباہلی الطیالسی ہیں، ان کے احوال کتاب العلم، باب "اثم من کذب علی النبي" میں گزر چکے ہیں(۱)۔

ابْنُ عُيَيْنَةَ

یہ مشہور محدث سفیان بن عیینہ الکوفی ہیں، ان کے احوال کتاب العلم، باب "قول المحدث حدثنا أو أخبرنا أو انبأنا" کے تحت گزر چکے ہیں(۲)۔

عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ

یہ عمرو بن دینار المکی الجمحی ہیں ان کے احوال کتاب العلم، باب "کتابة العلم" کے تحت گزر چکے ہیں(۳)۔

ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ

یہ ابوبکر عبداللہ بن عبیداللہ بن أبی ملیکہ ہیں۔ ان کے احوال کتاب الإیمان، باب "خوف المؤمن من أن یحبط عمله وهو لا یشعر" کے تحت گزر چکے ہیں(۴)۔

الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ

ان کے احوال کتاب الوضوء، باب "استعمال فَضل وضوء الناس" کے تحت گزر چکے ہیں۔

= فضل فاطمة، رقم (٣٨٦٩)، والنسائي في سننه الكبرى (٧٣١٢، ٨٤٦٥)، وابن ماجة في سننه في كتاب النكاح، باب الغيرة رقم (١٩٩٨)، واحمد في مسنده، حديث عبدالله بن زبير (١٦١٦٨)، وابن حبان في صحيحه (١٥/٤٠٦)

(١) كشف الباري: ١٥٩/٤

(٢) كشف الباري: ١٠٢/٣

(٣) كشف الباري: ٣٠٩/٤

(٤) كشف الباري: ٥٤٨/٢

فاطمہ کی دلداری کی خاطر رسول اللہ نے علیؓ کو دوسری شادی سے روکا

فَـاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّي............ یہ دراصل ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے اور اس حدیث میں اس کا پس منظر یوں مذکور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کی بیٹی کو پیغامِ نکاح دیا جس کے متعلق حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوا اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہنے لگیں کہ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ آپ اپنی بیٹیوں کے لئے غصے نہیں ہوتے ہیں، چنانچہ علی بن ابی طالب کو یہ جرأت ہو رہی ہے کہ وہ مجھ پر ابوجہل کی بیٹی بیاہنا چاہتا ہے، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر خطبہ دیا اور پھر فرمایا کہ فاطمہ میرا ایک ٹکڑا ہے اور جو بات اسے ناگوار لگتی ہے وہ مجھے بھی گوارا نہیں ہے، لہٰذا اللہ کے رسول کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی ایک آدمی کے پاس جمع نہیں ہوسکتیں (۱)۔

دوسری جگہ فرمایا، اگر علی اسے بیاہنا چاہتا ہے تو فاطمہ کو طلاق دے دے (۲)۔

٣٥١١ : حدَّثنا يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ : حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عُرْوَةَ ، عَنْ عائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قالَتْ : دَعا النَّبِيُّ ﷺ فاطِمَةَ ابْنَتَهُ فِي شَكْوَاهُ الَّذِي قُبِضَ فِيهَا ، فَسَارَّهَا بِشَيْءٍ فَبَكَتْ ، ثُمَّ دَعاهَا فَسَارَّهَا فَضَحِكَتْ ، قالَتْ : فَسَأَلْتُهَا عَنْ ذٰلِكَ ، فَقَالَتْ : سَارَّنِي النَّبِيُّ ﷺ فَأَخْبَرَنِي : أَنَّهُ يُقْبَضُ فِي وَجَعِهِ الَّذِي تُوُفِّيَ فِيهِ ، فَبَكَيْتُ ، ثُمَّ سَارَّنِي فَأَخْبَرَنِي : أَنِّي أَوَّلُ أَهْلِ بَيْتِهِ أَتْبَعُهُ ، فَضَحِكْتُ . [ر : ٣٤٢٦]

تراجم رجال

يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ

یہ یحییٰ بن قزعۃ القرشی المکی ہیں، ان کے احوال گزر چکے ہیں (۳)۔

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب فضائل أصحاب النبي، باب ذكر اصهار النبي، رقم: ٣٧٢٩

(۲) جامع الترمذي، كتاب المناقب، باب ماجاء في فضل فاطمة، رقم: ٣٨٦٧

(٣٥١١) الحديث سبق تخريجه في المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام، رقم: ٣٦٢٣

(۳) كتاب الاذان، باب صلاة النساء خلف الرجال، رقم: ٨٧٠

إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ

یہ ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف ہیں۔ان کے مختصر احوال، کتاب الإیمان باب "تفاضل أهل الإيمان في الأعمال" میں(۱)اور کتاب العلم، باب "ما ذكر في ذهاب موسىٰ في البحر الى الخضر" کے تحت قدرے تفصیل سے گزر چکے ہیں (۲)۔

عُرْوَةَ

یہ عروة بن زبیر ہیں،ان کے احوال کتاب الإیمان، باب "أحب الدين إلى الله أدومه" کے تحت گزر چکے ہیں (۳۲)۔

نسخوں کا فرق

یہ دونوں روایتیں(فاطمة سيدة نساء اهل الجنة ...... اورفاطمة بضعة منّی) ابوذر کے نسخے میں نہیں ہیں، جب کہ دوسروں کی روایات میں ہیں۔اور نسفی کی روایت میں بھی نہیں ہیں۔اوراس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ یہ حدیث اسی اسناداور متن کے ساتھ کتاب المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام اوراسی طرح کتاب المغازي میں آچکی ہے(۴)۔

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ابوذر اور نسفی کی روایت میں یہاں یہ روایت اس لئے مذکور نہیں ہے کہ علامات النبوة میں تفصیل سے آجانے کے بعد یہاں اس کا بغیر کسی فائدے اوراضافے کے ذکر تکرار محض ہے(۵)۔

قسطلانی نے بھی اسی بناء پر یہاں اس روایت کے اسقاط کو اثبات سے زیادہ راجح اوراولی کہا ہے(٦)۔

---

(١) کشف الباري: ٢/١٢٠

(٢) کشف الباري: ٤/٣٣٣

(٣) کشف الباري: ٢/٤٣٦

(٤) دیکھئے،باب علامات النبوة (٣٦٢٣) اورمغازی (٤٤٣٣)، نیز فتح الباري: ٩/٩٩

(٥) عمدة القاري: ١٦/٢٢٣

(٦) إرشاد الساري: ٨/٢١١

١٣ - باب : مَنَاقِبُ الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

وَقَالَ ٱبْنُ عَبَّاسٍ : هُوَ حَوَارِيُّ النَّبِيِّ ﷺ . [ر : ٤٣٨٨] وَسُمِّيَ الحَوَارِيُّونَ لِبَيَاضِ ثِيَابِهِمْ .

ابوذر کے نسخے میں یہاں لفظ "باب" نہیں ہے اس لئے مناقب مرفوع ہوگا، جب کہ دیگر کے ہاں "باب" کی اضافت کے باعث مجرور ہے۔

زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ

زبیر بن العوام مشہور صحابی ہیں، جن کا عشرہ مبشرہ میں بھی شمار ہے۔

بدر اور دوسرے غزوات میں شریک ہوئے ہیں، صاحب الہجرتین ہیں۔ خصوصاً غزوۂ یرموک میں شرکت کی، فتح مصر میں حضرت عمرو بن العاص کے ساتھ شریک ہوئے، جنگ جمل میں بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہمراہ حصہ لیا اور جمادی الاولیٰ ۳۶ ہجری میں جنگ جمل ہی سے واپسی پر بصرہ کے نواحی علاقے وادی السباع میں قتل کئے گئے۔

کہتے ہیں انہیں عمرو بن جرموز نے قتل کیا۔ حضرت زبیر بن العوام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد ہیں ان کی والدہ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب ہیں، جنہوں نے اسلام قبول کیا اور ہجرت بھی فرمائی۔ حضرت زبیر نے ایک قول کے مطابق پندرہ سال کی عمر میں اسلام قبول کیا، ایک قول کے مطابق سولہ برس کی عمر میں اور ایک قول آٹھ برس کا بھی ہے۔ ان کا سلسلہ نسب یوں ہے:

زبیر بن العوام بن خويلد بن أسد بن عبدالعزى بن قصي بن كلاب بن مرّة ابن كعب بن لوى، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قُصی میں ملتے ہیں اور قُصی تک دونوں کے اجداد کی تعداد برابر ہے، ان کی کنیت ابوعبداللہ ہے اور نسبت اسد کی طرف یعنی اُسدی ہے (۱)۔

وقال ابن عباس......

اس تعلیق کو امام بخاری نے كتاب التفسير میں موصولاً ذکر کیا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں: "أما أبوه

(۱) فتح الباري: ۹/۱۰۰، عمدة القاري: ۱٦/۲۲۳، إرشاد الساري: ۸/۲۱۱

فحواري النبي صلى الله عليه وسلم يريد الزبير"(١).

یعنی عبداللہ بن زبیر کے والد زبیر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری ہیں۔

اس حدیث کے دوسرے طرق بھی ہیں، جن میں ایک طریق زبیر بن بکار کا بھی ہے، جس کے الفاظ ہیں:

"حواريي من الرجال الزبير ومن النساء عائشة".

اس کے رجال ثقہ ہیں مگر روایت مرسل ہے(٢)۔

وسمي الحواريون

حواري کی جمع حواریون ہے، اور قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کے حواریین کا ذکر ہے(٣) امام بخاری رحمہ اللہ اپنے صنیع کے مطابق قرآن کریم میں مذکور اس لفظ کا معنی اور وجہ تسمیہ بتا رہے ہیں اور کہتے ہیں، حواری لفظ "حور" سے ہے جس کے معنی سفیدی کے ہیں، حواریینِ عیسیٰ کے کپڑے چونکہ سفید ہوتے تھے اس لئے ان کو حواریین کہا جاتا تھا، اس روایت کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر کے طریق سے موصولاً نقل کیا ہے(٤)۔

"حواری" کے معنی میں اقوال

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"قال أبو أرطاة كانوا قصارين سموا بذلك لأنهم كانوا يحورون الثياب اي يبيضونها"(٥).

یعنی حواریین دھوبی تھے اور انہیں حواریین اس واسطے سے کہا گیا ہے کہ وہ کپڑوں کو اُجلا اور سفید بناتے

---

(١) صحيح البخاري، كتاب التفسير، باب قوله "ثاني اثنين"، رقم: ٤٦٦٥

(٢) فتح الباري: ٩/١٠٠

(٣) سورة الصف، آيت: ١٤، ﴿قال الحواريون نحن انصار الله......﴾

(٤) فتح الباري: ٩/١٠٠، وتغليق التعليق: ٤/٧٠، مناقب زبير بن العوام

(٥) عمدة القاري: ١٦/٢٣٤

تھے، حوَّر الثياب کا معنی ہے "بیّضها" کپڑا سفید کرنا۔ اور دھوبی کا کام ہی کپڑے سفید کرنا ہوتا ہے۔

ضحاک کہتے ہیں، "سمُّوا حواريين لصفاءِ قلوبهم" یعنی دلوں کی صفائی اور ستھرائی کے باعث انہیں اس نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

عبداللہ بن المبارک کہتے ہیں، "سمُّوا بذلك لأنهم كانوا نور انيين عليهم ـر العبادة ونورها وبهـاء هـا" نورانی ہونے کی وجہ سے انہیں حواریین کہا گیا ہے یعنی ان پر عبادت کا اثر اور اس کا نور اور اس کی خوبصورتی ہوتی تھی۔

ایک قول یہ ہے کہ حواریین صیادین تھے جو مچھلی شکار کرتے تھے یا صباغین یعنی رنگریز تھے۔

"حوار" کا اصل عربوں کے ہاں بیاض (سفیدی) ہے اس سے "حُور" جمع "حَوراء" ہے یعنی ایسی عورت جس کی آنکھوں کی سفیدی بھی نہایت تیز ہو اور سیاہی بھی انتہائی گہری اور "دقيـق حـوارى" میدے، نشاستے اور سفید آٹے کو کہا جاتا ہے۔

ترمذی سفیان بن عیینہ سے نقل کرتے ہیں کہ حواری کا معنی ہے ناصر (مددگار)۔

ایک قول یونس بن حبیب کا یہ نقل کیا گیا ہے کہ حواری کا معنی ہے ''خالص''۔

ایک قول ہے، "الحـوارى الخليل" یعنی حواری دوست کو کہتے ہیں۔ ایک اور قول ہے، "الحوارى الصافي". ''حواری'' صافی کو کہتے ہیں۔

ضحاک سے یہ بھی نقل کیا گیا "الحواري هو الغسَّال بالنبطيه". حواری نبطی زبان میں غسال، غسل دینے والے کو کہتے ہیں۔

قتادہ فرماتے ہیں:

"الحواري هو الوزير" یا "هـو الذي يصلح للخلافة" (۱). حواری کا معنی ہے وزیر یا وہ آدمی جو خلافت کی صلاحیت رکھتا ہے۔

زبیر ہی کیوں ''حواری'' ٹھہرے؟

اب رہا یہ سوال کہ حواری کے مذکورہ معانی میں سے چاہے کوئی بھی معنی لیا جائے وہ دوسرے صحابہ میں

(۱) فتح الباري: ۹/۱۰۰، عمدة القاري: ۱۶/۲۲۴، إرشاد الساري: ۸/۲۱۱

بھی پایا جاتا ہے پھر زبیر ہی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حواری کیوں قرار دیا گیا، جب کہ سارے صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انصار اور خلصاء تھے، اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ لقب انہیں غزوہ احزاب کے موقع پر دیا، جب آپ نے فرمایا، "من يأتيني بخبر القوم؟" مجھے قوم کی خبر کون آکر بتائے گا؟ زبیر نے کہا، میں، یہ سوال آپ نے تین مرتبہ دھرایا اور انہوں نے جواب دیا، میں۔

اور بلاشبہ یہ زبیر بن العوام کی ایسی خصوصیت ہے جو اس وقت کسی اور میں نہیں پائی جاتی تھی، اس لئے انہیں ہی حواری کہا گیا (۱)۔

امتِ محمدیہ کے حواریین

نضر بن شمیل کہتے ہیں:

"الحواري خاصة الرجل الذي يستعين به فيما ينوبه" یعنی حواری کسی آدمی کے اس خاص شخص کو کہا جاتا ہے جس سے وہ اپنی مشکلات میں مدد لیتا ہے۔

اور اس لحاظ سے تو جیسے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کی امت میں ان کے خواص تھے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی اپنے صحابہ میں کچھ خواص تھے، جو آپ کے چنیدہ اور قریب ترین لوگ تھے (۲)۔

علامہ عینی رحمہ اللہ حواریین سے متعلق ثعلبی کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

"كانوا اصفياء عيسى وأولياء وأنصاره ووزراءه، كانوا اثني عشر رجلاً واسماء هم: بطرس، يعقوبس، يحنس، اندر ابيس، قبيلس، ابر ثلما، منتا، اتوماس، يعقوب بن خلقانا، نشيمس، قنانيا، يوذس".

حواریین حضرت عیسیٰ کے چنیدہ لوگ، ان کے دوست، معاون اور پشتیبان تھے جن کی تعداد بارہ ہے اور ان کے اسماء یہاں مذکور ہیں...... جب کہ امت محمدیہ کے حواری تھے، ابوبکر، عمر، عثمان، علی، حمزہ، جعفر، ابوعبیدہ بن الجراح، عثمان بن مظعون، عبدالرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، طلحہ بن عبیداللہ اور زبیر بن العوام رضی اللہ

---

(۱) عمدة القاري: ۱۶/۲۲۳

(۲) عمدة القاري: ۱۶/۲۲۴

عنہم۔ان کی تعداد بھی بارہ ہے اور سب ہی قریش سے ہیں (۱)۔

۳۵۱۳/۳۵۱۲ : حدّثنا خالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ : حدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ ، عَنْ أَبِيهِ قالَ : أَخْبَرَنِي مَرْوَانُ بْنُ الحَكَمِ قالَ : أَصَابَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ رُعافٌ شَدِيدٌ سَنَةَ الرُّعافِ ، حَتَّى حَبَسَهُ عَنِ الحَجِّ ، وَأَوْصَى ، فَدَخَلَ عَلَيْهِ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ قالَ : اسْتَخْلِفْ ، قالَ : وَقالُوهُ ؟ قالَ : نَعَمْ ، قالَ : وَمَنْ ؟ فَسَكَتَ ، فَدَخَلَ عَلَيْهِ رَجُلٌ آخَرُ - أَحْسِبُهُ الحارِثَ - فَقَالَ : اسْتَخْلِفْ ، فَقَالَ عُثْمَانُ : وَقالُوا ؟ فَقَالَ : نَعَمْ ، قالَ : وَمَنْ هُوَ ؟ فَسَكَتَ ، قالَ : فَلَعَلَّهُمْ قالُوا الزُّبَيْرَ ، قالَ : نَعَمْ ، قالَ : أَمَا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ ، إِنَّهُ لَخَيْرُهُمْ ما عَلِمْتُ ، وَإِنْ كانَ لَأَحَبَّهُمْ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ .

تراجم رجال

خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ

یہ ابوالہیثم خالد بن مخلد القطوانی البجلی ہیں۔ان کے احوال كتاب العلم، باب "طرح الإمام المسئلة على أصحابه ليختبر ما عندهم من العلم" کے تحت گزر چکے ہیں (۲)۔

عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ

یہ ابوالحسن علی بن مسہر القرشی الکوفی قاضی الموصل ہیں۔ان کے احوال گزر چکے ہیں (۳)۔

هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ

یہ ابوالمنذر ہشام بن عروۃ بن الزبیر بن العوام ہیں۔ان کے احوال كتاب الإيمان، باب "أحب

(۱) عمدة القاري: ۲۲٤/۱٦

(۳۵۱۲/۳۵۱۳) الحديث أخرجه أحمد في مسنده، مسند عثمان بن عفان، رقم: ٤٥٥، والنسائي في سننه الكبرى في المناقب، رقم: ۸۱۵۲، والحاكم في المستدرك، ذكر مناقب حواري رسول الله، رقم: ٥٥٦٠

(۲) كشف الباري: ۱۳٥/۳

(۳) كتاب الحيض، باب مباشرة الحائض، رقم: ۳۰۲

الدين إلى الله أدومه" کے تحت گذر چکے ہیں (۱)۔

أبيه

عروۃ بن الزبیر مراد ہیں۔ان کے احوال بھی اسی کتاب الإیمان، باب "أحب الدين إلى الله أدومه" کے تحت گزر چکے ہیں (۲)۔

مَرْوَانُ بْنُ الْحَكَمِ

یہ مروان بن الحکم بن ابی العاص بن امیہ الاموی المدنی ہیں۔ان کے احوال بھی گزر چکے ہیں (۳)۔

رُعَافٌ

رُعاف، بضم الراء نکسیر کو کہا جاتا ہے۔سنۃ الرعاف سے ۳۱ ہجری مراد ہے، رعاف مرفوع ہے أصاب کا فاعل ہونے کی بنا پر۔اور عثمان منصوب ہے ترکیب میں مفعول واقع ہونے کی بناء پر۔

حضرت عثمان سے خلیفہ کی نامزدگی کا مطالبہ

اس مہلک نکسیر میں لوگ مر رہے تھے اور حضرت عثمان امیر المؤمنین تھے تو کہنے والے نے ان سے کہا کہ آپ خلیفہ مقرر کرلیں اور اس کے لئے بھی وصیت فرمادیں کہ اگر آپ کا انتقال ہو تو وہ شخص خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالیں۔یہاں دو افراد کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آنے اور یہ بات کہنے کا ذکر ہے، پہلے آدمی کے متعلق اتنی بات تو حدیث میں مذکور ہے کہ اس کا تعلق قریش سے تھا، مگر اس کا نام معلوم نہیں ہے چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "لم أقف على اسمه" جب کہ دوسرے آدمی کے متعلق راوئ حدیث مروان کا خیال ہے کہ یہ ان کا بھائی حارث تھا، مروان بن الحکم اور حارث بن الحکم بھائی تھے (۴)۔

---

(۱) كشف الباري: ۲/٤٣٢

(۲) كشف الباري: ۲/٤٣٦

(۳) كتاب الأذان، باب القراءة في المغرب ......

(٤) فتح الباري: ۹/۱۰۱، وعمدة القاري: ١٦/٢٢٤

زبیر بن العوام اور عبدالرحمٰن بن عوف کوخلیفہ بنائے جانے کی توقع

قَالَ وَقَالُوهُ...... یعنی عثمان رضی اللہ عنہ نے حارث اور دوسرے کہنے والے سے کہا، کیا لوگوں نے یہ بات کہی ہے کہ میں خلیفہ کے لئے وصیت کروں؟ حضرت گنگوہی فرماتے ہیں:

"يعني بذلك أن الناس يطلبون أن أستخلف، أم ذلك قولك وحدك؟

یعنی لوگ یہ چاہتے ہیں کہ میں خلیفہ مقرر کروں یا یہ تیرا اپنا قول ہے؟(۱)

اور مولانا محمد حسن مکی کے یہ الفاظ نقل کئے گئے ہیں:

"أأنتَ قلتَ هذا القول ام قاله سائر الناس"(۲).

کہنے والے نے کہا، ہاں! (لوگوں نے) کہی ہے، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا، لوگوں کا کیا خیال ہے کون اس کے لئے موزوں ہے، کہ میں اس کے لئے وصیت کردوں؟ اور جب وہ خاموش رہے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خود ہی فرمایا، شاید وہ زبیر بن العوام کے حق میں وصیت چاہتے ہیں؟ قائل کہنے لگا، جی! اسی کے متعلق کہتے ہیں(۳۸)۔

رجل آخر سے مراد مروان بن الحکم راوی کا بھائی حارث ہے۔ یہ بات عمرو بن شبہ نے "کتاب المدینہ" میں صراحت کے ساتھ کہی ہے اور حارث کے ساتھ ابن الحکم کی قید بھی لگائی ہے، انہوں نے مزید یہ بھی کہا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد خلافت کی وصیت عبدالرحمٰن بن عوف کے لئے فرمائی تھی اور یہ بات اپنے کاتب حمران سے لکھواتے ہوئے ان سے یہ بھی کہا تھا کہ اسے راز میں رکھیں اور کسی کو بتائیں نہیں، مگر حمران نے یہ بات عبدالرحمٰن بن عوف کو بتائی اور انہوں نے اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو معتوب کیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حمران کاتب پر برہمی کا اظہار کیا اور انہیں مدینہ سے جلاوطن کر کے بصرہ بھیجا ادھر عبدالرحمٰن بن عوف کی چھ ماہ بعد وفات ہوئی، یعنی ۳۲ ہجری میں(۴)۔

---

(۱) لامع الدراري: ۱۸۲/۸

(۲) لامع الدراري: ۱۸۲/۸

(۳) فتح الباري: ۱۰۱/۹، وعمدة القاري: ۲۲٤/۱٦

(٤) فتح الباري: ۱۰۱/۹

لوگوں کی تقرر خلیفہ کی خواہش حضرت عثمان سے ناراضگی کی وجہ سے نہیں تھی

سیوطی تاریخ الخلفاء میں کہتے ہیں، حضرت عثمان کی بارہ سالہ خلافت کے پہلے چھ سال میں لوگ ان سے بہت خوش تھے، اس لئے ان کا طلب استخلاف، عثمان سے ناراضگی کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ رعاف (نکسیر) کی وجہ سے تھا(۱)۔

إِنَّهُ لَخَيْرُهُمْ مَا عَلِمْتُ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا وہ تو بخدا ان تمام سے بہتر ہیں جہاں تک میرا علم ہے، "ماعلمتُ" میں ایک احتمال تو یہ ہے کہ یہاں "ما" مصدریہ ہے اور "ما علمت" کا معنی ہے في علمي. دوسرا احتمال یہ ہے کہ "ما" موصولہ ہے اور علمتُ کی ضمیر منصوب مقدر ہے جو اسم موصول کی طرف عائد ہے اور ماعلمتُ خبر ہے مبتدأ مقدر کے لئے، تقدیر یوں ہے: "هو الذي علمتُ".

حضرت زبیر کو دوسرے صحابہ سے افضل سمجھنے کا مسئلہ

اب رہی یہ بات کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے زبیر کو تمام صحابہ سے افضل اور بہتر کیسے کہا ہے، حالانکہ ابن عمر کی روایت ہے:

"ثم نترك أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم لا نفاضل بينهم"(۲).

یعنی عثمان کے بعد ہم اصحاب رسول کو یوں ہی چھوڑ دیتے تھے کسی کو کسی پر ترجیح وبرتری نہ دیتے تھے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ زبیر کی دوسروں سے خیریت اور افضلیت من کل الوجوہ مراد نہیں ہے بلکہ بعض مخصوص چیزوں میں افضلیت مراد ہے، مثلاً اخلاق وغیرہ کے اعتبار سے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے جو اصحاب رسول اللہ فرمایا، اس میں "نترك" سے تمام صحابہ مراد نہیں ہیں کہ کوئی بھی صحابی کسی کو بھی دوسرے سے افضل نہیں سمجھتا تھا...... یہی وجہ ہے کہ

(۱) لامع الدراري: ۱۸۲/۸، وتاريخ الخلفاء......

(۲) أخرجه البخاري: ۴۳۰/۲، وابو داود في سننه (۴۶۲۷)، والترمذي في سننه: ۲۹۷/۲

عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاں زبیر رضی اللہ عنہ دوسروں سے افضل ہیں۔ تو عثمان "نترك" کے عموم سے خارج ہوئے اور زبیر "أصحاب رسول الله" کے عموم سے......

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس قول "إنه لخيرهم" سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ ابن عمر کے قول میں عموم نہیں ہے(۱)۔

ایک تیسرا جواب ابن حجر عسقلانی نے یہ دیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے قول کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات سے ہے کہ آپ کی حیات طیبہ میں ابوبکر وعمر کو صراحت کے ساتھ دوسروں سے افضل کہا جاتا تھا مگر ان کے بعد دوسرے صحابہ میں کوئی تفاضل نہ ہوتا تھا، جب کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو زبیر کو افضل کہا ہے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد کی بات ہے، لہٰذا دونوں میں کوئی تعارض نہیں (۲)۔

ترجمۃ الباب سے مطابقت

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت "أما والذي نفسي بيده......" سے شروع ہوتی ہے، جس میں زبیر بن العوام کی رسول اللہ کی نظر میں سب سے زیادہ محبوب ہونے اور زبیر کو خلیفہ بنانے کی وصیت کا مشورہ دینے والے دوسرے صحابہ سے بہتر ہونے کی شہادت ہے (۳)۔

(۳۵۱۳) : حَدَّثَنِي عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ : حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ ، عَنْ هِشَامٍ : أَخْبَرَنِي أَبِي : سَمِعْتُ مَرْوَانَ : كُنْتُ عِنْدَ عُثْمَانَ ، أَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ : ٱسْتَخْلِفْ ، قَالَ : وَقِيلَ ذَاكَ ؟ قَالَ : نَعَمْ ، الزُّبَيْرُ ، قَالَ : أَمَا وَٱللهِ إِنَّكُمْ لَتَعْلَمُونَ أَنَّهُ خَيْرُكُمْ ، ثَلَاثًا .

تراجم رجال

عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ

یہ عبید بن اسماعیل الہباری القریشی ہیں۔ ان کے احوال کتاب الحيض، باب "نقض المرأة

(۱) فتح الباري: ۹/۱۰۱، وعمدة القاري: ۱۶/۲۲۴

(۲) فتح الباري: ۹/۱۰۱

(۳) عمدة القاري: ۱۶/۲۲۴

(۳۵۱۳) الحديث سبق تخريجه في الحديث: ۳۷۱۷

شعرها عند غسل المحيض" کے تحت گزر چکے ہیں۔

أَبُو أُسَامَةَ

یہ ابواسامہ حماد بن اسامہ ہیں۔ان کے احوال کتاب العلم، باب "فضل من عِلم وعلَّم" کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

هِشَام

یہ ابوالمنذر ہشام بن عروۃ بن الزبیر ہیں،ان کے احوال کتاب الإیمان، باب "أحب الدین إلی الله أدومه" کے تحت گزر چکے ہیں(۲)۔

أَبِي

ابي عروۃ بن زبیر مراد ہیں۔ان کے احوال بھی اسی کتاب الإیمان، باب "أحب الدین إلی الله أدومه" کے تحت گزر چکے ہیں(۳)۔

مروان بن الحكم

یہ مروان بن الحکم بن ابی العاص بن امیہ الأموی المدنی ہیں۔ان کے احوال گزر چکے ہیں(۴)۔

اس حدیث میں بھی وہی بات دہرائی گئی ہے۔

۳۵۱٤ : حدّثنا مالكُ بْنُ إِسْماعِيلَ : حَدَّثَنا عَبْدُ الْعَزِيزِ ، هُوَ ابْنُ أَبِي سَلَمَةَ ، عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ الْمُنْكَدِرِ ، عَنْ جابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قالَ : قالَ النَّبِيُّ ﷺ : (إِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوارِيًّا ، وَإِنَّ حَوارِيَّ الزُّبَيْرُ بْنُ الْعَوَّامِ) . [ر : ۲٦۹۱]

(۱) كشف الباري: ۳/٤١٤

(۲) كشف الباري: ۲/٤٣٢

(۳) كشف الباري: ۲/٤٣٦

(٤) كتاب الأذان، باب القراءة في المغرب ......

(۳۵۱٤) الحديث سبق تخريجه في كتاب الجهاد، باب فضل الطليع، رقم: ۲۸٤٦

تراجم رجال

مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ

یہ مالک بن اسماعیل بن زیادہ بن درہم الاعنان النہدی الکندی ہیں۔ان کے احوال کتاب الوضوء، باب "الماء الذي يغسل به شعر الانسان" کے تحت گزر چکے ہیں۔

عَبْدُ الْعَزِيزِ

یہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن ابی سلمۃ الماجشون ہیں۔ان کے احوال کتاب العلم، باب "السؤال والفتيا عند رمي الجمار" کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ

یہ محمد بن المنکدر بن عبداللہ بن الہدیر التیمی المدنی ہیں۔ان کے احوال کتاب الوضوء، باب "صب النبي وضوءه على المغمى عليه" کے تحت گزر چکے ہیں۔

حدیث کی تشریح کتاب الجہاد میں گزر چکی ہے(۲)۔

٣٥١٥ : حدّثنا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ : أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ قالَ : كُنْتُ يَوْمَ الْأَحْزَابِ جُعِلْتُ أَنَا وَعُمَرُ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ فِي النِّسَاءِ ، فَنَظَرْتُ فَإِذَا أَنَا بِالزُّبَيْرِ عَلَى فَرَسِهِ يَخْتَلِفُ إِلَى بَنِي قُرَيْظَةَ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا ، فَلَمَّا رَجَعْتُ قُلْتُ : يَا أَبَتِ رَأَيْتُكَ تَخْتَلِفُ ؟ قالَ : أَوَهَلْ رَأَيْتَنِي يَا بُنَيَّ ؟ قُلْتُ : نَعَمْ ، قالَ : كانَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ قالَ : (مَنْ يَأْتِ بَنِي قُرَيْظَةَ فَيَأْتِينِي بِخَبَرِهِمْ) . فَانْطَلَقْتُ ، فَلَمَّا رَجَعْتُ جَمَعَ لِي رَسُولُ ٱللهِ ﷺ أَبَوَيْهِ فَقَالَ : (فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي) .

---

(١) كشف الباري: ٤/٥١٨

(٢) كشف الباري، كتاب الجهاد، ص: ٣٤٤

(٣٥١٥) الحديث أخرجه مسلم في صحيحه في فضائل الصحابة، باب من فضائل طلحة والزبير، رقم: ٦٢٤٥، وأحمد في مسنده، مسند الزبير، رقم: ١٤٢٣

تراجم رجال

أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ

یہ احمد بن محمد ابو العباس مردویہ المروزی السمسار ہیں۔ جیسے کہ عبد اللہ الحاکم الکلاباذی نے کہا ہے جب کہ دارقطنی کے ہاں یہ ابن شبویہ ہیں۔ ان کے احوال کتاب الوضوء، باب "ما يقع من النجاسات في الخمس والماء" کے تحت گزر چکے ہیں۔

عَبْدُ اللّٰهِ

یہ عبد اللہ بن المبارک المروزی ہیں۔ ان کے احوال کتاب بدء الوحي، الحديث الخامس کے تحت گزر چکے ہیں (۱)۔

ہشام بن عروہ اور ان کے والد عروہ کے احوال کے لئے گزشتہ روایات ملاحظہ فرمائیں۔

عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ

عبد اللہ بن الزبیر بن العوام صحابی رسول مراد ہیں، ان کے احوال کتاب العلم، باب "إثم من كذب على النبي" کے تحت گزر چکے ہیں (۲)۔

كُنْتُ يَوْمَ الْأَحْزَابِ

عبد اللہ بن زبیر فرماتے ہیں، غزوہ احزاب کے موقع پر یعنی جس وقت قریش اور ان کے دیگر حلیفوں نے مسلمانوں کا محاصرہ کیا ہوا تھا، مسلمان مدینہ منورہ میں محصور ہوگئے تھے اور انہوں نے اپنے بچاؤ کے لئے خندق کھودی تھی، اس وقت انہیں (عبد اللہ کو) اور عمر بن سلمہ کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ربیب (پروردہ) اور حضرت ام سلمہ کے بیٹے ہیں، ازواجِ مطہرات میں رکھا گیا تھا۔

في النساء اي بين النساء، جب کہ امام مسلم کی روایت میں "مع النسوة في أطم حسان" کے

---

(۱) كشف الباري: ٤٦٢/١

(۲) كشف الباري: ١٦٤/٤

الفاظ آئے ہیں(۱)۔

یا"في الأطم الذي فيه النسوة"(۲) کے الفاظ ہیں۔

أطم جمع أطام قلعے اور بلند مکان کو کہا جاتا ہے(۳)۔

فَنَظَرْتُ فَإِذَا أَنَا بِالزُّبَيْرِ

مسلم نے علی بن مسہر کی روایت نقل کی ہے، جس میں یہ الفاظ ہیں:

"وكان يطاطئ لي مرة فأنظر وأطاطئ له مرة فينظر فكنت أعرف أبي إذا مرّ على فرسه في السلاح إلى بين قريظة"(٤).

یعنی کبھی تو عُمر بن ابی سلمہ میرے لئے سرنیچے کرتے اور میں قلعے سے باہر دیکھتا تھا اور کبھی میں سرنیچے کرتا اور وہ باہر دیکھتے تھے چنانچہ جب میرا والد گھوڑے پر سوار ہو کر گزرتا تھا تو میں انہیں پہچان لیتا تھا۔

يَخْتَلِفُ إِلَى بَنِي قُرَيْظَةَ

بنی قریظہ آتا جاتا تھا، يذهب ويجيئ(٥).

یعنی زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے پر یہود بنی قریظہ کے پاس آتے جاتے رہے اور ان کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتاتے رہے۔ اس حدیث کا مضمون کتاب الجہاد میں گزر چکا ہے(۶)۔ اور مغازی میں بھی آرہا ہے(۷)۔ دونوں جگہ اس پر ضروری گفتگو ہو چکی ہے۔

---

(١) صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب فضائل طلحة والزبير، رقم: ٦٢٤٥

(٢) صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب فضائل طلحة والزبير، رقم: ٦٢٤٦

(٣) فتح الباري: ١٠٢/٩

(٤) صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب فضائل طلحة والزبير، رقم: ٦٢٤٥

(٥) فتح الباري: ١٠٢/٩

(٦) كشف الباري، كتاب الجهاد، ص: ٣٤١

(٧) كشف الباري، كتاب المغازي، ص: ٢٩٤

مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلاَثًا

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اور علامہ عینی رحمہ اللہ نے ان الفاظ کو اسماعیلی کی طرف منسوب کیا ہے اور کہا ہے کہ "مرتين أو ثلاثاً" کے الفاظ اسماعیلی نے ابواسامہ کی روایت سے ذکر کئے ہیں (۱)۔

جب کہ قسطلانی نے اسے رد فرمایا اور کہا ہے کہ ہمیں تو جتنے بھی اصول سے واقفیت ہوئی ہے، ان سب میں "مرَّتين أو ثلاثاً" کے الفاظ موجود ہیں۔ بعض حضرات نے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا دفاع کرتے ہوئے کہا ہے کہ حافظ کی مراد یہ ہے کہ اسماعیلی نے ان الفاظ کا "رأيتك تختلف" کے بعد اضافہ نقل کیا ہے۔ جب کہ بخاری نے اس سے پہلے۔

قسطلانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ (دفاع اور یہ تاویل) اس لئے درست نہیں ہے کہ حافظ نے اسماعیلی کی طرف اس کی نسبت قولِ سابق یعنی "يختلف إلى بني قريظة" کے بعد ذکر کی ہے نہ کہ قول "حتى رأيتك تختلف" کے بعد (۲)۔

روایت میں ادراج

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، امام مسلم نے بیان کیا ہے کہ اس روایت میں ادراج ہے، چنانچہ پہلے انہوں نے علی بن مسہر عن ہشام کے طریق سے روایت نقل کی ہے، جو "إلى بني قريظة" تک ہے پھر ہشام (راوی) کہتے ہیں:

"وأخبرني عبد الله بن عروة عن عبد الله بن الزبير قال: فذكرت ذلك لابي......".

پھر آخر تک یہ حدیث ذکر کی ہے۔

اس کے بعد امام مسلم نے ابواسامہ عن ہشام کے طریق سے یہی روایت نقل کی ہے اور اس میں امام مسلم فرماتے ہیں:

"فساق الحديث بمعنى حديث ابن مسهر في هذا الاسناد، ولم

---

(۱) فتح الباري: ۹/۱۰۲، وعمدة القاري: ۱۶/۲۶۵

(۲) إرشاد الساري: ۸/۲۱۳

يذكر عبد الله ابن عروة ولكن أدرَج القصة في حديث هشام عن أبيه".

یعنی ابواسامہ نے اس اسناد میں وہی حدیث ذکر کی ہے جو علی بن مسہر نے روایت کی ہے اور هشام عن ابيه...... کی روایت میں جو قصہ ہے، وہ بھی درج کیا ہے مگر "أخبرني عبد الله بن عروة" کے الفاظ نہیں کہے(۱)۔

حافظ صاحب فرماتے ہیں، اس ادراج کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ نسائی نے یہ قصہ أخبره عبدة عن هشام عن أخيه عبد الله بن عروة عن عبد الله بن الزبير" کے طریق سے نقل کیا ہے(۲)۔

سماعِ صغیر کی صحت پر استدلال

اس روایت سے صغیر کے سماع کی صحت پر استدلال کیا گیا ہے، چاہے اس کی عمر چار پانچ برس سے کم ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ عبداللہ ابن الزبیر کی عمر اُن دنوں دو سال اور کچھ ماہ یا تین سال اور کچھ ماہ تھی اور یہ دو یا تین کا اختلاف بھی اس لئے ہے کہ عبداللہ بن زبیر کی ولادت کی تاریخ میں اور غزوہ خندق کے وقوع کی تاریخ میں اختلاف ہے، چنانچہ اگر ہم یہ کہیں کہ حضرت عبداللہ بن الزبیر کی ولادت ہجرت کے پہلے ہی سال ہوئی اور غزوہ خندق ۵ ہجری کو وقوع پذیر ہوا تب تو ان کی عمر چار سال اور کچھ ماہ تھی، جب کہ اگر ان کی ولادت ہجرت کے دوسرے سال ہوئی ہو اور غزوہ خندق ۴ ہجری میں ہوا ہو تو پھر اس وقت ان کی عمر دو سال اور کچھ ماہ تھی۔

اور اگر ہم یہ کہہ دیں کہ ان کی ولادت ذرا پہلے اور غزوہ ذرا اور بعد میں ہوا ہے تو پھر ان کی عمر تین سال اور کچھ ماہ ہوگی، ان دونوں واقعات میں تاریخ کے حوالے سے مختلف اقوال ہیں(۳)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس پر مغازی میں تفصیل سے بات کی ہے اور معتمد اسے قرار دیا ہے کہ یہ غزوہ ۵ ہجری کو ہوا ہے(۴)۔

بہر حال عبداللہ بن زبیر نے اس واقعے کے حوالے سے جو کچھ یاد رکھا ہے، اس طرح کی چیزیں یاد رکھنا

---

(۱) صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل طلحة والزبير، رقم: ٦٢٤٥، ٦٢٤٦

(۲) فتح الباري: ١٠٢/٩

(۳) فتح الباري: ١٠٢/٩

(٤) فتح الباري: ٥٠٠/٩

نہایت عجیب اور نادر ہے، باقی رہی سماع صغیر کی صحت کی بات تو وہ کتاب العلم، باب "متی یصح سماع الصغیر" کے تحت گزر چکی ہے(۱)۔

کیا رسول اللہ نے زبیر سے "فداك أبي وأمي" فرمایا؟

جَمَعَ لِی رَسُولُ اللّٰہِ ...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "فداه أبي وأمي" کے لئے تو "فداك ابی وامی" بے شمار لوگوں نے استعمال کیا ہوگا، مگر بعض خوش نصیبوں کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اطہر سے بھی یہ الفاظ نکلے ہیں، یہاں حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لئے اپنے والدین کو جمع کیا اور فرمایا، وہ دونوں آپ پر قربان ہوں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ زبیر کی خصوصیت اور امتیاز ہے، مگر آگے حضرت سعد بن ابی وقاص کے لئے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ الفاظ نکلنا منقول ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ زبیر کی خصوصیت نہیں ہے اگر محض ان الفاظ کا زبیر اور سعد دونوں کے حق میں استعمال منقول ہوتا تب بھی کوئی مسئلہ نہ تھا، مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:

"ما سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يجمع أبويه لأحد غير سعد"(۲).

میں نے سعد کے علاوہ کسی کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے والدین جمع کرتا نہیں سنا۔

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

"ما رأيت النبي صلى الله عليه وسلم يفدّي رجلاً بعد سعدٍ"(۳).

یعنی میں نے نہیں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد کے علاوہ کسی آدمی پر اپنے ماں باپ فدا کر رہے ہوں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن ابی وقاص کے علاوہ کسی سے بھی

(۱) کشف الباري: ۳/۳۷۳

(۲) كتاب المغازي، باب غزوة أحد، رقم: ٤٠٥٨

(۳) كتاب الجهاد، باب المجن ومن يترس بترس صاحبه ...... رقم: ٢٩٠٥

"فداك أبي وأمي" کے الفاظ نہیں فرمائے، اور یوں گویا یہ زبیر نہیں سعد کی خصوصیت ہے، جب کہ روایتِ باب سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمائے، اس تعارض کے سلسلے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ويجمع بينهما بأن علياً رضي الله عنه لم يطلع على ذلك أو مراده بذلك بقيد يوم أحد"(١).

دونوں روایات کے جمع کی صورت یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معلوم نہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ (سعد کے علاو) کسی اور کے لئے بھی استعمال کئے ہیں، اور یا پھر ان کا مطلب یہ ہے کہ غزوہ احد کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ کسی اور کے لئے استعمال نہیں فرمائے۔ مطلقاً نفی مراد نہیں ہے۔

جیسے کہ علی رضی اللہ عنہ کی ایک اور روایت کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے، فرماتے ہیں:

"ما سمعت النبي صلى الله عليه وسلم جمع أبويه لأحد إلا لسعد بن مالك فإني سمعت يقول يوم أحد: "يا سعد! ارم فداك أبي وأمي"(٢).

یعنی میں نے نہیں سنا کہ رسول اللہ نے اپنے والدین کسی کے لئے جمع کئے ہوں سوائے سعد بن مالک کے، کہ میں نے سنا آپ اُحد کے دن کہہ رہے تھے، سعد تیر پھینک میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوں۔

٣٥١٦ : حدّثنا عَلِيُّ بْنُ حَفْصٍ : حَدَّثَنَا ٱبْنُ الْمُبَارَكِ : أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ ، عَنْ أَبِيهِ : أَنَّ أَصْحَابَ النَّبِيِّ ﷺ قالُوا لِلزُّبَيْرِ يَوْمَ الْيَرْمُوكِ : أَلَا تَشُدُّ فَنَشُدَّ مَعَكَ ، فَحَمَلَ عَلَيْهِمْ ، فَضَرَبُوهُ ضَرْبَتَيْنِ عَلَى عَاتِقِهِ ، بَيْنَهُمَا ضَرْبَةٌ ضُرِبَهَا يَوْمَ بَدْرٍ . قالَ عُرْوَةُ : فَكُنْتُ أُدْخِلُ أَصَابِعِي فِي تِلْكَ الضَّرَبَاتِ أَلْعَبُ وَأَنَا صَغِيرٌ . [٣٧٥٥ ، ٣٧٥٦]

---

(١) فتح الباري: ١٠٥/٩

(٢) كتاب المغازي، باب غزوة أحد، رقم: ٤٠٥٩

(٣٥١٦) الحديث أخرجه البخاري ايضاً في صحيحه: (٥٨١/٢)، في كتاب المغازي، باب قتل أبي جهل =

تراجم رجال

عَلِيُّ بْنُ حَفْصٍ

یہ ابوالحسن علي بن حفص المروزي الخراساني ہیں۔ان کے احوال کتاب الجهاد، باب ”من احتبس فرساً“ کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

ابْنُ الْمُبَارَكِ

یہ عبداللہ بن المبارک المروزی ہیں،ان کے احوال کتاب بدء الوحي، الحديث الخامس کے تحت گزر چکے ہیں(۲)۔

هِشَامُ

ہشام بن عروہ اوران کے والد کے احوال گزر چکے ہیں(۳)۔

غزوہ یرموک

أَصْحَابَ النَّبِيِّ قَالُوا...... یَرموك (بفتح الياء وسكون الراء وضم الميم) شام میں ایک جگہ کا نام ہے اور یہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت کے شروع شروع میں مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان ایک سخت جنگ لڑی گئی جسے غزوہ یرموک کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے،اس میں مسلمانوں کی تعداد ۴۵ ہزار یا ۳۶ ہزار اور رومیوں کی تعداد تھی ۷ لاکھ۔اور عرب غسان کے ۶۰ ہزار افراد بھی جبلة بن الأیہم کے ہمراہ تھے،اس میں فتح مسلمانوں کو ہوئی،مسلمانوں میں سے چار ہزار افراد شہید ہوئے جب کہ رومیوں کے ایک لاکھ پانچ ہزار افراد مارے گئے اور چالیس ہزار قیدی بنائے گئے(۴)۔

= رقم: ۳۹۷۳، ۳۹۷۵، ومسلم في صحيحه: (۲/۲۸۱)، في فضائل الصحابة، باب في فضل سعد بن أبي وقاص، رقم: ٦٢٤٢

(١) كشف الباري، كتاب الجهاد، ص: ٣٧١

(٢) كشف الباري: ٤٦٢/١

(٣) دیکھئے،كشف الباري: ٤٣٢/٢-٤٣٦

(٤) فتح الباري: ١٠٢/٩، وإرشاد الساري: ٢١٤/٨

عروۃ بن الزبیر فرماتے ہیں، اس غزوے میں شریک صحابہ نے حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ سے کہا، کہ کیا آپ دشمنوں پر حملہ کرنے کے لئے آگے نہیں بڑھو گے؟ کہ ہم بھی حملہ کریں۔

فَحَمَلَ عَلَيْهِمْ

زبیر نے یہ سن کران پر حملہ کیا۔ صحیح بخاری کے متداول نسخوں میں یہی عبارت ہے جب کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے جملہ "ألا تشدُّ" ذکر کر کے اس کے جواب میں زبیر کا یہ جملہ نقل کیا ہے، "إن شددتُ كذبتم" اگر میں نے حملہ کیا تو تم وعدہ خلافی کرو گے اور حملہ نہیں کرو گے، کذب کا اطلاق اہل حجاز ہر خلاف واقعہ امر پر کرتے ہیں لہٰذا وعدہ خلافی بھی کذب میں داخل ہوئی (۱)۔

حافظ صاحب نے اس زائد جملے (إن شددتُ كذبتم) کی متن کی طرح (ہیڈنگ) لگا کر تشریح کی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے ہاں موجود نسخے میں یہ حدیث کا حصہ یعنی متن ہے۔

فضربوه ...... اس حملے کے بعد رومیوں نے زبیر (رضی اللہ عنہ) پر دو ضربیں لگائیں جن کے درمیان وہ "ضربہ" تھا جو بدر میں زبیر کو لگا تھا اور پھر ان بڑے بڑے نشانات سے عروہ کہتے ہیں "میں کھیلا کرتا تھا"۔

ضَرْبَتَيْنِ عَلَى عَاتِقِهِ ......

یہاں ضربات کے حوالے سے بھی ایک اختلاف ہے، روایتِ باب میں تو یہ مذکور ہے کہ دو ضربیں یرموک میں لگی تھیں اور ایک بدر میں، جب کہ کتاب المغازی میں یہ بھی مذکور ہے اور ایک روایت میں اس کے برعکس بھی مذکور ہے اور وہیں (مغازی میں) اس پر تفصیل سے کلام بھی ہوا ہے (۲)۔

١٤ - باب : ذِكْرِ مَنَاقِبِ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ .

وَقَالَ عُمَرُ : تُوُفِّيَ النَّبِيُّ ﷺ وَهُوَ عَنْهُ رَاضٍ . [ر : ٣٤٩٧]

طلحة بن عبيدالله

ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کہتے ہیں ان کا نام طلحہ، کنیت ابو محمد، والد عبید اللہ اور سلسلہ نسب یوں ہے:

---

(۱) فتح الباري: ۱۰۲/۹، مغازی کی روایت میں البتہ یہ جملہ (ان شددتُ كذبتم) بھی ہے، دیکھئے، حدیث: ۳۹۷۵

(۲) دیکھئے، کشف الباري، کتاب المغازي، باب قتل أبي جهل، ص: ۱۱۵

طلحة بن عبيد الله بن عثمان بن عمرو بن كعب بن سعد بن تيم بن مرة بن كعب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مرہ بن کعب میں جا کر ان کا نسب ملتا ہے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ تیم بن مرہ میں۔ ان کی والدہ کا نام صعبۃ بنت الحضرمی ہے، جو علاء بن الحضرمی کی بہن ہے، جو اسلام لائی تھیں اور ہجرت بھی فرمائی تھی، بیٹے (کی موت) کے کچھ عرصے بعد تک زندہ رہیں(۱)۔

جب کہ قسطلانی نے ان کا سلسلہ نسب یوں بیان کیا ہے:

طلحة بن عبيد الله بن عثمان بن عمير بن عمرو بن عامر بن عثمان بن كعب بن سعد بن تيم بن مرة بن كعب اور کہتے ہیں ان کا سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرہ بن کعب میں ملتا ہے جب کہ ابوبکر سے کعب بن سعد بن تیم میں......(۲)۔

قسطلانی اور عسقلانی کے ہاں ایک اور فرق یہ ہے کہ قسطلانی نے عاشت "بعد ابنها قليلا" کے الفاظ ذکر کئے ہیں، یعنی اُم طلحہ وفاتِ طلحہ کے بعد کچھ عرصہ زندہ رہیں جب کہ ابن حجر نے "بعد أبيها قليلا" کہا ہے یعنی اُمّ طلحہ اپنے والد کی وفات کے کچھ عرصہ بعد تک زندہ رہیں۔ تاہم صحیح اول معلوم ہوتا ہے۔

طلحہ کو طلحۃ الخیر اور طلحۃ الجود کہا جاتا ہے(۳)۔ خیر اور سخاوت کا شگوفہ یا گچھا۔

طبرانی ابن عباس کے طریق سے یہ روایت نقل کرتے ہیں:

"أسلمت أم ابي بكر وأم عثمان وأم طلحة وأم عبد الرحمن بن عوف"(٤). ابوبکر، عثمان، طلحہ اور عبدالرحمٰن بن عوف کی ماؤوں نے اسلام قبول کیا تھا۔

حضرت طلحہ کی خصوصیات اور وفات کا ذکر

علامہ عینی حضرت طلحہ کے خصوصیات و امتیازات ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

---

(١) فتح الباري: ١٠٣/٩

(٢) إرشاد الساري: ٢١٤/٨

(٣) إرشاد الساري: ٢١٤/٨

(٤) المعجم الكبير للطبراني: ٥٢/١، نسبة ابي بكر واسمه، المستدرك على الصحيحين، ذكر مناقب طلحة بن عبيد الله التيمي، رقم: ٥٥٨٤

”هو أحد العشرة المشهود لهم بالجنة، وأحد الثمانية الذين سبقوا إلى الإسلام، وأحد الخمسة الذين اسلموا على يدي أبي بكر الصديق وأحد الستة أصحاب الشورىٰ الذين توفي رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو عنهم راض“(۱).

آپ ان دس حضرات میں سے ایک ہیں جنہیں جنت کی خوشخبری دی گئی ہے، ان آٹھ میں سے ایک ہیں جنہوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا، ان پانچ میں سے ایک ہے جنہوں نے ابوبکر کے ہاتھوں پر اسلام قبول کیا، اور ان چھ اصحابِ شوریٰ میں سے ایک ہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے جاتے ہوئے راضی تھے۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو جنگ جمل کے موقعہ پر قتل کیا گیا یہ ۳۶ ہجری کی بات ہے اور اس وقت آپ کی عمر کیا تھی، اس میں ۵۸ سال سے ۷۵ سال تک کے مختلف اقوال ہیں۔ جنگ جمل میں ایک تیر لگنے سے ان کی شہادت ہوئی، مختلف طرق سے یہ مروی ہے کہ مروان بن الحکم نے انہیں مارا۔ ان کے گھٹنے میں تیر لگا اور بہت زیادہ خون بہنے سے ان کی موت ہوئی، اس روز سب سے پہلے مارے جانے والے شخص آپ ہی تھے(۲)۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب ان کی موت کی اطلاع ہوئی تو بہت روئے یہاں تک کہ داڑھی مبارک آنسوؤں سے بھیگ گئی۔ اور فرمایا:

”إني لأرجو أن أكون أنا وأنت ممن قال الله تعالىٰ فيهم ”ونزعنا ما في صدورهم من غِلٍّ إخواناً على سُررٍ متقابلين“(۳).

عجیب بات یہ ہے کہ ان کا تعلق اس جنگ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تھا اور زبیر کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے، وہ بھی جنگ چھوڑ کر واپس آتے ہوئے مارے گئے تھے اور جب ان کو قتل کرنے والا عمرو بن جرموز حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خوش کرنے کے لئے ان کے پاس آیا تو علی رضی اللہ عنہ نے کہا، تم جہنمی ہو(۴)

---

(۱) عمدة القاري: ۱۶/۲۲۶

(۲) فتح الباري: ۹/۱۰۳، وعمدة القاري: ۱۶/۲۲۶

(۳) إرشاد الساري: ۸/۲۱٤

(٤) فتح الباري: ۹/۱۰۳

ظاہر ہے دونوں حضرات عشرہ مبشرہ میں سے تھے تو ان کا قاتل جنتی کیوں کر ہو سکتا ہے۔

وقال عمر: توفي النبي ...... باب قصة البيعة میں موصولاً گزر چکا ہے جہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اصحاب ستہ کا نام لے کر فرمایا، "هولاء النفر أو الرهط الذين توفي رسول الله وهو عنهم راضٍ"(١).

٣٥١٧ : حدّثني مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ الْمُقَدَّمِيُّ : حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ أَبِي عُثْمَانَ قَالَ : لَمْ يَبْقَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ، فِي بَعْضِ تِلْكَ الْأَيَّامِ الَّتِي قَاتَلَ فِيهِنَّ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ، غَيْرُ طَلْحَةَ وَسَعْدٍ . عَنْ حَدِيثِهِمَا . [٣٨٣٤]

تراجم رجال

مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ الْمُقَدَّمِيُّ

یہ محمد بن ابی بکر بن علی بن عطاء المقدمی ہیں۔ ان کے احوال كتاب الصلاة، باب "المساجد التي على طرق المدينة......" کے تحت گزر چکے ہیں۔

مُعْتَمِرٌ

یہ معتمر بن سلیمان بن طرفان التیمی البصری ہیں۔ ان کے احوال كتاب العلم، باب "من خص بالعلم قوماً دون قوم" کے تحت گزر چکے ہیں (٢)۔

أَبِيهِ

سلیمان بن طرفان التیمی مراد ہیں، ان کے احوال باب مذکورہ میں گزر چکے ہیں (٣)۔

---

(١) صحيح البخاري، باب قسمة البيعة، رقم: ٣٧٠٠

(٣٥١٧) الحديث أخرجه البخاري في صحيحه: ٥٨١/٢، في كتاب المغازي، باب إذهمت طائفتان، ٤٠٦٠، ٤٠٦١، ومسلم في صحيحه: ٢٨١/٢، في فضائل الصحابة، باب فضل سعد بن أبي وقاص: ٦٢٤٢

(٢) كشف الباري: ٥٩٠/٤

(٣) كشف الباري: ٥٩٣/٤

أَبِي عُثْمَانَ

یہ عبدالرحمن بن ملّ ابوعثمان النہدی ہیں۔ان کے احوال کتاب مواقیت الصلاۃ، باب "الصلاۃ کفارۃ" کے تحت گزر چکے ہیں۔

بَعْضِ تِلْكَ الْأَيَّامِ

اس سے یوم اُحد یا أیامِ اُحد مراد ہیں، احد کے موقع پر حضرت طلحہ، سعد اور بعض دوسرے صحابہ نے ایسی جوانمردی اور ہمت واستقامت سے مشرکین کا مقابلہ کیا کہ اس کی مثال نہیں ملتی، کتاب المغازی میں اس کی تفصیل مذکور ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد سے سارے لوگ بھاگ گئے تو اس وقت صرف ابوطلحہ (زید بن سہل انصاری) آپ کے لئے ڈھال بنے کھڑے تھے اور حدیثِ باب میں حضرت طلحہ اور سعد کا ذکر ہے بلکہ مغازی میں بھی کہ سب بھاگ گئے تھے مگر یہ حضرات کھڑے تھے۔

دراصل احد میں مختلف مواقع پر مختلف حضرات نے اس طرح کی جوانمردی کا مظاہرہ کیا، اس لئے کبھی ان (طلحہ وسعد) کا ذکر ہے اور کبھی بعض دوسرے حضرات کا، تاہم طلحہ ان معدودے چند حضرات میں سے ایک تھے، جن کے پائے استقامت میں کوئی لرزہ نہیں آیا(۱)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ابوذر کے نسخے میں "في تلك الأيام" کے الفاظ ہیں جب کہ دوسروں کے ہاں "في بعض تلك الأيام" کے الفاظ آئے ہیں اور فرمایا، "وهو أبين؛ لأن المراد بالبعض يومُ أحد"(۲).

یعنی "بعض" کے لفظ کے ساتھ جو روایت ہے وہ زیادہ واضح ہے کیونکہ بعض سے یومِ اُحد مراد ہوگا جب کہ تلك الأيام تو عام ہے۔

"غيرُ طلحة وسعد" میں "غیر" مرفوع ہے بناء بر فاعلیت کے، اور قاتَلَ کا مفعول المشرکین ہے(۳)۔

---

(۱) ملاحظہ فرمائیں، صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب إذهمت طائفتان......

(۲) فتح الباري: ۹/۴۵۷

(۳) إرشاد الساري: ۸/۲۱۵

ابوذر کی روایت میں "التي يقاتل فيهن......" کے الفاظ ہیں (الّتی کے ساتھ)، جب کہ دوسروں کے ہاں "الذي يقاتل فيهن......" (الّذي کے ساتھ) آیا ہے(۱).

عَنْ حَدِيثِهِمَا

یعنی أنهما حدثا أبا عثمان بذالك ان دونوں (طلحہ اور سعد) نے ابوعثمان سے کہا، مستخرَج أبي نعيم وغیرہ میں عبداللہ بن معاذ عن معتمر...... کے طریق سے آیا ہے، "قال سليمان فقلت لأبي عثمان: وما علمك بذلك؟ قال عن حديثهما"(۲). سلیمان کہتے ہیں میں نے ابوعثمان سے کہا آپ کو اس کا کیسے علم ہوا؟ انہوں نے کہا یہ طلحہ و سعد نے بیان کیا ہے۔

اور ایک اور طریق میں یہ الفاظ ہیں، سلیمان کہتے ہیں، "فقلت لأبي عثمان: وما علمك بذلك؟ قال هما أخبراني"(۳). یعنی عثمان نے کہا ان دونوں (طلحہ و سعد) نے ہی مجھے بتایا۔

اُحد میں صرف سعد و طلحہ کے رہ جانے پر اعتراض اور اس کا جواب

حاکم کی ایک روایت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھڑے رہنے والوں میں سے ایک مقداد ابن الاسود بھی تھے، روایت کے الفاظ یہ ہیں، عائشہ بنت سعد اپنے والد سے نقل کرتے ہوئے کہتی ہیں:

"جال الناسُ يوم أحد تلك الجولةَ تنحيت فقلت أذود عن نفسي فإما أن أنجوَ وإما أن أستشهد، فإذا رجل محمر وجهه وقد كاد المشركون أن يركبوه فملأ يده من الحصى فرماهم، وإذا بيني وبينه المقداد فأردت أن أسأله عن هذا الرجل فقال لي يا سعد رسول الله يدعوك...... "(٤).

یعنی لوگوں نے غزوۂ احد کے موقعہ پر جو معروف پلٹا کھایا میں ایک طرف ہو کر

---

(١) فتح الباري: ٩/٤٥٧

(٢) فتح الباري: ٩/١٠٤

(٣) فتح الباري: ٩/١٠٤

(٤) المستدرك على الصحيحين، كتاب المغازي والسرايا، رقم: ٤٣١٤

دل میں کہنے لگا کہ میں اپنا دفاع کرتا ہوں یا تو بچ جاؤں گا اور یا شہید کردیا جاؤں گا۔ اس دوران میں نے ایک شخص کو دیکھا سرخ چہرے والا اور مشرکین اسے روند ہی لینے والے تھے کہ اس نے ایک مٹھی کنکریاں لے کر ان پر پھینکے...... اس دوران میں نے دیکھا کہ میرے اور اس کے درمیان مقداد بن الاسود ہیں میں نے اس سے اس آدمی کے بارے میں پوچھنا چاہا اس نے کہا سعد یہ رسول اللہ ہیں تمہیں بلا رہے ہیں!

حافظ نے اس کو ذکر کیا اور اس کا ایک جواب تو یہ دیا ہے کہ جس وقت حضرت سعد وطلحہ موجود تھے اس وقت کوئی اور نہیں ہوگا۔ مقداد شاید اس کے بعد آئے ہوں۔

دوسرا جواب یہ دیا کہ حضرت سعد اور طلحہ شاید بعض مقامات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رہ جانے والے واحد افراد تھے اور بعض دوسرے مقامات پر مقداد جیسے حضرات بھی رہے ہوں گے، چنانچہ امام مسلم وغیرہ روایت نقل کرتے ہیں ثابت عن انس...... کے طریق سے وہ کہتے ہیں:

"أفرد رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم أحد في سبعة من الأنصار ورجلين من قريش"(۱).

یعنی احد کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سات انصاریوں اور دو قریشیوں کے ساتھ تنہا رہ گئے تھے۔

اور قریش کے دو افراد سے طلحہ وسعد مراد ہیں اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سعد وطلحہ کی انفرادیت وخصوصیت حضرات مہاجرین کے اعتبار سے تھی نہ کہ مطلق...... یعنی مہاجرین صحابہ میں سے ان (سعد وطلحہ) کے علاوہ کوئی نہ تھا اور مطلب بن عبداللہ بن حطب کی مرسل روایت ہے، جس میں بارہ افراد کا ذکر ہے، فرماتے ہیں:

"أن الصحابة تفرقوا عن النبي يوم أحد حتىٰ بقي معه اثنا عشر رجلاً من الأنصار"(۲). انصار میں سے بارہ آدمی رہ گئے۔

---

(۱) مسند احمد مسند، عبد الله بن مسعود، رقم: ٤٤١٤، مطبوعة الرسالة، السنن الكبرى للبيهقي، رقم: ١٧٩١٨، باب مَن تبرع بالتعرض للقتل

(۲) المعجم الأوسط، رقم: ٧٨٠٤

جب کہ نسائی اور بیہقی کی ابوالزبیر عن جابر کے طریق سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں:

"تفرق الناس عن النبي يوم أحد وبقي معه أحد عشر رجلاً من الأنصار"(١). انصار میں سے گیارہ آدمی رہ گئے۔

اس میں اور حدیث انس میں کوئی تعارض نہیں، سوائے چار آدمیوں کے اضافے کے اور وہ شاید بعد میں آئے ہوں، جب کہ ان روایات میں اور حدیث باب میں جمع کی صورت یہ ہوگی کہ سعد کے بارے میں کہا جائے گا وہ ذرا بعد میں آئے ہوں گے(٢)۔ اس لئے کہیں ان کا ذکر ہے (جیسے حدیث باب میں) اور کہیں نہیں ہے۔

تطبیق کی صورت

بہر حال حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"فكأنه قال لم يبق معه من المهاجرين غير هذين –وتعين حمله على ما أولته وان ذلك باعتبار اختلاف الأحوال، وأنهم تفرقوا في القتال فلما وقعت الهزيمة فيمن انهزم وصاح الشيطان "قُتل محمد" اشتغل كلُّ واحد منهم بهمّه والذب عن نفسه كما في حديث سعد– ثم عرفوا عن قرب ببقائه فتراجعوا اليه اولاً فأولاً ثم بعد ذلك كان يندبهم الى القتال فيشتغلون به"(٣).

گویا رسول اللہ کے پاس مہاجرین (نہ کہ مجموعۂ خطاب) میں سے ان دو حضرات کے علاوہ کوئی نہیں بچا تھا۔ اس تاویل پر حدیث کو محمول کرنا متعین ہے اور یہ بھی متعین ہے کہ مختلف حضرات کے آپ علیہ الصلوۃ والسلام کے پاس رہنے سے مراد یہ ہے کہ ان مختلف حضرات کے آپ علیہ الصلوۃ والسلام کے پاس رہنے سے مراد یہ ہے کہ ایسا مختلف احوال میں ہوا؛ کیونکہ اثنائے قتال لوگ متفرق تھے پھر جب شکست ہوئی اور شیطان نے قتلِ محمد کی

(١) فتح الباري: ١٠٤/٩

(٢) فتح الباري: ١٠٤/٩

(٣) فتح الباري: ٤٥٧/٩

آواز لگائی تو ہر کوئی اپنی فکر میں لگ گیا، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سلامتی کا جلد ہی پتہ چلا تو ایک ایک اب آپ کے پاس آنا شروع ہوا، پھر جب آپ علیہ الصلوۃ والسلام ان کو قتال کے لئے پکارتے رہے تو وہ آ آ کر اس میں حصہ لیتے رہے۔ اس صورت حال کو سامنے رکھنے سے تمام روایات کا سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔

٣٥١٨ : حدّثنا مُسَدَّدٌ : حَدَّثَنَا خالِدٌ : حَدَّثَنَا ٱبْنُ أَبِي خالِدٍ ، عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حازِمٍ قالَ : رَأَيْتُ يَدَ طَلْحَةَ الَّتِي وَقَى بِهَا النَّبِيَّ ﷺ قَدْ شَلَّتْ . [٣٨٣٦]

تراجم رجال

مُسَدَّدٌ

یہ مسدّد بن مسرہد ہیں، ان کے احوال کتاب العلم، باب "من خص بالعلم قوماً دون قوم" کے تحت گزر چکے ہیں (۱)۔

خَالِدٌ

یہ خالد بن عبداللہ الواسطی ہیں۔ ان کے احوال کتاب الوضوء، باب "من مضمض واستنشق من غرفة واحدة" کے تحت گزر چکے ہیں۔

ابْنُ أَبِي خَالِدٍ

یہ اسماعیل بن ابی خالد الأحمسی البجلی ہیں۔ ابوخالد کا نام سعد ہے، ان کے احوال کتاب الإیمان، باب "المسلم من سلِم المسلمون من لسانه ویده" کے تحت گزر چکے ہیں (۲)۔

(٣٥١٨) الحديث أخرجه البخاري ايضاً في صحيحه، في المغازي، باب إذهمت طائفتان ......، رقم: ٤٠٦٣، وابن ماجه في سننه، كتاب السنه، باب فضل طلحة بن عبيد الله، رقم: ١٢٨، وابن حِبان في صحيحه: ٦٩٨١، والبيهقي: ١٢٨٧٧، والطبراني في المعجم الكبير: ١٩١

(١) كشف الباري: ٥٨٨/٤

(٢) كشف الباري: ٦٧٩/١

قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ

یہ قیس بن ابی حازم (عوف) الاحمسی البجلی ہیں۔ان کے احوال کتاب الإیمان، باب "قول النبي صلى الله عليه وسلم الدين النصيحة" کے تحت گزر چکے ہیں (۱)۔

حضرت طلحہ کا ہاتھ شل ہونے کی تفصیل

شل ہونے کا معنی یہ ہے کہ ہاتھ کی ہتھیلی ایسی متاثر ہو جائے کہ ہاتھ سے انجام دیئے جانے والے کام نہ کر سکے، ٹوٹ جانا، اور کٹ جانا مراد نہیں ہے۔چنانچہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"والشلل نقص في الكف وبطلان لعملها، وليس معناه القطع كما زعم بعضهم" (۲).

حضرت طلحہ بن عبید اللہ کا ہاتھ اُحد میں متاثر ہوا تھا جب آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین سے بچا رہے تھے، تاہم اس کی کیفیت کیا تھی، اس بارے میں روایات مختلف ہیں۔طبرانی موسیٰ بن طلحہ کے طریق سے روایت کرتے ہیں: "أصابه في يدِه سهم" (۳) ان کے ہاتھ میں تیر لگی تھی۔جب کہ انس کی روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

"وقى رسولَ الله صلى الله عليه وسلم لما أراد بعضُ المشركين أن يضرِبه" (٤). انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت بچایا جب بعض مشرکین نے آپ کو مارنا چاہا۔

مسند طیالسی میں عائشہ عن ابی بکر الصدیق کے طریق سے روایت ہے، ابو بکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"ثم اتينا طلحة -يعني يوم أُحد- وجدنا به بضعاً وسبعين جراحة،

---

(۱) كشف الباري: ۲/۷۶۱

(۲) فتح الباري: ۹/۱۰٤

(۳) فتح الباري: ۹/۱۰٤

(٤) كنز العمال، غزوة أحد، رقم: ۳۰۰٦۱، ۳۰۰۷۳

وإذا قد قطعت إصبعُه"(١).

غزوہ احد کے روز پھر ہم طلحہ کے پاس آئے تو دیکھا کہ ان کو ستر سے کچھ زیادہ چوٹیں آئیں تھیں اور ان کی ایک انگلی کٹی ہوئی تھی۔

اور کتاب الجہاد میں ابن المبارک کی موسیٰ بن طلحہ کے طریق سے روایت ہے، جس میں یہ آیا ہے کہ بائیں ہاتھ کی بِنصَر والی انگلی کٹی تھی۔ الفاظ یہ ہیں:

"أصيبت إصبع طلحة البنصر من اليسرى من مفصلها الأسفل فشَلَّت، ترس بها على النبي"(٢).

شَلَّتْ

یہ شین کے فتحے کے ساتھ ہے، جب کہ لحیانی کہتے ہیں شین کا ضمہ بھی جائز ہے، اور ابن درستویہ کہتے ہیں، یہ غلط ہے(٣)۔

عینی نے ابن الأعرابی کے حوالے سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں:

"لا يقال "شُلت" يعني بالضم إلا في لغة رديئة"(٤).

طلحہ کی خصوصیات

علامہ عینی ابوالشاہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں:

"ومِن خواص طلحةِ بنَ عبيد الله أن رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا لم يره قال مالي لا أرى المليح الفصيح".

جب آپ (طلحہ) نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو نظر نہ آتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے خوبصورت اور خوش گلو کہاں ہیں؟

---

(١) كنز العمال، غزوة أحد، رقم: ٣٠٠٢٥

(٢) فتح الباري: ١٠٤/٩

(٣) فتح الباري: ١٠٤/٩

(٤) عمدة القاري: ٢٢٧/١٦

آپ نے انہیں فیاض کالقب بھی مرحمت فرمایا تھا، طلحۃ الخیر اور طلحۃ الجود بھی (۱)۔

اور ترمذی کی روایت ہے جابر بن عبداللہ سے وہ فرماتے ہیں:

"سمعتُ رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من سره أن ينظر إلى شهيد يمشي على وجه الأرض فلينظر إلى طلحة بن عبيد الله"(۲).

یعنی جو کوئی روئے زمین پر چلتا پھرتا شہید دیکھنا چاہتا ہے وہ طلحہ بن عبیداللہ کو دیکھے۔ اور ترمذی نے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے، وہ کہتے ہیں:

"سمعَت أذني مِن في رسولِ الله صلى الله عليه وسلم وهو يقول طلحة والزبير جارَاي في الجنة"(۳).

میرے کانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا ہے کہ "طلحہ اور زبیر جنت میں میرے پڑوسی ہوں گے"۔

۱۵ – باب: مَنَاقِبُ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، الزُّهْرِيِّ، وَبَنُو زُهْرَةَ أَخْوَالُ النَّبِيِّ ﷺ، وَهُوَ سَعْدُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ.

حضرت سعد بن ابی وقاص

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی جلیل القدر صحابی رسول ہیں اور عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں، ان کی کنیت ابواسحاق ہے اور لقب "فارس الاسلام" اللہ کے راستے میں سے سب سے بہتر تیرے پھینکنے والے ہیں، مستجاب الدعوات تھے اسلام قبول کرنے والے پہلے سات افراد میں سے ایک ہیں، کوفہ کو کوفہ بنانے اور اس سے اعاجم کو نکال باہر کرنے والے بھی آپ ہیں (۴)۔

بنوزہرہ سے تعلق رکھتے تھے اور بنوزہرہ رسول اللہ کے ننہیال تھے؛ کیونکہ حضرت آمنہ آپ صلی اللہ علیہ

(۱) عمدة القاري: ۲۲۷/۱٦

(۲) سنن الترمذي، باب مناقب طلحة بن عبيد الله، رقم: ۳۷۳۹

(۳) سنن الترمذي، باب مناقب طلحة بن عبيد الله، رقم: ۳۷۳۹

(٤) فتح الباري: ۱۰٤/۹

وسلم کی والدہ انہیں میں سے تھیں۔ان کے والد کا نام مالک تھا اور سلسلہ نسب یوں ہے: سعد بن مالك بن وهيب بن عبد مناف بن زهرة بن كلاب بن مرة، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کلاب بن مرہ میں جا کر ملتے ہیں۔ان کی والدہ حمنہ بنت سفیان بن امیہ بن عبد شمس ہیں جو اسلام نہیں لائی تھی۔حضرت سعد کی مدینہ سے دس میل کے فاصلے پر عقیق نامی جگہ میں وفات ہوئی اور پھر لوگ کندھوں پہ اٹھا کر مدینہ لائے اور بقیع میں دفنائے گئے۔یہ ۵۵ یا ۵۸ء کی بات ہے اس وقت آپ کی عمر ۸۳ یا ۷۳ برس تھی، عشرہ مبشرہ میں سب سے اخیر میں آپ ہی کا انتقال ہوا۔مروان ابن الحکم نے جنازہ پڑھایا(۱)۔

٣٥١٩ : حدّثني مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ قَالَ : سَمِعْتُ يَحْيَى قَالَ : سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ قَالَ : سَمِعْتُ سَعْدًا يَقُولُ : جَمَعَ لِي النَّبِيُّ ﷺ أَبَوَيْهِ يَوْمَ أُحُدٍ .
[٣٨٢٩ - ٣٨٣١]

تراجم رجال

مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى

یہ ابو موسیٰ محمد بن المثنی بن عبید عنزی ہیں، ان کے احوال کتاب الایمان، باب "حلاوة الإيمان" کے تحت گزر چکے ہیں (۲)۔

عَبْدُ الْوَهَّابِ

یہ عبد الوہاب بن عبد الحمید الثقفی ہیں۔ان کے احوال کتاب الإيمان، باب "حلاوة الإيمان"

---

(۱) عمدة القاري: ١٦/٢٢٧، وفتح الباري: ٩/١٠٥

(٣٥١٩) الحديث أخرجه ايضا مسلم في صحيحه، كتاب فضائل الصحابة، باب في فضل سعد بن أبي وقاص، رقم: ٦٢٣٥، والترمذي في جامعه، كتاب المناقب، باب ارم فداك أبي وأمي، رقم: ٣٧٥٤، وابن ماجة في سننه، كتاب السنة، باب فضل سعد بن أبي وقاص، رقم: ١٣٠، والنسائي في سننه الكبرى، رقم: ٩٩٥٢، وأحمد في مسنده: ١٥٦٢

(۲) كشف الباري: ٢/٢٥

کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

یَحْیَی

یہ یحییٰ بن سعید القطان ہیں، ان کے احوال کتاب الإیمان، باب "من الإیمان أن یحب لأخیه ما یحب لنفسه" کے تحت گزر چکے ہیں (۲)۔

سَعِیدَ بْنَ الْمُسَیَّبِ

یہ مشہور تابعی سعید بن المسیب ہیں۔ ان کے احوال کتاب الإیمان، باب "من قال إن الإیمان هو العمل" کے تحت گزر چکے ہیں (۳)۔

جَمَعَ لِی النَّبِیُّ أَبَوَیْهِ

حضرت سعد اور زبیر رضی اللہ عنہ کے لئے رسول اللہ کی زبانِ اطہر سے فداك أبي وأمي کا جملہ نکلا، اس حوالے سے فضائل زبیر میں تفصیل گزر چکی ہے۔

۳۵۲۱/۳۵۲۰ : حدّثنا مَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ : حَدَّثَنَا هَاشِمُ بْنُ هَاشِمٍ ، عَنْ عامِرِ بْنِ سَعْدٍ ، عَنْ أَبِيهِ قالَ : لَقَدْ رَأَيْتُنِي وَأَنَا ثُلُثُ الْإِسْلَامِ .

تراجم رجال

مَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ

یہ مکی بن ابراہیم التمیمی الحنظلی ہیں۔ ان کے احوال کتاب العلم، باب "مَن أجاب الفتیا بإشارة

(۱) کشف الباري: ۲/۲۶

(۲) کشف الباري: ۲/۲

(۳) کشف الباري: ۲/۱۵۹

(۳۵۲۰) الحدیث تفرد به البخاري من أصحاب الصحاح، وأخرجه البزار في مسنده، مسند سعد بن أبي وقاص: ۱۰۷۹، وطرفاه في: ۳۷۲۷، ۳۸۵۸

الید والرأس" کے تحت گزر چکے ہیں (۱)۔

هَاشِمُ بْنُ هَاشِمٍ

ہاشم بن ہاشم یا ہشام بن ہشام بن عتبہ بن ابی وقاص الزہری۔ان کے احوال کتاب الوصایا، باب "الوصیّة بالثُّلث" کے تحت گزر چکے ہیں۔

عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ

یہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عامر ہیں۔ان کے احوال کتاب الإیمان، باب "من قال إن الإیمان هو العمل" کے تحت گزر چکے ہیں (۲)۔

وَأَنَا ثُلُثُ الإِسْلَامِ

"أي أنا ثالث من أسلم أولاً" یعنی میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے تین افراد میں سے ہوں۔یقیناً یہ بہت بڑی فضیلت ومنقبت ہے۔

سعد بن ابی وقاص کے ثالث الإسلام ہونے کی تفصیل

مگراس میں کچھ تفصیل ہے۔

خودکو ثالث الإسلام قرار دینے سے سعد کے ہاں یہ مراد ہے کہ ان سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صرف دو افراد ایمان لائے تھے ایک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور دوم حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور یا دو سے مراد خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں، اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اولین اسلام قبول کرنے والوں میں سے نہیں ہیں اور سعد نے ان سے قبل اسلام قبول کیا، بلکہ معنی یہ ہے کہ مردوں میں تیسرے نمبر پر اسلام قبول کرنے والے سعد ہیں۔تاہم اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ فضائلِ صدیق اکبر میں حدیث گزری ہے، حضرت عمار کہتے ہیں:

---

(۱) کشف الباري: ۴۸۱/۳

(۲) کشف الباري: ۱۷۲/۲

"رأيتُ النبي صلى الله عليه وسلم وما معه خمسة أعبُد وأبوبكر"(١)

یعنی ایک زمانہ تھا کہ میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صرف پانچ غلام اور ایک حُر ابوبکر ایمان لائے تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سعد ساتویں نمبر پر اسلام قبول کرنے والے ہیں۔

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ حضرت سعد کی مراد اُحرار اور بالغین ہیں، جب کہ یہ پانچ حضرات غلام تھے، اور حضرت علی بچہ، لہٰذا ان (سعد) کا ثالث الإسلام ہونا ثابت ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس ابتدائی زمانے میں لوگ اپنا اسلام چھپاتے تھے اور ظاہر نہیں کر سکتے تھے اس لئے سعد کو ابوبکر اور خدیجہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ قبولِ اسلام کے حوالے سے کسی کا علم نہ ہوسکا اور یہ محض ان کا خیال ہے (حقیقت میں ان کے علاوہ بھی اسلام قبول کرنے والے تھے) اور اس توجیہ کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے، جس میں ان کے الفاظ یہ ہیں:

"مَا أسلم أحد قبلي".

حالانکہ ان سے قبل اسلام قبول کرنے والے تو بہرحال ہیں، کم از کم ابوبکر اور خدیجہ تو ہیں ہی، یہ ابن سعد کی روایت ہے(٢)۔

جب کہ ابن مندہ کی روایت ہے ابوبدر عن ہاشم کے طریق سے...... جس کے الفاظ یہ ہیں:

"ما أسلم أحد في اليوم الذي أسلمت فيه"(٣).

یعنی جس دن میں اسلام لایا اس دن کسی اور نے اسلام قبول نہیں کیا، ان کا یہ کہنا درست ہوسکتا ہے اور اس میں کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے کیونکہ اس دن کسی کا قبولِ اسلام میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک نہ ہونا عین ممکن ہے۔

---

(١) مسند البزار مسند عمار بن ياسر: ٢٤٣/٤، والسنن الكبرى للبيهقي: ٥٩٩/٦، رقم: ١٣٠٩٤، كتاب قسم الفيئ ...... باب اعطاء الفيئ على الديوان.

(٢) فتح الباري: ١٠٥/٩

(٣) مسند البزار، مسند عمار بن ياسر، رقم: ١٠٧٩، الكنى والاسماء: ٢٨/١، رقم: ٧٩

اوراس پر "ما أسلم أحد قبلي" جیسی روایات کو بھی محمول کیا جا سکتا ہے، مگر یہی روایت اسی ابن مندہ کے طریق سے خطیب نے نقل کی ہے اوراس میں إلا فـي اليـوم...... کے الفاظ ہیں۔لہٰذااس کی وہی تاویل درست ہوگی، جو پہلے ذکر کی گئی ہے(۲)۔یعنی اسلام تو ان سے قبل ابوبکر، خدیجہ اور خمسۃ أعبد...... نے قبول کیا تھا، مگر انہیں پانچ افراد کا پتہ نہ تھا، یا پھر انہوں نے أحرار اور بالغین کے حساب سے کہا، بہر حال حقیقت میں وہ ساتویں نمبر پر اسلام قبول کرنے والے ہیں، جیسے کہ ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں کہا ہے،"إنـه سابع سبعة فـي الإسلام"(۲). اور یا پھر انہوں نے اپنی معلومات کے حساب سے کہا، اورانہیں معلوم نہ تھا کہ ان سے پہلے بہت سارے لوگوں نے اسلام قبول کیا ہے مگر اظہار نہیں کر سکتے ......اور شاید ان کے قبولِ اسلام کے ان بہت سوں نے اسلام ظاہر کیا تو وہ سمجھے یہ سب اب اسلام قبول کر رہے ہیں(۳)۔

(۳۵۲۱) : حدّثني إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسٰى : أَخْبَرَنَا ٱبْنُ زَائِدَةَ : حَدَّثَنَا هَاشِمُ بْنُ هَاشِمِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قالَ : سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يَقُولُ : سَمِعْتُ سَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَّاصٍ يَقُولُ : ما أَسْلَمَ أَحَدٌ إِلَّا في الْيَوْمِ الَّذِي أَسْلَمْتُ فِيهِ ، وَلَقَدْ مَكَثْتُ سَبْعَةَ أَيَّامٍ ، وَإِنِّي لَثُلُثُ الْإِسْلَامِ . تَابَعَهُ أَبُو أُسَامَةَ : حَدَّثَنَا هَاشِمٌ . [۳٦٤٥]

تراجم رجال

إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى

یہ ابراہیم بن موسیٰ بن یزید التیمی الفراء الصغیر الرازی ہیں، ان کے احوال کتاب الحیض، باب "غسل الحائض رأس زوجها وترجيله" کے تحت گزر چکے ہیں۔

---

(۱) مسند البزار، مسند عمار بن ياسر، رقم: ۱۰۷۹

(۲) الاستيعاب: ۱۳۱/۱

(۳) لامع الدراري: ۱۸۲/۸

(۳۵۲۱) الحديث سبق تخريجه في الحديث السابق، رقم الحديث: ۳۵۲۰

ابْنُ أَبِي زَائِدَةَ

یہ یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ ہیں، ان کے احوال کتاب الوصایا، باب "إذا وقف أرضا أو بئراً......" کے تحت گزر چکے ہیں۔

هَاشِمُ بْنُ هَاشِمِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ

ان کا تذکرہ گزشتہ حدیث میں گزر چکا ہے۔

سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ

مشہور تابعی ہیں۔ ان کے احوال گزر چکے ہیں (۱)۔

مَا أَسْلَمَ أَحَدٌ

اس حوالے سے تفصیل گزشتہ حدیث کی تشریح میں آگئی ہے کہ یہ ان کا خیال ہے جو عدم اطلاع پر مبنی ہے، یا پھر احرار و بالغین کے اعتبار سے کہہ رہے ہیں (۲)۔

تَابَعَهُ أَبُو أُسَامَةَ

یہ متابعت امام بخاری رحمہ اللہ نے باب "إسلام سعد" میں موصولاً ذکر کی ہے (۳)۔

٣٥٢٢ : حدّثنا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ : حدَّثَنَا خالِدُ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ ، عَنْ إِسْماعِيلَ ، عَنْ قَيْسٍ قالَ : سَمِعْتُ سَعْدًا رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ يَقُولُ : إِنِّي لَأَوَّلُ الْعَرَبِ رَمَى بِسَهْمٍ فِي سَبِيلِ ٱللهِ ، وَكُنَّا نَغْزُو مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَما لَنَا طَعَامٌ إِلَّا وَرَقُ الشَّجَرِ ، حَتَّى إِنَّ أَحَدَنَا لَيَضَعُ كما يَضَعُ الْبَعِيرُ أَوِ الشَّاةُ ، ما لَهُ خِلْطٌ ، ثُمَّ أَصْبَحَتْ بَنُو أَسَدٍ تُعَزِّرُنِي عَلَى الْإِسْلَامِ ؟ لَقَدْ خِبْتُ إِذًا وَضَلَّ عَمَلِي . وَكَانُوا وَشَوْا بِهِ إِلَى عُمَرَ ، قالُوا : لَا يُحْسِنُ يُصَلِّي . [٥٠٩٦ ، ٦٠٨٨ ، وانظر : ٧٢٢]

---

(١) كشف الباري: ١٥٩/٢

(٢) إرشاد الساري: ٢١٧/٨

(٣) دیکھئے، صحيح البخاري، كتاب مناقب الأنصار، باب إسلام سعد، رقم: ٣٨٥٨

(٣٥٢٢) الحديث أخرجه البخاري ايضاً في كتاب الأطعمة، باب ما كان النبي وأصحابه يأكلون، رقم: =

تراجم رجال

عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ

یہ عمرو بن عون ابن اوس بن الجعد الواسطی البزار ہیں۔ان کے احوال کتاب الصلاۃ، باب "ماجاء في القبلة ومن لم ير الإعادة" کے تحت گزر چکے ہیں۔

خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ

یہ خالد بن عبداللہ الطحان لواسطی ہیں،ان کے احوال کتاب الوضوء، باب من مضمض واستنشق کے تحت گزر چکے ہیں۔

إِسْمَاعِيلَ

یہ اسماعیل بن ابی خالد البجلی ہیں۔ان کے احوال کتاب الإیمان، باب "المسلم من سلِم المسلمون من لسانه ويده" کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

قَيْسٍ

یہ قیس بن ابی حازم ہیں۔ان کے احوال کتاب الإیمان، باب "قول النبي: الدين النصيحة" کے تحت گزر چکے ہیں(۲)۔

حضرت سعد بن ابی وقاص "رمي في سبيل الله" کرنے والا پہلا عرب

سعد فرماتے ہیں، میں وہ پہلا عرب ہوں، جس نے اللہ کی راہ میں تیر پھینکا، یہ دراصل سریۂ عبیدۃ بن الحارث کی طرف اشارہ ہے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے پہلے ہی سال مشرکین سے لڑنے کے لئے یہ سریۂ بھیجا۔یہ پہلا سریۂ ہے اور مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان لڑی جانے والی پہلی جنگ۔

= ٥٤١٢، وفي الرقاق، باب كيف كان عيش النبي وأصحابه، رقم: ٦٤٥٣، ومسلم في الزهد، رقم: ٧٤٣٣، والترمذي في الزهد، باب ماجاء في معيشة أصحاب النبي، رقم: ٢٣٦٥، و: ٢٣٦٦

(١) كشف الباري: ٦٧٩/١

(٢) كشف الباري: ٧٦١/٢

اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ٦٠ مہاجرین بھیجے، جن میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ بھی تھے، ان حضرات نے رابغ نامی مقام پر جاکر قریش مکہ کے ایک قافلے کو آلیا اور ان سے ترامي بالسہام (تیراندازی) شروع کی، پہلا تیر حضرت سعد نے پھینکا، اس میں مسایفہ یعنی تلوار سے لڑنے کی نوبت نہیں آئی، اس حوالے سے حضرت سعد کا یہ شعر بھی نقل کیا گیا ہے:

ألاهل أتى رسول الله انـي

حميت صحابتي بصدور نبلي(١)

ابن سعد نے حضرت سعد بن ابی وقاص سے نقل کیا ہے:

"أنا أول من رمى بسهم، ثم خرجنا مع عبيدة بن الحارث ستين راكباً"(٢). میں ہی وہ پہلا آدمی تھا جس نے تیر پھینکا پھر ہم ساٹھ سوار عبیدۃ بن الحارث کے ساتھ نکلے۔

حضرت سعد کا اسلام کی خاطر تکلیفیں برداشت کرنا

مَا لَهُ خِلْطٌ...... خلط بکسر الخاء ملنے کو کہتے ہیں۔ حضرت سعد (رضی اللہ عنہ) اللہ کی راہ میں اپنی قربانیوں اور مشقتیں برداشت کرنے کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہم جب غزوات میں شرکت کرتے تھے تو فاقہ کشی اور تنگ حالی کا یہ عالم ہوتا تھا کہ کوئی مرغوب کھانا ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اور روکھی سوکھی کھانے کی وجہ سے ہمارا پاخانہ جانوروں کی مینگنیوں کی طرح ہوتا تھا اور اس میں وہ اختلاط ہرگز نہ ہوتا تھا جو عموماً ہوتا ہے اسلام کے لئے ان حالات سے گزرنے کے بعد اب بنو اسد کو ہماری دینداری پر اعتراضات اور تحفظات ہیں۔

بنو اسد کون ہیں؟

بنو اسد سے مراد بنو اسد بن خزیمۃ بن مدرکہ ہیں اور یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے حضرت سعد بن ابی وقاص کے گورنر کوفہ ہونے کے زمانے میں امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے یہ شکایت کی تھی کہ وہ نماز صحیح نہیں پڑھتے اور ایک نے کہا، عدل نہیں کرتے، جہاد میں نہیں جاتے اور تقسیم درست نہیں کرتے۔

---

(١) فتح الباري: ١٠٦/٩، وعمدة القاري: ٢٢٩/١٦، وإرشاد الساري: ٢١٧/٨

(٢) الطبقات الكبرى، الطبقة الأولى ذكر اول من رمى بسهم في سبيل الله: ١٠٣/٣

"لا يسير بالسريَّة ولا يقسم بالسويَّة ولا يعدل في القضيَّة"(١).

ابن بطال کہتے ہیں، "بنواسد" کہہ کر حضرت سعد نے اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر تعریض کی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ درست نہیں ہے؛ کیونکہ عمر تو بنی عدی بن کعب بن لوی میں سے ہیں نہ کہ بنو اسد میں سے۔ جب کہ نووی فرماتے ہیں اس سے اسد بن عبدالعزی مراد ہیں جو زبیر بن العوام کا قبیلہ ہے۔ حافظ صاحب نے اسے بھی ان (نووی) کا وہم قرار دیا ہے(۲)۔

تُعَزِّرُنِی

بالزاء المعجمة والراء المهملة تعزیر بمعنی تادیب ہے، یعنی مجھے سمجھاتے اور ادب سکھاتے ہیں، یا تعزیر بمعنی تعییر ہے یعنی مجھے عار دلاتے اور طعنے دیتے ہیں علي الاسلام یعنی انہیں حضرت سعد کے اسلام پر اعتراض تھا کہ ان کے ہر عمل میں کمی اور کوتاہی ہے جیسے کہ ابھی کتاب الاذان کی ایک حدیث ذکر کی گئی یا جیسے کتاب الاذان ہی کی ایک اور روایت ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اُن سے فرماتے ہیں:

"لقد شكوك في كل شيء حتى الصلاة"(٣).

یا پھر نماز ہی مراد ہے مگر اس کی اہمیت کی وجہ سے اس کی اسلام سے تعبیر کی ہے جیسے کہ "وما كان الله ليضيع إيمانكم"(٤) میں ایمان سے تعبیر کی ہے اس لئے کہ نماز "عماد الدین" (دین کا ستون) اور "رأس الاسلام" ہے(۵)۔

لَقَدْ خِبْتُ إِذًا ......

یعنی اگر اس سابقیت اسلام کے باوجود میں بنو اسد کی تعلیم و تربیت کا محتاج ہوں تو مجھ سے بڑا خائب

---

(١) صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب وجوب القراءة للإمام والمأموم في الصلوات كلها في الحضر والسفر وما يجهر فيها وما يخافت، رقم: ٧٥٥

(٢) فتح الباري: ١٠٦/٩

(٣) صحيح البخاري، كتاب الأذان، رقم: ٥٧٠

(٤) سورة البقرة: ١٤٣

(٥) إرشاد الساري: ٢١٧/٨

وخاسر کوئی نہیں اور میرے اعمال گویا رائیگاں گئے (۱)۔

١٦ - باب : ذِكْرُ أَصْهَارِ النَّبِيِّ ﷺ ، مِنْهُمْ أَبُو الْعَاصِ بْنُ الرَّبِيعِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ .

بعض نسخوں میں لفظ "باب" ہے، جب کہ بعض میں نہیں ہے (۲)۔

أصہار کے معنی ومراد

أصهار جمع ہے صِهر بكسر الصاد کی، جوہری کہتے ہیں:

"الأصهار أهل بيت المرأة، عن الخليل قال: ومن العرب من يجعل الصهر من الأحماء والأختان جميعاً. يقال صاهرت إليهم إذا تزوجت فيهم، وأصهرتُ بهم إذا اتصلتَ بهم وتحرمت بجوار أو نسب أو تزوج"(۳).

اصہار عورت کے گھر والوں کو کہا جاتا ہے۔ خلیل کہتے ہیں بعض عرب یہ بھی کہتے ہیں کہ "صہر" کا تعلق بیوی کے رشتہ داروں سے بھی ہے اور بیٹی کے سسرال والوں سے بھی، یعنی دونوں پر اصہار کا اطلاق ہوتا ہے (أحماء، حمو کی جمع ہے بیوی کے بھائی اور دیگر رشتہ داروں کو کہا جاتا ہے جب کہ أختان ختن کی جمع ہے، جو بیٹی کے شوہر یعنی داماد وغیرہ کے لئے استعمال ہوتا ہے)۔

صاهرت جب إلى کے ساتھ متعدی ہوتا ہے تو اس کا معنی ہوتا ہے فلاں لوگوں میں میں نے شادی کی۔ اور أصهرتُ بهم بابِ اِفعال سے باء کے ساتھ متعدی ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے، میں ان سے ملا اور ان کی ہمسائیگی، رشتہ داری اور یا ان میں شادی کے ذریعے میں نے احترام پایا۔

بہرحال شارحین صحیح بخاری اور اہل لغت کا تقریباً اس پر اتفاق ہے کہ اصهار کا اطلاق مرد کے سسرال اور دامادی رشتے داروں یعنی بیٹی کے سسرال اور بہن کے سسرال سب پر ہوتا ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی فتح الباری میں عبارت ہے:

---

(۱) فتح الباري: ۹/۱۰٦، وإرشاد الساري: ۸/۲۱۷

(۲) عمدة القاري: ۱٦/۲۲۹

(۳) الصحاح لِلجوهري، ص: ٦۰٤

"وأصل المصاهرة المقاربة. وقال الراغب: الصهر الخَتن وأهل بيت المرأة يقال لهم الأصهار. قاله الخليل وقال ابن الاعرابي: الأصهار ما يتحرم بجوارٍ أو نسبٍ أو تزوجٍ"(١).

یعنی "مصاہرت کامعنی اصل میں مقارَبت کا ہے۔امام راغب کہتا ہے "صہر" داماد کو کہتے ہیں،عورت کے گھر والوں کو اصہار کہا جاتا ہے یہ خلیل کا بھی قول ہے،ابن الاعرابی کہتا ہے جو جوار،نسب اور شادی سے حرام ہوتے ہیں وہ اصہار ہیں۔

قسطلانی کہتے ہیں:

"اصهار النبي ...... جمع الصِّهر بالكسر. قال في القاموس وزوج بنت الرجل وزوج اخته. والأختان أصهار ايضاً ...... والاختان جمع خَتن وهو كل مَن كان مِن قبل المرأة كالأب والأخ"(٢).

یعنی "اصهار النبی میں "اصہار" صِہر کی جمع ہے،قاموس میں ہے کہ آدمی کی بیٹی یا بہن کے شوہر کو صہر کہتے ہیں۔اصہار اور اَختان جمع خَتن کا ایک ہی معنی ہے اور اس سے ہر وہ رشتہ دار مراد ہے جو عورت کے واسطے سے رشتہ دار ہو۔جیسے اس کا باپ، بھائی وغیرہ۔

علامہ عینی رحمہ اللہ بھی تقریباً یہی بات کہنے کے بعد فرماتے ہیں:

"هكذا عند العرب وأما عند العامة فختن الرجل زوج ابنته"(٣).

عربوں کے ہاں تو یہی تحقیق وتفصیل ہے جب کہ عامۃ الناس کے ہاں خَتَن داماد کو کہتے ہیں۔

مِنْهُمْ أَبُو الْعَاصِ بْنُ الرَّبِيع

ابوالعاص کا نام لقیط، مقسم یا ہشیم بن الربیع بن ربیعۃ بن عبدالعزی بن عبدشمس بن عبدمناف ہے اور ان

(١) فتح الباري: ١٠٧/٩

(٢) إرشاد الساري: ٢١٨/٨

(٣) عمدة القاري: ٢٣٠/١٦

کی والدہ کا نام ہالہ بنت خویلد ہے جو ام المؤمنین حضرت خدیجہ کی بہن ہے۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں:
امام بخاری نے مذکورہ ترجمہ قائم کر کے عبداللہ بن أبي أوفی کی ایک مرفوع روایت کی طرف اشارہ کیا۔ یہ حاکم کی روایت ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں:

"سألت ربي أن لا أتزوج أحداً من أمتي ولا أتزوج إليه الا كان معي في الجنة فأعطاني"(١).

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، میں نے اپنے رب سے یہ مانگا ہے کہ میں اپنی امت میں جس سے شادی کروں یا اس کو رشتہ دوں وہ جنت میں میرے ساتھ ہو پس میرے رب نے یہ مجھے عطاء کیا۔

رسول اللہ کے سارے داماد مسلمان تھے

مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے أصہار سب مسلمان ہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی دعاء فرمائی اور وہ قبول بھی ہوئی اور آپ کے أصہار میں سے ابو العاص بن الربیع بھی ہیں، سو وہ بھی جنتی ہوئے۔ اب یہ کہ ابو العاص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے أصہار میں کیوں کر شمار کیا گیا، اس میں ایک قول نووی کا ہے اور ایک ابن حجر رحمہ اللہ کا۔

نووی فرماتے ہیں: "صہر" کا اطلاق أقارب الزوجین پر ہوتا ہے اور مصاہَرت مقارَبت بین المتباعدین کو کہا جاتا ہے۔ اسی پر امام بخاری رحمہ اللہ کا بھی عمل ہے کیونکہ ابو العاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے تو رشتہ دار نہیں تھے مگر صرف اس حد تک کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے تھے، ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے ذکر کر کے اس پر رد فرمایا اور کہا کہ ابو العاص کا یہاں ذکر اور "اصہار" میں ان کا شمار اس بناء پر نہیں ہے کہ وہ حضرت خدیجہ کی بہن کے بیٹے تھے بلکہ اس بناء پر ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کے شوہر تھے (٢)۔

لہٰذا یہاں ان کے ذکر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ داماد پر بھی "صہر" کا اطلاق ہوتا ہے۔

---

(١) المستدرك على الصحيحين للحاكم، ذكر اسلام امير المؤمنين علي، رقم: ٢٦٦٧

(٢) فتح الباري: ١٠٨/٩

زینب اورابوالعاص کی شادی اوران کے بچے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کے ان سے نکاح کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت زینب جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی تھی، ابوالعاص کی بعثت نبوی سے قبل اُن سے شادی ہوئی، پھر بدر کے موقع پر ابوالعاص بھی دوسرے مشرکین کے ہمراہ مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوا اور حضرت زینب نے اُن کو چھڑا دیا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس شرط پر آزادی دی کہ وہ حضرت زینب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں بھیجیں گے، انہوں نے اس شرط کو منظور کیا اور پورا بھی کیا، چنانچہ یہی معنی ہے حدیث باب میں "ووعدني فوفي لي" کے ارشاد نبوی کا۔

پھر دوسری مرتبہ ابوالعاص گرفتار ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی نے انہیں چھڑوایا اور وہ مسلمان ہو گئے تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب ان کو لوٹا دی اور پھر آپ رضی اللہ عنہا کے بطن سے اُمامہ پیدا ہوئی جس کے بارے میں احادیث میں مذکور ہے کہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے دوران اٹھایا کرتے تھے (۱)۔ اسی طرح ایک بچے کو بھی انہوں نے جنم دیا اس کا نام علی تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں وہ مراہق تھا، پھر کہا جاتا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ہی فوت ہوا اور ابوالعاص بن الربیع ۱۲ ہجری کو فوت ہوئے۔

"منهم ابو العاص" کہنے کی حکمت

امام بخاری رحمہ اللہ نے "منهم ابو العاص" کہہ کر ان لوگوں پر تنقید کی ہے، جنہوں نے عثمان رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ کی طرح ان (ابوالعاص) کو دامادِ رسول ماننے سے انکار کیا ہے یا ان کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامادوں میں نہیں کیا ہے، حالانکہ وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامادوں میں سے ہیں اور مسلمان بھی ہوئے تھے ان تین حضرات کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں کسی کے نکاح میں نہیں آئیں سوائے ابولہب کے بیٹے کے جس کا نکاح حضرت رقیہ سے ہوا تھا مگر صحبت سے قبل ہی اس کے والد نے اسے چھوڑنے کے لئے کہا اور انہوں نے چھوڑ بھی دی، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے شادی کی

---

(۱) الموطأ باب جامع الصلاة، رقم: ٤١٠، وصحيح البخاري، باب إذا حمل جارية صغيرة: ٥١٦

جب کہ ام کلثوم سے بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہی کی شادی ہوئی تھی، تیسری بیٹی زینب کی ابوالعاص سے شادی ہوئی جب کہ چوتھی بیٹی فاطمۃ الزہراء کی حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے۔

یہاں اس باب کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ نے صرف ان ہی حضرات کا ذکر کیا ہے، جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹیوں کے رشتے کرائے اور جہاں تک ان کا تعلق ہے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شادیاں ہوئیں، یعنی آپ کے سسرال والے، تو ان کا ذکر یہاں مقصود نہیں ہے(۱)۔

٣٥٢٣ : حدّثنا أَبو اليمانِ : أَخبرَنا شُعَيْبٌ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قالَ : حَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ حُسَيْنٍ : أَنَّ الْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ قالَ : إِنَّ عَلِيًّا خَطَبَ بِنْتَ أَبِي جَهْلٍ ، فَسَمِعَتْ بِذٰلِكَ فاطِمَةُ ، فَأَتَتْ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقالَتْ : يَزْعُمُ قَوْمُكَ أَنَّكَ لَا تَغْضَبُ لِبَنَاتِكَ ، وَهٰذَا عَلِيٌّ نَاكِحٌ بِنْتَ أَبِي جَهْلٍ . فَقَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ ، فَسَمِعْتُهُ حِينَ تَشَهَّدَ يَقُولُ : (أَمَّا بَعْدُ ، أَنْكَحْتُ أَبَا الْعَاصِ بْنَ الرَّبِيعِ ، فَحَدَّثَنِي وَصَدَقَنِي ، وَإِنَّ فاطِمَةَ بَضْعَةٌ مِنِّي ، وَإِنِّي أَكْرَهُ أَنْ يَسُوءَهَا ، وَاللهِ لَا تَجْتَمِعُ بِنْتُ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَبِنْتُ عَدُوِّ اللهِ عِنْدَ رَجُلٍ وَاحِدٍ) . فَتَرَكَ عَلِيٌّ الْخِطْبَةَ .

وَزَادَ مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ حَلْحَلَةَ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ ، عَنْ مِسْوَرٍ : سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَذَكَرَ صِهْرًا لَهُ مِنْ بَنِي عَبْدِ شَمْسٍ ، فَأَثْنَى عَلَيْهِ فِي مُصَاهَرَتِهِ إِيَّاهُ فَأَحْسَنَ ، قالَ : (حَدَّثَنِي فَصَدَقَنِي ، وَوَعَدَنِي فَوَفَى لِي) . [ر : ٨٨٤]

تراجم رجال

أَبُو الْيَمَانِ

یہ ابوالیمان الحکم بن نافع بہرانی حمصی ہیں۔ ان کے احوال كتاب بدء الوحي، الحديث السادس کے تحت گزر چکے ہیں(۲)۔

---

(۱) فتح الباري: ۱۰۸/۹

(۳۵۲۳) الحديث سبق تخريجه في كتاب الجمعة، باب من قال في الخطبة، "اما بعد"، رقم: ۹۲۶

(۲) كشف الباري: ۴۷۹/۱

شُعَيْبٌ

یہ شعیب ابوالبشر ابن ابی حمزۃ القرشی الاموی ہیں۔ان کے حالات کتاب بدء الوحي، الحديث السادس کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

الزُّهرِيُّ

یہ ابن شہاب الزہری ہیں، ان کے احوال کتاب بدء الوحي، الحديث الثالث کے تحت گزر چکے ہیں(۲)۔

عَلِيُّ بْنُ حُسَيْنٍ

یہ علی بن الحسین بن علی زین العابدین ہیں۔ان کے احوال کتاب الجمعة، باب "من قال في الخطبة بعد الثناء ...... أما بعد" کے تحت گزر چکے ہیں(۳)۔

الْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ

صحابی رسول ہیں، ان کے احوال کتاب الوضوء، باب "استعمال فَضل وضوء الناس" کے تحت گزر چکے ہیں(۴)۔

حضرت علی فاطمہ پر بنت ابی جہل سے شادی کیوں کررہے تھے

إِنَّ عَلِيًّا خَطَبَ بِنْتَ أَبِي جَهْلٍ ...... حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے شاید عموم جواز کی بناء پر ابوجہل کی بیٹی کو پیغامِ نکاح دیا تھا جب کہ یہاں معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہر ہے جداگانہ حقوق، امتیازی مقام اور امتیازی خصوصیات ہیں۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر خطبہ ارشاد فرمایا اور اس خطبہ مبارکہ میں اس کا اظہار فرمایا، ان میں

---

(۱) كشف الباري: ۱/ ٤٨٠

(۲) كشف الباري: ۱/ ۳۲٦

(۳) دیکھئے، حدیث: ۹۲۹

(٤) صحيح البخاري، كتاب الوضوء، حديث: ۱۸۹

ایک بات تو یہ فرمائی کہ اللہ کے نبی اور اللہ کے دشمن کی بیٹیاں ایک ساتھ اور ایک آدمی کے نکاح میں جمع نہیں ہوسکتیں۔ اس لئے اگر علی، بنت عدو اللہ یعنی بنت ابی جہل سے نکاح پر مُصر ہے جو فی نفسہ جائز ہے تو بنت رسول اللہ کو چھوڑ دے۔

دوسری بات یہ فرمائی کہ فاطمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جگر گوشہ ہے اور اسے سوکن سے تکلیف ہوگی اور ان کی تکلیف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اذیت ہوگی، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں انتہائی مضر ہے۔ اور چونکہ یہاں معاملہ رسول اللہ کی صاحبزادی کا تھا، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرما کر سب کو بتادیا کہ رسول اللہ کی صاحبزادیوں کا معاملہ علی سبیل الایجاب یا علی سبیل الأولویۃ یہ ہے کہ ان پر کوئی اور عورت نہ بیاہی جائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پہلے اس کا علم یا اس کی حساسیت کا اندازہ نہ تھا اور جب معلوم ہوا تو انہوں نے اس کو (دوسری شادی کے ارادہ کو) چھوڑ دیا۔

حدیث کو موضوع قرار دینے کی تردید

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں شریف مرتضی نے اس نکتے سے عدم واقفیت کی وجہ سے کہا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے اور علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا اور موضوع ہونے کی وجہ یہ بتائی کہ اسے مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے جو علی رضی اللہ عنہ کے مخالفین میں سے تھے۔ اور یا پھر یہ واقعہ ابن الزبیر کی روایت سے منقول ہے اور وہ تو مسور سے بھی زیادہ مخالف تھے، حضرت علی کے۔

مرتضی کی یہ بات اس لئے درست نہیں ہے کہ اصحابِ صحاح نے اس حدیث کی تخریج پر اتفاق کیا ہے(۱)۔

هَذَا عَلِيٌّ نَاكِحٌ......

طبرانی کی راویت ہے، ابوالیمان ہی سے، جس میں "هذا علي ناكحاً" بالنصب آیا ہے(۲)۔

اسی طرح مسلم کی روایت میں بھی ناکحاً منصوب آیا ہے(۳)۔

---

(۱) فتح الباري: ۱۰۸/۹

(۲) المعجم الكبير: ۴۰۵/۱۴، (۱٦٤٤٩)

(۳) صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب من فضائل فاطمة بنت الرسول، رقم: ٦٣١٠

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو "ناکح" کہا گیا ہے حالانکہ انہوں نے نکاح کیا نہیں تھا، مگر چونکہ نکاح کا قصد کیا تھا، اس لئے مایؤول کے اعتبار سے ان پر ناکح کا اطلاق کیا گیا(۱)۔

بنت ابی جہل کا نام

ابوجہل کی مذکورہ بیٹی کا نام کیا تھا، اس میں شارحین حدیث کے متعدد اقوال ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ اس کا نام جویریہ تھا، یہ قول حاکم نے "الاکلیل" میں ذکر کیا ہے اور اسے ہی زیادہ شہرت حاصل ہے۔ بعض حضرات نے "عوراء" نام نقل کیا ہے، بعض نے "حنفا" یا "حیفاء" بعض نے "جرہمہ" اور بعض نے "جمیلہ" ذکر کیا ہے۔ ان سے نکاح کرنے والے میں بھی ایک قول تو یہ ہے کہ بعد میں ان سے عتاب بن اسید نے نکاح کیا اور ایک قول یہ ہے کہ ابوجہل کے جس بیٹی کا صفیہ نام ذکر ہوا ہے اور اس سے سہل بن عمرو نے نکاح کیا تھا، ابن السکت وغیرہ کہتے ہیں وہ یہی عورت ہے(۲)۔

تو گویا ابوجہل کی یہی وہ بیٹی ہے جن سے علی نکاح چاہتے تھے اور پھر بعد میں ان سے نکاح کرنے والے یا تو عتاب بن اسید ہیں اور یا سہل بن عمرو۔

حَدَّثَنِي فَصَدَقَنِي

اس جملے کا مطلب بیان کرتے ہوئے ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شاید ابوالعاص نے ازخود یہ پابندی خود پر عائد کی تھی کہ وہ حضرت زینب بنت الرسول پر کسی اور کو نہیں بیاہے گا۔ اور اسی طرح علی رضی اللہ عنہ نے بھی ازخود اس شرط پر فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تھا مگر پھر وہ اسے بھول گئے تھے، اس لئے ابوجہل کی بیٹی سے شادی کی خواہش ظاہر کی تھی اور یا شرط تو نہیں لگائی مگر ویسے ہی انہیں اس کی رعایت رکھنا چاہیے تھی اور جب رعایت نہیں رکھی تو زیرِ عتاب آئے(۳)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلاف عادت علی رضی اللہ عنہ کو اتنا سخت کیوں ڈانٹا؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں جہاں اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا بڑا مقام تھا،

(۱) فتح الباري: ۱۰۸/۹

(۲) فتح الباري: ۱۰۸/۹

(۳) فتح الباري: ۱۰۸/۹

علی رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ہاں کوئی کم اہم نہ تھے اور ویسے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان بزرگوار معروف ومسلَّم ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس سختی سے کیوں ڈانٹا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت بھی نام لے کر اور مخاطب کر کے ڈانٹنے کی نہ تھی......؟

شارحین فرماتے ہیں اصل میں اس وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی کیفیت ایسی تھی کہ ان کی والدہ اور بہنیں سب فوت ہو گئیں تھیں کیونکہ یہ فتح مکہ کے بعد کا واقعہ ہے، اس وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بڑی حساس ہو گئیں تھیں اور اگر ایسے میں ان پر دوسری سوکن لائی جاتی تو اس سے انہیں حد درجہ اذیت پہنچتی، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تکریم اور دلجوئی کے لئے یہ انداز اختیار فرمایا (۱)۔

جب کہ محبّ طبری کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے "ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نهاكم عنه فانتهوا" کے بموجب حیاتِ فاطمہ میں کسی اور سے نکاح جائز نہ تھا، اور ایک قول یہ ہے کہ بنات النبی پر دوسری شادی حرام ہے (۲) اور جب اس کے باوجود علی نکاح ثانی کر رہے تھے تو رسول اللہ لامحالہ انہیں ڈانٹتے۔

وَزَادَ مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ حَلْحَلَةَ

محمد بن عمرو بن حلحلہ الدیلی کے احوال كتاب الاذان، باب "سنة الجلوس في التشهد" حديث رقم: (۸۲۸) کے تحت گزر چکے ہیں۔

یہ حدیث موصولاً کتاب فرض الخمس کے اوائل میں گزر چکی ہے (۳)۔

بنو عبد شمس سے مراد ابو العاص ہیں جیسا کہ ابھی ان کا سلسلہ نسب بیان ہوا ہے وہ شمس بن عبد مناف سے تعلق رکھتے ہیں۔

"فرض الخمس" کی مذکورہ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دوسری شادی سے منع فرمایا تھا، وہ محض ان پر شفقت اور ان کے دین کی حفاظت کی

---

(۱) فتح الباري: ۱۰۸/۹

(۲) إرشاد الساري: ۲۱۹/۸

(۳) كتاب فرض الخمس، رقم: ۳۱۱۰، باب باب ما ذكر من درع النبي وعصاه وسيفه......

خاطر تھا(۱)۔

قسطلانی رحمہ اللہ کہتے ہیں "وعدنی" سے وہ وعدہ مراد ہے جو ابوالعاص نے زینب کو بھیجنے کے حوالے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا(۲)۔

١٧ - باب : مَنَاقِبُ زَيْدِ بْنِ حارِثَةَ ، مَوْلَى النَّبِيِّ ﷺ .

وَقالَ الْبَرَاءُ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ : (أَنْتَ أَخُونَا وَمَوْلَانَا) . [ر : ٢٥٥٢]

زید بن حارثہ کا نسب اور رسول اللہ کے پاس آنے کا قصہ

زید بن حارثہ بن شرحبیل بن کعب بن عبدالعزی الکلبی کا تعلق قبیلہ بنی کلب سے ہے، عہد جاہلیت میں اسیر ہو کر غلام بنائے گئے تھے، پھر حکیم بن الحزام نے انہیں اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لئے خریدا اور حضرت خدیجہ سے بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگا تو انہوں نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دیا(۳)۔

جب کہ ایک قول یہ ہے کہ زید کی والدہ انہیں ساتھ لے کر رشتہ داروں سے ملنے نکلی تھی کہ کچھ ڈکیتوں نے انہیں ان سے سے اغوا کیا اور آ کر عکاظ کے بازار میں اس کی بولی لگائی تو حکیم بن حزام نے ان کو چار سو درہم کے عوض خریدا جب کہ ان (زید) کی عمر اس وقت آٹھ برس تھی(۴)۔

پھر ان کے گھر والوں کو پتہ چلا وہ دیکھنے کے لئے مکہ مکرمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور یہاں جب اپنے بچے کو پالیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گزارش کی کہ فدیہ لے کر انہیں ان کے حوالے کر دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو والد اور چچا کے ساتھ جانے یا رسول اللہ کے پاس رہنے کا اختیار دیا، زید نے حیرت انگیز طور پر والد کے ہمراہ جانے سے انکار کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہنے کو

---

(١) دیکھئے، کتاب فرض الخمس، رقم: ٣١١٠

(٢) إرشاد الساري: ٢١٩/٨

(٣) فتح الباري: ١٠٩/٩

(٤) عمدة القاري: ٢٣١/١٦، شرح الكرماني: ١٢/١٥

ترجیح دی۔ ابن مندہ نے "معرفة الصحابة" میں روایت ذکر کی ہے آل بیت زید بن حارثہ کے حوالے سے، کہ حارثہ (زید کے والد) نے بھی اسی دن اسلام قبول کیا (۱)۔

جب کہ ترمذی رحمہ اللہ نے جبلة بن حارثہ کے طریق سے نقل کیا ہے کہ جبلہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

"یا رسول الله! ابعث معي أخي زیدا" اللہ کے رسول! میرا بھائی زید میرے ساتھ بھیج دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "هوذا" فإن انطلق معك لم أمنعه. وہ یہ رہے! اگر تیرے ساتھ جانا چاہتا ہے تو میں اسے منع نہیں کروں گا، اس پر زید نے کہا، "یا رسول الله! والله لا أختار علیك أحداً" اللہ کے رسول! آپ پر میں کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا۔

جبلہ کہتے ہیں: "فرأیت رأيَ أخي أفضل من رأيي" (۲).

میں نے اپنے بھائی کی رائے کو اپنی رائے سے بہتر سمجھا۔

أَنْتَ أَخُونَا وَمَوْلَانَا ......

یہ روایت کتاب المغازی، باب عمرة القضاء میں موصولاً مذکور ہے (۳)۔

٣٥٢٤ : حدّثنا خالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ : حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ قالَ : حَدَّثَنِي عَبْدُ ٱللهِ بْنُ دِينَارٍ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا قالَ : بَعَثَ النَّبِيُّ ﷺ بَعْثًا ، وَأَمَّرَ عَلَيْهِمْ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ ، فَطَعَنَ بَعْضُ النَّاسِ فِي إِمَارَتِهِ ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (إِنْ تَطْعُنُوا فِي إِمَارَتِهِ ، فَقَدْ كُنْتُمْ تَطْعُنُونَ فِي إِمارَةِ أَبِيهِ مِنْ قَبْلُ ، وَأَيْمُ ٱللهِ إِنْ كانَ لَخَلِيقًا لِلْإِمارَةِ ، وَإِنْ كانَ لَمِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ ، وَإِنَّ هٰذَا لَمِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ بَعْدَهُ) . [٤٠٠٤ ، ٤١٩٨ ، ٤١٩٩ ، ٦٢٥٢ ، ٦٧٦٤]

---

(۱) فتح الباري: ٩/١٩١

(۲) حديث: ٤٢٥١

(۳) جامع الترمذي، كتاب المناقب، باب مناقب زيد بن حارثه، رقم: ٣٨١٥

(٣٥٢٤) الحديث أخرجه البخاري ايضاً في صحيحه في كتاب المغازي، باب غزوة زيد بن حارثه، رقم: ٤٢٥٠، وفي باب بعث النبي اسامة بن زيد رضى الله عنه في مرضه الذي توفي فيه، رقم: ٤٤٦٨، ٤٤٦٩، =

تراجم رجال

خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ

یہ خالد بن مخلد ابوالہیثم البجلی القطوانی ہے، ان کے احوال کتاب العلم، باب "طرح الإمام المسألة على أصحابه ليختبر ما عندهم من العلم" کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

سُلَيْمَانُ

یہ سلیمان بن بلال قرشی تیمی ہیں۔ ان کے احوال اسی کتاب العلم، باب "طرح الإمام المسألة على أصحابه" کے تحت گزر چکے ہیں(۲)۔

عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دِينَارٍ

یہ عبداللہ بن دینار قرشی عدوی مدنی ہیں۔ ان کے احوال کتاب العلم، باب "قول المحدث حدثنا أو أخبرنا وأنبأنا" کے تحت گزر چکے ہیں(۳)۔

عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ

صحابی بن صحابی رسول ہیں، ان کے احوال کتاب الإیمان، باب "الإيمان وقول النبي صلى الله عليه وسلم بني الإسلام على خمس" کے تحت گزر چکے ہیں(۴)۔

= وفي باب الأيمان والنذور، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم "وأيم الله" رقم: ٦٦٢٧، وكتاب الأحكام، باب من لم يكترث بطعن مَن لا يعلم في الامراء حديثاً، رقم: ٧١٨٧، وأخرجه مسلم في صحيحه في كتاب الفضائل، باب من فضائل زيد بن حارثة، رقم: ٦٢٦٤، و٦٢٦٥، والترمذي في جامعه، كتاب المناقب، باب مناقب زيد بن حارثة، رقم: ٣٨١٦، والنسائي في السنن الكبرى، باب مناقب زيد بن حارثه، رقم: ٤٧٠١، ٨١٥٢، ٨١٨١

(١) كشف الباري: ١٣٥/٣

(٢) كشف الباري: ١٣٧/٣

(٣) كشف الباري: ١٢٥/٣

(٤) كشف الباري: ٦٣٧/١

جیشِ اسامہ کی کچھ تفصیل

بعث النبي بعثاً سے مراد اسامہ بن زید کی وہ لشکر ہے جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الوفات میں ہفتے کے روز حکم دیا تھا یا جمعرات کو۔

ابن اسحاق نے اپنی سیرت میں اس کو تفصیل سے ذکر کیا ہے اور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ منقول ہیں:

"اغز في سبيل الله وسر إلى موضع مقتل أبيك فقد وليتك هذا الجيش"(۱).

اسامہ بن زید کو اس جیش کے امیر بنائے جانے پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مغازی میں ذکر کیا ہے کہ اعتراض کرنے والے کا نام عیاش بن ابی ربیعہ ہے اور جب اس نے اعتراض کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے مسترد کیا اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلا دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرض الوفات کی شدت میں تھے مگر اس لشکر کی حد درجہ اہمیت کی بناء پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "انفذوا بعث اسامة" اسامہ کے لشکر کو روانہ کردو۔

اور پھر آپ کے وصال کے بعد آپ کے جانشین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے تمام تر ناہمواریوں کے باوجود سب سے پہلا کام یہی کیا کہ جیشِ اسامہ کو روانہ کیا(۲)۔

حضرت زید بن حارثہ کی امارت پر اعتراض

"ان تطعنوا في إمارته فقد كنتم تطعنون في إمارة أبيه......" کہہ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ اور ان کے والد دونوں کی اہمیت بیان فرمائی اور یہ بھی کہ دونوں کی امارت پر لوگوں نے اعتراض کیا مگر وہ اعتراض بے جا تھا۔

حضرت زید بن حارثہ کی جس امارت کی طرف یہاں اشارہ ہے (جس پر لوگوں نے اعتراض کیا تھا)

---

(۱) فتح الباري: ۱۹۱/۸

(۲) فتح الباري: ۱۹۱/۸

اس سے غزوہ موتہ میں ان کی امارت مراد ہے(۱)۔

مولی اور مفضول کی امارت کا جواز

حضرت زید بن حارثہ اور ان کے بیٹے اسامہ (رضی اللہ عنہما) کی امارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ موالی کو اور مفضول کو احرار اور اُفضل کی موجودگی میں امیر بنانا جائز ہے؛ کیونکہ روایات میں آیا ہے کہ جیش اسامہ میں حضرت ابوبکر، عمر اور دیگر اکابر صحابہ بھی شریک تھے جو ظاہر ہے ماٴمورین تھے(۲)۔

اور کرمانی کہتے ہیں صغیر کو کبیر پر بھی کسی مصلحت کے لئے امیر بنانا اس حدیث کی رو سے جائز ہے(۳)۔

زید بن حارثہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مولی اور متبنّٰی تھے، ان کی شادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پرورش کرنے والی آیا امّ ایمن رضی اللہ عنہا سے فرمائی تھی اور ان ہی سے آپ کے بیٹے اسامہ کی ولادت ہوئی یہ (زید) وہ واحد صحابی ہیں، جن کا قرآن میں نام کے ساتھ تذکرہ موجود ہے(۴)۔

ان کی شہادت غزوہ موتہ میں ہوئی، جب کہ اسامہ کا ۵۴ ہجری کو ''وادی القریٰ'' مدینہ منورہ میں انتقال ہوا(۵)۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت واضح ہے۔

زید اور اسامہ کی امارت پر اعتراض کی وجہ اور ان کی امارت میں حکمت

لفظ طعن کے متعلق کرمانی کہتے ہیں:

''يقال طعَن بالرُّمح واليد يطعن بالضم وطعَن في العرض والنسب يطعن بالفتح، وقيل هما لغتان فيهما''(٦).

---

(١) فتح الباري: ١٩٠/٨

(٢) فتح الباري: ١١٠/٩

(٣) شرح الكرماني: ١٢/١٥

(٤) عمدة القاري: ٢٣١/١٦

(٥) فتح الباري: ١٠٩/٩

(٦) شرح الكرماني: ١٢/١٥

یعنی طعن بضم العین فی المضارع کا معنی ہے نیزے یا ہاتھ سے مارنا۔ اور طعن بفتح العین فی المضارع کا معنی ہے کسی کے نسب یا عزت کو نشانہ بنانا، جب کہ ایک قول یہ ہے کہ طعن بالفتح اور بالضم دونوں کا معنی نیزے سے مارنا بھی ہے اور نسب کو نشانہ بنانا بھی۔

یہاں ظاہر ہے معنی ثانی مراد ہے؛ کیونکہ لوگوں نے حضرت زید کی شخصیت اور خاندانی حیثیت کو ہدفِ تنقید بنایا نہ کہ ہدفِ سیف وسنان۔

اب رہی یہ بات کہ ایسا کیوں ہوا کہ زید پر بھی اعتراض ہوا اور ان کے بیٹے پر بھی جب کہ رسول اللہ کی نظر میں وہ ہی، اس کے مستحق تھے۔

تورپشتی کی فاضلانہ گفتگو

اس پر شارحِ مصابیح حسن تورپشتی نے بڑی فاضلانہ گفتگو فرمائی ہے۔ کہتے ہیں:

"إنما طعَن من طعَن في إمارتهما؛ لأنهما كانا من الموالي، وكانت العرب لا ترى تأمير الموالي وتستنكف من اتباعهم كل الاستنكاف، فلما جاء الله بالإسلام ورفع قدر مَن لم يكن له عندهم قدرٌ بالسابقة والهجرة والعلم والتقى؛ عرف حقهم المحفوظون من أهل الدين وأما المرتهنون بالعادة والممتحنون بحب الرئاسة من الأعراب ورؤساء القبائل فلم يزل يختلج في صدورهم شيء من ذلك لا سيما أهل النفاق فإنهم كانوا يسارعون إلى الطعن وشدة النكير عليه وكان رسول الله قد بعث زيدَ بن حارثة رضي الله عنه أميرا على عدة سرايا وأعظمها جيش موتة وسارتحت رايتِه في تلكِ الغزوة نُجباء الصحابة، منهم جعفر بن أبي طالب، وكان خليقا بذالك لسوابقه وفضله وقربه مِن رسول الله صلى الله عليه وسلم- ثم كان يبعث أسامة وقد امَّره في مرضه على جيش فيهم جماعة من مشيخة الصحابة وفضلائهم وكانه رأى في ذلك -سوى ما توسَّم فيه من النجابة- أن يمهِّد الامر ويوطِّئه لِمَن يلي الأمر بعده؛ لئلا ينزع أحديدا من الطاعة وليعلم كل منهم أن العادات

الجاهلية قد عميت مسالكها وخفيت معالمها"(۱).

زید اور اسامہ کی امارت پر طعن کرنے والوں نے اس لئے طعن کیا کہ وہ دونوں "موالی" میں سے تھے اور عرب موالی (آزاد کردہ غلام، اور بالفعل غلام) کو امیر بنائے جانے کے قائل نہ تھے اور ایسوں کی اتباع میں بڑا عار محسوس کرتے تھے۔ پھر جب اللہ تعالی اسلام کو لے آئے اور جو اُن کے ہاں بے قدر تھے، ان کی قدر بڑھا دی قبول اسلام میں سبقت ہجرت، علم اور تقوی کی وجہ سے، تو معتبر اور مقبول اہل دین نے ان کے حقوق پہچان لئے اور جو عادات کے اسیر اور سیادت وریاست کے دلدادہ اور اس کی محبت میں مبتلا گنوار اور قبائل کے سردار تھے تو ان کے دلوں میں اس حوالے سے برابر ایک کھٹکا باقی رہا، خصوصاً اہل نفاق کہ وہ اس پر طعن وتشنیع اور سخت نکیر میں بڑی سرعت کا مظاہرہ کرتے تھے۔

اور زید بن حارثہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی غزوات میں امیر بنایا جن میں سب سے بڑا غزوہ موتہ ہے، ان غزوات میں زید کے پرچم تلے بڑے بڑے نجابت مآب صحابہ نے حصہ لیا، جیسے جعفر طیار اور دیگر صحابہ۔ اور حضرت زید جو امیر بنائے گئے، تو وہ اپنے فضائل وامتیازات اور رسول اللہ سے قربت کی بناء پر اس کے مستحق بھی تھے، ان کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسامہ کو بھیجتے تھے چنانچہ اپنے مرض الوفات میں آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے انہیں ایک ایسی لشکر کا امیر بنایا جس میں کئی اکابر صحابہ بھی تھے اور اس کی ایک وجہ حضرت اسامہ میں آثار نجابت دیکھنے کے علاوہ یہ بھی تھی کہ اپنے بعد ولي الأمر بننے والے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک طرح سے راہ ہموار فرما رہے تھے کیونکہ ان (بعد میں آنے والوں) کی اطاعت سے کوئی بھی ہاتھ کھینچ سکتا تھا، تو آپ کے اس عمل سے مقصود یہ تھا کہ سب لوگ جان لیں کہ عادات ورسوماتِ جاہلیت والا مزاج ختم ہو گیا اور اس کے آثار ونشانات مٹ گئے ہیں۔

---

(۱) كتاب الميسّر: ۱۳۳۵/۴

إِنْ تَطْعُنُوا فِي إِمَارَتِهِ

طیبی فرماتے ہیں، یہاں جزاء کا شرط پر ترتب بتاویل تنبیہ اور توبیخ کے ہے اور تقدیر یوں ہے:

"طعنكم الأن فيه سبب لأن أخبرَكم أن ذلك من عادة الجاهلية وهجيراهم ومن ذلك طعنكم في أبيه".

اور یہ بالکل ایسا ہی ہوگا جیسا کہ اللہ کا ارشاد ﴿إن يسرق فقد سرق أخٌ له من قبل﴾(۱) ہے(۲)۔

إِنْ كَانَ لَمِنْ أَحَبِّ النَّاسِ

اصلِ ابن مالک میں "لمن أحب" کا لام ساقط ہوا ہے اور اس سقوطِ لام کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ إن مخففه متروكة العمل ہے اس کا مابعد ضرورت نہ ہونے کی بناء پر لامِ فارقة بين أن المخففه وأن النافية سے خالی ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ "إن" جب مثقّلہ (مشددہ) سے مخفّفہ ہوتا ہے تو لفظاً وہ إن نافیہ جیسا ہو جاتا ہے اور پھر جب یہ "ان" مخففہ عمل نہیں کرتا تو إن للاثبات اور ان نافیہ میں التباس کا اندیشہ ہوتا ہے اس لئے اہل فن نے اس کے بعد لامِ تاکید لانے کا التزام کیا ہے تاکہ اس سے إن للاثبات اور إن نافیہ میں تمیز ہو، لیکن ظاہر ہے یہ اس وقت ہوگا جب کلمۂ ان میں دونوں احتمالات ہوں اور دونوں میں سے ہر ایک معنی پر حمل کرنا ممکن ہو، جیسے "إن علمتك لفاضلاً" یہاں لام لازم ہے کیونکہ اگر إن متروک العمل ہے اور اس مقام میں نفی کا احتمال موجود ہے تو جب تک لام نہیں ہوگا اثبات کا معنی متیقن نہیں ہوگا اور جہاں نفی کی صلاحیت نہ ہو وہاں لام لانا اور خلاف کرنا دونوں جائز ہوگا اور اس حذفِ لام کی مثال ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول "إن كان رسول الله يبعثُنا ومالنا طعامٌ إلا السلف من التمر"(۳).

۳۵۲۵ : حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ : حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ ، عَنْ عُرْوَةَ ،

---

(۱) سورة يوسف: ۷۷

(۲) شرح الطيبي: ۱۱/۲۹۶

(۳) شرح الطيبي: ۱۱/۲۹۶، إرشاد الساري: ۸/۲۲۱

(۳۵۲۵) سبق تخريجه في كتاب المناقب، باب صفة النبي، رقم: ۳۵۵۵

عَنْ عائِشَةَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهَا قَالَتْ : دَخَلَ عَلَيَّ قائِفٌ ، وَالنَّبِيُّ ﷺ شَاهِدٌ ، وَأُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ وَزَيْدُ بْنُ حارِثَةَ مُضْطَجِعَانِ ، فَقَالَ : إِنَّ هٰذِهِ الْأَقْدَامَ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ . قالَ : فَسُرَّ بِذٰلِكَ النَّبِيُّ ﷺ وَأَعْجَبَهُ ، فَأَخْبَرَ بِهِ عائِشَةَ . [ر : ٣٣٦٢]

تراجم رجال

يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ

یہ یحییٰ بن قزعۃ المکی القرشی الموذن ہیں۔ان کے احوال کتاب الأذان، باب "صلا النساء خلف الرجال" کے تحت گزر چکے ہیں۔

إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ

یہ ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن ہیں۔ان کے احوال کتاب العلم، باب "ما ذكر في ذهاب موسى في البحرالی الخضر" کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

الزُّهْرِيُّ

محمد بن مسلم بن شہاب الزہری مراد ہیں،ان کے احوال کتاب بدء الوحي، الحديث الثالث کے تحت گزر چکے ہیں(۲)۔

عُرْوَةَ

عروۃ بن الزبیر بن العوام مراد ہیں۔احوال کتاب الإیمان، باب "حُسن إسلام المرء" کے تحت گزر چکے ہیں(۳)۔

دَخَلَ عَلَيَّ قَائِفٌ

قائف قیافہ شناس کو کہا جاتا ہے،شارحین کہتے ہیں:

---

(۱) كشف الباري: ٣٤٣/٣

(۲) كشف الباري: ٣٢٦/١

(۳) كشف الباري: ٤٣٦/٢

"الذي يلحق الفروع بالأصول بالشّبه والعلامات" جوفروع کواصول سے ملاتا ہے، مشابہت اور علامات دیکھ کر(۱)۔

قائف کون تھا؟

یہاں قائف سے مراد عہد نبوی کا مشہور قیافہ شناس مجزز بن الاعور بن جعدة بن معاذ بن عتوارة بن عمر بن مدلج الکنانی المدلجی ہے، مجزز کے متعلق بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ بفتح الزاء الاولی ہے مگر راجح یہ ہے کہ یہ بکسر الزاء اسم فاعل کا صیغہ ہے اور حافظ ابن حجر نے مصعب الزبیری اور واقدی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ان کو مجزز اس لئے کہا جاتا تھا کہ:

"كان إذا أخذ اسيراً في الجاهلية جز ناصيته وأطلقه" زمانہ جاہلیت میں جب وہ کسی قیدی کو پکڑتا تو اس کے پیشانی کے بال کاٹ دیتا تھا اور پھر اسے چھوڑ دیتا تھا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اصلی نام مجزز نہیں کوئی اور تھا۔ مجزز اس کی صفت ہے۔ یہ قیافہ کا ماہر تھا اور عرب ان (بنی مدلج) کی اور بنی اسد کی قیافہ شناسی کے قائل ومعترف تھے لیکن یہ قیافہ شناسی ان کے ساتھ صحیح قول کے مطابق خاص نہیں ہے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق سعید بن المسیب سے یہ منقول ہے کہ وہ قیافہ شناس تھے حالانکہ نہ وہ مدلجی تھے اور نہ اُسدی (۲)۔

قیافہ کی حیثیت اور مذکورہ واقعے پر رسول اللہ کی مسرت کی وجہ

قیافہ کی شریعت اسلامیہ میں کوئی ایسی فیصلہ کن حیثیت اور معتبر دلیل جیسی حیثیت نہیں ہے مگر دراصل یہاں حضرت اسامہ بن زید (رضی اللہ عنہما) کے نسب پر لوگ طرح طرح کے تبصرے کرتے تھے اور انہیں زید کا بیٹا ماننے کے لئے تیار نہ تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ زید نہایت گورے چٹے تھے اور اسامہ انتہائی سیاہ رنگت والے تھے۔ عبدالرزاق علامہ ابن سیرین کے طریق سے نقل کرتے ہیں کہ دراصل اسامہ کی والدہ اُمِّ ایمن جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دایہ تھیں، وہ سیاہ رنگ والی تھی بلکہ ابن شہاب سے مروی ہے کہ وہ حبشیہ تھی جو فیل کے زمانے میں

---

(۱) بلفظ ...... الذى يعرف الشبه ويميز الاثر سمي بذلك لانه يقفو الاشياء اي يتبعها فكأنه مقلوب من القا في قال الاصمعي هو الذي يقفوا الأثر ويقتافه قفوا. فتح الباري: ١٥/ ٦٦

(۲) فتح الباري: ١٥/ ٦٦

قیدی بنا کر کنیز بنادی گئی تھی۔

ایک قول یہ ہے کہ وہ عبدالمطلب کی ''صفیہ'' تھی جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبداللہ کو دی تھی۔

اور پہلے ان کا عبید الحبشی سے نکاح ہوا تھا اور اس سے ان کے ہاں اُیمن نے جنم لیا تھا بعد میں ان کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ سے کرایا اور ان سے اسامہ پیدا ہوئے۔

تاہم قاضی عیاض نے اس پر نکیر فرمائی ہے، ان کا کہنا ہے کہ اگر اسامہ کی والدہ اُمّ ایمن کالی ہوتی تو پھر عرب اُسامہ کے نسب پر اعتراض نہ کرتے اس لئے کہ گورے مرد کی کالی بیوی کبھی تو بچے کے والد کی طرح گورا بچہ جنم دیتی ہے اور کبھی اپنے جیسا کالا یہ بات عرب جانتے تھے، اور محض والد کے سیاہ رنگ ہونے کی صورت میں اس طرح کا نامعقول اعتراض وہ نہیں کر سکتے تھے اور اگر کرتے بھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے بدیہی البطلان ہونے کی وجہ سے اہمیت نہ دیتے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ بھی اس کی تائید کرتے ہوئے کہتے ہیں، ممکن ہے اُمّ ایمن کا رنگ صاف ہو اور اس کے بچے کا کالا، جس پر لوگوں کو اعتراض ہوا ہو(۱)۔

تاہم جس طرح ماں باپ میں سے ایک کے کالے ہونے کی صورت میں بچہ کا کالا ہونا نامعقول نہیں ہے دونوں کے گورے ہونے کی صورت میں بھی بچہ کالا ہو سکتا ہے جیسے کتاب اللّعان میں ایک آدمی کا قصہ ہے کہ اس نے آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بطور شکایت کے کہا، "وُلـدلي غلام أسود" (میرا تو کالا لڑکا پیدا ہوا ہے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹوں میں اختلافِ اُلوان کا ذکر کیا اور اس آدمی نے بھی "لعل نزعه عرق" (۲) کہہ کر اس کی صحت اور اختلافِ لون کے باوجود ثبوتِ نسب کو تسلیم کیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسے فرمایا، "لعل ابنك هذا نزعه".

تاہم عموماً بچہ رنگ میں باپ کا تابع ہوتا ہے جسے ان لوگوں نے کلیہ سمجھ کر اسامہ کے نسب کو مطعون کیا، قطع نظر اس سے کہ اس کی ماں کا رنگ کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر رنجیدہ تھے اور چاہتے تھے کہ کوئی ایسی صورت ہو جائے کہ ان لوگوں کا منہ بند ہو جائے اور وہ اسامہ کے نسب پر اعتراض سے باز آجائیں

---

(۱) فتح الباري: ۱۵/۶۷

(۲) صحيح البخاري، كتاب الطلاق، باب إذا عرض بنفي الولد، رقم: ۵۳۰۵

معتبر قیافہ شناس کی بات پر ان (عربوں) کو بڑا اعتماد تھا۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ مشہور قائف مجزز مدلجی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں آئے، اتفاق سے زید اور اس کا بیٹا اسامہ دونوں ساتھ لیٹے ہوئے تھے ان کے چہرے چھپے ہوئے اور پیر نظر آ رہے تھے، مجزز نے کہا، ان پیروں میں سے بعض بعض سے ہیں یعنی یہ دونوں آپس میں باپ بیٹا ہیں۔ اگر چہروں کو دیکھ کر وہ کہتے تو اس میں امکان تھا کہ کسی کی طرف داری یا خاطر داری کر رہے ہوں مگر پیروں میں ایسی کوئی بات نہ تھی، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اس لئے نہیں کہ قیافہ شناس کی بات سے اسامہ کا نسب ثابت ہوا بلکہ اس لئے کہ دیکھ لو، تمہارے قائف نے بھی کہہ دیا اب تم کیا کہو گے اور ظاہر ہے اس پر وہ کچھ نہیں کہہ سکتے تھے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لامحالہ اس گتھی کے سلجھنے پر خوش ہوئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی موجودگی میں قائف آنے کی توجیہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میری موجودگی میں قائف آیا، ظاہر ہے وہ آپ رضی اللہ عنہا کے لئے اجنبی تھا، اس لئے علماء نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ یہ نزولِ حجاب سے پہلے کی بات ہے یا پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا موجود تھیں مگر پردے میں تھیں (۱)۔

جب کہ صاحب لامع الدراری فرماتے ہیں "دخل علي ...... میں مسامحہ ہے اور قائف رسول اللہ کے پاس مسجد میں آئے تھے اور زید و اسامہ بھی مسجد ہی میں لیٹے تھے (۲)۔

فَأَخْبَرَ بِهِ عَائِشَةَ

روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اور آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ واقعہ میرے سامنے پیش آیا، پھر اس کا کیا مطلب ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو مجزز کی بات بتائی۔

اس کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں۔ ایک جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم نہ تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جانتی ہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا جانتی ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید کے طور پر فرمایا کہ یہ بڑی اہم بات تھی۔ تیسرا جواب یہ ہے

---

(۱) إرشاد الساري: ۸/۲۲۱

(۲) لامع الدراري: ۸/۱۸٤

کہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھول رہے تھے کہ حضرت عائشہ جانتی ہیں، اور نہ صرف جانتی ہیں بلکہ انہوں نے اس کا مشاہدہ بھی کیا ہے(۱)۔

ترجمۃ الباب سے مطابقت

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت واضح نہیں ہے کیونکہ اس میں زید کی کسی منقبت وفضیلت کا ذکر نہیں ہے، تاہم شارحین فرماتے ہیں کہ مناسبت "فسر بذلك النبي صلى الله عليه وسلم" میں ہے یعنی زید اوران کے بیٹے کے حوالے سے ایک اعتراض اور تشویش رفع ہونے پر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے یہ رسول اللہ کی نظر میں ان کی اہمیت کی دلیل ہے اور یہی ان کی منقبت ہے(۲)۔

۱۸ - باب : ذِكْرُ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ، رَضِيَ اللهُ عَنْهُ .

۳۵۲۶ : حدّثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ : حَدَّثَنَا لَيْثٌ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ ، عَنْ عُرْوَةَ ، عَنْ عائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا : أَنَّ قُرَيْشًا أَهَمَّهُمْ شَأْنُ الْمَخْزُومِيَّةِ ، فَقَالُوا : مَنْ يَجْتَرِئُ عَلَيْهِ إِلَّا أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ ، حِبُّ رَسُولِ اللهِ ﷺ .

تراجم رجال

قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ

یہ شیخ الاسلام ابورجاء قتیبۃ بن سعید بن جمیل الثقفی ہیں۔ ان کے احوال كتاب الإيمان، باب "إفشاء السلام من الإسلام" کے تحت گزر چکے ہیں(۳)۔

لَيْث

یہ ابوالحارث لیث بن سعد بن عبدالرحمٰن ہیں۔ ان کے احوال كتاب بدء الوحي، الحديث الثالث

---

(۱) عمدة القاري: ۱۶/۲۳۲

(۲) عمدة القاري: ۱۶/۲۳۲، وإرشاد الساري: ۸/۲۲۱

(۳۷۳۲) الحديث قد سبق تخريجه في كتاب الشهادات، باب شهادة القاذف والسارق والزاني......

(۳) كشف الباري: ۲/۱۸۹

کے تحت گزر چکے ہیں (۱)۔

الزُّهْرِيّ

ابن شہاب زہری ہیں، اسی باب کے تحت ان کے احوال بھی گزرے ہیں (۲)۔

عروة بن الزبير، عائشة

عروۃ بن الزبیر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے احوال كتاب بدء الوحي، الحديث الثاني کے تحت گزرے ہیں (۳)۔

أَنَّ قُرَيْشًا أَهَمَّهُمْ

أهمَّهم کا معنی ہے ان کو "هَم" میں ڈال دیا یا پریشان وفکر مند کر دیا۔

أهمَّني الأمر أي أقلقني اس امر نے مجھے قلق سے دوچار کیا (۴)۔

مخزومی عورت کی چوری اور اسامہ کی اس کے لئے سفارش

یہ حدیث تفصیل کے ساتھ "کتاب الحدود" میں آرہی ہے (۵)۔ اور وہیں اس کی تفصیلی تشریح بھی آئے گی، یہاں صرف اتنا سمجھ لیا جائے کہ قریش کی ایک شاخ بنی مخزوم سے تعلق رکھنے والی ایک عورت جس کا نام اکثر حضرات نے فاطمہ بنت الأسود ذکر کیا ہے، فاطمۃ بن الأسود بن عبدالأسد بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم، یہ ابوسلمہ بن عبدالأسد - صحابی رسول اور سیدہ ام سلمہ کے زوجِ اول - کی بھتیجی تھی۔

اس عورت نے فتح مکہ کے موقع پر زیور چرائے تھے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ فرمایا، قطعِ ید سے قبل قریش کو اس واقعہ نے بہت پریشان کر دیا اور انہوں نے اس مخزومی عورت کو

---

(۱) كشف الباري: ۳۲٤/۱

(۲) كشف الباري: ۳۲٦/۱

(۳) كشف الباري: ۲۹۱/۱

(٤) فتح الباري: ۱۰٥/۱٥

(٥) صحيح البخاري، كتاب الحدود، باب كراهية الشفاعة في الحد، رقم: ٦٧٨٨

بچانے کی بہت کوشش کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ خود تو بات نہیں کر سکتے تھے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حدود میں کسی قسم کی رعایت نہیں فرماتے تھے، اس لئے انہوں نے اسامہ بن زید کا انتخاب کیا جو رسول اللہ کے محبوب تھے، ان کے والد زید بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب تھے اور والدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دایہ تھیں، جن کے متعلق آپ نے یہاں تک فرمایا تھا، "هي أمي بعد أمي". وہ میری والدہ کے بعد میری (دوسری) ماں ہیں۔

اسامہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کی تو آپ علیہ الصلوۃ والسلام بڑے غصے ہوئے اور فرمایا کیا تم اللہ کی حدود کے سلسلے میں مجھ سے دستبرداری کی بات کر رہے ہو؟

تاہم اتنی بات ضرور ثابت ہوئی کہ لوگوں نے جو سفارش کے لئے اسامہ کا انتخاب کیا، اس کا معنی یہ ہوا کہ آپ علیہ الصلوۃ والسلام کی نگاہ میں ان سے زیادہ پیارا اور لاڈلا کوئی اور نہ تھا۔ چنانچہ یہ "حِبُّ رسول الله" کے الفاظ بھی بتا رہے ہیں کہ وہ رسول اللہ کے محبوب تھے (۱)۔

وَحَدَّثَنَا عَلِيٌّ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ : ذَهَبْتُ أَسْأَلُ الزُّهْرِيَّ عَنْ حَدِيثِ الْمَخْزُومِيَّةِ ، فَصَاحَ بِي ، قُلْتُ لِسُفْيَانَ : فَلَمْ تَحْتَمِلْهُ عَنْ أَحَدٍ؟ قَالَ : وَجَدْتُهُ فِي كِتَابٍ كَانَ كَتَبَهُ أَيُّوبُ بْنُ مُوسَى ، عَنِ الزُّهْرِيِّ ، عَنْ عُرْوَةَ ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهَا : أَنَّ ٱمْرَأَةً مِنْ بَنِي مَخْزُومٍ سَرَقَتْ ، فَقَالُوا : مَنْ يُكَلِّمُ فِيهَا النَّبِيَّ ﷺ ؟ فَلَمْ يَجْتَرِئْ أَحَدٌ أَنْ يُكَلِّمَهُ ، فَكَلَّمَهُ أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ ، فَقَالَ : (إِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَانَ إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ ، وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ قَطَعُوهُ ، لَوْ كَانَتْ فَاطِمَةُ لَقَطَعْتُ يَدَهَا) . [ر : ٢٥٠٥]

تراجم رجال

عَلِيٌّ

یہ علی بن عبداللہ بن جعفر بن نجیح سعدی (ابن المدینی) ہیں۔ ان کے احوال کتاب العلم، باب

---

(۱) فتح الباري: ۹/۱۱۱، ۱۵/۱۰۵

(۳۷۳۳) الحديث سبق تخريجه في كتاب الشهادات، باب شهادة القاذف والسارق.....

"الفهم في العلم" کے تحت گزر چکے ہیں (۱)۔

سُفْيَانُ

یہ سفیان بن عیینہ ہیں۔ان کے احوال کتاب العلم، باب "قول المحدّث حدّثنا أو أخبرنا......" کے تحت گزر چکے ہیں (۲)۔

الزُّهْرِيُّ

یہ ابن شہاب زہری ہیں۔ان کے احوال کتاب بدء الوحي، الحديث الثالث کے تحت گزر چکے ہیں (۳)۔

سفیان کی زہری سے سماع کی تفصیل

ذَهَبْتُ أَسْأَلُ الزُّهْرِيَّ...... علی بن المدینی کہتے ہیں، سفیان بن عیینہ نے کہا میں زہری کے پاس جا کر اس سے حدیثِ مخزومیہ کے بارے میں پوچھنے لگا، جس پر انہوں نے چیخ کر مجھے ٹوکا، اس کا مطلب بظاہر یہی ہوا کہ سفیان نے یہ حدیث زہری سے نہیں لی ہے۔علی بن المدینی نے اسی بات کا اطمینان کرنے کے لئے سفیان بن عیینہ سے پوچھا، "فلم تحمله عن أحد" تو گویا آپ نے یہ روایت کسی سے نہیں لی ہے؟

انہوں نے کہا، دراصل یہ میں نے اس کتاب سے لی ہے جو ایوب بن موسیٰ نے زہری سے لکھی ہے اور اس میں یہی الفاظ ہیں: "أن امرأة من بني مخزوم سرقت"۔ اور نسائی نے محمد بن منصور کی روایت نقل کی ہے وہ بھی ابن عیینہ سے یہی الفاظ روایت کرتے ہیں (۴)۔

رزق اللہ بن موسیٰ نے بھی سفیان سے یہی مضمون نقل کیا ہے۔تاہم اس کے الفاظ یہ ہیں: "أتي النبي بسارق فقطعه" (۵).

---

(۱) كشف الباري: ۲۹۷/۳

(۲) كشف الباري: ۱۰۲/۳

(۳) كشف الباري: ۳۲٦/۱

(٤) سنن النسائي، ذكر اختلاف الفاظ الناقلين، رقم: ٤٨٩٩، ٤٩٠١

(٥) فتح الباري: ١٠٧/١٥

ابویعلی نے بھی محمد بن عباد عن سفیان کے طریق سے اسی طرح نقل کیا ہے(۱)۔

اور احمد نے بھی سفیان سے اس کو روایت کیا ہے مگر اس کے آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں: "قال سفیان: لا أدري ما هو؟"(۲).

نسائی نے اسحاق بن راہویہ عن سفیان عن الزہری کے طریق سے یہ الفاظ نقل کئے ہیں:

"كانت مخزومية تستعير المتاع وتجحده"(۳).

اور اس کے آخر میں یہ الفاظ ہیں:

"قيل لسفيان من ذكره؟ قال: أيوب بن موسىٰ"(٤).

اور ابن ابی زائدہ عن ابن عیینہ عن الزہری کے طریق سے بغیر کسی واسطے کے نقل کیا ہے جس میں لفظ "سرقت" مذکور ہے(۵)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ان تمام طرق کو ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں:

قال شيخنا: وابن عيينة لم يسمعه من الزهري ولا ممن سمعه من الزهري إنما وجده في كتاب أيوب بن موسى ولم يصرّح بسماعه من أيوب بن موسى ولهذا قال في رواية أحمد، "لا أدري كيف هو" كما تقدم ......"(٦).

یعنی ابن عیینہ نے نہ تو زہری سے براہ راست سنا ہے اور نہ ان کے کسی شاگرد سے بلکہ انہوں نے اسے ایوب بن موسیٰ کی کتاب میں پایا اور ایوب بن موسیٰ سے سماع کی

---

(۱) فتح الباري: ۱۵/۱۱۱

(۲) مسند احمد، مسند الصديقة عائشة، رقم: ۲٤۱۳۸

(۳) سنن النسائي ذكر اختلافِ الفاظ الناقلين وخبر الزهري في المخرومية، رقم: ٤۹۰۹

(٤) سنن النسائي ذكر اختلافِ الفاظ الناقلين وخبر الزهري في المخرومية، رقم: ٤۹۰۹

(۵) فتح الباري: ۱۵/۱۱۱

(٦) فتح الباري: ۱۵/۱۰۷

انہوں نے تصریح بھی نہیں کی، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے لا أدري کیف ھو؟ کے الفاظ کہہ کر اس حوالے سے عدم سماع کا اشارہ فرمایا جیسا کہ روایت أحمد میں گزرا ہے۔

سفیان بن عیینہ کی زہری سے روایت کس نوعیت کی تھی اس حوالے سے علامہ ابومحمد رامہُرمزي اپنی کتاب "المحدّث الفاصِل" میں سلیمان بن عبدالعزیز کے طریق سے محمد بن ادریس سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں میں نے سفیان بن عیینہ سے کہا کم سمعتَ مِن الزهری؟ آپ نے زہری سے کتنی حدیثیں سنی ہیں؟ انہوں نے کہا "أما مع الناس فما أحصي، وأما وحدي فحديث واحد"، جو اور لوگوں کے ساتھ سنا وہ بے شمار ہیں اور جو اکیلے سنا وہ ایک حدیث ہے، پھر اس کی تفصیل بتائی۔ فرمایا:

"دخلتُ يوماً من باب بني شيبة فإذا أنا به جالس إلى عمود فقلت: يا أبابكر حدثني حديث المخزومية التي قطع رسول الله صلى الله عليه وسلم يدَها، قال فضرب وجهي بالحصى ثم قال: قم فما يزال عبد يقدم علينا بما نكره، قال قمت منكسراً فمر رجل فدعاه فلم يسمع فرماه بالحصى فلم يبلغه فاضطر إلي فقال: ادعه لي فدعوته له فاتاه فقضىٰ حاجتَه فنظر إلي فقال: تعال، فجئت فقال أخبرَني سعيد بن المسيب وابو سلمة عن أبي هريرة أن رسول الله قال: العجماء جبار" ثم قال لي هذا خير لك من الذي اردتَ"(١).

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ زہری نے سفیان کو ڈانٹ ڈپٹ اور ملامت کا نشانہ بنایا اور پھر بعد میں "العجماء جبار" سنا کر انہیں ان کے مطلوب سے باز رکھا بہرحال سفیان کا حدیث مخزومیہ کا زہری سے سننا (سماع) ثابت نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس تفصیل کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"قلت وهذ الحديث الأخير أخرجَه مسلم والأربعة من طريق سفيان بدون القصة"(٢).

---

(١) المحدث الفاصل بين الراوي والواعي ...... باب القول في أوصاف الطالب: ١/١٩٦

(٢) فتح الباري: ١٥/١١١

امام مسلم اور اصحاب صحاح ستہ میں سے بخاری کے علاوہ چار نے اس آخری روایت کو قصۂ مذکورہ کے بغیر ذکر کیا ہے۔

فَكَلَّمَهُ

کتاب الحدود کی روایت سعید بن سلیمان میں "فكلّم رسولَ الله" کے الفاظ ہیں(۱)۔

اور یونس کی روایت میں "فـاتـي بها رسول الله فكلّمه فيها" کے الفاظ ہیں(۲)۔ان الفاظ میں کچھ حذف وایصال ہے، کیونکہ تقدیری عبارت یوں ہے:

"فـجاء وا إلى أسامة فكلّموه في ذلك فجاء أسامة إلى النبي صلى الله عليه وسلم فكلّمه"(۳).

نسائی کی روایت میں "فكلّمه فزبَره" آیا ہے(۴)۔

یعنی انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کی، تو آپ نے اسے ڈانٹا اور جہل وحماقت کی طرف اس کی نسبت کی۔ "زبر" بسکون الباء عقل کو کہتے ہیں۔

ایک روایت میں "فكلّمه فتلوَّن وجهُ رسول الله" کے الفاظ ہیں(۵)۔

یعنی انہوں نے رسول اللہ سے بات کی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔

اور نسائی ہی کی ایک روایت میں "فـلـمـا أقبل أسامةُ وراه النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا تكلّمني يا أسامة" کے الفاظ ہیں(۶)۔

یعنی جب اسامہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آرہا تھا تو رسول اللہ نے انہیں دیکھ کر فرمایا مجھ سے بات نہ کرو اسامہ!

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب الحدود، باب كراهية الشفاعة في الحد، رقم: ٦٧٨٨

(۲) فتح الباري: ١١١/١٥

(۳) فتح الباري: ١١١/١٥

(٤) سنن النسائي، ذكر اختلاف الفاظ الناقلين، رقم: ٤٩٠٠

(٥) سنن النسائي، رقم: ٤٨٩٨

(٦) سنن النسائي، رقم: ٤٨٩٨

٣٥٢٧ : حدّثني الحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ : حَدَّثَنَا أَبُو عَبَّادٍ ، يَحْيَ بْنُ عَبَّادٍ : حَدَّثَنَا المَاجِشُونُ : أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دِينَارٍ قَالَ : نَظَرَ ابْنُ عُمَرَ يَوْمًا ، وَهُوَ فِي المَسْجِدِ ، إِلَى رَجُلٍ يَسْحَبُ ثِيَابَهُ فِي نَاحِيَةٍ مِنَ المَسْجِدِ ، فَقَالَ : انْظُرْ مَنْ هٰذَا ؟ لَيْتَ هٰذَا عِنْدِي ، قَالَ لَهُ إِنْسَانٌ : أَمَا تَعْرِفُ هٰذَا يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ؟ هٰذَا مُحَمَّدُ بْنُ أُسَامَةَ ، قَالَ : فَطَأْطَأَ ابْنُ عُمَرَ رَأْسَهُ ، وَنَقَرَ بِيَدَيْهِ فِي الأَرْضِ ، ثُمَّ قَالَ : لَوْ رَآهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَأَحَبَّهُ .

تراجم رجال

الحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ

یہ حسن بن محمد زعفرانی ہیں۔ان کے احوال کتاب الاستسقاء، باب "سؤال الناس الإمام الاستسقاء إذا قحطوا" میں گزر چکے ہیں(۱)۔

أَبُو عَبَّادٍ يَحْيَى بْنُ عَبَّادٍ

یحییٰ بن عباد الضُّبعی البصری نزیل بغداد،ان کا نام ہے اور ابو عباد کنیت ہے،ان کے تلامذہ میں ابراهيم بن خالد الكلبی، احمد بن حنبل، محمد بن حاتم بن ميمون ، محمد بن سعد الكاتب ، اسحاق بن ابراهيم البغوي، خليفة بن الخياط، حسن محمد بن الصباح الزعفرانی هارون بن سليمان الاصبهانی وغیرہ شامل ہیں۔

اور شیوخ میں یونس بن أبي اسحاق، ابراهيم بن سعد، حماد بن زيد، خالد بن أبي خالد، سعيد بن زيد، شريك بن عبدالله، شعبة بن الحجاج، عبد العزيز بن عبد الله بن أبي سلمة الماجشون، فُليح بن سليمان، قيس بن الربيع، مالك بن أنس، معتمر بن سليمان، هِشام الدستوائي وغیرہ شامل ہیں(۲)۔

(٣٥٢٧) الحديث أخرجه أيضا النسائي في سننه، انظر سنن النسائي، رقم: ٤٨٩٨

(١) صحيح البخاري، كتاب الاستسقاء، حديث: ١٠١٠

(٢) تهذيب الكمال: ٣٩٦/٣

صالح بن احمد بن حنبل ان کے متعلق فرماتے ہیں:

"سألت أبي عن يحيى بن عبَّاد قال: أول ما رأيته في مجلس أسباط، كيِّس يذاكر الحديث وكتبتُ عنه، قلت: أي شيء حالُه؟ قال ما أعلم عليه حجة"(١).

ابوحاتم کہتے ہیں "ليس به بأس"(٢).

ابن حبان نے بھی کتاب الثقات میں ان کا ذکر کیا ہے(٣)۔

دارقطنی کہتے ہیں "يحيى بن عباد بغدادي، يحتج به"(٤).

بعض حضرات نے ان پر رد بھی کیا ہے، مثلاً زکریا بن یحیی الساجی کہتے ہیں:

"ضعيف، حدَّث عنه أهل بغداد، سمعت الحسَن بن محمد الزعفراني يحدِّث عنه عن شعبة وغيره، لم يحدِّث عنه أحد من أصحابنا بالبصرة لابندار ولا ابن المثنى"(٥).

حسین بن حبان یحیی بن معین سے نقل کرتے ہیں:

"لم يكن بذاك، قد سمع وكان صدوقاً وقد اتيناه فأخرج كتاباً فإذا هو لا يحُسن يقرأ، قلت فيحيى بن السكن أثبت منه عندك؟ قال نعم هذا أيقظهما وأكيسهما"(٦).

گویا ابن معین نے ان کو قرأت میں کمزور اور یحیی بن السکن سے کم درجے کا قرار دیا ہے۔

اسی طرح علی بن المدینی کہتے ہیں:

"سمعت أبي يقول: يحيى بن عبَّاد ليس ممن أحدِّث عنه وبشار

---

(١) الجرح والتعديل: ٩، الترجمة: ٧١٢

(٢) الجرح والتعديل: ٩، الترجمة: ٧١٢

(٣) كتاب الثقات: ٢٥٦/٩

(٤) تاريخ بغداد: ١٤٥/١٤

(٥) تاريخ بغداد: ١٤٥/١٤

(٦) تاريخ بغداد: ١٤٥/١٤

الخفاف أمثل منه"(١).

تاہم اس جرح اور تضعیف کا کوئی خاص اعتبار نہیں ہے کیونکہ ابوبکر الخطیب کہتے ہیں:

"ترك أهل البصرة الرواية عنه لا يوجب رد حديثه، وحسبك برواية احمد بن حنبل وأبي ثور عنه، ومع هذا فقد احتج بحديثه محمد بن اسماعيل البخاري ومسلم بن الحجاج النيسابوري وأحاديثه مستقيمة لا نعلمه روى منكراً"(٢).

یعنی اہل بصرہ کا اُن سے روایت نہ کرنا ان کی احادیث کے مردود ہونے کی دلیل نہیں ہے اور احمد بن حنبل اور ابوثور کا ان سے روایت کرنا کافی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ امام بخاری اور مسلم نے ان کی حدیثوں سے استدلال کیا ہے اور ان کی احادیث صحیح ہیں۔ ہم نہیں جانتے کہ انہوں نے کوئی منکر روایت نقل کی ہے۔

ذہبی فرماتے ہیں "صدُوق"(٣).

ابن حجر بھی فرماتے ہیں "صدُوق"(٤).

۱۹۸ ہجری کو ان کی وفات ہوئی ہے(۵)۔

الْمَاجِشُونُ

یہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن ابی سلمۃ الماجشون المدنی ہیں۔ ان کے احوال کتاب العلم، باب "السؤال والفتيا عند رمي الجمار" کے تحت گزر چکے ہیں(۶)۔

عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دِينَارٍ

یہ عبداللہ بن دینار قرشی عدوی ہیں، ان کے احوال کتاب العم، باب "قول المحدّث حدثنا،

---

(١) تاريخ بغداد: ١٤/١٤٥

(٢) تاريخ بغداد: ١٤/١٤٥

(٣) الكاشف للذهبي: ٢/٣٦٨

(٤) تقريب التهذيب، ص: ٥٩٢

(٥) تهذيب الكمال: ٣١/٣٩٨، وتهذيب التهذيب: ١١/٢٣٦

(٦) كشف الباري: ٤/٥١٨

وأخبرنا" کے تحت گزر چکے ہیں (۱)۔

يَسْحَبُ ثِيَابَهُ

یَسحب بالیاء المثناة ہے اور ثیاب اس کا مفعول ہے یا بالتاء الفوقانیة ہے اور ثیاب اس کا فاعل مرفوع ہے (۲)۔

لَيْتَ هٰذَا

معنی یہ ہے کہ کاش! یہ میرے پاس ہوتا، تو میں اس سے خیر خواہی اور خیر رسائی کا معاملہ کرتا۔

یا "عندي" کی بجائے "عبدي" (بالباء الموحدة) ہے اس کے کالے رنگ کی وجہ سے کہا کہ کاش! یہ میرا غلام ہوتا اور میں اس سے نیک سلوک کرتا (۳)۔

قَالَ لَهُ إِنْسَانٌ

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں، اس (انسان) کا نام معلوم نہ ہوسکا؟ (۴)

أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ

یہ عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) کی کنیت ہے (۵)۔

فَطَأْطَأَ رَأْسَهُ

یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہ نے از راہِ حیا یا تعظیم سر جھکایا اور فرمایا اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دیکھتے تو محبوب بنا لیتے۔ حضرت ابن عمر نے یہ اس لئے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے والد اسامہ، دادا زید بن حارثہ اور ان (زید) کی اہلیہ ام ایمن سب سے نہایت شفقت ومحبت کا معاملہ فرماتے تھے تو ابن عمر نے اندازہ لگایا کہ اس خانوادے کے ہر فرد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبت تھی اور ضرور اسے بھی اگر دیکھتے تو محبوب بنا

(۱) كشف الباري: ۱۳۵/۳

(۲) فتح الباري: ۱۱۱/۹

(۳) فتح الباري: ۱۱۱/۹

(٤) فتح الباري: ۱۱۱/۹

(٥) فتح الباري: ۱۱۱/۹

لیتے (۱)۔ حضرت گنگوہی فرماتے ہیں:

"لعله تذكر بعض أمره صلى الله عليه وسلم وحبّه إياهم"(۲).

یعنی شاید ابن عمر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی معاملہ یاد آیا اور زید اور ان کے خانوادے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت یاد آئی۔

حدیث اور باب میں مناسبت واضح ہے۔

۳۵۲۸ : حدّثنا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ : حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ قالَ : سَمِعْتُ أَبِي : حَدَّثَنَا أَبُو عُثْمَانَ ، عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا : حَدَّثَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ : أَنَّهُ كانَ يَأْخُذُهُ وَالحَسَنَ ، فَيَقُولُ : (اللَّهُمَّ أَحِبَّهُمَا ، فَإِنِّي أُحِبُّهُمَا) . [۳۵۳۷ ، ۵٦٥۷]

تراجم رجال

مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ

یہ موسیٰ بن اسماعیل التبوذکی ہیں۔ ان کے احوال کتاب العلم، باب "من أجاب الفتيا بإشارة اليد والرأس" کے تحت گزر چکے ہیں (۳)۔

مُعْتَمِرٌ

یہ معتمر بن سلیمان بن طرخان تیمی ہیں۔ ان کے احوال کتاب العلم، باب "من خص بالعلم قوماً دون قوم" کے تحت گزر چکے ہیں (۴)۔

أَبِي

سلیمان بن طرخان مراد ہیں۔ ان کے احوال بھی اسی باب "من خص بالعلم قوماً دون قوم" کے

---

(۱) فتح الباري: ۱۱۱/۹، عمدة القاري: ۲۳۳/۱۰، وإرشاد الساري: ۲۲۳/۸

(۲) لامع الدراري: ۱۸٦/۸

(۳۵۲۸) أخرجه البخاري ايضاً في مناقب الحسن والحسين، رقم: ۳۷٤۷ وتفرد به البخاري.

(۳) كشف الباري: ۴۷۷/۳

(٤) كشف الباري: ۵۹۰/۳

تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

أبو عثمان

یہ ابوعثمان عبدالرحمن بن ملّ النہدی ہیں۔ان کے احوال کتاب مواقیت الصلاة، باب "الصلاة کفارة" کے تحت گزر چکے ہیں۔

أحبُّهما

یہ حضرت اسامہ اور حضرت حسن (رضی اللہ عنہما) کے لئے بہت بڑی فضیلت واعزاز کی بات ہے(۲)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، رسول اللہ کی محبت اپنی محبت پر مرتب فرما کر یہ بتادیا کہ آپ کی محبت لِلّٰہ اور فی اللہ ہوتی تھی(۳)۔

۳۵۲۹ : وَقَالَ نُعَيْمٌ ، عَنِ ٱبْنِ الْمُبَارَكِ : أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ : أَخْبَرَنِي مَوْلًى لِأُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ : أَنَّ الْحَجَّاجَ بْنَ أَيْمَنَ بْنِ أُمِّ أَيْمَنَ ، وَكَانَ أَيْمَنُ بْنُ أُمِّ أَيْمَنَ أَخَا أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ لِأُمِّهِ ، وَهُوَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ ، فَرَآهُ ٱبْنُ عُمَرَ لَمْ يُتِمَّ رُكُوعَهُ وَلَا سُجُودَهُ ، فَقَالَ : أَعِدْ .

قَالَ أَبُو عَبْدِ ٱللهِ : وَحَدَّثَنِي سُلَيْمانُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ : حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ نَمِرٍ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ : حَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ مَوْلَى أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ : أَنَّهُ بَيْنَما هُوَ مَعَ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ عُمَرَ ، إِذْ دَخَلَ الْحَجَّاجُ بْنُ أَيْمَنَ بْنِ أُمِّ أَيْمَنَ فَلَمْ يُتِمَّ رُكُوعَهُ وَلَا سُجُودَهُ ، فَقَالَ : أَعِدْ ، فَلَمَّا وَلَّى ، قَالَ لِي ٱبْنُ عُمَرَ : مَنْ هٰذَا ؟ قُلْتُ الْحَجَّاجُ بْنُ أَيْمَنَ بْنِ أُمِّ أَيْمَنَ ، فَقَالَ

(۱) كشف الباري: ۵۹۳/۳

(۲) إرشاد الساري: ۲۲۳/۸

(۳) فتح الباري: ۱۱۱/۹

(۳۵۲۹) الحديث أخرجه البخاري وتفرد به انظر جامع الأصول، باب زيد بن حارثة وابنه أسامة: ۴۱/۹، وكذا البيهقي في سننه الكبرى، باب ماروي في من يسرق من صلاته، رقم الحديث: ۴۱۶۸

ابْنُ عُمَرَ : لَوْ رَأَى هٰذَا رَسُولُ اللهِ ﷺ لَأَحَبَّهُ . فَذَكَرَ حُبَّهُ وَمَا وَلَدَتْهُ أُمُّ أَيْمَنَ .

قَالَ : وَحَدَّثَنِي بَعْضُ أَصحَابِي ، عَنْ سُلَيْمانَ : وَكَانَتْ حَاضِنَةَ النَّبِيِّ ﷺ .

تراجم رجال

نُعَيْمٌ

یہ نُعیم بن حماد بن معاویہ المروزی ہیں۔ان کے احوال کتاب الوضوء، باب "دفع السواك إلى الأكبر" کے تحت گزر چکے ہیں۔

ابْنِ الْمُبَارَكِ

یہ ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن المبارک بن واضح الحنظلی ہیں۔ان کے احوال کتاب بدء الوحي، الحديث الخامس کے تحت گزر چکے ہیں (۱)۔

مَعْمَرٌ

یہ معمر بن راشد ازدی بصری ہیں۔ان کے احوال کتاب العلم، باب "كتابة العلم" کے تحت گزر چکے ہی (۲)۔

الزُّهْرِيُّ

یہ محمد بن مسلم بن شہاب الزہری ہیں۔ان کے احوال کتاب بدء الوحي، الحديث الثالث کے تحت گزر چکے ہی (۳)۔

مَوْلًى لِأُسَامَةَ

مولی سے مراد حرملہ ہیں (۴)۔جب کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن ابی الدنیا سے "اخبرني ابن

(۱) كشف الباري: ۱/۴۶۲

(۲) كشف الباري: ۴/۳۲۱

(۳) كشف الباري: ۱/۳۲۶

(۴) إرشاد الساري: ۸/۲۲۴

حرملة مولی أسامه" نقل کیا ہے۔اور ابن حرملہ کا نام انس ہے(۱)۔

أَنَّ الْحَجَّاجَ بْنَ أَيْمَنَ ابْنِ أُمِّ أَيْمَنَ

اُمِّ ایمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضِنہ اور پرورش کرنے والی خاتون، جن کا زید بن حارثہ سے نکاح ہوا تھا، اس کا نام "برکۃ" تھا۔ ایمن اس کا بیٹا ہے سابقہ شوہر عبید سے۔

أیمن کی نسبت والد کی بجائے والدہ کی طرف ہوئی ہے (یعنی ابن اُمِّ ایمن) اس کی شہرت اور حاضنۂ رسول ہونے کی وجہ سے بہت بڑی سعادت وفضیلت ہونے کی بناء پر۔

أیمن جو حجاج کے والد ہیں، یہ اسامہ بن زید کے ماں شریک بھائی ہیں؛ کیونکہ اُم اَیمن کے بطن سے پہلے شوہر (عبید) سے ایمن پیدا ہوئے اور اسی کے بطن سے دوسرے شوہر زید بن حارثہ سے اسامہ پیدا ہوئے (۲)۔

وَهُوَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ

یعنی ایمن کا تعلق انصار سے تھا، ان کے والد عبید بن عمرو بن ہلال کا تعلق خزرج سے تھا۔ اور بعض نے کہا، وہ حبشی تھا (۳)۔

فَرَآهُ ابْنُ عُمَرَ

یعنی حجاج ابن أیمن کو ابن عمر نے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، صحیح بخاری کے شارحین کہتے ہیں کہ یہاں معطوف علیہ مقدر ہے اور تقدیری عبارت کچھ یوں ہے:

"أن الحجاج بن أيمن دخَلَ المسجد فصلى فراه ابنُ عمر"

اور یہ اگلی روایت سے بھی معلوم ہو رہا ہے (۴)۔

---

(١) فتح الباري: ٩/١١١

(٢) إرشاد الساري: ٨/٢٢٤، وعمدة القاري: ١٦/٢٣٤

(٣) فتح الباري: ٩/١١٢

(٤) فتح الباري: ٩/١١٢

فَقَالَ أَعِدْ

ابن عمر نے فرمایا، دوبارہ نماز پڑھ۔ اور اسماعیلی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

"فقال: أي ابن أخي تحسب أنك قد صليت، انك لم تصل فأعِد صلاتَك"(۱).

تراجم رجال

سُلَيْمَانُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ

یہ ابوایوب سلیمان بن عبدالرحمٰن ابن عیسیٰ بن میمون التمیمی الدمشقی المعروف بہ ابن بنت شرحبیل بن مسلم الخولانی ہیں۔

امام بخاری، ابوداود اور دیگر حضرات نے ان سے روایت کی ہے اور یہ روایت کرتے ہیں، اسماعیل بن عیاش، بشر بن عون، حاتم بن اسماعیل المدنی، سفیان بن عیینہ، عبداللہ بن وہب وغیرہ سے (۲)۔

ابراہیم بن عبداللہ بن الجنید کہتے ہیں، یحییٰ بن معین فرماتے ہیں "ليس به بأس"(۳).

عبدالرحمٰن بن ابی حاتم کہتے ہیں:

"سمعت أبي يقول: سألتُ يحيى بن معين عن أبي أيوب الدمشقي فقال ليس به بأس"(٤).

اور دوسری جگہ کہتے ہیں:

"سمعت أبي يقول: سُليمان بن شرحبيل صدوق مستقيم الحديث"(٥).

---

(۱) فتح الباري: ۱۱۲/۹

(۲) تهذيب الكمال: ۳۰/۱۲

(۳) تهذيب الكمال: ۳۰/۱۲

(٤) الجرح والتعديل: ٤، الترجمة: ٥٥٩

(٥) الجرح والتعديل: ٤، الترجمة: ٥٥٩

ابوعبداللہ الحاکم کہتے ہیں، میں نے دارقطنی رحمہ اللہ سے سلیمان بن عبدالرحمن کے متعلق پوچھا، تو وہ کہنے لگے، "ثقة" میں نے کہا، کیا وہ منکر روایات نہیں روایت کرتے، کہا:

"حدّث بها عن قوم ضَعفى فأما هو فثقة"(۱). یعنی منکر روایات انہوں نے کچھ ضعیف لوگوں سے روایت کی ہیں مگر خود ثقہ ہیں۔

نسائی کہتے ہیں، "صدوق"(۲).

ابوزرعۃ الدمشقی نے ان کا "اهل الفتوى بدمشق" میں ذکر کیا ہے(۳)۔

بعض حضرات نے ان کی تضعیف کی ہے مگر ان اساطین کی تعدیل کے بعد اس کی کوئی حیثیت نہیں رہتی اور اس تضعیف کی وجہ بھی یہ ہے کہ وہ بعض ضعفاء سے روایت کرتے ہیں۔

ولید بن مسلم

یہ ولید بن مسلم الأموي الدمشقي ہیں۔ ان کے احوال کتاب مواقیت الصلاة، باب "وقت المغرب" کے تحت گزر چکے ہیں۔

عبد الرحمن بن نمر

یہ عبدالرحمن بن نمر الیحصبی الدمشقی ہیں۔ ان کے احوال کتاب الکسوف، باب "الجهر بالقراءة في الكسوف" کے تحت گزر چکے ہیں۔

۱۹ – باب : مَنَاقِبُ عَبْدِ ٱللّٰهِ بْنِ عُمَرَ بْنِ الخَطَّابِ رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُمَا .

۳۵۳۱/۳۵۳۰ : حدّثنا إِسْحٰقُ بْنُ نَصْرٍ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ ، عَنْ مَعْمَرٍ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ ، عَنْ سَالِمٍ ، عَنِ ٱبْنِ عُمَرَ رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُمَا قالَ : كانَ الرَّجُلُ في حَيَاةِ النَّبِيِّ ﷺ إِذا رَأَى رُؤْيَا قَصَّهَا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ ، فَتَمَنَّيْتُ أَنْ أَرَى رُؤْيَا أَقُصُّها عَلَى النَّبِيِّ ﷺ ، وَكُنْتُ غُلامًا شَابًّا

(۱) سوالات الحاكم للدارقطني، ۳۳۹

(۲) تهذيب الكمال: ۳۰/۱۲

(۳) تهذيب الكمال: ۳۰/۱۲

(۳۵۳۱/۳۵۳۰) الحديث سبق تخريجه في كتاب الصلاة، باب نوم الرجل في المسجد، رقم: ۴۴۰

عَزَبًا ، وَكُنْتُ أَنَامُ فِي الْمَسْجِدِ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ ، فَرَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ : كَأَنَّ مَلَكَيْنِ أَخَذَانِي فَذَهَبَا بِي إِلَى النَّارِ ، فَإِذَا هِيَ مَطْوِيَّةٌ كَطَيِّ الْبِئْرِ ، وَإِذَا لَهَا قَرْنَانِ كَقَرْنَيِ الْبِئْرِ ، وَإِذَا فِيهَا نَاسٌ قَدْ عَرَفْتُهُمْ ، فَجَعَلْتُ أَقُولُ : أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ النَّارِ ، أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ النَّارِ ، فَلَقِيَهُمَا مَلَكٌ آخَرُ ، فَقَالَ لِي : لَنْ تُرَاعَ ، فَقَصَصْتُهَا عَلَى حَفْصَةَ ، فَقَصَّتْهَا حَفْصَةُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ ، فَقَالَ : (نِعْمَ الرَّجُلُ عَبْدُ اللهِ ، لَوْ كَانَ يُصَلِّي بِاللَّيْلِ) . قَالَ سَالِمٌ : فَكَانَ عَبْدُ اللهِ لَا يَنَامُ مِنَ اللَّيْلِ إِلَّا قَلِيلاً .

تراجم رجال

محمّد

یہ خود مصنف محمد بن اسماعیل البخاری ہیں۔ یہ صرف ...ر کے نسخے میں ہے جب کہ باقی تمام نسخوں میں ساقط ہے(۱)۔

جب کہ ابن السکن نے "حدّثنا إسحاق بن منصور" کے الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے(۲)۔

إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ

یہ اسحاق بن ابراہیم السعدی المروزی ہیں۔ یہاں دادا نصر کی طرف منسوب ہے۔ ان کے احوال کتاب الغسل، باب "من اغتسل عرياناً وحدَه في الخلوة" کے تحت گزر چکے ہیں۔

عَبْدُ الرَّزَّاقِ

یہ عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی ہیں۔ ان کے احوال کتـاب الإيمان، باب "حسن إسلام المرء" کے تحت گزر چکے ہیں(۳)۔

---

(۱) فتح الباري: ۱۱۳/۹، وإرشاد الساري: ۲۲۵/۸

(۲) فتح الباري: ۱۱۳/۹

(۳) كشف الباري: ۴۲۱/۲

مَعْمَرٍ

یہ معمر بن راشد اَزدی بصری ہیں۔ان کے احوال كتاب العلم، باب "كتابة العلم" کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

الزُّهْرِيّ

یہ محمد بن مسلم بن شہاب الزہری ہیں۔ان کے احوال كتاب بدء الوحي، الحديث الثالث کے تحت گزر چکے ہیں(۲)۔

سَالِم

یہ سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ان کے احوال كتاب الإيمان، باب "الحياء من الإيمان" کے تحت گزر چکے ہیں(۳)۔

"رؤیا" کا تلفظ اور اس کا معنی

إِذَا رَأَى رُؤْيَا...... کرمانی فرماتے ہیں رؤیا بدون التنوين نیند (میں دیکھنے) کے ساتھ خاص ہے جیسے "رؤية" بیداری کے ساتھ خاص ہے۔یعنی رؤیت (بمعنی دیکھنا) بیداری میں دیکھنے کے معنی میں بھی آتا ہے اور نیند کی حالت میں خواب دیکھنے کے لئے بھی،لیکن ان دونوں میں یہ فرق ہے کہ خواب دیکھنے کے لئے "رؤیا" الف مقصورہ کے ساتھ آتا ہے جب کہ بیداری میں دیکھنے کے لئے "رؤية" تائے تانیث کے ساتھ آتا ہے(۴)۔

قسطلانی فرماتے ہیں، اسی بناء پر ابوالطیب متنبّی کے اس شعر کو غلط اور فنی لحاظ سے فاسد قرار دیا گیا ہے۔

"ورؤياك أحلى في العيون من الغُمض"(۵)

اور اس کے فساد کی وجہ یہ ہے کہ متنبّی نے رؤیت بحالت بیداری کے لئے لفظ "رؤیا" استعمال کیا ہے

---

(۱) كشف الباري: ٣٢١/٤

(۲) كشف الباري: ٣٢٦/١

(۳) كشف الباري: ١٢٨/٢

(٤) شرح الكرماني: ١٦/١٥

(٥) ديوان المتبني قافية الضاد، ص: ٢٩٧، مير محمد كتب خانه

اوراس کی دلیل یہ ہے کہ "رؤیا" یہاں غمض یعنی چشم پوشی کے مقابلے میں استعمال ہوا ہے اور ظاہر ہے چشم پوشی اوراس کا عکس بیداری میں ہی ہوتا ہے۔

تاہم قسطلانی رحمہ اللہ کہتے ہیں متنبّی پر اعتراض بے جا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ رؤیت اور رؤیا کا ایک ہی معنی ہے جیسے قربة اور قربیٰ کا معنی ایک ہے۔ اوراس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے سورہ اسراء کی آیت ﴿وما جعلنا الرؤيا التي أريناك إلا فتنة للناس﴾(۱) کے متعلق فرمایا ہے کہ اس میں رؤیا سے رویتِ عین مراد ہے کیونکہ اس میں معراجِ رسول کا ذکر ہے اور شب معراج کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیداری میں آنکھوں سے عالم بالا کی زیارت فرمائی نہ کہ خواب میں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیداری میں آنکھوں سے دیکھنے پر بھی رؤیا کا اطلاق ہوتا ہے(۲)۔

لفظ رؤیا کے متعلق نووی کہتے ہیں کہ یہ ہمزہ کے ساتھ بھی مستعمل ہے اور قصر کے ساتھ یعنی بغیر ہمزہ کے بھی اور تنوین کے ساتھ رؤیاً بھی(۳)۔

حدیث کی تخریج اور تشریح گزر چکی ہے(۴)۔

(۳۵۳۱) : حدّثنا يَحْيَىٰ بْنُ سُلَيْمانَ : حَدَّثَنَا ٱبْنُ وَهْبٍ ، عَنْ يُونسَ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ ، عَنْ سَالِمٍ ، عَنِ ٱبْنِ عُمَرَ ، عَنْ أُخْتِهِ حَفْصَةَ : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قالَ لَهَا : (إِنَّ عَبْدَ ٱللهِ رَجُلٌ صَالِحٌ) . [ر : ٤٢٩]

تراجم رجال

يحيى بن سليمان

یہ یحییٰ بن سلیمان ابوسعید الجعفی الکوفی ہیں۔ ان کے احوال كتاب العلم، باب "كتابة العلم" کے

---

(۱) سورة الاسراء، آیت: ٦٠

(۲) إرشاد الساري: ٨/٢٢٦

(۳) إرشاد الساري: ٨/٢٢٦

(٤) كتاب الصلاة، باب نوم الرجل في المسجد......

(۳۵۳۱) الحديث سبق تخريجه في كتاب الصلاة، باب نوم الرجل في المسجد، رقم: ٤٤٠

تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

ابن وهب

یہ ابو محمد عبداللہ بن وہب بن مسلم قرشی مصری ہیں۔ان کے احوال کتاب العلم، باب "مَن جعل لأهل العلم أياماً معلومة" کے تحت گزر چکے ہیں (۲)۔

يونس

یہ یونس بن یزید ایلی ہیں۔ان کے احوال کتاب العلم، باب "مَن جَعل لأهل العلم أياماً معلومة" کے تحت گزر چکے ہیں (۳)۔

زهري

یہ محمد بن مسلم بن شہاب الزہری ہیں۔ان کے احوال کتاب بدء الوحي، الحديث الثالث کے تحت گزر چکے ہیں (۴)۔

سالم

یہ سالم بن عبداللہ بن عمر ہیں۔ان کے احوال کتاب الإيمان، باب "الحياء من الإيمان" کے تحت گزر چکے ہیں (۵)۔

عبداللہ بن عمر کا مقام ومرتبہ

عبداللہ بن عمر، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں، ان کی کنیت ابو عبدالرحمٰن ہے۔اپنے والد گرامی کے ساتھ بچپن میں ہی مکہ مکرمہ میں اسلام قبول کیا تھا اور پھر ان کے ساتھ ہجرت کی تھی۔ان کی والدہ کا نام

---

(۱) کشف الباري: ٤/٣٢٧

(٢) كشف الباري: ٣/٢٧٧

(٣) كشف الباري: ٣/٢٨٢

(٤) كشف الباري: ١/٣٢٦

(٥) كشف الباري: ٢/١٢٨

زینب ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا نام رایطہ بنت مظعون ہے جو قدامہ اور عثمان ابن مظعون کی بہن ہے۔ یہ تمام حضرات صحابہ ہیں۔ دس سال کی عمر میں انہوں نے ہجرت کی اور بدر اور اُحد کے بعد تمام جنگوں میں شرکت کی، اُحد کے غزوے میں کم عمری کی بناء پر شرکت کرنے نہیں دی گئی۔ جب کہ خندق میں شریک ہوئے اور ان کی عمر اس وقت پندرہ برس تھی (۱)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں آپ رضی اللہ عنہ کی ولادت بعثت نبوی کے دوسرے یا تیسرے سال ہوئی کیونکہ غزوہ بدر کے موقع پر آپ کی عمر تیرہ برس تھی، جب کہ غزوہ بدر بعثت نبوی کے پندرہویں سال واقع ہوا۔ اور تاریخ وفات ۷۴ ہجری بتائی گئی ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ عبادلۂ اربعہ میں سے ایک ہیں۔ فقہائے اصحابہ اور مکثرینِ روایات میں سے ہیں۔ عالم، مجتہد، متبع سنت، قاطع بدعت اور ناصح امت تھے۔

ابن وہب امام مالک سے روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر کی عمر چھیاسی سال کو پہنچ گئی تھی اور انہوں نے ساٹھ برس اسلام قبول کرنے کے بعد فتوی دیا اور نافع نے ان کا علم پھیلایا۔

سفیان ثوری کہتے ہیں انہیں جب اپنے مال میں سے کچھ پسند آتا تو اسے صدقہ کر لیتے تھے۔ ان کے غلاموں کو ان کی اس صفت کا اندازہ تھا اس لئے بعض دفعہ ایک غلام عبادت کے لئے کمر کس لیتا تھا، مسجد میں جانے کا اہتمام شروع کرتا اور اطاعت میں پیش پیش ہوتا تھا، جسے دیکھ کر آپ رضی اللہ عنہ اس کو آزاد کر لیتے تھے۔ لوگ آپ سے کہتے تھے، "انهم يخدعونك" یہ لوگ آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں اور حقیقت میں دین دار نہیں ہیں، اس پر آپ رضی اللہ عنہ فرماتے "من خدعنا بالله انخدعنا له" جو اللہ کا نام استعمال کر کے ہمیں دھوکہ دیتا ہے تو ہم اس سے دھوکہ کھانے کو تیار ہیں (۲)۔

٢٠ – باب : مَنَاقِبُ عَمَّارٍ وَحُذَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا .

حضرت عمّار

بفتح العین وتشدید المیم عمّار بن یاسر مراد ہیں۔ ان کے والد کا نام یاسر اور والدہ کا نام سمیہ ہے، اور ان کے

(۱) إرشاد الساري: ٨/٢٢٥

(۲) إرشاد الساري: ٨/٢٢٥، وفتح الباري: ٩/١١٣

والدِ قدیم اسلام قبول کرنے والوں میں سے ہیں اور اسلام کی وجہ سے ان کا ستایا جانا اور تکلیفیں اٹھانا بھی معروف ہے،ان کے والد تو پہلے وفات پا گئے تھے جب کہ والدہ کو ابوجہل نے شہید کیا تھا اور خود حضرت عمار رضی اللہ عنہ زندہ رہے تا آنکہ جنگ صفین میں سن ۳۷ ہجری کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہمراہی وہمرکابی کی حالت میں قتل کیے گئے۔

حضرت عمار نے دو ہجرتیں کی تھیں اور قِبلتین (مکہ مکرمہ وبیت المقدس) کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے والوں میں بھی آپ شامل ہیں۔آپ کے والد کی کنیت ابوالیقظان ہے(۱)۔

حضرت حذیفہ

جب کہ حضرت حذیفۃ بن الیمان رضی اللہ عنہ یمان بن جابر بن عمرو العبسی کے بیٹے ہیں، جو انصار کے قبیلۂ بنوعبدالاشہل کے حلیف ہیں۔حذیفہ اور ان کے والد یَمان دونوں نے اسلام قبول کیا تھا۔حضرت حذیفہ کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوفہ کے بعض اُمور کی نگرانی بھی دی گئی تھی جیسا کہ عمار کو بھی دی گئی تھی۔حذیفہ نے اس کے علاوہ مدائن کی نگرانی بھی کی ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے کچھ ہی دنوں بعد مارے گئے۔حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا شمار تو سابقین اوّلین میں ہوتا ہے جب کہ حذیفۃ بن الیَمان بھی قدیم فی الإسلام ہیں۔لیکن عمّار کے بعد کے ہیں(۲)۔

حدیث اور باب کے حوالے سے اشکال وجواب

ان دونوں حضرات کے فضائل کے لئے ایک باب اس لئے قائم کیا گیا ہے کہ حضرت ابوالدرداء کی روایت میں یہاں ایک ساتھ دونوں کا ذکر ہے۔اور ایک ہی حدیث میں دونوں کی تعریف مذکور ہے۔

سوال ہوسکتا ہے کہ ایک ساتھ ذکر اور تعریف کا اگر اعتبار ہے تو اس میں تو عمّار وحذیفہ کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود بھی شریک ہے،لیکن ان کے مناقب تو یہاں نہیں مذکور، بلکہ اس کے لئے مستقل باب قائم ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کو اپنی شرائط کے مطابق ابن مسعود کے مناقب میں بعض دوسری روایتیں بھی ملیں،اس لئے ان کا یہاں ترجمہ میں ذکر نہیں فرمایا، بلکہ ایک مستقل باب قائم کر کے ان کا ذکر فرمایا اور اس میں حدیث مذکور بھی لائے اور دیگر روایات بھی۔جب کہ حذیفہ کا ذکر بھی آگے مناقب ہی میں

---

(۱) فتح الباري: ۱۱٤/۹، وإرشاد الساري: ۲۲۷/۸

(۲) فتح الباري: ۱۱٤/۹

مستقل باب میں بھی آرہا ہے۔تو پھراس کا مطلب یہ ہوا کہ حدیث میں دونوں (عمار وحذیفہ) کا ذکر ''ترجمہ'' میں دونوں کے نام ذکر کرنے کی وجہ تو بنا مگراس کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ حذیفہ کا الگ سے ذکر نہیں ہونا چاہیے لہٰذا ان کا مستقل تذکرہ جو آئے گا اس پر کوئی اشکال نہیں۔

جب کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس (انتشار) سے ہماری اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اصحابِ مناقب مذکورہ کی ترتیب کی تہذیب نہیں کی اور اس میں قدرے تکرار وانتشار موجود ہے۔اور وہاں حذیفہ کے الگ سے ذکر کی یہ بھی وجہ ہوسکتی ہے کہ امام بخاری نے ان کے والد کے حوالے سے ترجمہ قائم کرنے کا ارادہ کیا ہو اور اس دوسرے مستقل باب سے ان کا منشأ ''یمان والا حذیفہ'' کا ذکر ہو(۱)۔

۳۵۳۲/۳۵۳۳ : حدّثنا مالكُ بْنُ إِسْماعِيلَ : حَدَّثَنَا إِسْرائِيلُ ، عَنِ الْمُغِيرَةِ ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ ، عَنْ عَلْقَمَةَ قالَ : قَدِمْتُ الشَّأْمَ فَصَلَّيْتُ رَكْعَتَيْنِ ، ثُمَّ قُلْتُ : اللَّهُمَّ يَسِّرْ لِي جَلِيسًا صَالِحًا ، فَأَتَيْتُ قَوْمًا فَجَلَسْتُ إِلَيْهِمْ ، فَإِذَا شَيْخٌ قَدْ جاءَ حَتَّى جَلَسَ إِلَى جَنْبِي ، قُلْتُ : مَنْ هٰذَا ؟ قالوا : أَبُو الدَّرْدَاءِ ، فَقُلْتُ : إِنِّي دَعَوْتُ اللهَ أَنْ يُيَسِّرَ لِي جَلِيسًا صَالِحًا ، فَيَسَّرَكَ لِي ، قال : مِمَّنْ أَنْتَ ؟ قُلْتُ : مِنْ أَهْلِ الْكُوفَةِ ، قالَ : أَوَ لَيْسَ عِنْدَكُمُ ابْنُ أُمِّ عَبْدٍ ، صَاحِبُ النَّعْلَيْنِ وَالْوِسَادِ وَالْمِطْهَرَةِ ، وَفِيكُمُ الَّذِي أَجارَهُ اللهُ مِنَ الشَّيْطَانِ - يَعْنِي عَلَى لِسَانِ نَبِيِّهِ ﷺ - أَوَ لَيْسَ فِيكُمْ صَاحِبُ سِرِّ النَّبِيِّ ﷺ الَّذِي لَا يَعْلَمُهُ أَحَدٌ غَيْرُهُ ، ثُمَّ قالَ : كَيْفَ يَقْرَأُ عَبْدُ اللهِ : «وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى» . فَقَرَأْتُ عَلَيْهِ : «وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى . وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّى . وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثٰى» . قالَ : وَاللهِ لَقَدْ أَقْرَأَنِيهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنْ فِيهِ إِلَى فِيَّ .

تراجم رجال

مالك بن اسماعيل

یہ مالک بن اسماعیل بن زیاد ابوغسان النہدی الکوفی ہیں۔ان کے احوال کتاب الوضوء، باب

(۱) فتح الباري: ۹/۱۱۴

(۳۷۴۲) الحديث سبق تخريجه في بدء الخلق، باب صفة ابليس: ۳۲۸۷

"الماء الذي يغسل به شعر الإنسان" کے تحت گزر چکے ہیں۔

اسرائیل

یہ اسرائیل بن یونس بن ابی اسحاق السبیعی ہیں۔ان کے احوال کتاب العلم، باب "مَن ترك بعض الاختيار مخافة أن يقصرفهم بعض الناس عنه" کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

المغيرة

یہ مغیرة بن مقسم الضبی الکوفی ہیں۔ان کے احوال کتاب الصوم، باب "صوم يوم وإفطار يوم" کے تحت گزر چکے ہیں۔

ابراهیم

یہ ابوعمران ابراہیم بن یزید بن قیس بن اسود ہیں۔ان کے احوال کتاب الإيمان، باب "ظلم دون ظلم" کے تحت گزر چکے ہیں(۲)۔

علقمه

یہ ابوشبل علقمة بن قیس بن عبداللہ بن مالک النخعی ہیں۔ان کے احوال بھی کتاب الإیمان، باب "ظلم دون ظلم" کے تحت گزر چکے ہیں(۳)۔

(۳۵۳۳) : حدّثنا سُلَيْمانُ بْنُ حَرْبٍ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ مُغِيرَةَ ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قالَ : ذَهَبَ عَلْقَمَةُ إِلَى الشَّأْمِ ، فَلَمَّا دَخَلَ الْمَسْجِدَ قالَ : اللَّهُمَّ يَسِّرْ لِي جَلِيسًا صَالِحًا ، فَجَلَسَ إِلَى أَبِي الدَّرْدَاءِ ، فَقَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ : مِمَّنْ أَنْتَ ؟ قالَ : مِنْ أَهْلِ الْكُوفَةِ ، قالَ : أَلَيْسَ فِيكُمْ ،

(۱) كشف الباري: ٤٤٦/٤

(۲) كشف الباري: ٢٥٣/٢

(۳) كشف الباري: ٢٥٦/٢

(۳۵۳۳) الحديث سبق تخريجه في كتاب بدء الخلق، باب صفة ابليس وجنوده......

أَوْ مِنْكُمْ ، صَاحِبُ السِّرِّ الَّذِي لَا يَعْلَمُهُ غَيْرُهُ ، يَعْنِي حُذَيْفَةَ ، قَالَ : قُلْتُ : بَلَى ، قَالَ : أَلَيْسَ فِيكُمْ ، أَوْ مِنْكُمْ ، الَّذِي أَجَارَهُ اللّٰهُ عَلَى لِسَانِ نَبِيِّهِ ﷺ ، يَعْنِي مِنَ الشَّيْطَانِ ، يَعْنِي عَمَّارًا ، قُلْتُ : بَلَى ، قَالَ : أَلَيْسَ فِيكُمْ ، أَوْ مِنْكُمْ ، صَاحِبُ السِّوَاكِ ، أَوِ السِّرَارِ ؟ قَالَ : بَلَى ، قَالَ : كَيْفَ كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ يَقْرَأُ : «وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى . وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّى» . قُلْتُ : «وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثَى» . قَالَ : مَا زَالَ بِي هٰؤُلَاءِ حَتَّى كَادُوا يَسْتَنْزِلُونَنِي عَنْ شَيْءٍ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ . [ر : ۳۱۱۳]

تراجم رجال

سليمان بن حرب

یہ ابوایوب سلیمان بن حرب ازدی واشحی ہیں۔ان کے احوال كتاب الإيمان، باب "قول النبي أنا أعلمكم بالله، وأن المعرفة فعل القلب......" کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

شعبة

یہ امیر المؤمنین فی الحدیث شعبۃ بن الحجاج ہیں۔ان کے احوال كتاب الإيمان، باب "المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده" کے تحت گزر چکے ہیں(۲)۔

مغیرہ، ابراہیم اور علقمہ کے احوال کے لئے گزشتہ روایت دیکھئے۔

قدمت الشام

شعبہ کی اگلی روایت میں "ذهب علقمة إلى الشام" کے الفاظ ہیں۔اوران دوسرے الفاظ کی صورت مُرسل روایت کی ہے۔لیکن اس میں "قلت: بلى" کے الفاظ سے پھر اس کی صورت موصول روایت کی بن گئی ہے، جب کہ کتاب التفسیر میں علقمہ کے یہ الفاظ مروی ہیں:

"قدمت الشام في نفر من أصحاب ابن مسعود"(۳). میں ابن مسعود کے تلامذہ کی ایک

(۱) كشف الباري: ۲/۱۰۵

(۲) كشف الباري: ۱/۶۷۸

(۳) كتاب التفسير، باب والنهار إذا تجلى، رقم: ۴۹۴۳

جماعت میں شام آگیا۔

مَن جلس إلى جنبي

بعض حضرات نے جلس ...... صیغہ ماضی نقل کیا ہے(۱)۔ جبکہ بعض نے یَجلس مضارع نقل کیا ہے(۲)۔ یعنی انہوں نے اپنی آمد کا غایہ میرے پہلو میں بیٹھنے کو بتایا۔ اسماعیلی نے اپنی روایت میں ان کے یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں:

"فقلت: الحمد لله إني لأرجو أن يكون الله عزوجل استجاب لي دعوتي"(۳).

تو میں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور کہا میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ عزوجل نے میری دعا قبول کرلی۔

قالوا: ابوالدّرداء

قالوا کے فاعل کے بارے میں ابن حجر فرماتے ہیں:"لم أقف على اسم القائل"(٤). مجھے اس کے قائل کا نام معلوم نہ ہوسکا۔

کوفہ کا مرکزِ علم وفقہ ہونے کی شہادت

قال: أوَلَيس عندكم ابن أم عبد؟ ...... ابن ام عبد سے مراد عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور ابوالدرداء کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ علقمہ یہاں علم حاصل کرنے آئے ہیں، حالانکہ ان کے ہاں کوفہ میں بڑے بڑے اہل علم وفضل تشریف رکھتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب تک اپنے علاقے میں موجود علماء ومشائخ سے علم حاصل نہ کریں، انہیں چھوڑ کر دوسروں کے پاس جانا درست نہیں ہے(۵)۔

---

(۱) إرشاد الساري: ۲۲۷/۸

(۲) فتح الباري: ۱۱۵/۹

(۳) إرشاد الساري: ۲۲۷/۸

(٤ فتح الباري: ۱۱۵/۹

(۵) فتح الباري: ۱۱۵/۹

صاحب النعلَين

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتیاں اٹھانے والے۔ اور حضرت ابن مسعود کو یہ اعزاز وسعادت حاصل ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتیاں اٹھانے کا اہتمام کرتے تھے۔

والوِساد

پہلی روایت میں "وِساد" کا لفظ ہے، تکیہ مراد ہے اور دوسری روایت میں "صاحب السّواك" اور "الوساد" کے ساتھ "أو السّرار" کے الفاظ بھی مروی ہیں۔ بعض نے "السّواد" کے الفاظ بھی نقل کئے ہیں

السّواد اورالسّرار کا معنی ایک ہے، ساودتُه کا معنی ہے سَارَرْتُه (بالراء ین) اور یہ سِرٌّ سے ہے مُساودة یامسارَّة کے معنی رازدانی کے ہیں(۱) "سِواد" اور "سِرار" فِعال کے وزن پر مُساوَدہ اور مُسارَّہ ہی کا مصدر ہے۔

والمِطهرة

سرخسی کی روایت میں مِطهر بدون الہاء (التاء) واقع ہے بہرحال مراد آلہ طہارت ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں داودی نے بڑی عجیب اور بے بنیاد بات کہی ہے، کہتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کل سامان اور کل اثاثہ یہی تین چیزیں ہیں۔

ابن التین نے ان کا تعاقب کیا ہے اور بجاطور پر انہیں غلط قرار دیا ہے (۲)۔

قسطلانی رحمہ اللہ نے مختلف نسخوں کے حوالے سے "...... السّواك" "الوِساد"، "السّواد" اور "السرار" کے الفاظ نقل کر کے بتایا کہ "وِساد" کا معنی تو "مِخدّہ" یعنی سرہانے کا ہے، جب کہ سواد اور سرار دونوں کا معنی ایک ہے یعنی راز و نیاز اور وہ یوں کہ ساودتُه سِواداً کا معنی ہے سارر تُه سِراراً یعنی میں نے اس سے سرگوشی اور رازداری میں بات کی۔ اور اس کا اصل یہ ہے کہ سواد کا معنی ہے شخص (باڈی) تو مساوَدہ کہیں گے "إدناء سوادك الی سواده" اپنی شخصیت (اور سراپا) اس کی شخصیت کے قریب کردی۔

---

(۱) فتح الباري: ۱۱۵/۹

(۲) فتح الباري: ۱۱۵/۹

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہ فضیلت اس طرح حاصل تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے حجاب نہیں فرماتے تھے اور نہ کوئی بات ان سے چھپاتے تھے(۱)۔

چنانچہ مسلم کی روایت میں یہ الفاظ آتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرماتے ہیں: "إذنك علي أن ترفع الحجاب وتسمع سِوادي"(۲) آپ کے لئے مجھ سے اجازت لینے کی یہی صورت ہے کہ پردہ اٹھاؤ اور میری راز کی باتیں سنو۔ یہ ابن مسعود کی وہ خصوصیت ہے جو کسی اور کو حاصل نہیں ہے۔

ان کی یہ خصوصیت آگے مناقب ابن مسعود میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے بھی معلوم ہوتی ہے جس میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم یمن سے آئے تھے اور ایک عرصے تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ٹھہرے، تو لوگ یہی سمجھتے رہے کہ عبداللہ بن مسعود بھی اہل بیتِ نبی ہی میں سے ہیں؛ کیونکہ وہ اور ان کی والدہ بکثرت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں داخل ہوتے تھے(۳)۔

قُربت وخدمتِ رسول سے وفورِ علم کا اثبات

حضرت ابوالدرداء نے جو حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ فضیلت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خادمانہ اور گھریلو قربت ذکر فرمائی تو اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتنے قریب رہے ہیں وہ تو بڑے سعادت مند ہیں اور اس قُربت اور اعتماد کے تعلق میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا کچھ نہیں حاصل کیا ہوگا۔ پھر بھی آپ اسے چھوڑ کر یہاں علم حاصل کرنے آرہے ہو؟

اس توجیہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ داودی نے جو توجیہ کی تھی کہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے اور بتانا مقصود ہے کہ آپ کا کل اثاثہ یہی تین چیزیں ہیں، یہ درست نہیں ہے۔ بلکہ درست یہ ہے کہ ان تینوں خالص ذاتی استعمال کی چیزوں کو ذکر کرنے سے مقصود حضرت ابن مسعود کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت گہری نسبت اور قرب واعتماد کے تعلق کا اظہار واثبات ہے(۴)۔

---

(۱) إرشاد الساري: ۲۲۹/۸

(۲) فتح الباري: ۱۱۵/۹

(۳) دیکھئے، حدیث: ۳۷٦۳

(٤) فتح الباري: ۱۱۵/۹

أفِيكم

یہاں روایتِ اُولیٰ میں بعض طرق میں ہمزہ کے ساتھ "أفيكم" ہے اور بعض میں "وَفيكم" بالواو۔ جب کہ شعبہ کی روایت میں "أليس فِيكم أو مِنكم" کے الفاظ ہیں(۱)۔

حضرت عمار کے شیطان سے بچائے جانے کا مطلب

"الذي أجارَه الله مِن الشيطانِ على لسان نبيّه" میں "الذي" سے مراد حضرت عمار بن یاسر ہیں جیسے کہ شعبہ کی روایت میں "يعني عماراً" سے واضح ہے۔ البتہ عمار کے شیطان سے بچائے جانے کا کیا مطلب ہے، اس میں مختلف اقوال ہیں۔

ابن التین کہتے ہیں "على لسان نبيه" سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے، "ويح عمار يدعُوهم إلى الجنة ويدعونَه إلى النار"(۲) حیرت ہے کہ عمار تو ان کو جنت کی طرف بلا رہا ہے جب کہ وہ عمار کو آگ کی طرف بلا رہے ہیں۔ تو گویا نبی نے عمار کو داعي إلى الجنة قرار دے کر شیطان سے محفوظ ہونے کی گواہی دی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ بھی محتمل ہے (جس کا ابن التین نے ذکر کیا) اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس مرفوع روایت کی طرف اشارہ مقصود ہے، "ما خُيِّر عمار بين أمرين إلا اختار أرشدَهما"(۳) عمار کو جب بھی دو کاموں میں سے ایک اختیار کرنے کے لئے کہا گیا تو انہوں نے اس کو لیا جس میں زیادہ رشد وہدایت ہو، اس طرح اللہ نے حضرت عمار کو شیطان کی گمراہی سے بچایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ اطہر نے اس کی گواہی دی۔ یہ روایت ترمذی کے علاوہ أحمد نے ابن مسعود سے روایت کی ہے اور حاکم نے بھی ذکر کی ہے(۴)۔

---

(۱) فتح الباري: ۱۱۵/۹، وعمدة القاري: ۲۲۷/۱٦

(۲) الجمع بين الصحيحين للحميدى، رقم: ۱۷۹٤، دار ابن حزم، بيروت، وجامع الأصول في احاديث الرسول لابن الأثير صحيح البخاري، باب مسح الغبار عن الرأس في سبيل الله: ۲۸۱۲

(۳) سنن الترمذي، باب مناقب عمار بن ياسر، رقم: ۳۷۹۹

(٤) مسند أحمد، مسند عائشة، رقم الحديث: ۲٤۸۲۰، المستدرك على الصحيحين للحاكم، ذكر مناقب عبد الله ابن زيد، رقم الحديث: ٥٦٦٥

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"فكونه يختار أرشدَ الأمرين دائما يقتضي أنه قد أُجير من الشيطان الذي من شأنه الأمر بالغي"(۱).

یعنی حضرت عمار کا ہمیشہ "أرشد الأمرين" اختیار کرنا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان سے اس کی حفاظت فرمائی ہے جو ہمیشہ گمراہی کا ہی حکم دیتا ہے۔

شیطان سے بچائے جانے کا مطلب بعض حضرات نے یہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کمالِ ایمان کے متعلق فرمایا، "ملئ ايماناً إلى مشاشه"(۲) یعنی حضرت عمار رضی اللہ عنہ مونڈھوں تک ایمان سے بھر دیئے گئے یا لبالب بھر دیئے گئے۔ یہ حدیث ابن حبان، بزار اور نسائی نے نقل کی ہے(۳)۔

"مُشاش" بے گودا ہڈی کو کہا جاتا ہے یا مونڈھے کی ابھری ہوئی ہڈی کو...... مَشاش تک بھرا ہوا ہونا کنایہ ہے کامل اور مکمل ہونے سے۔

اور ہوسکتا ہے اس میں اس قصے کی طرف اشارہ ہو جو ابن سعد نے طبقات میں ذکر کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

"قال عمار: نزلنا منزلا فأخذتُ قِربتي ودلوي لاستقي، فقال النبي صلى الله عليه وسلم أما انه سياتيك آت يمنعك من الماء فلما كنتُ على رأس الماء إذا رجل أسود كأنه مرس...... فصرعته"(٤).

حضرت عمار کہتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک جگہ اترے تو میں نے اپنا مشکیزہ اور ڈول اٹھائے تاکہ پانی نکالوں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تیرے پاس تجھے پانی سے منع کرنے والا آئے گا، پھر جب میں اس پانی کے اوپر گیا تو ایک کالے رنگ کا آدمی آیا جو بڑا تجربے کار تھا، اس کو میں نے پچھاڑا

(۱) فتح الباري: ۱۱۵/۹

(۲) جامع الاصول في أحاديث الرسول، رقم: ٦٥٨٥، سنن ابن ماجه، فضل عمار بن ياسر، رقم: ١٤٧، سنن النسائي، تفاضل اهل الإيمان، ٥٠٠٧

(۳) صحيح ابن حبان، كتاب اخباره صلى الله عليه وسلم عن مناقب عمار، رقم الحديث: ٧٠٧٦، مسند أبي يعلى، مسند علي بن أبي طالب، رقم الحديث: ٤٠٤

(٤) فتح الباري: ١١٥/٩

اور آگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، "ذاك الشيطان" یہ شیطان ہوگا۔

اب ظاہر ہے جب حضرت عمار شیطان کو پچھاڑ رہے ہیں تو اس کا یقیناً یہی مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمار کو شیطان سے بچادیا ہے۔

اور ہوسکتا ہے اس میں اس واقعے کی طرف اشارہ ہو جس میں مشرکین نے حضرت عمار کو مبتلائے آزمائش کردیا تھا اور انہیں کلمہ کفر پر مجبور کردیا تھا۔ اور حضرت عمار کا دل ایمان پر مطمئن تھا۔ اللہ تعالیٰ نے "إلاّ من أكرِه وقلبُه مطمئن بالإيمان" (۱) کہہ کران کے ایمان کی گواہی دی، اور ظاہر ہے الفاظ کفر کہنے کے باوجود ان کا ایمان جو محفوظ رہا یہ شیطان سے بچاؤ کی دلیل ہے۔

الذي لا يعلم أحدٌ غيره

لا يعلم بعض نسخوں میں حذفِ ضمیرِ مفعول کے ساتھ ہے جب کہ کشمیہنی میں "لا يعلمُه" کے الفاظ ہیں ضمیر منصوب کے ساتھ۔ "صاحبِ سر" سے مراد حضرت حذیفہ ہیں اور سِــــر سے مراد مستقبل کے فتنے اور حادثے اور وہ اسماء اور احوالِ منافقین ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ کو بتائے تھے (۲)۔ حضرت حذیفہ اس حوالے سے معروف ہیں اور سند کا درجہ رکھتے تھے حتیٰ کہ حضرت عمر کا تو معمول تھا کہ جب کوئی مرتا تھا تو وہ دیکھتے تھے کہ حذیفہ اس کے جنازے میں شرکت کرتے ہیں یا نہیں، اگر حذیفہ شرکت کرتے تو حضرت عمر بھی شریک ہوجاتے تھے ورنہ نہیں۔ غیرہ مستثنیٰ ہونے کی بناء پر منصوب یا أحد سے بدل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے (۳)۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کی قراءت

اس کے بعد ابوالدرداء نے علقمہ سے حضرت ابن مسعود کی اس قراءت کے بارے میں پوچھا جو وہ سورۃ اللیل کی آیت ﴿وما خلق الذكر والانثى﴾ میں "وما خلق" کے بغیر "والذَّكر والأنثى" کہہ کر فرماتے تھے، علقمہ نے جب وہ قراءت ذکر کی تو ابوالدرداء نے قسم کھا کر فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اطہر

(۱) سورة النحل، آيت: ۱۰۶

(۲) فتح الباري: ۱۱٦/۹

(۳) إرشاد الساري: ۲۲۸/۸

سے میں نے خود ہی سنا ہے، "مِن فِيه إلى فيَّ" یعنی آپ کے منہ سے ہی میرے منہ میں منتقل ہوا۔ اور آپ علیہ الصلوۃ والسلام اس وقت میرے سامنے تھے، جب یہ قرأت فرمارہے تھے۔

قرأت متواترہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے یہ قراءت مرجوح ہے

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نہایت جلیل القدر صحابی ہیں اور رسول اللہ سے ان کا تعلق بھی نہایت قرب واعتماد کا تھا، اسی طرح حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی جلالت اور فقیہانہ علومرتبت بھی مسلّم ہے لیکن اس کے باوجود ان کی یہ قراءت، قراءت متواترہ کے مقابلہ میں آنے کی وجہ سے مرجوح ہے اور شارحینِ حدیث فرماتے ہیں، اصل میں پہلے یہ آیت اسی طرح نازل ہوئی تھی جس طرح ابن مسعود اور ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مگر بعد میں وما خلق...... کے ساتھ نازل ہوئی اور اس نزول ثانی کا ابن مسعود اور ابوالدرداء کو علم نہیں تھا، اس لئے وہ دونوں قراءت اولیٰ پر اصرار کرتے تھے جب کہ دوسرے سب لوگ اسی قراءت متواترہ کے مطابق پڑھتے تھے، جو مصحف شریف میں بھی ہے(۱)۔

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "وهذا كظن عبد الله أن المعوذتين ليستامن القرآن"(۲).

حضرت عبداللہ بن مسعود کا یہاں لفظِ "ما خلق" سے انکار ایسا ہی ہے جیسے وہ معوذتین کے قرآن کریم میں سے نہ ہونے کے قائل تھے۔

دوسری روایت میں ایک اور طریق سے یہی مضمون منقول ہے۔

اور علامہ عینی رحمہ اللہ اس تکرار کے بارے میں کہتے ہیں:

"وهو في نفس الأمر يفسر بعضه بعضَ الحديث السابق"(۳) دراصل حدیث ثانی حدیثِ اول کی تفسیر وتشریح کررہی ہے اور پہلی روایت کی بعض باتوں کی دوسری روایت سے وضاحت ہوتی ہے۔

حتى كادوا يَستنزلونَني عن شي سمعتُه......

علقمہ کہتے ہیں ابوالدرداء نے کہا، اہل شام اس اہتمام اور سختی کے ساتھ اس (مشہور) قراءت پر قائم ہیں

---

(۱) فتح الباري: ۱۱۶/۹، وعمدة القاري: ۲۳۷/۱۶

(۲) عمدة القاري: ۲۳۷/۱۶

(۳) عمدة القاري: ۲۳۷/۱۶

کہ مجھے اس دوسری قراءت سے اتارنے اور دستبردار کرنے کے قریب ہیں، جو میں نے رسول اللہ سے سنی ہے۔

کتاب التفسیر میں ابوالدرداء کی یہ بات اور زیادہ وضاحت کے ساتھ آئی ہے۔ چنانچہ وہاں حضرت ابوالدرداء کے الفاظ یہ ہیں:

"وهؤلاء يريدونني على أن أقرأ "وما خلق الذكر والأنثى" والله لا أتابعهم"(١).

یہ لوگ (اہل شام) مجھ سے یہ چاہتے ہیں کہ میں "وما خَلَق الذكرَ والانثىٰ" پڑھوں لیکن میں تو بخدا ان کی اطاعت نہیں کروں گا۔ اس لئے کہ جو میں نے سنا ہے وہ بھی صحیح اور ثابت ہے۔

حدیث ابی ہریرہ میں بعض دوسرے حضرات کا اضافہ

ترمذی نے خیثمہ بن عبدالرحمن کے طریق سے روایت ذکر کی ہے، وہ فرماتے ہیں:

"أتيتُ المدينة فسألتُ الله أن ييسرلي جليساً صالحاً، فيسَّرلي أبا هريرةَ. فقال ممن أنت؟ قلت: من الكوفة، جئت ألتمس الخير، قال أليس منكم سعد بن مالك مُجاب الدعوةِ أو ابنُ مسعود صاحبُ طهورِ رسولِ الله ونعلَيه، وحذيفةُ صاحبُ سرّه، وعمارٌ الذي أجارَه الله مِن الشيطانِ على لسان نبيّه وسلمانُ صاحبُ الكتابَين"(٢).

کہتے ہیں میں مدینہ آیا اور اللہ سے دعا کی کہ اللہ مجھے کوئی اچھا ہم نشین دے دے، اللہ تعالیٰ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میسّر فرما دیا اس نے مجھ سے کہا، کن سے تعلق ہے آپ کا؟ میں نے کہا، کوفہ سے آیا ہوں خیر کا طالب ہوں۔ انہوں نے کہا، کیا تمہارے ہاں سعد بن مالک نہیں ہیں جو مستجاب الدعوات ہیں؟ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ جو رسول اللہ صلی

---

(١) كتاب التفسير، باب وما خلَق الذّكر والأنثى، رقم: ٤٩٤٤

(٢) جامع الاصول في أحاديث الرسول، رقم: ٦٣٧٩، سنن الترمذي، باب مناقب عبد الله بن مسعود، رقم: ٣٨١١

اللہ علیہ وسلم کے لئے پانی اور جوتے اٹھائے آپ کے ساتھ رہتے تھے؟ اور حذیفہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راز دان تھے؟ اور عمار جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی زبانی شیطان سے بچایا تھا اور سلمان فارسی دو کتابوں (انجیل اور قرآن) والے؟

اس روایت میں ابن مسعود، عمار، حذیفہ کے ساتھ سعد بن مالک (سعد بن ابی وقاص) اور سلمان کا بھی اضافہ ہے۔

۲۱ - باب : مَنَاقِبِ أَبِي عُبَيْدَةَ بْنِ الجَرَّاحِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ.

عشرہ مبشرہ میں سات حضرات کا ابھی تک ذکر آچکا ہے، اور جو تین حضرات باقی ہیں ان میں ابوعبیدۃ بن الجراح رضی اللہ عنہ کا تو یہاں ذکر آگیا ہے جب کہ عبدالرحمٰن اور سعید بن زید کا مستقل تذکرہ نہیں آیا اور ابوعبیدہ ہی گویا عشرہ مبشرہ میں سے آخری صحابی ہیں، جن کا یہاں تذکرہ آیا ہے البتہ سعید بن زید کے حوالے سے مناقب الانصار میں ایک مستقل باب بھی آرہا ہے (۱)۔ اور ادھر مناقب عمار و حذیفہ (جو عشرہ مبشر میں نہیں ہیں) کے متعلق ابھی باب سابق قائم کیا گیا تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عشرہ مبشرہ کا تذکرہ مرتب نہیں کیا گیا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس سلسلے میں فرماتے ہیں:

”وأظنُّ ذلك مِن تصرُّف الناقلين لِكتابِ البخاري، كما تقدم مراراً أنه ترك الكتابَ مسودة، فإن أسماء من ذكرهم هنا لم يقع فيهم مراعاةُ الأفضلية ولا السَّابقيةِ ولا الأسنيةِ وهذه جهات التقديم في الترتيب، فلما لم يراع واحداً منها دلَّ على أنه كتب كلّ ترجمة على حدةٍ فضمَّ بعض النَقَلة بعضَها إلى بعض حسبَمَا اتفق“ (۲).

میرے خیال میں یہ ناقلین کے تصرف کی وجہ سے ہے جیسے کہ (فتح الباری میں) بارہا گزر چکا ہے کہ امام بخاری نے اپنی کتاب (صحیح البخاری) مسودے کی شکل میں چھوڑی تھی، کیونکہ یہاں جو نام انہوں نے ذکر کئے ہیں اس میں افضلیت کے اعتبار سے ترتیب ہے نہ اسبق (فی الاسلام) ہونے کے اعتبار سے اور نہ اسن

---

(۱) كتاب مناقب الأنصار، باب: ۳٤

(۲) فتح الباري: ۱۱۷/۹

(معمر) ہونے کے اعتبار سے، جب کہ ترتیب کی صورت میں تقدیم انہیں وجوہ کے اعتبار سے ہوسکتی تھی اور ہونی چاہیے تھی (کہ زیادہ فضیلت، زیادہ عمر، پہلے اسلام قبول کرنے والے کا پہلے ذکر ہو اور دوسروں کا بعد میں) اب جب ان میں سے کسی وجہ کی بھی رعایت نہیں رکھی گئی تو معلوم ہوا کہ امام بخاری نے ترتیب سے ان حضرات کا تذکرہ کیا ہی نہیں ہے۔

بلکہ ہر ہر ترجمہ الگ الگ لکھ کر رکھ دیا تھا جسے ناقلین نے جیسے میسر آیا ہے اور جہاں چاہا رکھ دیا۔

ابوعبیدة بن الجراح کا تعارفی خاکہ

ابوعبیدہ کا نام عامر اور سلسلہ نسب یوں ہے، ابوعبیدة عامر بن عبداللہ بن الجراح بن ہلال بن اُہیب بن ضبة ابن الحارث بن فہر۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فہر بن مالک میں جا کر ان کا نسب ملتا ہے اور ان کی والدہ ان کے والد کی چچازاد تھیں، ابوعبیدہ کی والدہ کے متعلق یہ آیا ہے کہ وہ اسلام قبول کر گئی تھیں جب کہ والد کافر مرا تھا، غزوہ بدر میں مارا گیا تھا اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ خود ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے ہی اسے قتل کیا تھا۔

خود حضرت ابوعبیدہ کا ۱۸ ہجری کو طاعونِ عمواس میں وصال ہوا اس وقت وہ حضرت امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف سے شام کے امیر تھے (۱)۔

ان کی قبر کے بارے میں علامہ عینی فرماتے ہیں کہ "غور بیسان" میں قریہ "عَمتا" میں دفنائے گئے اور ان کی نماز جنازہ حضرت معاذ بن جبل نے پڑھائی (۲)۔

حضرت ابوعبیدة بن الجراح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اطہر سے "امین الامۃ" کا لقب ملا تھا۔ ان کا قد دراز تھا اور اگلے دانت ٹوٹے ہوئے تھے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک سے تیر نکالنے کے دوران ٹوٹ گئے تھے (۳)۔

---

(۱) فتح الباري: ۱۱۷/۹

(۲) عمدة القاري: ۲۳۸/۱٦

(۳) إرشاد الساري: ۲۲۹/۸

ابوذر کے نسخے میں لفظ "باب" نہیں ہے جب کہ باقی نسخوں میں مذکور ہے(۱)۔

٣٥٣٤ : حدَّثنا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى : حَدَّثَنَا خالِدٌ ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ قالَ : حَدَّثَنِي أَنَسُ بْنُ مالِكٍ : أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قالَ : (إِنَّ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَمِينًا ، وَإِنَّ أَمِينَنَا ، أَيَّتُهَا الْأُمَّةُ ، أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ) . [٤١٢١ ، ٦٨٢٨]

تراجم رجال

عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ

یہ عمرو بن علی ابن بحر الباہلی البصری الفلاس الصیرفی ہیں۔ان کے احوال گزر چکے ہیں (۲)۔

عَبْدُ الْأَعْلَى

یہ عبدالأعلی بن عبدالأعلی البصري السامي ہیں۔ان کے احوال بھی گزر چکے ہیں (۳)۔

خَالِدٌ

یہ ابوالمنازل خالد بن مہران حذاء البصری ہیں۔ان کے احوال كتاب العلم، باب "قول النبي صلى الله عليه وسلم اللّهم علّمه الكتاب" کے تحت گزر چکے ہیں (۴)۔

أَبِي قِلَابَةَ

یہ ابوقلابہ عبداللہ بن زید الجرمی ہیں۔ان کے احوال كتاب الإيمان، باب "حلاوة الإيمان" کے

---

(۱) إرشاد الساري: ٨/٢٢٩

(٣٥٣٤) الحديث أخرجه البخاري أيضاً في صحيحه، في كتاب المغازي، باب قصة اهل نجران، رقم: ٤٣٨٢، وفي كتاب اخبار الآحاد، رقم: ٧٢٥٥، ومسلم في صحيحه، في كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل ابي عبيدة بن الجراح، رقم: ٢٤١٩

(٢) كتاب الوضوء، باب الرجل يوضئ صاحبه، رقم: ١٨٢

(٣) كتاب الغسل، باب الجنب يخرج ويمشي في السوق وغيره......

(٤) كشف الباري: ٣/٣٦١

تحت گزر چکے ہیں (۱)۔

أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ

صحابی رسول ہیں۔ان کے احوال كتاب الإيمان، باب "مِن الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه" کے تحت گزر چکے ہیں (۲)۔

إِنَّ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَمِيناً وَإِنَّ أَمِينَنَا أَيَّتُهَا الْأُمَّةُ

یہاں "الأمّة" منادی واقع ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور یا پھر منصوب بالاختصاص ہے۔اور اس کی تقدیر یوں ہے "أمّتنا مخصوصين من بين سائر الأمم" (۳).

امین کا معنی شارحین نے بیان کیا ہے "الثقة الرضي" با اعتماد اور پسندیدہ آدمی (۴)۔

''امین'' صفت کے ابو عبیدہ کے ساتھ اختصاص کی وجہ

یہاں یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ صفتِ امانت تو حضرت ابو عبیدۃ بن الجراح کی طرح دوسرے صحابہ میں بھی پائی جاتی ہوگی اور یقیناً پائی جاتی تھی پھر ابو عبیدہ ہی کو کیوں امین کے لقب سے ملقّب کیا گیا......؟ اس کا جواب یہ ہے کہ گو یہ صفت ابو عبیدہ اور دوسرے حضرات صحابہ میں مشترک تھی مگر ابو عبیدہ میں جس مبالغہ کی حد تک تھی وہ انہیں کے ساتھ خاص تھی اور یہ ہر اس صفتِ کمال کے متعلق سمجھنا چاہیے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ایک صحابی کے ساتھ خاص فرمایا، مثلاً ابو بکر کا "أرحم" ہونا، حضرت عثمان کی صفتِ حیاء اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صفتِ قضاء کہ یہ صفات دوسرے صحابہ میں بھی پائی جاتی تھیں مگر کسی کسی میں کچھ زیادہ ہی پائی جاتی تھیں سو جس میں جو صفت زائد مقدار میں پائی گئی اسے اس کی طرف منسوب کیا (۵)۔

---

(۱) كشف الباري: ۲/۲٦

(۲) كشف الباري: ۲/٤

(۳) فتح الباري: ۹/۱۱۷، وإرشاد الساري: ۸/۲۳۰، وعمدة القاري: ۱٦/۲۳۸

(٤) فتح الباري: ۹/۱۱۷

(٥) فتح الباري: ۹/۱۱۷، وإرشاد الساري: ۸/۲۳۰، وعمدة القاري: ۱٦/۲۳۸

بعض طرق میں دوسرے الفاظ کا اضافہ

حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام ترمذی اور ابن حبان نے یہ حدیث عبدالوہاب الثقفی عن خالد الحذاء کے طریق سے اسی سند کے ساتھ مطول نقل کیا ہے اور اس کے شروع میں یہ الفاظ ہیں، "أرحَم أمتي بأمتي ابوبكر وأشدُهم في أمر اللهِ عمَرُ، وأصدقهم حياءً ا عثمانُ وأقرأهم لكتاب الله أبَيٌّ وأفرَضهم زيد، وأعلمُهم بالحَلال والحَرام معاذ ......"(١).

حافظ صاحب کہتے ہیں، یہ حدیث سند کے لحاظ سے صحیح ہے مگر حفّاظ کہتے ہیں صحیح یہ ہے کہ اس کا شروع والا حصہ مرسل ہے اور موصول صرف وہی مقدار ہے جس پر امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں اکتفاء کیا ہے۔ واللہ أعلم (۲)۔

٣٥٣٥ : حدّثنا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ أَبِي إِسْحَقَ ، عَنْ صِلَةَ ، عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِأَهْلِ نَجْرَانَ : (لَأَبْعَثَنَّ - يَعْنِي - عَلَيْكُمْ أَمِينًا ، حَقَّ أَمِينٍ) . فَأَشْرَفَ أَصْحَابُهُ ، فَبَعَثَ أَبَا عُبَيْدَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ . [٤١١٩ ، ٤١٢٠ ، ٦٨٢٧]

تراجم رجال

مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ

یہ ابوعمرو مسلم بن ابراہیم ازدی فراہیدی ہیں۔ ان کے احوال كتاب الإيمان، باب "زيادة الايمانِ ونقصانِه" کے تحت گزر چکے ہیں (۳)۔

---

(١) سنن الترمذي، باب مناقب معاذ بن جبل، رقم الحديث: ٣٧٩٠، صحيح ابن حبان، كتاب اخباره صلى الله عليه وسلم، رقم الحديث: ٧١٣١

(٢) فتح الباري: ١١٧/٩

(٣٥٣٥) الحديث أخرجه البخاري أيضا في كتاب المغازي، باب قصة اهل نجران، رقم الحديث: ٤٣٨٠، ٤٣٨١، وكتاب اخبار الآحاد، باب ماجاء في اجازة خبر الواحد الصدوق، رقم: ٧٢٥٤، ومسلم في صحيحه، باب فضائل ابي عبيدة بن الجراح، رقم: ٦٤٠٧، والنسائي في سننه الكبرى ابو عبيدة بن الجراح، رقم: ٨١٩٨

(٣) كشف الباري: ٤٥٥/٢

شُعْبَةُ

یہ شعبۃ بن الحجاج ہیں۔ان کے احوال کتاب الإیمان، باب "المسلم من سلِم المسلمون مِن لسانِه ویدِه" کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

أَبِی إِسْحَاقَ

یہ ابواسحاق عمرو بن عبداللہ سبیعی ہیں۔ان کے احوال کتاب الإیمان، باب "الصلاۃ من الإیمان" کے تحت گزر چکے ہیں(۲)۔

صِلَةَ

صِلة بن زفر العبسی، ابوالعلایا ابوبکر الکوفی، تابعی ہیں۔عمار بن یاسر،حذیفة بن الیمان، ابن مسعود،علی اور ابن عباس (رضی اللہ عنہم) سے روایت کرتے ہیں۔اور ان سے روایات لینے والوں میں ابووائل،ربعي بن حراش،مستور بن الاحنف،ابواسحاق السبعي،ایوب السختیانی شامل ہیں(۳)۔

۷۰ہجری میں خلافت زبیر میں وفات پائی(۴)۔

ابن حجر فرماتے ہیں "ثقة جليل"(۵).

عجلی بھی کہتے ہیں، "ثقة"(۶).

ذہبی نے بھی ثقہ قرار دیا ہے(۷)۔

---

(۱) كشف الباري: ۱/۶۷۸

(۲) كشف الباري: ۲/۳۷۰

(۳) تهذيب التهذيب، "حرف الصاد": ۴/۳۸۴، والجرح والتعديل: ۴/۴۴۶، رقم الترجمة: ۱۹۶۴

(۴) الثقات لابن حبان: ۴/۳۸۳، تقريب التهذيب: ۱/۲۷۸

(۵) الثقات لابن حبان: ۴/۳۸۳، تقريب التهذيب: ۱/۲۷۸

(۶) الثقات للعجلي: ۱/۴۷۹

(۷) الكاشف: ۱/۱۱

باب ذكر مصعب بن عمير

مُصعب بن عمیر کا تذکرہ

''مُصعب''، بضم المیم وفتح العین، اور عُمیر بضم العین وفتح المیم (مصغر) ان کا سلسلۂ نسب کچھ یوں ہے، مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبد الدار بن قُصي القرشي العبدری، ان کی کنیت ابوعبداللہ ہے۔ جلیل القدر صحابہ میں سے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ہجرت سے قبل اور عقبۂ ثانیہ کے بعد مدینہ منورہ بھیجا تاکہ لوگوں کو قرآن پڑھائے اور دین سکھائے، اسی لئے انہیں قاری اور مُقرِی کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ ان کے متعلق یہ بھی کہا گیا ہے کہ مدینہ منورہ میں ہجرت سے قبل سب سے پہلے جمعہ پڑھانے والے آپ ہی ہیں۔

اُحد میں چالیس سال کی عمر میں یا اس سے زائد میں آپ کی شہادت ہوئی۔ اور انہیں شہید کرنے والے کا نام ''ابن قمئۃ'' مذکور ہے۔ کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دار ارقم میں داخل ہونے کے بعد انہیں پتہ چلا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کی دعوت دے رہے ہیں، چنانچہ مصعب بھی یہاں آگئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب منشاء اسلام قبول کرلیا تاہم اپنی والدہ اور قوم کے خوف سے اسلام کو چھپائے رکھا اور خفیہ طریقے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے جاتے رہے۔ پھر عثمان بن طلحہ کو پتہ چلا تو انہوں نے ان کی والدہ اور قوم کو بتایا چنانچہ انہوں نے انہیں پکڑ کر حَبس میں رکھا اور وہ برابر اسی حالت میں رہے تا آنکہ وہ حبشہ ہجرت کرگئے، اور ان کا شمار سب سے پہلے ہجرت کرنے والوں میں ہوتا ہے، ازاں بعد غزوۂ بدر میں بھی شرکت کی۔

یہاں مصنف نے ان کے حوالے سے باب تو قائم کیا ہے مگر اس میں حدیث کوئی ذکر نہیں کی، شارحین اس کے متعلق کہتے ہیں کہ مصنف نے بیاض چھوڑ دیا ہوگا پھر انہیں اپنی شرائط کے مطابق حدیث نہیں ملی ہوگی۔ البتہ کتاب الجنائز میں ان کے متعلق کچھ گزر ہو چکا ہے، مثلاً یہ کہ دفنانے کے لئے انہیں کفن تک نہیں میسر آیا تھا(۱)۔

---

(۱) فتح الباري: ۱۱۸/۹، وإرشاد الساري: ۲۳۱/۸، وعمدة القاري: ۲۳۹/۱٦

بعض نسخوں میں "باب ذکر مصعب بن عمیر" کے الفاظ ہیں اور بعض میں "باب مناقب مصعب بن عمیر" کے الفاظ ہیں، جبکہ بعض نسخوں میں یہ ترجمہ اور باب ہے ہی نہیں (۱)۔

۲۲ – باب : مَنَاقِبُ الحَسَنِ وَالحُسَيْنِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا .

قالَ نَافِعُ بْنُ جُبَيْرٍ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ : عانَقَ النَّبِيُّ ﷺ الحَسَنَ . [ر : ۲۰۱٦]

حضرات حسنین

حسن وحسین ابنائے علی رضی اللہ عنہم کے مناقب کا بیان ہے۔

حَسن وحُسین حضرت فاطمہ کے صاحبزادے اور رسول اللہ کے نواسے تھے، حسن بڑے اور حسین چھوٹے تھے۔ دونوں کے بے شمار مناقب وفضائل ہیں۔ حضرت حسن نے خلافت سے دستبرداری کا اعلان کر کے حضرت معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور یہ ان کا وہ کارنامہ ہے جس سے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے درمیان نزاع اور خون خرابے کا خطرہ ٹل گیا تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی پیشن گوئی فرمائی تھی۔

ان کا انتقال ۵۰ ہجری کو مدینہ منورہ میں اس حال میں ہوا تھا کہ انہیں زہر دیا گیا تھا جس کے اثر سے آپ جاں بحق ہوئے تھے۔ اور ولادت آپ کی ۳ ہجری کو ہوئی تھی۔

اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت شعبان ۴ ہجری کو ہوئی تھی، جب کہ وفات ۶۱ ہجری کو "کربلا" میں یزید اور عبید اللہ بن زیاد کی فوجوں کے ہاتھوں ہوئی تھی۔ شہادتِ حسین کا واقعہ بڑا مشہور ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت معاویہ نے جب اپنے بعد یزید کو خلیفہ مقرر کیا تو کوفہ والوں نے حضرت حسین کو خطوط لکھے اور ان کے ہاتھ پر بیعت کا انہیں یقین دلایا۔ حضرت حسین جب گئے تو لوگوں نے ان سے بے وفائی کی اور یزیدی فوج سے ان کا مقابلہ ہوا جس میں اپنے پورے کنبے سمیت آپ نے جام شہادت نوش کیا (۲)۔

وقال نافع بن جُبیر

نافع بن جبیر، جبیر بن مطعم کے بیٹے ہیں اور ان کی یہ تعلیق کتاب البیوع میں موصولاً مذکور ہے (۳)۔

---

(۱) الأبواب والتراجم، ص: ۳۲٤

(۲) عمدة القاري: ۱٦/۲۳۹، فتح الباري: ۹/۱۲۰

(۳) دیکھئے، کتاب البیوع، باب ما ذکر في الأسواق، رقم: ۲۱۲۲

٣٥٣٦ : حدّثنا صَدَقَةُ : حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ : حَدَّثَنَا أَبُو مُوسَى ، عَنِ الحَسَنِ : سَمِعَ أَبَا بَكْرَةَ : سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ عَلَى المِنْبَرِ ، وَالحَسَنُ إِلَى جَنْبِهِ ، يَنْظُرُ إِلَى النَّاسِ مَرَّةً وَإِلَيْهِ مَرَّةً ، وَيَقُولُ : (ابْنِي هٰذَا سَيِّدٌ ، وَلَعَلَّ اللهَ أَنْ يُصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ مِنَ المُسْلِمِينَ) . [ر : ٢٥٥٧]

تراجم رجال

صَدَقَةُ

یہ صدقۃ بن الفضل، ابوالفضل المروزی ہیں۔ان کے احوال کتاب العلم، باب "العِلم والعِظة" کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

ابْنُ عُيَيْنَةَ

یہ سفیان بن عیینہ ہیں۔ان کے احوال کتاب العلم، باب "قول المحدّث حدّثنا أو أخبرَنا" کے تحت گزر چکے ہیں(۲)۔

أَبُو مُوسَى

یہ ابوموسیٰ اسرائیل بن موسی البصری ہیں۔ان کے احوال کتاب الصلح، باب "قول النبي للحسن بن علی "إن ابني هذا ......" کے تحت گزر چکے ہیں۔

الْحَسَنِ

یہ حسن بن ابی الحسن بن یسار البصری ہیں۔ان کے احوال کتاب الإیمان، باب "وإن طائفتان من المؤمنين اقتتلوا فأصلِحوا بينَهما" کے تحت گزر چکے ہیں(۳)۔

(٣٧٤٦) الحديث سبَق تخريجه في كتاب الصلح، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم للحَسن بن علي أن ابني هذا سيد ولعلَّ اللّٰه أن يُصلح به بين فِئتَين عظيمتين......

(١) كشف الباري: ٣٨٨/٤

(٢) كشف الباري: ١٠٢/٣

(٣) كشف الباري: ٢٢٠/٢

أَبَا بَكْرَةَ

یہ نُفَیع بن الحارث ابوبکرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ان کے احوال كتاب الإيمان، باب "وإن طائفتان من المؤمنين ......" کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

ابْنِي هَذَا سَيِّدٌ

یہ حضرت حسن کی بہت بڑی فضیلت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ''اِبن'' (اپنا بیٹا) کہہ کر سید اور سردار قرار دے دیا(۲)۔

دو گروہوں کے درمیان صلح کی پیش گوئی اور اس کا وقوع

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پیش گوئی فرمائی یہ بعد میں واقع اور متحقق ہوئی جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان دونوں کے حامیوں میں خلافت کے حوالے سے اختلاف تھا اور بہت بڑی خونریزی کا خدشہ تھا۔حضرت حسن نے خلافت سے دستبردار ہو کر اس کی ذمہ داریاں معاویہ رضی اللہ عنہ کو انجام دینے کے لئے کہا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں فریقوں کے اتفاق سے مسلمانوں کے خلیفہ یا امیر ٹھہرے۔

یہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی بہت بڑی قربانی، ایثار اور بے مثال فضیلت ومنقبت ہے۔اور ظاہر ہے حضرت حسن نے ایسا کسی ذلّت اور قلّتِ افراد وغیرہ کی وجہ سے ہرگز نہیں کیا، کیونکہ چالیس ہزار سے زائد نفوس نے ان کے ہاتھ پر موت کی بیعت کی تھی، تاہم وہ مسلمانوں کی اجتماعی خیر خواہی اور قومی امن وسلامتی کے لئے اس پر آمادہ ہوئے اور رہتی دنیا کے لئے ایک عمدہ مثال چھوڑ گئے(۳)۔

۳۵۳۷ : حدّثنا مُسَدَّدٌ : حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ قالَ : سَمِعْتُ أَبِي قالَ : حَدَّثَنَا أَبُو عُثْمَانَ ، عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ : أَنَّهُ كانَ يَأْخُذُهُ وَالحَسَنَ وَيَقُولُ : (اللّٰهُمَّ

---

(۱) كشف الباري: /۲۲۵

(۲) إرشاد الساري: ۸/۲۳۱

(۳) إرشاد الساري: ۸/۲۳۱

(۳۷٤۷) الحديث سَبق تخريجُه في ذكر أسامة بن زيد: ۳۷۳۵

إِنِّي أُحِبُّهُمَا ، فَأَحِبَّهُمَا) . أَوْ كما قالَ . [ر : ٣٥٢٨]

تراجم رجال

مُسَدَّدٌ

یہ مسدَّد بن مسرہد ہیں۔ان کے احوال کتاب العلم، باب "من خصَّ بالعلم قوماً دون قومٍ" کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

مُعْتَمِرُ

یہ ابومحمد معتمر بن سلیمان ہیں۔ان کے احوال بھی اسی کتاب العلم، باب "من خصَّ بالعلم قوماً دون قومٍ" کے تحت گزر چکے ہیں(۲)۔

أبي

یہ معتمر کے والد سلیمان بن طرخان ہیں۔ان کے احوال بھی کتاب العلم، باب "من خصَّ بالعلم قوماً دون قومٍ" کے تحت گزر چکے ہیں(۳)۔

أَبُو عُثْمَانَ

یہ ابوعثمان بن عبدالرحمٰن بن مل النہدی ہیں۔ان کے احوال کتاب مواقيت الصلاة، باب "الصلاة كفارة" کے تحت گزر چکے ہیں۔

حدیث کی تشریح اسامہ بن زید کے حوالے سے ذکر ہونے والے باب میں گزر چکی ہے۔

٣٥٣٨ : حدَّثني مُحَمَّدُ بْنُ الْحُسَيْنِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ قالَ : حَدَّثَنِي حُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ : حَدَّثَنَا

---

(١) كشف الباري: ٥٨٨/٤

(٢) كشف الباري: ٥٩٠/٤

(٣) كشف الباري: ٥٩٣/٣

(٣٧٤٨) الحديث أخرج الترمذي هذا الحديث ايضاً في المناقب باب مناقب الحسن: ٣٧٧٨

جَرِيرٌ ، عَنْ مُحَمَّدٍ ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : أُتِيَ عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ زِيَادٍ بِرَأْسِ الْحُسَيْنِ ابْنِ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ ، فَجُعِلَ فِي طَسْتٍ ، فَجَعَلَ يَنْكُتُ ، وَقَالَ فِي حُسْنِهِ شَيْئًا ، فَقَالَ أَنَسٌ : كَانَ أَشْبَهَهُمْ بِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ ، وَكَانَ مَخْضُوبًا بِالْوَسْمَةِ .

تراجم رجال

مُحَمَّدُ بْنُ الْحُسَيْنِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ

یہ محمد بن الحسین بن ابراہیم بن الحرّ بن زعلان العامری ابوجعفر بن إشكاب البغدادی ہیں۔ جو علی بن إشكاب کے بھائی ہیں اوران سے چھوٹے ہیں، ان کا تعلق اصل میں خراسان اور ''نسا'' سے ہے۔

ان کے شیوخ میں ان کے والد حسين بن ابراهيم، أبو النضر، اسحاق بن سليمان الرازي، حسين بن محمد المروزي، علي بن حفص المدائني، محمد بن أبي عبيدة بن معد المسعودي، قراد ابو نوح، عبد الصمد بن عبد الوارث، عبيد الله بن موسىٰ وغیرہ شامل ہیں۔ جب کہ ان سے روایت کرنے والوں میں بخاري، أبو داود، نسائي، ابن أبي عاصم، ابن أبي حاتم، ابو الطيب أحمد بن أبي القاسم البغوي وغیرہ شامل ہیں۔

عبدالرحمٰن بن ابی حاتم ان کے متعلق کہتے ہیں:

''كتبتُ عنه مع أبي وهو ثقة، سئل أبي عنه فقال: "صدوق". میں نے اور میرے والد نے ان سے احادیث لکھی ہیں اور وثقہ ہیں، والد صاحب سے ان کے متعلق پوچھا گیا تو کہا سچے ہیں۔

ابوبکر بن ابی عاصم کہتے ہیں: ''أثبت''.

ابوالعباس بن سعید کہتے ہیں: ''كان من أهل العلم والأمانة''.

ابن حبان نے ان کا کتاب ''الثقات'' میں ذکر کیا ہے۔

ابوالحسین بن المنادی کہتے ہیں:

''توفي يوم الثلاثاء لعشر خلون من محرم سنة إحدى وستين ومئتين،

له ثمانون سنة".

دس محرم ۲۶۱ کو وفات پائی اور ان کی عمر ۸۰ سال تھی (۱)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"قلت: وقال سلمة: ثقة، ثبت، جليل. وقال الخطيب: كان ثقةً حافظاً روى البخاري عنه أربعة".

مسلمہ نے انہیں ثقہ ثبت اور جلیل کہا ہے، خطیب نے بھی ثقہ اور حافظ کہا، امام بخاری نے ان سے چار روایتیں روایت کی ہیں (۲)۔

حُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ

یہ حسین بن محمد بن بہرام تمیمی مروزی ہیں۔ ان کے احوال كتاب الجهاد، باب "من أتاه سهم غرب فقتله" کے تحت گزر چکے ہیں (۳)۔

جَرِيرٌ

یہ جریر بن حازم یا ابن ابی حازم بن زید الازدی البصری ہیں۔ ان کے احوال گزر چکے ہیں (۴)۔

مُحَمَّدٍ

یہ محمد بن سیرین رحمہ اللہ مشہور تابعی ہیں۔ ان کے احوال كتاب الإيمان، باب "اتباع الجنائز من الإيمان" کے تحت گزر چکے ہیں (۵)۔

أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ

معروف صحابی رسول مراد ہیں۔ ان کے احوال كتاب الايمان، باب "مِن الإيمان أن يُحب

---

(۱) تهذيب الكمال: ۲۵/۷۹، وتهذيب التهذيب: ۹/۱۲۱

(۲) تهذيب التهذيب: ۹/۱۲۲

(۳) كتاب الجهاد: ۱/۱٦٤

(٤) كتاب الصلاة، باب الخوخة والممرّ في المسجد......

(٥) كشف الباري: ۲/٥۲٤

لأخيه ما يُحب لنفسه" کے تحت گزر چکے ہیں (۱)۔

یزید اور ابن زیاد کی حکومت

أُتِيَ عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ زِيَادٍ...... عبید اللہ بن زیاد یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوفہ کا امیر تھا، یزید حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا بیٹا تھا اور ان کے بعد حکمران بنا تھا۔ اور اکثر مسلمانوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی تھی تاہم متعدد حضرات صحابہ نے انہیں خلیفہ ماننے اور اس کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے انکار کیا تھا۔ جن میں حضرت عبد اللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما اور حضرت سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما بطور خاص قابلِ ذکر ہیں۔

پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ سے شیعانِ علی نے خطوط لکھ کر انہیں کوفہ بلایا اور یقین دلایا کہ وہ یزید کی بجائے ان کے ہاتھ پر بیعت کریں گے، حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے کثیر تعداد میں ایسے خطوط ملنے کے باعث کوفہ جانا مناسب سمجھا، جب کہ حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت عبد اللہ بن زبیر جیسے جلیل القدر صحابہ نے انہیں یہ کہہ کر جانے سے روکا تھا کہ کوفہ والے دغا باز ہیں، ان کی باتوں اور وعدوں پر بالکل یقین نہ کریں کیونکہ انہیں لوگوں نے آپ کے والد کو قتل کیا، بھائی کو تنہا چھوڑا تو یقیناً وہ آپ کے ساتھ بھی ایسا ہی کریں گے۔

تاہم حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ان کی بات نہیں مانی اور کوفہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ جس کے بعد کربلا کا اندوہناک تاریخی واقعہ پیش آیا اور اس میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور متعدد اہلِ بیتِ رسول کی دردناک شہادت کا سانحہ پیش آیا، یہ واقعہ بڑا تفصیلی ہے اور تاریخ کا ایک مستقل باب ہی نہیں، بلکہ مستقل تاریخ ہے، جس پر بہت کچھ لکھا اور کہا گیا ہے اور قیامت تک لکھا اور کہا جاتا رہے گا۔

ہم تاریخ کی مستند اور غیر مستند روایات اور حقیقت اور فسانے کی وضاحت یہاں نہیں کریں گے اور نہ یہ اس کا محل ہے، البتہ اس کا اتنا پس منظر اور تاریخ کی وہ متفق علیہ باتیں ذکر کرنا ضروری سمجھتے ہیں، جن سے روایتِ بالا سمجھنے میں مدد ملے گی۔

واقعہ کربلا اور شہادتِ حسین کا پسِ منظر اور اسبابِ وقوع

کربلا میں نواسۂ رسول حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے خانوادے کے دیگر حضرات کی شہادت تو

(۱) كشف الباري: ۲/۴

انسانی تاریخ کا دلخراش ترین اور بہیمانہ ترین واقعہ ہے اور ان نفوس قدسیہ پر ظلم وستم کے جو پہاڑ توڑے گئے، کوئی ہوش مند مسلمان اس کی تائید اور ایسے ذمہ داروں کی طرف داری نہیں کرسکتا تاہم اس کے پس منظر میں جانے اور اس کی تاریخی کڑیاں ملانے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس حادثے کا بھی انہیں واقعات سے تعلق تھا، جو عہد خلافت راشدہ میں یہودیوں کے ایجنٹ سبائی ٹولے اور دوسرے سازشی عناصر اور منافقین کی سازشوں اور ان کے دامِ فریب میں آنے والے سادہ دل مسلمان کی سادگی کے نتیجے میں رونما ہوئے تھے اور کچھ اللہ تعالیٰ کی اپنی بھی حکمت اس میں پوشیدہ ہوگی۔

بنو ہاشم اور بنو اُمیہ

علامہ ابن خلدون نے اپنی شہرہ آفاق تاریخ میں اس حوالے سے بڑی محقق معتدل اور معقول توجیہ فرمائی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِّ امجد اور قریش کے سردار عبد مناف کی اولاد میں قدرت نے بڑا فضل وکمال رکھا تھا اور ان کی نجابت اور شرافت ایک مسلَّم حقیقت ہے۔ عبد مناف کے بیٹوں میں ایک عبد شمس تھا اور بڑا بیٹا ہونے کی وجہ سے قریش کی سیادت وسرداری پہلے اس کے ہاتھ میں رہی اور پھر اس کے بھائی اور عبد مناف کے دوسرے بیٹے ہاشم کی طرف منتقل ہوئی۔ ہاشم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کے والد تھے جب کہ عبدالشمس ابوسفیان بن حرب بن امیہ کے دادا (امیہ) کے والد تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد قریش (جو فہر بن مالک بن النضر کی اولاد کا لقب ہے) نے بنو ہاشم کا بائیکاٹ کیا یہ ۷ نبوی کی بات ہے، تین سال تک بنو ہاشم شِعب اَبی طالب میں محصور رہے اور طرح طرح کی اذیتیں برداشت کیں...... ازاں بعد قریش کے کچھ زندہ ضمیر سرداروں کو یہ بات بہت بری لگی کہ انہوں نے بنو ہاشم پر یہ ناروا اور غیر انسانی پابندی لگائی ہے چنانچہ انہوں نے یہ پابندی ہٹادی۔ ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قریش کی توقعات کے برعکس کوئی اثر ہی نہیں ہوا۔

اور آپ نے اپنی دعوت زمانۂ حصار میں بھی جاری رکھی اور اس کے بعد بھی، معدودے چند کے علاوہ تقریباً سارے قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت قبول کرنے سے انکار کرتے اور آپ کی ذات کو اور آپ کے خاندان کو تکلیفیں پہنچاتے رہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برابر صبر کرتے اور لوگوں کو سمجھاتے رہے، تاآں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم سے مدینہ طیبہ ہجرت فرمائی، جہاد شروع ہوا اور پھر غزوہ بدر

میں اکثر سرداران قریش مارے گئے۔ اسلام مضبوط ہوتا اور کفر کمزور ہوتا گیا اور ۸ ہجری کو فتح مکہ کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے اسلام کو فتح مبین اور فیصلہ کن غلبہ عطاء فرمایا۔

ابوسفیان کا قبولِ اسلام

فتح مکہ کے دن قریش کے سردار ابوسفیان تھے، جن کا نام صخر تھا اور وہ حرب بن امیۃ بن عبدالشمس بن عبد مناف کے بیٹے تھے وہ دوسرے سردارانِ قریش کے مقابلے میں زیادہ بردبار، سمجھدار اور نجابت وتدبُّر سے متصف تھے اور ان کے برخلاف اللہ تعالیٰ نے انہیں اسلام کی دولت سے بھی نوازا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں فاتحانہ داخل ہوئے تھے اور آپ کو کسی بھی مخالف کے ساتھ کچھ بھی کرنے کی قدرت حاصل تھی مگر آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے عام معافی کا اعلان فرمایا، فتح مکہ کو یوم الملحمہ (لڑائی کا دن) کی بجائے یوم المرحمہ (رحمت کا دن) قرار دیا اور قریش کے بارے میں اس تاثر کو رَد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آج قریش کو ذلیل کیا بلکہ فرمایا آج اللہ تعالیٰ نے قریش کو عزت دی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس نے بھی اس موقعہ پر ایمان قبول کیا اور ان کے کہنے پر ابوسفیان نے بھی اسلام قبول کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف ان کا اسلام اور منظور قبول فرمایا، بلکہ انہیں اعزاز دیا اور فرمایا جو کوئی ابوسفیان کے گھر آیا وہ بھی مامون ہے۔

ابوسفیان کی اہلیہ عاتکہ بنت عتبہ بھی مسلمان ہوگئیں اور اُن کا بیٹا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی ایک قول کے مطابق اسی موقع پر مسلمان ہوا۔ یہ تمام حضرات اسلام میں داخل اور شرفِ صحابیت سے سرفراز ہوگئے اور رسول اللہ علیہ الصلوۃ والسلام کی حیات میں اور وصال کے بعد اسلام کے دامن سے وابستہ رہے۔

ابوسفیان کے سچے مسلمان ہونے کے دلائل وقرائن

جیسے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ سوچنا محال ہے کہ آپ نے کسی خوف یا لالچ کی بناء پر ابوسفیان کے اظہار اسلام پر خاموشی اختیار کی تھی، جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابوسفیان کا عدم قبول اسلام جانتے تھے......اسی طرح یہ تسلیم کرنا ناممکن ہے کہ زندگی بھر رسول اللہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہادر صحابہ سے لڑنے والے اور قیصر کے دربار میں خلافِ واقعہ ایک لفظ بولنے سے بھی کترانے والے ابوسفیان نے خوف کے

مارے اپنا قبول اسلام ظاہر کیا۔

بلکہ انہوں نے تو قبول اسلام سے ذرا پہلے فاتح اعظم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو آپ کے نبی ہونے پر عدم اطمینان کا اظہار کیا تھا اور پھر اللہ نے اپنے فضل اور شاید رسول اللہ کی برکتِ دعا سے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیا تھا۔

خاندانِ معاویہ کی حکومت کا آغاز

آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد عہدِ خلافت راشدہ میں خلیفہ راشد ثانی سیدنا عمر فاروق نے دمشق کا والی یزید بن ابی سفیان کو بنایا تھا اور اُردن کا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم کو۔ پھر جب یزید کا طاعونِ عمواس میں انتقال ہوا، تو دمشق کا گورنر ان کے بھائی حضرت معاویہ کو بنا دیا گیا، دمشق شام کا دارالخلافہ ہے اور حجاز کے علاو عراق اور شام عہد اول ہی سے اسلام اور مسلمانوں کے نہایت اہم اور قابل ذکر علاقے سمجھے جاتے ہیں۔

علی ومعاویہ رضی اللہ عنہما کا اختلاف

سیدنا عمر فاروق کے بعد حضرت عثمان کو امیر المؤمنین بنا دیا گیا تو انہوں نے بھی حضرت معاویہ کو گورنر شام رہنے دیا اور پھر جب عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو فتنہ پردازوں نے اندوہناک طریقے سے قتل (شہید) کیا تو متعدد صحابہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے انتقام کو خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالنے والے کا اولین فریضہ قرار دیا، خلیفہ حضرت طلحہ وزبیر جیسے اصحاب (جو عشرہ مبشرہ میں سے تھے) کے کہنے پر حضرت علی رضی اللہ عنہ بنے اور خلیفہ بنتے ہی ان سے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ، جلیل القدر اور مدبر صحابی رسول عمرو بن العاص، طلحہ وزبیر، مغیرۃ بن شعبہ، نعمان بن بشیر، ابوموسیٰ اشعری اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہم جیسے صحابہ رسول نے عثمان کا بدلہ لینے کا مطالبہ کیا۔ ادھر حضرت عثمان کو قتل کرنے والے سبائی بلوائی حضرت علي کے گردوپیش تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قصاص کی بات چھیڑنا ممکن نہ تھی، فریق ثانی کا اس سے دستبردار ہونا بھی آسان نہ تھا کیونکہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے وارث بھی تھے اور قتل عثمانؓ کا واقعہ کوئی معمولی واقعہ بھی نہ تھا۔

بہرحال اس حوالے سے اختلاف میں شدت آتی گئی اور نعمان بن بشیر حضرت عثمان کا کُرتہ مبارک اور ان کی زوجہ محترمہ حضرت نائلہ کی انگلیاں (جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بچانے کے دوران کاٹ دی گئی تھیں) لے کر شام گئے اور وہاں حضرت معاویہ نے جامع دمشق کے منبر پر رکھ کر لوگوں سے حضرت عثمان کی مظلومانہ شہادت اور ان کے قصاص لینے میں پس وپیش پر بات کی۔

حضرت معاویہ کی یہاں کے لوگوں سے طویل شناسائی، پھر ان کی عرصۂ دراز سے خدمت، اپنی خاندانی وجاہت اور طبعی سیاسی تدبر جیسی چیزوں کی وجہ سے اور کچھ واقعے کی نزاکت وہولناکی کے باعث اس پر رائے عامہ کا معاویہ کے حق میں ہموار ہونا بالکل قدرتی اور قرین قیاس تھا، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے یہ مسئلہ دبانا بہت مشکل ہوگیا اس کی بناء پر ان کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلاف جنگ جمل اور حضرت معاویہ کے خلاف جنگ صفین بھی لڑنا پڑیں جن میں اوّل الذکر میں (تاریخی شہادتوں کے مطابق) دس ہزار اور دوم میں ایک لاکھ کے قریب نفوس کی جانیں گئیں۔

اگرچہ ان جنگوں کو بپا کرنے میں اور طرفین کو نقصان پہنچانے میں فتنہ پردازوں کا بنیادی کردار تھا، تاہم موقف کا اختلاف بہرحال دونوں فریقوں میں تھا، اس اختلاف کو بنوہاشم (خاندانِ نبي وعلي) اور بنو امیہ (خاندانِ معاویہ وعثمان) کے درمیان اختلاف کے تناظر میں بھی دیکھا گیا ہے۔ اس حوالے سے جن لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خانوادۂ رسول میں سے ہونے، دامادِ رسول ہونے اور سبقت فی الاسلام کی وجہ سے افضل اور برحق کہا، وہ تو اپنی جگہ درست ہے مگر حضرت معاویہ کی ان کے جد امجد اُمیّہ کی طرف نسبت کرکے انہیں خاندان نبوت کا مقابل یا حریف گرداننا، ان کی اور ان کے والد ابوسفیان کے اسلام کو مشکوک قرار دے دینا، انہیں جاہلیت اور باطل شہنشاہیت کا دلدادہ قرار دے کر ضلال کی طرف منسوب کرنا بھی کسی طرح درست نہیں ہے؛ کیونکہ ایک تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول اور حق کے علمبردار تھے، اپنے نسب کے لئے بادشاہت اور سیادت حاصل کرنا آپ کا مقصد بالکل نہ تھا چنانچہ ابولہب بنی ہاشم میں سے ہونے کے باوجود اللہ کے رسول کے دشمن اور مردود ہے۔ اور والد کا فتح مکہ میں قبول اسلام اگر عیب ہے تو عباس عمّ رسول نے بھی تو اسی موقع پر اسلام قبول کیا تھا اور علی (رضی اللہ عنہ) کے والد نے تو اسلام قبول ہی نہیں کیا تھا (تو پھر معاویہ ہی اس بناء پر ہدف تنقید بنے) پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی تو بنی امیہ میں سے تھے اور خلیفہ راشد تھے تو بنی امیہ کی حکومت کا پھر مورخ

معاویہ سے کیوں آغاز کرتا ہے؟ اس کی جڑیں تو عہد خلافت راشدہ میں ہیں اور دامادِ رسول تو عثمان بھی ہیں اور معاویہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سالے ہیں اور ابوسفیان سسر۔

بہر حال علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان اختلاف تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عبدالرحمٰن بن ملجم خارجی کے ہاتھوں شہادت کے بعد آپ کے صاحبزادے حسن کو امیر بنایا گیا انہوں نے حضرت معاویہ سے مصالحت کی اور ان کے حق میں دستبردار ہوگئے، حضرت معاویہ نے حضرت عثمان کے زمانے میں اٹھنے اور عہد مرتضوی میں مزید توانا ہونے والے سبائی اور خارجی فتنوں کو اپنے سیاسی تدبر اور حکمت عملی سے کچل دیا اور کافی حد تک مستحکم حکومت قائم فرمائی۔

وفاتِ سیدنا معاویہ اور خلافتِ یزید

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ٦٠ ہجری میں وفات ہوئی، وفات سے قبل حضرت مغیرہ بن شعبہ جیسے جلیل القدر اور تجربے کار صحابی کے مشورے سے حضرت معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کی حکومت کے لئے رائے عامہ ہموار کرنا شروع فرمایا، مغیرۃ بن شعبۃ نے اس حوالے سے اپنا کردار ادا کیا۔ مغیرۃ بن شعبہ نے ان الفاظ میں یزید پر اعتماد کا اظہار کیا:

"ذهب أعيانُ الصحابة و كبراء قريش وردوا أسنانهم وإنما بقي أبناءُهم وأنت مِن أفضلِهم وأحسنِهم رأياً وسياسةً وما أدري ما يمنع أميرَ المؤمنين من العهد لك"(١).

سربرآوردہ صحابہ دنیا سے چلے گئے ہیں اور قریش کے بڑے بھی، انہوں نے اپنی عمریں کھپا دیں ہیں اور اب ان کے بیٹے رہ گئے ہیں، جن میں آپ بہتر اور رائے اور سیاست کے اعتبار سے دوسروں سے اچھے ہو، اور مجھے نہیں معلوم کہ امیر المؤمنین (سیدنا معاویہ) آپ کے لئے ولی عہدی کا عہد کیوں نہیں لیتے۔

یزید نے یہ بات حضرت معاویہ سے کہہ دی، حضرت معاویہ نے حضرت مغیرہ سے پوچھا، تو انہوں نے

(١) تفصیل کے لئے دیکھئے، تاریخ ابن خلدون: ٢٠/٣

اُن سے کہا:

"قد رأيت ما كان من الاختلاف وسَفك الدّم بعد عثمانَ وفي يزيد منك خَلف، فاعهد له يكون كهفاً للناس بعدك فلا تكون فتنةٌ ولا يُسفك دم وأنا أكفيك الكوفةَ ويكفيك ابنُ زياد البصرةَ ......"(۱).

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد جو اختلاف اور خونریزی ہوئی وہ میں نے دیکھی ہے اور آپ کی بہترین جانشینی یزید کرسکتا ہے؛ لہٰذا آپ اس کے لئے وصیت کردو وہ آپ کے بعد لوگوں کے لئے بہترین سہارا ثابت ہوں گے، اور نہ فتنہ ہوگا نہ خونریزی...... اور میں آپ کے لئے کوفہ کی ذمہ داری لیتا ہوں اور ابن زیاد بصرہ کی ذمہ داری لے لے گا۔

سیدنا امیر معاویہ کے ساتھ اس بات چیت کے بعد حضرت مغیرہ نے بھی یزید کی ولی عہدی کے لئے کام شروع کردیا اور حضرت معاویہ نے بھی اس حوالے سے ذہن بنا کر کچھ مشاورت کا سلسلہ شروع کیا۔

حضرت مغیرۃ بن شعبہ ۴۹ ہجری کو یا ۵۰ ہجری کو وفات پاگئے تو حضرت معاویہ نے ان کی جگہ کوفہ کا گورنر بھی زیاد کو بنادیا اور یوں زیاد کے پاس دو شہر آگئے پھر زیاد کوفہ چلا گیا اور بصرہ کو سمرۃ بن جندب کے حوالے کیا۔

زیاد کون تھا؟

زیاد اور ابن زیاد کا اس تاریخ (خلافتِ یزید اور شہادتِ حسین) میں بڑا بنیادی کردار ہے، زیاد وہ آدمی ہے جس کے متعلق ابوسفیان کا یہ دعویٰ تھا کہ یہ ان کے زمانہ جاہلیت کے کسی نکاح کے نتیجے میں ان کے نطفے سے پیدا ہونے والا آدمی ہے۔ بعد میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے زیاد کے مطالبے اور ماہرینِ اَنساب وقیافہ کی گواہی کی بنیاد پر ابن ابی سفیان کے طور پر قبول کرکے اسے اپنے ساتھ نسب میں ملحق کردیا (جس کے لئے "استلحاق" کی اصطلاح معروف ہے) اور پھر عقل وتدبر کی بنیاد پر اسے حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا۔ اس کی وفات کے بعد اس کے بیٹوں میں عبیداللہ بن زیاد کو خراسان کا والی بنایا اور اسے یہ وصیت کی:

---

(۱) تاریخ ابن خلدون: ۲۰/۳

"اتق الله ولا تؤثرنَّ على تقواه شيئاً، فإن في تقواه عوضاً وقِ عَرضَك مِن أن تدنّسه، وإن أعطيتَ عهداً فأوفِ به، ولا تتبعَنَّ كثيراً بقليلٍ، ولا يخرجن منك أمر حتى تبرمه، فإذا خرج فلا يردن عليك، وإذا لقيت عدوك فكبر أكبر مَن معك وقاسِمهم على كتاب الله، ولا تطمئن أحدا في غير حق ولا تؤيسَنَّ أحداً من حقٍ هُولَه"(۱).

ان کے بھائی عباد بن زیاد کو بجستان کا والی بنایا اور عبدالرحمٰن بن زیاد کو عبیداللہ کا شریک کار بنایا۔

حضرت معاویہ کی بصیرت افروز وصیتیں

۶۰ ہجری میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے وفات پائی اور وفات سے قبل انہوں نے قوم سے خطاب فرمایا، جس میں کہا:

"إني كزرع مستحصد، وقد طالت امارتي عليكم حتى مللتُكم وملّلتموني وتمنَّيت فراقكم وتمنيتم فراقي ولن يأتيكم بعدي إلا من أنا خير منه كما أن من كان قبلي خير مني. وقد قيل: من أحبَّ لقاءَ الله أحبَّ الله لقاءَه اللّهم اني قد أحببت لقاءك فأحبب لقائي وبارك في"(۲).

اس کے بعد اپنے بیٹے یزید سے کہا کہ میں نے آپ کے لئے فضاء ہموار کی ہے اور امر حکومت میں قریش کے چار افراد آپ کی راہ میں مزاحم بن سکتے ہیں، حسین بن علی، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر۔

جہاں تک ابن عمر کا تعلق ہے تو اسے تو عبادت نے ادھ موا کر دیا ہے اور جب کوئی (بیعت کئے بغیر) نہیں بچے گا تو وہ آپ کی بیعت کرلے گا۔ اور حسین کے متعلق فرمایا:

"وأما الحسين فإن أهل العراق لن يدَعوه حتى يُخرِجوه فإن خرج عليك فُظفرتَ به فاصفح عنه فإنَّ له رحماً ما مثله، وحقاً عظيماً".

---

(۱) تاريخ ابن خلدون: ۱۹/۳

(۲) تاريخ ابن خلدون: ۲۲/۳

حسین کو اہل عراق مدینہ سے نکالے بغیر نہیں چھوڑیں گے اگر وہ آپ کے خلاف نکل آیا اور آپ اس پر غالب آؤ، تو اسے کچھ نہ کہو کیونکہ ان کی ایسی رشتہ داری ہے آپ سے جس کی کوئی مثال نہیں، اور بہت بڑا حق ہے ان کا۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکر کے متعلق فرمایا کہ اگر دوسرے لوگ کچھ کریں گے تو شاید وہ بھی کریں ورنہ ان کی دلچسپی بس عورتوں میں ہے اور پھر کہا:

”وأما الذي يجثم لك جثوم الأسد ويراوغك روغانَ الثعلب، وإذا أمكنه فرصة وثب فذاك ابن الزبير فإن هو فعلَها بك وقدرتَ عليه فقطّعه إرباً إرباً“(۱).

اور جہاں تک تعلق ہے عبداللہ بن زبیر کا تو وہ شیر کی طرح زمین پر سینہ رکھ کر تیری تاک میں رہے گا، اور لومڑی کی طرح چالیں چلے گا، اور اگر اسے موقع ملے گا تو تجھ پر لپکے گا چنانچہ اگر اس نے ایسا کچھ کیا اور تجھے اس پر قدرت حاصل ہوئی۔ تو اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا۔

ایک اور روایت میں یہ آیا ہے کہ حضرت معاویہ کی وفات کے وقت یزید غائب تھا، حضرت معاویہ نے فرمایا انہیں میری یہ وصیت پہنچائی جائے کہ اہل حجاز تیرے لوگ ہیں تم ان میں سے کسی بھی آنے والے کا اکرام کرو اور غائب رہنے والوں کا دیکھ بھال کرو اور اہل عراق اگر ہر روز تجھ سے گورنر کی معزولی کا کہیں تو معزول کر لیا کرو، کیونکہ عامل کی معزولی اس سے کمتر ہے کہ تجھ پر ایک لاکھ تلواریں اٹھائی جائیں۔

اور شام والوں کے متعلق فرمایا:

”فليكونوا بطانتك وعيبتك، وإن رابك شيئ من عدوك فانتصر بهم“.

وہ تیرے خواص اور راز دار ہوں اور تجھے اگر کسی دشمن سے خطرہ ہو تو ان سے مدد لو۔

اس روایت میں عبدالرحمٰن بن ابی بکر کا ذکر نہیں ہے، اور حسین کے متعلق یہ الفاظ ہیں:

”لو أني صاحبُه لعفوتُ عنه وأنا أرجوك أن يكفيك الله بمَن قتلَ أباه وخذَل أخاه“.

---

(۱) تاريخ ابن خلدون: ۳/۲۲، ۲۳

یعنی اگر اس کا معاملہ میرے ساتھ ہوتا تو میں اسے معاف کر دیتا اور میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تیرے لئے یوں کافی ہو جائیں گے کہ تیری طرف سے ان لوگوں کو اس سے الجھا دیں گے، جنہوں نے ان کے والد کو قتل اور بھائی کو بے یار ومددگار چھوڑا۔

اور ابن زبیر سے نمٹنے کے لئے فرمایا، مگر مصالحت کی صورت میں صلح کرنے کے لئے فرمایا اور کہا:

"واحقن دماء قومك ما استطعت"(۱). جتنا ہو سکے اپنی قوم کا خون بہانے سے احتراز کر۔

حضرت معاویہ کی اس وصیت سے ان کے جذبات واحساسات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا سب سے سخت مؤقف ابن زبیر سے متعلق ہے۔ اور حضرت حسین کی جلالت واہمیت کا انہیں پورا لحاظ واحساس ہے اور خطرے کے باوجود ان سے نہ لڑنے کی استدعا ہے۔ بہر حال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ انتقال فرما گئے۔ اور یزید کے ہاتھ پر اس کی امارت کے لئے بیعت ہوگئی اس وقت مدینہ منورہ کا گورنر ولید بن عتبۃ بن ابی سفیان تھا۔ مکہ کا گورنر عمرو بن سعید بن العاص، بصرہ کا عبید اللہ بن زیاد اور کوفہ کا نعمان بن بشیر......

حضرت معاویہ کی توقع کے مطابق انہیں چار افراد (حسین ابن علی، عبداللہ بن زبیر، ابن عمر اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر) نے بیعت یزید سے انکار کیا اور یزید نے ان سے بیعت لینے کے لئے تگ ودو شروع کر دی۔

حضرت حسین کا خلافت یزید ماننے سے انکار

چنانچہ گورنر مدینہ ولید بن عتبہ کو انہوں نے خط لکھا اور اس میں انہیں حضرت امیر معاویہ کی وفات کی خبر دی اور حضرت حسین بن علی، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن زبیر سے کوئی رخصت ومہلت دیئے بغیر بیعت لینے کے لئے کہا۔ یہ خط مروان بن الحکم نے پڑھا تو حضرت معاویہ کی وفات پر ان کے لئے دعا کی اور ولید کو یہ مشورہ دیا کہ ان تینوں سے معاویہ کی وفات کے علم سے قبل ہی بیعت لے لیں اور اگر وہ نہ مانیں تو قتل کر دیں ورنہ وہ اطراف میں جا کر آپ کے لئے مشکلات پیدا کریں گے، سوائے ابن عمر کے کیونکہ وہ قتال کو پسند کرتا ہے نہ حکومت کو۔

---

(۱) تاريخ ابن خلدون: ۲۳/۳

"فإنه لايحب القتال ولايحب الولاية"(۱).

ولید نے عبداللہ بن عمرو بن عثمان کو بھیجا حسین کے پاس.....تو حضرت حسین نے اپنے جوانوں اور اہل خانہ کو جمع کر کے کہا "وہ (حسین) ان کے پاس جارہے ہیں اور آپ دروازے پر رہو اگر آوازیں بلند ہوگئیں تو پھر آپ سب آجاؤ"۔

حضرت حسین نے جا کر مروان وولید سے تعزیت کی، ان کا رابطہ کرنے پر شکریہ ادا کیا اور جب انہوں نے بیعت کے لئے کہا تو حسین نے کہا:

"مثلي لا يبايع سِراً ولا يكتفى بها مني"(۲).

مجھ جیسا آدمی (جس کے ساتھ بڑی تعداد میں پیروکار ہوں) خفیہ بیعت نہیں کرسکتا اور نہ اُس (میری بیعت) پر اکتفاء کیا جاسکتا ہے۔

حرمین اور کوفہ کے گورنروں کا قتل حسین سے انکار

مروان نے بیعت نہ کرنے کی صورت میں حسین کو قتل کرنے کے لئے کہا اور حسین کے چلے جانے کے بعد جب ولید کو طعن وملامت کا نشانہ بنایا تو انہوں نے کہا:

"والله ما أحِبُّ أن لي ما طلعت الشمس في مال الدنيا وملكها وأني قتلت الحسين أن قال لا أبايع"(۳).

مجھے اگر دنیا کے مال وبادشاہت میں سے وہ سب کچھ مل رہا ہو، جس پر سورج طلوع ہوا ہے تو بخدا میں اسے حسین کو بیعت نہ کرنے پر قتل کرنے کے بدلے لینا پسند نہیں کروں گا۔

دوسری طرف ابن الزبیر کچھ دن تو گھر میں روپوش رہا اور پھر جب ولید کی طرف سے بیعت کے لئے اصرار بڑھا تو انہوں نے اپنا بھائی جعفر ولید کے پاس سمجھانے بجھانے کے لئے بھیجا اور کہا میرے گھر کے دروازے سے لوگ واپس کریں میں کل ہی آپ کے پاس آتا ہوں، اور پھر جب انہوں نے حراست ختم کردی تو

(۱) تاریخ ابن خلدون: ۳/۲٤

(۲) تاریخ ابن خلدون: ۳/۲٤

(۳) تاریخ ابن خلدون: ۳/۲٤

ابن الزبیر نے راتوں رات جعفر کے ہمراہ مکہ کی راہ لی، دوسری رات حسین بھی اپنے بھائیوں، بیٹوں اور بھتیجوں کے ساتھ نکل گئے۔ اور مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔

ابن عمر کے پاس جب لوگ آئے، انہوں نے کہا، میں لوگوں کے سامنے بیعت کروں گا۔ اور ایک روایت یہ ہے کہ ابن عمر وابن عباس (رضی اللہ عنہما) مکہ میں تھے وہ جب مدینہ آئے تو حسین اور عبداللہ بن زبیر سے ملے اور فرمایا، تفریق بین المسلمین سے گریز کریں اور ابن عمر وابن عباس نے خود جا کر (یزید کی) بیعت کرلی۔

بہر حال ابن عمر وابن عباس (رضی اللہ عنہما) نے حضرت حسین کو مخالفتِ یزید سے روکا۔ محمد بن الحنفیہ نے بھی یزید سے دور رہنے کا مشورہ دیا اور کہا، یا تو مکہ میں رہیں اور یا پھر کسی دوسری جگہ...... تا آں کہ لوگوں کا معاملہ واضح اور مطلع صاف ہو جائے۔ ادھر یزید نے ولید کو ان حضرات سے نمٹنے میں ناکامی یا سستی کی وجہ سے اسے معزول کیا اور عمرو بن سعید بن العاص کو گورنر مدینہ بنایا، حسین رضی اللہ عنہ جب مکہ تشریف لائے تو لوگوں کی ان کے پاس بکثرت آمد ورفت شروع ہوگئی، عبداللہ بن زبیر بھی ان میں ایک آدھ دفعہ مل جاتے تھے۔

ادھر جب کوفہ والوں کو یزید کی خلافت اور حسین کی مکہ آمد کا معلوم ہوا تو شیعوں نے سلیمان بن صُرد کے گھر میں جمع ہو کر حضرت حسین کو خط لکھا، جس میں کہا کہ ہم نعمان بن بشیر کے ہاتھ پر بیعت نہیں کر رہے ہیں اور جمعہ وعیدین میں ان کے ساتھ شریک ہونے سے احتراز کر رہے ہیں، اگر آپ آؤ گے تو ہم ان کو نکال دیں گے، دوسرے دن پھر ڈیڑھ سو صفحات کا ایک خط لکھا، تیسرے روز پھر لکھا۔ حضرت حسین نے خطوط ملنے پر فرمایا، میں اپنا معتمد اور چچازاد بھائی مسلم بن عقیل بھیج رہا ہوں وہ آ کر تمہاری صورتحال دیکھے گا اور اگر تمہاری رائے اور کیفیت وہی ہوگی جو تمہارے پیامبر مجھے آ کر بتا رہے ہیں تو وہ مجھے لکھے گا اور میں آجاؤں گا۔

مسلم نے راستے میں مدینہ منورہ سے دو رہنمائی کرنے والے ساتھ لئے وہ دونوں یا ان میں سے ایک راستے میں گم ہوا یا ہلاک ہوا، مسلم نے اس سے بدشگونی لی اور حضرت حسین کو اس کی اطلاع دی مگر حضرت حسین نے اسے مسلم بن عقیل کی بزدلی قرار دے کر مسترد کیا اور انہیں جانے دیا، مسلم بن عقیل جب گئے تو شیعانِ علی سے ملے، انہوں نے ہمدردی اور یکجہتی کا یقین دلایا اور تقریباً بارہ ہزار افراد نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔

مدینہ منورہ کے گورنر کی طرح کوفہ کے نعمان بن بشیر نے بھی اس سب کچھ سے باخبر ہو کر بھی ان کے

خلاف کچھ کرنے سے احتراز کیا، ہاں! اتنی بات کہی کہ اگر تم میرے خلاف بغاوت کروگے تو میں پھر نمٹ لوں گا۔

بنو امیہ کے لوگوں اور یزید کے حامیوں نے نعمان کو اس احتیاط پر ملامت کرنا شروع کیا تو انہوں نے کہا:

"أن أكون ضعيفاً وأنا في طاعةِ الله أحب إلي من أن أكون قوياً في معصية الله وما كنت لأ هتك سترا ستره الله"(۱).

اگر میں کمزور رہوتا ہوں اور اللہ کی طاعت میں رہوں تو یہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ اللہ کی نافرمانی میں طاقتور رہوں اور میں اللہ تعالیٰ کے پردوں کو چاک نہیں کرسکتا۔

اور بعض نے یہ الفاظ نقل کئے ہیں:

"أكون من المستضعفين في طاعة الله أحبَّ إلي من أن أكون من الأعزين في معصية الله"(۲).

بہرحال یزید کو جب نعمان بن بشیر کے اس موقف کا علم ہوا تو انہوں نے اسے معزول کر کے عبیداللہ بن زیاد کو کوفہ وبصرہ دونوں کا عامل بنایا جب کہ اس سے قبل یزید ان سے ناراض تھا اور اسے بصرہ سے بھی معزول کرنا چاہ رہا تھا مگر اب ضرورت آئی تو اس کے اختیارات میں توسیع کردی۔

عبیداللہ بن زیاد نے بڑی مکاری سے کوفہ مین نقاب اوڑھ کر حسین بن علی سے متعلق لوگوں کی رائے معلوم کرنے اور ان کے لئے راہ ہموار کرنے والوں کا پتہ لگانے کی کوشش کی۔

مسلم بن عقیل اور دیگر کی شہادت

مسلم بن عقیل ہانی بن عروہ کے گھر میں تھے، ہانی کو عبیداللہ بن زیاد نے بلایا اور بلا کر قتل کردیا، حضرت مسلم کو اس کا علم ہوا تو وہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ نکل گئے، ابن زیادہ کے لوگوں نے پہلے انہیں زخمی کیا اور بعد میں ایک گھر سے پکڑ کر قتل کردیا۔

اس سے ۲۷ دن قبل مسلم بن عقیل نے خط لکھ کر حضرت حسین کو بلایا تھا اور حضرت حسین نکل آئے تھے،

---

(۱) تاريخ الطبري: ۲۷۵/۳

(۲) تاريخ ابن خلدون: ۲۷/۳

حضرت مسلم کے خط کے الفاظ یہ تھے:

"اما بعد، فإن الرائد لا يكذب أهله، ان جمعَ أهل الكوفة معك فأقبل حين تقرء كتابي والسلام عليك".

نمائندہ اپنے لوگوں سے جھوٹ نہیں بولتا، کوفہ والوں کی ایک جماعت آپ کے لئے جمع ہوگئی ہے، آپ خط پڑھتے ہی آجاؤ۔

حضرت حسین بچوں اور عورتوں کے ہمراہ نکل آئے اور ادھر قیس بن مسہر الصید اوی کو خط دے کر کوفہ بھیجا، راستے میں ابن زیاد کے آدمی حصین بن تمیم نے انہیں پکڑ کر ابن زیاد کے پاس حاضر کر دیا، ابن زیاد نے اس سے کہا قصرِ حکومت پر چڑھ کر کذاب بن کذاب (حسین بن علی مراد تھا) پر لعنت بھیجو، وہ چڑھا تو کہا:

"ايها الناس إن هذ الحسين بن علي خيرُ خلقِ الله، ابن فاطمة بنت رسول الله وأنا رسوله إليكم وقد فارقته بالحاجر فأجيبوه".

لوگو! یہ حسین بن علی ہیں اللہ کی مخلوق میں سب سے بہتر، فاطمہ بنت الرسول کا بیٹا ......اور میں تمہاری طرف بھیجا گیا اس کا پیام بر ہوں میں اس کو "حاجر" میں چھوڑ آیا ہوں سو اسے قبول کرو۔

اس کے بعد عبید اللہ اور اس کے والد زیاد پر لعنت بھیجی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے استغفار کیا عبید اللہ نے اسے چھت سے گرا کر قتل کر دیا۔

حضرت حسین کی کوفہ روانگی اور بالآخر شہادت

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو جب ان حالات کا معلوم ہوا اور اکثر اہل رائے نے انہیں جانے سے روکا تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے واپس ہونا چاہا مگر مسلم بن عقیل کے بھائیوں نے کہا، "والله لا نرجع حتى نصيب بثأرنا أو نقتل" (۱).

ہم واپس نہیں ہوں گے تا آنکہ یا تو اپنا (مسلم کا) بدلہ لے لیں اور یا خود مارے جائیں۔

(۱) تاريخ الطبري: ۲۹۸/۳

حضرت حسین نے فرمایا:

"لا خير في الحياة بعدَكم"(١).

تمہارے بعد زندگی میں کیا مزہ ہوگا......؟

عجیب بات یہ ہے کہ یہی جواب برادرانِ مسلم نے حضرت حسین کو اس وقت دیا جب حضرت حسین نے کربلا میں ان سے کہا کہ آپ حضرات راتوں رات نکل جاؤ، کیونکہ ان کو ابھی صرف میری ذات سے سروکار ہے، حسین کے یہ الفاظ تاریخ نے نقل کئے ہیں:

"يا بني عقيل حسبكم من القتل بمسلم اذهبوا قد أذنتُ لكم"(٢).

تمہاری طرف سے قتل ہونے کے لئے مسلم کافی ہیں (جو شہید ہو چکے ہیں) اور تم جاؤ میں تمہیں اجازت دیتا ہوں۔

انہوں نے جواب دیا:

"لا والله لا نفعل ولكن نفديك أنفسَنا وأموالنا وأهلونا ونقاتل معك حتى نرد موردَك فقبح الله العيش بعدَك"(٣).

اللہ کی قسم! ایسا ہم ہرگز نہیں کریں گے بلکہ ہم اپنی جانیں، مال اور اہل وعیال آپ پر قربان کردیں گے اور آپ کے ساتھ مریں گے۔ اللہ آپ کے بعد زندگی کا ستیاناس کرے۔

"حُر" کا کردار

حسین جب قادسیہ پہنچے تو ابن زیاد کی طرف سے حُر بن یزید التمیمی الیربوعی ایک ہزار کا لشکر لے کر حسین کے مقابلے کے لئے پہنچے۔ حضرت حسین سے انہوں نے کہا، آپ کہاں جا رہے ہیں، حضرت حسین نے فرمایا، تم لوگوں نے ہمارے پاس خطوط بھیجے تھے، اور کہا تھا کہ یہاں کوئی امیر نہیں ہے، لہٰذا آپ آؤ اور یہاں کا معاملہ سنبھالو۔

---

(١) تاريخ الطبري: ٢٩٨/٣

(٢) تاريخ الطبري: ٣١٥/٣

(٣) تاريخ الطبري: ٣١٥/٣

حُر بن یزید نے کہا، ہمیں تو کوئی پتہ نہیں ہے خطوط کا۔

حضرت حسین نے خطوط کا ایک ڈھیر لا کران کے سامنے رکھ دیا۔

حُر نے کہا، یہ خطوط لکھنے والے ہم نہیں ہیں، حسین نے کہا، ٹھیک ہے اگر آپ لوگ نہیں چاہتے ہیں تو ہم واپس جاتے ہیں۔

حُر اور حضرت حسین کے ساتھیوں نے یہاں حضرت حسین کی اقتداء میں ظہر اور عصر کی نمازیں بھی پڑھیں، اس کے بعد جب حضرت حسین نے بچوں سے سوار ہو کر واپس جانے کے لئے فرمایا تو حُر نے کہا، ہم آپ سے لڑنے تو نہیں آئے مگر آپ کو ابن زیاد کے پاس لے کر جانے کا ہمیں حکم ہے، حضرت حسین نے فرمایا، یہ تو ممکن ہی نہیں ہے، حُر نے کہا، پھر آپ مدینہ اور کوفہ تو نہیں ہاں کہیں اور جا سکتے ہیں۔

حضرت حسین کو کئی علاقوں میں جانے کی پیش کش تھی جن میں جبالِ طی بھی شامل ہے، حسین نے کہیں اور جانے کو بھی منظور کیا اور جب روانہ ہوئے تو حُر کی فوج ان کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی، تا آں کہ جب نینوی پہنچے تو ایک آدمی نے آ کر حُر کو ابن زیاد کا خط دیا، جس میں درج تھا:

"اما بعد! فجعجع بالحسين حين يبلغك كتابي ويقدم عليك رسولي فلا تنزله إلا بالعراء في غير حصن، وعلى غير ماء، وقد أمرت رسولي أن يلزمك ولا يفارقك حتى يأتيني بانفاذك أمري والسلام".

جب میرا خط اور پیغام رساں تجھے ملے تو حسین پر دباؤ ڈالو اور کسی ویران جگہ پر اسے اتارو جہاں نہ حفاظت کا بندوبست ہو اور نہ پانی ...... اور میں نے اپنے پیامبر کو حکم دیا ہے کہ وہ تجھ سے اس وقت تک جدا نہ ہو جب تک وہ آ کر مجھے یہ بتا نہ دیں کہ تم نے میرا حکم نافذ کر دیا۔

یہ بڑا سخت خط تھا اور حُر پر عدم اعتماد کا اظہار تھا، حُر نے ان لوگوں کو وہیں ویرانے میں اتارنا شروع کر دیا۔ حضرت حسین کے ساتھیوں نے قریب کی دو تین بستیوں کا نام لے کر کہا، ہمیں یہاں اتارو مگر حُر نے کہا، جاسوس ہمارے ساتھ ہے اور میرے لئے ممکن نہیں ہے۔

ابھی حسین کا قافلہ "عقر" نامی ایک بستی میں اترا ہی تھا کہ ادھر عمر بن سعد بن ابی وقاص کی قیادت میں چار ہزار کی فوج پہنچ گئی۔ عمر بن سعد کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا کہ عبیداللہ بن زیاد نے اسے مقام "ري" کا عامل بنا

کر حسین کے مقابلے کے لئے بھیجا، عمر نے انکار کیا تو ابن زیاد نے اس کا گھر بار تباہ کرنے کی دھمکی دی، پس وپیش اور غور وخوض کے بعد خواہی نہ خواہی اس نے ابن زیاد کے احکامات کی تعمیل کی۔

عمر بن سعد کا کردار

عمر بن سعد کا جب حسینی قافلے سے آمنا سامنا ہوا تو حسین نے انہیں بھی پیغام کہلا بھیجا کہ ہمیں اس قوم نے بلایا تھا اور اب جب اسے پسند نہیں ہے تو ہم واپس جا رہے ہیں ہمیں جانے دیا جائے، عمر بن سعد نے ابن زیاد کے پاس خط بھیجا اور یہ بات بتائی تو ابن زیاد نے کہا:

الآن إذ علقت مخالبنا به یرجو النجاة ولات حین مناص

کیا اب جب ہمارے پنجے اس سے چمٹ گئے وہ خلاصی کی امید رکھتا ہے اب خلاصی کہاں ہے......!

اس نے عمر بن سعد سے کہا، حسین یا تو یزید کے ہاتھ پر اپنے تمام ساتھیوں سمیت بیعت کرے اور جب وہ ایسا کرے گا تو پھر ہم جو مناسب سمجھیں گے کریں گے۔ اس کے بعد کیا ہوا تاریخی روایات مختلف ہیں، ایک قول یہ ہے کہ حسین نے ان سے تین باتوں میں سے کوئی ایک بات ماننے کے لئے فرمایا، ۱- یا تو واپس جانے دیں اور ۲- یا یزید کے پاس بیعت کرنے لے چلیں۔ ۳- اور یا پھر کسی بھی سرحد میں انہیں بھیجا جائے جہاں وہ دوسرے لوگوں کے ساتھ رہیں۔

ابن زیاد اور شمر کا کردار

عبیداللہ بن زیاد نے تینوں باتیں مسترد کر دیں اور اپنے ہاتھ پر بیعت کے لئے اصرار کیا اور بعض کہتے ہیں انہوں نے یہ باتیں قبول کی تھیں مگر شمر ذی الجوشن نے انہیں روکا۔ حُر کی طرح عمر بن سعد نے بھی حسین کے لئے نرم گوشہ رکھا اور ان سے لڑنے سے حتی الامکان احتراز کیا، اسی لئے پھر شمر ذی الجوشن آیا، اس وقت حضرت حسین کربلا میں تھے اور ان پر دریائے فرات کا پانی بھی بند کر دیا گیا تھا، شمر کی آمد تک حسینی قافلہ اور ابن سعد اور حُر کی فوجیں کھڑی تھیں مگر حضرت حسین کی محترم شخصیت اور احتیاط اور تقوی کے باعث ان سے تعرض کرنے کی کسی میں ہمت نہ تھی، حُر اور عمر بن سعد کی حسین سے طویل طویل بات چیت ہوتی رہی، لیکن جب شمر آیا تو اس نے حضرت حسین کی توہین وتنقیص شروع کر دی اور بالآخر اُن کے بچوں اور ساتھیوں کو مارنا شروع کر دیا۔ پھر

اس میں دوسرے لوگوں نے بھی حصہ لیا (ہاں حُر نے حسین کے مطالبے تسلیم نہ کئے جانے پر اُن (حسین) کا ساتھ دیا)۔

حسین کی شہادت اوران کے جسد کی بے حرمتی

پھر ایک ایک کر کے انہوں (دشمنوں) نے حسینی قافلے کے جوانوں اور نبوی خانوادے کے پھولوں کو مروڑنا شروع کردیا اور بالآخر جگر گوشہ بتول سیدنا حسین کو بھی شمر نے یا عروۃ بن بطار التغلبی یا سنان بن انس نے قتل کردیا اور یہ حسینی قافلے کے آخری مقتول تھے۔

اس جنگ میں حضرت حسین کے ۷۲ اور عمر بن سعد کے ۸۸ آدمی مارے گئے، تاریخ لکھتی ہے کہ اس کے بعد حضرت حسین پر گھوڑے دوڑائے گئے اوران کا جسم مبارک روندا گیا اوران کا سر کاٹا گیا جسے خولی بن یزید اور حمید بن مسلم الأزدی نے لاکر عبیداللہ بن زیاد کے سامنے رکھا، اس سے ایک رات قبل جب اس نے ابن زیاد کے دربار کا دروازہ بند پایا اور حضرت حسین کا سر گھر لایا تو اس کی بیوی نوار بنت مالک الحضرمیۃ نے رات کو اس سے کہا، کیا خبر ہے؟ اس نے جواب دیا، "جئتك بغنى الدهر" میں نے تیرے پاس زمانے کی سب سے بڑی دولت لائی ہے، بیوی نے کہا کیا؟ کہا حسین کا سر! بیوی نے کہا لوگ جا کر سونا چاندی لاتے ہیں اور تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے کا سر لایا بخدا مجھے اور تم کو ایک چھت جمع نہیں کرسکتی ......اور پھر وہ چلی گئیں اسے چھوڑ کر۔

عبیداللہ بن زیاد کے پاس جب حضرت حسین کا سر لایا گیا تو انہوں نے اس پر شکر ادا کیا اور حسین وعلی پر لعن طعن کیا، اسی دوران اس نے سرِ حسین کے ساتھ تمسخر کا وہ مظاہرہ بھی کیا جس کا یہاں روایت میں ذکر ہے(۱)۔

ابن زیاد کی بدتمیزی

فَجَعَلَ يَنْكُتُ...... ابن زیاد ایک ٹہنی سے حضرت حسین کے سر کو کرید رہا تھا اوران کے حسن وجمال کے بارے میں تمسخرانہ باتیں کررہا تھا۔

---

(۱) تاريخ الطبري: ۲۳۶/۳

ترمذی وابن حبان کی روایت میں "يقول بقضيب له في أنفه"(۱) کے الفاظ ہیں۔

اور طبرانی کی راویت ہے، زید بن ارقم سے، وہ فرماتے ہیں، "فجعل يجعل قضيباً في يده في عينه وأنفه"(۲).

ابن زیاد کی بدتمیزی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کے ہاتھ میں ایک ٹہنی تھی جس سے وہ حضرت حسین کی آنکھ اور ناک کرید کر اس پر تبصرہ کر رہا تھا، زید بن ارقم کہتے ہیں، میں نے اس سے کہا، "ارفع قضيبك فقد رأيت فَمَ رسولِ الله في موضِعه"(۳).

اپنی لکڑی اٹھا کہ اسی جگہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منہ لگاتا ہوا دیکھا ہے، اور بعض روایات میں یہ آیا ہے، "إذا هو ينكت بقضيبٍ بينَ ثنيّتَيه ساعة" وہ ان کے دانتوں کے بارے میں لکڑی سے اشارہ کر کے بدتمیزی کر رہا تھا۔ اور اس کے جواب میں زید کے یہ الفاظ منقول ہیں:

"أعل بهٰذا القضيبِ عن هاتين الثنيتين فو الّذي لا إلٰه غيره لقد رأيتُ شفتَي رسولِ الله على هاتين الشفتَين يقبّلهما"(٤).

اس کے بعد زید بن ارقم رو پڑے تو ابن زیاد نے کہا:

"أبكى الله عينَيك فوالله لو لا أنك شيخ قد خرِفتَ وذهب عقلُك لضربتُ عنقك"(٥).

اللہ تجھے رُلائے، اگر تم کھوسٹ بوڑھے نہ ہوتے اور تیری عقل نہ جاچکی ہوتی تو میں تیری گردن مار دیتا۔

کہتے ہیں اس کے بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک یزید کے پاس شام لے جایا گیا یزید اسے

(۱) سنن الترمذي، باب مناقب الحسن والحسين، رقم: ۳۷۷۸، وصحيح ابن حبان ذكر البيان بأن حسين بن علي ......، رقم: ٦٩٧٢

(۲) المعجم الكبير بلفظ "بقضبه في أنفه" زيد بن ارقم الأنصاري، رق: ٥١٢١

(۳) تاريخ الطبري: ۲۳٦/۳

(٤) تاريخ الطبري: ۲۳٦/۳

(٥) تاريخ الطبري: ۲۳۸/۳

دیکھ کر آبدیدہ ہوا۔

ابن زیاد کا قول از قبیل تمسخر یا تعریف؟

شارحین حدیث نے ابن زیاد کے اس قول وفعل کے متعلق یہ بحث چھیڑی ہے کہ کیا وہ اس طرح حضرت حسین کے حُسن وجمال کا مذاق اڑا رہا تھا یا اس کا اعتراف کر رہا تھا، اکثر حضرات نے پہلے احتمال کو راجح قرار دیا ہے اور بعض نے دوسرے احتمال کو بھی جائز کہا ہے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ قول اول کے متعلق فرماتے ہیں:

"ولا عجب منه في مافعله فإن أباه كان ولد زنية استلحقه معاوية ولذا يقال له زيادبن أبيه"(۱).

اور حضرت گنگوہی فرماتے ہیں، ابن زیاد (جیسا بدذوق آدمی) اگر حُسین کے حُسن کا مذاق اڑا رہا ہے تو یہ عجیب بات نہیں ہے اس لئے کہ ایک ہی آدمی کسی کو حَسین لگتا ہے اور کسی کو بدصورت۔ ایک آدمی کے دل میں اگر رسول اللہ کی محبت نہیں ہوگی تو اس کے ہاں مشابہتِ رسول کی کیا اہمیت ہوگی (۲)۔

طبری کی روایت ہے:

"فدمعَت عينُ يزيد وقال قد كنتُ أرضى من طاعتِكم بدون قتلِ الحُسين، لعنَ الله ابن سُميَّه! اماو الله لو أني صاحبُه لعفوت عنه فرحِم الله الحسين، ولم يصله بشيء"(۳).

شہادتِ حسین اور یزید کی اس پر ناراضگی

جب سرِ حسین کو یزید کے سامنے لایا گیا تو وہ رونے لگا اور لانے والوں سے کہا، میں تمہاری اطاعت سے راضی تھا حسین کو قتل کیے بغیر بھی، اللہ کی ابن سُمیہ (عبید اللہ بن زیاد) پر لعنت ہو، اگر میرا ان (حسین) سے واسطہ پڑتا تو میں انہیں معاف کر دیتا۔ اللہ تعالیٰ حُسین پر رحم فرمائے۔ اور حسین کا سر لانے والے کو کچھ بھی نہ دیا۔

---

(۱) الكوكب الدري: ۴۲۲/۴

(۲) الكوكب الدري: ۴۲۲/۴

(۳) تاريخ الطبري: ۲۳۸/۳

اور ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے تمام اہل بیت اور ساتھیوں کے سر کاٹ کر جب یزید کے سامنے لائے گئے تو انہوں نے کہا:

"يفلّقن هاماً من رجال أعزة: علينا وهم كانوا أعقّ وأظلما"(۱).

وہ (ممدوح) اپنے میں سے معزز لوگوں کی کھوپڑیوں کو چیر دیتے ہیں، جب کہ وہ (مقتول) زیادہ نافرمان اور ظالم تھے۔

یہ شعر تمثیلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر میں پڑھا تھا اور یزید نے یہاں اسے ذکر کر کے یہ بتانا چاہا کہ یہ لوگ ہمارے لئے بڑے معزز تھے مگر جب انہوں نے ہمارے خلاف جنگ اور ظلم و نافرمانی کا آغاز کیا، تو ہمیں یہی کچھ کرنا پڑا۔

پھر اس نے کہا: "أما وَالله ياحُسين لو أنا صاحِبُك ما قتلتُك"(۲).

اگر میرا تجھ سے واسطہ پڑتا تو تجھے قتل نہ کرتا۔

اس واقعے میں حضرت حسین کے صاحبزادے علی زین العابدین اور حَسن کے بیٹے عُمر کے علاوہ سب نرینہ اہل بیت کو شہید کر دیا گیا تھا اور زین العابدین کو بھی ابن زیاد نے قتل کرنا چاہا تھا مگر زینب بنت حسین ان سے لپٹ گئی تھیں اور کہہ رہی تھیں مجھے بھی ان کے ساتھ قتل کر دو اس پر ابن زیاد نے اسے چھوڑ دیا، ان دونوں بچوں کو اور مستورات اہل بیت کو پہلے ابن زیاد کے پاس لے جایا گیا اور پھر یزید کے پاس، یزید کے گھر والوں نے بھی فاطمۃ الزہراء کے ان لاڈلوں کو اس بدحالی اور شکستہ حالی میں دیکھ کر سخت حزن و ملال اور آہ و بکا کا اظہار کیا اور پھر بڑے اکرام و اعزاز کے ساتھ ان کے ساتھ محافظ مقرر کر کے انہیں مدینہ طیبہ روانہ کر دیا، اس موقعہ پر بھی علی بن الحسین سے یزید کے ان الفاظ میں خطاب کو نقل کیا گیا:

"لعنَ اللّٰهُ ابن مرجانةَ، أما والله لو أني صاحبُه ما سألني خصلةً ابداً الا أعطيتها إياه ولدفعتُ عنه الحتف بكل ما استطعتُ ولو بهلاك بعضِ ولدي ولكن الله قضى ما رأيتَ"(۳).

---

(۱) ديوان الحماسة، ص: ۱۰٦

(۲) تاريخ الطبري: ۳/۲۳۹

(۳) إرشاد الساري: ۸/۲۳۳

ابن مرجانہ (ابن زیاد) پر اللہ کی لعنت ہو، اگر میں حسین کے سامنے ہوتا تو جو بھی وہ مطالبہ کرتے میں اسے دے دیتا اور اس سے ہلاکت کو جیسا ممکن ہوتا ہٹا۔ دیتا اگر چہ اس میں میرے بعض بچے بھی جاتے، لیکن اللہ نے وہ فیصلہ کیا جو تیرے سامنے ہے۔

واقعۂ کربلا کا منصفانہ جائزہ

اس واقعے کو قدرے تفصیل سے اس لئے ذکر کیا گیا تا کہ اس کے اَسباب وعوامل کا علم ہو اب اس تاریخی اور روایتی پس منظر کو سامنے رکھنے کے بعد جو بات قَرینِ انصاف واعتدال معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے اہل بیت کا قتل تاریخِ انسانی کا ہولناک ترین واقعہ، ایک سنگین جرم اور بدترین ظلم ہے اور اس کے ذمہ دار آپ رضی اللہ عنہ پر وار کرنے والے، اس کا حکم دینے والے، اس کا ارتکاب کرنے والوں کا کمان کرنے والے، اس کی منصوبہ بندی کرنے والے اور اس کی خواہش رکھنے والے سب ہیں (۱)۔

اس میں شِمر ذی الجوشن، عُمر بن سعد، عبیداللہ بن زیاد اور یَزید سب شامل ہیں، خصوصاً شِمر اور ابن زیاد نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور ان دونوں بدبختوں پر تو جیسے حضرت حسین کو شہید کرنے کا بھوت سوار تھا، جیسے کہ شہادت حسین کے بعد ان (دونوں) کی گھناؤنی حرکتوں سے معلوم ہوتا ہے اور تاریخ نے تو یہ بھی نقل کیا ہے بلکہ اُصحاب الحدیث نے بھی نقل کیا ہے۔

ابن زیاد کی موت کے بعد ایک سانپ آیا اور تین مرتبہ ابن زیاد کے منہ میں داخل ہو کر ناک سے اور ناک میں داخل ہو کر منہ سے نکلا۔ ابن زیاد کو صرف ایک سال بعد ۶۲ ہجری کو مختار ابن ابی عُبید کے حکم پر ابراہیم بن الأشتر نے قتل کیا اور اس کا سر کاٹ کر لایا (۲)۔

یزید نے مدینہ منورہ کا عامل اور پھر کوفہ کا عامل اسی لئے معزول کیا کہ وہ حضرت حسین کو پکڑنے اور بیعت پر مجبور کرنے کے یزید کے ایجنڈے پر عمل کرنے میں کوتاہی کر رہے تھے اور ابن زیاد جیسے بدنام زمانہ کو عامل بنانا اور اس کا عُمر بن سعد اور حُر بن یزید پر دباؤ ڈالنا پھر شہادت حسین کے بعد لٹے پٹے حسینی قافلے کی عورتوں اور حسین کے سر مبارک کو یزید کے پاس بھیجنا، اس کی غمازی کرتا ہے کہ یزید حضرت حسین کو بیعت کئے

---

(۱) إرشاد الساري: ۲۳۳/۸

(۲) الكامل في التاريخ ذكر قتل ابن زياد: ۶۳/۴

بغیر چھوڑنے کے لئے تیار نہ تھا، خصوصاً تاریخ جو یہ کہتی ہے کہ حضرت حسین نے تین آپشن ابن زیاد کی فوج کے سامنے رکھے تھے، ایک یہ کہ انہیں واپس جانے دیا جائے۔ دوم یہ کہ کسی اور طرف جانے دیا جائے اور سوم یہ کہ انہیں یزید کے پاس جانے دیا جائے مگر حیرت انگیز طور پر ان تینوں جائز اور معقول مطالبات میں سے کسی ایک کو بھی قبول نہیں کیا جاتا ہے اور حسین کا خون بہانا ضروری سمجھا جاتا ہے یہ تو ظلم کی حد، کھلی جارحیت اور واضح زیادتی ہے۔

حضرت حسین نواسۂ رسول، صحابی رسول اور اپنی صلاح و بزرگی کی بناء پر اسی قابل تھے کہ یزید خلافت وامارت ان کے سپرد کردے، اور خود اس حوالے سے اس کا خلیفہ بننے کا ارادہ ہے تو وہ حسین کو اعتماد میں لے لے، اور یا پھر حسین کی طرف سے مزاحمت کی صورت میں زیادہ سے زیادہ یہ کہ انہیں زیرِ حراست لے کر اپنے پاس لائے..... مگر افسوس کہ ایسا نہیں ہوا اور حضرت حسین نے اپنے ساتھیوں سمیت حق وصدق کا علم بلند کیے رکھا اور بالآخر اس پر اپنا پورا خانوادہ قربان کردیا۔

اہل سنت والجماعت حضرت حسین اور ان کے مخالفین کو برابر یا ان کی جنگ کو آپس کے مشاجرات میں سے قرار دے کر حضرت حسین کی قربانی کو بے جا یا بے مقصد نہیں قرار دیتے ہیں بلکہ حضرت حسین کو حق کا علمبردار اور ان سے جنگ لڑنے کو غلط اور ان کی شہادت کو مظلومانہ شہادت سمجھتے ہیں، اور یزید کے اقدام کو غلط مانتے ہیں۔ مگر اس کا مطلب یہ بھی ہرگز نہیں ہے کہ یزید کو کافر اور ان کی حکومت کو کفریہ حکومت کہا جائے اور ان کے والد حضرت معاویہ کو بھی برا بھلا کہا جائے اور من حیث النسب بنوامیہ کو ''باطل'' اور بنو ہاشم کو ''حق'' قرار دیا جائے، کیونکہ اس کی زد میں پھر حضرت عثمان، حضرت معاویہ، حضرت عمرو بن العاص، حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت مغیرۃ بن شعبہ، حضرت نعمان بن بشیر اور دیگر بیسیوں صحابہ کرام بھی آئیں گے، کیونکہ یزید کو خلیفہ حضرت معاویہ نے صحابہ کے مشورے سے بنایا تھا اور پھر یہ صحابہ آخر تک ان کے حامی بھی رہے۔

اس طرح حضرت عبداللہ بن عُمر اور حضرت عبداللہ بن عبّاس جیسے صحابہ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، کیا یہ سب حضرات والعیاذ باللہ باطل پرست اور کفر وضلال کے حامی ہوسکتے ہیں، حاشا وکلّا۔ ہاں! صرف اتنا کہا جاسکتا ہے کہ یزید کو صلاح وتقویٰ کے اعلیٰ معیار پر نہ ہونے اور اس سے افضل حضرات کے ہوتے ہوئے بھی اس لئے حاکم بنایا گیا تھا کہ اس کی سیاسی بصیرت وتدبّر اور بنواُمیّہ کی مضبوط طاقت وحمایت کی بناء پر ان کی

حکومت کو امّت مسلمہ کے حق میں بہتر اور مفید تر سمجھا جاتا تھا سوانہیں حکمران بنایا گیا مگر پھر کچھ یزید کی غیر ذمہ دارانہ روش، شیعوں کی شرارت، کچھ خارجیوں اور تخریب کاروں کی سازش اور کچھ یزید کے عُمّال کی ناعاقبت اندیشی نے اتنا بڑا سانحہ جنم دیا کہ جس کے بعد یزید کسی بھی ہمدردی کے استحقاق سے محروم اور حضرت حسین کے مقدس خون سے ہاتھ رنگے حرمت انسانی کا مجرم قرار پایا۔

تیسرے فریق کا کردار

یہاں حُسینی اور یزیدی گروہوں کے علاوہ ایک تیسرا گروہ بھی ہے جو شاید اس سانحے کا اصل ذمہ دار اور بڑا مجرم ہے۔ یہ شیعانِ علی کی جماعت ہے جنہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو بے شمار خطوط لکھ کر انہیں کوفہ بلایا اور ان کا بھرپور ساتھ دینے کا عندیہ دیا اگر یہ لوگ نہ ہوتے یا حضرت حسین کو ان کا ساتھ دینے کا یقین اور ان کے سخت جذبات واحساسات کا پاس ولحاظ نہ ہوتا تو آپ ہرگز نہ جاتے۔ اسی لئے انہوں نے مسلم بن عقیل کو حالات کا جائزہ لینے بھیجا تھا، اہل کوفہ کے غدر کے خوف سے ہی حضرت ابن عمر، ابن عباس نے یہاں تک فرمایا تھا۔

"إن أهلَ العراق قومٌ غدر فلا تقربنهم"(۱).

اہل عراق غدار ہیں ان کے قریب بھی نہ جائیں۔

اور جب حُسین نے بہرحال جانے کا عندیہ دیا تو ابن عباس نے فرمایا:

"فلا تسِر بنساءك وصبيتِك فوالله إني خائف أن تقتل كما قُتِل عثمانُ ونساءُه وولدُه ينظرون إليه"(۲).

پھر آپ عورتوں اور بچوں کو نہ لے کر جائیں؛ کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ آپ حضرت عثمان کی طرح قتل کردیئے جاؤ گے اور ان جیسے آپ کے بچے اور عورتیں آپ کو دیکھتے رہیں گے۔

اور ابن عباس کو اپنے اس اندازے کی صحت پر اتنا اعتماد اور حسین کے جانے کا اتنا یقین تھا کہ آخر میں

---

(۱) تاريخ الطبري: ۲۹۱/۳، والبداية والنهاية: ۱۹۹/۸

(۲) تاريخ الطبري: ۲۹۱/۳، والبداية والنهاية: ۱۹۹/۸

فرمانے لگے:

"والله الذي لا إله إلا هو لو أعلم إنك إذا أخذت بشَعرك وناصِيتِك حتى يجتمع عليّ وعليك الناسُ أطعتَنى لفعلتك ذلك"(۱).

اس اللہ کی قسم! جس کا کوئی شریک نہیں، اگر میں یہ جانتا کہ اگر میں تیرے (داڑھی کے) بالوں اور پیشانی کے بالوں کو پکڑوں اور پھر لوگ ہمارے پاس جمع ہو جائیں اور اس کے بعد آپ میری مانیں گے تو میں یہ بھی کر لیتا۔

اس کے علاوہ محمد بن الحنفیہ، عبداللہ بن جعفر جیسے عزیزوں نے بھی بہ اصرار آپ کو منع کیا، مسلم بن عقیل نے بھی اپنی بدشگونی کا اظہار کیا تھا۔

عمر بن عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام المخزومی نے کہا تھا:

"إنك تأتي بلداً فيه عُمَّاله وأمراء ه ومعهم بيوتُ المالِ وإنما النَّاس عبيدٌ لهٰذا الدّرهم والدينار ولا آمنُ علَيك أن يقاتلك مَن وعدَك نصرَه ومَن أنت أحبُّ إليه ممَّن يقاتلُك معه"(۲).

آپ ایک ایسی جگہ جا رہے ہیں جہاں با قاعدہ حکّام اور عمّال ہیں اور ان کے پاس بیت المال ہیں، اور لوگ تو درہم و دینار کے پجاری ہیں اور مجھے خطرہ ہے کہ آپ کے خلاف وہ لوگ لڑیں گے جنہوں نے آپ کی مدد کا وعدہ کیا ہے، اور جن کو آپ ان لوگوں سے زیادہ پسند ہیں، جن کے ساتھ مل کر وہ آپ کے خلاف لڑیں گے (یعنی وہ چاہیں گے تو آپ کو لیکن لالچ یا خوف کی وجہ سے وہ آپ کے خلاف لڑنے پر مجبور ہوں گی)۔

عبداللہ بن مطیع نے راستے میں حضرت حسین سے ملاقات کر کے ان الفاظ میں انہیں متنبہ کیا تھا:

"إيَّاك أن تقرب الكوفةَ فإنها بلدةٌ مشئومة بها قُتل أبوك وخُذِل أخوك"(۳).

---

(۱) تاريخ الطبري: ۳/۲۹۱، والبداية والنهاية: ۸/۱۹۹

(۲) تاريخ الطبري: ۳/۲۹٤

(۳) تاريخ الطبري: ۳/۲۷۷

کوفہ سے دور رہو یہ بڑا منحوس شہر ہے جہاں تیرے والد کو قتل اور بھائی کو اکیلا چھوڑا گیا۔

مسلم بن عقیل نے بھی شروع میں حضرت حسین کو آنے کے لئے کہا تھا مگر بعد میں جب وہ مخالفین کے نرغے میں آئے اور حامیوں نے انہیں چھوڑ دیا تو انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو یہ پیغام بھجوایا تھا:

"ارجع بأهل بيتِك ولا يغرّك أهل الكوفة فإنهم أصحاب أبيك الذي كـان يتـمـنّـي فـراقَهـم بـالـمـوتِ أو الـقتـلِ إن أهـل الـكـوفـةِ قـد كـذَبـوك وكذبوني"(۱).

آپ گھر والوں کے ساتھ واپس جائیں اور اہلِ کوفہ کے دھوکے میں نہ آئیں، کیونکہ یہ وہی آپ کے والد کے لوگ ہیں جن سے موت یا قتل کے ذریعے وہ خلاصی چاہتے تھے، انہوں نے آپ سے اور مجھ سے جھوٹ بولا ہے۔

فرزدق شاعر سے راستے میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ملاقات ہوئی اور جب آپ نے ان سے کوفہ کے لوگوں کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا:

"من الخبير سألتَ، قلوبُ الناس معك وسيوفُهم مع بني أمية"(۲).

بلا شبہ آپ نے ایک باخبر آدمی سے پوچھ لیا ہے، ان لوگوں کے دل آپ کے ساتھ ہیں جب کہ تلواریں بنوامیہ کے ساتھ (یعنی وہ آپ کے خلاف لڑیں گے)۔

حضرت حسین کو اہل کوفہ کی غداری کا اندازہ ہو گیا تھا

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو خود بھی اس کا کچھ کچھ اندازہ تھا مگر وہ یہ جانتے تھے کہ لوگ انہیں اس (خلافت لینے) کے لئے آگے بڑھے اور آمادہ ہوئے بغیر بھی نہیں چھوڑیں گے، اور یزید کو بھی چونکہ ان کی ذات سے خطرہ ہے، سو وہ بھی اسے بیعت کئے بغیر نہیں چھوڑیں گے اور اس کے لئے آپ کسی طرح تیار نہ تھے، آپ رضی اللہ عنہ کی طرف یہ الفاظ منسوب ہیں:

"وأيمُ الله لو كنت في جُحرهامة من هذه الهوام لاستخرَجوني حتى

(۱) تاريخ الطبري: ۳/۲۹۰

(۲) تاريخ الطبري: ۳/۲۹۶

يقضوا فيَّ حاجتهم"(۱).

بخدا! اگر میں حشرات الارض کے بلوں میں بھی جاؤں تو لوگ مجھے نکالیں گے تاکہ مجھ سے اپنا مقصد حاصل کریں۔

اور کوفہ جا کر تو پھر آپ کو عین الیقین حاصل ہوا اسی لئے آپ نے واپس آنے کا عندیہ ظاہر کیا مگر یزید اور اس کے عُمّال کو یہ اندازہ تھا کہ اب اگر آپ واپس گئے تو اگلی مرتبہ آپ مزید تیاری اور احتیاطی تدابیر کے ساتھ آئیں گے اور یہ ایک مستقل خطرہ رہے گا، اس لئے وہ آپ کو قبضے میں لینے پر بضد تھے۔

یزید بھی فضیلتِ حسین کا قائل تھا

باقی یہ کہ یزید حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے بہتر تھا اور افضلیت کی بناء پر خلافت کا زیادہ حق دار تھا، اس کا تو خود یزید بھی قائل نہ تھا۔

چنانچہ شہادت حسین کے بعد یزید کے یہ الفاظ تاریخ نے نقل کئے ہیں:

"أتدرُون مِن أين أتى هذا؟ قال: أبي عليٌّ خير من أبيه وأمي فاطمة خير من أمّه، وجدّي رسول الله خير من جدّه، وأنا خير منه وأحق بهذا الأمر منه، فأما قوله "ابوه خير من أبي" فقد حاجَّ أبي أباه وعلم الناس أيهما حكم له، وأما قوله "أمي خير من أمّه" فلعمري فاطمة بنت رسولِ الله خير مِن أمي، وأمّا قوله "جدّي خير من جدّه" فلعمري ما أحد يؤمن بالله واليوم الآخر يرى لرسول الله فينا عدلاً ولانِدًا ولكنه إنما أتى من قبل فقهِه ولم يقرء "قل اللّٰهم مالكَ الملك توتي الملكَ مَن تشاء وتنزع الملكَ ممن تشاء"(۲).

کیا آپ لوگ جانتے ہو یہ واقعہ کیوں پیش آیا؟ یہ (حسین) کہا کرتا تھا کہ ان کا والد میرے والد سے بہتر ہے اور ماں فاطمہ بنت الرسول میری ماں سے بہتر، اور نانا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے نانا سے بہتر ہیں اور خود وہ مجھ سے بہتر اور حکومت کا زیادہ

(۱) تاريخ الطبري: ۲۹٦/۳

(۲) تاريخ الطبري: ۳۴۰/۳، والبداية والنهاية: ۱۹۹/۸، ۲۰۰

حق دار ہے...... (آپ) جہاں تک والد کی بات ہے تو ان کا والد (علی) اور میرے والد (معاویہ) لڑے اور دنیا نے دیکھا کہ حکومت کس کو دی گئی۔ اور جہاں تک ماں کا تعلق ہے تو میری جان کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی فاطمہ میری ماں سے بہتر تھیں، اور نانا کی جو بات ہے تو کوئی مسلمان ہم میں سے آپ علیہ الصلوۃ والسلام کے برابر وہمسر کسی کو ماننے ایسا ممکن نہیں ہے، مگر یہ بہتری اور ماں باپ کے اعتبار سے یہ أفضلیت ازراہِ علم ودین ہے حکومت کی بات دوسری ہے وہ تو اللہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے جیسے کہ ارشاد ہے

قل اللّٰهم مالكَ الملك تؤتي الملكَ مَن تَشاء وتنزعُ الملكَ مِمن تشاء.

بہرحال یزیدی حکومت قتل حسین کی ذمہ دار ہے مگر اہل کوفہ اور شیعانِ علی بھی اس میں برابر کے شریک ہیں، جنہوں نے آپ (رضی اللہ عنہ) کو بلایا اور پھر پیچھے ہٹ گئے اور آپ صرف اپنے اہل خانہ اور چند ایک وفاداروں سمیت ظالموں سے برسرِ پیکار رہے اور ساٹھ ستر افراد پر مشتمل یہ قافلہ آخر کار پورا تہہ تیغ کیا گیا رضي اللّٰه عنهم وأرضاهم اور شیعانِ علی کا کچھ پتہ ہی نہیں چلا کہ کہاں تھے اور کیا ہوئے۔

كَانَ أَشْبَهَهُمْ بِرَسُولِ اللّٰهِ

هـــم ضمیر اہل بیت کی طرف راجع ہے، یعنی اہل بیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ مشابہت حضرت حسین کی تھی۔

بزار نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ایک اور طریق سے روایت کی ہے، جس میں انس کے یہ الفاظ منقول ہیں:

"فقلتُ له إني رأيتُ رسولَ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يلثم حيث تضعُ قضيبَك قال فانقبض"(۱).

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے اسی جگہ کا بوسہ لیتے ہوئے دیکھا ہے، جہاں تم یہ لکڑی رکھ رہے ہو فرمایا، یہ سن کر اس نے لکڑی اٹھادی۔

جب کہ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے متعلق جو روایت ہے، اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت زید نے

---

(۱) مسند البزار: ۱۳/۱۸٤، رقم: ٦٦٣٢

ابن زیاد کے اس فعل قبیح کو دیکھ کر اسے منع کیا اور پھر روتا ہوا باہر نکلا، اس پر ابن زیاد نے کہا:

"أبكى الله عينَك فوالله لو لا أنك شيخ قد خرِفتَ وذهب عقلك لضربتُ عنقك"(۱).

اللہ تجھے رُلا دے، بخدا! اگر تم ایک ایسے بوڑھے نہ ہوتے جو مخبوط الحواس ہو چکا ہے اور اس کی عقل ختم ہوگئی ہے تو میں تیری گردن مار دیتا۔

اس کے بعد زید بن اُرقم کہنے لگا:

"ملَك عبدٌ عبيداً فاتخذهم تليدا، أنتم يا معشرَ العرب العبيدُ بعد اليوم قَتلتُم ابن فاطمة وأمَّرتم ابنَ مرجانة فهو يقتل خيارَكم ويستعبد شرارَكم فبعداً لمن رضي بالذل"(۲).

ایک غلام غلاموں کا مالک بنا اور انہیں ورثے میں ملا ہوا مال جانا۔ اے عربو! تم آج کے بعد غلام ہو تم نے ابن فاطمہ (حسین) کو قتل کیا اور ابن مرجانہ (ابن زیاد) کو امیر بنا دیا جو تمہارے پسندیدہ لوگوں کو قتل کر رہا اور برے لوگوں کو غلام بنا رہا ہے اور ہلاک ہو وہ جو اس ذلت پر راضی ہے۔

لوگوں نے کہا:

"والله لقد قالَ زيد بن ارقم كلاماً لَو سمعَه ابنُ زياد لقتلَه"(۳).

زید بن ارقم نے ایسی بات کہی ہے کہ اگر اسے ابن زیاد سنتا تو انہیں قتل کر دیتا۔

بعض حضرات نے یزید کے متعلق بھی اسی طرح کا واقعہ ذکر کیا ہے۔

چنانچہ ابن ابی الدنیا کی روایت ہے کہ یزید کے ہاں جب حضرت حسین کا سر لایا گیا تو اس نے قضیب لے کر یہ عمل کیا اور ابو برزہ اُسلمی نے اسے ڈانٹا (۴)۔

---

(۱) إرشاد الساري: ۸/۲۳۳، والبداية النهاية: ۸/۱۹۸

(۲) إرشاد الساري: ۸/۲۳۳، والبداية النهاية: ۸/۱۹۸

(۳) البداية والنهاية: ۸/۱۹۸

(٤) البداية والنهاية: ۸/۲۰۰

یہاں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول منقول ہے کہ حضرت حسین أشبَه بالرَّسول تھے(۱)۔

یہ بات آگے عبدان کی روایت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، انہوں نے فرمایا، حضرت حسین اپنے والد علی (رضی اللہ عنہ) سے نہیں بلکہ نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت رکھتے ہیں۔

مَخضُوبًا بِالْوَسْمَةِ

وشمة بالشین المعجمہ بھی منقول ہے، اور بضم الواء والسین المھملۃ بھی، تاہم راجح سین مہملہ اور فتح واو کے ساتھ ہے۔ مراد ہے نیل کا پودا جس سے خضاب کیا جاتا ہے۔ اس میں رنگ سیاہی مائل ہو جاتا ہے اس کی تشریح ان الفاظ میں کی گئی ہے: "نبت يختضب به يميل إلى السواد"(۲).

چوں کہ خالص "وَسمہ" کالا نہیں ہوتا بلکہ سیاہی مائل ہوتا ہے اس لئے اس کا ارشاد نبوی "جنبوا السواد" سے تعارض نہیں ہے اور پھر حضرت حسین غازی بھی تھے اور غازی کے لئے اس کی گنجائش ہے(۳)۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا جسد اور سر مبارک کہاں مدفون ہیں؟

رہی یہ بات کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر جب ابن زیاد اور پھر یزید کے پاس لایا گیا اور انہوں نے اس کے ساتھ مذکورہ بالا معاملہ کیا تو پھر اس سَر کا کیا ہوا؟ اس میں مختلف روایات ہیں۔

ایک قول تو یہ ہے کہ ابن زیاد نے حضرت حسین کا سر یزید کے پاس بھیجا ہی نہیں، تاہم قول مشہور یہ ہے کہ بھیجا تھا اور اسے حر بن قیس یا محفز بن ثعلبہ نے یزید کے سامنے بہتر ۷۲ دیگر سروں کے ساتھ پیش کیا تھا۔ ابن کثیر نے اسے راجح قرار دیا ہے۔

پھر دفنائے جانے کے حوالے سے ایک قول تو یہ ہے کہ یزید نے اسے عمرو بن سعید کے پاس مدینہ بھجوایا اور انہوں نے اسے بقیع میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس دفنایا۔

دوسرا ایک ضعیف قول یہ ہے کہ وہ سر یزید کے پاس اس کے خزانے میں پڑا رہا، یہاں تک کہ جب یزید مرا تو اسے نکال کر دمشق کے باب الفرادیس میں دفنایا گیا اور مسجد الرأس اسی جگہ اسی مناسبت سے قائم

---

(۱) إرشاد الساري: ۸/۲۳۳، وفتح الباري: ۹/۱۲۱

(۲) البداية والنهاية: ۸/۲۱۱، وتاريخ الطبري: ۳/۳۳۸، ومرقاة المفاتيح: ۱۱/۳۲۳

(۳) لامع الدراري: ۸/۱۸۸

ہے۔ابن عساکر نے نقل کیا ہے کہ یزید کے پاس وہ خزانے میں رہا تا آنکہ بہت بعد میں سلیمان بن عبدالملک کے زمانے میں اسے نکالا گیا اور اب وہ ایک سفید ہڈی کی شکل اختیار کر گیا تھا، اسے پھر مسلمانوں کے مقبرے میں دفنایا گیا پھر جب بنوعباس آئے تو انہوں نے اسے نکال دیا اور اپنے ساتھ لے گئے (۱)۔

جب کہ مصر میں جو چوتھی پانچویں اور چھٹی صدی میں فاطمیین کی حکومت رہی ان کا کہنا ہے کہ حسین کا سر اُن کے پاس پہنچ گیا اور انہوں نے اسے مصر میں دفنا کر اس پر ایک مشہد بنا دیا جسے ''تاج الحسین'' کا نام دیا گیا۔کئی ایک علماء نے اسے بالکل بے بنیاد قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اسے فاطمیین نے اپنی حکومت کے قیام اور مذہب کی ترویج کے لئے بطور ہتھیار استعمال کیا (۲)۔

بہرحال قرینِ قیاس تو بقیع یا دمشق میں اس کا دفنایا جانا ہے۔واللہ اعلم

اور جہاں تک جسد کا تعلق ہے تو وہ کربلا میں رہ گیا تھا اور روایت ہے کہ عمر بن سعد نے اسے ابن زیاد کے حکم پر گھوڑوں سے روندا تھا، پھر اهل الغاضریه، جو بنواسد میں سے تھے، انہوں نے یوم شہادت کے ایک دن بعد دفنایا (۳)۔

اور نہر کربلا کے پاس جو مزار ہے، اسے بھی آپ کا مدفن کہا گیا، ابن جریر اور بعض دوسرے حضرات کہتے ہیں مدفن کی جگہ مٹ گئی ہے، اور اس کے بارے میں بالیقین اب کوئی نہیں جانتا (۴)۔

روافض اور نواصب کا افراط وتفریط

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ، امام الہدی اور مجموعۂ مناقب ومحاسن تھے، تاہم ان کا اپنا ایک مرتبہ تھا اور جہاں وہ یزید اور دیگر اپنے معاصرین سے بہتر تھے وہاں اپنے والد، دیگر خلفاء راشدین، بدریین اور عشرہ مبشرہ سے کم درجے کے تھے اور جہاں تک نواسۂ رسول ہونے کا اعزاز ہے، تو یہ شرف واعزاز ان کی طرح ان کے بڑے بھائی حضرت حسن کو بھی حاصل ہے، جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "ابني هذا سيّد" کہہ کر سیادت کے مقام پر فائز کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کنیت بھی انہیں کی طرف نسبت کی بنیاد پر ''ابوالحسن'' ہے۔

---

(۱) البداية والنهاية: ۲۱۱/۸، وتاريخ الطبري: ۳۳۸/۳

(۲) البداية والنهاية: ۲۱۱/۸

(۳) تاريخ الطبري: ۳۳۵/۳

(٤) البداية والنهاية: ۲۱۱/۸

حضرت علی بن زینب بن ابی العاص بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے نواسے تھے، مگر تعجب کی بات ہے کہ علی شیر خدا خلیفہ راشد وامیر المؤمنین شہید کئے گئے ان کا کوئی تذکرہ نہیں، حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے یوم وفات کا کسی کو علم ہی نہیں ہے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کو اتنا اچھالا جاتا ہے جیسے اسلام کے دامن میں شہادت کا ایسا کوئی واقعہ ہی نہیں ہو، حالانکہ عمِ رسول سید الشہداء حضرت حمزہ کی دردناک شہادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ہوئی اور اس جیسی بیسیوں شہادتیں...... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت، شہادتِ حسین سے کتنی مماثلت رکھتی ہے، بلکہ اس سے بڑی اور زیادہ دردناک ہے۔ انہیں بھی محصور کرکے اور بھوکا پیاسا اور کسمپرسی کے عالم میں شہید کیا گیا، مگر نہ کسی نے ان کے غم میں آسمان سر پر اٹھایا اور نہ ان کے قاتلوں پر ہی کوئی افتاد آئی۔

حقیقت یہ ہے کہ جہاں دشمنانِ اہل بیت اور ناصبی عناصر حضرت حسین کی شہادت پر خوشی مناتے ہیں اور انہیں غلط کہہ کر اللہ ورسول کے مجرم بنتے ہیں، وہاں دشمنانِ صحابہ اور روافض کہلانے والے لوگ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فرزند حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ بلاکر قتل کرنے یا بے یارومددگار چھوڑ کر مارے جانے کے بعد سے غمِ حسین منانے کے نام پر بغضِ صحابہ اور بدعات وخرافات کو فروغ دینے میں ایسے مگن ہیں کہ الامان والحفیظ!۔

انہی افلاسِ علم وکردار کے شکار لوگوں نے زریں اسلامی اقدار اور دینِ اسلام کے اصول وضوابط مسخ کرنے کے لئے تاریخ بھی مسخ کی ہے اور آج حالت یہ ہے کہ حضرت حسین کی شہادت کے متعلق حقائق اور فسانے میں فرق کرنا نہایت دشوار ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی ''البدایۃ والنہایۃ'' ان کی ثقاہت کی وجہ سے تاریخ کا ایک عمدہ مجموعہ سمجھا جاتا ہے۔ مگر حافظ صاحب نے بھی حضرت حسین کی شہادت کا قصہ ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

"وللشّيعة والرافضة في صفة مصرع الحسين كذبٌ كثير واخبارٌ باطلة وفيما ذكرنا كفاية، وفي بعض ما أوردناه نظر لو لا أن ابنَ جرير وغيرَه من الحفّاظ والأئمة ذكروه ماسُقته وأكثره من رواية ابي محنف لوط بن يحيى وقد كان شيعيا وهو ضعيف الحديث عند الأئمة ولكنه اخباري حافظ

عـنـده من هذه الأشياء ماليس عند غيرِه ولهذا يترامى عليه كثير من المصنّفين في هذ الشان"(١).

شیعوں اور رافضیوں کی شہادتِ حسین سے متعلق بہت ساری دروغ گوئیاں اور بے بنیاد خبریں ہیں اور جو ہم نے ذکر کیا ہے وہ کافی ہے۔اور ہماری ذکر کردہ بعض چیزوں میں اشکال کی گنجائش ہے اور اگر ابن جریر جیسے حفاظ اور ائمہ اسے ذکر نہ کرتے تو ہم بھی نہ لاتے۔اور اکثر یہ باتیں ابومخنف کی روایت سے پہنچی ہیں، جو شیعہ اور ضعیف الحدیث عند الائمہ ہے، لیکن اخبار ذکر کرنے والا اور حافظ ہے اور اس کے پاس اس حوالے سے ایسی چیزیں ہیں جو دوسروں کے پاس نہیں ہیں، اس لئے اس پر اعتماد کیا ہے اکثر بعد کے مصنفین نے۔

حافظ ابن کثیر نے اس کے بعد یہ بھی ذکر کیا ہے کہ ۴۰۰ ہجری کے لگ بھگ دولت بنی بویہ نے اس حوالے سے جو خرافات کی بھرمار کی ہے، اس کی مثال نہیں ملتی، مثلاً یومِ عاشورا کو طبلہ بجانا، گلی کوچوں میں خس وخاشاک اڑانا، دکانوں پر جھنڈے لٹکانا، رونا دھونا، کھانا پینا چھوڑنا، نوحے اور سینہ کوبی کرنا اور دوسری خرافات وبدعات اور بنواُمیہ پر لعن طعن کرنا(۲)۔جس سے مقصد حقیقتاً نہ کہ مجاورتاً بغض معاویہ ہے، حُبِّ علی نہیں۔

اور اس کی آڑ میں بنوامیہ کے اور دیگر جلیل القدر صحابہ پر لعن طعن کرنا، ان کا شیوہ اور اصل مقصد ہے جس پر تبرائی شیعوں کے مذہب کی بنیادیں قائم ہیں۔

أعاذَنا الله مِن شرِهم ...... آمين يا ربَّ العالمين

۳۵۳۹ : حدَّثنا حَجَّاجُ بْنُ المِنْهَالِ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قالَ : أَخْبَرَنِي عَدِيٌّ قالَ : سَمِعْتُ الْبَرَاءَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قالَ : رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ ، وَالحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ عَلَى عاتِقِهِ ، يَقُولُ : (اللَّهُمَّ إِنِّي أُحِبُّهُ فَأَحِبَّهُ) .

---

(١) البداية والنهاية: ٢٠٩/٨

(٢) البداية والنهاية: ٢٠٩/٨

(٣٥٣٩) الحديث كما أخرجه البخاري في صحيحه هنا كذا أخرجه مسلم في صحيحه في كتاب فضائل=

تراجم رجال

حَجَّاجُ بْنُ الْمِنْهَالِ

یہ ابومحمد حجاج بن المنہال انماطی ہیں ان کے احوال کتاب الإیمان، "باب ماجاء أن الأعمال بالنية والحسبة" کے تحت گزر چکے ہیں (۱)۔

شُعْبَةُ

یہ شعبۃ بن الحجاج بن الورد العتکی الواسطی ہیں۔ان کے احوال کتاب الإیمان، "باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده" کے تحت گزر چکے ہیں (۲)۔

عدي

یہ عدی بن ثابت الانصاری ہیں (۳) ان کے احوال کتاب الإیمان، باب "ماجاء أن الاعمال بالنية والحسبة" میں گزر چکے ہیں (۴)۔

الْبَرَاءَ

صحابی رسول حضرت براء بن العازب مراد ہیں۔ان کے احوال کتاب الإیمان، "باب الصلا من الإیمان" میں گزر چکے ہیں (۵)۔

وَالْحَسَنُ بن عَلي

اسماعیلی کی روایت میں عمرو بن مرزوق عن شعبۃ کی روایت میں "الحَسن أو الحُسين" شک کے

= الصحابة، باب فضائل الحسن والحسين رضي الله عنهما، رقم الحديث: ۲٤۲۲، والترمذي في جامعه في كتاب المناقب، باب مناقب الحسن والحسين رضي الله عنهما، رقم الحديث: ۳۷۸٤

(۱) دیکھئے، كشف الباري: ۷٤٤/۲

(۲) كشف الباري: ٦۷۸/۱

(۳) عمدة القاري: ۳۳۳/۱٦

(٤) كشف الباري: ۷٤٥/۲

(٥) كشف الباري: ۳۷٥/۲

ساتھ آیا ہے۔

پھر انہوں نے فرمایا کہ اکثر اصحابِ شعبہ نے "الحسن" بغیر شک کے ذکر کیا ہے اور پھر تقریباً آٹھ افراد کا نام اصحابِ شعبہ میں سے انہوں نے ذکر کیا ہے(۱)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے۔

۳۵٤۰ : حدّثنا عَبْدَانُ : أَخْبَرَنَا عَبْدُ ٱللهِ قالَ : أَخْبَرَنِي عُمَرُ بْنُ سَعِيدِ بْنِ أَبِي حُسَيْنٍ ، عَنِ ٱبْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الحَارِثِ قالَ : رَأَيْتُ أَبَا بَكْرٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ وَحَمَلَ الحَسَنَ وَهْوَ يَقُولُ : بِأَبِي شَبِيهٌ بِالنَّبِيِّ ، لَيْسَ شَبِيهٌ بِعَلِيٍّ . وَعَلِيٌّ يَضْحَكُ . [ر : ۳۳٤۹]

تراجم رجال

عَبْدَانُ

''عبدان'' یہ عبداللہ بن عثمان بن جبلہ کا لقب ہے۔ جن کے احوال کتاب بدء الوحی میں گزر چکے ہیں(۲)۔

عَبْدُ اللّٰهِ

یہ معروف امام حدیث عبداللہ بن المبارک الحنظلی ہیں۔ ان کے احوال بھی اسی بدء الوحی کی حدیث ٦ کے تحت گزر چکے ہیں(۳)۔

عُمَرُ بْنُ سَعِيدِ بْنِ أَبِي حُسَيْنٍ

یہ عمر بن سعید بن ابی حسین قرشی نوفلی ہیں۔ ان کے احوال کتاب العلم، "باب الرحلة في المسألة

---

(۱) فتح الباري: ۱۲۱/۹، عمدة القاري: ۳۳۳/۱٦

(۳۵٤۰) الحديث سبق تخريجه في كتاب المناقب، باب صفة النبي، رقم: ۳۵٤۲

(۲) كشف الباري: ٤٦۱/۱

(۳) كشف الباري: ٤٦۲/۱

النازلة" کے تحت گزر چکے ہیں (۱)۔

ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ

یہ ابوبکر عبداللہ بن عبیداللہ بن أبی ملیکہ ہیں۔ ان کے احوال کتاب الإیمان، "باب خوف المؤمن من أن یحبط عمله وهو لایشعر" کے تحت گزر چکے ہیں (۲)۔

عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ

یہ عقبۃ بن الحارث بن عامر بن نوفل قرشی نوفلی ہیں۔ ان کے احوال کتاب العلم، "باب الرحلة في المسألة النازلة" کے تحت گزر چکے ہیں (۳)۔

حضرت فاطمہ کی طرف اس قول کی نسبت

عن عقبة بن الحارث قال "رأيت ابابكر رضي الله عنه......": اسی طرح کی ایک اور روایت أحمد وغیرہ نے زمعۃ بن صالح کے حوالے سے نقل کی ہے جس میں ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں:

"كانت فاطمة تنقز الحسنَ بن علي" یعنی حسن بن علی کی والدہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا انہیں نچاتی تھیں اور یہ کہا کرتی تھیں......

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں ابن ابی مُلیکہ کی عقبۃ بن الحارث کی یہ روایت جس میں حضرت ابوبکر کے متعلق مذکورہ واقعہ کا ذکر ہے، یہی صحیح ہے۔

حافظ صاحب فرماتے ہیں اگر یہ دوسری روایت محفوظ ہے تو ہوسکتا ہے یہ واقعہ حضرت ابوبکر اور حضرت فاطمہ دونوں کے ساتھ پیش آیا ہو، اور یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت ابوبکر نے حضرت فاطمہ کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہو اور ان ہی کا واقعہ ذکر کیا ہو کہ وہ حسن کو اچھالتے ہوئے کہا کرتی تھیں "بأبي شبيه بالنبي......" اور ان کی اتباع میں پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت حسن کے متعلق یہ جملہ کہا ہو (۴)۔

---

(۱) كشف الباري: ۵۱۵/۳

(۲) كشف الباري: ۵٤۸/۲

(۳) كشف الباري: ۵۱٦/۳

(٤) فتح الباري: ۱۲۱/۹

أحمد نے ایک اور طریق سے "كانت فاطمة ترقص الحسن" کے الفاظ کے ساتھ بھی یہ روایت ذکر کی ہے اور اس میں حضرت فاطمہ کے یہ الفاظ منقول ہیں:

"ابني هذا شبيه بالنبي ليس شبيهاً بعلي"(۱).

حافظ صاحب کہتے ہیں، ممکن ہے یہ حضرت ابوبکر اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کا ''توارد'' ہو اور ممکن ہے ان دونوں میں کسی ایک نے دوسرے کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہو اور پھر اس کی اتباع میں خود بھی یہ جملہ دہرایا ہو(۲)۔

وَحَمَلَ الْحَسَنَ

واؤ حالیہ ہے یعنی درآں حالیکہ انہوں نے حَسن کو اٹھا رکھا تھا(۳)۔

بِأَبِي

اس کی تقدیر ہے "مفدي بأبي" یعنی میرا باپ ان پر فدا ہو اور وہ مَفدي...... (۴)۔

لَيْسَ شَبِيهٌ بِعَلِيٍّ

شبيه مرفوع منقول ہوا ہے اور اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ "ليس" مذہب کوفی میں حرف عطف ہے۔ لہٰذا "شبيه بالنبي" معطوف علیہ خبرِ مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے تو "ليس شبيهٌ" میں "شبيهٌ" بھی اس پر عطف کی وجہ سے مرفوع ہوگا اور تقدیر ہوگی "لا شبيهٌ بعلي".

دوسرا قول ابن مالک کی طرف منسوب کرتے ہوئے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ شبيه (ثاني)، ليس کا اسم اور مرفوع ہے اور اس کی خبر ضمیر کی صورت میں محذوف منوي ہے اور منوی کو ملفوظ کے قائم مقام کے طور پر قبول کیا گیا ہے(۵)۔

جب کہ ایک قول یہ ہے کہ "شبيهاً بعلي" منصوب اور خبرِ لَيس ہے جب کہ اس (لَيس) میں ضمیر

---

(۱) رواه أحمد...... انظر فتح الباري: ۱۲۱/۹

(۲) شرح الطيبي: ۳۰۸/۱۱، فتح الباري: ۱۲۱/۹

(۳) عمدة القاري: ۳۳۳/۱۶

(٤) عمدة القاري: ۳۳۳/۱۶

(٥) فتح الباري: ۱۲۱/۹، وعمدة القاري: ۳۳٤/۱٦

مرفوع ہے جو اس کا اسم ہے(۱)۔

حضرت حسن پر باپ فدا کرنا ان کی شباہت بالنبي کی وجہ سے ہے

علامہ طیبی فرماتے ہیں "بأبي شبيه بالنبي......" میں ترکیبی اعتبار سے دو احتمالات ہیں، ایک یہ کہ اس کی تقدیر ہے "هو مفدي بأبي شبيه بالنبي" اور اس میں مفدي خبرِ اول جب کہ شبيه خبر ثانی ہے، ضمیر "هو" کے لئے۔ اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس کی تقدیر ہے "أفديه بأبي، وهو شبيه بالنبي" اس صورت میں "شبيه بالنبي" ہی خبر ہے مبتدا محذوف کے لئے اور "أفديه بأبي" دوسرا جملہ ہے، بہرحال دونوں صورتوں میں "شبيه بالنبي" ہونا تفديه (باپ فدا کرنے) کے لئے علت ہے(۲)۔

کیا حضرت حسن کا شبیہ نبی ہونا رسول اللہ کے "بے مثال" ہونے کا معارض نہیں؟

یہاں یہ ایک اعتراض ہوسکتا ہے کہ ترمذی نے شمائل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے "لم أرَ قبلَه ولا بعدَه مثلَه"(۳). یعنی میں نے رسول اللہ جیسا نہ ان سے قبل کسی کو دیکھا اور نہ بعد میں، تو پھر حضرت حسن کیسے "شبيه بالرسول" ہوئے؟

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ جہاں "مثل" کی نفی ہے اس سے کلی مماثلت مراد ہے یعنی بالکل اور ہر لحاظ سے رسول اللہ جیسا ہونا یہ کسی کے لئے ثابت نہیں ہے اور یہاں جو اثبات ہے اس سے اکثر اور بڑی حد تک مشابہت کا اثبات مراد ہے(۴)۔

"شبیہ بالنبی" ہونے کا معنی یہ ہے کہ بچہ ماں پہ گیا ہے اور نانا (رسول اللہ) سے اس کی مشابہت ہے نہ کہ باپ سے۔

باب اور حدیث میں مطابقت ظاہر ہے(۵)۔

---

(۱) عمدة القاري: ۱٦/۳۳٤

(۲) فتح الباري: ۹/۱۲۱

(۳) فتح الباري: ۹/۱۲۱

(٤) فتح الباري: ۹/۱۲۱، وعمدة القاري: ۱٦/۳۳٤

(٥) عمدة القاري: ۱٦/۳۳٤

٣٥٤١ : حدّثنا يَحْيىٰ بْنُ مَعِينٍ وَصَدَقَةُ قَالَا : أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ ، عَنْ شُعْبَةَ ، عَنْ وَاقِدِ بْنِ مُحَمَّدٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : قَالَ أَبُو بَكْرٍ : ارْقُبُوا مُحَمَّدًا ﷺ فِي أَهْلِ بَيْتِهِ . [ر : ٣٥٠٩]

تراجم رجال

يَحْيىٰ بْنُ مَعِينٍ

یہ ابوزکریا یحییٰ بن معین بن میمون الغطفانی ہیں۔ معروف امام حدیث، ان کے احوال کتاب الحج، "باب من این یخرج من مكة" میں گزر چکے ہیں۔

صَدَقَةُ

یہ ابوالفضل صدقۃ بن الفضل المروزی ہیں۔ ان کے احوال کتاب العلم، "باب العلم والعظة باللیل" میں گزر چکے ہیں(۱)۔

مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ

یہ ابوعبداللہ محمد بن جعفر الہذلی المعروف "غندر" ہیں۔ ان کے احوال کتاب الایمان، "باب ظلم دون ظلم" میں گزر چکے ہیں(۲)۔

شُعْبَةَ

یہ امیر المومنین فی الحدیث شعبۃ بن الحجاج بن الورد العتکی ہیں۔ ان کے احوال کتاب الإیمان، "باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده" میں گزر چکے ہیں(۳)۔

(٣٥٤١) الحديث مر تخريجه في كتاب فضائل الصحابة، باب منقبة قرابة النبي صلى الله عليه وسلم، رقم الحديث: ٣٧١٣

(١) كشف الباري: ٣٨٨/٤

(٢) كشف الباري: ٢٥٠/٢

(٣) كشف الباري: ٦٧٨/٢

واقد بن محمد

یہ واقد بن محمد بن زید بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم ہیں۔ ان کے اور ان کے والد محمد بن زید کے احوال کتاب الإیمان، "باب فإن تابوا وأقاموا الصلاة وآتوا الزكاة فخلّوا سبيلهم" کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

ابن عمر

یہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں صحابی بن صحابی۔ ان کے احوال کتاب الإیمان، "باب الایمان وقول النبي صلى الله عليه وسلم بني الإسلام على خمس" میں گزر چکے ہیں(۲)۔

حدیث کی تشریح باب قرابة النبي میں گزر چکی ہے۔

٣٥٤٢ : حدّثني إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى : أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ ، عَنْ مَعْمَرٍ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ ، عَنْ أَنَسٍ . وَقَالَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ : أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ : أَخْبَرَنِي أَنَسٌ قَالَ : لَمْ يَكُنْ أَحَدٌ أَشْبَهَ بِالنَّبِيِّ ﷺ مِنَ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ .

تراجم رجال

إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى

یہ ابراہیم بن موسیٰ بن یزید التیمی ابو اسحاق الفراء ہیں۔ ان کے احوال کتاب الحیض، "باب غسل الحائض رأس زوجها وترجيله" کے تحت گزر چکے ہیں۔

هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ

یہ ہشام بن یوسف الانباری ابو عبدالرحمٰن الصنعانی ہیں۔ ان کے احوال کتاب الحیض، "باب من

---

(۱) كشف الباري: ۲/۱۳۵

(۲) كشف الباري: ۱/٦۳۷

(٣٥٤٢) الحديث أخرجه الترمذي أيضاً في جامعه في المناقب، باب مناقب الحسن والحسين رضي الله عنهما، رقم: ٣٧٧٨

سمي النفاس حيضا" کے تحت گزر چکے ہیں۔

مَعْمَرٍ

یہ معمر بن راشد ازدی ابوعروہ البصری ہیں۔ان کے احوال بدء الوحي ، حديث خامس کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

الزُّهْرِيِّ

یہ ابوبکر محمد بن مسلم بن شہاب الزہری ہیں۔ان کے احوال بدء الوحي میں گزر چکے ہیں(۲)۔

أَنَسٍ

یہ صحابی رسول حضرت اُنس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔ان کے احوال کتاب الإیمان، "باب من الایمان أن یحب لأخیه مایحب لنفسه" کے تحت گزر چکے ہیں(۳)۔

تعلیق کا مقصد

وَقَالَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ...... امام بخاری کی اس تعلیق کا مقصد یہ ہے کہ زہری کی روایت جو انس سے یہاں "عن" کے ساتھ مروی ہے، عبدالرزاق نے اسے روایت کیا ہے اور اس میں زہری کے انس سے سماع کا ذکر ہے۔امام بخاری یہی ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ زہری کا سماع انس سے ثابت ہے(۴)۔

اس معلق روایت کو عبدالرزاق سے احمد نے اپنی مسند میں اور عبد بن حمید نے نقل کیا ہے(۵)۔

اور ترمذی نے بھی اسے موصولاً ذکر کیا ہے(۶)۔

---

(۱) كشف الباري: ۱/٤٦٥

(۲) كشف الباري: ۱/۳۲٦

(۳) كشف الباري: ۲/٤

(٤) فتح الباري: ۹/۱۲۱، وعمدة القاري: ۱٦/۳۳٤

(٥) فتح الباري: ۹/۱۲۱

(٦) انظر الجامع للترمذي، كتاب المناقب، باب مناقب الحسن والحسين، رقم: ۳۷۸٤

کیا حضرت حسن أشبہ بالنبی تھے، یا سیدنا حسین؟

أنس بن مالک رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ان کی ایک اور روایت جو محمد بن سیرین کے حوالے سے اسی باب میں ابھی اوپر ذکر ہوئی ہے، سے معارض ہے۔

پہلی روایت میں انہوں نے حضرت حسین (رسول اللہ کے چھوٹے نواسے) کے متعلق فرمایا، "کان أشبهَهم برسول الله".

کہ آپ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دوسرے سارے لوگوں کی نسبت زیادہ مشابہت رکھتے تھے۔ جب کہ یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے نواسے حضرت حسن کے لئے یہ بات ثابت کی گئی ہے۔

اس تعارض کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں:

پہلا جواب

پہلا جواب یہ دیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں آپ سے زیادہ مشابہت حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی تھی کیونکہ وہ بڑی عمر کے تھے اور ان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت کھل گئی تھی۔

جب کہ حضرت حسین میں بھی مشابہت تھی مگر وہ ابھی بچے تھے اور ان کی رسول اللہ سے مشابہت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے بعد (جب حسین بڑے ہوئے) کھل کر سامنے آگئی تھی، چنانچہ حضرت حسین کے أشبہ بالنبی ہونے کا جہاں ذکر ہے، اس سے مراد ہے رسول اللہ کی حیات (یعنی دنیا سے رحلت) کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشابہت۔ لہٰذا کوئی تعارض ہی نہیں ہے بلکہ اس طرح جمع اور تطبیق ممکن ہے (۱)۔

دوسرا جواب

دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے "أشبہ بالرسول" قرار دینے سے مراد یہ ہے کہ حضرت حسن کے علاوہ وہ سب لوگوں سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت رکھتے تھے، یہ بھی

(۱) فتح الباري: ۱۲۲/۹

تطبیق اور جمع بین الروایتین کی صورت ہے(۱)۔

تیسرا جواب

تیسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حضرت حسن اور حضرت حسین دونوں میں سے ہر ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے أشبہ تھے لیکن بعض اعضاء میں جیسے کہ ترمذی اور ابن حبان کی ایک روایت سے یہی معلوم ہوتا ہے جو ھانی بن ھانی کے طریق سے حضرت علی سے مروی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

"الحسن أشبهُ برسول الله ما بين الصدر إلى الرأس، والحسين أشبهُ برسول الله ما كان أسفل من ذلك"(۲).

یعنی سینے سے سر تک رسول اللہ سے زیادہ مشابہت حضرت حسن کی تھی اور سینے سے نچلے حصے کی زیادہ مشابہت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت حسین کی تھی۔

اور اسماعیلی نے عبدالاعلی عن معمر عن الزہری کے طریق سے روایت نقل کی ہے جس میں حضرت حَسن کے متعلق فرمایا:"وكان أشبههم وجها بالنبي"(۳).

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت رکھنے والے دیگر حضرات

حضرات حسنین کے علاوہ بھی بعض حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت رکھتے تھے، مثلاً بنو ہاشم میں سے جعفر بن ابی طالب، ان کا بیٹا عبداللہ بن جعفر، قثم بن العباس بن عبدالمطلب، ابوسفیان بن الحارث بن عبدالمطلب، مسلم بن عقیل بن ابی طالب۔ اور بنی ہاشم کے علاوہ میں امام شافعی کے جدامجد سائب بن یزید المطلبی، عبداللہ بن عامر بن کریز العبشمی اور کابس بن ربیعۃ بن عدی۔ حسنین کے ساتھ یہ کل دس افراد ہو گئے جن کو شاعر نے شعر کی صورت میں یوں ذکر کیا ہے:

شبه النبي لعشر سائب وأبي … سفيان والحسنَين الطاهرين هما

وجعفر، وابنه ثم ابن عامرهم … ومسلم، كابس يتلوه مع قثما

(۱) فتح الباري: ۱۲۲/۹

(۲) جامع الترمذي، كتاب المناقب، باب حلمه ووضعه الحسن والحسين بين يديه، رقم الحديث: ۳۷۷۹

(۳) فتح الباري: ۱۲۲/۹

بعض حضرات نے مزید افراد بھی ذکر کئے ہیں۔جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ، صاحبزادے ابراہیم، اور عوف بن جعفر کا بھی ذکر ہے(۱)۔ واللہ اعلم

۳۵۴۳ : حدّثني محمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ : حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ : حَدَّثَنَا شُعْبَة ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي يَعْقُوبَ : سَمِعْتُ ٱبْنَ أَبِي نُعْمٍ : سَمِعْتُ عَبْدَ ٱللهِ بْنَ عُمَرَ : وَسَأَلَهُ عَنِ الْمُحْرِمِ - قالَ شُعْبَةُ : أَحْسِبُهُ - يَقْتُلُ ٱلذُّبَابَ ؟ فَقَالَ : أَهْلُ الْعِرَاقِ يَسْأَلُونَ عَنِ ٱلذُّبَابِ ، وَقَدْ قَتَلُوا ٱبْنَ ٱبْنَةِ رَسُولِ ٱللهِ ﷺ ، وَقالَ النَّبِيُّ ﷺ : (هُما رَيْحَانَتَايَ مِنَ ٱلدُّنْيَا) . [٥٦٤٨]

تراجم رجال

مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ

یہ امام حدیث ابوبکر محمد بن بشار بن عثمان عبدی، بصری المعروف ''بندار'' ہیں۔ان کے احوال کتاب العلم، "باب قول النبي ربَّ مبلغ أوعى من سامع" میں گزر چکے ہیں(۲)۔

غُنْدَرٌ

یہ ابوعبداللہ محمد بن جعفر ہذلی المعروف بہ ''غندر'' ہیں۔ان کے احوال کتاب الایمان، "باب ظلم دون ظلم" کے تحت گزر چکے ہیں(۳)۔

شُعْبَةُ

یہ امیر المؤمنین فی الحدیث شعبۃ بن الحجاج بن الورد العتکی ہیں۔ان کے احوال کتاب الإیمان،

---

(۱) فتح الباري: ۹/۱۲۲، ۱۲۳

(۳۵٤۳) الحديث أخرجه البخاري ايضاً في صحيحه كتاب الأدب، باب رحمة الولد وتقبيله ومعانقته، رقم: ٥٩٩٤، والترمذي في جامعه، في المناقب، باب مناقب الحسن والحسين، رقم: ۳۷۷۰

(۲) كشف الباري: ۳/۲٥۸

(۳) كشف الباري: ۲/۲٥۰

"باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده" کے تحت گزر چکے ہیں (۱)۔

مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي يَعْقُوبَ

یہ محمد بن ابی عبداللہ بن ابی یعقوب الضبي المصری ہیں۔دادا کی طرف ان کی نسبت ہوئی ہے۔ان کے احوال کتاب المناقب، باب "ذكر أسلم وغفار ومزينة وجهينة وأشجع" میں گزر چکی ہے۔

ابْنَ أَبِي نُعْمٍ

یہ ابوالحکم عبدالرحمٰن بن ابی نُعم البجلي ہیں۔ان کے احوال کتاب احادیث الانبیاء، باب قول الله تعالی: "وإلى عاد أخاهم هودا" کے تحت گزر چکے ہیں۔

عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ

عبداللہ بن عمر صحابی رسول کے احوال گزر چکے ہیں (۲)۔

مختلف روایات میں اختلافِ الفاظ

یہاں "وسالـه عن المُحرم" کے الفاظ ہیں، جن کا معنی یہ ہے کہ ابن عمر سے کسی آدمی نے مُحرِم (احرام باندھنے والے) کے بارے میں پوچھا۔

جب کہ کتاب الأدب میں مہدی بن میمون کی روایت میں "ساله رجل" کی تصریح ہے (۳)۔

حافظ ابن حجر نے ابوذر الہروی کے حوالے سے "سـألتـه" کے الفاظ بھی نقل کئے ہیں یہ الفاظ محفوظ ہوتے تو "رجـل" متعین ہوجاتا مگر ترمذی کی جریر بن حازم عن محمد بن ابی یعقوب کی روایت اس احتمال کو رد کرتی ہے، کیونکہ اس میں "أن رجلاً من اهل العراق سأل" کے الفاظ آئے ہیں (۴)۔

اور اُحمد کی روایت میں راوی سے "وأنا جالس عنده" کے الفاظ منقول ہیں (۵)۔دونوں روایتوں

---

(۱) كشف الباري: ۱/۶۷۸

(۲) كشف الباري: ۱/۶۳۷

(۳) صحيح البخاري، كتاب الأدب، حديث: ٥٩٩٤

(٤) جامع الترمذي، كتاب المناقب، رقم الحديث: ۳۷۷۰

(٥) فتح الباري: ۹/۱۲٤

سے معلوم ہوتا ہے کہ سائل روای نہیں کوئی اور ہے اور راوی حاضر و شاہد تھا (مگر سائل نہ تھا)۔

أحسبه يقتل الذباب

یہاں شعبہ کی روایت ان الفاظ کے ساتھ منقول ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ شعبہ کا گمان ہے کہ سائل نے محرم کے حالت احرام میں مکھی مارنے کے متعلق پوچھا تھا۔ جب کہ ابوداود الطیالسی نے شعبہ کا قول بغیر شک کے نقل کیا ہے (۱)۔

سوال کیا تھا؟

دوسری بات یہ ہے کہ یہاں یہ مذکور ہے کہ سائل نے ابن عمر سے یہ پوچھا تھا کہ "اگر محرم مکھی مار دے تو اس کا کیا حکم ہے؟ جب کہ ترمذی کی روایتِ وہب بن جریر بن حازم میں "سأل ابنُ عمر عن دم البعوض يصيب الثوب" کے الفاظ ہیں (۲)۔ یعنی مچھر کا خون کپڑے کو لگ جائے تو پاکی ناپاکی کا کیا حکم ہے؟ اسی طرح بخاری کی مہدی بن میمون کی روایت میں بھی "دم البعوض" ہی کا ذکر ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ہوسکتا ہے دونوں چیزوں کے متعلق سوال ہوا ہو (۳)۔

أَهْلُ الْعِرَاقِ يَسْأَلُونَ

یہاں غائب کے صیغے کے ساتھ یہ آیا ہے کہ عراق والے پوچھ رہے ہیں جب کہ مہدی بن میمون اور ترمذی کی روایت میں "انظر إلى هذا يسأل......" کے الفاظ ہیں اور ابوداود الطیالسی کی روایت میں خطاب ہے "يا أهل العراق تسألونني عن الذباب......" کے ساتھ (۴)۔

ابن عمر کی تعریض کا مقصد

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس اعتراض یا تعریض کا مقصد یہ ہے کہ اہل عراق چھوٹی چھوٹی باریکیوں کے متعلق تو سوچ اور پوچھ رہے ہیں مگر رسول اللہ کے نواسے کو شہید کر کے ایک عظیم جرم کا ارتکاب

(۱) فتح الباري: ۱۲٤/۹

(۲) جامع الترمذي، كتاب المناقب، رقم: ۳۷۷۰

(۳) فتح الباري: ۱۲٤/۹

(٤) فتح الباري: ۱۲٤/۹

کرر ہے ہیں اور انہیں بظاہر احساس ہی نہیں ہو رہا ہے(۱)۔

رَیحَانَتَایَ

اکثر حضرات نے تائے تانیث کے ساتھ (ریحانة کے) تثنیہ کا صیغہ نقل کیا ہے، جس کی یائے متکلم کی طرف اضافت ہے، اور ابوذر کے نسخے میں إفراد اور تذکیر کے ساتھ "ریحانِي" آیا ہے(۲)۔ جب کہ بعض حضرات نے "ریحانَيَّ" تثنیۂ رَیحان بھی نقل کیا ہے(۳)۔

حسن وحسین کو "ریحان" کہنے کی وجہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسنین مکرمین کو "ریحانتان" کیوں کہا؟ علماء نے اس کی وجہ یہ بتائی کہ آپ علیہ السلام ان کے محبوب ومرغوب ہونے کو بیان کرر ہے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جیسے ریحان اور ریحانہ یعنی خوشبودار پودا، کلی یا گلدستہ خوشبودار ہوتا ہے اور اسے سونگھ کر لطف اندوز ہوا جاتا ہے ایسے ہی میرے پھول حَسن وحُسین ہیں جنہیں میں سونگھتا ہوں اور فرحت ولذت محسوس کرتا ہوں۔ اور ویسے بچوں کا بوسہ لیا ہی جاتا ہے چنانچہ ترمذی نے اُنس کی روایت نقل کی ہے جس کے الفاظ ہیں، "كان يقول لفاطمة ادعي لي ابنَيَّ فيشمُّهما ويضمُّهما إليه"(٤).

اور طبرانی کی روایت ہے ابوایوب سے وہ فرماتے ہیں میں رسول اللہ کے پاس گیا تو آپ کے سامنے حسن وحسین کھیل رہے تھے میں نے آپ سے پوچھا، "أتحبهما يا رسول الله؟ رسول اللہ! کیا آپ ان سے محبت کرتے ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "كيف لا وهما ريحانتاي من الدنيا أشمُّهما"(٥).

کیوں اور کیسے نہیں! وہ تو دنیا میں میرے پھول ہیں جنہیں میں سونگھتا ہوں۔

---

(١) فتح الباري: ١٢٤/٩

(٢) فتح الباري: ١٢٤/٩

(٣) شرح الطيبي: ٣٠٨/١١

(٤) جامع الترمذي، كتاب المناقب، رقم: ٣٧٧٢

(٥) فتح الباري: ١٢٤/٩، وعمدة القاري: ٣٣٥/١٦

علامہ عینی نے کرمانی کا قول ذکر کیا ہے کہ الریحان کا معنی ہے "الرزق" یا "المشموم"(١) اور فرمایا یہاں رزق کے معنی میں تو "ریحان" نہیں ہوسکتا البتہ مشموم خوشبو کے معنی میں ہوسکتا ہے اور ہے(٢)۔

طیبی فرماتے ہیں "سبحان الله وریحانه" کہا جاتا ہے جس کا معنی ہے "أسبح الله واسترزقه" اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ریحان رزق کے معنی میں بھی آتا ہے(٣)۔

اور یہاں رزق کا معنی یوں ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے (یعنی رسول اللہ کو) یہ مہکتے ہوئے پھول عطیہ کئے اور دیئے ہیں۔ اس معنی کے لئے "رزقني الله" کی تعبیر آتی ہے۔

هذا! وقد فرغت من تسويد (هذا المجلد من) الكتاب وتبييضه صباح يوم الثلاثاء لأربع خلون من شهر ذي الحجة ١٤٣٢ھ ولله الحمد والمنة على ما وفقني للقيام بهذا الأمر المهم وبذل جهودي في ترتيبه وتهذيبه وتخريج نصوصه وإجادة تحشيته وتذييله ...... مع مابي من قصور العلم بصنوفه وفنونه وقلة المهارة في صناعة الحديث وعلومه وغاية تخلفي في العمل في سائر ميادينه والصلاة والسلام على أفضل رسله وخاتم انبيائه وآله وأصحابه وعلماء امته وأوليائه وجعلنا الله ممن يسعد بدينه وعلومه وآدابه وخدمة الإسلام وأبنائه ووفقنا لمزيد الاهتمام بهذا الأمر العظيم وتتميم مايليه من فضائل أصحاب النبي وأنصاره وأزواجه ...... آمين يا رب العالمين.

(١) شرح الكرماني: ١٥/٢٣

(٢) عمدة القاري: ١٦/٣٣٥

(٣) شرح الطيبي: ١١/٢٩٤

مصادرومراجع

●-القرآن الكريم

●-الاتـقان في علوم القرآن لجلال الدين السيوطي، المتوفي ٩١١، مطبع مصطفىٰ البابي الحلبي مصر.

●- الأبـواب والتـراجـم لـصـحيـح البـخـاري، لِشيـخ الـحـديـث مولانـا محمد زكريـا الكاندهلوي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ١٤٠٢هـ/١٩٨٢م، ايچ ايم سعيد كمپنى، كراچى.

●- احتجاج الطبرسي ...... للشيخ ابي منصور أحمد بن علي الطبرسي، مطبوعة ايران.

●-"الأحـاديـث الـضـعيـفة والـمـوضـوعة واثـرها السيئ في الأمة" لناصر الدين الألباني، مطبوعة المكتبه الإسلامي بيروت

●-الإحسـان بتـرتيـب صحيح ابن حبان، للإمام أبي حاتم محمد بن حبان بستي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٣٥٤هـ، مؤسسة الرسالة، بيروت.

●-أحـكـام الـقـرآن، لـلإمـام أبي بكر أحمد بن علي الرازي الجصاص، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٣٧٠هـ، دارالكتاب العربي بيروت، ودار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثانية ١٤٢٤هـ.

●-أحـكـام الـقرآن، للإمام أبي بكر محمد بن عبد الله المعروف بـ"ابن العربي"، رحمه الله، المتوفى ٥٤٣هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثانية ١٤٢٤هـ.

●- أحـكـام الـقرآن، لِلفقيه المفسر العلامة محمد شفيع المفتي الأعظم بباكستان سابقاً على ضـوء مـا أفـاده حـكـيـم الأمة أشـرف عـلـي التهـانـوي، رحمه الله، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراتشي، الطبعة الأولى ١٤١٣هـ.

●-إحيـاء عـلـوم الـديـن، لـلإمـام أبي حامد محمد بن محمد الغزالي، رحمه الله تعالىٰ،

المتوفى ٥٠٥هـ، دار إحياء التراث العربي، بيروت.

●-أخبار المدينة، للإمام أبي زيد عمرو بن شبة النميرى البصري، رحمه الله، المتوفى ٢٦٢هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، ١٤١٧هـ.

●-إرشاد الساري شرح صحيح البخاري، لأبي العباس شهاب الدين أحمد القسطلاني، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٩٢٣هـ، المطبعة الكبرى الأميرية، مصر، طبع سادس ١٣٠٤هـ.

●-أساس البلاغة لجار الله ابي القاسم محمود بن عمر الزمخشرى، دارالمعرفة بيروت

●-الأسامي والكنى، للإمام أبي عبد الله أحمد بن حنبل الشيباني، رحمه الله، المتوفى ٢٤١هـ، مكتبة دار الأقصى، الكويت، الطبعة الاولى ١٤٠٦هـ.

●-الاستذكار الجامع لمذاهب فقهاء الأمصار وعلماء الأقطار ......، لأبي عمر يوسف بن عبدالله بن محمد بن عبدالبر، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٤٥٣هـ، دار إحياء التراث العربي، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٢١هـ.

●-الإستيعاب في أسماء الأصحاب (بهامش الإصابة)، لأبي عمر يوسف بن عبدالله بن محمد بن عبدالبر، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٤٥٣هـ، دارالفكر، بيروت، ومطبوع في مجلدين، الطبعة الأولى، ١٤٢٣هـ.

●-أسد الغابة في معرفة الصحابة، لِعز الدين أبي الحسين علي بن محمد الجزري المعروف بابن الأثير، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٦٣٠هـ، دارالكتب العلمية، بيروت.

●-الأسماء المبهمة، لِلخطيب البغدادي، رحمه الله، المتوفى ٤٦٣هـ.

●-اصول الدين عند الامام أبي حنيفة لمحمد بن عبد الرحمن الخميس......

●- الاعتقاد على مذهب السلف للبيهقي

●- إكمال تهذيب الكمال، لِلعلامة علاء الدين مغلطاي بن قليج الحنفي، رحمه الله، المتوفى ٧٦٤هـ، الفاروق الحديثة للطباعة والنشر، الطبعة الأولى ١٤٢٢هـ.

●- الإكمال في رفع الارتياب عن المؤتلف والمختلف في الأسماء والكنى والأنساب،

الأمير الحافظ ابن ماكولا، رحمه الله، المتوفى ٤٧٥هـ، دائرة المعارف العثمانية، الهند.

❋- إكمال المعلم شرح صحيح مسلم، العلامة القاضي أبو الفضل عياض اليحصبي، رحمه الله، المتوفى ٥٤٤هـ.

❋- الأنساب، لأبي سعد عبد الكريم بن محمد بن منصور السمعاني، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٥٦٢هـ، دار الجنان، بيروت، طبع اول ١٤٠٨هـ/١٩٨٨م.

❋- الأنساب للبلاذري

❋- أمالي شيخ طوسى...... للشيخ ابي جعفر محمد بن حسن الطوسي نجف اشرف عراق

❋- أوجز المسالك إلى مؤطا مالك، شيخ الحديث حضرت مولانا زكريا كاندهلوي، رحمه الله، المتوفى ١٤٠٢هـ، مطابق ١٩٨٢م، دار القلم، دمشق، الطبعة الأولى ١٤٢٤هـ.

❋- بداية المجتهد، لِلعلامه قاضي أبي الوليد محمد بن أحمد بن رشد القرطبي، المتوفى ٥٩٥هـ، مصر طبع خاص، ودار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة التانية ١٤٢٤هـ.

❋- البداية والنهاية، للحافظ عماد الدين أبي الفداء اسماعيل بن عمر المعروف بابن كثير، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٧٧٤هـ، مكتبة المعارف بيروت، طبع ثاني ١٩٧٧م.

❋- بذل المجهود في حل أبي داود، علامه خليل احمد سهارنپوري، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ١٣٤٦هـ، مطبعة ندوة العلماء لكهنؤ ١٣٩٣هـ/١٩٧٣م، ومركز الشيخ أبي الحسن الندوي، يو بي، الهند، الطبعة الأولى ١٤٢٧هـ.

❋- البناية شرح الهداية، العلامة بدر الدين عيني محمود بن أحمد، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٨٥٥هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٢٠هـ.

❋- تاج العروس من جواهر القاموس، أبو الفيض سيد محمد بن محمد المعروف بالمرتضىٰ الزبيدي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ١٢٠٥هـ، دار مكتبة الحياة، بيروت، ودار الهداية.

❋- تاريخ الاسلام ووفيات المشاهير والاعلام للإمام الحافظ المؤرخ أبي عبد الله شمس الدين محمد بن احمد بن عثمان الذهبي المتوفي ٧٤٨، مطبوعة دار الكتب العلمية.

- تاريخ الأمم والملوك (تاريخ الطبري)، للإمام أبي جعفر محمد بن جرير الطبري، رحمه الله، المتوفى ٣٢هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثالثة، ١٤٢٦هـ.
- تاريخ بغداد أو مدينة السلام، حافظ أحمد بن علي المعروف بالخطيب البغدادي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٤٦٣هـ، دارالكتاب العربي، بيروت.
- تاريخ الطبري (انظر تاريخ الأمم والملوك).
- تاريخ عثمان بن سعيد الدارمي، المتوفى ٢٨٠هـ، عن أبي زكريا يحيى بن معين، المتوفى ٢٢٣هـ، دارالمامون للتراث، ١٤٠٠هـ.
- التاريخ الصغير، أمير المؤمنين في الحديث محمد بن إسماعيل البخاري، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٢٥٦هـ، دار المعرفة، بيروت.
- التاريخ الكبير، أمير المؤمنين في الحديث محمد بن اسماعيل البخاري، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٢٥٦هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.
- تاريخ مدينة دمشق وذكر فضلها وتسمية من حلها من الأماثل، أبو القاسم علي بن الحسن ابن هبة الله الشافعي، رحمه الله، المتوفى ٥٧١هـ، دار الفكر، بيروت ١٩٩٥م.
- تاريخ يعقوبي: لأحمد بن أبي يعقوب العباسي الشيعي، بيروت.
- تحفہ اثنا عشریہ (فارسی)، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، رحمہ اللہ، المتوفی ۱۲۳۹ھ، سہیل اکیڈمی، لاہور
- تحفة الأشراف بمعرفة الأطراف، أبي الحجاج جمال الدين يوسف بن عبد الرحمن المزي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٧٤٢هـ، المكتب الإسلامي بيروت، طبع دوم ١٤٠٣هـ.
- تحفة الأحباب في نوادر آثار الاصحاب للشيخ عباس القمي، مطبوعه ١٣٥٩هـ.
- تحفة الباري، شيخ الإسلام زكريا بن محمد الأنصاري، رحمه الله، المتوفى ٩٢٦هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤٢٥هـ.
- تدريب الراوي بشرح تقريب النواوي، للحافظ جلال الدين عبد الرحمن السيوطي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٩١١هـ، المكتبة العلمية، مدينة منورة.

❁- تذكرة الحفاظ، للحافظ أبي عبد الله شمس الدين محمد بن عثمان الذهبي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٧٤٨ﻫ، دائرة المعارف العثمانية، الهند.

❁- التصريح بما تواتر في نزول المسيح، لإمام العصر، المحدث الكبير محمد أنور شاه الكشميري، رحمه الله، المتوفى ١٣٥٢ﻫ، مكتبة دار العلوم كراتشي.

❁- التعليق الصبيح على مشكاة المصابيح، لمولانا محمد ادريس الكاندهلوي المكتبة العثمانية لاهور

❁- التعليق الممجد المطبوع مع المؤطأ لمحمد، لأبي الحسنات محمد عبد الحي اللكنوي، رحمه الله، المتوفى ١٣٠٤ﻫ، قديمى كتب خانه، كراتشي.

❁- تعليقات الخطيب على الفتح المطبوع مع فتح الباري، محب الدين الخطيب، رحمه الله.

❁- تعليقات على بذل المجهود، شيخ الحديث محمد زكريا كاندهلوي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ١٤٠٢ﻫ، المكتبة التجارية، ندوة العلماء لكهنؤ، الطبعة الثالثة ١٣٩٣ﻫ/١٩٧٣م، ومركز الشيخ أبي الحسن الندوي، الهند.

❁- تعليقات على تحرير تقريب التهذيب الدكتور بشار عواد معروف والشيخ شعيب ارنؤوط، حفظهما الله، مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤١٧ﻫ.

❁- تعليقات على تهذيب التهذيب، المطبوع بذيل تهذيب التهذيب.

❁- تعليقات على تهذيب الكمال، دكتور بشار عواد معروف، حفظه الله تعالىٰ، مؤسسة الرسالة، طبع أول ١٤١٣ﻫ.

❁- تعليقات على الكاشف للذهبي، شيخ محمد عوامة / شيخ أحمد محمد نمر الخطيب حفظهما الله، مؤسسة دار القبلة / مؤسسة علوم القرآن، الطبعة الأولىٰ ١٤١٣ﻫ.

❁- تعليقات على الكوكب الدري، مولانا شيخ الحديث محمد زكريا الكاندهلوي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ١٤٠٢ﻫ.

❁- تعليقات على لامع الدراري، شيخ الحديث مولانا محمد زكريا صاحب، رحمه الله

تعالیٰ، المتوفی ١٤٠٢هـ/١٩٨٢م، مکتبہ امدادیہ، مکہ مکرمہ.

●- تعليقات على المصنف لابن ابي شيبه، الشيخ محمد عوامه، حفظه الله ورعاه، إدارة القران والعلوم الإسلامية، كراتشي، الطبعة الثانية، ١٤٢٨هـ.

●- تعليقات على المعجم الكبير، حمدي عبد المجيد السلفي، دار إحياء التراث العربي، الطبعة الثانية.

●- تغليق التعليق، حافظ أحمد بن علي المعروف بابن حجر، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٨٥٢هـ، المكتب الإسلامي، ودار عمار، والمكتبة الأثرية، لاهور، باكستان.

●- تفسير آيات الأحكام من القرآن، الشيخ محمد على الصابوني، حفظه الله ورعاه، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولىٰ، ١٤٢٥هـ.

●- تفسير البغوي المسمى بمعالم التنزيل، للإمام ابو محمد الحسين بن مسعود البغوى، رحمه الله، المتوفى ٥١٦هـ، دار المعرفة، بيروت.

●- تفسير البيضاوي مع حاشية الشهاب، للإمام أبو سعيد عبد الله بن عمر البيضاوي، رحمه الله، المتوفى ٦٨١هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولىٰ، ١٤١٧هـ.

●- تفسير السمرقندي المسمى بحر العلوم، للإمام الفقيه نصر بن محمد أبو الليث السمرقندي، رحمه الله، المتوفى ٣٧٥هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

●- تفسير الطبري (جامع البيان)، للإمام محمد بن جرير الطبري، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٣١٠هـ، دار المعرفة، بيروت.

●- تفسير القرآن العظيم، حافظ أبو الفداء عماد الدين إسماعيل بن عمر ابن كثير دمشقي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٧٧٤هـ، دار إحياء الكتب العربية.

●- تفسير القرطبي (الجامع لأحكام القرآن)، للإمام أبو عبد الله محمد بن أحمد الأنصاري القرطبي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٦٧١هـ، دار الفكر، بيروت.

●- تفسير قمي لعلي بن ابراهيم القمي، متوفى ٣٠٧هـ، مطبوعه ايران.

❁- التفسير الكبير (تفسير الرازي أو مفاتيح الغيب)، للإمام أبو عبد الله فخر الدين محمد بن عمر الرازي، رحمه الله، المتوفى ٦٠٦هـ، مكتب الإعلام الإسلامي، إيران.

❁- تفسير الكشاف عن حقائق غرامض التنزيل وعيون الاقاويل في وجوه التاويل لجار الله محمو بن عمر بن محمد الزمخشرى المتفى ٥٣٨، مطبوعه دارالكتب العلمية بيروت

❁- تفسير المنار، السيد الإمام محمد رشيد رضا المصري، رحمه الله، المتوفى ١٩٣٥م، دار الكتب العلمية بيروت، الطبعة الثانية، ١٤٢٦هـ.

❁- تفسير النسفي (مدارك التنزيل وحقائق التأويل)، أبو البركات عبد الله بن أحمد النسفي، رحمه الله، المتوفى ٧١٠هـ، المكتبة العلمية، لاهور، باكستان.

❁- تقريب التهذيب، حافظ ابن حجر عسقلاني، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٧٥٢هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤١٣هـ.

❁- التمهيد لما في المؤطا من المعاني والأسانيد، للحافظ أبي عمر يوسف بن عبد الله بن محمد بن عبد البر مالكي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٤٦٣هـ، المكتبة التجارية، مكة المكرمة.

❁- تهذيب الأسماء واللغات، للإمام محي الدين أبو زكريا يحيى بن شرف النووي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٦٧٦هـ، إدارة الطباعة المنيرية.

❁- تهذيب تاريخ دمشق الكبير، للإمام الحافظ أبو القاسم علي المعروف بابن عساكر الشافعي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٥٧١هـ، دار المسيرة، بيروت، الطبعة الثانية ١٣٩٩هـ.

❁- تهذيب التهذيب، الحافظ ابن حجر العسقلاني، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٨٥٢هـ، دائرة المعارف النظامية، حيدر آباد دكن، ١٣٢٥هـ.

❁- تهذيب سنن أبي داود، للإمام ابن قيم الجوزية، رحمه الله، المتوفى ٧٥١هـ، مطبعة أنصار السنة المحمدية، ١٣٦٧هـ.

❁- تهذيب الكمال، للحافظ جمال الدين أبي الحجاج يوسف بن عبد الرحمن المزى، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٧٤٢هـ، مؤسسة الرسالة، طبع أول، ١٤١٣هـ.

- الثقات (كتاب الثقات)، للحافظ أبي حاتم محمد بن حبان بستى، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٢٥٤هـ، دائرة المعارف العثمانية، حيدر آباد، ١٣٩٣هـ.

- جامع الأصول من حديث الرسول، للعلامه مجد الدين أبي السعادات المبارك بن محمد بن الأثير الجزري، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٦٠٦هـ، دار الفكر، بيروت.

- جامع الترمذي (سنن ترمذي)، للإمام أبو عيسىٰ محمد بن عيسىٰ بن سورة الترمذي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٢٧٩هـ، ايچ ايم سعيد كمپنى، كراچى/ دار إحياء التراث العربي.

- جامع الدروس العربية للشيخ مصطفى الغلاييني المتوفى ١٣٦٤هـ، قديمى كتب خانه

- الجامع الصغير من أحاديث البشير النذير، للإمام جلال الدين السيوطي، رحمه الله، المتوفى ٩١١هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

- الجامع لأحكام القرآن (تفسير القرطبي).

- جامع المسانيد والسنن، للإمام المحدث إسماعيل بن عمر ابن كثير الدمشقي، رحمه الله، المتوفى ٧٧٤هـ، دار الفكر، بيروت، الطبعة الثانية، ١٤٢٣هـ.

- الجرح والتعديل، للإمام الحافظ عبد الرحمن بن أبي حاتم الرازي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٣٢٧هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولىٰ، ١٤٢٢هـ/٢٠٠٢م.

- الجمع بين الصحيحين: البخاري ومسلم، للإمام محمد بن الفتوح الحميدي، رحمه الله، المتوفى ٤١٩هـ، دار ابن حزم، بيروت، الطبعة الثانية، ١٤٢٣هـ.

- جمع الجوامع (الجامع الكبير والجامع الصغير وزوائده) للإمام جلال الدين السيوطي، رحمه الله، المتوفى ٩١١هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤٢١هـ.

- جمهرة أنساب العرب، أبو محمد علي بن أحمد بن سعيد بن حزم الأندلسي، رحمه الله، المتوفى٤٥٦هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، ١٤٢٤هـ، الطبعة الثالثة.

- الجوهر النقي في الرد على البيهقي، المطبوع في ذيل السنن الكبرى، العلامة علاء الدين الشهير بابن التركماني، رحمه الله، المتوفى ٧٤٥هـ، نشر السنة، ملتان، باكستان.

❁- حاشية الجمل على الجلالين (الفتوحات الإلهية)، للإمام العلام سليمان الجمل، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ١٢٠٤هـ، قديمي.

❁- حاشية الدسوقي على الشرح الكبير، للإمام العلامة محمد بن أحمد الدسوقي المالكي، رحمه الله، المتوفى ١٢٣٠هـ، دار الكتب العلمية، الطبعة الثانية، ١٤٢٤.

❁- حاشية السندي على البخاري، للإمام أبو الحسن نور الدين محمد بن عبد الهادي السندي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ١١٣٨هـ، دار المعرفة، بيروت.

❁- حاشية السندي على مسلم، المطبوع مع صحيح مسلم، للإمام أبو الحسن السندي، رحمه الله، المتوفى ١١٣٨هـ، قديمی کتب خانه، کراتشي.

❁- حاشية السهارنفوري، المطبوع مع صحيح البخاري، مولانا أحمد علي السهارنفوري، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ١٢٩٧هـ، طبع قديمی.

❁- حاشية الشهاب المسماة: عناية القاضي وكفاية الراضي، على البيضاوي، لِلقاضي شهاب الدين أحمد بن محمد بن عمر الخفاجي رحمه الله، المتوفى ١٠٦٩هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

❁- حلية الاولياء لأبي نعيم الاصفهاني، المتوفى ٤٣٠هـ، دارالفكر بيروت.

❁- الخصائص الكبرى، للإمام جلال الذين السيوطي، رحمه الله تعالىٰ، ٩١١هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

❁- خلاصة الخزرجي (خلاصة تذهيب تهذيب الكمال)، علامه صفي الدين خزرجي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٩٢٣هـ کے بعد، مكتب المطبوعات الإسلامية بحلب.

❁- دلائل النبوة، للحافظ أبي بكر أحمد بن الحسين بن علي البيهقي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٤٥٨هـ، مكتبه أثرية، لاهور.

❁- الديباج على صحيح مسلم بن الحجاج، أبي الفضل عبد الرحمن بن أبي بكر جلال الدين السيوطي، رحمه الله، المتوفى ٩١١هـ، إدارة القرآن كراتشي، الطبعة الأولى، ١٤١٢هـ.

❁- ديوان الحماسة (المحشى)، أبو تمام حبيب بن أوس الطائي، رحمه الله، المتوفى

٢٠٢هـ، دار الحديث ملتان، باكستان.

● - ديوان المتنبي لأبي الطيب احمد بن حسين الجعفى الكندي المتوفى ٣٥٤ مير محمد كتب خانه

● - "رحماء بينهم" حضرت مولانا محمد نافع مدظلهم، دار الكتاب لاهور.

● - روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني، أبو الفضل شهاب الدين سيد محمود آلوسي بغدادي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ١٢٧٠هـ، مكتبه إمداديه، ملتان.

● - الرياض النضرة في مناقب العشرة......

● - زاد المعاد من هدي خير العباد، حافظ شمس الدين أبو عبدالله بن أبي بكر المعروف بابن القيم، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٧٥١هـ، مؤسسة الرسالة.

● - سنن ابن ماجه، للإمام أبي عبد الله محمد بن ماجه، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٢٧٣هـ، قديمى/ دار الكتاب المصري، قاهره.

● - سنن أبي داود، للإمام أبي داود سليمان بن الأشعث السجستاني، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٢٧٥هـ، ايچ ايم سعيد كمپنى / دار إحياء السنة النبوية.

● - سنن الدارقطني، للحافظ أبي الحسن علي بن عمر الدار قطني، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٣٨٥هـ، دار نشر الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثانية، ١٤٢٤هـ/٢٠٠٢م.

● - سنن الدارمي، للإمام أبي محمد عبد الله بن عبد الرحمن الدارمي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٢٥٥هـ، قديمي.

● - سنن سعيد بن منصور، للإمام الحافظ سعيد بن منصور بن شعبة الخراساني المكي، رحمه الله، المتوفى ٢٢٧هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

● - السنن الصغرى للنسائي، للإمام أبي عبد الرحمن بن شعيب النسائي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٣٠٣هـ، قديمي/ دار السلام رياض.

● - السنن الكبرى للنسائي، للإمام أبي عبد الرحمن أحمد بن شعيب النسائي، رحمه

الله تعالىٰ، المتوفى ٣٠٣ﻫ، نشر السنة، ملتان.

❁- السنن الكبرى للبيهقي، للإمام حافظ أبي بكر أحمد بن الحسين بن علي البيهقي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٤٥٨ﻫ، دار الكتب العلمية، بيروت.

❁- سير أعلام النبلاء، للحافظ أبي عبد الله شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان ذهبي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٧٤٨ﻫ، مؤسسة الرسالة.

❁- السير الكبير (انظر كتاب السير الكبير).

❁- السيرة النبوية، للإمام أبي محمد عبد الملك بن هشام المعافري، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٢١٣ﻫ، مطبعة مصطفىٰ البابي الحلبي بمصر، ١٣٥٥ﻫ، والمكتبة العلمية، بيروت.

❁- السيرة النبوية للإمام أبي الحسن على الحسني الندوي، مطبوعه النبراس كراتشي ,

❁- شرح علل الترمذي، للإمام الحافظ ابن رجب الحنبلي، رحمه الله، المتوفى ٧٩٥ﻫ.

❁- شرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العز الحنفي المتوفى ٧٩٢ﻫ، قديمى كتب خانه

❁- شرح الفقه الأكبر للشيخ الإمام علي القاري المتوفي ١٠١٤، دار الكتب العلمية بيروت

❁- شرح السنة لأبي محمد الحسين بن مسعود البغوي المتوفي ٥١٦، دار الكتب العلمية بيروت

❁- شرح نهج البلاغه لابن أبي الحديد، مطبوعه بيروت.

❁- الشرح الكبير، للإمام الدردير المالكي، رحمه الله، المتوفى ١٢٠١ﻫ، المطبوع من حيث المتن مع حاشية الدسوقي، رحمه الله، دار الكتب العلمية، بيروت.

❁- شرح التوضيح (التلويح)، العلامة سعد الدين التفتازاني الشافعى، رحمه الله، المتوفى ٧٩٣ﻫ، مير محمد كتب خانه، كراچى.

❁- شرح ابن بطال، امام أبو الحسن علي بن خلف بن عبد الملك المعروف بابن بطال، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٤٤٩ﻫ، مكتبة الرشد، الرياض، الطبعة الأولىٰ، ١٤٢٠ﻫ.

❁- شرح الزرقاني على الموطأ، شيخ محمد بن عبد الباقي بن يوسف الزرقاني

المصري، رحمه الله تعالیٰ، المتوفی ۱۱۳۲ھ، دار الفکر، بیروت.

- شرح السنة، للإمام المحدث أبي محمد الحسين بن مسعود البغوي، رحمه الله ٥١٦ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثانية، ١٤٢٤ھ.

- شرح الطيبي (ديكهئے، الكاشف عن حقائق السنن).

- شرح السير الكبير، للإمام محمد بن أحمد السرخسي، رحمه الله، المتوفى ٤٩٠ھ، دار الكتب العلمية، بيروت.

- شرح الكرماني (الكواكب الدراري) علامه شمس الدين محمد بن يوسف بن علي الكرماني، رحمه الله تعالیٰ، المتوفى ٧٨٦ھ، دار إحياء التراث العربي، بيروت.

- شرح مشكل الآثار، للإمام المحدث أبو جعفر أحمد بن محمد بن سلامة الطحاوي، رحمه الله، المتوفى ٣٢١ھ، مؤسسة الرسالة، الطبعة الثانية، ١٤٢٧ھ.

- شرح معاني الآثار، للإمام المحدث أبو جعفر أحمد بن محمد بن سلامة الطحاوي، رحمه الله، المتوفى ٣٢١ھ، مير محمد، آرام باغ، كراچی.

- شرح النووي على صحيح مسلم، للإمام أبي زكريا يحيى بن شرف النووي، رحمه الله تعالیٰ، المتوفى ٦٧٦ھ، قديمي.

- الشفاء بتعريف حقوق المصطفیٰ، للإمام القاضي عياض المالكي اليحصبي، رحمه الله، المتوفى ٥٤٤ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثانية، ١٤٢٢ھ.

- الشمائل المحمدية، للإمام أبو عيسى محمد بن عيسى بن سورة الترمذي، رحمه الله، المتوفى ٢٧٩ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، ١٤٢٧ھ.

- الصحاح (قاموس عربي – عربي)، للإمام إسماعيل بن حماد الجوهري، رحمه الله، المتوفى ٣٩٣ھ، دار المعرفة، بيروت، الطبعة الثانية، ١٤٢٨ھ.

- الصحيح للبخاري، للإمام أبي عبد الله محمد بن إسماعيل البخاري، رحمه الله تعالیٰ، المتوفى ٢٥٢ھ، قديمي كتب خانه، كراچی / دار السلام، رياض، الطبعة الأولیٰ، ١٤١٧ھ.

❁- الصحيح لمسلم، للإمام مسلم بن الحجاج القشيري النيسابوري، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ۲٦١هـ، قديمي كتب خانه، كراچى / دار السلام، رياض.

❁- الطبقات الكبرى، للإمام أبي محمد بن سعد، رحمه الله، المتوفى ۲۳۰هـ، دار صادر بيروت.

❁- علوم الحديث لابن الصلاح تقي الدين عثمان بن عبد الرحمن، المتوفى ٦٤٣هـ، بيروت.

❁- عمدة القاري، للإمام بدر الدين أبي محمد بن محمود أحمد العيني، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٨٥٥هـ، إدارة الطباعة المنيرية.

❁- غريب الحديث، للإمام أحمد بن محمد الخطابي البستى، رحمه الله، المتوفى ۳۸۸هـ، جامعة أم القرى، مكة المكرمة، ١٤٠٢هـ.

❁- فتح الباري شرح صحيح البخاري، للإمام زين الدين عبد الرحمن بن أحمد ابن رجب الحنبلي، رحمه الله، المتوفى ٧٩٥هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤٢٧هـ.

❁- فتح الباري، للحافظ أحمد بن علي المعروف بابن حجر العسقلاني، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٨٥٢هـ، دار الفكر، بيروت.

❁- فتح القدير (تفسير) الجامع بين فني الرواية والدراية من علم التفسير، للإمام محمد بن علي الشوكاني، رحمه الله، المتوفى ١٢٥٠هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

❁- فتح القدير، للإمام كمال الدين محمد بن عبد الواحد المعروف بابن الهمام، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٨٦١هـ، مكتبه رشيديه، كوئٹه.

❁- فتوح البلدان، للإمام الجغرافي أحمد بن يحيى بن جابر بن داود البلاذُري، رحمه الله، المتوفى٢٧٩هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، ١٤٠٣هـ.

❁- فتح المغيث شرح الفية الحديث للحافظ زين الدين العراقي المتوفي ٨٠٦، دار الجيل بيروت

❁- فتح المغيث لشمس الدين محمد بن عبد الرحمن السخاوى، دار الكتب العلمية بيروت

❁- فجر الإسلام لأحمد أمين المتوفي ١٣٧٣هـ، مطبوعه دار الكتب العلمية بيروت لبنان

●- فروع الكافي...... لمحمد بن يعقوب الكليني، مطبوعه لكهنو.

●- فيروز اللغات، مولانا فيروز الدين فيروز سنز اردو بازار كراچى

●- كتاب "فِرق الشيعه" لأبي محمد الحسن بن موسى توبختي...... لمحمد بن يعقوب الكليني، مطبوعه لكهنو.

●- فيض الباري، لإمام العصر علامه أنور شاه كشميري، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ١٣٥٢هـ، مطبعة دار المامون، الطبعة الأولى.

●- فيض القدير شرح الجامع الصغير، لِلعلامة محمد عبد الرؤوف المناوي، رحمه الله، المتوفى ١٠٣١هـ، دار الكتب العلمية، الطبعة الثالثة، ١٤٢٧هـ.

●- القاموس الوحيد، مولانا وحيد الزمان بن مسيح الزمان قاسمي كيرانوي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ١٤١٥هـ/١٩٩٥م، إدارهِ اسلاميات، لاهور ـ كراچى.

●- الكاشف، للإمام شمس الدين أبي عبد الله محمد بن أحمد بن عثمان الذهبي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٧٤٨هـ، شركة دار القبلة / مؤسسة علوم القرآن، طبع أول ١٤١٣هـ.

●- الكاشف عن حقائق السنن، (شرح الطيبي) للإمام شرف الدين حسين بن محمد بن عبد الله الطيبي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٧٤٣هـ، إدارة القرآن، كراچى.

●- الكامل في التاريخ، للعلامه أبي الحسن عز الدين علي بن محمد ابن الأثير الجزري، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٦٣٠هـ، دار الكتب العربي، بيروت.

●- الكامل في ضعفاء الرجال، للإمام حافظ أبي أحمد عبد الله بن عدي جرجاني، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٣٢٥هـ، دار الفكر، بيروت.

●- كتاب الأم (الأم)، للإمام محمد بن ادريس الشافعي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٢٠٤هـ، دار المعرفة، بيروت، طبع ١٣٩٣هـ/١٩٧٣م.

●- كتاب التلخيص للشافي، لأبي جعفر الطوسي، مطبوعه ايران.

●- كتاب السير الكبير، للإمام محمد بن الحسن الشيباني، رحمه الله، المتوفى ١٨٩هـ،

دار الكتب العلمية، بيروت.

❁- كتاب السنة، للإمام الحافظ أبي بكر أحمد بن عمرو بن أبي عاصم الضحاك بن مخلد الشيباني، رحمه الله، المتوفى ٢٨٧هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

❁- كتاب الشافي للسيد مرتضیٰ، علم الهدى مطبوعه ايران.

❁- كتاب الضعفاء الكبير، أبي جعفر محمد بن عمر بن موسیٰ بن حماد العقيلي المكي، رحمه الله تعالیٰ، المتوفى ٣٢٢هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

❁- كتاب المبسوط، للإمام شمس الأئمة أبو بكر محمد بن أبي سهل السرخسي، رحمه الله تعالیٰ، المتوفى ٤٨٣هـ، دار المعرفة، بيروت، الطبعة الثالثة، ١٣٩٨هـ.

❁- كتاب المغازي، للإمام محمد بن عمر الواقدي، رحمه الله تعالیٰ، المتوفى ٢٠٧هـ، مؤسسة الأعلمي، بيروت.

❁- كتاب الميسر في شرح مصابيح السنة، للإمام أبي عبد الله الحسن التوربشتي، رحمه الله تعالیٰ، المتوفى ٦٦١هـ، مكتبة مصطفیٰ نزار الباز، مكة المكرمة، الطبعة الأولیٰ ١٤٢٢هـ.

❁- الكتب الستة (موسوعة الحديث الشريف) بإشراف ومراجعة فضيلة الشيخ صالح بن عبد العزيز آل الشيخ، دار السلام، الرياض.

❁- الكاشف عن حقائق غوامض التنزيل ......، للإمام جار الله محمود بن عمر الزمخشري، المتوفى ٥٢٨هـ، دار الكتاب العربي، بيروت، لبنان.

❁- كشف الأستار عن زوائد البزار على الكتب الستة، الحافظ نور الدين علي بن أبي بكر الهيثمي ٨٠٧هـ، بتحقيق الشيخ حبيب الرحمن الأعظمي، مؤسسة الرسالة، الطبعة الثانية، ١٤٠٤هـ.

❁- كشف الباري، شيخ الحديث حضرت مولانا سليم الله خان صاحب مدظلهم، مكتبه فاروقيه، كراچی.

❁- كشف الخفاء ومزيل الإلباس، شيخ إسماعيل بن محمد عجلوني، رحمه الله تعالیٰ، المتوفى ١١٦٢هـ، دار إحياء التراث العربي، بيروت.

● - كنز العمال، للعلامه علاء الدين على المتقي بن حسام الدين الهندي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٩٧٥هـ، مكتبة التراث الإسلامي، حلب.

● - الكنز المتوارى في معادن لامع الدراري لشيخ الحديث محمد زكريا الكاندهلوي، موسسة الخليل فيصل آباد

● - الكوثر الجاري إلى رياض أحاديث البخاري، للإمام أحمد بن إسماعيل الكوراني الحنفي، رحمه الله، المتوفى ٨٩٣هـ، دار إحياء التراث العربي بيروت، الطبعة الأولى، ١٤٢٩هـ.

● - الكوكب الدري، حضرت مولانا رشيد احمد گنگوهى، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ١٣٢٣هـ، إدارة القرآن، كراچى.

● - لامع الدراري، حضرت مولانا رشيد احمد گنگوهى، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ١٣٢٣هـ، مكتبه إمداديه، مكة مكرمة.

● - لسان العرب، لأبي الفضل جمال الدين محمد بن مكرم ابن منظور الأفريقي المصري، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٧١١هـ، نشر ادب الجوزة، قم، ايران، ١٤٠٥هـ، ودار صادر، بيروت.

● - لسان الميزان، للحافظ أحمد بن على المعروف بابن حجر العسقلاني، رحمه الله، المتوفى ٨٥٢هـ، بتحقيق الشيخ عبد الفتاح، رحمه الله، دار البشائر الإسلامية، الطبع الأول، ١٤٢٣هـ.

● - الموطأ، للإمام مالك بن أنس، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ١٧٩هـ، دار إحياء التراث العربي، بيروت.

● - الموطأ، للإمام محمد بن الحسن الشيباني، رحمه الله، المتوفى ١٨٩هـ، قديمى كتب خانه، كراچى.

● - المتواري على تراجم أبواب البخاري، علامه ناصر الدين أحمد بن محمد المعروف بابن المنير الاسكندراني، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٦٨٢هـ، مظهري كتب خانه، كراچى.

● - مجمع بحار الأنوار، لعلامه محمد بن طاهر الفتني، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٩٨٢هـ، دائرة المعارف العثمانية، حيدر آباد، ١٣٩٥هـ.

❁- مجمع الزوائد، للإمام نور الدين على بن أبي بكر الهيثمي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ۸۰۷هـ، دار الفكر، بيروت.

❁- المجموع (شرح المهذب)، للإمام محي الدين أبو زكريا يحيى بن شرف النووي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ۲۷٦هـ، شركة من علماء الأزهر.

❁- مجموعة رسائل ابن عابدين، العلامة المحقق السيد محمد امين آفندي الشهير بابن عابدين، رحمه الله، المتوفى ۱۲۵۲هـ، مكتبه عثمانيه، كوئٹه.

❁- مجموع الفتاوى لشيخ الإسلام العلامة تقى الدين ابى العباس أحمد بن عبد الحليم بن عبد السلام بن تيمية الحراني المتوفي ۷۸۲هـ، دار الكتب العلمية بيروت

❁- المحدث الفاصل بين الراوي والواعي لأبي محمد الرامهرمزي الاصول......

❁- المحلى، للعلامه أبي محمد علي أحمد بن سعيد بن حزم، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٤٥٦هـ، الكتب التجاري، بيروت / دار الكتب العلمية، بيروت.

❁- مختار الصحاح للإمام محمد بن أبي بكر بن عبد القادر الرازي، دار الكتب العلمية بيروت

❁- المدونة الكبرىٰ، للإمام مالك بن أنس، رحمه الله، المتوفى ۱۷۹هـ، دار صادر، بيروت.

❁- مرقاة المفاتيح (شرح مشكاة المصابيح)، للعلامة نور الدين علي بن سلطان القاري، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ۱۰۱٤هـ، مكتبه إمداديه، ملتان، ودار الكتب العلمية، بيروت.

❁- المستدرك على الصحيحين، للحافظ أبي عبد الله محمد بن عبد الله الحاكم النيسابوري، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٤٠٥هـ، دار الفكر، بيروت.

❁- مسند أبي داود الطيالسي، للإمام المحدث سليمان بن داود بن الجارود، رحمه الله، المتوفى ۲۰٤هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، ۱٤۲۵هـ.

❁- مسند أبي يعلى الموصلي، للإمام شيخ الإسلام أبي يعلى أحمد بن علي الموصلي، رحمه الله، المتوفى ۳۰۷هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، ۱٤۱۸هـ.

❁- مسند أحمد، للإمام أحمد بن حنبل، رحمه الله تعالىٰ، المتوفي ۲٤۱هـ، المكتب

الإسلامي، دار صادر، بيروت.

● - مسند إسحاق بن راهويه، للإمام إسحاق بن إبراهيم بن مخلد بن راهويه الحنظلي، رحمه الله، المتوفى ٢٣٨هـ، مكتبة الإيمان، المدينة المنورة، الطبعة الأولى، ١٤١٢هـ.

● - مسند البزار (البحر الزخار)، للإمام أبي بكر أحمد بن عمرو بن عبد الخالق البزار، رحمه الله، المتوفى ٢٩٢هـ، مؤسسة علوم القرآن، مكتبة العلوم والحكم، بيروت، والمدينة المنورة، ١٤٠٩هـ، الطبعة الأولى.

● - مسند الحميدي، للإمام أبي بكر عبد الله بن الزبير الحميدي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٢١٩هـ، المكتبة السلفية، مدينة منوره.

● - مسند الروياني موسسة الرسالة قاهره

● - المسوى مع المصفى، للإمام ولي الله الدهلوي، رحمه الله، المتوفى ١١٧٦هـ، كتب خانه رحيميه، دهلي.

● - مشارق الأنوار على صحاح الآثار، القاضي أبو الفضل عياض بن موسى بن عياض اليحصبي البستي المالكي، رحمه الله، المتوفى ٥٤٤هـ، دار التراث.

● - مشكاة المصابيح، للشيخ أبي عبد الله ولي الدين خطيب محمد بن عبد الله، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٧٣٧هـ، قديمي.

● - المصنف لابن أبي شيبة، حافظ عبد الله بن محمد بن أبي شيبة المعروف بأبي بكر بن أبي شيبة، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٢٣٥هـ، بتحقيق الشيخ محمد عوامة، حفظه الله، دار قرطبة، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤٢٧هـ.

● - المصنف لعبد الرزاق، للإمام عبد الرزاق بن همام الصنعاني، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٢١١هـ، مجلس علمي، كراچي، ودار الكتب العلمية، بيروت.

● - المطالب العالية بزوائد المسانيد الثمانية، للحافظ ابن حجر العسقلاني، رحمه الله، المتوفى ٨٥٢هـ، دار الباز، مكة المكرمة.

- معالم السنن، للإمام أبي سليمان حمد بن محمد الخطابي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٣٨٨هـ، مطبعة أنصار السنة المحمدية، ١٩٤٨م/١٣٦٧هـ.

- معجم الاسماعيلی، مكتبة العلوم والحِكَم، بيروت.

- المعجم الأوسط، للإمام أبي القاسم سليمان بن أحمد الطبراني، رحمه الله، المتوفى ٣٦٠هـ، دار الحرمين، القاهرة، ١٤١٥هـ.

- معجم البلدان، علامه أبو عبد الله ياقوت حموي رومي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٦٢٦هـ، دار إحياء التراث العربي، بيروت.

- معجم الصحابة، للإمام الحافظ أبي الحسين عبد الباقي بن قانع البغدادي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٣٥١هـ، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز، مكة المكرمة، الرياض، الطبعة الأولىٰ، ١٤١٨هـ.

- المعجم الكبير، للإمام سليمان بن أحمد بن ايوب الطبراني، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٣٦٠هـ، دار الفكر، بيروت.

- المعجم المفهرس لألفاظ الحديث النبوي، أ-وي- منسنك، و ي-پ- منسنج، مطبعة بريلي في مدينة ليدن ١٩٦٥م.

- معجم مقاييس اللغة، للإمام أحمد بن فارس بن زكريا قزويني رازي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٣٩٥هـ، دار الفكر، بيروت.

- المعجم الوسيط، دكتور إبراهيم أنس، دكتور عبدالحليم منتصر، عطية الصوالحي، محمد خلف الله أحمد، مجمع اللغة العربية، دمشق.

- معرفة الصحابة، للإمام الحافظ أبي نعيم أحمد بن عبد الله الأصبهاني، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٤٣٠هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولىٰ، ١٤٢٢هـ.

- المغرب، أبو الفتح ناصر الدين مطرزي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٦١٠هـ، إدارة دعوة الإسلام، كراتشي.

- المغني، للإمام موفق الدين أبي محمد عبد الله بن أحمد بن قدامة، رحمه الله

تعالیٰ، المتوفى ٦٢٠ھ، دار الفكر، بيروت.

● - المفردات في غريب القرآن، العلامة حسين بن محمد المعروف بالراغب الأصفهاني، رحمه الله، المتوفى ٥٠٢ھ، قديمي كتب خانه، كراتشي.

● - المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم، للإمام أبي العباس أحمد بن عمر بن إبراهيم القرطبي، رحمه الله، المتوفى ٦٥٦ھ.

● - المكتوبات الربانية، للإمام الرباني الشيخ أحمد بن عبد الأحد السرهندي مجدد الالف الثاني، المتوفي ١٠٣٤ ......

● - المنتقى شرح الموطأ، القاضي أبو الوليد سليمان بن خلف الباجي، رحمه الله، المتوفى ٤٩٤ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الاولى، ١٤٢٠ھ.

● - منهاج السنة النبوية، للإمام الهمام أبي العباس أحمد ابن تيمية الحراني، رحمه الله، المتوفى ٧٢٨ھ، مؤسسة قرطبة، ١٤٠٦، الطبعة الأولى.

● - المنهل الروي في مختصر المنهل علوم الحديث النبوي لابن جماعة محمد بن إبراهيم دار الفكر بيروت

● - موارد الظمآن إلى زوائد ابن حبان، للإمام أبي الحسن علي بن أبي بكر الهيثمي، رحمه الله، المتوفى ٨٠٧ھ، دار الكتب العلمية، بيروت.

● - المواهب اللدنية المطبوع مع الشمائل المحمدية، للإمام الشيخ إبراهيم بن محمد بن أحمد الشافعي البيجوري، رحمه الله تعالیٰ، المتوفى ١٢٧٧ھ، فاروقی کتب خانه، ملتان.

● - الموضوعات، للإمام أبي الفرج عبد الرحمن ابن الجوزي، رحمه الله تعالیٰ، المتوفى ٥٩٧ھ، قرآن محل، اردو بازار کراچی، ودار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثانية، ١٤٢٤ھ.

● - موسوعة الإمام الشافعي (كتاب الأم)، للإمام المحدث الفقيه محمد بن إدريس الشافعي، رحمه الله، المتوفى ٢٠٤ھ، دار قتيبة، الطبعة الثانية، ١٤٢٤ھ.

● - ميزان الاعتدال في نقد الرجال، للحافظ شمس الدين محمد أحمد بن عثمان

الذهبي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٧٤٨هـ، دار إحياء الكتب العربية، مصر، ١٣٨٢هـ.

●- ناسخ التواريخ لسان الملك مرزا محمد تقي، مطبوعه ايران.

●- نسيم الرياض في شرح شفاء لِلقاضي عياض، للإمام شهاب الدين أحمد بن محمد بن عمر الخفاجي، رحمه الله، المتوفى ١٠٦٩هـ، دار الكتب العلمية بيروت، الطبعة الأولىٰ، ١٤٢١هـ.

●- النهاية في غريب الحديث والأثر، للعلامة مجد الدين أبي السعادات المبارك بن محمد ابن الأثير، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٦٠٦هـ، دار إحياء التراث العربي بيروت.

●- نهج البلاغة......، للشيخ سيد شريف الرضي أبي الحسن، مطبوعه مصر.

●- وفيات الأعيان، قاضي شمس الدين أحمد بن محمد المعروف بإبن خلكان، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٦٨١هـ، دار صادر، بيروت.

●- الهداية، للشيخ برهان الدين أبي الحسن علي بن أبي بكر المرغيناني، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٥٩٣هـ، مكتبه شركت علميه، ملتان، ومكتبة البشرىٰ، كراتشي، الطبعة الأولى، ١٤٢٨هـ.

●- هداية النحو...... للشيخ سراج الدين النظامي، المتوفى ٧٥٨هـ، مكتبة البشرى بكراتشي.

●- هدى الساري (مقدمة فتح الباري)، للحافظ ابن حجر العسقلاني، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٥٩٣هـ، دار السلام، الرياض، الطبعة الأولى، ١٤٢١هـ.